THE BOOK WAS DRENCHED

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ جنوری سنہ ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس المصنفین دار المصنفین کا علمی ماہوار رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت :- پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

دار المصنفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد اول مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے، جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۵۴۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت: للعہ، جلد دوم زیر طبع ہے، مرتبہ سید ریاست علی ندوی،

تاریخ فقہ اسلامی، مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جسمیں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت للعہ، مترجمہ مولنا عبد السلام ندوی،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۴۹۷ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت: للعہ مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی،

مقدمۂ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات پر و سوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ ضخامت ۴۸۷ صفحے، قیمت: صہ مصنفہ سید نجیب اشرف ایم اے، ندوی،

الفاروق یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

مولنا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گراں پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلّا ٹائیٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت: للعہ

خلفائے راشدین، سیر المہاجرین کا حصۂ اول، چاروں خلفاء کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا مجموعہ حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت: ہے، از مولنا حاجی معین الدین ندوی،

(دار المصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنفین، اعظم گڈہ

جلد ۳۷ | ماہ شوال ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۶ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بحمد اللہ کہ معارف کے نئے سال کے آغاز کے ساتھ ہم یہ خوشخبری ناظرین معارف تک پہنچانے کے قابل ہو سکے ہیں کہ خداوند تعالیٰ نے مدیر معارف حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی متعنا اللہ بطول بقائہ کو شفائے کامل عطا فرمائی، تاہم ابھی ضعف و ناتوانی زیادہ ہے، اس لئے طبی مشورہ کے مطابق دو چار مہینے علمی مشاغل سے وابستہ نہ ہو سکیں گے،
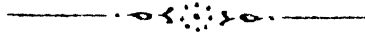
حضرۃ الاستاذ کے زمانۂ علالت میں ملک میں بعض اہم ملی و علمی اجتماعات منعقد ہوئے، جن میں سے بعض اجلاس میں موصوف کو شرکت کا خیال تھا، خصوصاً مولانا **حالی** مرحوم کی صد سالہ برسی کی تقریب میں شریک ہونے کا ابتدائی سامان سفر درست فرما چکے تھے کہ علالت کی ابتدار ہوئی، اور معذرت کی تحریر بھیجنی پڑی تاہم اس تقریب میں عملی شرکت مسدس حالی کے صدی اڈیشن پر مقدمہ نگاری سے ہو گئی ہے،

مسدس حالی، ہماری زبان کی ان کتابوں میں ہے جنھیں پچھلے پچاس ساٹھ برس میں قبول عام و حیات دوام نصیب ہوئی، اور اسے حالی مرحوم کی زندگی کا شاہکار کہا جا سکتا ہے، کارکنان حالی پبلشنگ ہاؤس دہلی مستحق ستائش ہیں کہ انہیں موصوف کی اس صد سالہ تقریب کے موقع پر اس مسدس کے صدی اڈیشن کے نکالنے کا خیال پیدا ہوا جس میں ملک کے مشاہیر اہل علم نے اپنے اپنے رنگ میں مولنا حالی اور انکی مسدس پر تقریب اور مقدمے لکھے، "تقریب" کے عنوان سے مولوی

عبدالحق صاحب، سر سید راس مسعود، نواب صدر یار جنگ مولنا حبیب الرحمن خاں شروانی، اور مولنا عبدالماجد دریابادی کے مضامین ہیں، اور "مقدمہ" کے ذیل میں حضرۃ الاستاذ مولنا سید سلیمان ندوی نے "مسدس کی حیات جاوید" اور جناب خواجہ غلام السیدین نے "مسدس کی مصلحانہ شان" دکھائی ہے، یہ اڈیشن نفیس کاغذ پر بہترین لکھائی چھپائی اور طلائی جلد کے ساتھ شائع کیا گیا ہے، دو روپیہ میں حالی پبلشنگ ہاؤس، پوسٹ بکس نمبر ۱۳، دہلی کے پتہ سے مل سکتا ہے،

انہی دنوں مسلمانوں کی قدیم خدمتگذار انجمن **ایجوکیشنل کانفرنس** علی گڈہ کا اجلاس مرادآباد میں منعقد ہوا، اور اس سال اس کی زندگی کی یہ علامت نظر آئی کہ صوبہ متحدہ کے وزیر تعلیم نے عین اجلاس میں اس کی بعض پچھلی تجویزوں پر حکومت کے توجہ فرمانے کا ثبوت بہم پہنچانے کے لئے ایک تحریری یادداشت ارسال کی، اور کانفرنس نے ایک مرتبہ پھر حکومت کو توجہ دلائی کہ یہ اجلاس اس کی ارسال کردہ یادداشت سے مطمئن نہ ہو سکا، شاید اسی تدریجی ترقی سے گوہر مراد ہاتھ آجائے،

اس سال آل انڈیا **اورینٹل کانفرنس** کا اجلاس آخر ماہ دسمبر میں میسور میں منعقد ہوا، یہ ہندوستان میں مشرقیات کی نمایندہ جماعت ہے، اور حسن اتفاق سے اس اجلاس میں امریکہ، جرمنی، پولینڈ اور فرانس کے بعض وارد ہند مستشرقین نے بھی شرکت کی، لیکن نہ معلوم کن اسباب سے اس سال اس کانفرنس کے کارکنون کی اصل توجہ مشرقی زبانوں میں سے صرف آریائی زبان سنسکرت کی طرف مبذول رہی، اور کانفرنس کی افتتاحی تقریر اور صدارتی خطبوں میں صرف اسی کا ذکر خیر رہا، ڈاکٹر سکاٹ پرو وایس چانسلر میسور یونیورسٹی نے استقبالیہ خطبہ میں میسور کی شرقیات نوازی کا ذکر کرتے ہوئے ایک سو سنسکرت اور ملکی مخطوطات کے شائع کئے جانے اور سولہ ہزار کتبے دریافت کئے جانے کا تذکرہ کیا، پھر وایس چانسلر میسور یونیورسٹی نے جو مہاراجہ میسور کے بھائی ہیں، کانفرنس کا افتتاح کیا، اور اپنے خطبہ میں جنوبی ہند کی ایک مکمل تاریخ کے لکھنے کی ضرورت دکھائی ہے، اس کے بعد صدر منتخب ڈاکٹر کرشنا سوامی آینگر نے خطبۂ صدارت پڑھا، جس میں "مشرقیات" سے مراد "ہندیات" اور "ہندیات" کا مفہوم "ہندویات" لیا گیا، ان کا پورا خطبہ اسی رنگ میں ڈوبا ہوا تھا، یہانتک کہ کانفرنس

کی طرف سے قلمی کتابون کی نمایش کا جو اہتمام تھا، اور جس میں ہندوستان کے ہر حصہ سے کتابیں منگائی گئی ہیں، لیکن پوری نمایش میں عربی، فارسی اور ہندوستانی کی ایک کتاب بھی موجود نہ تھی، اس وقت تک شرقیات میں سنسکرت و عربی، برج بھاشا و فارسی اور ہندی و ہندوستانی زبانون کے نام پہلو بہ پہلو لئے جاتے ہیں، ایسا نہ ہو کہ ہندوستان کی دونوں قوموں کی موجودہ افسوسناک سیاسی تفریق و معاشرتی بیگانگی ان زبانوں کے خادموں کے لئے بھی کسی ایک اجلاس میں مجتمع ہونا ناممکن بنا دے،

عیسائی مبلغین کی مساعی سے انجیل کے لاکھوں نسخے ہندوستان کی اکثر زبانون میں شائع ہو چکے ہیں، اس کے باوجود وہ اپنے تبلیغی مساعی کی طرف سے مطمئن نہیں، اور انجیل کی مزید اشاعت پر ان کے مذہبی رسالون میں زور دیا جا رہا ہے، چنانچہ اس ماہ کے معارف میں بھی اس موضوع پر رسالہ مسلم ورلڈ (امریکہ) کے ایک مضمون کی تلخیص شریک اشاعت ہے،

دوسری طرف اپنے تبلیغی کامون کا جائزہ لیجئے، ترچناپلی مدراس میں ۱۹۲۷ء میں قرآن مجید کے ایک ٹامل ترجمہ کا آغاز کیا گیا تھا، چنانچہ چند ابتدائی پارون کا قابلِ اطمینان ترجمہ کر لیا گیا، اور پہلا پارہ شائع بھی ہو گیا، لیکن یہ کس قدر حسرت انگیز واقعہ ہے کہ جب ایک مدراسی نو مسلم عبد الرحمن صاحب نے لکھنؤ سے اس کے بعد کے پارون کے لئے خط لکھا تو اس کے مترجم مولوی عبد الحمید باغوی نے جواب میں لکھا کہ انہیں چند سال کے انتظار کے بعد اس مبارک کام سے دستکش ہو جانا پڑا کہ پہلے پارہ کے ترجمہ کے مطبوعہ نسخون کا بڑا حصہ رکھا رہ گیا، نہ اپنے مسلمان ملے جو انھیں خریدتے اور نہ مدراس جیسے مسلمانون کے متمول صوبہ میں کوئی ایسا صاحبِ ثروت کھڑا ہوا، جو صرف اللہ کے لئے اس کے کلام کو چھپوا کر شایع کر سکتا، مدراس کے مسلمان تجار توفیقِ الٰہی سے اپنی دولت، کارِ خیر میں صرف کرتے رہے ہیں، کیا کوئی ایسا صاحبِ عزم ہوگا، جو اپنے صوبہ کی زبان میں خدا کے کلام کو پہنچانے کا بیڑا اٹھائے، کہ دیسی عیسائیون کی بڑی تعداد وہان آباد ہے، ان کی انجیل ہمارے گھرون میں موجود ہے، اگر ہم بھی اپنا قرآن ان تک پہنچائیں تو اپنے فرض سے سبکدوش ہونگے،

مقالات

سسلی مین مسلمانون کا تمدن

از سید ریاست علی ندوی،

(۵)

سسلی کے عہد عیسوی میں اسلامی تہذیب و تمدن،

بیان بالاسے اندازہ ہوا ہوگا کہ سسلی کے اس عیسوی دور مین جب تک وہ مسلمانون کے وجود سے خالی نہیں ہوا، عیسائیون نے اسلامی تہذیب و تمدن کو ہمہ گیری سے قبول کر لیا تھا، اس لئے مناسب ہے کہ اس بحث کے خاتمہ پر چند اشارات اس جانب بھی کر دئے جائین،

سسلی کی اسلامی سلطنت کی تباہی کے اسباب کیا ہین، یہ میرے دائرۂ بحث سے خارج ہے، الغرض جب راجر اول کو سسلی پر تسلط حاصل ہوا، اور ۱۰۶۱ء سے ۱۰۹۱ء تک میں اس نے صقلیہ کے چپہ چپہ پر مسیحی علم بلند کر دیا، تو اس کے بعد اس کی خدمت مسیحیت کا دور شروع ہوا، راجر کو عیسائیون کی طرف سے "محافظ دین مسیحیت" کا وسیع خطاب ملا ہے، وہ واقعی اس کا پورا مستحق تھا، اس نے ان تمام معاہدون کے برخلاف جو فتح صقلیہ کے وقت مختلف اسلامی شہرون سے کئے تھے، صقلیہ کے مسلمانون کے مذہب اسلام کے استیصال کا حتمی تہیہ کر لیا، اولاً جنوبی اٹلی، نارمنڈی اور فرانس کی عیسائی قومون کو صقلیہ میں لا کر آباد کر دیا، اسلام میں داخلہ کا دروازہ قانوناً بند کیا، مسلمان نظام حکومت سے الگ ہو ہی چکے تھے، معیشت کے تمام دروازے بھی ان پر بند ہو گئے، اور اس کے مختلف شعبون، صنعت حرفت، اور تجارت سے انھیں الگ کر کے ان کی جگہ نو آباد عیسائیون کو برسر اقتدار لانا شروع کیا،

راجر کو ایک طویل عہد تک فرمانروائی کا موقع ملا، اور وہ اپنے عہد میں اسی طرح صقلیہ کے مسلمانوں کے سیاسی و معاشی وجود کا خاتمہ کرتا رہا، نویری، ابن اثیر اور ابو الفدا بیک زبان لکھتے ہیں کہ

"راجر سارے جزیرہ کا مالک ہوگیا، اور یورپین قوموں کو مسلمانوں کے ساتھ آباد کیا، اور وہاں کے مسلمان باشندوں کیلئے کوئی حمام، کوئی دکان، کوئی پن چکی، اور کوئی تنور (یعنی تجارت، صنعت حرفت اور زمینداری وغیرہ) باقی نہیں چھوڑا[1]"

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ نارمنوں کے دور آغاز کے ساتھ مسلمانوں کے مصائب کی ابتدا ہوگئی تھی سارے جزیرہ میں بھی ابتری پھیل گئی، کیونکہ نارمن نہ خود کسی مدنیت کے حامل تھے، نہ کسی اعلیٰ نظام حکومت کے قائم کرنے کا انھیں تجربہ تھا، اور نہ ملک کی معاشی حالت کو سنبھالنے کی استعداد رکھتے تھے، تاہم راجر اول خدمتِ مسیحیت اور نشۂ فتحمندی کے جوش میں اسی حکمت عملی پر گامزن رہا، اور کچھ نہ کچھ کرتے گیا، لیکن اس کے عہد حکومت کے بعد وہ جوش و خروش کچھ سرد پڑا اور کچھ دوسرے حالات ایسے پیدا ہوگئے، کہ اس کے جانشینوں پر اس حکمت عملی کی ناکامی جلد آشکارا ہوگئی، اور نظر آیا، کہ نظام حکومت سنبھالنے والا، اور معیشت کے ذرائع بہم پہنچانے والا، جزیرہ میں بجز مسلمانوں کے کوئی اور موجود نہیں، اور خصوصًا اسلئے کہ اسی اثنا میں نارمن حکومت اور بعض دول یورپ میں جنگ چھڑ گئی[2] اور راجر دوم کو صقلیہ کے معاملات پر توجہ کرنے کا کم موقع ملنے لگا، بالآخر اس نے اپنی حکمت عملی بدلی، اور مسلمانوں کو نظام حکومت میں شرکت کرنے کی دعوت دی، اور خود اسلامی مدنیت اختیار کر لینے پر آمادہ ہوگیا، نویری وغیرہ لکھتے ہیں:-

"اس کے بعد اس کا لڑکا راجر تخت پر بیٹھا، اس نے مسلمان سلاطین کا طریق عمل اختیار کیا، اور اسی پر گامزن ہوا، چنانچہ کوتل گھوڑے، عورتوں کا حجاب، سلاح داوزار کی زیب وزینت اور باڈی گارڈ، (جاندار یہ) وغیرہ کو خود بھی اختیار کیا اور عام عیسائیوں کے عادات واطوار سے کنارہ کش ہوگیا، کیونکہ ان چیزوں سے وہ لوگ ناآشنائے محض تھے، نیز اس نے دیوان المظالم قائم کیا۔"

[1] نہایۃ الارب در امار ی ص ۴۴۸ و ابن اثیر و ابو الفدا [2] انسائیکلوپیڈیا جلد ۲۲ ص ۴۵۳، طبع یازدہم،

اور مسلمانوں کے ساتھ اعزاز و اکرام سے پیش آیا، اور ان کو عہدے دیکر اپنے گرد جمع کیا، اور عیسائیوں کو ان پر دست انداز ہونے سے روک دیا، ان حالات کی بنا پر مسلمان بھی اس سے محبت کرنے لگے،[1]

اسی زمانہ میں صقلیہ کا عیسوی اسلامی عہد شروع ہوتا ہے، دونوں قومیں ملک میں مشترکہ زندگی بسر کرتی ہیں، اور ایک دوسرے کے رنج و راحت میں شریک رہتی ہیں،

کچھ دنوں تک یہی حالات قائم رہے، اس اثنا میں نارمن حکومت نے ایک طرف اسلامی ملکوں میں فتوحات حاصل کیں، دوسری طرف دول یورپ میں بین الاقوامی وقار حاصل کر لیا،

اس کے بعد اور نئے حالات پیش آتے ہیں، اور اس کے نتیجہ میں صقلیہ میں بھی ایک نئی تبدیلی ظاہر ہوتی ہے، یعنی نارمن حکومت اور دول یورپ خصوصاً سلطنت کلیسا کے باہمی تعلقات سے مسیحیت کی خدمت کا تخیل تازہ ہوتا ہے، اور اسلام اور عیسائیت کے مذہبی تعصبات کی دبی ہوئی چنگاریوں کو پوپوں کی مقدس عبا کے دامن کے جھونکوں سے ہوا لگتی ہے، اسلام اور عیسائیت میں امتیاز پیدا ہوتا ہے، اور اس کا سب سے پہلا مظاہرہ ایک عیسائی پر مسلمان ہو جانے کا شبہہ کرنے اور اس جرم میں پوپوں کے فیصلہ کے مطابق اسے نذر آتش کر دینے میں پیش آتا ہے، اگرچہ بہ ظاہر اس کا تعلق مسلمانوں سے کچھ معلوم نہیں ہوتا، مگر ابن اثیر کی اس واقعہ پر ذیل کی رائے سنئے:

"یہ پہلی مصیبت تھی، جو صقلیہ میں مسلمانوں پر ٹوٹی، اس کے بعد خدا نے راجر کو کم مہلت دی، اور وہ اسی سال ماہ ذی الحجہ کی دسویں تک انتقال کر گیا،"[2]

اور اسی زمانہ میں یہ پیش آتا کہ اگر افریقہ کا کوئی اسلامی مفتوح شہر بغاوت کرتا اور وہاں عیسائی آبادی ہوتی تو کہا جاتا،

"اگر ایک عیسائی بھی مارا گیا، تو صقلیہ کے تمام مسلمانوں کی جائداد واملاک قرق کر لی جائے گی، اور تمام مسلمانوں کو قتل کر دیا جائے گا،"

اور وہ وقت بھی آپہنچا، کہ صقلیہ کے گلی کوچوں میں اسلام و پیغمبرؐ اسلام کے متعلق نا ملائم کلمات اکثر سنائی

---

[1] نہایۃ الارب نویری در اماری ص ۴۴۴، [2] ابن اثیر جلد ۱۱ حوادث ۵۴۸ھ

دینے لگے، اور اس طرح رفتہ رفتہ مسلمانون کے جڑے ہوئے دل بھی ٹوٹ گئے،

لیکن ایک طرف اسلام سے یہ بیزاری ہے، اور دوسری طرف یہ سن کر تعجب کیجئے کہ اسلامی تمدن ساری عیسائی آبادی پر چھا جاتا ہے، اور تمام نوآباد عیسائی اسلامی مدنیت کے پرستار بنتے جاتے ہین، اور چونکہ اسلامی مدنیت کے حامل یہی مسلمان تھے، اس لئے ہر حیثیت سے اس وقت بھی ان کی پذیرائی ہے لیکن یہ نظر آتا ہے، کہ اگر دنیاوی جاہ وحشم درکار ہے، تو اپنے آقاؤن کی خوشنودی کے لئے خواہ اسلام ترک کرین، یا اسلام رکھیں، تو کتمان ایمان کرین، ورنہ بدرجہ اقل اسلام یا پیغمبر اسلام کے محاسن پر کبھی کوئی لفظ نہ نکالین، چنانچہ جب ابن جبیر صقلیہ پہنچا، تو یہی دونون متضاد گردوپیش تھے، جن میں مسلمانان صقلیہ گھرے ہوئے تھے کہ ایک طرف اسلامی تمدن کی پذیرائی تھی اور دوسری طرف مذہب اسلام اور شہادت کلمۂ اسلام سے بیزاری، ابن جبیر نے ان دونون نقشوں کو جدا جدا دکھایا ہے، پہلے اسلامی تہذیب و تمدن کی خدمت کا مختصر نظارہ کیجئے، لکھتا ہے،

"یہان کے فرمان روا کے حالات تعجب انگیز ہین، وہ ایک نیک سیرت فرمان روا ہے مسلمانون کو خدمات پر سرفراز کرتا ہے، مسلمان خواجہ سراؤں کو اپنے یہان نوکر رکھتا ہے، ..... مسلمانون پر کامل اعتماد رکھتا ہے، اور اپنے تمام حالات واہم مشاغل میں انہی سے تسکین ہوتی ہے، یہانتک کہ اوس کے باورچی خانہ کا داروغہ بھی ایک مسلمان ہی ہے ...... اس کے وزرا و حجاب مسلمان ہیں، مسلمانوں میں سے اکثر ارباب حکومت اور اس کے ندماے خاص ہین، اور درحقیقت اس مملکت کی رونق انہی مسلمانون سے قائم ہے، یہی لوگ رئیسانہ طور و طریق کے ساتھ عیش و تنعم سے زندگی گذارتے ہین، اور یہی لوگ قیمتی لباسون، عمدہ سواریوں، خدم وحشم اور اتباع اور حاشیہ نشینوں کے ساتھ رہتے سہتے ہیں، ..... اس کے محل میں بہ کثرت کنیز اور غلام ہیں، عیسائی فرماں رواؤن میں اس سے زیادہ عیش پرست اس سے زیادہ طمطراق رکھنے والا اور اس سے زیادہ مرفہ الحال کوئی دوسرا موجود نہیں، وہ شاہانہ شان و شوکت، ترتیب قوانین، طرز حکومت، عہدہ دارون کے مراتب کی تعیین اور

زیب و زینت وغیرہ کے اظہار میں سلاطین اسلام کے مشابہ ہے، اس کی مملکت بڑی ہے، اور اس کے دربار سے اطبا، وہیئت دان وابستہ ہیں،......اس کے وہ تمام خدام اور خواجہ سرا جو محل میں اس کے ساتھ رہتے ہین مسلمان ہیں، اور وہ سب کے سب یا ان میں سے اکثر اپنا ایمان چھپائے ہیں،..... اس سلطنت کے اعیان اور اس کے صوبوں کے والی بھی مسلمان ہی ہین"

جس قوم کی تہذیب و تمدن کی محبوبیت کا یہ عالم ہے، اب اسی زمانہ میں اس قوم کے دردناک مصائب اور مذہبی آزادی پر ظالمانہ پابندی کی روداد بھی سنئے، کہتا ہے:۔

"اس شہر کے زمانہ قیام میں ہم کو اس جزیرہ کے باشندون کی وہ بری حالت جو عیسائیون کی وجہ سے ہوئی ہے، اور اس کی ذلت و مسکنت اور ذمیوں کی طرح رہنے، اور بادشاہ کی ایسی سختی جوان کے بدبخت بچون اور عورتوں کو دین سے برگشتہ کرنے کے متعلق کی جارہی ہے، دردانگیز طریقہ پر معلوم ہوئی اس تشدد نے بعض اوقات ان کے بوڑھون کے ساتھ ایسی ذلت انگیز سزا کی صورت اختیار کرلی جوان کے مذہب چھوڑنے کا سبب بن گئی، چنانچہ انہی قریبی سالوں کا قصہ ہے، کہ اس ظالم بادشاہ کے دارالسلطنت کے ایک فقیہ کو جس کا نام ابن زرعہ تھا، سرکاری ملازموں نے مطالبہ ادا کرنے کے لئے اس قدر تنگ کیا کہ وہ دائرۂ اسلام سے نکل کر عیسائیت کے دائرہ میں آگیا، انجیل خوب یاد کرلی، رومیوں کی سیرتون کا مطالعہ کیا، اور ان کی شریعت کے قوانین ازبر کرلئے، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان قسیسوں میں شامل ہوگیا، جن سے عیسائیت کے احکام کے متعلق فتوی پوچھا جاتا ہے، اور چونکہ وہ پہلے سے اسلامی شریعت کے احکام سے بھی واقف تھا، اس لئے جب اسلامی شریعت کا کوئی مسئلہ آتا، تو اس کے متعلق بھی اس سے فتوی پوچھا جاتا، اور ان دونوں شریعتوں کے احکام کے متعلق اس کا فتوی نافذ کیا جاتا، اس کے گھر کے سامنے ایک مسجد تھی، جسکو اس نے گرجا بنالیا،...... اسی زمانہ میں ابوالقاسم احمد بن حمود المعروف بابن الحجر...... اس ظالم بادشاہ کے زیر عتاب تھے، اس نے ان کے دشمنوں کے

ایک مطالبہ کی وجہ سے ان کو انہی کے گھر میں نظر بند کر دیا تھا، ......اور بعض جھوٹے الزامات...
......کی پاداش میں وہ عنقریب ہلاک کر دئے جاتے، لیکن ان کے پہرے والوں نے ان کی صفائی
دی، ان پر بہت سے تاوانات بھی جن کی تعداد تقریبًا ۳۰ ہزار مومنیہ دینار تھی، لگائے گئے، اور
ان کے تمام گھر بار اور ان کی تمام ملکیت جو انھوں نے اسلاف سے پائی تھی، ضبط کر لی گئی تھی،....
ہم نے ان سے ملاقات کی، تو انھوں نے اپنی اور اس جزیرہ کے لوگوں کی دلخراش اندرونی حالت بیان
کی، مثلاً انھوں نے کہا، میں یہ پسند کرتا تھا کہ کاش میں اور میرے خاندان کے لوگ فروخت کر دئیے
جاتے، تو اس مصیبت سے جس میں ہم لوگ مبتلا ہیں، نجات پاجاتے، اور مسلمانوں کے ملک میں پہنچ
جاتے،...... ہم ان سے ایسی حالت میں جدا ہوئے، کہ خود روتے تھے، اور لوگوں کو رلاتے
تھے، ہم نے شہر میں ان کے اور ان کے بھائیوں اور خاندان کے گھر دیکھے تھے جو شاندار معلوم ہوتے تھے،
اس جزیرہ کے باشندوں کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ ایک آدمی اگر اپنے لڑکے یا بیوی پر غصہ
کرتا ہے، یا ماں اپنی لڑکی پر غصہ کرتی ہے، تو یہ سب اس کے عار سے گرجے میں جا کر عیسائی ہو جاتے
ہیں، اور اب بیٹا باپ کے ہاتھ سے اور لڑکی ماں کے ہاتھ سے نکل جاتی ہے،....... ہم نے ان کی
سب سے عجیب دردانگیز حالت یہ دیکھی، کہ اس شہر کے اعیان میں سے ایک شخص نے اپنے بیٹے کو ہمارے
حاجی رفقاء میں سے ایک کے پاس بھیجا، کہ وہ ان کی باکرہ قریب البلوغ لڑکی سے نکاح کرنا منظور
کرلیں، لیکن اگر وہ نکاح کرنا پسند نہ کریں، تو اپنے شہر میں جس سے پسند کریں نکاح کر دیں، لیکن اسکو
اپنے ساتھ لے جائیں، وہ اپنے باپ اور بھائیوں کے چھوڑنے پر راضی ہے، تاکہ اس آزمائش سے نجات
پائے اور مسلمانوں کے شہر میں پہنچ جائے،......... وہ شخص راضی ہو گیا، اور ہم کو اس حالت پر سخت تعجب
ہوا، جو انسان کو ایسی عزیز چیز کی قربانی پر مجبور کر دیتی ہے، اور اس کو ایسے شخص کے سپرد کر دیتا
ہے، جو اس کو پردیس میں لے جائے، اور اس پر صبر کرتا ہے، اور اس کے شوق کا مقابلہ کرتا ہے،

اسی طرح اس لڑکی پر تعجب ہوا، کہ اپنے اعزہ کی جدائی حرمت اسلام کی خاطر گوارا کرتی ہے، چنانچہ جب باپ نے اس سے اپنے ارادہ کے متعلق مشورہ کیا تو اس نے کہا کہ اگر آپ مجھے روک لیں گے تو آپ سے اس کا مواخذہ ہوگا، یہ لڑکی ماں باپ کے پاس تھی، اور اس کے چھوٹے بھائی اور بہن تھے، یہاں کے عاقبت اندیش لوگوں کو یہ خوف ہے کہ جزیرہ اقریطس کے مسلمانوں پر پہلے جو مصیبت نازل ہوئی، وہ ان سب پر نازل نہ ہو جائے، کیونکہ اس جزیرہ کے تمام لوگوں کو اس ظالمانہ حکومت نے رفتہ رفتہ عیسائی بننے پر مجبور کر دیا، خدا کو جس کی نجات منظور تھی، وہ تو بھاگ گئے اور کافروں پر خدا کا عذاب نازل ہو گیا"[۱]

ابن جبیر کو کیا معلوم تھا کہ ان عاقبت اندیش لوگوں کا یہ خوف ایک سو اسی سال کے اندر ہی پیش آجائیگا، وہ خطرہ کس شکل میں صحیح نکلا، ابن خلدون کی زبان سے سنئے:-

"سلطان ابو زکریا نے صاحب جزیرہ صقلیہ سے مسلمانوں کے لئے یہ معاہدہ کر لیا تھا، کہ شہر اور بیرون شہر میں سب کے سب (عیسائیوں کے ساتھ) شریک ہو کر رہیں گے، چنانچہ وہ اس طرح آباد ہو گئے تھے، لیکن جب سلطان کے وفات پانے کی خبر وہاں پہنچی، تو عیسائی ان پر مظالم کرنے کے لئے ٹوٹ پڑے، اور وہ بھی قلعوں اور پتھریلی زمینوں میں پناہ گزیں ہو گئے، اور اپنے اوپر بنو عبس کے پرجوش شخص کو سردار مقرر کیا، اور صقلیہ کے جابر بادشاہ نے ان کے کوہستانی قلعوں میں ان کا محاصرہ کیا، اور ان کو گھیر کر قلعہ کے نیچے اتارا، اور ان کو سمندر کے پار لوجارہ میں لیجا کر انھیں آباد کر دیا، اور جزیروں پر قابض ہو گیا، اور کلمہ کفر کو رائج کر کے کلمۂ اسلام کو مٹا دیا"[۲]

پھر ان جلا وطن بدبخت مسلمانوں کو اٹلی کی ان نو آبادیوں لوسیرا و نوسیرا میں آخر کیا پیش آیا، اسکو سٹوریز ہسٹری آف دی ورلڈ میں دیکھئے، کہ

"مسلمانان صقلیہ قلب ایطالیہ میں رہ کر اپنے مذہب اور اپنی معاشرت کو قائم رکھتے تھے، یہانتک کہ

---

[۱] رحلۃ ابن جبیر ازص ۳۲۰، ۳۴۳، [۲] ابن خلدون جلد ۶ ص ۲۸۰،

تیرہویں صدی کے آخر میں خاندان آنجو نے ان کا قطعی استیصال کر دیا[1]"

اور انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا میں کہا گیا ہے:-

"شروع میں انھیں مذہبی آزادی حاصل رہی، لیکن وہ ۱۳۰۰ء میں بجبر عیسائی بنائے گئے[2]"

یہی ہے ان مسلمانانِ صقلیہ کا آخری انجام جنھوں نے یورپ میں اپنی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون کی ایسی داغ بیل ڈالی، جو جدید یورپ کے جدید تہذیب و تمدن اور جدید علوم و فنون کی بنیادوں میں سے ایک ہے، جس کی تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، لیکن ان کے ان احسانات کے باوجود اس قوم کا ہر ایک متنفس یورپ کے اس چپہ سے محض تنگ نظر و تنگ انسانیت علمبردارانِ مسیحیت کے جہل و تعصب کی بدولت حرف غلط کی طرح مٹا دیا گیا، اور پورا جزیرہ صقلیہ مع اپنے وسیع معنی اطلاق کے مسلمانوں کے وجود سے خالی ہو گیا، اور اس ساری سرزمین میں ایک متنفس بھی کلمۂ اسلام کا پڑھنے والا باقی نہیں چھوڑا گیا، انسائیکلوپیڈیا بریطانیکا کی بھی یہی شہادت ہے، سسلی کا مقالہ نگار لکھتا ہے:

"پوپوں نے عیسائیت کے فروغ میں اپنی آخری کوششیں صرف کر دیں، اور اب صقلیہ کی سرزمین پر سسلی کے مخصوص باشندے رہ گئے، اور سب کے سب ایک قوم اور ایک مذہب کے سلسلہ میں داخل ہو گئے[3]"

مسلمانانِ صقلیہ کے اس حسرتناک انجام کے سات سو برس بعد بیسویں صدی میں ہمارا ایک دردمند شاعر سسلی سے گذرا، خوبصورت جزیرہ پر نظر پڑتے ہی صقلیہ کی یاد تازہ ہو گئی، اور وفور جذبات میں سسلی کو مخاطب کر کے صقلیہ کے تہذیب حجازی کو جو اب عہد رفتہ کا ایک فراموش شدہ واقعہ اور تاریخ اسلام کی ایک گم شدہ کڑی بن چکی تھی، یاد کر کے اشکبار رہا،

رولے اب دل کھول کر اے دیدۂ خونناب بار　　　وہ نظر آتا ہے، تہذیبِ حجازی کا مزار

بس آج اس تہذیب حجازی کے لوح مزار کے یہی چند نقوش صفحۂ قرطاس پر باقی رہ گئے ہیں،

---

[1] ج ۹ ص ۱۸۳، [2] ج ۵ ص ۹۲۳، (چارس اول و دوم) و جلد ۲۰ ص ۹۶ (نوسیرا) [3] ایضاً جلد ۲۵ ص ۳۵ (سسلی طبع یازدہم)،

شمس معنوی

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاد فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

"انتخاب دیوان شمس تبریز مرتبہ ڈاکٹر نکلسن اور مترجمہ مولوی عبدالمالک صاحب آروی پر معارف نمبر ۶ جلد ۳۰ بابتہ دسمبر ۱۹۳۲ء میں ایک فاضلانہ تنقید شائع ہوئی ہے اسکے آخری سطور یہ ہیں :-

"اس کتاب میں اصل بحث جسکے دیکھنے کے ہم متمنی تھے یہ تھی کہ یہ دیوان جو شمس تبریزؒ کے نام سے موسوم ہے درصل کس کا ہے، اور اس بات پر کہ یہ اصل میں مولینا روم کی تصنیف ہے کیا قدیم شہادتیں موجود ہیں؟ مگر اس مسئلہ کی طرف اس کتاب میں کوئی اشارہ تک نہیں کیا گیا" اس مقالہ میں اسی تمنا کی تکمیل کا سامان ہے اس موضوع پر تفصیلی بحث کیگئی ہے" "غلام دستگیر رشید"

آغاز سخن، خدا نے انسان کو جب ہستی کا جامہ پہنایا، تو اس میں کچھ گل بوٹے بھی بنا دیئے جس کی بدولت گلشن حیات کی رنگینی جنت نظر بن گئی، حسن ازل کی طرف سے جو کچھ انسان کو ملا، اس میں ایک دل بھی ہے، حسن کے ساتھ عشق بھی پیدا کیا گیا، اور دل "مقام عشق" ٹھہرا، عشق کو نطق عطا کرنا مقصود ہوا، تو دل کو زبان عشق یعنی ملکۂ شعر نصیب ہوا، عالم شعر کی ساری رونق جذبات کی بدولت ہے عشق ان کی جان ہے، روح روان ہے جس قدر قوی یہ جذبہ ہوتا ہے، کوئی اور جذبہ نہیں جس قدر لطیف یہ احساس ہوتا ہے، کوئی اور احساس نہیں، ع :-

عشق می گویم وجان می دہم از لذت وے

ایران اور عشقیہ شاعری، جس طرح مختلف افراد میں اس جذبہ کے اعتبار سے تفاوت باطنی ہوتا ہے، اسی طرح مختلف اقوام میں بھی بحیثیت مجموعی سوز عشق بہ اختلاف مدارج پایا جاتا ہے، یوں تو ہر قوم کے گلستان ادب میں عشقیہ شاعری کی بہار ہے لیکن فارسی شاعری میں اس کا کچھ اور ہی حسن وشباب ہے، ایک وجہ اسکی یہ ہے، کہ مبدء فیاض نے ایران کو بھی حسن بخشا ہے، اور اہل ایران کو بھی، ان قدرتی فیوض کے علاوہ ایران میں تمدن

کے عروج نے احساسات کو بے حد لطیف اور اشتعال انگیز بنا دیا تھا، پھر یہ کیسے ممکن ہے، کہ حُسن تو جلوہ ریز ہو لیکن عشق بیتاب نہ ہو، ع

جلوۂ طور تو موجود ہو موسیٰ ہی نہ ہو،

ہر اہلِ دل اس مصرعہ کا مصداق بنا ہوا تھا، ع

اک آگ سی ہے، سینہ کے اندر لگی ہوئی،

نتیجہ یہ ہوا کہ عشقیہ شاعری کو اس سرزمین مین جسقدر فروغ ہوا کسی اور قوم کے ادب مین اسکی نظیر نہین، اگرچہ ہر بو الہوس نے "حُسن پرستی" اور شعر گوئی کو اپنا شعار بنا کر اسکی رسوائی کا بھی کافی سامان کیا، لیکن بحمد اللہ "آبروے دیدۂ اہلِ نظر" پر کوئی حرف نہ آسکا،

غزل اور عشق کی ترجمانی، اصنافِ سخن مین سے غزل کو عشق و محبت کی ترجمانی کیلئے اختیار کیا گیا، اس لئے غزل کو معراجِ کمال اور قبولیتِ عام کا جو شرف حاصل ہوا، یہ بات کسی اور صنفِ سخن کو نصیب نہ ہوئی،

عشق حقیقی اور عشق مجازی کے جزئی و کلی دقیق اور لطیف احساسات اور جذبات کی ترجمانی جس حسن و خوبی اور جس کثرت سے فارسی غزل مین ہوئی، اس کی نظیر دنیا کی کسی اور زبان مین مشکل سے ملتی ہے،

حسن اور عشق کے مدارج، جس طرح حُسن اور عشق کے مظاہر مختلف ہوتے ہیں، اس کے مراتب اور مدارج بھی مختلف ہیں، جیسے مظاہرِ حُسن غیر محدود ہین، ویسے عشق کے مراتب بھی لامتناہی ہین، محبت ماں سے بھی ہو سکتی ہے، اور بہن سے بھی، لوگ وطن پر بھی فدا ہوتے ہیں، اور اہلِ وطن پر بھی، قلبِ انسانی کبھی حُسنِ فطرت کا شیدا ہوتا ہے اور کبھی دردِ ملت سے بے تاب، کوئی کسی سیمتن نازنین کے ایک ہی جلوہ سے اسقدر مسحور ہوتا ہے، کہ سب کچھ صرف اس کی ایک نگاہِ لطف پر قربان کرنے کو طیار رہتا ہے، لیکن یہ سب حُسن و عشق کی فانی صورتین ہین،

جذبۂ عشق کو کمال اور اطمینان اسوقت نصیب ہوتا ہے، جب وہ حُسنِ مطلق کا شیدائی ہو جاتا ہے،

بیتابیٔ عشق کو تسکین کامل حسنِ ازل ہی کے ربط سے ہوتی ہے،

عشق کا محرک حُسن ہے حُسن جس مرتبہ کا ہوگا کشش عشق بھی اسی درجہ کی ہوگی عشقِ حقیقی میں ناز اور نیاز دونوں بے نظیر ہیں،:- ع

من بہ نازی عجبے تو بہ نیازے عجبے،

عشقِ مجازی میں وہ دبدبہ وجلال وہ جذبۂ استقلال وبیخودی، وہ بے نفسی اور تسلیم کہاں جو عشقِ حقیقی کا خاصہ ہے، اس مسلکِ محبت کا نام تصوف ہے، ایمان کا کمال اسی محبت کی شدت اور قوت میں پوشیدہ ہے، الذین آمنوا اشد حُبًّا لِلّٰہ، درس تصوف کی پہلی اور آخری کتاب "دیوانِ عشق" ہی ہے، عشقیہ شاعری کی معراج عشقِ حقیقی پر منحصر ہے، جو تصوف سے وابستہ ہے،

مجازی اور حقیقی عشق میں وارداتِ قلبی، اور جذباتِ الفت مثلاً اشتیاقِ دید، لذتِ انتظار، تمنائے وصال، عشق اور اس کے لوازم تقریباً ملتے جلتے ہیں، البتہ خاص فرق وامتیاز محبوب اور مقصود کا ہوتا ہے، عاشقِ مجاز کا نشہ خمار آشنا ہوتا ہے لیکن طالبِ حق لذتِ شرب ومدام سے فیضیاب ہوتا ہے،

فارسی میں عشقیہ شاعری اور غزل سرائی نے بھی اسی اعتبار سے مدارجِ تاثیر وکمال طے کئے، ایک مدت تک ایران کی توجہ جنگی تحریکات اور جذبات کیلئے وقف رہی، اس دور میں شعراء کی طبع آزمائی بھی داستان سرائی اور قصیدہ گوئی کے میدان میں ہوتی رہی، اس کا اثر اسقدر نمایاں تھا کہ تشبیب اور ابتدائی غزلیات میں بعض استعارات اور تشبیہات بھی رزمیہ اثر ہی کے تحت ایجاد ہوئیں، مثلاً ابرو کو تیغ، نظر کو تیر اور مژگان کو خنجر سے تشبیہ دیجاتی تھی،

رزم سے بزم کی طرف طبیعت نے پلٹا کھایا، تو غزل سرائی رونقِ محفل بنی، ابتدائی منزلوں میں غزل صرف عشقِ مجازی کی آئینہ دار بنی رہی لیکن جب دورِ تصوف آیا، تو عشقِ دنیا کا یہ غم محبوبِ حقیقی کے غمِ عشق سے مبدل ہوگیا، اس طرح غزل گوئی کے بادۂ خام کو صوفیاے کرام کے شیشۂ دل نے پختہ کر دیا،

در دلِ ما غمِ دنیا غمِ معشوق بود | بادہ گر خام بود پختہ کند شیشۂ ما

یا بقول مولانائے رومؒ،

آتشِ عشقست کاندر نے فتاد | آتشِ عشقست کاندر مے فتاد

غزل کی بلندی اور ترقی کی تاریخ تصوف کی ترقی سے وابستہ ہے محبوب اور مطلوب کی بلندی کے باعث عشق و محبت کو بھی بلندی حاصل ہوئی یہی وجہ ہے کہ اربابِ صفا کے کلام میں جسقدر بلندیِ جذبات پاکیزگیِ خیال، صداقتِ احساس، اور اثرِ اخلاص پایا جاتا ہے، وہ کسی اور گروہ کے کلام میں نہیں،

صوفیانہ شاعری ان الفاظ اور خیالات سے پاک ہوتی ہے، جو پاکیزگی نزاہت اور تہذیب کے خلاف ہوتے ہیں، مثلاً بوس و کنار وغیرہ، اگرچہ عشقِ حقیقی کے صدہا مضامین مجاز کے پیرایہ میں ادا کئے جاتے ہیں، لیکن صرف اس حد تک کہ بادہ و ساغر کے استعارہ میں مشاہدۂ حق کی گفتگو ہو سکے، لیکن اس پیرایۂ مجاز نے کبھی آلودگی کا داغ قبول نہیں کیا،

فارسی شاعری کی ممتاز خصوصیت یہ بیان ہو چکا ہے کہ عشقیہ شاعری کا کمال عشقِ حقیقی پر موقوف ہے، اور تصوف کیساتھ مخصوص ہے، اور زبانوں میں صوفیانہ شاعری کم ہے، پانچویں صدی ایران میں صوفیانہ شاعری کے عروج کا زمانہ ہے، کیونکہ یہ تصوف کا عہدِ شباب ہے، اسلئے عشقیہ شاعری کے حسن و کمال میں دنیا کی کوئی زبان فارسی کا مقابلہ نہیں کر سکتی، جو معنوی حُسن و بلندی اسکی وجہ سے شعرِ فارسی کو حاصل ہے اسکی نظیر شاید ہی دنیا کی کسی اور قوم یا زبان کی شاعری میں ہو، یہ وہ کمال ہے جس پر اہلِ زبان اور فارسی دان جسقدر ناز کریں بجا ہے، کس زبان کی شاعری حدیقۂ سنائیؒ کی شادابی، عطارؒ کی عطر بیزی، سعدیؒ کی مئے ناب نظامیؒ کی رمزگوئی، رومیؒ کے نغمۂ نے، عراقیؒ کے عرفانی گیت، حافظؒ کی نغمہ سرائی خسروؒ کے سحرِ حقیقت، جامیؒ کے جامِ جان بخش، گلشنِ راز کی بہار، اور اقبال کے رموزِ بیخودی کا جواب پیش کر سکتی ہے، ظاہر بین اور ظاہر پرست مغرب تو اس عالمِ لطیف کی نعمتوں اور اس خلد کی بہار سے تقریباً محروم

ہی ہے، لیکن حقیقت شناس اور باطن نواز مشرق بھی فارس کے اس میکدۂ حقیقت کی نظیر نہیں پیش کر سکتا، اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ تصوف، ہر صوفی فرد یا صوفیانہ ذوق رکھنے والی قوم میں زبانِ شعر ہی اختیار کرے، سب سے پہلے جن اہلِ دل بزرگون نے کلام مجاز کو نغمۂ حقیقت سے بدلا، وہ حضرت ابوسعید ابوالخیرؒ اور خواجہ عبداللہ انصاریؒ ہیں، مثالاً عشق حقیقی کے ان اولین ترجمان شعرا کے کلام میں اثر، جوش، اخلاص، شدتِ عشق، اور حُسنِ بیان ملاحظہ ہو جس سے پتہ چلتا ہے، کہ صوفیانہ شاعری کا آغاز کس قدر بلند اور اس کا قبلۂ مقصود کسقدر رفیع الشان تھا،

عشق آمد و شد چو جانم اندر رگ و پوست تا کرد مرا تہی و پر کرد ز دوست

اجزاے وجودم ہگی دوست گرفت نامیست زمن برمن و باقی ہمہ اوست

(خواجہ انصاری)

راہِ تو بہر قدم کہ پویند خوش است وصلِ تو بہر سبب کہ جویند خوش است

روئے تو بہر دیدہ کہ بینند خوش است نام تو بہر زبان کہ گویند خوش است

(ابوالخیر)

ان کے بعد حکیم سنائیؒ نے حدیقہ نگاری فرمائی، انھون نے اپنے کلام میں نہ صرف صوفیانہ جذبات کا اظہار کیا، بلکہ مسائل تصوف کو بھی فلسفیانہ پیرایہ میں بیان کیا، حکیم سنائی کے بعد حضرت عطارؒ نے اپنی عطر بیزی سے مشامِ جان کو معطر فرمایا، حضرت عطارؒ نے صوفیانہ شاعری کے دائرہ کو ایسی وسعت بخشی، کہ مثنوی، رباعی، غزل سارے اصنافِ سخن پر بادۂ صافی کا نشہ چڑھ گیا، سب پر صبغۃ اللہ کی رنگینیان اپنی بہار دکھانے لگین، تاتاری ہنگامہ نے پردۂ غفلت چاک کیا، عالمِ فانی کی بہار کے دو روزہ ہونے کا احساس شدید اور عام ہوا تو فطرۃً حُسنِ باقی کی طرف اکثر اہلِ عبرت اور صاحبِ دل متوجہ ہوگئے، تصوف کی گرم بازاری ہوئی، اکثر اربابِ صفا کو شعر گوئی کا ملکہ بھی فطرت سے ودیعت ہوا تھا، صوفی شعرا کی کثرت ہوئی

اوحدیؒ، سعدیؒ، عراقیؒ اور مولینا رومؒ نے صوفیانہ شاعری کے باغ کو رشکِ ارم بنا دیا،

صوفی شعرا میں مولانا روم کی اہمیت

بلاشبہہ حکیم پاک ذات مرشد رومی کو ان عاشقانِ پاک طینت اور شاعرانِ بلند فطرت کی سرداری حاصل ہے، ان کی حقیقت طرازی نے تو زبانِ شعر کو سراپا الہامی بنا دیا،

انکی مثنوی کے متعلق اربابِ معرفت کا خیال یہ ہے، کہ ؎

مثنوی مولوی معنوی، ہست قرآن در زبان پہلوی،

اس کتاب حق نما کی بنا پر انھیں ع

نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

کہا جاتا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب تصوّف اور فارسی شاعری کی معنوی قدر و قیمت کی بلند بانگ نقیب ہے، ایک عالم اس کے سحر سے مسحور ہے، اور دنیا کی ساری اہم زبانیں اس کے معنوی فیض سے استفادہ کی کوشش کر رہی ہیں شبلی کا یہ قول بالکل صحیح ہے، کہ اسکی شہرت اور مقبولیت کے آگے ایران کی ساری تصانیف دب گئی ہیں، جس کام کو سنائیؒ اور عطارؒ نے شروع کیا، مولانا نے مثنوی کے ذریعہ اسے پایہ تکمیل کو پہنچایا،

نظم میں علاوہ مثنوی معنوی کے انکی غزلیات کا بھی ایک قابلِ قدر اور عظیم الشان مجموعہ ہے، غزل کی جان گداز الفت، سوز دل، اور بیخودی کا اثر ہے، اگرچہ انوری، خاقانی، ظہیر فاریابی، کمال اسمٰعیل، مسعود سعد سلمان، اور عبدالواسع جبلی وغیرہم نے بھی غزلیں لکھیں، لیکن ان کے کلام کا نمایاں اور غالب عنصر صنائع نظمی، اور الفاظ کی مرصع کاری ہے، ان کی غزلیں اس سوزِ عشق سے خالی تھیں، جس نے اربابِ حال اور عشاقِ شیرین مقال کی غزلیات کو مئے دو آتشہ بنا دیا تھا،

صوفی غزل گو شعرا میں مولینا کی اہمیت

تذکرہ نویس متفق ہیں کہ ابتدا میں جن لوگوں نے صنفِ غزل کو ترقی دی، اور اس کے جسم مردہ کو معنی اور اثر کی روح بخشی، اور غزل کو غزل بنایا، وہ سعدیؒ، عراقیؒ

اور مولینا روم ہیں، اگرچہ کلام کے صوری محاسن اور لطائف کے اعتبار سے مولینا کی غزلیات سعدیؒ اور عراقیؒ کی غزلیات کے ہم پایہ نہیں لیکن مختلف معنوی خصوصیات کے باعث ان کو ایک خاص حیثیت حاصل ہے، جو انھیں فارسی کے دیگر غزل گو صوفی شعرا سے ممتاز کرتی ہے،

مولینا کی غزلیات کی اہمیت | مولانا کی غزلیات مختلف وجوہ کے باعث مولانا کی تصانیف کا تفصیلی اور تحقیقی مطالعہ کرنیوالے کے لئے اہم اور توجہ کے قابل ہیں،

۱- یہ فارسی کے سب سے بڑے معنوی شاعر، صاحب مثنوی ہی کے کلام کا ایک بڑا جزو ہیں،

۲- غزلیات مثنوی سے پہلے لکھی گئی ہیں یعنی یہ مولانا کے معنوی اور ادبی ارتقاء کا پہلا زینہ ہیں،

۳- فارسی غزل کی ترقی کے سلسلہ میں ان کی خاص اہمیت ہے، کیونکہ مولانا غزل کے اولین دور کے شعرا میں ہیں،

۴- شاعری کی ایک نوع پیغام گوئی ہے جس کی مثال اردو میں اکبر اور اقبال کی شاعری ہے، فارسی شاعری میں مولانا کی غزلیات پیغام گوئی کا بہترین نمونہ ہیں،

۵- گرمیٔ عشق، بیتابیٔ الفت، اسرار خودی، اور رموز بقا کی جس زور اور جس قوت سے پردہ کشائی کیگئی ہے، اسکی مثال فارسی شاعری میں سوائے اقبال کے کسی اور کے کلام میں نہیں ملتی، اس خصوص میں ڈاکٹر اقبال بھی بادۂ رومی سے فیضیاب ہوئے ہیں، ؎

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم، زندگانی از نفسہایش کنم،

۶- انکی غزل مسلسل نظم معلوم ہوتی ہے، جس میں عشق و محبت اور دیگر احساسات کی تصویر اس تسلسل کیساتھ کھینچی ہے، کہ پردۂ دل کا نقش آنکھوں کے آگے آجاتا ہے،

دیوان کی طرف عدم توجہ | مثنوی بجا طور پر ہمیشہ اہل ادب اور عارفین کی توجہ کا مرکز رہی ہے لیکن دیوان سخن شناسوں کی نگاہ التفات سے محروم رہا، الا ماشاء اللہ شاید ہی کسی نے اسکی طرف توجہ کی، عرصہ ہوا

ڈاکٹر نکلسن نے اپنی علمی مشغولیتوں کے ابتدائی دور میں چند غزلیات کا انتخاب ایک سرسری مقدمہ کیساتھ
۱۸۹۸ء میں کیمبرج یونیورسٹی سے شائع کیا تھا،

دیوان کے متعلق غلط فہمی، اس عدم توجہ اور عدم تحقیق کا نتیجہ یہ ہوا کہ دیوان کے متعلق غلط خیالات پھیل گئے،
اور وہ بالکلیہ حضرت شمس تبریزؒ سے منسوب ہو گیا، اور عموماً حضرت شمس ہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا جانے لگا، یہ
سچ ہے کہ محققین کے نزدیک یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں لیکن بعض واقف حال اور اہل علم حضرات کے سوا
تعلیم یافتہ لوگ بھی اسے حضرت شمس ہی کا دیوان خیال کرتے ہیں، اور جب ان کے سامنے حقیقت حال
بے نقاب کیجاتی ہے، تو اس کو تعجب اور شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں:-

اس لاعلمی اور غلط فہمی کے چند اسباب یہ ہیں:-

۱۔ مطبوعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے شائع ہو گیا،

(ملاحظہ ہو کلیات شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۰۲ھ)

۲۔ کلیات کے علاوہ مطبع نولکشور نے دیوان کے نام سے منتخبہ غزلیات کے مختلف اڈیشن شائع
کئے ہیں، وہ بھی دیوان شمس تبریز ہی کے نام سے موسوم کئے گئے،

(ملاحظہ ہو دیوان شمس تبریز لکھنؤ ۱۳۲۶ھ)

۳۔ اس سے پہلے دیوان کے جسقدر نسخے لکھنؤ اور کانپور سے طبع ہوئے ان پر دیوان شمس تبریز
ہی لکھا ہوا ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد میں جسقدر مطبوعہ نسخے ہیں، انکا یہی حال ہے،

۴۔ غلط فہمی عام ہونے کے سب سے بڑی وجہ انہی دواوین کی غلط نام سے اشاعت تھی، کیونکہ
اکثر پڑھے لکھے حضرات کے ہاتھوں میں یہی مطبوعہ نسخے پہنچے،

حتی کہ ڈاکٹر نکلسن نے جو انتخاب شائع کیا ہے، اس کا نام بھی دیوان شمس تبریز ہے، گو اصل
راز سے وہ واقف ہیں، اور وہ اسکو مولانا ہی کا کلام سمجھتے ہیں، لیکن اپنے اس خیال کو دلائل سے مستحکم

نہیں کیا ہے،

کلیات یا دیوان کے مطبوعہ نسخون کے دیباچون یا اختتامی تحریرون اور طباعت کے تاریخی قطعات میں بھی ظاہر کیا گیا ہے، کہ یہ دیوان حضرت شمسؒ کا کلام ہے، مثلاً:۔

"دیوان کرامت نشان، مشرقستان مضامین توحید و عرفان، تجلی کدۂ لطائف ایقان، نور انگیز یعنی دیوان شمس تبریز از خزائن اسرار خاطر امیں خلوت سرائے قدس، قدوۃ العارفین، اسوۃ الواصلین، رفیق شریعت و طریقت، رمز شناس لطائف حقیقت و معرفت، غواص محیط وحدت، مشاہد وحدت در کثرت، ولی مادر زاد، حضرت ملک داد، ملقب بہ شیخ شمس الدین تبریزیؒ"

(خاتمۃ الطبع دیوان شمس تبریز ۱۳۲۶ھ لکھنو)

"مجموعہ کلاہائے حلاوت آگین، انگبین ریز، اعنی کلیات شمس تبریز، از خیال خدا داد تجلی زائی آفتاب تابان آسمان عرفان و سلوک، معرفت نژاد و ولی مادر زاد محمد بن ملک داد حضرت شمس الدین تبریزی قدس سرہٗ"

(کلیات شمس تبریز ۱۳۰۲ھ نولکشور)

نظمیست عجیب دلنشینی	ہر مصرعہ اوست بس طرب خیز
عاقل نوشت سال ہجری،	دلبر دیوان شمس تبریز

(۱۳۲۶ھ دیوان شمس تبریز منشی نولکشور)

دیوان کے قلمی نسخون کی فہرستون میں بھی اس کو کہین کہیں حضرت شمس تبریز کی طرف نسبت دی گئی ہے، چنانچہ کتب خانہ آصفیہ حیدر آباد دکن میں دیوان کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، لیکن وہ نہایت ناقص ہے یعنی ہر آٹھ دس ورق کے بعد ایک ورق غائب ہے، نہ اوسکا سرورق ہے، نہ آخر میں کچھ عبارت ہے، البتہ فہرست میں دیوان شمس تبریز ہی کے نام سے درج ہے، (ملاحظہ ہو فہرست کتب خانہ آصفیہ جلد اول صفحہ ۲۲۶)

مولینا حبیب الرحمن خان صاحب شروانی (نواب صدر یار جنگ بہادر) کے ہاں ایک قدیم نسخہ ہے، لیکن افسوس ہے، کہ وہ بھی نامکمل ہے، صاحب موصوف نے ازراہ علم دوستی یہ نسخہ روانہ فرماکر استفادہ کا موقع بخشا، جس کے لئے ہم نواب صاحب موصوف کے ممنون ہیں، اس کا بھی یہی حال ہے، کہ نہ پہلا ورق ہے، نہ آخری صفحہ، اور نہ اس میں کوئی تحریر ہے، جس سے دیوان کی اصل ملکیت کے مسئلہ کا حل ہو سکتا،

مولانا کے معتبر ترین اور قدیم تذکروں، رسالۂ سپہ سالار اور مناقب العارفین میں دیوان کے متعلق کوئی تصریح نہیں ہے، بدنصیبی سے شعراء کے بعض تذکروں میں بھی حضرت شمس کو شاعر لکھا گیا ہے، اور اُن کے کلام سے نمونہ کے طور پر اشعار درج کئے گئے ہیں، مثلاً تذکرۂ روز روشن (۱۲۹۷ھ مولفہ محمد مظفر حسین مطبوعہ بھوپال) میں ہے،

"از شعشۂ کلام شمس تبریز ایں شعر است"،

در طوفِ حرم بودم دے منبچہ میگفت ــــ کاین خانہ بدیں خوبی آتشکدہ بایستے

اس قسم کی تحریروں سے غلط فہمی اور خفیف فراموشی اور بڑھ جاتی ہے، کیونکہ محققانہ بیانات پر کم لوگوں کی نظر پڑتی ہے، حالانکہ تقریباً سارے محقق تذکرہ نویسوں نے اس کو حضرت مولینا رومی کی تصنیف ظاہر کیا ہے،

چند غزلیں عام طور پر مقبول اور مروج ہوئیں، تو انکے مقطعوں میں حضرت شمس تبریزی کا نام تھا، اسلئے عام طور پر حضرت شمس کو فارسی کا ایک بلند پایہ شاعر اور اس دیوان کو انہی کے کلام کا مجموعہ سمجھا گیا، انہی اسباب کے باعث عارف روم کا شاندار تغزل پردہ پوش ہو گیا اور وہ ایک غزل گو شاعر کی حیثیت سے غیر معروف ہو گئے، جہانتک ہمیں علم ہے مشرق اور مغرب میں ابھی تک ایسی باقاعدہ اور محققانہ جد و جہد نہیں کی گئی، کہ اس دیوان کو ان شکوک و شبہات اور غلط فہمیوں کے طلسمات سے نکالا جائے اور داخلی و خارجی شواہد اور تاریخی و

ادبی براہین سے یہ واضح کر دیا جائے کہ یہ شراب طہور عارف روم مولوی معنوی ہی کی کشید کی ہوئی ہے،

ان صفحات میں اسی کی اولین لیکن ابتدائی کوشش کی گئی ہے، اور وہ بھی ایک طالب علم کی طرف سے، کام کی اہمیت اور عظمت ظاہر ہے، لیکن بے بساطی اور بے سرو سامانی کے باعث راہ میں مختلف مشکلات حائل ہیں، اسکے لئے علاوہ شعراء و اولیای کبار کے تذکروں اور سوانح عمریوں کے ایک طویل سلسلہ کے کلیات کے کئی نسخوں، ملفوظات اور مثنوی معنوی کے سارے دفتروں کا کامل مطالعہ ضروری ہے، لیکن ایک تعلیمی سال کا تنگ وقت دوسری تعلیمی مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ کما حقہ ان کے مطالعہ، فراہمی مواد، اور تحریر مقالہ کیلئے ناکافی ہے،

ہماری تلاش اور تحقیق کی بنیاد اس مواد پر ہے، جو حیدرآباد میں ہمارے ہاتھ آسکا، مغرب اور مشرق کے کے مختلف مقامات پر جو اہم مواد پایا جاتا ہے، اسکے استفادے سے ہم مجبوراً معذور رہیں،

کلیات کے بعض اہم اور قدیم نسخے جو قسطنطنیہ یا یورپ کے بعض کتبخانوں میں پائے جاتے ہیں، ہماری رسائی سے باہر ہیں، اس وقت کے سب سے قدیم ترین اور صحیح ترین نسخہ کی بحث ہمارے دائرہ عنوانات سے خارج ہے، سلسلہ تحقیق میں مختلف مقامات ایسے درپیش ہوتے ہیں، کہ قدیم اور معتبر نسخوں سے مقابلہ کئے بغیر کامل اطمینان نہیں ہوتا،

امید ہے کہ ایک طالب علم کی اس ابتدائی اور اولین کوشش پر نظر ڈالتے وقت یہ واقعی مشکلات بھی پیش نظر ہونگی، اور مختلف کمزوریاں نظر انداز کیجائیں گی،

ہمارے مباحث کا سرسری خاکہ حسب ذیل ہے:-

۱- خارجی یا تاریخی شواہد جس سے ثابت ہو کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے،

۲- داخلی اور معنوی شہادتیں جس سے مذکورۂ بالا دعوی کی تائید ہوتی ہو،

۳- مولینا کی غزلیات کے محاسن نقائص اور خصوصیات جو انھیں فارسی کے دیگر مشہور غزل گو صوفی شعراء کے کلام سے ممتاز کرتے ہیں،

۴- مولانا کا مسلک تصوف اور فلسفہ حیات جو دیوان سے مترشح ہوتا ہے،

ادوارِ زندگی، مولانا کے ادوارِ زندگی، ان کے معتبر ترین تذکرہ رسالۂ سپہ سالار کی روایت کے مطابق حسب ذیل ہیں،

۱۔ ۶۰۴ھ سنہ پیدائش،

۲۔ ... تا ۶۲۳ھ (عمر ۱۹ سال) تحصیل علوم ظاہری وسیاحت وغیرہ،

۳۔ ۶۲۳ھ تا ۶۴۲ھ (〃 ۳۸ سال) تدریس وافتا، تکمیل دورِ قال،

۴۔ ۶۴۲ھ تا ۶۵۲ھ (〃 ۴۸ سال) آغاز دورِ معنوی وملاقات شمس وغیاب، تصنیف دیوان،

۵۔ ۶۵۲ھ تا ۶۶۲ھ (〃 ۵۸ سال) دورِ تسکین وصحبت خاص صلاح الدین زرکوب،

۶۔ ۶۶۲ھ تا ۶۷۲ھ (〃 ۶۸ سال) صحبت خاص حسام الدین چلپی وتکمیل مثنوی،

۷۔ ۶۷۲ھ سنہ وصال،

ضروری تنبیہ، اس مقالہ میں دیوان شمس تبریز کے ایسے حصۂ کلام سے بحث نہیں کی گئی ہے، جو مشکوک ہے، یا نمایاں طور پر دوسرے شخص کا کلام معلوم ہوتا ہے، جسے مولانا کے کلام میں داخل کر دیا گیا ہے، کیونکہ دیوان کے اصلی اور صحیح نسخہ کی بحث ہمارے موضوعِ بحث سے خارج ہے،

(باقی)

تصوّف کا اثر علوم و فنون پر

از

مولنیا عبد السلام ندوی

قدماء صوفیہ کا دور تابعین اور تبع تابعین کا دور تھا، جس میں مذہبی گروہ کے سامنے علوم شرعیہ یعنی قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر کے سوا کچھ نہ تھا، صوفیہ بھی اسی مذہبی گروہ میں داخل تھے، اسلئے قدماء صوفیہ علوم شرعیہ میں بڑا تبحر رکھتے تھے، چنانچہ محدث ابن جوزی نے لکھا ہے، کہ قدماء صوفیہ قرآن، حدیث، فقہ اور تفسیر کے امام تھے، کیونکہ اس دور کے صوفیہ تصوف کو قرآن و حدیث سے وابستہ سمجھتے تھے، اسلئے علوم شرعیہ کو خود حاصل کرتے تھے، اور لوگوں کو انکے حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے، حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں، کہ "ہمارا یہ علم (تصوف) کتاب و سنت کا پابند ہے، اسلئے جس نے قرآن نہیں پڑھا، اور حدیث نہیں لکھی، اس کے لئے اس علم میں گفتگو کرنا مناسب نہیں"

لیکن متاخرین صوفیہ کے دور میں تصوف قرآن و حدیث سے الگ ہو کر دوسرے دوسرے عقائد و خیالات کا مجموعہ ہو گیا، اور اس معجون مرکب نے متاخرین صوفیہ کو قرآن مجید سے اسقدر ناآشنا کر دیا کہ جو لوگ قرآن مجید کی خدمت میں مصروف رہتے تھے، ان کو چشم حقارت سے دیکھنے لگے، چنانچہ شیخ ابو الحسن خرقانی کا قول ہے کہ

"کسانے دیدہ ام کہ بہ تفسیر قرآن مشغول بودہ اند، جوان مردان بہ تفسیر خویش مشغول بودہ اند"[1]

علامہ ابن قیم نے لکھا ہے کہ قائلین وحدۃ الوجود میں بعض لوگوں کا قول ہے کہ (نعوذ باللہ) پورا قرآن شرک ہے اور توحید وہ ہے جو ہم کہتے ہیں"[2]

---

[1] تذکرۃ الاولیاء عطار جلد ۲ ص ۲۴۹، [2] مدارج السالکین جلد ۳ ص ۳۲۶،

ان خیالات کی بنا پر متاخرین صوفیہ قرآن مجید کی کوئی صحیح خدمت نہ کر سکے، بلکہ جو تفسیریں لکھیں ان کو اشارات کنایات، اور تاویلات کا مجموعہ بنا دیا، چنانچہ علامہ ذہبی ابو عبد الرحمن سلمی کے حال میں لکھتے ہیں:-

الف حقائق التفسیر فاتی فیہ بمصائب	انھوں نے تفسیر کے حقائق جمع کئے، اور اس
و تاویلات الباطنیۃ نسأل اللہ	میں باطنیوں کی تاویلات درج کیں ہم خدا سے
العافیۃ[۱]	عافیت کے طلبگار ہیں،

شیخ محی الدین ابن عربی کی تفسیر کا حال سب کو معلوم ہے، اور یہ لوگ قرآن مجید کا ترجمہ اور اسکی تفسیر جس انداز میں کرتے تھے، اس کا اندازہ بعض مثالوں سے ہو سکتا ہے، چنانچہ مجدد الف ثانی "انا اعطیناک الکوثر" کے متعلق لکھتے ہیں:-

"تا آنکہ بعضے از ایشان تصریح کردہ کہ حضرت پیغمبر ما علیہ وعلی جمیع اخوانہ من الصلوۃ افضلہا ومن التسلیمات اکملہا، بعد از حصول کمالات نبوۃ در مقام شہود وحدت در کثرت بودہ است، کریمہ: انا اعطیناک الکوثر را اشارہ بآں مقام می نمایند و ترجمۂ کریمہ را باین عبارت می کنند "بدرستیکہ دادیم ترا شہود وحدت در کثرت"،

پھر اس ترجمہ کے متعلق اپنی رائے یہ ظاہر کرتے ہیں:-

"حاشا وکلا کہ این قسم معارف شایان مقام نبوت باشند"[۲]

امام رازی قل للمؤمنین یغضوا من ابصارھم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:-

سئل الشبلی عن قولہ یغضوا من	شبلی سے اس آیت کے متعلق سوال کیا
ابصارھم" فقال ابصار الرؤس	گیا، تو اونھوں نے کہا کہ سر کی آنکھوں
عن المحرمات وابصار القلوب	کو محرمات سے اور دل کی آنکھوں کو ماسوی

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۲۴۹، [۲] مکتوبات مجدد الف ثانی جلد اول ص ۲۴۵،

عما سوی اللہ تعالیٰ، اللہ سے جھکائے رکھیں،

حالانکہ تفسیر کے دوسرے ٹکڑے کی طرف اس آیت میں اشارہ تک نہیں،

دوسری جگہ لا تتبعوا خطوات الشیطان انہ لکم عدو مبین. انما یامرکم بالسوء والفحشاء وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون کی تفسیر میں لکھتے ہیں، کہ بعض صوفیہ اور بعض فلاسفہ نے فرشتہ داعی الی الخیر کی تفسیر قوتِ عقلیہ سے اور شیطان داعی الی الشر کی تفسیر قوتِ شہوانیہ اور قوتِ غضبیہ سے کی ہے[1]

ان مثالوں سے اندازہ ہوا ہوگا کہ صوفیہ کے ترجمہ و تفسیر کا انداز عام جمہور مفسرین سے کس قدر مختلف اور قرآن مجید کے لفظ و عبارت سے کس قدر بیگانہ تھا، اس لئے محققین کے نزدیک اون کے اس قسم کے اشارات تفسیری حیثیت سے ناقابلِ اعتبار قرار پائے، چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب فوز الکبیر میں لکھتے ہیں،:-

"اما اشاراتِ صوفیہ و اعتباراتِ ایشان بحقیقت از فن تفسیر نیست بلکہ نزدیک استماع قرآن چیز ہا بردل سالک ظاہر می گردد، و درمیان نظمِ قرآن و حالتے کہ آن سالک دارد، یا معرفتے کہ اورا حاصل است متولد می شود، چنانکہ کسے قصۂ مجنون و لیلیٰ شنود، و معشوقۂ خود را یاد کند و معاملہ کہ درمیان وے و میان محبوبۂ وے می گذرد مستحضر سازد"[2]

قرآن مجید کے بعد علم حدیث کا درجہ ہے، اور صوفیہ کو علمِ حدیث سے جسقدر بے اعتنائی تھی، اس کا اندازہ اوس واقعہ سے ہو سکتا ہے، جس کو علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں ابو القاسم شیرازی کے حال میں اس طرح لکھا ہے،:-

"وہ پاکباز صوفی، اور فاضل بزرگ ہیں، بہت سے شہروں کی سیاحت کی ہے، اور بہت سی حدیثیں سُنی ہیں، محمد بن محمد خاسانی کہتے ہیں، کہ جب میں ان کے پاس خانقاہ میں جاتا تھا تو وہ

[1] تفسیر کبیر جلد ثانی ص ۱۱۹، [2] فوز الکبیر ص ۱۰۵،

مجھے صحرا میں لے جاتے تھے، اور کہتے تھے، کہ یہاں پڑھو، کیونکہ جو لوگ علم اور حدیث میں مشغول ہوتے ہیں، صوفیہ ان سے بگڑتے ہیں، اور کہتے ہیں، کہ یہ لوگ ہمارے اوقات میں خلل انداز ہوتے ہیں[۱]"

صوفیہ کے نزدیک اصلی چیز عمل تھا، اور چونکہ تمام احادیث پر عمل ناممکن تھا، اسلئے وہ سماعِ حدیث کو ایک فعل لایعنی سمجھتے تھے، چنانچہ ابوحفص حداد کے حالات میں لکھا ہے کہ

"در ہمسایگی او احادیث استماع می کردند، گفتند آخر چرا نیائی، تا سماعِ احادیث کنی، گفت من سی سالست تا می خواہم کہ داد یک حدیث بدہم نمی توانم داد، سماعِ دیگر حدیث چوں کنم، گفتند آن حدیث کدامست گفت، آنکہ می فرماید رسول صلی اللہ علیہ وسلم، من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ، از نیکوئی اسلام مرد آنست کہ ترک کند چیزے کہ بکارش نیاید[۲]"

اس عبارت میں نہایت مخفی اشارہ اس بات کا موجود ہے کہ بغیر عمل کے سماعِ حدیث ایک فعل لایعنی ہے، جسکو چھوڑ دینا چاہئے، لیکن باایں ہمہ چونکہ حدیث کو ایک حجتِ شرعی سمجھتے تھے، اس لئے بعض متصوفین اپنے مقاصد کے اثبات کے لئے حدیثیں وضع کرنے سے بھی دریغ نہ کرتے تھے، چنانچہ حافظ ذہبی ابوعبدالرحمن سلمی کے حال میں لکھتے ہیں:۔

وکان یضع للصوفیۃ الاحادیث[۳] وہ صوفیوں کے لئے حدیثیں وضع کیا کرتے تھے،

صوفیہ جس قسم کی حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، ان کی مثالیں بھی موضوعاتِ حدیث کی کتابوں میں بہ آسانی مل سکتی ہیں، چنانچہ موضوعاتِ ملا علی قاری سے ہم اس قسم کی چند مثالیں درج کرتے ہیں،

۱- ان الشیطان یجری من ابن ادم شیطان انسان کے جسم میں خون کے ساتھ

۱؎ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۱۵، ۲؎ تذکرۃ الاولیاء عطار جلد ۲ ص ۳۲۳، ۳؎ تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص ۲۴۹،

یجری الدم، دوڑتا رہتا ہے،

یہ حدیث بالکل صحیح ہے لیکن اس میں صوفیہ نے یہ فقرہ بڑھا دیا ہے:۔

فضیقوا مجاریہ بالجوع، تو بھوک سے اس کا راستہ بند کردو،

۲- رأیت ربی فی صورۃ شاب امرد، میں نے اپنے خدا کو ایک نوخیز جوان کی شکل میں دیکھا،

یہ حدیث سرے سے موضوع ہے،

۳- کان اللہ ولا شئ معہ ولم یکن شئ قبلہ خدا تھا، اور اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی اور اس سے پہلے کوئی چیز نہ تھی،

صحیح حدیث ہے لیکن توحید وجودی کے ثابت کرنے کیلئے صوفیہ نے یہ فقرہ بڑھا دیا،

وھو الآن علی ما علیہ، اور وہ اب بھی اسی حالت میں ہے،

۴- حدیث لبس خرقہ اور حدیث تواجد جس سے صوفیہ استدلال کرتے ہیں، دونون موضوع ہین، یہ لوگ زیادہ تر بدعات و محدثات، اور فضائل اعمال کے متعلق حدیثیں وضع کیا کرتے تھے، یا اس قسم کی حدیثون سے استدلال کیا کرتے تھے، چنانچہ صلوۃ عاشورا، صلوۃ الرغائب، صلوۃ لیالی رجب و شعبان کی فضیلت میں جسقدر حدیثیں ہیں، سب موضوع ہیں، اور ان کے متعلق ملا علی قاری لکھتے ہین،

ولا تغتر بذکرھا فی قوت القلوب و احیاء العلوم، اس سے دھوکا نہ کھانا کہ وہ قوت القلوب اور احیاء العلوم میں مذکور ہین،

غرض متاخرین صوفیہ نے تحریف میں اس قدر کمال پیدا کرلیا تھا، کہ جس علم کو چاہتے تھے، تصوف کے قالب میں ڈھال لیتے تھے، یا یہ کہ خود متاخرین کا تصوف ہی اسقدر لچکدار چیز تھا کہ ہر علم کے قالب میں ڈھل جاتا تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن وحدیث سے گذر کر صرف و نحو کی کتابون میں بھی صوفیانہ حقائق نظر آنے لگے، چنانچہ مولینا غلام علی آزاد نے مآثر الکرام

ہیں کافیہ کی تین شرحون کا ذکر کیا ہے، جو صوفیانہ انداز میں لکھی گئی تھیں، انکے اصلی الفاظ یہ ہین،

"واز نوادر تصانیف او شرح کافیہ ابن حاجب است بطور حقائق تا مبحث غیر منصرف"،

اسکے بعد لکھتے ہین :-

"مخفی نماند، کہ دو شرح دیگر بعبارت عربی و فارسی تا مبحث غیر منصرف بطور حقایق در نظر فقیر رسیدہ نام شارح عربی میر ابو البقا است، و نام شارح فارسی ملا موہن بہاری"

ان مین پہلی شرح کا نمونہ یہ ہے،:-

الکلمۃ لفظ ای ملفوظۃ علی السنتنا وملحوظۃ بقلوبنا ومحفوظۃ بہ بواطننا یعنی کلمۂ توحید در مرتبہ اقرار زبانہاے ما ملفوظ است، و در مرتبہ تصدیق دلہاے ما را ملحوظ و در مرتبہ احوال باطنہاے ما از و محفوظ"[1]

لیکن با این ہمہ بہت سے علوم و فنون تصوف کے احسانات سے گرانبار بھی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے،

۱- **فارسی شاعری** اس میں کیف و اثر صرف تصوف کی بدولت پیدا ہوا ہے، اور اسکو تمام نقادان شعر نے تسلیم کیا ہے، مولانا حالی اپنے دیوان کے مقدمہ مین لکھتے ہیں :-

"غزل کو جن لوگون نے چمکایا اور مقبول خاص و عام بنایا ہے، یہ وہ لوگ تھے، جو آجتک اہل اللہ اور صاحب باطن یا کم سے کم عشق الٰہی کا راگ گانے والے سمجھے جاتے ہیں، جیسے سعدی، رومی، خسرو، حافظ، عراقی، مغربی، احمد جام، اور جامی وغیرہم"،

مولانا شبلی شعر العجم میں لکھتے ہیں :-

"فارسی شاعری اسوقت تک قالب بے جان تھی، جب تک اس میں تصوف کا عنصر شامل نہیں ہوا، شاعری اصل میں اظہار جذبات کا نام ہے، تصوف سے پہلے جذبات کا سرے

[1] مآثر الکرام جلد اول ص ۲۱ و ۲۲،

وجود ہی نہ تھا، تصوف کا اصلی مایہ خمیر عشق حقیقی ہر جو سرتا پا جذبہ اور جوش ہے"،

عاشقانہ جذبات کے علاوہ تصوف کی بدولت فارسی شاعری کو جو سرمایہ مضامین ملا، وہ حسب ذیل ہی

(۱) صوفیانہ مسائل، (۲) علم کلام کے مسائل، (۳) فلسفۂ اخلاق، (۴) فلسفیانہ نکات،

اس کے علاوہ اور بھی مختلف حیثیتون سے، زبان، محاورات، اور خیالات پر تصوف کا اثر پڑا،

۲۔ **علم کلام** کا بہترین ذخیرہ جو موجودہ دور میں کام آسکتا ہے، تصوف ہی کی بدولت مسلمانون کے ہاتھ آیا، امام رازی، امام غزالی، راغب اصفہانی، اور شاہ ولی اللہ صاحب نے عام شاہراہ سے الگ ہوکر علم کلام کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ سب تصوف ہی کے بتائے ہوئے حقائق و اسرار ہین، جسکی نسبت مولانا شبلی الکلام مین لکھتے ہین کہ

"اب جدید علم کلام کے مرتب کرنے والے کا یہ کام ہے کہ ان بزرگون نے جن خزانون کو سربمہر رکھا تھا، اون کو وقف عام کردے"

۳۔ **فلسفۂ اشراق**، تصوف ہی کی بدولت مسلمانون میں پھیلا، اور اس کو صوفیوں ہی کی وجہ سے حسن قبول حاصل ہوا، شیخ الاشراق متاخرین کے تصوف کی وسعت کے لحاظ سے صوفی تھے، اور انھین نے مسلمانون مین فلسفۂ اشراق کی اشاعت کی، شیخ محی الدین ابن عربی کا فلسفہ بھی درحقیقت اشراقیوں ہی کا فلسفہ ہے، چنانچہ صاحب دبستان المذاہب لکھتے ہین:۔

"کلام شیخ محی الدین ابن عربی با حکمت اشراق موافق است"[1]

۴۔ **فلسفۂ اخلاق** کی ترتیب و تدوین بھی صوفیون کا سب سے بڑا کارنامہ ہے، جو اگرچہ مختلف حیثیتون سے قابل تنقید ہے، تاہم ابن مسکویہ نے تہذیب الاخلاق میں یونانی فلسفۂ اخلاق پر جو کچھ لکھا ہے، وہ صوفیانہ اخلاق کے بحر ذخار کے سامنے ایک قطرے کی بھی حیثیت نہیں رکھتا،

۵۔ **علم اسرار الدین** بھی تصوف ہی کی بدولت وجود میں آیا، یا کم از کم اس علم کے عقدے تصوف

---

[1] دبستان المذاہب ص ۲۲۳،

ہی کی بدولت کھلے،

۶۔ **ملفوظات و مکتوبات** جو صوفیوں کی طرف منسوب ہیں، وہ بھی مختلف علوم و فنون کی اشاعت کا ذریعہ بنے ہیں، اور اہل نظر کے لئے ان میں دلچسپی کے بڑے سامان ہیں،

۷۔ **مخلوقات و مصنوعات** الٰہی کے مصالح و فوائد کی تشریح میں جو کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ بھی تصوف ہی کی پیداوار ہیں،

انشاء اللہ ہم مختلف اوقات اور مختلف مضامین میں ان علوم پر نقد و تبصرہ کرتے رہیں گے جس سے معلوم ہوسکے گا، کہ عملی حیثیت سے تصوف کا پہلو جس قدر تاریک ہے، اسی قدر علمی حیثیت سے اس کا چہرہ روشن ہے،

جنوبی ہند کے ایک مشہور ذی علم خاندان کا ذخیرۂ کتب

کتبخانۂ سعیدیہ حیدرآباد دکن،

از جناب محمد غوث صاحب ایم اے ال ال بی حیدرآباد دکن،

گذشتہ ماہ رجب میں "کتب خانہ سعیدیہ" کے نام سے حیدرآباد دکن میں ایک خاص علمی ادارہ کا افتتاح عمل میں آیا ہے، علمی دنیا سے اس کو متعارف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی ہے، کیفیت ذیل اسی مقصد سے مرتب کی گئی ہے،

مفتی محمد سعید خان مرحوم کتب خانہ کا نام مفتی محمد سعید خان مرحوم کے نام سے منسوب ہے، مرحوم سے حیدرآباد اور جنوبی ہند کے ارباب علم بخوبی واقف ہیں، مفتی صاحب مرحوم کا علوم ظاہر و باطن میں کمال اور ان کے مذہبی شغف اور تقدس نے ان کا نام زندۂ جاوید بنا دیا ہے، ۱۳۱۲ھ میں جب ان کا انتقال ہوا تو سرکار نظام نے جریدۂ اعلامیہ کے ذریعہ یہ امر تسلیم فرمایا تھا کہ "عہدۂ افتا کو ان کی ذات سے اعزاز حاصل تھا"

کتبخانہ کے متعلق کیفیت قلم بند کرنے سے قبل نامناسب نہ ہوگا، اگر مفتی صاحب مرحوم کے اجداد کے حالات بھی مختصراً قلم بند کئے جائیں،

آباؤ اجداد مفتی محمد سعید خان مرحوم کا خاندان ان عربی النسل خاندانوں میں سے ہے، جنھوں نے براہ راست عرب سے سواحل ہند میں توطن اختیار کیا، جنوبی ہند میں اس خاندان کو جو علمی اور مذہبی وجاہت حاصل ہے وہ مماثل ہے اس وجاہت کے جو دہلی میں مولانا شاہ ولی اللہ علیہ الرحمۃ کے ممتاز خاندان کو حاصل ہے مفتی صاحب

کے خاندان کو یہ خاص شرف حاصل ہے کہ مسلسل سولہ پشتوں سے ان کا یہ خاندان جنوبی ہند میں مذہب و علم کی خدمت گذاری میں مصروف ہے،

مخدوم اسحٰق | خاندان کے جد اعلیٰ مخدوم اسحٰق کے جو کچھ حالات موجود ہیں، ان سے ظاہر ہے کہ اشاعتِ اسلام ان کا خاص مشغلہ تھا، ان کی تیسری پشت میں قاضی احمد تھے، قاضی احمد کی اولاد میں مولانا حبیب اللہ بیجا پوری ایک مشہور عالم اور شاہ صبغۃ اللہ بیجا پوری کے خلیفۂ اعظم تھے،

قاضی محمود | قاضی احمد کے فرزند قاضی محمود جن کی اولاد میں مفتی محمد سعید خاں بھی ہیں، عادل شاہی دورِ حکومت میں گوا کے قاضی تھے، مولانا جامی قدس سرہٗ کے یہ معاصر تھے اور دونوں میں سلسلۂ مکاتبت جاری تھا،

نظام الدین احمد کبیر | قاضی احمد کے پوتے نظام الدین احمد کبیر کو علم حدیث سے خاص شغف تھا، انھوں نے شیخ عوض بن سقاف سے سندِ حدیث حاصل کی تھی، یہ سلسلہ ہندوستان کے متعارف سلسلوں سے علحدہ ہے، اس سلسلہ کی بنا پر اجازت و سند حدیث کا تسلسل خاندان میں ڈھائی سو سال سے ابًا عن جد یہ چلا آرہا ہے جو ایک خاص خصوصیت ہے،

نظام الدین احمد کبیر کی اولاد میں مولانا محمد حسین قادری امام المدرسین، مشہور مدرسہ بیدر کے ایک نامور استاد گذرے ہیں،

نظام الدین احمد صغیر | نظام الدین احمد صغیر، جو نظام الدین احمد اول کے پوتے تھے، ارکاٹ میں دارو غۂ عدالت کی خدمت پر مامور تھے، ان کی تصانیف میں ایک عربی رسالہ "ابنار الاذکیا بہ تحبیب الطیب والنسا رالی سید الانبیا" محققانہ رسالہ ہے،

محمد غوث شرف الملک | ان کے پوتے مولانا محمد غوث شرف الملک، دیوان ریاست کرناٹک، مدراس کے ایک مشہور اور ممتاز فرد گذرے ہیں، مولانا شرف الملک علامہ بحر العلوم کے ارشد تلامذہ میں شامل تھے، انکی ایک تالیف نثر المرجان فی رسم خط القرآن ضخیم جلدوں میں اپنے فن کی بے مثل کتاب ہے، یہ کتاب مجلس اشاعت العلوم

حیدرآباد نے طبع اور شائع کی ہے،

مولانا عبدالوہاب اور قاضی بدرالدولہ مولانا شرف الملک کے دو فرزند تھے، بڑے فرزند مولانا عبدالوہاب، مدارالامرا، دیوان ریاست کرناٹک، فن رجال کے مستند مولف ہیں، چھوٹے فرزند مولٰنا صبغۃ اللہ، قاضی بدرالدولہ ہیں، قاضی صاحب نے اگرچہ معقولات کی بھی تکمیل کی تھی، لیکن ان کو اصلی ذوق مذہبی علوم سے تھا، بلند پایہ مؤلف کی حیثیت سے انھون نے اپنا نام یادگار چھوڑا ہے،

مفتی محمد سعید خان حیدرآباد میں مفتی محمد سعید خان مرحوم، قاضی بدرالدولہ کے ہی فرزند ہیں، مفتی صاحب ۱۲۸۶ھ میں نواب سرسالار جنگ اول کی طلبی پر حیدرآباد آئے اور عدالت کے مختلف اعلیٰ عہدون پر کام کیا،

خاندانی کتب خانہ مفتی صاحب مرحوم کو کتابون سے جو انتہائی شغف تھا اس کی زندہ یادگار ان کا یہ بے مثل کتب خانہ ہے،

واضح ہو کہ مفتی صاحب مرحوم کا کتب خانہ خاندانی کتب خانوں کا ایک حصہ ہے، خاندان کے موجودہ کتب خانون کی بنا قاضی محمود مرحوم نے قائم کی تھی ۹۹۵ھ میں ان کا انتقال ہوا ہے، قاضی صاحب سے قبل کتابوں کا جو ذخیرہ مہیا تھا وہ کسی ندی کے عبور کرتے وقت طغیانی سے تلف ہو گیا، اس نقصان کے بعد قاضی صاحب نے ازسرنو کتابون کی فراہمی کا بیڑا اٹھایا، ان کے بعد سے آج تک خاندان مین کتابین برابر جمع ہوتی آئی ہین، کتب خانہ سعیدیہ بھی اسی قسم کی کوشش کا ایک نمونہ ہے،

مفتی محمد سعید خان مرحوم نے اپنا نایاب اور قیمتی کتب خانہ اپنے نواسے مولوی محمد غوث مرحوم کو دیدیا تھا، مولوی محمد غوث مرحوم، جن کا دو ایک سال قبل طاعون میں انتقال ہوا، اس امر کے کوشان تھے کہ اس کتب خانہ سے استفادۂ عام کا انتظام کرین، لیکن اول تو مالی مشکلات سے مجبور تھے، پھر اجل آگئی، ان کے انتقال کے بعد یہ احساس قوی تر ہو گیا کہ ان کے علمی خزانہ کی حفاظت اور ارباب علم کی لئے اس سے استفادہ کا انتظام، علوم اسلامیہ کی بہترین خدمت گذاری ہے، مرحوم کی بیوہ اور ان کی

۲ - نظام الدین احمد بن محمد عبد اللہ المتوفی ۱۱۹۴ھ ۳۲ مخطوطات

۳ - محمد غوث شرف الملک بن ناصر الدین محمد المتوفی ۱۲۴۶ھ ۲۸ "

۴ - صبغۃ اللہ قاضی بدر الدولہ بن محمد غوث المتوفی ۱۲۸۵ھ ۴۴ "

۵ - مفتی محمد سعید خاں بن قاضی بدر الدولہ المتوفی ۱۳۱۲ھ ۲۴ "

اس موقع پر اس امر کا اظہار بھی بے موقع نہیں کہ اکثر ارباب خاندان کو کوئی ناقص کتاب دستیاب ہوتی، تو اس کی تصحیح کر لیجاتی، اگر کتاب فہرست مضامین سے معرا ہوتی تو اکثر اس کی بھی تکمیل کر لیجاتی اسی طرح سیاہی خوردہ صفحات کو از سر نو لکھ لینا، کرم خوردہ مقامات پر الفاظ کا تکملہ وغیرہ، غرض کتاب کو درست اور مکمل بنانے میں وہ سب امور عمل میں لائے جاتے جن کی ضرورت محسوس ہوتی،

اس وقت بزرگان خانداں کے چند مخطوطات کی مختصر تفصیل نامناسب نہ ہوگی،

۱ - شرح قصیدہ بردہ تالیف علامہ محلی بخط احمد بن خلیل اللہ ۹۶۳ھ،

۲ - ترجمہ فارسی چہل حدیث بخط خلیل اللہ بن عطاء اللہ بن احمد در ۹۸۴ھ،

۳ - الکافیہ تالیف ابن الحاجب بخط نظام الدین احمد بن حسین لطف اللہ ۱۰۵۳ھ،

۴ - شرح الحکم العطائیہ، تالیف ابو عبد اللہ المالکی بخط نظام الدین احمد بن حسین لطف اللہ ۱۰۹۶ھ،

۵ - حکم العرفانیہ فی اقتباسات القرانیہ تالیف شیخ علی متقی بخط محمد عبد اللہ بن نظام الدین احمد ۱۱۴۳ھ،

۶ - مناقب الامام الشافعی تالیف الرازی بخط نظام الدین احمد بن محمد عبد اللہ ۱۱۴۳ھ،

۷ - لطائف الاعلام باشارات اہل الابہام تالیف عبد الرزاق القاشانی بخط نظام الدین احمد بن محمد عبد اللہ ۱۱۶۱ھ،

۸ - عوارف المعارف تالیف شیخ شہاب الدین السہروردی بخط نظام الدین احمد بن محمد عبد اللہ ۱۱۶۱ھ

۹ - الاذکار تالیف الامام النواوی، بخط ناصر الدین محمد بن نظام الدین احمد،

۱۰۔ الصحاح (فی اللغۃ) تالیف ابونصر الجوہری بخط محمد غوث شرف الملک بن ناصر الدین محمد سنہ ۱۲۳۲ھ،

۱۱۔ الشفا، تالیف قاضی عیاض بخط صبغۃ اللہ قاضی بدر الدولہ بن محمد غوث سنہ ۱۲۷۵ھ

۱۲۔ تلخیص الخبیر فی تخریج اخبار الرافعی الکبیر تالیف ابن حجر عسقلانی بخط عبدالوہاب مدار الامرا ابن محمد غوث سنہ ۱۲۶۰ھ،

۱۳۔ الموطا (امام مالک) بروایت ابومصعب بخط مفتی محمد سعید خان بن قاضی بدر الدولہ سنہ ۱۲۷۹ھ

۱۴۔ ادب المفرد تالیف امام بخاری بخط مفتی محمد سعید خان سنہ ۱۲۷۵ھ،

۱۵۔ عمل الیوم واللیلہ بروایت ابن السنی بخط غلام محمد شرف الدولہ بن عبدالوہاب سنہ ۱۲۹۶ھ

ارباب خاندان نے جہاں کتابیں خود نقل کی ہیں، وہاں کاتبوں کو اجرت دے کر بکثرت کمیاب کتابوں کو نقل بھی کرایا ہے، مفتی محمد سعید خاں مرحوم نے تو اس کا خاص اہتمام کیا تھا، اپنی آمدنی کا بڑا حصہ وہ اس مد میں مستقل طور سے صرف کرتے رہتے تھے، اس قسم کی کتابوں کا بھی بڑا ذخیرہ کتب خانہ سعیدیہ میں محفوظ ہے، اس قسم کی بعض کتابوں کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا،

۱۔ الجامع لاحکام القرآن تالیف ابوعبداللہ القرطبی، ۴ جلدوں میں تا سورۂ عنکبوت بخط محمد قاسم علی حیدرآبادی سنہ ۱۳۰۱ھ سے سنہ ۱۳۰۶ھ تک،

۲۔ التفسیر تالیف ابن حاتم پارہ ۸، ۹، ۱۰ تا آخر سورۃ الرعد بخط عبدالرحیم الکابلی در مدینہ منورہ سنہ ۱۳۱۰ھ

(اس کتاب کے چار ابتدائی اجزا مفتی محمد سعید خان کے برادر مولوی خلیل اللہ صاحب نے نقل کئے ہیں)

۳۔ الاسماء والصفات تالیف البیہقی سنہ ۱۲۹۸ھ،

۴۔ مسند امام احمد حنبل محمد قاسم علی حیدرآبادی اور ایک دوسرے صاحب کے قلم سے،

۵۔ الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ تالیف ابن حجر عسقلانی بخط محمد قاسم علی سنہ ۱۲۹۵ھ،

۶۔ شواہد التوضیح والتصحیح لمشکلات الجامع الصحیح تالیف محمد بن عبداللہ الطائی الجائی بخط محمد قاسم علی

۷۔ علل الواردہ فی احادیث النبویہ تالیف الدارقطنی جلد ثالث وخامس ۱۳۰۹ھ،

۸۔ تہذیب الکمال فی اسماء الرجال تالیف زکی الدین المزی مکمل،

۹۔ احیاء العلوم تالیف الغزالی مکمل، بخط غلام محمد بن صبغۃ اللہ (عرف محمد صاحب کاتب) ۱۲۶۳ھ در مدراس،

۱۰۔ عقود الزبرجد علی مسند احمد تالیف السیوطی ۱۲۹۹ھ،

غرض اس طرح نقل وکتابت کے ذریعہ اہلِ خاندان نے علومِ اسلامیہ کی مستند ترین کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ اپنے پاس جمع کرلیا،

۳۔ تیسری قسم ان کتابوں کی ہے جو خرید کر فراہم کی گئی ہیں، اہلِ خاندان نے کارآمد اور نایاب کتابیں خرید کرنے میں بحد استطاعت، ہمیشہ سے توجہ کی ہے، مفتی محمد سعید خان مرحوم کو بھی اس جانب بہت توجہ تھی، اور ایسے مخطوطات جو ہر کتب خانہ کے لئے سرمایۂ امتیاز ہوسکتے ہیں، انھوں نے بہت جمع کئے، شیخ ابن حجر عسقلانی، علامہ عینی، علامہ سخاوی، شیخ عبدالحق دہلوی، مولانا عبدالعلی بحرالعلوم اور دیگر ماقبل ومابعد علماء وشیوخ وقت کی لکھی ہوئی یا ان کے پاس پڑھی ہوئی کتابیں کتبخانہ میں مخزون ہیں،

سب سے قدیم مخطوطہ جو کتب خانہ میں محفوظ ہے وہ تاریخ دمشق تالیف ابوالقاسم علی بن الحسن بن ہبۃ اللہ (ابن عساکر) المتوفی ۵۷۱ھ کا ایک حصہ ہے، جس کی کتابت ۵۶۰ھ میں عمل میں آئی ہے، ذیل میں ہر صدی ہجری کے مخطوطات کا گوشوارہ درج کیا جاتا ہے،

چھٹی صدی ہجری	۲	مخطوطات،
ساتویں صدی ہجری	۱۱	مخطوطات،
آٹھویں صدی ہجری	۱۶	"
نویں صدی ہجری،	۴۱	"

دسوین صدی ہجری، ۴۹ مخطوطات

گیارھوین صدی ہجری، ۱۱۹ "

تین مابعد صدیوں کی کتابیں تو بہت ہین، ان کے کسی گوشوارہ کے بیان کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہین ہوتی ،

واضح ہو کہ ان صدیوں میں لکھی ہوئی اور بھی کتابین موجود ہیں لیکن ان پر سنہ کتابت درج نہیں ہے ، لیکن ان کی تعداد اس قدر ہے کہ ہر صدی سے دوسری صدی کے مخطوطات میں جو تناسب ہے اسی اعتبار سے ہر صدی کے مخطوطات میں دو دو چار چار مخطوطات کا اضافہ ہو جائیگا ،

چند نوادر | اس موقع پر بعض مخطوطات کا مختصر حال قلم بند کرنا بے موقع نہ ہوگا ،

۱- تاریخ مدینہ دمشق یہ کتاب ابن عساکر المتوفی ۵۷۱ھ کی تالیف ہے ، یہ نسخہ ان کے فرزند قاسم نے ۵۶۰ھ مین تحریر کیا ہے ، اور خود اپنے والد کے پاس اس کی قرأت کی ہے ، اس قرأت مین خود قاسم کے فرزند ابوالطاہر محمد بھی شریک تھے ، گویا دادا کے پاس بیٹے اور پوتے نے قرأت ختم کی ہے ، علاوہ ازین کتاب پر جو تحریرات ہیں ، ان سے واضح ہوتا ہے کہ ۵۶۵ھ مین خود ابن عساکر نے جامع مسجد دمشق مین ایک گروہ کثیر کو اس نسخہ کے ذریعہ درس دیا ہے ، اس جماعت میں جو اصحاب شریک تھے ، ان کی نام بہ نام تفصیل لکھی گئی ہے ،

دوسری دو اور تحریروں سے جو کتاب پر درج ہیں ثابت ہوتا ہے کہ ابو محمد القاسم نے ۵۸۴ھ اور ۵۹۰ھ میں بہ مقام جامع مسجد دمشق دوسری دو اور جماعتون کو درس دیا ہے ، ان دونون جماعتون مین جو اصحاب شامل تھے ، ان کے اسمار بھی تفصیل سے لکھے ہیں ، اس کے علاوہ مابعد صدیوں میں دوسرے شیوخ نے بھی اس نسخہ کے ذریعہ درس دیا ہے ، اس کی تفصیل موجب تطویل ہوگی ،

افسوس ہے کہ نسخہ مکمل موجود نہین ہے ، ۱۴۲ وین جزو سے شروع ہو کر ۱۵۰ وین جزو پر کتبخانہ

کا یہ نسخہ ختم ہوگیا ہے،

۲۔ اسماء المبہمہ فی انباء المحکمہ تالیف الخطیب البغدادی المتوفی ۴۶۳ھ کتب خانہ میں جو نسخہ مخزون ہے وہ ۵۶۶ھ میں نقل ہوا ہے، ابتدا میں چند اوراق اور درمیان میں ایک ورق موجود نہیں تھا، قاضی بدرالدولہ نے اس کی تکمیل کر لی ہے،

۳۔ حرز الامانی ووجہ التہانی تالیف الشاطبی المتوفی ۵۹۰ھ (تجوید) اس کتاب کا جو نسخہ کتب خانہ میں مخزون ہے اس پر کوئی ترقیمہ درج نہیں ہے، البتہ یہ واضح ہے کہ یہ نسخہ ۶۴۳ھ سے قبل لکھا گیا ہے کیونکہ شہاب الدین ابو العباس احمد البعلبکی نے علامہ السخاوی کے پاس اس نسخہ کی قرأت ۶۴۳ھ میں ختم کی ہے، ختم کتابت اور اجازت کی عبارت خود علامہ السخاوی نے اپنے قلم سے لکھی ہے، علامۂ مذکور نے اس نسخہ کے ذریعہ دو مرتبہ اور درس دیا ہے، اور اجازت نامہ پر آخر میں اپنے دستخط کئے ہیں، علاوہ ازیں شہاب الدین ابو العباس نے بھی دو مرتبہ درس دیا ہے، اور عثمان بن نور الدین علی بن الدسوتی نے ابراہیم ابن محمد بن العماد المقری الشافعی کے پاس علحدہ درس لیا ہے، جس کی کوئی تاریخ درج نہیں ہے،

نسخہ خوشخط اور دبیز کاغذ پر لکھا گیا ہے،

۴۔ تفسیر قرآن مجید تالیف ابوبکر غالب بن عطیہ، کتب خانہ کا یہ نسخہ جلد اول پر مشتمل ہے جو ابتدا سے سورۂ آل عمران کے اختتام تک شامل ہے، یہ نسخہ دبیز کاغذ پر بمقام حلب ۷۲۵ھ میں لکھا گیا ہے، کاتب نے اپنا نام ابن عبداللہ الشجاعی لکھا ہے،

۷۷۲ھ میں بہ مقام حلب اس نسخہ کا جو شرعی عمل میں آیا اس کا ایک نوٹ مرقوم ہے، مشتری کا نام علاء الدین بن یحییٰ القفاص ہے اور بائع نے اپنا نام شہاب الدین ابراہیم بن بدرالدین الناسخ لکھا ہے،

۵۔ تسدید القوس فی تاریخ احادیث مسند الفردوس تالیف ابن حجر عسقلانی المتوفی ۸۵۲ھ یہ نسخہ خود مؤلف کا مسودہ ہے جو ۸۳۹ھ میں تکمیل پایا ہے، البتہ پہلا صفحہ جدید الخط ہے،

خاندان میں کتابیں ایک صاحب سے دوسرے صاحب پر جو منتقل ہوتی رہی ہیں، اس کی مثال میں اس کتاب پر تملک کی جو عبارتیں درج ہیں، ان کا نقل کرنا مناسب ہوگا،

۱- مما من اللہ بہ علی عبدہ عبداللہ (صدارت خان) بن صبغۃ اللہ (بدرالدولہ) ۱۲۶۲ھ،

۲- جناب حضرت والد (بدرالدولہ) از نزد صدارت خان خرید فرمودند بعد در ترکہ حضرت مغفور بادشاں رسیدہ در خریدی این جانب در آمد، (مفتی) محمد سعید خان،

۶- شرح المواقف، المواقف علم کلام کی معیاری کتاب ہے، قاضی عضد الدین نے ۷۶۰ھ میں یہ کتاب تالیف کی ہے، سید شریف الجرجانی نے ۸۰۸ھ میں اس پر شرح لکھی، کتب خانہ کا یہ نسخہ ۸۵۶ھ میں بمقام بلدۂ بخارا لکھا گیا ہے، نسخہ بہت صاف اور بخط خفی لکھا گیا ہے، محشیٰ بھی ہے، کتاب پر جو مہریں ثبت ہیں، وہ محو کر دی گئی ہیں،

۷- گلستان تالیف شیخ سعدی،

کتب خانہ کا یہ مخطوطہ اپنے خط، کاغذ، نقش و نگار، تصاویر اور جلد کے اعتبار سے ہر طرح دل نواز اور باصرہ افروز ہے، اور مشرقی ذوقِ حسن کاری کا ایک بہت ہی دل آویز شہ کار ہے، افسوس ہے کہ کاتب کا نام محو کر دیا گیا ہے، لیکن ترقیمہ کی جو عبارت اب بھی باقی ہے وہ یہ ہے،

"از کتاب خانۂ نواب مستطاب خانے صورت اتمام یافت، فی شہور ۹۸۶ھ علی ید العبد المذنب . . . . . ابن حسین الشریف الحسینی المشہدی"،

۸- شمائل تالیف الترمذی،

شمائل ترمذی کا یہ نسخہ وہ ہے جس کے متعلق قاضی ارتضا علی خان نے کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھا ہے کہ "المکتوب بخط الفاضل المحقق . . . . . الشیخ عبدالحق دہلوی" کتاب کے ترقیمہ سے اس کی تصدیق نہیں ہوتی، البتہ یہ ثابت ہے کہ ۱۰۵۲ھ میں اس کی کتابت عمل میں آئی، نیز دوسرے صفحہ پر جو عبارتیں مرقوم ہیں

ان سے یہ ضرور ثابت ہے کہ شیخ نے اس نسخہ کے ذریعہ دس مرتبہ درس دیا ہے، پہلا درس ۱۱۰۲ھ میں اصحاب درس چوتھے ان کے متعلق خود اصلی عبارت ملاحظہ ہو . . . . وقد اجزت روایتہ . .

. . . . للولدین العزیزین الصالحین ابی محمد تقی الدین عبدالنبی و ابی المجد جمال الدین نور الحق"

آخری درس ۱۱۴۶ھ میں دیا گیا ہے،

کتاب شروع سے آخر تک محشی ہے،

۹ - شرح مسلم الثبوت، تالیف ملک العلما بحرالعلوم مولانا عبدالعلی،

اس نسخہ پر مفتی محمد سعید خان نے لکھا ہے کہ یہ وہ نسخہ ہے جو مولانا کے داماد مولوی علاء الدین نے خود مولانا کے پاس پڑھا تھا، اور اپنے قلم سے اس پر حواشی چڑھائے تھے، نیز یہ لکھا ہے کہ خود مولانا بحرالعلوم نے بھی اکثر جگہ اپنے ہاتھ سے حواشی لکھے ہین،

نسخہ کی ابتدا مین مولوی جمال الدین، ہنبیسہ مولانا بحرالعلوم نے لکھا ہے، کہ

"از متروکۂ والد ماجد حضرت ملک العلما، مولانا علاء الدین احمد صاحب . . . . . است"

اس عبارت کے نیچے اپنی مہر ثبت کی ہے، نسخہ کامل اور دو جلدون میں ہے، بعد میں مفتی صاحب نے یہ نسخہ خرید لیا، چنانچہ انھون نے لکھا ہے کہ

"قد جاء ھذا الکتاب بید الفقیر محمد سعید بالشراء الشرعی"

۱۰ - صفات العاشقین - (فارسی نظم) تالیف ہلالی،

کتاب کا یہ نسخہ بھی خط، کاغذ، تصاویر اور نقش کے اعتبار سے مشرقی حسن کاری کا ایک دلپسند نمونہ ہے، ترقیمہ میں ناقل نے اپنا نام نہیں لکھا ہے، صرف سنہ کتابت لکھدیا ہے جو ۹۸۶ھ ہے، آخر میں یہ عبارت درج ہے:-

"بہ قیمت یک ہزار و نہ صد و چہل و پنج روپیہ بمعرفت مرزا فرخ بیگ قاقشالی در تاریخ بست و پنج

محرم الحرام ۱۲۶۵ھ جلوس والاخریدہ داخل کتاب خانہ نمودہ شد"

کتابون کی مجموعی تعداد: کتب خانۂ سعیدیہ میں جو کتابیں فی الوقت موجود ہیں وہ زیادہ تر حدیث اور فقہ کی ہین، دونون علوم کی کتابون کی مجموعی تعداد ۱۰۷۴ ہے، حدیث کی کتابون کا ذخیرہ تو بہت ہی اہم ہے، حدیث، اصول حدیث، سیرت اور رجال کی کتابون کی مجموعی تعداد ۵۷۳ ہے، ان مین ۱۳۱ مخطوطات ہین، ان علوم کی عربی کتابون کی تعداد ۵۰۳ ہے ان میں ۱۲۴ مخطوطات ہیں، باقی علوم کے متعلق فی الوقت اس قسم کی صراحت موجب تطویل ہوگی، مختصرًا یہ کہ کتب خانہ میں جو کتابین مخزون ہین، ان کی مجموعی تعداد ۳۰۵۲ ہے ان مین تقریبًا ۸۰ فی صدی عربی ہین، مخطوطات کی تعداد ۱۹۷۳ ہے،

کتب خانہ کی فن وار فہرست مرتب کرلی گئی ہے، دوسری نوعیت کی فہرستین بھی زیر ترتیب ہیں[1]،

---

[1] کتب خانہ سے متعلق ہر قسم کی خط و کتابت ذیل کے پتہ پر کی جاسکتی ہے، مولوی عبد العظیم صاحب کتب خانہ سعیدیہ جام باغ ترپ بازار حیدرآباد دکن،

چینی مسلمان

آغازِ اسلام سے آجتک چین میں مسلمانوں کی جو مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالت رہی ہے، اسکو خود چین کے ایک درد مند اور صاحبِ قلم مسلمان یعنی مولوی بدر الدین چینی نے جنھوں نے ندوۃ العلما اور جامعہ ملیہ مین تعلیم حاصل کی ہے اور دار العلوم ندوہ میں مدرسی کے فرائض انجام دیئے ہیں اس کتاب میں نہایت تفصیل سے لکھا ہے،

مسلمانانِ ہندوستان جو اپنے چینی بھائیوں کے قدیم و جدید حالات سے بے خبر ہیں، ان کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، ضخامت ۱۴۴ صفحے، قیمت:- ۱۲؎

"منیجر"

تاریخِ فرشتہ کا عہدِ تصنیف

از جناب سید احمد اللہ صاحب قادری، حیدرآباد دکن،

تغلق نامہ اور اس کے نقاد کے عنوان سے جناب محمد باقر صاحب نسیم رضوانی ام اے، پنجاب یونیورسٹی کا مضمون معارف (نومبر ۱۹۳۵ء) میں ہماری نظر سے گذرا، اصل مضمون سے بحث کرنا ہمارے موضوع سے خارج ہے، ہم صرف اس امر کو روشنی میں لانا چاہتے ہیں کہ تاریخِ فرشتہ کا سنہ تصنیف کیا ہے، ؟

آیا وہ ۱۰۱۵ھ میں مکمل ہوئی، یا

اسکے بعد بھی اس کا سلسلۂ تالیف جاری رہا،

محمد باقر صاحب نسیم نے تحریر کیا ہے، کہ تاریخ فرشتہ ۱۰۱۵ھ مین لکھی گئی، مولوی مقبول احمد صمدنی مؤلف حیاتِ جلیل نے مستشرق موہل (M. J. MOHL) کے حوالہ سے اسکی تکمیل و نظرِ ثانی کا سال ۱۰۳۱ھ تک متعین کیا ہے، اس موقع پر مناسب معلوم ہوتا ہے، کہ محمد باقر صاحب نسیم کے مضمون کا وہ حصہ جو فرشتہ کے عہدِ تصنیف سے متعلق ہے، ذیل میں درج کیا جائے،

"چونکہ تاریخ فرشتہ (کم ازکم اسکے ابتدائی مقالے) ۱۰۱۵ھ میں تالیف ہوئی تھی، اسلئے وہ تغلق نامہ جس سے فرشتہ نے ۱۰۱۵ھ میں چار شعر نقل کئے تھے، حیاتی کاشی کا لکھا ہوا کلام نہین ہوسکتا، کیونکہ حیاتی نے تغلق نامہ میں جو کچھ لکھا، وہ فرشتہ سے چار سال بعد ۱۰۱۹ھ کی تحریر ہے" سید ہاشمی صاحب کو گلشنِ ابراہیمی (تاریخِ فرشتہ) کی تاریخِ تالیف کا پتہ کہاں سے چلا ہے اُسے بھی فرشتہ کے قلم سے لکھا ہوا ملاحظہ فرمایئے:-

"پس در جمع آوردن کتب ہند ساعی گشتم و از اطراف و اکنافِ ممالک بسیاری از نسخ بدست آوردم
و چون از ان میان نسخہ کہ جامع حالات تمامی پادشاہانِ ہندوستان باشد بنظر این ذرہ حقیر در نیامد
مگر تاریخ نظام الدین احمد بخشی و آنہم از تحقیقات و معلوماتِ بسیار کہ علم فقیر بدان احاطہ داشت خالی
و تہی بود، ہر آئینہ ذوق تالیف و شوق تصنیف بیش از بیش شدہ در مطالعہ کتب متقدمین باقصی
الغایۃ کوشید و خلاصہ آن کنوز را کہ مانند لآلی منثورہ متفرق بود، بہ ترتیب خاص در یک سلک کشید
برسم یادگاری درین اسرار کہ موسوم بہ گلشن ابراہیمیست درج نمودہ، دیباچہ آن مجموعہ را کہ از اقلیم
تحقیق آمدہ بود و طیلسان تصدیق بر دوش گرفتہ در سنہ خمس و عشر و الف بنام نامی پادشاہ عدالت پناہ
معارف سپاہ گوہر معدن شاہنشاہ فروغ خاندان جہان پناہی انتخاب دیوان قضا و قدر مقدمہ
جنود فتح و ظفر موشح و مزین ساختہ تحفہ مجلس ہمایون گردانید"

یہی نہیں، بلکہ فرشتہ کتاب کے آخری سے پہلے مقالہ مین لکھتا ہے:۔

"تا زمانِ تحریر این کتاب کہ سنہ خمس و عشر و الف است ملیباریان از کشتہ شدن شان بیاسائی رسید"

یہ فرشتہ کے اپنے بیانات گلشن ابراہیمی کی تاریخ تالیف کے متعلق ہین، جن سے واضح طور
پر ثابت ہوتا ہے، کہ تاریخ فرشتہ (کم از کم اس کے ابتدائی مقالے) ضرور ۱۰۱۵ھ مین تالیف
ہو چکی تھی، باقی رہا موہل کا یہ خیال کہ فرشتہ نے ۱۰۳۱ھ تک کتاب کی تکمیل و نظر ثانی جاری
رکھی تھی، تو یہ فقط خیال ہی خیال ہے حقیقت سے اس کو دور کا بھی واسطہ نہین،........
اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ گلشن ابراہیمی کی تاریخ تالیف ۱۰۱۵ھ ہی ہے، تو اس سے یہ نتیجہ ضرور
نکلتا ہے، کہ حیاتی کاشی کے ۱۰۱۹ھ میں لکھے ہوئے شعر فرشتہ ۱۰۱۵ھ میں اپنی تاریخ مین نقل
نہیں کر سکتا، بلکہ یہ شعر خسرو دہلوی کے ہی ہین، اور چونکہ اب یہ شعر دستیاب شدہ تغلق نامہ میں موجود
ہیں اسلئے یہ تغلق نامہ بھی امیر خسرو دہلوی کی تصنیف ہے،

محمد باقر صاحب نے طے کر دیا ہے، کہ تاریخ فرشتہ ۱۰۱۵ھ میں تصنیف ہوئی، اس کی تکمیل واضافہ اور نظر ثانی کے واقعات کو وہ خیالِ خام تصور کرتے ہیں،

مولوی مقبول احمد صمدنی نے اس کی تکمیل و نظر ثانی کا سال ۱۰۳۱ھ بیان فرمایا ہے، تاہم اس کی تکمیل و نظر ثانی کا سنہ بجائے ۱۰۳۱ھ کے ۱۰۳۳ھ قرار دیا جاتا ہے، لیکن یہ قطعی نہیں ہے، ممکن ہے کہ ۱۰۳۳ھ کے بعد بھی فرشتہ اسکی تالیف میں مصروف رہا ہو، جس سے ہم لاعلم ہوں، تاریخ فرشتہ میں اکثر و بیشتر مقامات ایسے پائے جاتے ہیں جن کے پڑھنے سے واضح ہوتا ہے کہ حکیم محمد قاسم ۱۰۳۳ھ تک تاریخ فرشتہ کی ترمیم و ترقیم اور حک و اضافہ میں مصروف رہا، ذیل میں اکثر ایسے مقامات بجنسہ نقل کئے جاتے ہیں، جن سے محمد باقر صاحب نسیم کے بیان کی مصنف فرشتہ کی تحریرات سے خود بخود تردید ہوجاتی ہے، یہ ایسا دلچسپ مسئلہ ہے کہ ارباب تاریخ کو تاریخ فرشتہ کے عہد تصنیف کی نسبت آیندہ مغالطہ نہ ہوگا،!

۱۔ سلطان علاء الدین حسن بہمنی کے حالات میں،:-

"تاحال کہ سنہ ست عشر والف ۱۰۱۶ھ ست، بخلاف سائر ممالک ہند خصوصاً دفتر بادشاہان دکن و نویسندگی ولایات ایشان بہامنہ مرجوع ست"،

("تاریخ فرشتہ جلد اول الفنسٹن ایڈیشن ص ۵۲۷، نولکشور ایڈیشن ص ۲۷۸)

۲۔ سلطان محمد شاہ بہمنی کے تذکرے اور سکہ جات ہنود کے سلسلے میں،:-

"تاکنون کہ تاریخ ہجری بہ یک ہزار و شانزدہ ۱۰۱۶ھ رسیدہ ہمان نزد کفار درمیان مسلمانان شائع و رائج ست"،

(تاریخ فرشتہ جلد اول الفنسٹن اڈیشن ص ۵۳۰، نولکشور ایڈیشن ص ۲۸۲)

۳۔ سلطان مرتضیٰ نظام شاہ بن شاہ علی بن برہان نظام شاہ اول کے حالات میں،:-

"دراوائل سنہ ست و عشر و الف ۱۰۱۶ھ بفرمودہ عادل شاہ با نظام شاہ ابواب ملایمت

مفتوح داشتہ"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۳۲، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۱۲۶)

۴۔ نظام الملک بحری کے بیان میں:-

"تا حال کہ تاریخ ہجری بہ ہزار و ہجدہ [۱۰۱۸ھ] رسیدہ در مملکت دکن پادشاہ و گدا چتر بر سر می گیرند"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۱۸۶، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۹۶)

۵۔ سلطان علی برید شاہ کے حالات میں:-

"امیر برید نام شخصے کہ از اولاد آن خانوادہ بود، در سنہ ثمان و عشر و الف [۱۰۱۸ھ] ست در ان بدہ کام روا بودہ، چراغ برید شاہیہ روشن دارد"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۳۴۹، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۳۴۱)

۶۔ شہنشاہ اکبر کی فتوحات مالوہ کے ضمن میں:-

"از تاریخ ثمان و سبعین و تسعمائۃ تا این زمان کہ ثمان و عشر و الف [۱۰۱۸ھ] است مملکت مالوہ در حوزہ دیوان پادشاہ دہلی شمردہ می شود"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۵۴۱، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۲۶۴)

۷۔ حکام ملیبار کے سلسلہ میں:-

"در سنہ تسع و عشر و الف [۱۰۱۹] نورالدین محمد جہانگیر پادشاہ ابن اکبر پادشاہ فرنگیان را با فرنگیان پرتگال در معتقدات مخالفت دارند و تشنہ خون یکدیگرند"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۹۰۰، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۳۷۳)

۸۔ سلطان حسین نظام شاہ کے اذکار میں:-

"این زمان کہ تاریخ ہجری الف و عشرین [۱۰۲۰] است، آثار معموری در آن جا

مرئی نمی گردد"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۲۵۲، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۱۲۹)

۹۔ خواجہ محمود گاوان کی شہادت کے سلسلہ میں :۔

"...... تا زمانِ تحریر این حکایت کہ سنہ ثلاث وعشرین والف باشد، ہنوز آن عمارت و مسجد چار طاق بازار بزرگ باقیست"

(تاریخ فرشتہ جلد اول، الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۶۹۳، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۳۵۰)

۱۰۔ سلطان محمود شاہ بہمنی کے ضمن میں :۔

"تا ایں زمان کہ تاریخ ہجری ثلث وعشرین والف ست بتائید آسمانی صفت دوام وبقا دارد"

(تاریخ فرشتہ جلد اول الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۶۹۳، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۳۷۳)

۱۱۔ بہادر خان فاروقی کے اذکار میں :۔

"مؤلف این کتاب در سنہ ثلث وعشرین والف ہمراہ خواجہ حسن تربتی کہ دیوان شاہزادہ دانیال بود، بالائے قلعہ رفتہ تفرج نمودم"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۵۶۷، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۲۹۰)

۱۲۔ بہادر خان فاروقی کے بیان میں :۔

"بہادر خان را اکبر پادشاہ بدار السلطنت لاہور بردہ ...... تاآن کہ بعہد فرخندہ حضرت نور الدین پادشاہ ولد اکبر پادشاہ در سنہ ثلث وثلثین والف در دار الخلافہ آگرہ باجل موعود درگزشت"

(تاریخ فرشتہ جلد دوم الفنسٹن ایڈیشن صفحہ ۵۶۸، نولکشور ایڈیشن صفحہ ۲۹۱)

کوبے میں موتی مسجد اور اسکی تقریب افتتاح

از

جناب نور الحسن صاحب برلاس معلم مدرسہ السنہ غیر توکیو (جاپان)

مسلمانانِ ہند مقیم جاپان مستحق صد ستایش و اجر اخروی ہیں کہ ان کے دینی اخلاص سے جاپان مین ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر اختتام کو پہنچی، جو وہان مسلمانون کے لئے ایک مذہبی مرکز کے کام میں بھی آئے گی، جناب برلاس معلم مدرسۂ السنۂ غیر توکیو نے اس مسجد اور اس کے افتتاح کی رسم پر ذیل کا مقالہ بھیجا ہے، جو شکریہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے،

"رسب اڈیٹر"

مسلمانانِ ہند نے کوبے میں مسجد تعمیر کرکے اہل جاپان کے آگے فن تعمیر کا ایک نیا نمونہ پیش کیا ہے جاپانی فن تعمیر میں خط مستقیم کا عمل ہوتا ہے، زمانۂ قدیم مین عمارت کے کسی حصے میں کوئی خم نظر نہین آتا تھا خمیدہ خط ملک چین سے جاپان مین آیا، مگر یہ صرف اولتیوں میں گم ہو کر رہ گیا، اب جاپانی عمارتون کی خاص پہچان یہ ہے کہ اولتیان اوپر کو مڑی ہوئی نظر آتی ہین، گنبد کی گولائی عیسائی گرجاؤن کے ساتھ جاپان مین داخل ہوئی، مگر یہ کچھ زیادہ جاذب نظر ثابت نہ ہوئی، یہان گرجاؤں میں اگر کہیں گنبد ہوتے ہین، تو وہ مخروطی شکل کے ہوتے ہیں، جو زیادہ خوبصورت معلوم نہین ہوتے، ترکون نے جس وضع کا گنبد ایجاد کیا، اور مغلون نے اسے جس پایۂ تکمیل کو پہنچایا وہ جاپان میں نظر نہین آتا، یہ سہرا مسلمانون کے سر ہے کہ انھون نے مسجد تعمیر کرکے جاپان میں ایک نئے فن تعمیر کا تعارف کرایا،

کوبے کی مسجد اسی سال تیار ہوئی ہے، پہاڑی کی ڈھلوان پر واقع ہے، اور دور دور سے نظر آتی ہے،

اس کے بلند مینار اور گول گنبد ہر شخص کو اپنی طرف متوجہ کرلیتے ہین، ہندوستان مین ہم کو اپنے فن تعمیر کی خوبیون کا احساس نہین ہوتا، یہان وہی نمونہ دیکھ کر اس کی دل سے قدر ہوتی ہے، یہان بڑی بڑی قفقہہ عمارتین موجود ہین، جو آسمان سے باتین کرتی ہین، پچھلے تیس سال مین نو دس منزلہ عمارتین بہت سی بن گئی ہین، مارونوچی بلڈنگ جاپان بھر مین سب سے بڑی عمارت ہے، مگر یہ سیمنٹ کا ایک ڈھیر معلوم ہوتا ہے، جس مین کوئی نزاکت نظر نہین آتی، مغربی طرز کی عمارتون کے آگے کوبے کی مسجد ایک نگینہ معلوم ہوتی ہے، جو تمام جاپان مین ممتاز ہے،

تمام مسجد مسقف ہے، عمارت سہ منزلہ ہے، اور کچھ ایسی بڑی نہیں جو اپنی عظمت سے دلون کو مرعوب کرسکے، نیچے کی منزل مین کوئی پونے دو سو آدمی نماز پڑھ سکتے ہین، اندر اتنی گنجایش نہیں ہے جتنی باہر سے بڑی معلوم ہوتی ہے، اور یہ امر خود فن تعمیر کی ایک خوبی ہے، باہر سے بہت خوبصورت نظر آتی ہے، آگے کونون پر دو مینار ہین، جن کی چوٹی پر برجیان بنی ہوئی ہین، بیچ مین ایک بڑا گنبد ہے، اور پیچھے دو چھوٹی سی برجیان، مینارون کی نزاکت، برجیون کی لطافت اور گنبد کی گولائی دلون کو مسخر کرتی ہے، عمارت پر مردنی پیدا کرنے والے سیمنٹ کے مٹیالے رنگ کے بجائے صندلی رنگ ہے، جو دل مین فرحت پیدا کرتا ہے، اس پر سفید گنبد اور برجیان سونے پر سہاگہ کا کام دیتی ہین، مینار کی جڑ سے چوٹی کی طرف نظر جاتی ہے، تو بیچ مین کٹہرے نظر آتے ہین، جو یکسانی کو رفع کرتے ہین، تمام اجزا اس قدر متناسب ہیں کہ بڑا پیارا منظر پیدا کرتے ہیں، اندر سفید پلاسٹر ہے، مگر اس سے آنکھون مین چکاچوند پیدا نہین ہوتی، دیوارون مین شربتی رنگ کے شبنمی شیشے کی کھڑکیان ہیں، جو روشنی کو مدھم کردیتی ہین، اس سے ایک عجیب روحانی کیفیت پیدا ہوتی ہے، آرایش کی عدم موجودگی نہایت دلفریب سادگی پیش نظر کرتی ہے، دیوارین بالکل صاف ہین کہیں کہیں برقی دیوارگیریان لگی ہوئی ہین، اور بیچ مین جھاڑ آویزان ہے، آرایش کا صرف ایک عنصر ہے، یہ محراب ہے جو سنگ مرمر کی بنی ہوئی ہے، اور بہت خوبصورت اور نازک تراشی گئی ہے،

منبر بھی سنگ مرمر کا ہے، مگر یہ بالکل سادہ ہے، محراب کے اوپر سنہری حروف میں "اللہ" اور اس کے
نیچے کلمہ لکھا ہوا ہے، چھت بہت بلند ہے، جس سے ہال کی شان نکل آتی ہے،

مسجد کی عمارت فی الجملہ ایسی دلفریب ہے کہ شہر کوبے کے لئے زینت بن گئی ہے، بلکہ تمام جاپان
میں نمایان درجہ رکھتی ہے، یہان اس کی وہی حیثیت ہے جو آگرے کے قلعے مین موتی مسجد کی ہے، اسی
بنا پر یہ اپنی نزاکت اور خوبصورتی کے لحاظ سے موتی مسجد کہلانے کی مستحق ہے،

مسجد کی تعمیر مین بہت دور اندیشی سے کام لیا گیا ہے، تمام ضروریات کا انتظام ہے، پھاٹک شمالی
جانب ہے، اسی کی مناسبت سے مینار شمالی جانب اور برجیان جنوبی جانب ہیں شاید اسلامی نقطۂ نظر
سے اسے نقص کہا جائے مگر یہ کسی طرح درست نہین، کیونکہ اولاً عمارت کی خوبی کے آگے اس کا کسی کو
احساس بھی نہین ہوتا، پھر اس سے کوئی ہرج بھی نہین، بلکہ قبلہ قائم کرنے میں مینار پرستی کی اہمیت نظر انداز
ہو جاتی ہے، یہ صورت قطع زمین کی وجہ سے پیش آئی ورنہ رخ بدل کر تعمیر کرنے میں خود عمارت کی موزونیت
مین نقص واقع ہو جاتا، احاطے مین مسجد کے تین جانب خالی جگہ پڑی ہوئی ہے، مگر اتنی گنجایش نہین کہ باغچہ
لگایا جا سکے، سامنے کے رخ سرو کے درخت لگے ہوئے ہین، جو عمارت کی خوبی کو دوبالا کر دیتے ہین،
اسی رخ شاندار دروازہ ہے، ڈیوڑھی مین جوتے اتارنے کا انتظام ہے، اور ان کے لئے ایک خانے دار
الماری رکھی ہوئی ہے، فرش پر چلنے کے لئے کپڑے کے سلیپر ہین، پہلی منزل میں ایک مربع ہال ہے،
اور اس کے آگے دالان جس میں دو صفین کھڑی ہو سکتی ہین، دوسری منزل مین ہال کے اوپر جگہ خالی
ہے، جس سے چھت بلند ہو جاتی ہے، اور دالان کے اوپر گیلری بنی ہوئی ہے، جہان عورتین نماز پڑھتی
ہین، تیسری منزل میں بہت وسیع ہال ہے، یہان مصلے کی جگہ چھت میں بڑا سوراخ ہے کہ قرأت
کی آواز اوپر پہنچ سکے، تینوں منزلوں مین چٹائی کا فرش ہے، آیندہ روپیہ فراہم ہونے پر پہلی اور دوسری
منزلون میں دری کی جانمازین بچھانے کا ارادہ ہے، ابھی کوبے میں اتنے مسلمان نہین ہیں کہ تیسری منزل

میں جانماز بچھانے کی ضرورت ہو، یہاں میز اور کرسی کا فرش لگانے کا ارادہ ہے، کہ یہ کمرہ جلسہ گاہ کے طور پر کام دے سکے، پہلی منزل کے نیچے تہ خانہ ہے، یہاں لمبی لمبی میزیں لگا کر کھانے کا کمرہ بنانے کا ارادہ ہے، فی الوقت فرنیچر سے بالکل معرا ہے، چاروں منزلوں میں جاڑے میں کمرے گرم رکھنے کا انتظام ہے، دونوں میناروں کے اندر سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں، اوپر سے بندرگاہ کا منظر دور تک نظر آتا ہے، آجکل مغربی مینار پر اذان دیجاتی ہے، گنبد کے گرد برقی قمقموں کا ایک حلقہ بنا ہوا ہے، ایسے ہی حلقے میناروں کے گرد بنے ہوئے ہیں، میناروں اور گنبد کے کلس پر نیلے رنگ کی روشنی کے ہلال لگے ہوئے ہیں، خاص خاص موقعوں پر روشنی کیجاتی ہے، تو رات کو دور سے گنبد اور مینار روشن نظر آتے ہیں، اور ہلال چمکتے دکھائی دیتے ہیں، ہر جمعرات کی شب کو بھی چراغان کیا جاتا ہے،

مسجد کے جنوبی جانب ایک سہ منزلہ عمارت تعمیر کیگئی ہے، یہ مسجد سے بالکل الگ ہے، مگر مسجد کی پہلی اور دوسری منزل سے اس میں آمد و رفت کا راستہ ہے، اس عمارت میں بہت سے کمرے ہیں، پہلی منزل میں ایک کمرہ جاروب کشوں کی قیام گاہ ہے، باقی کمرے نمازیوں کی ضروریات کے ہیں، جنہیں لباس خانہ، وضوخانہ، پیشاب خانہ، پاخانہ، غسلخانہ اور باورچیخانہ شامل ہیں، غسلخانے میں گرم پانی کا جاپانی ٹب ہے، باورچیخانے کا دروازہ تہ خانے کے مقابل ہے کہ کھانا لیجانے میں آسانی ہو، دوسری منزل میں ایک کمرہ مسجد کمیٹی کے دفتر کے لئے مخصوص ہے، باقی کمروں میں مدرسہ ہے، جس میں میز کرسی کا فرنیچر ہے، اس میں تاتاری لڑکے ابتدائی مدارس کی تعلیم پاتے ہیں، پیش امام کے ساتھ ایک تاتاری لڑکی اس میں پڑھاتی ہے، جو انگریزی خوب بولتی ہے، تیسری منزل میں پیش امام اور مؤذن کے لئے الگ کمرے ہیں، ان کا باورچیخانہ وغیرہ بھی اسی منزل پر ہے، ان کے علاوہ ایک دو کمرے خالی پڑے ہیں، پیش امام کے اور مدرسے کے کمروں کے علاوہ کسی کمرے میں فرنیچر نہیں ہے،

اس قدر ضروریات فراہم کرنے کے باوجود مجھے ایک کمی نظر آتی ہے، ضرورت ہے کہ مسجد کے متعلق

ایک کتب خانہ اور دار المطالعہ ہو جہان نہ صرف مسلمان اپنی علمی پیاس بجھا سکین، بلکہ دیگر اصحاب بھی اسلام کی معلومات حاصل کر سکین،

مسجد کے خدمتگذارون مین کئی اقوام کے لوگ شامل ہین، ٹرسٹیون کے بورڈ اور انتظامی بورڈ میں ہندوستانی اور تاتاری شامل ہین، پیش امام تاتاری ہین، مؤذن مصری ہین، جاروب کش دو جاپانی ہین، ایک مرد اور ایک عورت،

مدرسے کا صرفہ تاتاریون کے ذمہ ہے، البتہ مکان مفت ہے، اور پیش امام کو مسجد سے تنخواہ ملتی ہے، کرایہ مکان کی معافی اور پیش امام کی خدمات گویا تاتاری مدرسے پر مسجد کی عنایت ہے، تاتاری اس عنایت کے مستحق بھی ہین، کیونکہ اُن کی مالی حالت ہندوستانیون کے مقابلے کی نہین،

مسجد کی تعمیر کا خیال اٹھانے کا سہرا مسٹر بوچیا کے سرہے، انھون نے یہ تجویز مسلمانون کے سامنے پیش کی، اور جناب احمد صاحب مرحوم کو ساتھ ملا کر کئی برس تک استقلال سے چندہ جمع کرتے رہے، ان کی سرگرمی دیکھ کر جناب فیروز الدین صاحب نے سرپرستی فرمائی، حقیقت یہ ہے کہ ان کی مالی امداد شامل حال نہ ہوتی، تو ایسی شاندار مسجد ظہور پذیر نہ ہو سکتی، مسجد مین چہتر ہزار ین کی لاگت آئی ہے، اس مین جناب فیروز الدین صاحب کا چندہ انتالیس ہزار ین ہے، یعنی نصف سے زیادہ رقم ان کا عطیہ ہے، کوبے کی دیگر مسلمان کوٹھیون نے معقول امداد دی ہے، رنگون، کلکتہ اور بمبئی کے تجار سے بھی بہت چندہ وصول ہوا ہے، کچھ رقم کوبے کے تاتاریون نے بھی دی ہے، اور انھون نے اپنے مقدور بھر امداد کی ہے، واقعہ یہ ہے کہ تجار نے مسلمانون کی قدیم روایت کو زندہ کیا ہے، دنیا کے اکثر ممالک میں مسلمان تاجرون کے ذریعہ سے اسلام پھیلا ہے، جاپان میں بھی انہی نے پہلا قدم اٹھایا ہے،

اسی رقم سے تعمیر مسجد کے ساتھ ساتھ اس کے اخراجات کے لئے کچھ جائداد کوبے مین خریدی گئی ہے، اس سے اتنی آمدنی ہوتی ہے کہ ٹیکس ادا کرنے کے بعد ایک سو ین ماہوار بچ رہتے ہین، اگر یہ رقم مسجد کے

خرچ کے لئے کافی نہین، اس ضرورت کو دیکھ کر جناب فیروز الدین صاحب نے ایک سال تک ایک سوین ماہوار دینے کا وعدہ کیا ہے، مسجد کا ماہوار صرفہ ڈیڑھ سو اور دو سوین کے درمیان ہے،

مسجد کا سنگ بنیاد نومبر ۳۴ئہ میں رکھا گیا، اس تقریب مین دیگر معززین کے علاوہ سفیر افغانستان بھی تشریف لائے تھے، مسجد میں پہلی نماز بتاریخ ۲ راگست ۳۵ئہ بروز جمعہ ادا ہوئی اور تقریب افتتاح بتاریخ ۱۱ راکتوبر ۳۵ئہ بروز جمعہ عمل میں آئی، تقریب افتتاح کی تیاریان کئی مہینے سے ہو رہی تھیں، اسی سلسلے مین مسجد کمیٹی نے ایک بہت مفید تجویز منظور کی، کہ جلسۂ افتتاح میں اسلام کے متعلق ایک پمفلٹ تقسیم کیا جائے، جس کے لئے مقتدر مسلمانوں سے مضامین لکھوائے جائیں، چنانچہ پچاس صفحے کی ایک خوبصورت مجلد کتاب چکنے کاغذ پر انگریزی میں طبع کرا کے یادگار کے طور پر جلسے میں تقسیم کی گئی جس میں خاکسار کا بھی ایک مختصر مضمون اخوت اسلامی پر شامل ہے، یہ کتاب جاپانی کتب خانون اور دیگر ادارون میں بھیجی جارہی ہے، دیگر ممالک کے کتب خانون میں بھی بھیجنے کا ارادہ ہے،

افتتاحی جلسے کا انتظام بہت بڑے پیمانے پر کیا گیا، آٹھ سو دعوتی رقعے روانہ کئے گئے تھے، مدعوین میں جاپانی گورنمنٹ کے وزرا و اعلیٰ عہدہ دار، کئی سلطنتوں کے سفرا جن میں ترکی، ایران و افغانستان بھی شامل ہین، کوبے میں جاپانی گورنمنٹ کے عہدہ دار، مختلف دول کے قونصل اور تمام اقوام کے معززین شامل تھے، اتفاق سے توکیو مین وزیر جنگ کی جانب سے ۱۰ اکتوبر کی شب کو دعوت تھی، اس وجہ سے توکیو کے معززین افتتاحی جلسے مین شریک نہ ہوسکے، البتہ کوبے کے عہدہ دار اور قونصل موجود تھے، ان مین برطانوی اور مصری قونصل، صدر میونسپلٹی کوبے اور دیگر محکمون کے افسران اعلیٰ قابلِ ذکر ہین، ان میں دو سو ہندوستانی اور روسی مسلمان مرد و عورت موجود تھے، دیگر مہمانون میں تقریباً ڈیڑھ سو ہندوستانی اور باقی جاپانی و یورپین و امریکن اصحاب شامل تھے، پورا بین الاقوامی جلسہ تھا، اس جلسے کی شرکت کے لئے چین اور منچوکوؤ تک سے مسلمان آئے تھے،

جلسے کے قبل مہمانوں کو مسجد دکھانے کا انتظام کیا گیا تھا، سب نے مسجد دیکھی، اور کوئی ایسا نہ ہوگا جسکی زبان پر کلمۂ تحسین نہ ہو، غیر مسلم ہندوستانیوں کو بھی اس بات پر فخر ہے کہ ہندوستانیوں نے ایسی بے نظیر عمارت تعمیر کی ہے، مسجد کمیٹی کی جانب سے یہ بھی انتظام تھا کہ مسجد دیکھنے کے بعد مہمانوں کو ٹیکسی میں بٹھا کر جلسہ گاہ میں پہنچا دیا جائے، ٹور ہوٹل میں جلسے کا بندوبست کیا گیا تھا، جلسے کا وقت ساڑھے چار بجے مقرر تھا، مگر پہلے ہی سے ہال بھر چکا تھا، ہال کے بیچ میں ایک لمبی میز آراستہ تھی جس کے ایک کونے پر صاحب صدر جلوہ افروز تھے، اور ان کے قریب جاپانی گورنمنٹ کے عہدہ دار اور قونصل صاحبان تھے، ہال کے ایک جانب مقررین کے لئے ایک چھوٹا سا ڈائس تھا،

جلسے کی صدارت جناب میاں عبدالعزیز بیرسٹر سابق صدر مسلم لیگ نے فرمائی، آپ کوئی دو مہینے سے تبلیغی مشن پر جاپان آئے ہوئے ہیں، اور کوبے میں تشریف رکھتے ہیں، جلسے کی ابتدا کلام پاک کی تلاوت سے ہوئی، ایک تاتاری لڑکے نے ڈائس پر کھڑے ہو کر ایک رکوع پڑھا، اس کو ہندوستانی جبہ اور عمامہ پہنایا گیا تھا، گورے رنگ پر سفید صافہ بہت بھلا لگتا تھا، اس کے بعد مسٹر ماسٹر صاحب صدر انتظامیہ بورڈ نے مختصر الفاظ میں مسجد کی تاریخ انگریزی زبان میں بیان کر کے صاحب صدر کا تعارف کرایا، میاں صاحب سر سے پاؤں تک عربی لباس میں ملبوس تھے، آپ کا لباس نہایت سحر کن تھا، آپ ڈائس پر تشریف لائے تو ہال تالیوں سے گونج اٹھا، آپ نے خطبۂ صدارت انگریزی میں پڑھ کر سنایا، جو نہایت عالمانہ تھا، اس میں انھوں نے اہل جاپان کے آگے بڑی خوبی سے اسلام پیش کیا تھا، ان کے بعد مسٹر براس نے ہندوستانی میں تقریر کی، ہندوستانیوں کے چند نمایندہ حضرات کی رائے تھی کہ وہ جلسے کی بہترین تقریر تھی، جس میں انھوں نے عورت پر اسلام کے احسانات اور مسلم عورت کے چند کارہائے نمایاں کا تذکرہ کیا تھا، اور اہل جاپان کو اسلام کی دعوت دی تھی، ان کے بعد مسجد کے پیش امام جناب شموفی نے ترکی میں تقریر پڑھ کر سنائی،

اس کے بعد چائے کا دور شروع ہوگیا جس کے دوران میں بھی تقریریں ہوتی رہیں، مقررین میں زیادہ تر تاتاری اصحاب تھے، جنھوں نے ترکی میں تقریریں کیں یا پڑھ کر سنائیں، ایک چینی مسلمان نے چینی میں تقریر کی اور ایک جاپانی مسلمان نے جاپانی میں، مسٹر داس نے انگریزی میں تقریر کی، مہمانوں کی جانب سے ایک انگریز نے شکریہ ادا کیا، تقریروں کے بعد سکریٹری صاحب نے بیان کیا کہ مختلف مقامات سے ساٹھ ستر تار مبارکباد کے وصول ہو چکے ہیں، جن کو بوجہ قلتِ وقت پڑھ کر نہیں سنایا جاسکتا، آخر میں مسٹر شاکر آزاد علی نے خوش الحانی سے قرآن شریف کا ایک رکوع تلاوت کیا اور جلسہ ختم ہوا،

تقریبِ افتتاح کو کامیاب بنانے کے لئے مسجد کمیٹی نے کافی روپیہ خرچ کیا ہے، صرف چائے اور فواکہات پر ایک ہزار ین صرف ہوئے ہیں، یہ تمام صرفہ حق بجانب تھا، کیونکہ اس سے کوبے میں اور اخبارات کے ذریعہ سے تمام جاپان میں اسلام کا چرچا پھیلا ہے، اوساکا مائی نچی نے ۱۱ر اکتوبر کی اشاعت کا بیشتر حصہ حالاتِ مسجد کے لئے وقف کر دیا تھا، جلسے میں اخبارات کے فوٹو گرافروں کا ایک غول موجود تھا، جنھوں نے وقتاً فوقتاً فوٹو لئے، اور یہ فوٹو مع حالات جلسہ و مسجد جاپانی اخبارات میں شائع ہوئے، نمایش مسجد اور تقریبِ افتتاح کے جملہ انتظامات جس حسن و خوبی سے انجام پائے، اس کے لئے اراکین مسجد کمیٹی ہر طرح مبارکباد کے مستحق ہیں،

خیّام

خیام کے سوانح تصنیفات اور فلسفہ پر تبصرہ، اور فارسی رباعی کی تاریخ، اور رباعیات خیام پر مفصل مباحث اور آخر میں خیام کے چھ عربی و فارسی رسالوں کا ضمیمہ، اور اس کے قلمی رباعیات کے ایک نسخہ کی نقل شامل ہے، خیام کے مباحث پر بہت ہی مفصل مکمل اور حتی المقدور محققانہ، یہ سب سے پہلی کتاب لکھی گئی ہے، ضخامت ۵۲۰ صفحات، کتابت و طباعت و کاغذ اعلیٰ، قیمت غیر مجلد ہے مجلد للعہ "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

"مشہد قدس کی سائینٹفک محرابین"

رسالہ آرس اسلامیکا (امریکہ) جلد ۲ حصہ اول مین عنوان بالا سے ڈویٹ ایم ڈونلڈسن (DWIGHT M.DONALDSON) نے ایک مضمون لکھا ہے، جس کی تلخیص حسب ذیل ہے:-

حضرت امام رضا علیہ السلام کی قبر لوہے کے تین کٹہرون سے گھری ہے، جو یکے بعد دیگرے نصب ہین، قبر پر لکڑی کا مطلا تعویذ ہے، جس پر شاہ عباس کا نام کندہ ہے، پہلا کٹہرہ جو قبر کے متصل ہے تانبے کی جالی کا ہے، یہان وہ تحفے تحائف اور نذرانے جو حرم کے زائرین پیش کرتے ہین، جمع کر دیئے جاتے ہین، نوروز کے کچھ دن پیشتر حرم کے مجاورا ان کو نیلام کر کے مقبرہ کے کامون مین صرف کرتے ہین، دوسرا درمیانی کٹہرا مطلا ہے، اور اس پر شاہ حسین صفوی کے نام کا کتبہ لگا ہوا ہے، تیسرا کٹہرہ بھی مطلا ہے، اور اس پر باریک اور خوبصورت خط مین سورۂ دہر کی پوری آیتین لکھی ہوئی ہیں، دوسرے اور تیسرے کٹہروں کے گوشون کے ستون سونے کے ہیں، مقبرہ کی چھت لکڑی کی ہے، جس پر سونے کا پتر چڑھایا گیا ہے، اور اس کے نیچے سونے کے بہت سے خوشنما و خوبصورت جھاڑ لٹکائے گئے ہیں، زائرین قبر کے سرہانے کی جانب سے طواف شروع کرتے ہیں، پہلے وہان کھڑے ہو کر اپنے امام مظلوم پر درود و سلام بھیجتے ہیں، پھر مشرقی جانب سے ہو کر قدمون کے پاس آتے ہین، اور پہلے کی طرح دعا کرتے ہیں، مگر اس مرتبہ ان لوگون پر جنھون نے امام کو قتل کیا ہے، یا اپنے ہاتھ اور زبان سے ان کو ایذا پہنچائی ہے لعنت بھیجتے ہیں، پھر مقبرہ کے پائین کھڑے ہو کر حضرت آدم، نوح، ابراہیم

موسیٰ، عیسیٰ، اور محمد علیہم السلام کے سچے جانشین ہونے کی حیثیت سے ان پر درود و سلام بھیجتے ہیں، پھر سرہانے پہنچکر امام کو اپنے اور خدا کے درمیان وسیلہ بنا کر شفاعت طلب کرتے ہیں،

مقبرہ کے دروازہ کے چوکھٹے پر خط ثلث اور اُبھرے ہوئے چمکدار حروف میں عربی عبارت لکھی ہے جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"بسم اللہ الرحمن الرحیم، یہ ہمارے امام حسن بن علی بن ابی طالب کے بھائی، امام حسینؑ شہید کربلا کے لڑکے (مجازاً) امام رضا مظلوم و معصوم و شہید کا مقدس، ذی شان، عظیم المرتبت اور پاک مقبرہ ہے، حضرت علی امیر المومنین، مظہر الحق، اور سرور عالم محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب صلی اللہ علیہ و علی آلہ الطیبین الطاہرین و علی اصحابہ الکرام وسلم کے صحیح خلیفہ ہیں"

اسی جگہ بائیں جانب دو پیرگراف میں لکھانے اور لکھنے والوں کے نام درج ہیں، پہلے کا نام علی بن محمد قاری ہے اور دوسرے کا محمد بن ابو طاہر بن ابو حسن، کتابت کی تاریخ پہلی جمادی الاولیٰ ۶۱۲ھ ہے،

دروازہ کے سامنے ایک کتبہ لگا ہوا ہے، جس میں امام رضا کی تعریف میں ابونواس کے چند اشعار لکھے ہوئے ہیں، اس کے نیچے عبد العزیز بن آدم بن ابو نصر القمی کا نام لکھا ہے، غالباً یہ کتبہ کے لکھوانے والے کا نام ہے۔

مقبرہ کی دیوار پر دروازہ کے کنارے سنہرے اور چمکدار حروف میں عربی عبارت لکھی ہے، جس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے علی سے فرمایا، اے علی! میں لوگوں کی طرف خدا کا آخری رسول ہوں، اور تم ان کے ہادی ہو، اور حسن ان کے امام، اور حسین ان کے رہبر ہیں، اور علی بن حسین ان کے جامع، اور محمد بن علی ان کے مودب، اور جعفر بن محمد ان کے شاہد، اور موسیٰ بن جعفر ان کے حاسب، اور علی بن موسیٰ ان کے شفیع، اور محمد بن علی ان کے معین، اور علی بن محمد ان کے معلّم، اور حسن بن علی ان کے داعی، اور آیندہ ہونے والے امام ان کے ساقی ہیں"

اسی جگہ سورۂ حجر کی یہ آیت ان فی ذالک لآیات للمتوسمین کوفی خط مین لکھی ہے،

مقبرہ کے اندر کی دیوارون کے بالائی حصہ پر صاف وشفاف شش جہت پتھرون میں سورۂ فتح کی ابتدائی پانچ آیتین لکھی ہوئی ہین، نیز قبر کے بائیں طرف کی دیوار پر دروازہ سے لیکر شاہ طہماسپ کے برآمدہ تک مذکورۂ بالا سورہ کی چوتھی آیت سے لیکر بارہویں آیت تک لکھی ہوئی ہے، دیوار کے زیرین حصہ مین دروازہ سے لے کر دیوار کے گوشہ تک سورۂ دہر کی ابتدائی انیس [19] آیتین لکھی ہوئی ہین، کتابت کی تاریخ ذوجمادی الاخری سنہ ۹۶۰ھ ہے،

حرم کی دیوارون کے مختلف مقامات پر آیتون، حدیثون، ضرب الامثال اورصوفیہ کے کلام و اشعار سے گلکاری کی گئی ہے، ان کو دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف لوگون نے مختلف اوقات مین ان کو لکھوایا ہے،

حرم کی ایک دیوار میں جو قبر کے پیچھے کی جانب ہے، دروازہ کے دونون جانب دو محرابین ہین یہ آرٹ کا سب سے بہترین نمونہ ہین، ان میں قرآنی آیات اوربیل بوٹون سے گلکاری کی گئی ہے، دونون محرابون کی شکل تقریبًا ایک ہے، مگر عبارتین مختلف ہین، بائین جانب کی محراب میں قرآن پاک کی مختلف آیتین لکھی گئی ہین، پہلا کالم جو فرش کے قریب سے شروع ہوکر مربع شکل مین ہوتا ہوا پھر فرش تک پہنچتا ہے، ذیل کی آیتون سے مزین ہے، یہ آیتین کوفی خط کے ابھرے ہوئے چمکدار حروف میں لکھی گئی ہین،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، انما ولیکم اللہ ورسولہ...... الی قولہ

.... واتقوا اللہ ان کنتم مومنین، (مائدہ - ۸)

دوسرے کالم مین خط ثلث کے بڑے اورابھرے ہوئے چمکدار حروف میں ذیل کی آیتین لکھی گئی ہین،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اقم الصلوٰۃ لدلوک الشمس..... الی قولہ

..... واجعل لی من لدنک سلطانًا نصیرا، (بنی اسرائیل - ۹)

اسکے نیچے محراب کی کمان میں آل عمران کی یہ آیت شھد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو۔ . . . (الی قولہ)

. . . . . . ان الدین عند اللہ الاسلام لکھی ہے، پھر اس کے نیچے ایک کالم ہے، جس میں کوفی خط کے باریک حروف مین ذیل کی آیتین لکھی ہین،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، قد افلح المومنون . . . . . (الی قولہ) . . . . .

فاولئک ھم العادون، (مومنون - ۱)

پھر اس کے نیچے ایک اور کالم ہے جسمین باریک اور زرد حروف سے سورۂ بقرہ کے خاتمہ کی یہ آیتین لکھی گئی ہین،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اٰمن الرسول بما انزل الیہ . . . (الی قولہ)

. . . . فانصرنا علی القوم الکافرین،

دوسری محراب بھی مختلف آیتون اور عبارتون سے مزین ہے، اس مین سب سے پہلے سورۂ ہود کی یہ آیت کوفی خط مین لکھی ہوئی ہے،

ان الحسنات یذھبن السیئات ذلک ذکری للذاکرین، واصبر فان اللہ

لا یضیع اجر المحسنین،

اسی کے قریب سورۂ بقر کی ایک سو اتالیسویں اور ایک سو چالیسوین آیت خط ثلث میں لکھی ہوئی ہے،

محراب کی کمان میں سورۂ بقر کی یہ آیت اٰمن الرسول بما انزل الیہ . . . . (الی قولہ) . . .

والیک المصیر لکھی گئی ہے، تقریبًا اسی جگہ ایک عربی عبارت ہے جو امتداد زمانہ سے بہت کچھ مٹ چکی ہے، اس کا ترجمہ حسب ذیل ہے:-

امام علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص میرے دور ہونے کے باوجود مجھے دیکھنے آئے گا، اور میری قبر کی زیارت کرے گا، قیامت کے دن مین تین جگہ اس کی مدد کرون گا، (۱) اس وقت جب کہ نامۂ اعمال سیدھے اور بائین جانب بکھیر دیئے جائین گے، اس کو خوف وہراس سے

نجات دلاؤن گا، (۲) پل صراط پر گذرنے مین اس کی مدد کرون گا، (۳) نیکی اور بدی کے تولے جانے کے وقت اس کی سفارش کرونگا "

اسی طرح ایک دوسری جگہ عربی عبارت لکھی ہوئی ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے،

"اس قبر کی زیارت کعبہ کے ہزار حج کے مساوی ہے سعید احمد بن محمد نے ابو جعفر سے پوچھا، کیا ہزار حج کے مساوی ہے؟ انھون نے جواب دیا ہان! مین خدا کی قسم کھا کر کہتا ہون کہ جو شخص حضرت امام رضا کو اپنا امام تسلیم کر کے ان کی قبر کی زیارت کریگا وہ ضرور ہزار حج کا ثواب پائیگا"

محراب کے اطراف مین قرآن پاک کی یہ آیت کوفی خط مین لکھی گئی ہے،

"ان اللہ وملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما"

اسی کے قریب ابھرے ہوئے سفید حروف مین آل عمران کی یہ آیت لکھی گئی ہے،

بسم اللہ الرحمن الرحیم، شہد اللہ انہ لا الٰہ الا ھو والملئکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الٰہ الا ھو العزیز الحکیم"

اس کے سامنے خط کوفی میں لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ہے، اور اسی جگہ کاتب کا نام ابو زید بن محمد بن ابو زید النقاش لکھا ہے، محراب کے اندر کی چھوٹی کمان مین حضرت علیؑ کی یہ پیش گوئی کوفی خط میں لکھی ہے، کہ آپ کی نسل سے ایک شخص خراسان مین قتل کیا جائے گا، نیز باریک حروف مین سورۂ توحید لکھی ہوئی ہے، کتابت کی تاریخ ربیع الآخر سنہ ۶۱۲ھ ہے،

پھر ایک دوسری جگہ خط ثلث مین چند سطرین لکھی گئی ہین، جن کا ترجمہ یہ ہے:-

"اے خدا اس معصوم امام کے طفیل سے اپنے بندوں پر رحم کر جو سورۂ فاتحہ پڑھتے ہیں، خاصکر ایک مرتبہ اپنے ضعیف بندے عبد العزیز بن آدم پر، اور ان آدمیوں پر رحم کر جو یہ دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ہمارے گناہوں کو دھو دے اور ہم پر اپنی بخشش کر اور رحم و عفو کو عام کر دے"

ان دو محرابون کے علاوہ اور ایک محراب ہے جو حضرت امام کے سرہانے کی دیوار میں ہے، یہ بھی

آیتون اور حدیثون سے مزین ہے، اس میں اینٹون کے چند صاف و شفاف اور سبز ٹکڑوں پر جو غالباً مرمت کے وقت لگوائے گئے ہیں، مختلف حدیثین لکھی گئی ہیں، جن مین سے ایک حدیث یہ بھی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا، انا مدینۃ العلم وعلی بابھا، اس کے اخیر مین علی بن محمد بن ابو طاہر کا نام درج ہے، غالباً یہ لکھوانے والے کا نام ہے،

"م"

مسیحی تبلیغ مین بنیادی تبدیلیان

اسلامی ممالک میں مسیحی تبلیغ کی ناکامی کا ایک واضح اور دلچسپ اعتراف تبریز کے ایک مشنری کرسٹی ولسن کے قلم سے رسالہ مسلم ورلڈ امریکہ بابت ماہ اکتوبر ۳۵ء مین شائع ہوا ہے، نیز بحث و مناظرہ میں عیسائی مبلغون کو شکست کے جو تلخ تجربے ہوئے ہیں، ان کی بنا پر مقالہ نگار نے طریق تبلیغ مین بنیادی تبدیلی پیدا کرنی چاہی ہے، اور اپنے مضمون میں جدید طریق کار کو پیش کیا ہے، ناظرین معارف کے لئے اسکا خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے،

دنیاے اسلام مین مسیحی تبلیغ کی جو کوششیں موجودہ زمانہ مین ہو رہی ہیں، ان مین ابتداءً یہ خیال کارفرما نظر آتا ہے کہ مبلغ کو منطقی ثبوت کے زور سے عیسائیت کی سچائی منوا دینی چاہئے، صاف بات تو یہ ہے، کہ اکثر و بیشتر صورتون میں یہ طریقہ کامیاب نہین ہوا، ہمارے پاس اس امر کی تاریخی مثالین موجود ہیں، کہ عیسائی مبلغون نے بحث و مناظرہ میں تو علماے اسلام کو شکست دیدی، لیکن اس کا نتیجہ عموماً یہ نہین ہوا، کہ مؤخر الذکر نے مسیحیت بھی قبول کرلی، ہم ہنری مارٹن (HENRY MARTIN) کا تصور کرتے ہیں، جس نے تنہا علماے شیراز کا مقابلہ کیا، یا ڈاکٹر فانڈر (DR FANDER) کی مثال سامنے رکھتے ہیں، جب وہ مجمع عام مین مناظرہ کرتا ہوتا تھا، اور پھر ان اشخاص کی جرأت اور قابلیت پر متحیر رہ جاتے ہین، لیکن دوسری طرف بیشمار مثالین ایسی بھی ہیں، جہان عیسائیون نے اتنی قابلیت یا روح القدس کی ویسی رہنمائی کا ثبوت نہیں دیا،

اُدھر ایک بگڑی ہوئی قومِ ناداں ادِھر محوِ فریاد بیچارہ حالی

اُدھر ڈھال بے اعتنائی کی اٹھی ادِھر تیغ اس نے قلم کی نکالی

اشد یہ کرشمہ تھا صدق و صفا کا،

کہ اک فرد نے قوم پر فتح پالی،

رُباعیاتِ امجد

از حکیم الشعراء امجد حیدر آبادی

"تصوّرِ الٰہی"

تجھ تک، مِرا وہم بھی نہیں جا سکتا[1] تجھ کو کوئی ادراک نہیں پا سکتا[2]

اب تیرے تصوّر کی یہی صورت ہے "اے وہ، کہ تصوّر میں نہیں آسکتا"

"دنیا کا خیالی وجود"

عارض ہو، کہ خط و خال، میرا کب ہے، نقصان ہو یا کمال، میرا کب ہے،

مانا کہ مرا خیال ہے سب دُنیا لیکن، مرا خیال، میرا کب ہے!

ترانۂ عبودیت

از جناب شیخ عبد اللطیف صاحب تپش، پروفیسر ایمرسن گورنمنٹ کالج ملتان،

اخفاے سرِ کن ہے افشاے راز تیرا بیگانۂ صدا ہے عالم میں ساز تیرا

صورت گرِ حقیقت تصویرِ ذات تیری برہم زنِ صفت ہے حسنِ مجاز تیرا

---

[1] لیس کمثلہ شئی، [2] لا یدرکہ الابصار،

سرشارِ بیخودی کو ہو کیف تیرا حاصل ۔۔۔ مستِ مئے خودی کو کیا امتیاز تیرا

گل چاک پیرہن ہیں لَو شمع کی لگی ہو ۔۔۔ ہر شکل سے نمایاں ہو سوز و ساز تیرا

اظہارِ معرفت میں وا ہو زبان کیونکر ۔۔۔ عقدہ بنا ہوا ہے ہر دل میں راز تیرا

کیا شامِ زندگی کا پھر قصہ مختصر ہو ۔۔۔ افسانہ کہہ رہی ہے زلفِ دراز تیرا

بزمِ طلب میں تیری نیرنگ سازیاں ہیں ۔۔۔ دیکھا تھا ہوش کھو کر موسیٰؑ نے ناز تیرا

لَو جب سے لگ گئی ہے اے شمعِ سازِ ہستی ۔۔۔ دل میں بھرا ہوا ہے سوز و گداز تیرا

تسخیر اک ادا میں ہو سومناتِ دنیا ۔۔۔ سو غزنوی بنائے دم میں ایاز تیرا

نازاں ہوئے ہیں تیری بندہ نوازیوں پر ۔۔۔ شکر اور کیا ادا ہو اے بے نیاز تیرا

یا رب تپش کو اپنے در کا بنا لے بندہ

پامالِ تبکدہ ہے یہ سرفراز تیرا

علم الحروف، از جناب حکیم محمود علی خاں صاحب ماہر دہلوی، حجم ۲۵۰ صفحے، قیمت: ۳ روپے

مؤلف سے محلہ فراش خانہ، دہلی کے پتہ سے طلب کریں،

یہ فن تحریر کی ایک دلچسپ سرگذشت ہے، جس مین لائق مصنف نے زبان کی پیدائش اور اس کے مختلف بولیوں میں تقسیم ہونے کے حالات لکھ کر دنیا میں علم تحریر کی ابتدار سے اس وقت تک کی اس کی ترقیوں کی تاریخ لکھی ہے، کتاب چار حصوں میں تقسیم ہے، پہلے حصہ میں ابجد کی ابتدا سے خط کوفی و نسخ کے وجود پذیر ہونے تک کے حالات ہیں، اس ضمن میں مختلف سامی و آریائی زبانوں کی ابجدوں کا ذکر آیا ہے، پھر دوسرے حصہ میں ایرانی قلم کا ذکر ہے، جسے خط نستعلیق پر لاکر ختم کیا ہے، اور اس ضمن میں ایشیا، یورپ اور افریقہ میں نسخ و نستعلیق خطوں کی مقبولیت دکھائی ہے، اس کے بعد ہندوستان میں خطاطی کا رواج دکھا کر اس کے عہد بعہد کی تاریخ بیان کی ہے، کتاب کا یہی حصہ اہم ہے، اس میں ایرانی خطاطوں کے ساتھ ہندوستان میں خطاطی کے مشہور قدیم مرکزوں لاہور، آگرہ، دہلی، اور لکھنؤ کے مشہور خوشنویسوں اور خطاطوں کا اجمالی تذکرہ آگیا ہے، حصہ سوم آلات تحریر کے بیان میں ہے، پھر چوتھے حصہ مین خطاطی کے نمونے اور مختلف زبانوں کی ابجدون کے نقشے دکھائے گئے ہیں،

کتاب محنت سے لکھی گئی ہے، کتاب کے ماخذ میں زیادہ تر عربی تاریخیں ہیں، اس لئے السنہ کی تحقیق کے متعلق قدیم عرب مورخین ہی کے بیانات پیش کئے گئے ہیں، کہیں کہیں یورپین مورخین کے بیانات بھی درج ہیں، لیکن وہ تشنہ ہیں، ضرورت تھی کہ السنہ و تحریر کے متعلق یورپین بیانون اور تحقیقون کو بھی

سامنے رکھا جاتا، اسی طرح کتاب کے مباحث کی ترتیب وتبویب بھی مزید توجہ کی مستحق تھی، بہرحال تحریر وانشا کے متعلق عرب علما، کے بیانون کا اجمالی خلاصہ کتاب مین آگیا ہے، اور شاید مجموعی حیثیت سے یہ کتاب فن تحریر وخطاطی کی تاریخ میں اردو ادب میں اچھے معلومات کی حامل کہی جاسکتی ہے، خصوصاً خط کوفی، نسخ اور نستعلیق اوران دوروں کے خوشنویسوں اور خطاطون کے حالات اچھے خاصے فراہم ہوگئے ہیں،

یادگار وارث، از جناب پروفیسر ضیاء محمد صاحب ایم اے، پروفیسر گورنمنٹ کالج شاہ پور، ناشر جناب محمد نصیر ہمایوں بی اے، منیجر قومی کتب خانہ، ریلوے روڈ لاہور، ۲۰۸ صفحے، قیمت :- عہ

پنجاب کی مقامی کہانیوں میں سے ہیر و رانجھا کا فسانہ شہرت عام رکھتا ہے، اسے نہ صرف مقامی لوگون نے مقامی پنجابی زبان میں نظم کیا، بلکہ مختلف اہل علم نے اسے فارسی مثنوی کا جامہ پہنایا، اور پنجاب سے نکل کر عظیم آباد میں عبرتی عظیم آبادی نے ۱۲۵۲ھ میں سراج المحبت کے نام سے اسے فارسی نثر مین قلمبند کیا ہے،

پنجابی زبان میں اسے مختلف مسلمان اور ہندو اہل علم نے نظم کیا تھا، کہا جاتا ہے کہ ان میں سے سید وارث شاہ کی مثنوی ہیر کو پورے پنجاب میں مقبولیت حاصل ہے، اور پوری مثنوی پنجاب کے دیہی باشندون کے نوک زبان ہے، جناب مؤلف نے اس کتاب میں اسی مثنوی کے مؤلف وارث شاہ کے نامعلوم سوانح مختلف قیاسات وقرائن سے روشنی میں لانے چاہے ہین، اوراس میں ایک حدتک کامیاب ہوئے ہیں، نیز مثنوی پر مفصل بحث کرکے دوسری مثنویون (یعنی "ہیرون") سے اس کا فرق دکھایا ہے، اور نظم کی شاعرانہ خوبیان، اوراس کے اخلاقی واصلاحی تعلیمات پیش کئے ہیں کتاب غور وفکر سے لکھی گئی ہے، اور ایک قابل قدر کوشش ہے، لیکن کتاب پر ادبی حیثیت سے نظر ڈالنے

کی ضرورت تھی، زبان اور طریق ادا کی خامیاں باقی رہ گئی ہیں،

جامع العقاقیر (باتصویر) از جناب حکیم محمد عبدالمجید صاحب عتیقی، ۷۹۱ صفحے، قیمت عگر

پتہ:- جناب حاجی عبدالکریم، عبدالمجید تاجران کتب، کامل بک ڈپو، لاہور،

یہ ایک کارآمد طبی تصنیف ہے، جس میں لائق مؤلف نے مشہور جڑی بوٹیوں، درختوں، پودوں اور پھلوں کے متعلق طبی معلومات ایک خاص ترتیب سے جمع کئے ہین جس میں ہر پودہ کے نام مختلف زبانون میں وجہ تسمیہ اس کی مختصر سرگذشت، مقام و موسم پیدائش، ماہیت و شناخت، طبیعت مضرت، اصلاح بدل، مقدار خوراک، افعال وخواص، کیمیاوی افعال، مفرد استعمال، یونانی مرکبات و مجربات، جدید طبی استعمالات، اور ویدک مرکبات وغیرہ بتائے ہیں، اور تقریباً انہی سرخیون کے ماتحت ہر پودہ کے متعلق مفید معلومات فراہم کئے ہیں، اور جس پوڈیا جڑی یا درخت کا بیان ہے، اسکی صاف تصویر آرٹ پیپر پر اسی جگہ دے دی ہی، پھر کتاب کے استعمال کے لئے مختلف قسم کی فہرستین تیار کی ہیں، جن سے یہ کتاب زیادہ کارآمد ہوگئی ہے، یہ مجموعہ نہ صرف طب کے طلبہ اور اطباء کے لئے سودمند ہے، بلکہ ہندوستان کے دیہی مقامات پر گھروں میں بھی رکھے جانے کے لائق ہے، کہ اسکے ذریعہ مفرد دواؤں سے بھی جن کے درخت دیہاتون مین عموماً پائے جاتے ہین، معمولی بیماریون میں علاج معالجہ کیا جاسکتا ہے،

ترکانِ احرار، از جناب محمد عبدالمجید صاحب عتیقی، حجم ۲۱۶ صفحے، قیمت عہر، پتہ:- کامل بکڈپو، لاہور،

یہ ایک مقبول کتاب ہے، جس کا ساتوان اڈیشن چند سال کے اندر شائع ہوا ہے، اس میں ترکون کے مشہور محب وطن رہبروں کے سوانح حیات اختصار سے لکھے گئے ہین، پوری کتاب ترکون کی داستان حریت سے لبریز ہے، جس کے مطالعہ سے جدید ترکی کے اہم کارنامے روشنی میں آتے ہیں،

اس ساتویں اڈیشن پر مولانا ظفر علی خاں نے پُرزور مقدمہ بھی لکھا ہے، جس میں ترکوں کے خلاف پھیلائے ہوئے موجودہ پروپیگنڈے سے پیدا شدہ غلط فہمی کا پردہ چاک کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کتاب کے آخر میں "احرار مصر" کا عنوان بھی بڑھایا گیا ہے، جس میں مصر کے صرف دو قائدین سعد زاغلول پاشا اور عزیز بے علی مصری کے حالات ہیں، اولاً یہ حصہ کتاب کے عنوان سے علٰحدہ ہے، علاوہ ازیں اگر احرار مصر کے حالات بھی درج کرنے تھے، تو یہاں کے چند دیگر مشاہیر کے سوانح دینے چاہئے تھے،

غازی مصطفیٰ کمال پاشا، از جناب سید اشفاق حسین صاحب ایم اے، حجم ۱۳۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، لکھائی چھپائی اچھی، قیمت :۔ مجلد عمر، پتہ :۔ جناب سید عبدالحمید بخاری منیجر شیران اسلام بک ڈپو، منگلور ٹاؤن، سہارنپور،

یہ مصطفیٰ کمال پاشا کے سوانح ہیں، جو دلچسپ انداز میں جوش و ولولہ کے ساتھ طلبہ کے لئے لکھے گئے ہیں، اس ضمن میں ٹرکی کے پچھلے دور کی تاریخ بھی آگئی ہے، کتاب فتح سمرنا کے بعد التوائے جنگ کے بیان پر ختم ہو جاتی ہے، ضرورت تھی کہ سلسلۂ بیان کے لحاظ سے لوزان کانفرنس کے مختصر حالات اور اس میں مجلس عالی ترکی کے نمایندہ کے کارناموں کو بھی بیان کیا جاتا، آخر میں جمہوریۂ ترکیہ کے تعلیمی اور رفاہ عام کے خدمات اختصار کے ساتھ درج کئے گئے ہیں،

محمود اور فردوسی، از جناب قاضی عبدالصمد صاحب سیوہاروی، حجم ۱۱۵ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۸ر پتہ :۔ جناب قاضی ظہور الحسن صاحب، بہ مکان مولوی فیض الدین وکیل محلہ عابد شاپ، حیدر آباد دکن،

جناب قاضی ظہور الحسن صاحب سیوہاروی نے "محمود اور فردوسی" نام کے رسالہ میں فردوسی سے محمود کے شاہنامہ پر وعدۂ انعام و وعدہ خلافی اور پھر فردوسی کے ہجو لکھنے کی مشہور عام روایات کی دلائل سے تردید کی تھی، اس رسالہ کا تبصرہ ان صفحات میں شائع ہو چکا ہے، اب اسی رسالہ کے

دوسرے اڈیشن میں مؤلف کے صاحبزادے جناب قاضی عبدالصمد صاحب نے اس بحث کو مزید دلائل سے مستحکم کرکے مرتب کیا ہے، اور فردوسی کے سوانح کے ابواب بڑھائے ہیں،

نیم شب، از جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی ایم اے، پروفیسر سینٹ اسٹیفنس کالج دہلی، ناشر مکتبہ جامعہ، دہلی، حجم ۶۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت: ۸ر

جناب اشتیاق حسین صاحب قریشی کو مختصر ڈرامہ نویسی کا خاصہ ذوق ہے، اس سے پہلے ان کے متعدد ڈراموں کا تذکرہ ان صفحات میں کیا جاچکا ہے، یہ ڈرامہ ایک نئے عنوان پر ہے، اس میں ہندوستان کو ۱۹۵۵ء میں دکھایا گیا ہے، جب کہ وہ تحریک اشتراکیت کے ہولناک انقلاب سے دوچار ہے، کسی ملک میں انقلاب کے جو اثرات طاری ہوتے ہیں، فسانہ میں ان کے دونوں پہلوؤں کو دکھایا ہے، مصنف کا مقصد اس کے پیش کرنے سے یہ ہے کہ جو نتائج جن اسباب سے پیش آسکتے ہیں، ان کے ضرر رساں پہلوؤں کے پیدا کرنیوالے اسباب پہلے ہی دور کئے جاسکتے ہیں، اس لئے ہندوستان کے مفکرین کے لئے ابھی اتنا وقت موجود ہے کہ وہ غور وفکر سے ایسا ماحول پیدا کریں کہ سرے سے نہ اقتصادی انقلاب پیدا کرنے کی ضرورت ہو اور نہ اس کے نتائج بد پیش آئیں،

انجام، از جناب محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) ناشر مکتبہ جامعہ دہلی، ۱۱۴ صفحے، تقطیع چھوٹی، چھپائی ٹائپ میں، قیمت: ۱۲ر

یہ ایک معاشرتی ڈراما ہے، جو مسلمانوں کی توہم پرستیوں کی اصلاح کے لئے لکھا گیا ہے، اس ڈرامے کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، اس سے پہلے اس کا تبصرہ ان صفحات میں کیا جاچکا ہے،

حلقۂ مسموم، **خاندانی آسیب** } از جناب محمد نصیر احمد عثمانی نیوتنوی ایم اے، پروفیسر جامعہ عثمانیہ حجم بہ ترتیب، ۲۱۰ صفحات وقیمت ۱۲ ۱ روپیہ ۱۲ ر، پتہ: جناب محمد سلیمان خان، ۹۱۷ کلب روڈ، چادر گھاٹ، حیدر آباد دکن،

یہ دونوں سرآرتھر کانن ڈائل کے سراغ رسانی کے مشہور سلسلۂ افسانہ "شرلک ہومز" کے ناولوں کے صاف سلیس اور رواں ترجمے ہیں، ان ناولوں کے ترجمے پنجاب کے کسی دارالاشاعت کی طرف سے اس سے پہلے بھی شائع ہو چکے ہیں،

کلام ٹیگور، (حصّہ اوّل) مترجمہ جناب ایم ضیاء الدین صاحب پروفیسر شانتی نکیتان بنگال، ناشر وشوا بھارتی شانتی نکیتان بنگال، حجم ۱۲۰ صفحے، چھپائی ٹائپ ہیں، قیمت عہ

ہندوستانی زبان کے ادبی رسالوں میں ٹیگور کے کلام کے ترجمے "ادب لطیف" کے ذیل میں عموماً نوجوان و نومشق ادیبوں کے قلم کی مشق کے طور پر آئے دن چھپتے رہتے ہیں، خوشی ہوئی کہ اب جناب ایم ضیاء الدین نے جنھیں شانتی نکیتان کے تعلق سے ٹیگور کی معیت میں رہنے کا اتفاق حاصل ہے، اس کا سنجیدہ اور مستند ترجمہ ہندوستانی زبان میں پیش کیا ہے، اور شانتی نکیتان کی علمی مجلس نے اسے شائع کیا ہے، ترجمہ براہ راست بنگالی زبان سے کیا گیا ہے، اس کے پہلے حصہ میں کل ۱۰۲ نظمیں ہیں، جو اکثر شانتی نکیتان میں گائی جاتی ہیں، ترجمہ میں نفاست، سادگی اور برجستگی پائی جاتی ہے، اگر ہر نظم کا عنوان بھی قائم کر دیا جاتا تو مناسب ہوتا، مترجم نے دیباچہ میں ٹیگور کے سوانح اور کلام پر نظر ڈالی ہے، جس میں ٹیگور خاندان کے اسلامی تہذیب و معاشرت سے مانوس ہونے کو خاص طور پر دکھایا ہے، نیز ٹیگور کے کلام پر نقد کرتے ہوئے ان کی ان اصلاحوں کو پیش کیا ہے، جو انھوں نے بنگالی زبان کی شاعری اور قواعد عروض و موسیقی میں کی ہیں، امید ہے کہ یہ مجموعہ ملک کے ادیبوں اور شاعروں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا،

قوم کی فریاد، از جناب نظامی بدایونی، نظامی پریس بدایوں، قیمت ۲ر

یہ مولانا حالی مرحوم کے مشہور دعائیہ قصیدہ کی تضمین ہے، جو ان کی صدسالہ برسی کی تقریب کے موقع پر پڑھی گئی، اور اچھی لکھائی چھپائی کے ساتھ شائع کی گئی ہے،

دارالمصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدمار کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۴۴ صفحے قیمت للعہ ازمولنا عبدالسلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

گل رعنا - اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعرار کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعرار کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۸ صفحے، قیمت:- صہ از مولنا سید عبدالحیٔ صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصہ اول - ضخامت ۳۴۹ صفحے، قیمت:- ۱۲/ عہ

حصہ دوم، ، ۲۶۱ ، ، ۱۲/ عہ

موازنۂ انیس و دبیر، (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو اور دین فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت: ے ر سے ر

کلیات شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چھپیس سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

(افاداتِ مہدی)، ملک کے نامور انشا پرداز ایم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ہیے حجم ۳۷۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲/ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (از مولنا سید ریاست علی ندوی)

دارالمصنّفین کی جدید فہرست

اور کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف

۱۹۳۵ء سے ہم نے دارالمصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کر دی ہے، مکتبہ دارالمصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہو گئی ہے، امید ہے کہ جو لوگ اس وقت تک دارالمصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دارالمصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ روپیے ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت [illegible] ہے لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیے میں دیا جائیگا لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دارالمصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جا سکتا، کمیشن کی رعایت بہر صورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی — منیجر دارالمصنفین — اعظم گڈھ

مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ فروری سنہ ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس المصنفین کا علمی
دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

جلد ۳۷ | ماہ ذیقعدہ ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ فروری ۱۹۳۶ء | عدد ۲

مضامین

شذرات

افسوس کہ مولانا خلیل الرحمن صاحب، سابق ناظم ندوۃ العلماء نے ۴ر فروری ۱۹۳۶ء کی شب کو اپنے وطن سہارنپور میں اس دار فانی کو الوداع کیا، مولانائے مرحوم، مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری (محشی بخاری و تلمیذ مولانا شاہ محمد اسحق دہلوی) کے چشم و چراغ تھے، مولانا احمد علی مرحوم پچھلی صدی کے آخری دور میں ہندوستان کے ان باکمالوں میں تھے جن کی مسند درس سے علم دین کی شمع روشن تھی، اور تشنگان علم اس سرچشمہ سے سیراب ہونے کے لئے سینکڑوں میل کی منزلیں پاپیادہ طے کرکے وہاں تک پہنچتے تھے، مولانا خلیل الرحمن نے علم کے اسی گہوارہ میں آنکھ کھولی، اور اپنے والد ماجد کے دامنِ فیض میں تعلیم و تربیت پاکر فارغ التحصیل ہوئے،

مرحوم ندوۃ العلماء کے دور اول کے محسنین میں سے تھے، مولانا محمد علی مونگیریؒ ناظم ندوۃ العلماء کی معیت میں اس ملی و علمی خدمت میں شریک ہوئے، اور آخر تک رہے، مرحوم خوش خلق، متواضع، رحمدل، اور عزیزوں سے دلی محبت فرمانے والے تھے، اتفاق وقت کہ دار العلوم ندوۃ العلماء کی ہنگامہ خیز اسٹرائک کا واقعہ انہی کے دور نظامت میں پیش آیا تھا، اس نازک وقت اور ناسازگار حالات میں بھی مولانائے مرحوم دار العلوم کے طلبہ کے ساتھ جس عدیم المثال شفقت و محبت سے پیش آئے، اسکی یاد اس عہد کے فارغ التحصیل علمائے ندوہ کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے باقی رہ گئی، اور مدت گذرنے کے بعد انہیں جب کبھی مرحوم سے شرف ملاقات کا موقع حاصل ہوا، انھوں نے ان کے دل کو شفقت و محبت سے لبریز پایا، ندوۃ العلماء کی خدمات انجام دینے کے علاوہ مرحوم کی زندگی کا ایک اہم کارنامہ صحیح بخاری کے اس نادر نسخہ کی اشاعت ہے، جس پر ان کے والد ماجد کے حواشی ثبت ہیں، یہ نسخہ مدتوں عربی مدارس میں صحیح بخاری کے لئے واحد مدار رہا ہے، مرحوم نے اسی سال سے زیادہ عمر پائی، اگرچہ آخر عمر میں چراغِ سحری ہو کر گوشہ نشین

ہوگئے تھے، لیکن ان کے وجود گرامی سے ہندوستان کے پچھلے دور کی دینی تعلیم و تہذیب کی شمع روشن تھی، افسوس کہ وہ بھی گل ہوگئی، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے اور انکے صاحبزادگان مولوی منظور النبی ندوی و مولوی عقیل الرحمن صاحب ندوی کو توفیق صبر عطا فرمائے،

ہم نے یہ خبر بھی دلی رنج و افسوس سے سنی کہ ۳ر فروری کو مولانا **راشد الخیری** نے اس دار فانی کو خیرباد کہا اور ہندوستان کا طبقۂ نسوان اپنے ایک بڑے معلم اور اپنے حقوق کے ایک بڑے محافظ سے، اور ہندوستانی زبان اپنے ایک بڑے محسن کی خدمات سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوگئی، مرحوم شمس العلماء ڈپٹی نذیر احمد کے عزیز قریب اور طرز تحریر میں ابتدً ا ان کے پیرو تھے، مرحوم نے اپنی ادبی زندگی رسالہ مخزن کی ادارت سے وابستہ ہوکر شروع کی، پھر ۲۷ سال گذرے کہ عصمت کے نام سے ایک زنانہ رسالہ جاری کیا، اور ساری عمر طبقۂ نسوان میں بیداری پھیلانے اور انہیں تعلیم و تربیت کے زیور سے آراستہ کرنے میں گذار دی، ہندوستان کے طبقۂ نسوان کو بیدار کرنے کی خدمت دو بزرگوں شمس العلماء مولوی ممتاز علی (تہذیب نسواں) اور مولانا راشد الخیری (عصمت) نے انجام دی، افسوس کہ یہ دونوں ۶ ماہ کے اندر اندر ہم سے جدا ہوگئے، مولانا راشد الخیری کی تحریک نسوان کا یہ امتیازی وصف تھا کہ وہ حقوق نسوان کے سب سے بڑے حامی ہونے کے ساتھ شریعت اسلامی کے حدود کا پاس نگاہ میں رکھتے تھے، اور حقوق نسواں کے حامیوں کے اس گروہ کے سب سے بڑے مخالف تھے، جو عورتوں کو مغرب کی کورانہ تقلید کی طرف لیجانے والا ہے، وہ ہندوستانی زبان کے مشہور ادیب اور صاحب طرز انشا پرداز تھے، انہیں لال قلعہ کی پاکیزہ زبان لکھنے پر قدرت حاصل تھی، وہ انسانی درد و مصیبت اور معاشرتی زندگی کا خاکہ کھینچنے میں کمال رکھتے تھے، ان کی صبح زندگی و شام زندگی، ڈپٹی نذیر احمد کی توبۃ النصوح وغیرہ کے پہلو میں رکھے جانے کے قابل ہیں، اور بلاشبہہ ان کی کتابیں پڑھ کر آنسوؤں کا ضبط کرلینا دشوار ہے، خداوند تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کے پھول برسائے اور پسماندگان کو توفیق صبر دے، توقع ہے کہ ان کے خلف الصدق جناب رازق الخیری جو مرحوم کی زندگی ہی سے رسالہ عصمت کے مدیر ہیں، اور چھوٹے صاحبزادے جناب صادق الخیری جو ان کے ایک دوسرے زنانہ رسالہ جوہر نسوان کو چلا رہے ہیں، ان رسائل کو زندہ رکھیں گے، کہ یہ ان کی زندگی کی بہترین یادگاریں ہیں،

اس سال ہندوستانی اکیڈمی، صوبہ متحدہ کی چوتھی ادبی کانفرنس کا اجلاس وسط ماہ جنوری میں الہ آباد میں منعقد ہوا، کانفرنس کا افتتاح، ہندوستانی زبان کے محسن رائٹ آنریبل ڈاکٹر سر تیج بہادر سپرو نے کیا، اس کے بعد صوبہ بہار کے سابق ہوم ممبر مسٹر سچدانند سنہا نے کانفرنس کا صدارتی خطبہ اجنبی زبان انگریزی میں پڑھا، اور اسکی توجیہ میں جو کچھ انھوں نے کہا اس میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ موصوف نے جنھوں نے کبھی بہار کونسل میں ہندی زبان کے پہلو بہ پہلو اردو زبان کو عدالتوں میں آزمایشی طور پر بھی رواج دینے کی سخت مخالفت کی تھی، اب اردو کو ہندی زبان کے ہم رتبہ تسلیم کرلیا ہے،

اجلاس کے شعبۂ اردو کی صدارت مولوی عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے کی، موصوف نے اپنے خطبہ میں پچھلی صدی میں اردو کی ترقی کے چار اہم مرکز فورٹ ولیم کالج کلکتہ، دہلی کالج، سائنٹفک سوسائٹی علی گڈہ اور اورنیٹل کالج لاہور کی خدمات کو سراہا، پھر خطبہ میں سرسید، مولانا حالی، نذیر احمد، آزاد، اور شرر کا ذکر آیا ہے، اس کے بعد موصوف نے ملک کے موجودہ علمی اداروں کے "اٹکل پچو" کام کرنے پر افسوس کرکے اپنے عہد نظامت کی ترقی یافتہ انجمن ترقی اردو کے طریق کار کو پیش کرکے اصول کے ماتحت کام کرنے کا سلیقہ سکھایا ہے، اگر اردو کی پچھلی اور موجودہ ترقیوں کے ضمن میں ذکر نہیں آیا تو اس شخصیت کا جس نے اس قابل مثال انجمن ترقی اردو کی بنیاد ڈالی، اور جسے اس کا ناظم اول مقرر کیا گیا، اور اسکی وفات کے بعد بھی اس کی یادگار میں ایک مجلس اپنی بساط کے مطابق مصروف عمل ہے، شاید مولوی صاحب کی نظر میں یہ بھی وہی ادارہ ہو جس نے ابتک "اٹکل پچو" کام انجام دیئے ہیں، شعبۂ اردو میں تقریباً ۱۵-۲۰ ممتاز اہل علم نے مختلف موضوعوں پر اپنے مضامین پڑھے، ان میں سے "ہندوستان کی تربیت جدید میں اردو شاعری کا حصہ" (جناب سیماب اکبرآبادی) "شاہ دولہ" (جناب سید حسن برنی) "دور سلطانی کے امراء" (ڈاکٹر بنارسی پرشاد سکسینہ) "اردو شاعری کے جدید انتخابات کی ضرورت" (مولانا عبدالسلام ندوی) "اردو کا واعظ شاعر" (مولانا عبدالماجد دریابادی) "اردو کے اعراب" (مولوی نعیم الرحمن) "اردو قواعد" (ڈاکٹر زبید احمد) اور "دکن کی اردو شاعری عہد آصفی میں" (ڈاکٹر سید محی الدین قادری) وغیرہ مضامین قابل ذکر ہیں،

مقالات

تاج محل اور لال قلعہ کے معمار

یہ مقالہ ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کے اجلاس میں پڑھا گیا، اب مزید نئے معلومات کے اضافہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے،

ہندوستان کے ارباب کمال میں خدا جانے کتنی ہستیان ہیں جو گمنامی کے پردہ میں اس طرح چھپی ہیں کہ آج ہزار تلاش اور جستجو پر بھی ان کا سراغ نہیں لگتا، اس ملک میں تاریخ نویسی کا رواج بہت کم تھا، گو مسلمانون کے آنے کے بعد تاریخ کی کچھ کچھ روشنی یہان پھیلنے لگی، پھر بھی بادشاہون کے ایوان تاریخ سے باہر بدستور اندھیرا چھایا رہا، شاعرون نے البتہ اپنے تذکرون کی محفل میں شمع جلائی، مگر اس کی روشنی اتنی مدہم ہے کہ خود ان کی صورتیں بھی اس سے پہچان میں اچھی طرح نہیں آتیں، روحانی بزرگون کے مزارون پر بھی چراغ جلائے گئے ہین، مگر ان سے بھی تبرکات اور کرامات کے سوا کچھ اور نظر نہیں آتا، اگر ملا بدایونی، شاہ عبدالحق دہلوی اور آزاد بلگرامی نہ ہوتے تو جو کچھ بھی معلوم ہے وہ بھی ہم کو معلوم نہ ہو سکتا،

لاہور کے جس مہندس خاندان کا حال آج ہم کو سنانا ہے، افسوس ہے کہ تاریخون میں نام کے سوا اس کے کسی رکن کا حال بھی کچھ معلوم نہین ہوا، حالانکہ ان کی بنائی ہوئی عمارتین تاج آگرہ، لال قلعہ اور جامع مسجد دہلی ہمیشہ سے مشہور روزگار رہین، مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ جن باکمالون نے فن کی ندرت کا یہ کمال دکھایا ہے، کاغذ کے پرانے اوراق میں بھی ان کا نام و نشان نہیں ملتا،

شاہجہان کی تاریخون میں اس کے سال ششم میں روضۂ تاج محل کے بننے کا پورا حال، ایک ایک چیز کی پیمایش کے ساتھ لکھا ہے، مگر جن نادرہ کار مہندسوں، نقاشوں، اور طراحون نے اس کا خاکہ کھینچا، اور جن معمارون نے ان کو بنا کر تیار کیا، ان غریبون کے نام تک بھی ان اوراق میں جگہ نہ پا سکے، اور آج کل کے محققین بڑی چھان بین کے بعد بھی ان کا پتہ لگانے میں پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے،

اس خاندان کے بعض ارکان کے نام مصنف کی حیثیت سے بعض کتبخانون کی فہرستون میں مذکور ہیں، مگر ان میں بھی نام کے سوا کچھ اور نہین، اور نہ ان افراد کے باہمی تعلق کا ذکر ہے، بلکہ ان کی حیثیت بیگانہ افراد انسانی کی ہے،

دیوان مہندس کا نسخہ

پورے دو برس ہوئے کہ ایک کرمفرمانے بنگلور سے مجھ کو اطلاع دی کہ ان کے پاس مہندس نام ایک شاعر کا فارسی دیوان ہے، اور دریافت کیا کہ کیا آپ اس شاعر سے واقف ہیں، میں نے لکھا کہ آپ وہ نسخہ مجھے بھیجدین تو میں اپنی راے ظاہر کرون، موصوف نے بڑی مہربانی فرما کر نسخۂ مذکور میرے پاس بھیجدیا، میں نے اس شخص کی تلاش میں اکثر تذکرے دیکھے، لیکن کہیں کچھ پتہ[1] نہ چلا، مگر خوش قسمتی سے خود اس دیوان میں شاعر کی ایک مثنوی مل گئی جس میں اس نے اپنے خاندان کا مختصر حال خود لکھا ہے، اسکو پڑھ کر میری خوشی کی کوئی حد نہ رہی کہ یہ معمارون اور انجینرون کی طرف سے پہلی آواز تھی جس مین تاج اور لال قلعہ کے بنانے کا دعویٰ کیا گیا تھا،

اس مثنوی سے نہ صرف شاعر کی، بلکہ شاعر کے باپ اور بھائیون کے حالات بھی معلوم ہوئے اور اس کے دوسرے قصائد اور اشعار سے یہ بھی قیاس میں آیا کہ اس باکمال خاندان کی گمنامی کا سبب کیا ہو سکتا ہے

شاعر کا نام لطف اللہ اور تخلص مہندس ہے، مہندس کے معنی علم ہندسہ جاننے والے یعنی انجنیر کے ہیں، اور اس کا یہ دیوان، چند قصیدون، بعض مثنویون اور بہت سی غزلون پر مشتمل ہے، اور یہ سب فارسی میں ہین،

[1] بعض تذکرون مین مہندس کے بیٹے ریاضی کے ضمن مین مہندس کا نام مذکور ہے، (س)

دیوان کا کوئی دوسرا نسخہ مجھے نہیں ملا، زیر نظر نسخہ چھوٹی تقطیع کے ۹۶ صفحوں پر حاوی ہے، دیوان کے حصۂ غزل کے خاتمہ تاریخ اتمام "۶ر شہر ذی الحجہ ۴۷ سنہ بوقت شب تحریر یافت" لکھا ہے، اور دیوان کے خاتمہ پر اس کتاب کی خریداری کی تاریخ لکھی ہے:۔

"بتاریخ بستم رمضان المبارک ۱۱۵۷ھ دیوان مہندس خرید شد بسرکار نواب ابراہیم خان بہادر"

اور کتاب کے اندر بعض تاریخی قطعات ہیں، جن میں سب سے آخری تاریخ ۱۰۶۶ھ کی ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اگر یہ "۶ر شہر ذی الحجہ ۴۷ سنہ" ہجری سنہ ہے تو وہ یقیناً ۱۱۴۷ھ ہے، ورنہ میرا شبہہ اس بنا پر کہ یہاں صرف ۴۷ سنہ لکھا ہے، اور سیکڑہ نہیں لکھا ہے، یہ ہوتا ہے کہ یہ سنہ ہجری نہیں بلکہ سنہ جلوس ہے، اب ۱۰۶۶ کے بعد اور ۱۱۵۷ھ کے بیچ میں ایسا بادشاہ جس کو جلوس کا سینتالیسواں سال نصیب ہوا ہو اورنگزیب عالمگیر کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، ۴۷ سنہ جلوس عالمگیری ۱۱۱۵ھ کے مطابق ہے،

اس نسخہ کے صفحۂ اول پر عمدہ جلی نستعلیق سے "این کتاب سر(کار) نواب بہادر . . . " لکھا ہے، باقی حروف کٹ گئے ہیں، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس نسخہ کی تقطیع پہلے بڑی تھی، جلد بندی کے وقت کچھ حاشیہ کاٹ دیا گیا ہے، اس کے نیچے "این کتاب سرکار نواب ابراہیم خان بہادر ہزبر جنگ بکتاب خان (بکتاب خانہ؟) داخل شد" اس پر ایک مہر بھی تھی جو کسی نے مٹا دی ہی،

شاعر کا نام لطف اللہ اور تخلص مہندس سن چکے، اور وہ اپنے باپ کا نام احمد معمار بتاتا ہے، معمار احمد کا پیشہ ہے، نام کا جزء نہین، اس کے ایک قطعہ میں اس کا شاہی لقب "نادر العصر" مذکور ہے، اس شاعر کی بعض اور تحریرین بھی ہم کو دستیاب ہوئی ہین جن میں وہ اپنے باپ کو لزوماً "استاد احمد لاہوری" لکھا کرتا ہے، اب ان ٹکڑون کے جوڑنے سے احمد کا پورا نام ولقب "نادر العصر استاد احمد لاہوری" ثابت ہوتا ہے،

نادر العصر استاد احمد لاہوری اس نادر العصر کے حالات کا سراغ تاریخ کی کتابون میں نہیں ملتا، البتہ قلعۂ دہلی کی تعمیر کے سلسلہ میں مورخون نے کہیں کہین اس کا نام لیا ہے، محمد صالح کنبوہ نے عمل صالح میں جو شاہجہان

کی معاصر تاریخ ہے، شاہجہان آباد کے عمارات و قلعہ کی تعمیر کے بیان میں اسکا نام ان لفظوں میں لیا ہے،

" از شب جمعہ بست و پنجم ذی حجہ مطابق نہم اردی بہشت سال دوازدہم از جلوس اقدس مطابق یکہزار و چہل و ہشت[1] ہجری در زمان محمود دوا و ان مسعود استاد احمد و حامد[2] سرآمد معماران نادرہ کار بسرکاری غیرت خان صوبہ دار آنجا و صاحب اہتمام این کار مطابق طرح بدیع و نقشے تازہ کہ بہیچ وجہ نظیر آں در شش جہت دنیا بہ نظر نظارگیان نیامدہ بود، رنگ ریختہ" (جلد ۳ ص۲۸، کلکتہ)

مدرسۂ دیوبند کے کتبخانہ میں ایک قلمی کتاب تاریخ شاہجہان کے نام سے ہے، جس کا نمبر ۳۴۴۳ ہے، اس میں چند صفحے باب قلعۂ شاہجہاں آباد کے عنوان سے شاہجہان آباد اور شالامار باغ کی تعمیر کے حالات میں ہیں، اس سلسلہ میں حسب ذیل عبارت ہے:۔

"بحکم اشرف بعد از پنج ساعت از شب جمعہ بست و پنجم ذی الحجہ مطابق اردی بہشت سال دوازدہم از جلوس اقدس شاہجہانی موافق سنہ ہزار و چہل و ہشت ہجری کہ مختار دانشوران انجم و افلاک بود، استاد احمد و استاد حامد کہ معماران ماہر بودند در کار عمارت سرآمد، بسرکاری غیرت خان برادر زادہ عبداللہ خان فیروز جنگ کہ ناظم صوبہ دہلی و اہتمام تاسیس عمارت مذکور باو مفوض شد، مطابق طرحے کہ در پیشگاہ خلافت مقرر گشتہ بود۔ ۔ ۔ ۔ ۔ "

شاہجہانی و عالمگیری عہد کے امرا کے خطوط کا ایک ناقص اور بے نام و نشان پرانا مجموعہ[3] ہے، اس کے ایک خط میں نواب جعفر خان کو سرائے باغ اور قلعہ حسن ابدال کی تعمیر کے متعلق کچھ لکھا گیا ہے، اس سلسلہ میں

---

[1] اس مطبوعہ نسخہ میں جسکی تصحیح ناظم آثار قدیمہ سرکار نظام مولوی غلام یزدانی صاحب نے کی ہے یہ سنہ لفظوں میں چہل و ہشت کے بجائے "ہشتاد و چہل" چھپ گیا ہے جو قابل تصحیح ہے، [2] اسی طرح یہ بھی تعجب انگیز ہے کہ اس مطبوعہ نسخہ میں حامد کا نام حذف ہو گیا، متعدد قلمی نسخے دیکھے سب میں احمد کیساتھ حامد کا نام بھی ہے، کتبخانۂ حبیب گنج کے نسخہ ۳۲/۲ کی عبارت یہ ہے، " موافق ۱۰۴۸ھ در زمان محمود و اوان مسعود استاد احمد و حامد سرآمد معماران نادرہ کار۔۔۔ مطابق طرحے تازہ و نقشے بدیع" ورق ۲۶، [3] یہ مجموعہ مولوی عبداللہ صاحب چغتائی (اسلامیہ کالج لاہور) کی ملک میں ہے،

استاد احمد معمار کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے :-

" . . . . بدرگاہ سلاطین سجدہ گاہ معروض داشتہ حقیقت حسن سلوک و کاروانی محمد مومن مذکور و استاد احمد معمار کہ در طراحی و وقوف کار عمارت و معاملہ شناسی استعداد تمام دوستی بکمال دارد"

عمدۃ الملک نواب جعفر خان، مختلف مناصب جلیلہ کے بعد ۱۹ سنہ جلوس شاہجہانی مطابق ۱۰۵۵ھ میں پنجاب کا صوبہ دار، ۲۱ سنہ جلوس شاہجہانی مطابق ۱۰۵۷ھ میں شاہجہان کا وزیر، اور ۱۰۷۴ھ میں عالمگیر کا وزیر ہوا، اور ۱۰۸۱ھ میں وفات پائی، یہ خط غالباً پنجاب کی صوبہ داری یا وزارت کے عہد میں اس کو لکھا گیا ہوگا، کیونکہ جیسا آگے معلوم ہوگا کہ اس کے دو ہی برس بعد ۱۰۵۹ھ میں احمد وفات پا چکا تھا،

سرسید مرحوم نے اپنی قابل قدر تصنیف آثار الصنادید میں استاد احمد اور حامد کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے کہ "یہ اپنے فن میں" بے نظیر" اور ہندسہ و ہیئت میں ثانی اقلیدس اور رشک ارشمیدس تھے"،

بہر حال ان حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ استاد احمد عہد شاہجہانی میں "سرآمد معماران نادرہ کار" تھا، اور اس کو عمارتوں کا نقشہ اور خاکہ بنانے اور تعمیرات کے دوسرے کاموں میں کمال دستگاہ حاصل تھی،

تاج محل کے حالات میں بعہد انگریزی آگرہ میں ایک فارسی رسالہ خدا جانے کس نے لکھا ہے، اس کے قلمی نسخے عموماً ملتے ہیں، اس میں حالات کے ساتھ ساتھ عمارات کی تصویریں بھی ہیں، شروع میں ممتاز محل کی وفات کی افسانہ نما کیفیت لکھی گئی ہے، اور پھر اس میں تاج محل کی تعمیر کا ایک ایک خرچ اور اس کے ایک ایک پتھر کی قیمت، اور اس کے ایک ایک کاریگر کے نام مع تعین تنخواہ لکھے ہیں، جو زیادہ تر سنی سنائی حکایتوں اور فرضی اعداد پر مشتمل معلوم ہوتا ہے، اس رسالہ میں کاریگروں میں سب سے پہلا نام "استاد عیسیٰ نادر العصر نقشہ نویس ساکن روم" لکھا ہے، اس کتاب کے مختلف نسخے دیکھے اور سب میں ناموں کا کچھ نہ کچھ اختلاف پایا، اور سب سے عجیب بات یہ ہے کہ اس میں ہندو کاریگروں تک کو ساکن روم و بلخ و قندھار و سمرقند لکھا ہے، جامعہ علی گڑھ

حیدرآباد، بھوپال، ندوہ اور دارالمصنفین کے کتبخانون کے نسخون میں اور ان کے علاوہ اور بھی اس کے جو نسخے نظر سے گذرے ان میں بھی یہ شتر گربگی موجود ہے "استاد نادرالعصر" تک تو نام صحیح ہے، جو اسی احمد معمار کا شاہی لقب تھا، مگر اس میں "عیسیٰ نقشہ نویس ساکن روم" کا نام اضافہ ہو یا یہ کہ "استاد نادرالعصر" اور "عیسیٰ ساکن روم" دو نام ہین، جو ایک میں مل گئے ہیں، اس کتاب تاج میں امانت خان شیرازی کے سوا جس کا ذکر تاریخون اور تذکرون کے علاوہ خود تاج کے کتبون میں ہے، جن کاریگرون کی فہرست دی گئی ہیں، اور جو تنخواہیں لکھی گئی ہیں، وہ تمام تر محتاج ثبوت ہیں لیکن تعجب ہے کہ تاج کے مورخین حال نے ان کو بیچون وچرا تسلیم کرلیا ہے، بہرحال تاج کے معمارون میں سے جو نام اب سب سے زیادہ اہم سند رکھتا ہے، وہ یہی نادرالعصر استاد احمد ہے، جس کا نام اس مضمون میں سب سے پہلی دفعہ پیش کیا جارہا ہے،

لطف اللہ کے بیان سے اس کے باپ احمد کے کچھ اور حالات بھی معلوم ہوتے ہیں، مثلاً یہ کہ احمد معمار آجکل کا کوئی اناڑی راج نہ تھا، بلکہ وہ باقاعدہ ہندسہ (انجینرنگ) ہیئت اور ریاضیات کا بہت بڑا عالم تھا، یونانی ریاضیات فلکی کی سب سے اونچی کتاب مجسطی کا ماہر تھا، اور اقلیدس میں خواجہ نصیر طوسی کی مشہور کتاب تحریر اقلیدس کا عالم تھا، لطف اللہ ایک مثنوی میں اپنے خاندانی حالات کا ذکر ان لفظون میں کرتا ہے،

شاہجہاں داورگیتی ستاں	روشنی دودۂ صاحب قراں
عرش بریں قبۂ خرگاہ اوست	رشک فلک سدۂ درگاہ اوست
احمد معمار کہ در فن خویش	صد قدم از اہل ہنر بود بیش
واقف تحریر و مقالات آں	آگہ آشکال و حوالات آں
حال کواکب شدہ معلوم او	سر مجسطی شدہ مفہوم او
از طرف داور گردوں جناب	نادر عصر آمدہ اورا خطاب
بود عمارت گر آں بادشاہ	داشت دران حضرت فرخندہ راہ

ان اشعار سے نادر العصر احمد معمار شاہجہانی کے فضل و کمال کا پورا اظہار ہوتا ہے، اور معلوم ہوتا ہے کہ وہ شاہجہان کا مشہور عمارت گر تھا، اب اس کے بعد وہ اشعار آتے ہیں جن میں اس عظیم الشان حقیقت کا انکشاف ہے، جو اب تک مستور و مخفی تھی، یعنی یہ کہ یہی وہ ممتاز ہستی ہے، جس نے ممتاز محل کا روضہ اور دہلی کا لال قلعہ تعمیر کیا، کہتا ہے،

آگرہ چو شد مضرب رایات شاہ | بس کہ بر و بود عنایات شاہ
کرد بحکم شہ کشور کشا | روضۂ ممتاز محل را بنا
باز بحکم شہ انجم سپاہ | شاہجہاں داور گیتی پناہ
قلعۂ دہلی کہ ندارد نظیر | کرد بنا احمد روشن ضمیر

ان دو کے علاوہ عہد شاہجہانی کی دوسری عمارتیں بھی اس نے بنائی تھیں، چنانچہ کہتا ہے،

ایں دو عمارت کہ بیاں کردہ ام | در صفتش خامہ رواں کردہ ام
یک ہنر از گنج ہنرہاے اوست | یک گہر از کان گہرہاے اوست

اسکے بعد اس کی وفات کا ذکر کیا ہے،

چوں نبود عالم فانی مقر | کرد سوے عالم باقی سفر

اس مثنوی کے شروع میں شاہجہاں کا ذکر زمانۂ موجودہ میں کیا گیا ہے،

عرش بریں قبۂ خرگاہ اوست | رشک فلک سدۂ درگاہ اوست

اس سے ظاہر ہے کہ یہ مثنوی شاہجہان کی زندگی میں لکھی گئی ہے، اور اسی کے عہد میں تاج محل اور قلعۂ دہلی کی تعمیر کا یہ دعویٰ کیا گیا ہے، اس سے زیادہ ثبوت اور کیا درکار ہے،

استاد حامد استاد احمد کے ساتھ اس کے بھائی استاد حامد کا نام بھی ذکر کے قابل ہے، یہ بھی معماری، ہندسہ اور دیگر علوم ریاضی میں سر برآوردہ تھا، اور قلعہ کی تعمیر میں احمد کا شریک تھا، سر سید مرحوم اپنی قابل قدر

کتاب آثار الصنادید میں قلعۂ شاہجہانی کے بیان میں لکھتے ہیں کہ

"اچھی سے اچھی ساعت دیکھ کر استاد حامد اور استاد احمد معماروں نے کہ اپنے فن میں اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے، اور ہندسہ وہیئت میں ثانی اقلیدس، ور رشک ارزمیدس تھے، اس قلعہ کی پاؤ رکھی، (طبع اول صہ ۳ - باب دوم)

طبع دوم میں یہی عبارت ان لفظوں میں ہے،

"استاد حامد اور استاد احمد جو اپنے فن میں یکتا تھے، اس قلعہ کو بنواتے تھے، (طبع دوم نامی پریس صہ ۲۸)

دہلی کے بڑے بوڑھوں کی زبانی یہ روایت مجھ تک پہنچی ہے کہ جامع مسجد دہلی بھی اسی استاد حامد نے جس کا مشہور نام "استا حامد" ہے، بنائی ہے، اور اس کے بنانے میں اس کا دوسرا شریک "اُستا ہیرا" تھا، استاد حامد کا نام قلعۂ دہلی کے بعد جو ۱۰۵۸ھ میں بنا، مانڈو کے ایک سیاحتی کتبہ میں جس کی تاریخ ۱۰۶۶ھ ہے، جیسا کہ آگے آئیگا، لکھا ہوا ملتا ہے، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ اس زمانہ تک زندہ تھا، دہلی کے ایک قدیم معزز خاندان کے ایک واقف کار (سید مرتضیٰ علی صاحب ہیڈ کلرک دفتر کمشنران چیف دہلی) کی زبانی مجھے معلوم ہوا ہے کہ یہ استاد حامد اور استاد احمد دونوں بھائی تھے، استاد حامد کے نام سے "کوچہ اوستا حامد"[1] دہلی میں اب تک دریبہ اور جامع مسجد کے درمیان موجود ہے، اور ان کی اولاد دہلی میں سکونت پذیر ہے اور لاہور والے کہلاتے ہیں، اور آجکل وہ سادہ کاری کا کام کرتے ہیں، الغرض یہی وہ دو کاریگر ہیں جنھوں نے قلعۂ دہلی اور اس کے حیرت انگیز عمارات دیوان عام و دیوان خاص غسلخانہ اور دوسرے محلات شاہی بنائے، اس تعمیر میں ایک تیسرا نام احمد کے بیٹے لطف اللہ کا شامل ہے جس کا ذکر آگے آئیگا،

استاد احمد کی تاریخ وفات اس دیوان کے آخر میں استاد احمد معمار کی وفات کی دو تاریخیں بھی درج ہیں،

(۱)

در زمانِ سعید شاہجہان   شاہ عالم پناہ جم مقدار

[1] وال کے بغیر استا حامد،

نادر العصر رفت و گفت خرد — شد بفردوس احمد معمار

(۳)

آں نادر عصر زینت دہر — چوں رفت بسوئی ملک سرمد

تاریخ وفات او خرد گفت — محمود العاقبت شد احمد

ان دونوں قطعوں کے ہر چوتھے مصرع سے ۱۰۵۹ھ کے اعداد نکلتے ہیں، روضہ کی تعمیر ۱۰۵۰ھ میں یعنی احمد کی وفات سے نو برس پیشتر ختم ہو چکی تھی، اور دہلی کا قلعہ ۱۰۴۸ھ سے شروع ہو کر احمد کی وفات سے ایک سال پہلے ۱۰۵۸ھ میں تکمیل پایا تھا، ممکن ہے کہ استاد احمد روضہ کو ختم کر کے قلعہ کی تعمیر میں شامل ہوا ہو، یا روضہ کا اصلی تعمیری کام ختم کر کے شروع ہی سے قلعہ کی تعمیر میں مصروف ہوا ہو،

استاد احمد نے ان تعمیری یادگاروں کے علاوہ اپنی تین جسمانی یادگاریں بھی چھوڑیں، اور ان کو بھی تعمیر و ہندسہ و ریاضیات کی بہترین تعلیم دی، اور غالباً اس کے پیش نظر یہ چیز تھی کہ ریاضیات کی اعلیٰ درجہ کی جو کتابیں اب تک صرف عربی زبان میں ہیں، ان کو فارسی میں منتقل کیا جائے، تاکہ وہ علوم فارسی دانوں کی دسترس میں آسکیں، چنانچہ ۱۰۵۰ھ میں یعنی جس سال روضہ تمام ہوا ہے، اور قلعۂ دہلی کی تعمیر جاری تھی، اس نے اپنے منجھلے بیٹے لطف اللہ کو عبدالرحمان صوفی کی صور الکواکب کے ترجمہ کا حکم دیا،

احمد معمار کی تین اولادیں لطف اللہ کی جس مثنوی کے کچھ ابتدائی اشعار اوپر نقل کئے گئے ہیں، اس میں احمد معمار کی وفات کے ذکر کے بعد اس کے ان تین باکمال فرزندوں کے نام لئے گئے ہیں،

بس سہ پسر ماند زمر دسترگ — زاں سہ عطاء اللہ رشیدی بزرگ

دیوان کے اس نسخہ میں رشیدی کی جگہ کاتب نے "رشد" لکھا ہے، مگر اس کی تصنیفات میں اس کے نام کے ساتھ "رشیدی" لکھا ملتا ہے، اور جیسا کہ ظاہر ہے کہ اسی لفظ کو اسی طرح پڑھنے سے شعر صحیح ہو سکتا ہے،

پھر عطاء اللہ کی تعریف میں کہتا ہے،

نادرِ عصرِ خود و مشہورِ شہر　　عالم و علامہ و دانائے دھر

مرد ہنر پرور و استادِ فن　　فاضل و دانشور و حبرِ زمن

مخزنِ علم آمدہ تالیفِ او　　گنجِ ہنرہاست تصانیفِ او

نثر وی از آبِ روان پاک تر　　نظمِ خوشش غیرتِ سلکِ گہر

اس آخری شعر سے معلوم ہوتا ہے کہ عطاء اللہ شاعر بھی تھا، اور غالباً اس کے نام کے بعد "رشیدی" اس کا تخلص ہے، اس کے بعد شاعر یہ بیان کرتا ہے کہ اس نے تمامتر اپنے اسی بڑے بھائی سے تعلیم پائی کہ

منکہ سخن پرور و دانش ورم　　بندۂ آں حبرِ سخن پرورم

منکہ ربودم زجہان گوئے علم　　از چمنش یافتہ ام بوئے علم

منکہ شدم آگہِ سرِّ نہاں　　از دمِ او یافتہ ام قوتِ جاں

اس کے بعد لطف اللہ اپنے کو احمد معمار کا منجھلا بیٹا بتاتا ہے اور اپنی تعریف آپ کرتا ہے،

ثانیِ آں ہر سہ برادر منم　　ہندسہ یک فن بود از صد فنم

گرچہ مہندس لقبم از شہ است　　نامِ منُ دل شدہ لطف اللہ است

لطف اللہ اپنا نام اور مہندس شاہی خطاب بتاتا ہے، اور یہی اس کا تخلص بھی ہے، اس کے بعد اپنے سب سے چھوٹے بھائی نور اللہ کا نام لیتا ہے،

ثالثِ آں ہر سہ بہادر بسال　　آمدہ نور اللہ صاحب کمال

پھر کہتا ہے کہ ہم تینوں بھائی معمار اور انجینیر ہیں،

ما ہمہ معمار و عمارت گریم　　ما ہمہ استاد و سخن پروریم

اس کے بعد اپنے چھوٹے بھائی نور اللہ کی نظم و نثر کی تعریف کرتا ہے، اور تعمیری مہارتِ فن کی بنا پر معمار کا موروثی لقب اسی کے لئے مخصوص کرتا ہے،

لیک بود قصرِ کلامش عجب | زاں شدہ معمار مرا ورا لقب
گرچہ کم است سالِ وے از سالِ من | بیش بود حالِ وے از حالِ من
نثر وے از نظم گہر بار تر | نظم ز نثر آمدہ ہموار تر
دیدہ ز نورِ سخنش پر ضیا | طبع ز لطفِ سخنش پر صفا
گنج ہنر آمدہ در مشتِ او | ہفت قلم راندہ سہ انگشت او
گرچہ منم بے سخن استادِ فن | آں یک و ایں یک بود استادِ من

اسی آخری شعر کا شاید یہ مطلب ہے کہ میں سب سے چھوٹے بھائی کا استاد ہون، اور بڑا بھائی میرا استاد ہے، اس مثنوی کا خاتمہ اس شعر پر ہوتا ہے :-

گرچہ مراہست مہندس لقب | ہندسہ زان ہر سہ برادر طلب

اس سے ثابت ہوا کہ ہندسہ اور عمارت گری کے فن میں یہ تینون بھائی مہارت رکھتے تھے،

الغرض احمد معمار کے ان تین باکمال بیٹون کے نام بہ ترتیب یہ ہیں،

۱- عطاء اللہ رشیدی نادر العصر،

۲- لطف اللہ مہندس،

۳- نور اللہ معمار،

ابھی حال میں (جولائی ۱۹۳۵ء میں) لطف اللہ کی ایک اور تصنیف سحرِ حلال کا پتہ چلا، یہ مختصر رسالہ مدرسہ محمدی مدراس کے کتب خانہ میں ہے، جس کا نمبر ۲۶۸۶ ہے، اس کا دوسرا نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے،

اس رسالہ میں بھی لطف اللہ نے اپنے باپ اور اس کے تینون بیٹوں کا حسب ذیل عبارت میں جو بصورت معمہ ہے تذکرہ کیا ہے،

"احمد معمار والد ملوک دادارسہ ولد دارد، اوّل عطاء اللہ سلمہ اللہ سالک مسالک علم . . .

عالم و عامل و علامہ عصر . . . رسالہا در علم اعداد مسطور کردہ . . . . وولد دوم اوسط

ہر سہ ملوک درگاہ کردگار و اسم ملوک حامل دو کلمہ آمد، کلمۂ دوم اللہ . . . . وکلمۂ اول

لام و طاء معادل عدد عطا، وولد سوم در مسالک علم و حال . . . . . واسم او ہم

دو کلمہ دارد، کلمۂ دوم اللہ . . . . وکلمۂ اوّل معادل مطاور . . . . "

احمد معمار کے بڑے بیٹے کا نام عطاء اللہ تو صاف ہے، منجھلے بیٹے کے جو مصنف کتاب ہے، نام کا دوسرا جزء اللہ اور پہلا جزء لام اور طا اور ایک ایسا حرف ہے جس کا عدد لفظ "عطا" کے برابر ہے، یعنی ۸۰ جو حرف فؔ کا عدد ہے، یہ سب مل کر "لطف اللہ" ہوتا ہے،

چھوٹے لڑکے کے نام کا بھی دوسرا جزء "اللہ" اور پہلا جزء "مطا" کا مساوی العدد اور 'ر' ہے، مطا کا عدد ۵۰ ہے، جو حرف نؔ کا معادل ہے، حرف 'ن' کو واؤ اور 'ر' سے ملانے سے پورا نام "نور اللہ" نکلتا ہے،

ان تینوں باکمالوں کے نام مختلف عمارتوں کے کتبوں کے گوشوں میں لکھے ہوئے ملتے ہیں، لیکن اگر دیوان مہندس کا یہ نسخہ ہاتھ نہ آتا تو اس خاندان کے ان مختلف افراد کے یہ باہمی تعلق کا واقعہ دنیا سے پوشیدہ رہتا،

نور اللہ معمار یہ استاد احمد کا سب سے چھوٹا لڑکا، اور لطف اللہ مہندس کا سب سے چھوٹا بھائی ہے، اس کی کوئی تصنیف اب تک نہیں ملی ہے، مگر مہندس کے بیان سے یہ ثابت ہے کہ وہ بھی معماری کے فن میں امتیاز رکھتا تھا، کہتا ہے

لیک بود قصر کمالش عجب ‌ ‌ ‌ ‌ زاں شدہ معمار مرا ور القب

سب بھائیوں میں سے معمار کا موروثی لقب اسی کو حاصل تھا، اس کے علاوہ وہ اپنے وقت کا بہت بڑا خطاط تھا، اسی لئے مہندس نے اس کی نسبت کہا ہے،

گنج ہنر آمدہ در مشت او ‌ ‌ ‌ ‌ ہفت قلم راندہ سہ انگشت او

یعنی وہ خط کے ساتوں قلموں میں ماہر تھا، مہندس کے بیان کی شہادت آج بھی دنیا میں موجود ہے،

دلی کی شاہجہانی جامع مسجد میں بیرونی محرابون کی اوپر کی دیوار مین مسجد کے بنائے جانے کی جو تاریخ طویل فارسی نثر عبارت میں بخطِ نسخ تحریر ہے، وہ اسی باکمال کی انگلیون کا معجزہ ہے، چنانچہ کتبہ کے آخر مین بسمت شمال ایک گوشہ مین کتبہ نور اللہ احمد لکھا ہوا ہے،

عطاء اللہ رشیدی عطاء اللہ رشیدی احمد معمار کا سب سے بڑا لڑکا، اور لطف اللہ مہندس یعنی احمد کے منجھلے بیٹے کا استاد ہے، مہندس کے اشعار سے ثابت ہے کہ وہ بہت سی کتابون کا مصنف بھی تھا، کہتا ہے،

مخزنِ علم آمدہ تالیفِ او ۔۔۔ گنج ہنر ہاست تصانیفِ او

سحرِ حلال مین بھی اس کے متعلق حسب ذیل الفاظ ہیں،

"سالک مسالک علم عالم و عامل و علامۂ عصر رسالہا در علم اعداد مسطور کردہ"

اس کی ان متعدد تصنیفات میں سے ہم کو تین کا علم ہے، اور یہ تینون علم اعداد یعنی حساب ہی مین ہیں، ان میں سے ایک کا نام بیج گنت اور دوسرے کا نام خلاصۂ راز ہے، بیج گنت سنسکرت کا لفظ "وبیجا گنیتا" ہے جس کے معنی علم جبر و مقابلہ کے ہیں، یہ سنسکرت میں بھاسکر چاریا کی تصنیف ہے، عطاء اللہ نے فارسی میں اس کا ترجمہ کیا، اس کے نسخے برٹش میوزیم، میونک یونیورسٹی اور ندوۃ العلماء لکھنؤ کی لائبریریوں اور کتبخانۂ سعیدیہ حیدرآباد میں ہیں، اس میں مصنف اپنا نام "عطاء اللہ رشیدی بن احمد نادر" بتاتا ہے، رسالہ کا آغاز اس شعر سے ہے،

اوّل ز ستایشِ الٰہی گوئیم ۔۔۔ پس نعتِ رسول او کماہی گوئیم

یہ شعر میرے خیال میں فیضی کے جواب میں ہے، فیضی نے سنسکرت کی حساب کی مشہور کتاب لیلاوتی کا جو ترجمہ اکبر کے زمانہ مین کیا ہے، اس کے آغاز میں یہ شعر لکھا ہے، جو سراسر خوشامد ہے،

اوّل ز ثنائے بادشاہی گویم ۔۔۔ وانگہ ز ستایشِ الٰہی گویم

رشیدی گویا اس کے جواب میں کہتا ہے،

اوّل زستایش الٰہی گویم پس نعت رسول او کما ہی گویم

ندوۃ العلماء لکھنؤ اور کتب خانۂ سعیدیہ حیدرآباد کے نسخے میری نظر سے گذرے ہیں، دیباچہ میں ہے :۔

"اما بعد می گوید بندۂ محتاج بخداوند قادر، عطاء اللہ رشیدی ابن احمد نادر کہ بہ توفیق الٰہی در سنہ اربع واربعین والف ہجری ۱۰۴۴ھ مطابق ہشتم سال جلوس حضرت صاحب قرانی براورنگ سلطنت وجہانبانی کتاب جبر ومقابلہ ہندوی موسوم بہ بیج گنت تصنیف بھاسکر اچاریہ صاحب لیلاوتی راکہ در علم حساب کشافی است بحقائق رائقہ ومفتاحے است بدقائق فائقہ ومحتویست بر فوائد بلند ومطالب ارجمند، کہ در لیلاوتی مذکور نیست، ودر ہیچ نسخہ فارسی وعربی مسطور نہ، از زبان ہندی بفارسی آوردم ودیباچۂ کتاب رابکتابۂ دعاے دولت حضرت خاقانی، وارث ملک سلیمانی، مرتقی مدارج عز وجلال ۔ ۔ ۔ ۔ ابو المظفر شہاب الدین محمد صاحب قرانی ثانی، شاہجہان نامی بادشاہ غازی ...

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کتاب جو لیلاوتی کے مصنف بھاسکر اچاریہ کی دوسری کتاب کا ترجمہ ہے، شاہجہان کے آٹھویں سال جلوس ۱۰۴۴ھ میں مکمل ہوئی ہے، سعیدیہ کا نسخہ محمد شاہ کے زمانہ میں ۱۱۴۵ھ میں منقول ہوا ہے، ندوہ کے نسخہ کا نمبر کتبخانہ میں ۷۵ ریاضی ہے،

برٹش میوزیم اور میونک یونیورسٹی کی لائبریریوں کی فہرستوں میں اس نسخہ کا مختصر حال درج ہے، کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں بدر الحساب کے نام سے بیج گنت کا ایک اور ترجمہ موجود ہے، جو ۱۰۷۵ھ میں برہان پور میں کیا گیا ہے،

عطاء اللہ رشیدی کی دوسری کتاب خلاصۂ راز کا نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ہے، اس میں اس نے اپنا نام یہ لکھا ہے، "عطاء اللہ بن استاد احمد معمار" اس کا آغاز اس شعر سے ہے،

شکر بے حد بواحد ازلی حمد بے حد بفرد لم یزلی

رسالہ کا موضوع حساب، مساحت، اور جبر ومقابلہ ہے، زبان فارسی نثر ہے، اور رسالہ کی تقسیم دس بابوں پر ہے، رسالہ کے دیباچہ میں شاہجہان بادشاہ اور شاہزادہ دارا شکوہ کی ستائش ہے، اور رسالہ شاہزادہ کے نام

سے معنون ہے، دارا شکوہ ۱۰۶۷ھ میں قتل ہوا ہی، اس سے یہ سمجھنا چاہئے کہ یہ رسالہ اس سے پہلے تالیف پا چکا تھا،

اس کی تیسری کتاب خزینۃ الاعداد ہے، جو علم حساب، الجبرا اور علم اقلیدس میں ہے، مقدمہ میں اس نے بیان کیا ہے کہ اس نے یہ کتاب مبتدیوں اور سرکاری مالی دفتروں کے ملازموں، تاجروں، اور مذہبی عالموں کے لئے لکھی ہے، اس رسالہ کا آغاز ان لفظوں سے ہوا ہے:-

"الحمد للہ الذی جعل الشمس ضیاء والقمر نوراً قدر، منازل . . . . . .

مؤلف این رسالہ و مترجم این مقالہ المفتقر الی رحمۃ اللہ الفقیر الحقیر عطاء اللہ"

رسالہ میں ایک مقدمہ، دو مفتاح، دس باب ایک کشکول اور ایک خاتمہ ہے، کتاب کا نام (خزینہ) تاریخی ہے، جس سے ۱۰۶۷ھ نکلتا ہے، جیسا کہ اس شعر سے معلوم ہوتا ہے،

چون نام وے آری تو اندر حساب ز تاریخ اتمامش آگہ شوی

یہ نادر نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے، جس کا نمبر ۱۰۷ ہے[1]،

عطاء اللہ رشیدی جیسا کہ اس کے بھائی لطف اللہ نے اپنی مثنوی میں لکھا ہے، شاعر بھی تھا، اور رشیدی تخلص کرتا تھا، مگر اس کا کوئی شعر ہم تک نہیں پہنچا ہے، بجز اس کے کہ لطف اللہ کے ہاتھ کی ایک کتاب صور صوفی کا جو اصل نسخہ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں ہے، اس کے آخر میں ایک صفحہ پر عطاء اللہ کے قلم کی ایک مشق ہے، جس میں آفتاب اور سہا کے تناسب سے کچھ فقرے لکھے ہیں، اور آخر میں یہ شعر درج ہے،

زغیرت تیغ افتد در خم و پیچ عطاء اللہ کہ گر نامش نہی ہیچ

---

[1] فہرست کتب عربی و فارسی و اردو کتب خانۂ جامعہ بمبئی مرتبہ شیخ عبد القادر، فاضل مرتب نے عطاء اللہ بن احمد کو اس رسالہ کا مصنف ظاہر کرنے کے باوجود اس کا سال تصنیف "خزینۃ الاعداد" کے دونوں جزوں کے اعداد کو گنکر ۱۱۸۷ھ ظاہر کیا ہے، جو ظاہر ہے کہ صحیح نہیں، کیونکہ یہ تاریخ مصنف کی زندگی کے بہت بعد ہے، لیکن اگر نام کے دونوں جزوں کے اعداد لئے جائیں اور ۱۱۸۷ھ صحیح ہو تو پھر یہ کسی دوسرے عطاء اللہ کا رسالہ سمجھا جائیگا،

عطاء اللہ کے یہ تو علمی کارنامے ہیں، لیکن اس کا ایک عملی کارنامہ بھی دنیا میں موجود ہے، اور وہ شہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کی محبوب بیوی ملکہ رابعہ دورانی کا مقبرہ ہے، جو اورنگ آباد دکن میں واقع ہے، یہ مقبرہ تمامتر روضۂ تاج محل کی نقل ہے، خیال ہوتا ہے کہ چونکہ اس کے باپ احمد معمار نے تاج کا روضہ بنایا تھا، اس لئے قرین قیاس سمجھا گیا کہ اس کا خلف الرشید اس نقش اول کا بہترین نقش ثانی تیار کر سکتا ہے، مگر ظاہر ہے کہ آگرہ میں جو سامانِ تعمیر شاہجہان کے عہد میں مہیا ہو سکتا تھا وہ اورنگ آباد دکن میں عالمگیر کے عہد میں میسر نہیں آسکتا تھا، پتھر اور اینٹ کے فرق کے علاوہ جو نزاکت، لطافت اور تناسب روضہ کی خصوصیات ہیں، ان کی نقل اتاری نہ جاسکی،

رابعہ دورانی کے مقبرہ کے صدر دروازہ پر پیتل کا پتر چڑھا ہوا ہے، اس پر ایک طرف یہ عبارت لکھی ہے:

"این روضۂ منورہ در معماری عطاء اللہ بعمل ہیبت رائے طیار شدہ ۱۰۶۱" (باقی)

شمس معنوی

یعنے

دیوان شمس تبریز اور مولانا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے، استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۲)

مولینا کے بعض خاص حالات مولینائے روم[1] رحمہ اللہ نے بتاریخ ۶ ربیع الاول ۶۰۴ھ ہجری عالمِ فانی میں قدم رکھا، مقامِ پیدائش بلخ ہے، نسباً صدیقی ہیں، نسبتِ صدیقی کا اثر بزرگانِ خاندان میں مسلسل ظاہر ہوتا رہا، مولانا کے والد ماجد حضرت سلطان العلماء بہاء الدین علوم ظاہری و باطنی میں اپنے عہد میں بے نظیر کمال رکھتے تھے، برگزیدۂ خالق اور محبوبِ خلائق تھے،

شیخ عطار کی جوہر شناسی محمد خوارزم شاہ بلخ عزیز اور ارادتمند تھا، لیکن بعض غلط فہمیوں کی بنا پر برگشتہ ہوگیا، سلطان العلماء نے مع اپنی جماعت کے بلخ سے ہجرت فرمائی، اثنائے سفر میں قافلہ نیشاپور پہنچا، شیخ عطارؒ سلطان العلماء کی ملاقات کے لئے تشریف لائے، مولانا کمسن تھے لیکن جوہر شناس عطارؒ نے اس قطرۂ نیساں کی قدر پہچان لی، اپنی کتاب اسرار نامہ ہدیۃً دی، اور سلطان العلماء سے فرمایا،

"زود باشد کہ ایں پسر آتش در سوختان عالم برزند"

تعلیم اور فضل و کمال ابتدا میں والد ماجد نے تعلیم و تربیت فرمائی، اس کے بعد تاج المخدومین حضرت سید برہان الدین جیسے متبحر عالم و عارف آپ کے معلم مقرر ہوئے، شوقِ علم کا یہ عالم تھا کہ حلب، دمشق، اور دیگر مقامات کے علمی مرکزوں میں جا کر اہلِ کمال کے فیضِ تعلیم سے مستفید ہوئے، نوجوانی ہی میں علم و فضل پایۂ استناد کو پہنچ گیا،

[1] یہ حالات مولینا کے معتبر ترین تذکرہ، رسالہ سپہ سالار سے لئے گئے ہیں، سپہ سالار صفحہ ۱۳

سپہ سالار کا بیان یہانتک ہے کہ حضرت خضر بھی باطنی طور پر اپنے علم لدنی سے مولینا کو فیض پہنچاتے رہے، خود مولانا فرماتے ہیں :-

"اول از خضرم بجملہ علم لدنی را یافتم"

اسی زمانہ سے دین کی رازدانی کا سلسلہ شروع ہوگیا،

والد ماجد کے انتقال کے بعد دوسرون کے اصرار پر تعلیم اور افتا، کا سلسلہ شروع فرمایا، اور مسندِ علم پر رونق افروز ہوئے، صاحبِ مناقب راوی ہیں کہ چار سو طلبہ کا ہجوم ہر وقت رہتا تھا، مثنوی کے مطالعہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ علومِ مروجہ پر کسقدر تبحر اور عبور تھا، لیکن اس دفتر بے پایان سے "دل کا چین" حاصل نہ ہوسکا، باطنی طلب کی پیاس باقی رہی،

جوہر طینتِ آدم زخمیر دگر است، تو توقع زگل کوزہ گراں می داری،

بچپن ہی سے عالمِ غیب سے ربط اور مناسبت کے آثار ظاہر تھے، لیکن مولینا نے پہلے حضرت سید برہان الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دستِ حق پرست پر بیعت کی، اور نو سال تک اصلاحِ باطن میں مصروف رہے، اس کے علاوہ قیامِ دمشق کے زمانہ میں شیخ اکبر حضرت محی الدین ابن عربی، شیخ سعد الدین حمویؒ، شیخ عثمانی رومی، شیخ اوحد الدین کرمانیؒ اور شیخ صدر الدین قونوی کی صحبت باسعادت رہی جس میں حقائق و معارف ہی کی گفتگو ہوتی تھی،

حضرت شمس سے ملاقات، حضرت شمس الدین محمد تبریزی بابا کمال الدین جندی رحکے مرید، اور صاحبِ کمال تھے، شیخ فخر الدین عراقیؒ حضرت شمس کے پیر بھائی، اور ساتھی ہین، خانقاہ میں عراقی کا یہ دستور تھا، کہ جن حقائق اور معارف کا انکشاف ہوتا، اور جو احوال مقامات سلوک میں ان پر گذرتے، ان کو اشعار کا جامہ پہناتے، اور شیخ محترم کو سناتے، ایک دن شیخ موصوف نے حضرت شمس سے بھی فرمایش کی، کہ تم بھی اپنے حالات کو صورتِ نظم مین پیش کرو، حضرت شمس نے اصطلاحی علوم اور شعر گوئی سے عدم واقفیت کا عذر فرمایا، حضرت بابا نے پیشینگوئی فرمائی، کہ

"حق سبحانہ تعالیٰ ترا مصاحبے روزی کند کہ معارف وحقائق اولین وآخرین را بنام تو اظہار کند، ویناببع حکم از دل او بر زبانش جاری شود، وبلباس حرف وصورت درآید، وطراز آن لباس بہ نام تو باشد"

(نفحات الانس جامی تذکرہ شمس الدین محمد بن ملک داد تبریزی)

خود حضرت شمس بھی اس کے متمنی تھے، کہ کوئی ایسا ہمراز ملجائے، جو میرے اسرار اور شدتِ حال کا متحمل ہوسکے، سپہ سالار کی روایت ہے کہ اس کے لئے حضرت شمس دعا فرماتے تھے، غیب سے اشارہ ہوا کہ روم کی طرف جاؤ، ....

"مولانا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصان تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، درحال از عالم غیب اشارت رسید کہ اگر حریف صحبت خواہی بطرف روم سفر کن، درحال از ان پائے متوجہ ولایت روم گشت وشہر بہ شہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ برسید"

(سپہ سالار در ذکر شمس الدین)

یہاں ایک عارفانہ مکالمہ ہوا اور دونوں میں حُب للہ کا ایسا تعلق قائم ہوا، کہ آج تک اس کا تذکرہ اور چرچا ہے، اس حقایق شناس کی صحبت سے مولانا نے درس وافتا کو ترک کردیا، اور روز وشب شمس ہی کی خدمت میں رہنے لگے، اخبارِ رسول کا مشغلہ چھوڑ کر اسرارِ رسولؐ سے لذت یاب ہونے لگے، خود فرمایا کرتے کہ علمائے ظاہر اخبارِ رسول سے واقف ہیں، اور مولینا شمس الدین اسرارِ رسول سے،

مناقب میں ہے:۔

"روزی مولانا فرمود کہ علما ظاہر واقفِ اخبار رسول اند، وحضرت مولانا شمس الدین واقفِ اسرار رسول است"

شمس تبریز توئی واقفِ اسرار رسول نام شیرین تو ہر دل شدہ را درماں باد

اس سے پہلے مولانا کچھ وطن کے ماحول، اور کچھ احتیاط کے مدنظر شعر سے مجتنب تھے لیکن اس صحبت کا ایک نیا رنگ یہ پیدا ہوا کہ مولانا نے سماع اور شعر گوئی کی طرف توجہ فرمائی، رفتہ رفتہ اس مشغلہ کی کثرت ہوئی افلاکی لکھتے ہیں :-

"دائما اسرار و غزلیات می فرمود"

اس میں کچھ ذوقِ حال اور کچھ مصلحت شناسی کو دخل تھا، اس زمانہ میں شعر و شاعری کا بڑا چرچا تھا، مسلمان شعر کی طرف متوجہ تھے، غزلیات اور مثنویات سے دلچسپی پیدا ہوگئی، خصوصاً شاہنامۂ فردوسی کا مطالعہ بہت ہوتا تھا، دینی معارف کی طرف لوگوں کی توجہ نہ رہتی تھی، "عشقِ لیلیٰ" کا ذوقِ شعر نے عام کردیا تھا لیکن "عشقِ مولیٰ" کا دلدادہ نہ ملتا تھا، مولانا نے پیرایۂ شعر اور "نالۂ نے" میں عشقِ حقیقی کا وہ صور پھونکا کہ آجتک مردہ دل انکے کلام سے زندہ ہورہے ہیں، انکی حقیقت خود بے نقاب فرمائی ہے،

"مردم این ملک از عالمِ عشق مالک الملک قوی بے خبر بودند، چناں مشاہدہ کردیم کہ ہیچ نوع بہ طرفِ حق مائل نہ بودند، و از اسرارِ الٰہی محروم می ماندند، بطریقِ لطائف، سماع و شعرِ موزون، کہ طبائع مردم را موافق افتادہ است، آن معانی را درخورِ ایشان دادیم، چہ مردمِ روم اہلِ طرب و زہرہ بیان بودند"،

(مناقب العارفین در تذکرہ مولانا جلال الدین رومی،)

تصانیفِ نظم میں مثنوی معنوی شہرۂ آفاق ہے، لیکن اس سے تقریباً دوگنے اشعار کا ایک دیوان ہے، یہ دیوان، دیوانِ شمسِ تبریز کے نام سے مشہور ہے، بالعموم انہی کا خیال کیا جاتا ہے، صرف اہلِ علم و خبر اس حقیقتِ حال سے واقف ہیں، اس کے مختلف اسباب اور وجوہ آغازِ سخن میں بیان ہوچکے ہیں، ہم تاریخی شواہد اور داخلی دلائل سے اس غلط فہمی کا پردہ اٹھانا چاہتے ہیں، مباحث کا مفصل خاکہ شروع میں درج کیا جاچکا ہے،

آغاز بحث

تاریخی شواہد | اب ہم اپنی بحث کے پہلے جزو یعنی تاریخی شواہد کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم پہلے متاخرین کے بیانات نقل کریں گے، پھر متقدمین کے،

تاریخی شہادتوں کی فراہمی میں مختلف مشکلات کا سامنا ہے، مولانا کے ہم عصر یا قریب العہد تذکرہ نویسون کے تذکرے دستیاب نہیں ہوتے، تاہم استثنائی طور پر بعض اہم اور معتبر تذکرے اور دوسری نوعیت کی ایقان آفرین اور اطمینان بخش شہادتیں ملتی ہیں جن سے دعوی کا ثبوت ملتا ہے، البتہ متاخرین نے اپنے اپنے تذکروں میں مسلسل اس حقیقت کا اظہار کیا ہے،

علامہ شبلی کا بیان | اس سلسلے میں سب سے پہلے ہندوستان کے مشہور مورخ اور ادیب، فارسی شاعری کے جوہر شناس علامہ شبلی نعمانی کی شہادت نقل کرتے ہیں، آپنے علاوہ شعرالعجم کے سوانح عمری مولینا روم کے نام سے مولانائے معنوی کی ایک مبسوط سوانح لکھی ہے، جس میں ایک مستقل باب کے تحت مولانا کی تصانیف پر بھی نقد و تبصرہ کیا ہے، آپ "فیہ ما فیہ" کے مختصر تذکرہ کے بعد بعنوان "دیوان" تحریر فرماتے ہیں:۔

"اس[1] میں قریبًا پچاس ہزار شعر ہیں، چونکہ غزلون کے مقطع میں عمومًا شمس تبریز کا نام ہے، اسلئے عوام اسکو شمس تبریز ہی کا دیوان سمجھتے ہیں، چنانچہ دیوان مطبوعہ کی لوح پر شمس تبریز ہی کا نام لکھا ہے، لیکن یہ نہایت ہی فاش غلطی ہے، اولًا تو شمس تبریز کا نام تمام غزلوں میں اس حیثیت سے آیا ہے، کہ مرید اپنے پیر سے خطاب کر رہا ہے، یا غائبانہ اسکے اوصاف بیان کرتا ہے،

دوسرے ریاض[2] العارفین وغیرہ میں تصریح ہے، کہ مولانا نے شمس تبریز کے نام سے یہ دیوان لکھا، اس کے علاوہ اکثر شعراء نے مولینا کی غزلون پر غزلین لکھی ہیں، اور مقطع میں تصریح کی ہے، کہ یہ غزل مولانا کی غزل کے

---

[1] ص ۳۰، ۳۱، سوانح مولوی روم از شبلی حصہ دوم مطبوعہ شاہجہانی پریس دہلی، [2] اس تذکرہ کا ذکر مولینا شبلی نے علاوہ سوانح مولینا روم کے شعرالعجم میں بھی کیا ہے، لیکن افسوس کہ حیدرآباد میں اس کا کوئی نسخہ نہ ملا،؟

جواب میں ہے، اسکے ساتھ مولانا کی غزل کا پورا مصرعہ یا کوئی ٹکڑا اپنی غزل میں لے لیا ہے، یہ وہی غزلین ہین جو مولانا کے اس دیوان میں ملتی ہیں، جو شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے، مثلاً علی حزینؒ کہتے ہیں،

این جواب غزل مرشد روم است کہ گفت | من ببوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر،

دوسرا مصرعہ مولینا کا ہے، چنانچہ اس کا پورا شعر یہ ہے،

من بہ کوئے تو خوشم خانۂ من ویران کن | من ببوئے تو خوشم نافۂ تاتار مگیر

حزین کی ایک اور غزل کا شعر ہے:-

مطرب ز نوائے عارف روم | این پردہ بزن کہ یار دیدم،،

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی شہادت، انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کی شہادت ہے،

"جس واقعہ سے ان کی ذہنی اور اخلاقی زندگی سب سے زیادہ متاثر ہوئی، وہ صوفی شمس الدین تبریزیؒ سے ان کی ملاقات ہے،

اپنے رہبر طریق کی احسانمندی کا اعتراف مولینا نے بدین صورت کیا ہے، کہ اپنے کلام کا ایک بڑا حصہ ان کے نام موسوم فرمایا، ایک دیوان بھی ان کی تصنیف ہے[۵۲]"

مذکورہ بالا افکار کا بڑا حصہ (a great part of his work) دیوان ہی ہے جو شمس تبریز کی طرف منسوب ہے، کیونکہ مثنوی تو کسی دوسرے کی طرف منسوب ہی نہیں ہے،

پروفیسر براؤن کا بیان، پروفیسر براؤن (E. G. Brown) اپنی مشہور عالم کتاب ایران کی ادبی تاریخ (۱۹۰۶ء) (Literary History of Persia Vol II. P. 519) میں مولانا کی غزلیات کے متعلق لکھتے ہین،

"نکلسن کی تحریر کے مطابق غزلیات سے متعلق جو دیوان شمس تبریز کے نام سے معروف ہین، دولت شاہ کا یہ بیان ہے کہ یہ خاص طور پر حضرت شمس کے غیاب دمشق کے دوران میں لکھی گئین لیکن رضا قلی خان کا قیاس یہ ہے کہ یہ مولانا کی یاد

---

[۵۱] ۵۱..اڈی ج [۵۲] انسائیکلوپیڈیا، اور دیگر تذکروں میں اس حقیقت کا اظہار ہوتا ہے، کہ مولانا کا دیوان حضرت شمس تبریز سے منسوب ہو گیا، اس واقعہ کو اس پیرایہ میں لیا ہے،

میں لکھی گئیں لیکن نکلسن کا اپنا خیال جو غالباً صحیح ہی یہ ہے کہ دیوان کا ایک حصہ تو شمس تبریز کی زندگی ہی میں لکھا گیا ہی، اور ایک بڑے حصے کا زمانۂ تصنیف مابعد کا ہے[1]؛

نکلسن کا بیان، مندرجۂ بالا عبارت میں براؤن نے ڈاکٹر نکلسن کے حوالہ سے اس واقعہ کا اظہار کیا ہے لیکن ڈاکٹر نکلسن کا بیان ملاحظہ ہو جس میں ایک خاص انداز سے اس حقیقت کا اظہار کیا گیا ہی کہ مولینا کا دیوان شمس کے نام کو مشہور ہو گیا[2]،

"دیوان ہرگز شمس تبریز کے نام سے منسوب یا موسوم نہیں کیا گیا جنکا غالباً انکی تکمیل سے پہلے وصال ہو گیا پھر کس سبب سے انکا نام سرورق اور اکثر غزلیات کے مقطعوں میں پایا جاتا ہی؟ وہ کون ہیں؟ اور جلال الدین رومی سے ان کا کیا ربط ہے[3]؟

کیوں کسی فردوسی اور حافظ کے مرتبہ کے شاعر کے غیر فانی تغزل کا سہرا ایک غیر معروف درویش کے سر رہا"؟

آتشکدہ آذر، آتشکدۂ آذر[4] میں حاجی لطف علی بیگ آذر کہتے ہیں،:-

"در اکثر ابیاتِ عاشقانہ و عارفانہ کہ اسم شمس تبریزی برد غرض شیخ شمس الدین تبریزیست کہ اصلش از خراسان بودہ و خود در تبریز متولد شدہ،

مثنوی اشعار بسیار دارد، آنچہ بہ نظر فقیر قلیلی ازان را بزعم خود انتخاب کردہ، بسمع دوستان میرساند" مثلاً

(آتشکدہ)	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور سنہ ۱۹۲۴ء)
ایا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ	ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ
برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ	برو کہ عشق و غم او نصیب ماست بخسپ
بنمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست	بنمائے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

---

[1] مجمع الفصحا، پر رضا قلی خان مطبوعہ ایران سنہ ۱۲۹۵ھ صفحہ ۲۸۶، [2] منتخب غزلیات دیوان شمس تبریز ڈاکٹر رینالڈ اے نکلسن کیمبرج سنہ ۱۸۹۸ء [3] اس سے مراد یہ ہے کہ ارادۂ تکمیل کے بعد مولانا کی طرف سے حضرت شمس کے نام معنون نہیں کیگئی، [4] آتشکدہ آذر سنہ ۱۲۹۹ مولفہ حاجی لطف علی بیگ صاحب آذر مطبع فتح الکریم بمبئی صفحہ ۲۲۳ اخگر دوم شرارۂ اولی،

بگشائی لب کہ قند فراوانم آرزوست	بگشائے لب کہ قند فراوانم آرزوست
یکدست جام بادہ ویک دست زلف یار	یکدست جام بادہ ویکدست زلف یار
رقصی چنیں میانہ ٔ می دانم آرزوست	رقصی چنیں میانہ ٔ می دانم آرزوست
دی شیخ باچراغ ہمی گشت گرد شہر	دی شیخ باچراغ ہمی گشت گرد شہر
کز دیو ودو ملولم وانسانم آرزوست	کز دیو ملولم وانسانم آرزوست ،
زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت	زین ہمرہان سست عناصر دلم گرفت
شیر خدا ورستم دستانم آرزوست	شیر خدا ورستم دستانم آرزوست
گفتم کہ یافت نی نشرو ....ما	گفتنہ کہ یافت نیست کہ بس ......ما
گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست	گفت آن کہ یافت می نشود آنم آرزوست
(آتشکدہ آذر)	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ نولکشور)

عارفانہ اور عاشقانہ ابیات جنھیں مولانا نے حضرت شمس کا نام درج کیا ہے، دیوان کے اشعار ہیں، سوائے مثنوی کے دیگر "اشعار بسیار" سے مراد غزلیات ہی کے شعر ہیں، جن کا مجموعہ کلیات شمس تبریز کے نام سے ہمارے پیش نظر ہے، چنانچہ مثلاً جن اشعار کو حاجی صاحب نے درج فرمایا ہے، دیوان سے انھیں اشعار کو بالمقابل درج کیا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے، کہ دیوان مولانا روم ہی کے غزلیات واشعار کا مجموعہ ہے،

خزینۃ الاصفیار (طبع ۱۲۹۰ھ) صاحب[۵] خزینۃ الاصفیار مولینا کی غزل گوئی اور حضرت شمس تبریز سے انکی محبت اور کلام میں انکی محبت سرائی کے متعلق لکھتے ہیں،

"مولینا جلال الدین رومی صاحب مثنوی را کمال اعتقاد ویگانگت باوے بود وہمیشہ باوے صحبت میداشت ودر اشعار خود در اکثر جا ستایش وے کردہ اند"

[۵] خزینۃ الاصفیار جلد دوم مصنفہ غلام سرور مطبوعہ مطبع منشی نولکشور لکھنؤ ۱۸۷۳ء ۱۲۹۰ھ ص ۲۶۸

شیخ حسام الدین چلپی کے ذکر میں لکھتے ہیں ،،۔

"چون حسام الدین الٰہی نامہ حکیم سنائی و منطق الطیر فرید الدین عطار و مصیبت نامۂ وے بدید بخدمت مولوی عرض کرد کہ حالا غزلیات بسیار شد ند اگر بہ طرز الٰہی نامہ و منطق الطیر کتابے منظوم گردد، بر صفحۂ ہستی یادگار بماند"

ان بیانات سے مولانا کی کثرت غزل گوئی اور حضرت شمس کی ستایش کا ثبوت بہم پہنچتا ہے، یہ ستایش دیوان شمس تبریزی میں پائی جاتی ہی،

مجمع الفصحا ۱۲۸۴ھ، مجمع الفصحا، کا بیان نہایت واضح اور مفصل ہی،

حضرت شمس کے حالات مین لکھتے ہین :۔

"چون ملتحی شد بہ سیر و سیاحت رغبت فرمود، و بخدمت مشائخ رسید، ارادت بشیخ رکن الدین سنجاسی داشت، وی و شیخ فخر الدین ابراہیم ہمدانی متخلص بہ عراقی، شیخ از شمس پرسید کہ فرزند! تو توانی واردات خود را در صورت عبارت و الفاظ در آوردن"

وی گفت "مرا از علم صورت و نظم بہرہ نیست"،

شیخ فرمود "خداوند تو فرزند و مصاحبے روحانی خواہد داد کہ بسیارے از علوم اولین و آخرین بنام تو در روزگار از و باقی ماند پس بجانب روم رو حقیقت معلوم شود، و را آنجا یکم سوختہ ایست آتش در او زن کہ عالم را روشن کند"

شمس کی سیاحت اور مولینا روم سے ملاقات اور اون کی عقیدتمندی کی تفصیل کے بعد لکھتے ہین،

"مولینا بنا بر ارادت دیوانی بنام شیخ تمام فرمود و این کہ تا اکنون بہ نظر رسید چہل و پنجاہ ہزار بیت اشعار است و بغایت نیکوست،

چون مقصود مولانا بقائی نام جناب شیخ است اشعار خود را بنام او گفتہ با آنکہ شمس سو ثر شاعر نبودہ

مولانا نے اپنے کلام میں اسرارِ شمس کی ترجمانی فرمائی ہے، اس لئے مدح شمس بھی بڑی کثرت اور شدت سے کیگئی ہے، دیوانِ شمس کے مطالعہ سے یہ بات آئینہ ہوجاتی ہے،

بہارستان سخن شاہ نوازخان، عبدالرزاق خان خوانی المخاطب بہ شاہ نوازخان صمصام الدولہ اپنے تذکرہ امرا اہلِ سخن موسوم بہ بہارستانِ سخن[1] میں لکھتے ہیں،

"دیوان فیض نشانِ وے کہ اکثر در فراق شمس الدین تبریزی است ونام شریف وے بطریق تخلص دراں درج کردہ سی ہزار بیت است، چند بیت از دیوان مولانا است

شرابِ شیشۂ انگور خواہم، حریف سرخوش مخمور خواہم،
بیا نزدیکم اے ساقی کہ امروز، من از خود خویشتن را دور خواہم"

داراشکوہ ۱۰۴۹ھ، شاہزادہ محمد داراشکوہ اپنے مشہور تذکرہ صوفیہ "سفینۃ الاولیا"[2] (سنہ تصنیف ۱۰۴۹ھ) بعنوان "در ذکر شمس تبریز" بیان کرتے ہیں،:-

"مولینا جلال الدین رومی را کمال یگانگی ویکجہتی بایشان بودہ وہمیشہ باہم صحبت میداشتند، ودر اشعار خود ہمہ جا ستایش کردہ اند"

اس میں کوئی شبہ نہیں کہ "در اشعار خود ہمہ جا ستایش کردہ اند" کا مرجع صرف دیوان شمس تبریز ہی کی غزلیات ہیں، کیونکہ تقریباً ہر غزل میں حضرت شمس کی ستایش کسی نہ کسی صورت میں پائی جاتی ہے، بلکہ اُسے حضرت شمس کا ستایشی دیوان کہا جائے تو بہتر ہے،:-

مرأۃ الاسرار عبدالرحمن چشتی ۱۰۴۵ھ تذکرہ مرأۃ الاسرار[3] میں عبدالرحمن چشتی صابری نے اس راز کو بخوبی بے نقاب

---

[1] قلمی نسخہ سنہ کتابت ۱۱۹۲ھ ص ۱۲۵، کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن شمس کا نام بطور تخلص درج نہیں ہے، بلکہ بطریق ممدوح ہے،
[2] سفینۃ الاولیا قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، ص ۱۵۹ [3] تذکرہ مرأۃ الاسرار عبدالرحمن چشتی صابری ۱۰۴۵ھ قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن،

کیا ہے، صاحب تذکرہ تحریر فرماتے ہیں، کہ حضرت خواجہ شمس الدین[۱] نے حضرت شمس تبریز سے فرمایا کہ "حق سبحانہ تعالی ترا مصاحبی روزی کند، کہ معارف حقائق اولیں وآخرین را بنام تو اظہار کند ونیا بیع حکمت از دل او بزبانش جاری شود، و بلباس حرف وصوت درآرد وطرز آن لباس نام تو باشد، چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است،" (ص ۱۲۵)

یہ بیان کس قدر واضح ہے، حسب ذیل کلمات قابل غور ہیں،

۱- "معارف حقائق اولیں وآخرین را بنام تو اظہار کند"

۲- "طرز آن لباس بنام تو باشد"

۳- "چنانکہ در تصنیفات مولوی روم ظاہر است"

تصنیفات مولوی روم میں اس کا بہترین مصداق سوائے دیوان شمس تبریز کے اور کوئی کتاب نہیں ہے،

یہ پیشینگوئی کیونکر حرف بحرف پوری ہوئی ملاحظہ ہو،

مولانا کے حال میں لکھتے ہیں،

"کار او بصحبت خواجہ شمس الدین تبریزی بکمال رسیدہ چنانکہ در دیوان خود اکثر جا نسبت ارادت خود را بخدمت وے، درست می کند، ازان جملہ یک بیت اینست"

گرد عطار گشت مولینا، شربت از دست شمس بود ش نوش،

(دیکھو دیوان شمس تبریز لکھنؤ ردیف ش،)

صاحب تذکرہ مرآۃ الاسرار ذکر شمس تبریز کے سلسلہ میں بیان کرتے ہیں، کہ

---

[۱] دیگر تذکرہ نویسوں نے یہ پیشینگوئی باباکمال الدین جندی سے منسوب کی ہے، (دیکھئے نفحات ذکر شمس) غالباً اس موقع پر صاحب تذکرہ سے غلطی سرزد ہو گئی ہے،

"قیاس کنند کہ خواجہ شمس الدین از جملہ طالبان[۱] مولوی روم بودہ وہرگاہ در مصنفات مولوی روم نگاہ میکنیم وی خود را از کمترین طالبان و مریدان خواجہ شمس الدین شمردہ است چنانکہ در دیوان اشعار وی چند جا ظاہر یافتہ می شود" از ان جملہ چند بیت،

نام آنکس برکہ مردہ از جمالش زندہ شد ۔ گریہ ہائے وصل عالم از وصالش خندہ شد

آن خنک جائے کہ لطف شمس الدین بیافت ۔ برگذشت از نہ فلک بر لامکان باشندہ شد

چون شمس الدین نظیرے نیست این جا، ۔ چون شمس الدین نباشد روئے خورشید"

مولانا کے فیض روحانی کے سرچشمہ کا اظہار کرتے ہوئے چند شعر نقل کئے ہیں، جو دیوان میں پائے جاتے ہیں،

"وہم از اشعار وے ظاہر می شود کہ وے را فیض خاص بجسب روحانیت حضرت مصطفوی ومرتضوی تمام بودہ است، چنانچہ از غلبہ شوق بسر وجد حال خود می فرماید، غزل،

زخلق احمد مختار مستیم، ۔ زخلق احمد مختار مستیم،

ز مہر حیدر کرار مستیم، ۔ ز بوئے حیدر کرار مستیم،

نسیمے یافتیم از شمس تبریز، ۔ نسیمے یافتیم از شمس تبریز،

کہ من زان سالک اسرار مستیم" ۔ کہ از آن سالک اسرار مستیم،

(تذکرہ) ۔ (کلیات شمس تبریز لکھنؤ)

طرائق الحقائق معصوم خان، آقا حاجی مرزا معصوم خان، "طرائق الحقائق[۲]" میں باباکمال الدین جندی کے ذکر میں لکھتے ہیں:-

"اما باباکمال جندی کمی شمس الدین تبریزی و از وی بمولی جلال الدین رومی نیز متصل می گردد چنانکہ گزشت در ذکر سلسلہ مولویہ وبعضے باین اشعار مولینا کہ در غزلیات فرمودہ استشہاد نمودہ نظر اد

---

[۱] مرآۃ الاسرار ص ۳۰۲، [۲] طرائق الحقائق سنہ طباعت ۱۳۱۸ھ کتبخانہ آصفیہ ص ۵ ا جز ثانی،

بہ نجم الدین بودہ"

حسب ذیل اشعار درج ہین، اور یہ دیوان میں پائے جاتے ہین،

تذکرۂ مذکور	دیوان
"ما ازان محتشانیم کہ ساغر گیرند،	ما ازان محتشانیم کہ ساغر گیرند
نہ ازان مفلسگان کہ بزلاغر گیرند،	نہ ازان مفلسگان کہ بزلاغر گیرند،
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند	بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند
بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند"	بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند

(دیوان مطبوعہ لکھنور دیف د)

حاشیہ نفحات الانس لاری ۹۰۹ھ، مولانا عبد الغفور لاری حضرت جامیؒ کے خادم اور ارادتمند ہین، اونھون نے حضرت جامیؒ کے صاحبزادہ مولانا یوسف کے ایما، سے تکمیل نفحات الانس کے طور پر ایک تذکرہ لکھا ہی، اس کا نام حاشیہ نفحات الانس ہے، تذکرہ کم یاب بلکہ نایاب ہے، ایک[1] قلمی نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں موجود ہی، صاحب حاشیہ نفحات مولانا روم کے حالات درج کرنے کے بعد حضرت شمس کے حال میں لکھتے ہین،

"چنانچہ مولینا تخلص بنام شیخ شمس الدین کردہ"

اس ایک حقیقت کی کہ دیوان شمس تبریز کلام شمس نہیں بلکہ مولانا کی غزلیات کا مجموعہ ہے مختلف تعبیرین ہماری نظر سے گذری ہین، اس حقیقت کی ایک تعبیر خاص یہ بیان بھی ہی،

ظاہر ہے کہ یہ بیان مثنوی معنوی سے متعلق تو نہیں ہو سکتا، کیونکہ اس کا کوئی محل نہین، مولانا کے کلام میں صرف مجموعہ غزلیات المعروف بہ دیوان شمس تبریز ہی ہے، جس پر یہ قول صادق آسکتا ہے، کیونکہ کثرت سے مقطع کے اندر بجائے اپنے تخلص کے مولینا شمس کا نام لاتے ہین لیکن اس انداز سے جیسے

[1] سنہ تالیف ۹۰۹ھ قلمی، اس میں اوراق کا شمار ہے، ورق ۹۲،

عقیدتمند مرید اپنے مرشد طریق کا ذکر کرتا ہو، شلاً

شمس تبریز بما راہ حقیقت بنمود، ما زفیض قدم اوست کہ ایمان داریم

نفحات الانس جامی ۸۸۳ھ | نفحات[1] الانس مولانائے روم کا مشہور تذکرۂ اولیاء ہے، حضرت جامی شیخ نجم الدین کبری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر فرماتے ہوئے بیان کرتے ہیں، کہ جب کفار تاتار نے خوارزم پر حملہ کیا اور سلطان محمد خوارزم بھاگ نکلا تو کفار تاتار نے خیال کیا کہ وہ خوارزم میں ہے، اسلئے داخل خوارزم ہوئے، شیخ نے اپنے بعض احباب کو طلب کیا اور فرمایا،

"زود برخیزید و بہ بلاد خود روید کہ آتش از جانب مشرق برافروخت تا نزدیک بہ مغرب خواہد سوخت، این فتنہ ایست عظیم کہ درین امت مثل این واقع نشدہ است، بعض از اصحاب گفتند چہ شود، اگر حضرت شیخ دعا کند، شاید کہ ایں بلا از بلاد مسلمانان مندفع شود، شیخ فرمود کہ این قضائیست مبرم، دعا دفع نمی تواند کرد، پس اصحاب التماس کردند کہ چہارپایان آمدہ است، چنانچہ حضرت شیخ نیز با اصحاب موافقت کنند، .... شیخ فرمود کہ من اینجا شہید خواہم شد و مرا اذن نیست کہ بیرون روم"

چنانچہ حضرت موصوف نے کفار کے داخل ہونے پر بڑے استقلال سے مقابلہ فرمایا، تفصیل کیلئے نفحات کا اصل صفحہ ملاحظہ ہو،

"چون کفار بہ شہر در آمدند شیخ اصحاب باقی ماندہ را بخواند و گفت "قوموا باذن اللہ علی اسم اللہ تعالی تقاتل فی سبیل اللہ" بخاند، در آمد و خرقہ خود را پوشیدہ و میان محکم بست ...... و بیرون آمد، چو با کفار مقابل شد .... کفار ویرا تیر باران کردند، یک تیر بر سینۂ مبارک وے آمد، بیرون کشید و بینداخت، و بران برفت،

[1] نفحات الانس، قلمی نمبرہ ۲۹۰ ورق، کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن، سنہ تصنیف ۸۸۳ھ مولفہ محمد عبد الرحمن جامی،

گویند کہ در وقت شہادت پرچم کافوری را گرفتہ بود، بعد از شہادت دہ کس نتوانستند کہ دیرا از دستِ شیخ خلاص دہند"

خاص توجہ کے قابل مندرجہ ذیل تحریر ہے ، :-

"بعضے گفتہ اند حضرت مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ در غزلیاتِ خود اشارت باین قصہ وانتساب خود بحضرت شیخ کردہ آنجا کہ گفتہ است،

ما ازان محتشمانیم کہ ساغر گیرند	ما ازاں محتشمانیم کہ ساغر گیرند،
نہ ازان مفلسگان کہ بز لاغر گیرند	نہ ازان مفلسگاں کہ بز لاغر گیرند
بیکے دست مئے خالص ایمان نوشند	بیکے دست مئے خالص ایماں نوشند
بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند"	بیکے دست دگر پرچم کافر گیرند،
(تذکرہ)	دیوان شمس تبریز لکھنؤ ردیف د)

دولت شاہ سمرقندی ۸۹۲ھ،   تذکرۂ دولت شاہ[1] کا بیان ہے، کہ مولینا شمس الدین تبریزا اپنے شیخ کبیر رکن الدین سنجابی کے حکم سے روم آئے، شہر قونیہ میں مولانائے روم سے ملاقات ہوئی، جب کہ وہ اپنے معتقدین اور متعلین کی ایک جماعت کیساتھ جا رہے تھے، حضرت شمس تبریز نے از روے فراست اپنے محبوب اور مطلوب کو پہچان لیا اور سوال کیا:-

"غرض از مجاہدت وریاضت وتکرار ودانستن علم چیست"

مولانا نے جواب میں کہا:-

"روش سنت وآداب شریعت"

حضرت شمس نے کہا:-

---

[1] تذکرۂ دولت شاہ مصحح براؤن مطبوعہ بریل لیڈن سنہ تصنیف ۸۹۲ھ۔

"این ہمہ از روے ظاہر است"

مولانانے دریافت فرمایا:-

"ورائے این چیست"

شمس عرفان نے اس پر یوں ضیا پاشی فرمائی:-

"علم آنست کہ بہ معلوم رسی"

اور سنائی کا یہ شعر پڑھا:-

علم کز تو ترا نہ بستاند، جہل ازآن علم بہ بود بسیار،

تذکرہ کے مطابق مولینا جواب سے متحیر ہوئے، اور حضرت شمس کی صحبت اختیار فرمائی، واقعات وحالات کچھ اس نوعیت کے درپیش ہوئے، کہ حضرت شمس شام کی طرف روانہ ہوگئے، مولانا حالتِ فراق سے نہایت مضطرب اور بیچین ہوئے، اس حالتِ جوش میں کثرت سے غزل فرماتے، جن میں شمس کی مدح وتعریف اور ان کے فیض اور اپنی بے چینی اور تڑپ کا اظہار ہوتا،

"شمس الدین عزیمت شام نمود.... ودر آرزوے او مولینا می سوخت وقوالان را می فرمود تا سرود عاشقانہ می گفتند، شب وروز بہ سماع مشغول بودند، واکثر غزلیات کہ در دیوان مولانا مسطور است، در فراق شمس الدین گفتہ است"...... واز معارف مولانا ست بنام شمس الدین این غزل،

آنا کہ بسر در طلب کعبہ دویدند، چون عاقبۃ الامر بہ مقصود رسیدند،"

(باقی)

کتبخانۂ دفتر دیوانی حیدرآباد

میں

کرناٹک کی تاریخ کے مخطوطات،

از جناب محمد غوث صاحب ایم اے، ال ال بی، حیدرآباد، دکن،

تاریخ ہند کو صحیح روشنی میں لکھنے کے لئے فی الوقت عام طور سے جو شوق پیدا ہوگیا ہے اس کے لحاظ سے یہ امر بہت ضروری ہے کہ ایسی کتابیں روشنی میں لائی جائیں جو معلومات کا مستند ماخذ ہوں، اور جن سے حالات اور واقعات کا کماحقہ صحیح علم حاصل ہو سکے،

خان بہادر مولوی ظفر حسن صاحب بی اے، کا طلبۂ تاریخ ہند کو ممنون ہونا چاہئے کہ انھوں نے بڑی محنت اور کاوش کے ساتھ تاریخ ہندوستان کے عہد اسلامی کے ماخذوں کی ایک بہت اچھی فہرست مرتب کر دی ہے، لیکن اس فہرست میں صوبوں کی تاریخ کے ماخذوں کو ترک کر دیا گیا ہے، ضرورت ہے کہ اس کی تکمیل کی جانب بھی توجہ کیجائے،

خاندانِ مغلیہ کے اختتام کے زمانہ میں کرناٹک کو جو اہمیت حاصل ہو گئی تھی، وہ پوشیدہ نہیں ہے اس حصہ ہندوستان کی تاریخ پر، جہاں تک علم ہے، اربابِ تاریخ نے اب تک بہت کم توجہ کی ہے حالانکہ واقعات کی اصلی نوعیت معلوم کرنے کے لئے اس کی تاریخ کے مناسب اور درست معلومات حاصل کرنا بہت ضروری ہے،

کتب خانہ دفتر دیوانی حیدرآباد میں جہاں ہندوستان اور دکن کی تاریخ کے خاص خاص اور اہم کتابوں کو فراہم کرنے کی بطور خاص کوشش کیجاتی ہے، وہاں کرناٹک کی تاریخ پر روشنی ڈالنے والی کتابیں بھی بہت

اہتمام سے فراہم کی گئی ہیں، فی الوقت اس کتب خانہ میں جو کتابیں اس نوعیت کی جمع ہوگئی ہیں، وہ بہت اہم ہیں، ان کتابوں سے کرناٹک کی تاریخ کے سب پہلو روشنی میں آجاتے ہیں،

ذیل میں ان کتابوں کا ذکر کیا جاتا ہے :-

اسعید نامہ، تالیف لالہ دکھنی رائے منشی،

اس کتاب میں سعادت اللہ خان (۱۱۳۶ھ ۔ ۱۱۴۷ھ) صوبہ دار کرناٹک کے زمانہ کی تاریخ قلمبند کی گئی ہے، کتاب میں ۱۱۳۵ھ تک کے واقعات بیان کئے ہیں، یہ وہ زمانہ ہے جب کہ نواب سعادت اللہ خان کرناٹک میں دوسری خدمات پر مامور تھے،

۲۔ **وقائع نواب سعادت اللہ خان**، غلام علی حسین، نوازش محمد خان نے یہ کتاب تالیف کی ہے۔ اس کتاب میں ۱۱۶۵ھ تک کے واقعات بیان کئے ہیں، جب کہ نواب سعادت اللہ خان کا خاندان ختم ہوگیا، اور نواب انور الدین خان کے خاندان کا دور شروع ہوا،

۳۔ **رسالہ واقعات جانشینی حضرت آصفجاہ**، اس کتاب کے مصنف کا نام نور محمد خان ہے، مؤلف نے اپنے چشم دید واقعات بیان کئے ہیں، معرکوں میں خود مؤلف نے حصہ لیا ہے، اور اس وقت جو گفت وشنید، مختلف افراد کے مابین ہوئی تھی، اس میں بھی انھوں نے حصہ لیا تھا،

۴۔ **انور نامہ**، میر محمد اسمٰعیل ابجدی نے یہ کتاب لکھی ہے جو نواب انور الدین خان اور نواب محمد علی خان والاجاہ کے زمانہ کی منظوم تاریخ ہے، ابتداء خاندان (۱۱۵۵ھ) سے کتاب کا آغاز ہوا ہے ۱۱۷۴ھ کے واقعات پر یہ کتاب ختم ہوجاتی ہے، یہ وہ زمانہ ہے جب کہ تیسری فرانسیسی جنگ کے بعد پانڈی چری پر نواب محمد علی خان والاجاہ نے قبضہ کر لیا تھا،

۵۔ **توزک والاجاہی**، تالیف سید برہان خان ہانڈی، یہ کتاب بھی زمانۂ خاندان انوری کی تاریخ ہے، انور نامہ کی طرح یہ کتاب بھی ۱۱۷۴ھ کے واقعات پر ختم ہوگئی ہے،

۶۔ **قصر والاجاہی**، مؤلفہ سید محمد حبش تمنا، اس کتاب کا موضوع بھی خاندان انوری کے حالات ہیں، البتہ واقعات کا سلسلہ ۱۲۰۵ھ تک دراز ہوا ہے،

۷۔ **سراج التواریخ**، قاضی بدر الدولہ نے یہ کتاب لکھی ہے، گو اس کا موضوع ہندوستان کے اسلامی عہد کی عمومی تاریخ ہے، لیکن کرناٹک کے حالات پر بھی سیر حاصل بحث کی گئی ہے،

۸۔ **تحفۃ الاخبار**، اس کتاب کے مصنف غلام حسین خان ہیں، یہ صاحب میر منشی دارالانشار کمپنی تھے، یہ کتاب کرناٹک کی ایک عام تاریخ ہے، ۱۲۳۳ھ تک کے واقعات ترتیب دیئے ہیں، لیکن زمانہ خاندان انوری پر کتاب کا بڑا حصہ شامل ہے، نواب محمد علی خان والاجاہ کے زمانہ پر خصوصیت سے روشنی ڈالی ہے،

۹۔ **فوز عظیم**، مؤلف کے نام کا پتہ نہ چل سکا، یہ کتاب بھی انور نامہ کی طرح منظوم ہے، البتہ انور نامہ سے مختصر تر ہے، ۱۲۱۱ھ کے واقعات بیان کرکے کتاب ختم کردی گئی ہے،

۱۰۔ **نشان والاجاہی**، حیدر نواز خان، اس کتاب کے مؤلف ہیں، نواب محمد علی خان والاجاہ کے ابتدائی حالات سے کتاب شروع کی گئی ہے، تسلسل بیان قائم رکھنے کیلئے پہلے کے حالات بھی نظر انداز نہیں کردیئے ہیں، ۱۲۵۰ھ کتاب کا سنہ تالیف ہے، اور اس سنہ کے واقعات پر کتاب ختم کردی گئی ہے،

۱۱۔ **سرگذشت زمانۂ نیابت**، نواب غلام محمد غوث خان آخری نواب کرناٹک کی صغر سنی میں ان کے چچا نواب عظیم جاہ نائب قرار پائے تھے، وہی اس کتاب کے مؤلف ہیں، اپنے زمانۂ نیابت میں جو اہم واقعات ۱۲۴۱ھ سے ۱۲۵۱ھ تک پیش آئے ان کو بیان کیا ہے،

۱۲۔ **بہار اعظم جاہی**، مصنف کا نام غلام عبدالقادر، قادر عظیم خان ناظر ہے، ۱۲۳۹ھ میں نواب اعظم جاہ، نواب کرناٹک نے ناگور کا سفر اختیار کیا تھا، یہ کتاب اس سفر کے حالات کا تذکرہ ہے، ضمناً واقعات اور حالات تاریخی پر بھی جابجا بحث آگئی ہے،

۱۳۔ **تذکرۃ الانساب**، یہ کتاب مصطفیٰ علی خان خوشدل کی تالیف ہے، اور گویا خاندان انوری

کا شجرہ اور مشاہیر خاندان کے حالات کا تذکرہ ہے،

۱۴۔ **گلستانِ نسب**، اس کتاب کے مؤلف کا نام بھی غلام عبدالقادر، قادر عظیم خان ناظرؔ ہے گو یہ کتاب مشاہیر اہل نوایط کے تذکرہ کے طور پر ہے تاہم زمانہ خاندانِ انوری کی تاریخ کرناٹک پر اس سے کافی روشنی پڑتی ہے،

۱۵۔ **وقائع امیر الامراء**، اس کتاب کو محمد عنایت حسین خان نے مرتب کیا ہے، نواب امیر الامرا نواب والاجاہ کے فرزند تھے، اور تنجاور کے انتظام پر مامور، مؤلف نے اس کتاب میں امیر الامرا کی زندگی کے بعض اہم اور خاص حالات فراہم کئے ہیں،

۱۶۔ **تشرید النوم موعظۃ القوم**، کے نام سے نواب امیر الامرا نے مشائخ طریقت کے حالات میں ایک کتاب لکھی ہے، آخر میں اپنے ذاتی حالات لکھے ہیں، کتب خانہ کا یہ مخطوطہ انہی ذاتی حالات پر مشتمل ہے،

۱۷۔ **حدیقۂ مرتضوی**، اس کو سید مرتضیٰ خادم نے تالیف کیا ہے، اور مرتضیٰ خان قلعہ دار ایلور کے حالات پر شامل ہے، مرتضیٰ خان نواب سعادت اللہ خان کے زمانہ میں اس خدمت پر مقرر تھے،

۱۸۔ **شرف نامہ**، اس کتاب کا دوسرا نام تاریخ حفیظ اللہ خانی ہے، مولف کا نام محمد حفیظ اللہ خان حافظ یار جنگ ہے، یہ کتاب مؤلف کی خود نوشتہ سوانحعمری ہے، لیکن آخری نواب کرناٹک غلام محمد غوث خان کے زمانہ کے کافی حالات اس تالیف سے معلوم ہوتے ہیں،

۱۹۔ **دستور الالقاب**، نواب عظیم الدولہ نواب کرناٹک کے زمانہ میں مختلف افراد کے لئے مراسلت سرکاری میں جو القاب مقرر تھے ان سب کو مع ہر ایک کے نام و خدمت کی تفصیل کے اس رسالہ میں جمع کیا گیا ہے،

۲۰۔ **مجموعۂ مکاتیب شاہانِ انگلستان و ایسٹ انڈیا کمپنی**، یہ ان مکاتیب کا ایک مجموعہ ہے، جو شاہانِ انگلستان اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے مختلف عہدہ داروں نے نواب والاجاہ کو ۱۱۶۷ھ

سے ۱۱۹۴ھ تک وقت بوقت لکھے،

۲۱- **مجموعۂ فرامین شاہ عالم ثانی بنام نوابان کرناٹک**، یہ ان فرامین کا ایک مجموعہ ہے، جو شاہ عالم ثانی کی جانب سے از ۱۱۷۳ھ تا ۱۲۱۱ھ کرناٹک کے نوابون کے نام صادر ہوئے۔

۲۲- **گلشن سعادت**، محمد امین کی تالیف ہے، اور نواب سعادت اللہ خان کی جانب سے جو مراسلت عمل میں آتی تھی یہ اس کا مجموعہ ہے،

۲۳- **مجموعۂ مکاتیب نواب والاجاہ**، یہ نواب والاجاہ کے ان مکاتیب کا مجموعہ ہے جو ان کی جانب سے امرائے عرب کو روانہ کئے جاتے تھے،

۲۴- **فرامین ورقعات والاجاہ**، اس مجموعہ میں نواب صاحب کے مختلف احکام اور واقعات فراہم کئے گئے ہیں،

۲۵- **رقعات والاجاہ**، نواب صاحب نے اپنے ماتحت حکام وعہدہ دارون کے نام جو احکام جاری کئے تھے، یہ اس کا ایک بہت ضخیم مجموعہ ہے،

۲۶- **مراسلات امرائے کرناٹک**، اس میں مختلف امرائے کرناٹک کی باہمی مراسلت یکجا مرتب کی گئی ہے،

۲۷- **کتاب نوشت وخواند بانظام الدولہ وسرکار**، یہ دراصل اس مراسلت کا رجسٹر ہے جو نواب مغفرت مآب نظام علی خان اور نواب محمد علی خان والاجاہ کے مابین عمل مین آئی تھی، ۱۱۷۹ھ سے ۱۱۹۳ھ تک جو مراسلت عمل میں آئی اس کا بہت بڑا حصہ اس رجسٹر میں محفوظ ہے،

۲۸- **انشائے فضائل خانی**، کرنول کے نواب نظامت خان کے مکاتیب کا مجموعہ ہے، جو محمد معمور خان پنی نے مرتب کیا ہے،

۲۹- **انشاء دانش آرا**، مؤلف کا نام منشی غلام حسین ہے، کرناٹک کے مشاہیر کے مکاتیب

جمع کئے ہیں،

۳۰۔ رقعات عبدالقادر خان قلعہ دار او دگیر، نواب والاجاہ کے زمانہ میں عبدالقادر خان اودگیر کی قلعہ داری پر فائز تھے، اس کتاب میں ان کی سرکاری مراسلت فراہم کی گئی ہے،

۳۱۔ مکاتیب محمد غوث شرف الملک، یہ نواب عظیم الدولہ کے عہد میں دیوان تھے ان کے مکاتیب کا یہ مجموعہ ہے،

۳۲۔ انشاء حبیب اللّٰہی، یہ کتاب میر محمد علی کی تالیف ہے، انھوں نے اس مجموعہ میں حافظ محمد حبیب اللہ کے مسودات ایک جگہ کر دیئے ہیں، حافظ موصوف عبدالحلیم خان حاکم کڑپہ کے منشی تھے، اس طرح یہ مجموعہ ان رقعات وعرائض پر مشتمل ہے، جو نواب صاحب موصوف نے اپنے معاصرین کو روانہ کئے،

۳۳۔ تذکرۃ البلاد والحکام، تالیف میر حسین علی کرمانی، اس تاریخ میں مؤلف نے ان راجاؤں اور حکام کا ذکر کیا ہے جن کا تعلق بالاگھاٹ (کرناٹک) سے تھا، ۱۲۱۵ھ کے واقعات پر یہ کتاب ختم ہوئی ہے،

۳۴۔ وقائع نعمۃ امیر الامرا ناصر جنگ فی دیار التنگ، اس نام سے نظام الدین احمد نے عربی میں ایک رسالہ نواب ناصر جنگ کے کرناٹک میں آنے اور نواب مظفر جنگ پر فتح پانے کے حالات میں لکھا ہے،

۳۵۔ گلدستۂ کرناٹک، مؤلف کا نام حکیم باقر حسین خان ہے، کتاب کا موضوع کرناٹک کے فارسی شعراء کا تذکرہ ہے،

۳۶۔ جغرافیۂ علاقہ مدراس، مرتبہ سید شاہ ابو الحسن، یہ کتاب ۱۸۴۰ء میں بزبان اردو تالیف پائی ہے،

ان کتابوں کے علاوہ میسور اور سلطنت ہند پر جو کتابیں مخزون ہیں ان سے بھی تاریخ کرناٹک کے متعلق معلومات حاصل ہوئے ہیں، ان کی تفصیل اس وقت موجب تطویل ہوگی،

پنڈوہ اور لکھنوتی کے چند آثار

از جناب سید شاہ حسین الدین احمد صاحب سجادہ نشین خانقاہ منعمیہ ابو العلائیہ گیا

"حضرت مخدوم نور قطب العالم پنڈوی کا سلسلہ اس ناچیز تک تین چار سلسلوں کے واسطوں سے پہنچا ہے اسلئے پنڈوہ کی زیارت کا ایک مدت سے دل میں اشتیاق تھا حسن اتفاق کہ یہ دیرینہ تمنا اس سال ماہ رجب ۱۳۵۴ھ میں برآئی، اور پنڈوہ اور لکھنوتی وغیرہ کی زیارت سے مشرف ہوا، یہ شہر جو کبھی بنگال کے پایہ تخت تھے، آج ویران پڑے ہین تاہم وہ آج بھی اپنے عہد کے بڑے بڑے مشائخ کے ابدی خوابگاہ ہونے کی وجہ سے روحانی تسکین کا ذریعہ ہین، ذیل میں یہان کے چند آثار کے حالات پیش کئے جاتے ہین"،

"فقیر حسین الدین احمد منعمی ابو العلائی"

پنڈوہ کا راستہ، میں ۱۹ رجب یوم جمعہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء کو چند احباب و اعزہ کے ساتھ صبح کی ٹرین سے ساوتھ بہار ریلوے سے روانہ ہو کر بھاگلپور پہنچا، یہان تاتار پور کی مسجد مین نماز جمعہ ادا کی، بعدہٗ حضرت مولینا شاہ شہباز رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوا، یہان فرخ سیر کے وقت کی خانقاہ و مسجد کی عالیشان عمارتین ہین، تقریبًا پانچ ہزار روپیہ کی آمدنی بھی خانقاہ کے متعلق اوسی وقت سے وقف ہے، یہ بزرگ دراصل موضع (اوساس) دیورہ ضلع گیا کے رہنے والے تھے، بھاگلپور مین اب پورا خاندان آباد ہے، آپ کے خاندان کی مثل مشہور ہے "چڑے گھوڑا اوڑے باز پھر شہباز کا شہباز" ۴ بجے دن کو بی این ڈبلیو ریلوے کے ذریعہ تھانہ بہہ پور روانہ ہوا، ۸ بجے کٹیھار پہنچا، پھر کٹیھار سے ای بی ریلوے میں سوار ہو کر ۱۱ بجے شب کو ادینہ پہنچا، اور یہان سے بیل گاڑی پر ۲ بجے شب کو درگاہ

پنڈوہ پہنچا، یہان سے فراغت کے بعد لکھنوتی گیا،

لکھنوتی، | بنگال کے اسلامی عہد حکومت مین ابتداءً دو شہرون لکھنوتی اور پنڈوہ کو شہرت حاصل رہی ہو، انسائیکلو پیڈیا برٹینکا سے ظاہر ہوتا ہے کہ پال خاندان کے راجہ لکشمی نے گیارہوین صدی عیسوی مین بنگال کے ایک قدیم شہر گور کو اپنے نام پر لکھنوتی سے موسوم کرکے اسے راجدھانی بنایا، ۱۱۹۰ئہ مین قطب الدین ایبک کے ایک جنرل بختیار خلجی نے اوسے فتح کیا، اور لکھنوتی ہی دار السلطنت رکھا، اسوقت سے دو سو برس تک یہ مقام بنگال کا دار السلطنت رہا، اور بختیار خلجی اور اسکے ہمراہیوں اور جانشینوں نے یہان اپنی یادگارین مسجدین، دار العلوم اور خانقاہین بنوائین جن کے آثار آج تک یہان موجود ہین،

پنڈوہ، | پھر ہندوستان کی اسلامی تاریخ میں پنڈوہ کا نام اسوقت سے آتا ہے، جب ۷۵۴ھ مطابق ۱۳۵۳ء میں حاجی الیاس حاکم بنگالہ نے بادشاہ دہلی (سلطان فیروز شاہ) سے باغی ہوکر اپنا نام سلطان شمس الدین شاہ رکھا اور بنارس تک قبضہ کرکے پنڈوہ کو دار السلطنت بنایا، جو مالدہ کے قریب ہے، بادشاہ اوس کی سرکوبی کے لئے ملک بنگالہ پہنچا، اور چند لڑائیان لڑکر تمام ملک بنگالہ پر گذر گیا، بالآخر مسلمانون کے قتل کے مواخذہ سے بچنے کے لئے اوس سے صلح کرکے دہلی واپس آیا، بعد مراجعت بادشاہ شمس الدین شاہ نے پھر سر اوٹھایا، اور حاکم سنارگاؤن ملک فخر الدین کو مار ڈالا، بادشاہ کو خبر ملی تو دوبارہ ۷۶۰ھ مطابق ۱۳۵۹ء میں لکھنوتی پر چڑھ آیا، لیکن بادشاہ کے پہنچنے کے قبل شمس الدین شاہ مرچکا تھا، اوس کا بیٹا سکندر شاہ جانشین ہوا، اوس نے بادشاہ سے معمولی مقابلہ کے بعد چالیس (اور بہ روایت تاریخ فرشتہ ۴۸) ہاتھی اور کچھ زر نقد سالانہ پر صلح کرلی، انسائیکلوپیڈیا برٹینکا (طبع یازدہم) میں پنڈوہ کے متعلق ہے:-

"یہ مشرقی بنگال اور آسام کے صوبہ مالدہ کا ایک ویران شہر ہے، جو کسی زمانہ مین مسلمانون کا دار السلطنت تھا، یہ مالدہ کے شمال مشرق جانب سات میل پر اور دوسرے ایک بڑے ویران شہر گور (لکھنوتی) سے تقریباً بیس میل پر واقع ہے، گور کی آب و ہوا کے خراب ہونے کی وجہ سے اسکو نئے طور پر آباد کیا

گیا تھا، اور غالباً اسی کی وجہ سے اس کی وقعت بڑھ گئی تھی، بنگال کے پہلے خود مختار سلطان حاجی شمس الدین الیاس نے ۱۳۵۲ء میں گور کے بجائے پنڈوہ کو اپنا پایہ تخت قرار دیا، لیکن اس شہر کی سرسبزی صرف چند روزہ تھی، اسلئے کہ ۱۵۴۳ء میں پھر گور بنگال کا دار السلطنت ہوگیا، موجودہ زمانہ میں صرف ایک مسجد آدینہ باقی رہ گئی ہے، جو جیمس فرگسن کے خیال کے مطابق پٹھانوں کی باقی ماندہ عمارتوں میں ایک بہترین عمارت ہے، سکندر شاہ نے ۱۳۶۹ء میں اس عظیم الشان مسجد کی بنیاد رکھی تھی، گور کے مانند پنڈوہ بھی آج ویران جنگل ہے"

پنڈوہ کے اس اسلامی دور حکومت میں یہاں مسلمانوں کے مختلف تمدنی آثار قائم ہوئے جن میں سے بعض قدیم چیزیں جو موجود ہیں، یہ ہیں، بست ہزاری درگاہ (یعنی بڑی درگاہ جسکو اب بائیس ہزاری کہتے ہیں) درگاہ حضرت مخدوم نور قطب عالم، سنہری مسجد، اک لاکھی مقبرہ، عالیشان و دلکش آدینہ مسجد،

بائیس ہزاری درگاہ، یہ دراصل حضرت مخدوم شیخ جلال الدین تبریزیؒ کا چلہ ہے، اس میں ایک لاکھ بگھہ زمین وقف ہے، آپ کا زمانہ حضرت مخدوم علاء الحقؒ سے پہلے گذرا ہے، صاحب اخبار الاخیار لکھتے ہیں، کہ انکے مناقب کتب چشتیہ میں بہت کچھ مندرج ہیں، فوائد الفواد میں حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ سے منقول ہے، کہ شیخ جلال الدین تبریزی شیخ ابو سعید تبریزی کے مرید تھے، اپنے پیر کی وفات کے بعد حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور ایسی خدمت کی کہ کسی مرید یا غلام سے ویسی خدمت بن نہ آئی، شیخ کی خدمات انجام دینے کے سلسلہ میں بعض خارق عادت کرامات بھی تذکروں میں قلمبند ہیں،

شیخ جلال الدین تبریزیؒ کو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ اور شیخ بہاء الدین زکریا ملتانیؒ سے بہت محبت و مودت تھی، چنانچہ اس کا تذکرہ بزرگان چشت کی کتابوں میں موجود ہے، اور دہلی میں آپ کے قیام کا یہی سبب ہوا، مگر دہلی کے زمانہ قیام میں ان سے شیخ الاسلام شیخ نجم الدین صغری کو کچھ

شکر رنجی ہوگئی، اور انہی وجوہ سے مجبوراً آپ کو دہلی چھوڑ کر بنگالہ کی طرف روانہ ہونا پڑا جس کا تذکرہ صاحب سیر المتاخرین نے بھی کیا ہے، (جلد ا صلـ۲۳) ان دونوں کے تعلقات سے متعلق تذکروں میں بعض واقعات درج ہیں، نیز انہی میں آپ کے مفصل سوانح حیات و کرامات وغیرہ ہیں،

صاحب اخبار الاخیار کی روایت کے موجب آپ کا مزار بنگالہ میں ہے، مگر یہاں پنڈوہ میں مزار کا کوئی نشان موجود نہیں، یہاں ان دنوں آپ کا صرف وہی چلہ ہے، جو بائیس ہزاری درگاہ کے نام سے موسوم ہے، پھر صاحب سیر المتاخرین کی یہ روایت نظر سے گذری، کہ آپ بندر دیو محل میں مدفون ہیں، (جلد ا صلـ۲۳)

اس بائیس ہزاری درگاہ میں متعدد پختہ عمارتیں ہیں، منجملہ اون کے ایک عمارت اندر سے مسجد نما بنی ہوئی ہے، اس میں پیش امام کے مصلے کی جگہ پر ایک چبوترہ چار انگشت اونچا مصلی کی شکل کا بنا ہوا ہے، جسکو قدم رسول کی جگہ کہا جاتا ہے، مگر اب یہاں پر قدم رسول کا بھی کوئی نشان موجود نہیں ہے، اوس کے لئے دوسری جگہ ہے، اسی مسجد نما کمرے میں پورب اوتر کے گوشہ میں ویسا ہی ایک دوسرا چبوترہ مصلی نما بنا ہوا ہے، جس کو حضرت شیخ الشیوخ شیخ شہاب الدین سہروردی کا چلہ کہا جاتا ہے، اس کے باہر سیاہ پتھر پر حسب ذیل کتبہ ہے،

"چو ایں عالی عمارت یافت ترتیب شدہ تاریخ، روشن آستان باد
۱۰۵۷ھ
بسم اللہ الرحمن الرحیم، یا اللہ یا اللہ وسنہ یا اللہ، این عمارت حضرت
شاہ جلال پشت وارہ کند،،

صحن مسجد سے اوتر ایک دوسری عمارت ہے، جس میں دالان کے بعد ایک کوٹھری میں مصلا نما چبوترہ ہے، جناب شاہ نعمت اللہ صاحب اسکو حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کا چلہ بتاتے ہیں، اس کے باہر کا دالان صوفی خانہ کے نام سے موسوم ہے، یہاں کے متولی سید محمود المظفر الموسوی ہیں، حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی نسبت سے اپنے کو موسوی کہتے ہیں، یہ علی گڈھ کے تعلیم یافتہ، روشن خیال، خوش عقیدہ جوان صالح ہیں،

مقبرۂ حضرت اخی سراج الدین عثمانی، حضرت اخی سراج الدین عثمانی کا مولد و مدفن دونوں لکھنوتی ہی ہے (جسے اب پھر گور کہا جاتا ہے) مورخین کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ اخی سراج کے آبا واجداد کا موروثی مکان لکھنوتی میں تھا، ابتدائی تعلیم کا زمانہ وہین بسر ہوا، پھر تحصیل علم و عرفان کیلئے دہلی پہنچے، وہان پہنچکر آپ حضرت محبوب الٰہی سید نظام الدین اولیا کے حلقۂ عقیدت مین داخل ہوئے، پھر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کے حضور میں حاضر ہو کر شرف بیعت سے سرفراز ہوئے، حضرت بابا نے بیعت ہی کے وقت فرمایا، اس راہ میں سب سے پہلا درجہ علم کا ہے، چنانچہ آپ حضرت مولینا فخر الدین زرادی کی خدمت میں جن کا اسوقت دہلی میں طوطی بول رہا تھا، حاضر ہو کر علم حاصل کرتے رہے، مولانا نے ان کے واسطے ایک کتاب علم صرف میں عثمانی تصنیف کی، اسکے بعد اس زمانہ کے جید عالم و اہل باطن مولینا رکن الدین سے کافیہ، مفصل اور قدوری، مجمع البحرین وغیرہ پڑھی، ابھی علوم شرعی سے فراغت بھی نہ ہوئی تھی، کہ آپ کے پیر حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر نے انتقال کیا، اور انتقال کے وقت سلطان المشائخ سید نظام الدین اولیا سے حضرت نے ان کو خرقۂ خلافت عطا فرمانے کے لئے ارشاد فرمایا، چنانچہ پھر آپ حضرت محبوب الٰہی سلطان اولیا کی خدمت میں کامل تین برس تک حاضر رہ کر تعلیم پاتے رہے، خرقۂ خلافت و اجازت کے حصول کے بعد مقام لکھنوتی تشریف لائے، اور مخدوم شاہ علاء الحق پنڈوی کو مرید کرکے اپنا خلیفہ اور جانشین قرار دیکر ۷۶۲ھ مین انتقال فرمایا،

آپ کا مزار لکھنوتی مین ہے، آپ کے مقبرہ میں اس وقت دو قبرین ہین، نقل ہے، کہ پیر سے کچھ کپڑے بطور تبرک آپ کو ملے تھے، آپ نے اپنے خادمون سے فرمایا کہ ان تبرکات کو زمین میں قبر کی صورت بنا کر دفن کر دو، اور اوسی قبر کے پائین مین مجھے بھی دفن کرنا، چنانچہ دونون قبرین اسوقت تک موجود ہین، آپ کے مزار پر عمارتین نصرت شاہ بن حسین شاہ کی بنوائی ہوئی ہیں، اس زمانہ مین اس مقام کو سعد اللہ پور کہتے تھے، ان دنون پیران پیر کے نام سے مشہور ہے، مالدہ اسٹیشن سے تقریبًا آٹھ میل پر واقع ہے،

جامع مسجد سعد اللہ پور، سعد اللہ پور میں ایک مسجد جامع بھی ہے، جسے سلطان محمود بن سلطان علاء الدین حسین نے تعمیر کرایا ہی، (ریاض السلاطین ص ۱۲۲)

مقبرہ حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی بن عمر بن اسعد لاہوری عمر بن اسعد بنگالہ کے امراے وقت میں تھے، بلکہ آپ کے کل اقربا و اعزا امرائے سلطنت بنگالہ سے تھے، صاحب اخبار الاخیار نے مخدوم علاء الحق کو ابن اسعد لاہوری لکھا ہے، مگر اور مورخین ابن عمر بن اسعد لاہوری لکھتے ہیں، اور سیر المتاخرین میں صرف عمر اسعد چھپا ہے (جلد ا ص ۳۴۴) اور انکے بیان کے مطابق آپ کے آبا و اجداد لاہور کے رہنے والے تھے، مگر والد بزرگوار کے قیام بنگال کی وجہ سے حضرت مخدوم بنگال ہی میں پیدا ہوئے، عہد طفولیت مین والد ہی کی آغوش عاطفت مین پرورش پائی، جب سن تمیز کو پہنچے تو تحصیل علوم کی طرف متوجہ ہوئے، اس وقت بنگالہ علم و فن کا مرکز بنا ہوا تھا، کچھ تو اساتذہ کی شفقت، اور کچھ اپنی جودت طبع و خدا داد ذہانت سے تھوڑے ہی زمانہ میں تبحر علمی سے مالا مال ہوئے، تکمیل علوم کیساتھ ہی تعلیم و تدریس کا مشغلہ جاری رہا، دور دور سے طلبہ حصول علم کی غرض سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور دولت علم سے مالا مال ہو کر واپس جاتے،

کلمات الواصلین ملفوظا حضرت سید شاہ غلام حسین دانا پوریؒ میں ہی کہ شان و شوکت سے زندگی بسر فرماتے تھے، فرش مکلف، اس پر صدر میں چاندی کی چوکی بچھی رہتی، اس پر مسند بچھا کر آپ رونق افروز ہوتے، طلبہ و وابستگان دامن دولت فرش پر آکر بیٹھتے، دنیاوی شان و شکوہ سے فقر و فاقہ مستی کی طرف آنے کے واقعات بہت پر لطف ہیں، لیکن افسوس کہ یہ انکی تفصیل کا موقع نہیں، الغرض حضرت محبوب الٰہی سلطان المشائخ نظام الدین اولیاؒ حضرت کی فقیری و درویشی کا باعث ہوئے، اور حضرت اخی سراج الدینؒ کو دہلی سے پنڈوہ بھیج کر انھیں ان کا مرید کرایا، پھر ان کے شیخ نے ان کی زندگی ہی بدلدی ریاضات و مجاہدات میں مصروف ہوگئے، اور اپنے شیخ کی صحبت سے فیض اوٹھا کر خود شیخ وقت بنکر اٹھے، اور ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین بنے، آپکے سوانح اخبار الاخیار و تذکرۃ الکرام وغیرہ میں مفصل مذکور ہیں،

سنہ۸۰۰ھ میں پنڈوہ میں آپ کا وصال ہوا، وصال کے وقت آپ نے فرمایا کہ ایک سید تشریف لائے ہیں، میرے جنازے کی نماز وہی پڑھائیں گے، چنانچہ حضرت مخدوم سید جلال الدین جہانیان جہان گشتؒ نے پہنچکر کل مراسم تجہیز و تکفین ادا کئے، اور نماز جنازہ پڑھائی، اور حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم کو آپ کا جانشین بنایا، چندے بپاس خاطر حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم وہیں پنڈوہ میں مقیم رہے، (آئینۂ اودھ ص۱۲۹)

حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوئی کا مزار پنڈوہ میں بڑی مسجد سے دکھن اور تالاب سے پچھم واقع ہے، آپ کے گیارہ صاحبزادے اور چار صاحبزادیاں تھیں چار دن صاحبزادیوں کی قبریں بھی حضرت مخدوم علاء الحقؒ کے مزار سے متصل بہ سمت مشرق واقع ہیں،

حضرت مخدوم علاء الحق کی اہلیہ محترمہ حافظ بی بی جمال تھیں، کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت مخدوم سید بدر الدین پیر بدر عالم بہاری کی بہن تھیں، مگر کسی کتاب سے اس کا ثبوت نہ مل سکا، انکا مزار حضرت مخدوم کے پائین میں احاطہ سے نیچے سیڑھی کے پچھم واقع ہے[1]

چلہ حضرت جہانیان جہان گشت، یہاں حضرت مخدوم علاء الحق جہانیان جہان گشتؒ کا چلہ بھی بڑی مسجد سے پورب اور تالاب سے اتر، اور پچھم گوشہ پر واقع ہے، جو آجتک زیارت گاہ خاص و عوام ہے، سچ کہا ہے کسی نے، ؎

برزمینے کہ نہادی قدم ناز ہمان، سجدہ گاہ صنم گبر و مسلمان شد نیست

مقبرہ حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم پنڈوی، حضرت مخدوم شاہ نور الدین احمد معروف بہ نور قطب عالم پنڈویؒ، حضرت مخدوم شاہ علاء الحق پنڈوئیؒ کے خلف الرشید اور خلیفہ و جانشین تھے، آپکے بہ کثرت خارق عادت حالات بیان کئے جاتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ آپ کی ولادت کے قبل بغداد شریف سے ایک بی بی

[1] آپ کے دو خلفاء سے ہندوستان میں آپ کا سلسلہ زیادہ پھیلا ہے، اول حضرت مخدوم نور قطب عالم اور دوسرے حضرت مخدوم سلطان سید اشرف جہانگیر سمنانی کچھوچھوی، انکے علاوہ سید عطاء اللہ بغدادی (بن حسین بن علا بن سلطان ابن ابراہیم گیسو دراز) کے واسطہ سے بھی مجھے سلسلہ پہنچا ہے یعنی یہ بھی حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کے خلیفہ و مجاز تھے،

تشریف لائین، اور انھون نے بیان کیا کہ میں حضرت غوث الثقلین قطب ربانی مولانا محی الدین سید عبد القادر جیلانی کے خاندان سے ہون، مجھے بشارت ہوئی کہ بنگالہ میں ایک نور روشن ہونے والا ہے، اس کی پرورش تیرے سپرد ہے، چنانچہ کچھ دنون رہنے کے بعد حضرت نور قطب العالم اپنی والدہ ماجدہ کے بطن سے پیدا ہوئے، ولادت ہی کے وقت آپ کی والدہ ماجدہ کا انتقال ہوگیا، اور طفل نوزائیدہ کی پرورش بغدادی بی بی صاحبہ کے سپرد ہوئی، بغدادی بی بی رحمہا اللہ کا مزار تالاب نکل کر درگاہ پر آنے کے راستہ کے گوشہ میں واقع ہے، ابتدائی فارسی و عربی تعلیم کے بعد شیخ حمید الدین کنج نشین سے علوم کی تحصیل کی، سلطان غیاث الدین بنگالہ ہمسبق تھا، ریاض السلاطین حصہ دوم صفحہ ۱۰۸ میں ہے کہ

"سلطان غیاث الدین (ابن سکندر شاہ ابن شمس الدین الیاس شاہ) از ابتدائے حال

باحضرت نور قطب عالم قدس اللہ سرہ اعتقاد تمام داشت و ہمعمر و ہم سبق بودند، چنانچہ ہر دو

بخدمت شیخ حمید الدین کنج نشین ناگوری کسب علم نمودہ بودند"

تحصیل و تکمیل علوم ظاہرسے فرصت ہوئی، تو ریاضات و مجاہدات کی طرف متوجہ ہوئے خصوصاً آپ نے مجاہدات نفسی بہت کئے ہین کئی برس تک اپنے پیر و مرشد یا والد بزرگوار کی خانقاہ میں جاروب کشی و ہیزم کشی وغیرہ کی خدمت انجام دیتے رہے، (ریاض السلاطین و رفیق العارفین ملفوظ حضرت شاہ حسام الدین مانکپوری و اخبار الاخیار وغیرہ)

حضرت نور قطب عالم کا وصال ۹ ذیقعدہ ۸۱۳ھ مین ہوا ہے، اور بعض روایات کے اعتبار سے ۸۱۸ھ اور سیر المتاخرین کے بیان کے بموجب ۸۵۱ھ مین،

آپ کے مزار کے چارون گوشہ پر چار مینار بلند ہین، جن میں شامیانہ کی ڈور باندھی جاتی ہے، اور پانچوان مینار سرھانے ہے، جو چراغدان کے کام مین آتا ہے، اسمیں ذیل کی عبارت کندہ ہے:

"تاریخ شہر ربیع الاول سنہ ہزار و بست کمترین گدا ابن خان الملکت پریزاد خان، این

ستون را بملک ہسپانیہ آباستانہ حضرت برہان الحق والدین شیخ نور قطب عالم بہ نذر فرستاد"

یہ پانچون ستون بظاہر سُرخ رنگ کے ہین، مگر ہاتھ سے رگڑنے سے ہاتھ زرد ہو جاتا ہے، کہا جاتا ہی کہ یہ مینارے زبرجد کے ہین،

صاحبزادون کے مزار، آپ کے خلفار میں دو خلیفے جلیل القدر ہوئے، اور ان دونون سے آپ کا سلسلہ بہت شائع ہوا، اول مخدوم سید شاہ فرید الدین طویلہ بخش بہاری[1] اور دوسرے حضرت مخدوم شاہ حسام الدین مانکپوری حضرت نور قطب عالم کے دو صاحبزادون کا تذکرہ اخبار الاخیار مین ہے، بڑے مولانا شیخ رفقہ الدین نہایت بزرگ و متواضع و منکسر و صاحب حال تھے، دوسرے مولانا شیخ انور دونون کے مزار والد بزرگوار کے پایئن میں ہین،

مزار شیخ زاہد، حضرت مخدوم مولانا شاہ زاہد نبیرہ حضرت نور قطب عالم مرید و مسترشد حضرت شیخ حسام الدین مانکپوری کے متعلق عوام مین مشہور ہے، کہ مولانا شیخ انور کے صاحبزادے ہین، مگر ریاض السلاطین کی عبارت بتلاتی ہے، کہ مولانا شیخ انور کے برادر زادہ ہین یعنی مولینا رفقہ الدین کے صاحبزادہ ہیں، آپکا مزار حضرت مخدوم قطب العالم کے مزار سے دکھن جنبی دروازہ کی راہ کے بعد دوسرے احاطہ مین ہی،

---

[1] حضرت مخدوم سید شاہ فرید الدین طویلہ بخش بہاری، ابن سید ابراہیم ابن سید جمال اولیا ابن سید محمد بداونی، ابن سید علی بخاری جد حضرت محبوب الٰہی قدس سرہ حضرت محبوب الٰہی کے والد بزرگوار سید احمد بداونی و سید محمد بداونی، دونون حقیقی بھائی تھے، صاحب فخر الانساب صفحہ ۱۲۲ میں فرماتے ہین، کہ حضرت سلطان المشائخ محبوب الٰہی کے دہلی پہنچنے کے قبل آپ کے حقیقی بھائی سید محمد جمال الدین نے قصبہ بدایون مین ایک لڑکا سید ابراہیم چھوڑ کر انتقال فرمایا، اور یہ لڑکا تربیت میں حضرت محبوب الٰہی کے پرورش پایا، حضرت مخدوم اخی سراج الدین جب بنگالہ تشریف لائے تو ان کے ہمراہ سید ابراہیم بھی آئے، یہان حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی نے اپنی سالی سے ان کی شادی کر دی، صاحب مخزن الانساب لکھتے ہین :-

مسجد حضرت مخدوم نور قطب عالم، حضرت نور قطب عالم کے مزار سے اوتر ایک چھوٹی فناتی مسجد ہے جو انکی وفات کے بعد سلطان شمس الدین ابوالمظفر یوسف شاہ کے عہد میں ۸۲۴ھ میں تعمیر کی گئی، اس مسجد پر حسب ذیل کتبہ کندہ ہے:۔

(کتبہ مسجد بالین حضرت مخدوم نور قطب عالم،)

"قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم من بنی مسجداً بنی اللہ لہ قصراً فی الجنۃ

بنی ھذا المسجد فی عھد السلطان العادل شمس الدنیا والدین ابوالمظفر

یوسف شاہ سلطان ابن السلطان محمود شاہ سلطان خلد اللہ ملکہ

وسلطنتہ فی سنۃ ثمانمائۃ اربع عشرین رجب"

اک لاکھی مقبرہ، اک لاکھی مقبرہ میں بنگال کا سلطان جلال الدین مدفون ہے، اس علاقہ کا ایک ہندو زمیندار کنس نامی تھا، اس نے سلطان شمس الدین کے بعد آہستہ آہستہ اپنا اقتدار بڑھانا شروع کیا، پھر سلطان شمس الدین ثانی کے انتقال کے بعد ۸۱۷ھ میں راجہ بن بیٹھا مسندِ حکومت پر بیٹھ کر ظلم و سفاکی کرنے لگا، حضرت

(بقیہ حاشیہ ص ۱۳۱) "سید ابراہیم ہمراہ حضرت اخی سراج رحمۃ اللہ علیہ بہ لکھنوتی آمد، و در آنجا رسم از دواج ادائے نمود و با ہمشیرۂ زوجہ حضرت شیخ علاء الحق پنڈوہ کتخدا گردید، وے را یک پسر سید اشد مخدوم شیخ فریدالدین طویلہ بخش کہ حضرت ایشان در بہار بمحلہ چاند پورہ حسب لایت چشتیان اقامت پذیرفتند"

حضرت مخدوم سید فریدالدین طویلہ بخش کی شادی حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کی صاحبزادی سے ہوئی، انھیں سے اولاد ہوئی، آپ حضرت مخدوم شاہ نور قطب عالم کے مرید و خلیفہ تھے، آپ سے بھی بہت سلسلہ پھیلا ہے، بہار محلہ چاند پورہ میں آپ کا مزار مرجع خاص و عام ہے، ۸۵۹ھ میں وصال ہوا ہے،

حضرت مخدوم علاء الحق پنڈوی کے دوسرے داماد مولینا تاج الدین اسپجانی تھے، آپ کا بہت مختصر تذکرہ اخبار الاخیار ص ۱۵۵ میں زیر تذکرہ شیخ سنحائی مندرج ہے،

نور قطب عالمؒ نے یہ رنگ دیکھ کر سلطان ابراہیم شرقی کو خط لکھا، وہ آپ کی طلبی پر جونپور سے روانہ ہوا، کنس یہ سن کر گھبرایا، اور پریشان خاطر ہو کر حضرت مخدوم کی خدمت میں حاضر ہوا کہ کسی طرح سلطان ابراہیم سے اس ملک کو بچایئے، حضرت نے فرمایا کہ وہ تو میرے اشارہ ہی سے آرہاہے، میں کچھ نہیں کرسکتا بجز اس کے کہ تو مسلمان ہو جا، اوس نے اس کو بھی منظور کیا، مگر اسکی بیوی مانع ہوئی، بالآخر کنس نے اپنے دوازدہ سالہ لڑکے جدوؔ[1] نامی کو لاکر پیش کیا کہ اسے مسلمان کرکے تخت سلطنت پر بٹھایئے، میں دست بردار ہو کر گوشہ گیر ہوتا ہون، چنانچہ حضرت نے اسکو مسلمان کرکے جلال الدین نام رکھا، اوسی وقت منادی کردی گئی، اور خطبہ سلطنت اس کے نام کا پڑھا گیا، اور سلطان ابراہیم شرقی واپس گیا، اسکے بعد کچھ دنون تک تو امور شرع کی تبیع سلطنت رہی، پھر جب کنس نے سلطان ابراہیم شرقی کے انتقال کی خبر سنی، تو اس نے جلال الدین کو معزول کرکے سلطنت کی باگ سنبھال لی، اور چاہا کہ جلال الدین بھی دین و مذہب سے پھر جاے، مگر وہ اس پر آمادہ نہیں ہوا، اور کنس نے مسلمانون پر پھر ظلم وستم شروع کر دیا، اور خصوصاً آپ کے خادمون اور متعلقین پر مظالم ڈھانے لگا، یہان تک کہ خانقاہ کا اسباب و اثاثہ لوٹ لیا، آپ کے صاحبزادے شیخ انور اور آپکے نبیرہ شیخ زاہد کو گرفتار کرکے سنار گاؤن لے گیا، اور وہان شیخ انور کو قتل کرادیا، لیکن تائید ایزدی سے اس اثنا میں خود اسکی قضا آپہنچی، اس کے بعد پھر جلال الدین نے تخت سلطنت پر جلوس کیا، اور حضرت شیخ زاہد کو سنار گاؤن سے بلاکر اعزاز و احترام سے جگہ دی[2]،

جلال الدین نے سترہ سال تک پنڈوہ میں سلطنت کی، اور ۸۱۲ھ میں وفات پائی، کہا جاتا ہے، کہ اس کی وفات کے بعد اس کے خاندان والون نے ایک لاکھ کی لاگت سے پنڈوہ میں اوس کا مقبرہ

---

[1] تاریخ فرشتہ میں اس لڑکے کا نام جن مل ہی، [2] یہ تفصیلات ریاض السلاطین سے ماخوذ ہیں، فرشتہ مین بھی راجہ کنس کا سرسری ذکر آیا ہی، اسکے بیان کے مطابق اس نے خود اسلام قبول کرلیا تھا لیکن دل سے مسلمان نہیں ہوا تھا اسکے بعد جلال الدین نے سچے دل سے اسلام قبول کیا،

بنوایا، اسی مناسبت سے اِک لاکھی مقبرہ کے نام سے مشہور ہوا، مقبرہ میں اسکی بیوی اور لڑکے کی قبریں بھی اس کے پہلو میں ہیں، (ریاض السلاطین،)

سونا مسجد، اِک لاکھی مقبرہ کے بائیں جانب ایک بہت وسیع مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے، لوگ اسے سونا مسجد کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ اس کی چھت کسی زمانہ میں سونے کی تھی، یا اس پر سنہری قلعی تھی، اسوقت چھت موجود نہیں ہے، صرف ننگی دیواریں کھڑی ہیں،

آدینہ مسجد، آدینہ مسجد پنڈوہ کے مشہور آثار میں ہے، اس کو الیاس شاہ کے بیٹے سکندر شاہ نے ۷۶۶ھ میں تعمیر کرایا تھا (ریاض السلاطین ص۱۰۰) سکندر شاہ کا مزار بھی مسجد کے بغل میں واقع ہے، مسجد کی عمارت عالیشان اور دلکش ہے، اور اسوقت تک اچھے حال میں ہے، انسائیکلو پیڈیا برٹینکا کے اقتباس بالا میں اسی کا ذکر آیا ہے،

سیرۃ النبی جلد پنجم

اس جلد کا موضوع عبادات ہے، اس میں پہلے عبادت کی حقیقت اور اس کے انواع و اقسام کا بیان ہے، پھر فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، اور جہاد میں سے ہر ایک پر علیحدہ علیحدہ سیر حاصل بحثیں ہیں، پھر توکل، صبر، اخلاص، تقوی، اور شکر کے معانی و مطالب قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائے گئے ہیں،

تقطیع کلان، ضخامت ۳۰۰ صفحات، قیمت قسم اعلیٰ ۵ٰ؎ قسم دوم للعہ

چینی مسلمان

چین کے مسلمانوں کا تعلق آغاز اسلام سے رہا ہے، اس زمانہ میں بھی کروروں مسلمان وہاں آباد ہیں، وہاں کے مسلمانوں کے مستند مذہبی اخلاقی، تمدنی سیاسی اور اقتصادی حالات کا ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے ہندستانی زبان میں لکھے ہیں کہ مسلمانانِ ہند اپنے ان دورافتادہ بھائیوں کے حالات سے آگاہ ہوں ضخامت ۲۰۴ صفحے قیمت صرف عہ، "منیجر"

تلخیص و تبصرہ

جامعۂ طہران کا شعبۂ دینیات و فلسفہ

رسالہ مسلم ورلڈ امریکہ بابت ماہ جنوری ۱۹۳۶ء میں جامعہ طہران کے شعبۂ دینیات و فلسفہ پر ایک مقالہ شائع ہوا ہے، اس کی تلخیص درج ذیل ہو:-

رضا شاہ پہلوی کے فرمان کے بموجب سپہ سالار کلیۃ دینیہ جو مسجد سپہ سالار، طہران میں قائم تھا، جامعہ طہران کا شعبۂ دینیات و فلسفہ قرار دیدیا گیا ہی، جامعہ طہران ایران کی وزارت تعلیم کی جدید یونیورسٹی ہے (جس کے بنا و تاسیس کے حالات معارف جلد ۳۴ نمبر ۳ ستمبر ۱۹۳۴ء میں شائع ہو چکے ہیں) ۱۸۷۹ء (۱۲۹۶ھ) میں حاجی مرزا حسین خان سپہ سالار نے ایک مسجد اور اس کے اندر مدرسہ کے قیام کے لئے کچھ زمین اور سرمایہ وقف کر دیا تھا، اور اس وقف کا متولی شاہ ایران کو قرار دیا تھا، تعمیر کا کام شروع ہونے کے چند ہی دنوں بعد حاجی مرزا حسین خان کا انتقال ہو گیا، لیکن ان کے انتقال کے بعد بھی سات سال تک تعمیر کا سلسلہ ان کے ایک بھائی یحییٰ خان مشیر الدولہ کے زیر نگرانی جاری رہا، تاہم اس طویل مدت میں تعمیر مکمل نہ ہو سکی، اور یحییٰ خان کی وفات کے بعد یہ نامکمل ہی رہ گیا، تقریباً چالیس۴۰ سال کے بعد ۲۱ جنوری ۱۹۳۱ء کو رضا شاہ پہلوی نے وزارت تعلیم کو حکم دیا کہ اس مدرسہ کی از سر نو تنظیم کی جائے، اور عمارت مکمل کر دی جائے، چنانچہ اسی سال ایک جدید نصاب تعلیم مرتب کیا گیا، جس میں ثانوی تعلیم کے لئے چھ۶ سال اور اعلیٰ تعلیم کے لئے تین۳ سال کی مدت مقرر کی گئی، داخلہ کے لئے مقابلہ کے امتحانات رکھے گئے، اور پہلے سال تیس۳۰ امیدواروں کو داخل کیا گیا جنہیں سے ۵ اکے لئے ایک سو بیس۱۲۰ ریالی ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا ہی اور تعلیم بلا معاوضہ رکھی گئی ہی،

وزارتِ تعلیم کے اس جدید نظام سے ان حالات کی بہت کچھ اصلاح ہوگئی، جو اس سے پیشتر موجود تھے، پہلے باوجود اس کے کہ کلیہ سپہ سالار میں دینیات کے طلبہ رہتے اور تعلیم پاتے تھے، تعلیم کا کوئی باقاعدہ نصاب نہ تھا، اور نہ داخلہ اور تکملہ کے امتحانات مقرر تھے، مختلف اساتذہ وقتاً فوقتاً درس دیا کرتے تھے، اور درس کی شرکت کے لئے بھی طلبہ پر کوئی پابندی نہ تھی، اب یہ تمام باتین جدید نظام نے بدل دی ہین، کلیۂ دینیہ مین نہ صرف تعلیم کا نصاب باقاعدہ طور پر مرتب کر دیا گیا ہے، بلکہ دوسری بے عنوانیان بھی موقوف ہوگئی ہین، مثلاً پہلے مسجد کی عمارتوں میں بہتیرے ایسے طلبہ رہتے تھے، جو کلیہ دینیہ میں تعلیم حاصل نہ کرتے، بلکہ غیر مذہبی مدرسوں میں جاتے تھے، حالانکہ ان میں سے بعض کو کلیہ کے وقف سے تعلیمی وظائف بھی دیئے جاتے تھے، وزارتِ تعلیم نے مسجد اور اسکی عمارتون کو اپنی نگرانی میں لینے کے بعد پہلا کام یہ کیا، کہ اُن تمام لوگون کو جو وہان رہتے تھے، نکال دیا، اور پھر عمارتون کی مرمت اور اس کے مختلف حصون کی تکمیل کا کام جاری کر دیا، کلیہ کے بانی نے تقریباً چار ہزار کتابین جنمیں بہت سے بیش قیمت قلمی نسخے بھی تھے، مدرسہ کے لئے وقف کر دی تھیں، وزارتِ تعلیم نے ان کتابون کی ایک فہرست مرتب کرا دی ہے اور جدید کتابون کا اضافہ بھی کیا ہے،

۱۹۳۴ء میں جامعہ طہران کے قائم ہونے پر سپہ سالار کلیہ دینیہ کے نصاب تعلیم پر نظر ثانی کی گئی، اور یہ کلیہ جامعہ طہران کا شعبہ دینیات و فلسفہ قرار پایا، اسمیں دینیات، فلسفہ، اور ایران و عرب کے ادب کی تعلیم دی جاتی ہے، پوری تعلیم کی مدت نوسال ہے، جو تین تین سال کے تین دورون مین تقسیم ہے، پہلا ابتدائی دور وزارتِ تعلیم کے ثانوی مدارس کے دوسرے دور کے برابر ہے، جو طلبہ شعبۂ دینیات و فلسفہ کے پہلے دور میں داخل ہونا چاہتے ہیں، انھیں ثانوی مدارس کے پہلے دور کی سند حاصل کرنا ضروری ہے، پہلے تین سال کی تعلیم حقیقۃً جامعہ کی تعلیم میں شامل نہیں ہے، بلکہ یہ مدت شعبۂ دینیات کے داخلہ کی تیاری کے لئے رکھی گئی ہے، چنانچہ کلیہ دینیہ کے داخلہ کے لئے ضروری ہے کہ دینیات کے اس ابتدائی

دور کی سند حاصل ہو چکی ہو،

کلیہ کی اعلیٰ تعلیم کے طلبہ اپنے لئے ان تین مضامین مین سے کوئی ایک مضمون منتخب کر لیتے ہین یعنی دینیات، فلسفہ اور ادب تین سال کی تعلیم کے بعد ان مین سے ہر مضمون مین ایک آخری اور جامع امتحان ہوتا ہے، جو طلبہ اس امتحان میں کامیاب ہوتے ہین، انھین اپنے شعبہ کی سند فراغ مل جاتی ہے، یہ سند جامعہ کے دوسرے شعبون کی سند فراغ کے برابر ہوتی ہے، جو لوگ کلیہ دینیہ کے آخری تین سال کے دور میں بھی شریک ہوتے ہین، اور اس کے آخری امتحان میں کامیاب ہو جاتے ہین ان کو وہ سند ملتی ہے، جو جامعہ کے دوسرے شعبون کے ڈاکٹر (فاضل) کی سند کے برابر ہوتی ہے، چنانچہ جو لوگ اس آخری دور کی تکمیل دینیات میں کرتے ہین، ان کو فقیہ کی سند ملتی ہے، جو فلسفہ میں کرتے ہین، انھین حکیم کی، اور جو ایرانی اور عربی ادب میں کرتے ہیں، انھیں ادیب کی سند ملتی ہے،

سند فراغ حاصل کرنے والے حکومت ایران کے کسی ثانوی مدرسہ مین اپنے مضمون کے اُستاذ مقرر ہو سکتے ہیں، اسی طرح فضیلت کی سند حاصل کرنے والے اپنے مضمون کے استاد جامعہ میں مقرر ہو سکتے ہین، اگر فضیلت کی سند رکھنے والون نے شاہی کلیہ اساتذہ (اسٹیٹ ٹیچرس کالج) سے فن تعلیم کی سند بھی حاصل کر لی ہے، تو تقرر کے وقت انھین کو ترجیح دیجاتی ہے،

معمولی درسون اور امتحانون کے علاوہ ہر مضمون میں اساتذہ مختلف طلبہ کے لئے مختلف موضوع منتخب کر دیتے ہین جن پر وہ مقالات لکھ کر بحث و مباحثہ کے لئے اساتذہ اور اپنے ہمدرسون کے سامنے پیش کرتے ہین، اسی طرح ہر دور کے آخر میں آخری امتحانات کے علاوہ امیدوارون کو کسی خاص موضوع پر ایک مقالہ بھی پیش کرنا پڑتا ہے،

اس جدید نظام کے جاری ہونے کے بعد پہلی بار جون ۱۹۳۴ء میں سند فراغ کے آخری امتحان میں طلبہ شریک ہوئے، اور ۱۹۳۵ء میں شرکت کرنے والون کی تعداد ستائیس تک پہنچ گئی، ابھی تک فضیلت

کے امتحان کے لئے کوئی طالب علم تعلیم کی پوری مدت ختم نہین کر سکا ہی،

اسوقت شعبۂ دینیات و فلسفہ مین چودہ [۱۴] اساتذہ ایسے ہین، جو پورا وقت تعلیم مین دیتے ہین، اور آٹھ ایسے ہین، جو کچھ وقت دیتے ہیں، یہ لوگ اپنی علمی لیاقت اور سابق تجربہ کی بناپر منتخب کئے گئے ہین، جہانتک علمی لیاقت اور معلومات کا تعلق ہے، اس شعبہ کی حیثیت بہت بلند ہے،

شعبۂ دینیات و فلسفہ مین جن مضامین کی تعلیم ہوتی ہے، وہ حسب ذیل ہین، اس فہرست میں صرف آخری چھ سال کے دو [۲] دوروں کا نصاب درج ہے، ابتدائی دور میں جو پہلے تین [۳] سال پر مشتمل ہی منجملہ دیگر مضامین کے ایرانی زبان و ادب، عربی قواعد، زبان و ادب، تاریخ ایران، مبادیات فقہ اصول فقہ، خطابت اور کچھ ریاضیات کی تعلیم دی جاتی ہی،

۱- شعبۂ دینیات

وہ مضامین جو پہلے سہ سالہ دور میں پڑھائے جاتے ہیں:-

(۱) فقہ، (۲) اصول، (۳) کلام، (۴) تفسیر، (۵) علوم ادبیہ (عربی زبان کی تعلیم، عربی قواعد اور بلاغت، عربی نظم، کچھ ایرانی ادب) (۶) علوم درایت (احادیث کی جرح و تعدیل) (۷) منطق و فلسفہ الٰہیات، (۸) تاریخ ادب عربی، (۹) فرانسیسی زبان،

وہ مضامین جو دوسرے سہ سالہ دور مین پڑھائے جاتے ہین:-

(۱) فقہ (۲) اصول، (۳) فلسفہ، (۴) تفسیر، (۵) تاریخ ملل و نحل و دینیات اسلام، (۶) فقہ الحدیث شیعی اسلام کی حدیثیں (یعنی وہ حدیثین جو بارہ اماموں سے منسوب ہین) مع ان مسائل کے جو ان حدیثون سے مستنبط کئے گئے ہین (۷) علوم ادبیہ،

۲- شعبۂ فلسفہ

وہ مضامین جو پہلے سہ [۳] سالہ دور مین پڑھائے جاتے ہین:-

(۱) کلام، (۲) منطق و حکمت نظری و عملی، (۳) تاریخ ادب عربی، (۴) علوم ادبیہ، (۵) تاریخ ملل ونحل و تاریخ دینیاتِ اسلام (۶) تفسیر، (۷) فرانسیسی زبان،

وہ مضامین جو دوسرے سہ سالہ میں پڑھائے جاتے ہیں :-

(۱) فلسفۂ اشراق و مشائیہ، (۲) تاریخ فلسفہ، (۳) تفسیر، (۴) عرفان (تصوف)

۳- شعبۂ ادب

وہ مضامین جو پہلے سہ سالہ دور میں پڑھائے جاتے ہیں :-

(۱) صرف و نحو عربی، (۲) تاریخ ادب عربی، (۳) معانی و بیان و بدیع عربی (۴) ایرانی زبان، اور تاریخ ادب ایران، (۵) معانی و بیان و بدیع فارسی (۶) تاریخ ایران اور عمومی تاریخ عالم، (۷) فقہ و اصول، (۸) منطق و فلسفہ، (۹) فرانسیسی زبان،

وہ مضامین جو دوسرے سہ سالہ دور میں پڑھائے جاتے ہیں :-

(۱) صرف و نحو عربی، (۲) معانی و بیان و بدیع، (۳) عروض و قوافی، (۴) فقہ و اصول، (۵) تفسیر (۶) فلسفہ اور تاریخ فلسفہ، (۷) تاریخ ادب ایران، (۸) قراظ الشعر، (نقد و تقریظ)، (۹) تاریخ ملل ونحل (۱۰) فرانسیسی زبان،

"ع ز"

روس کا آہنی مرد

سویٹ روس کے مختار مطلق کو ملک نے اسٹالن کا لقب دے رکھا ہے، اسٹالن کے معنی فولاد ہیں، اس کا اصلی نام یوسف ویساریونووتیچ جوگاش ویلی (YOSEF VISSARIONOUITCH DJUGASHUILI) ہے، اب سے چھپن سال پہلے وہ جیارجیا کے علاقہ میں ٹفلس کے قریب گورا نامی ایک موضع میں ایک نہایت غریب گھر میں پیدا ہوا تھا، آج وہ دنیا کا سب سے بڑا ڈکٹیٹر ہے،

اسکی صورت شکل میں کوئی امتیازی خصوصیت نہیں ہے، اس کا قد صرف پانچ فٹ پانچ انچ ہے،

اُسکے گھنے بالون میں کچھ سفیدی آرہی ہو، اُسکی موچھین اور بھوین سیاہ اور گھنی ہین، آنکھین بہت چمکدار ہین، چہرہ بیضاوی، اور ناک طوطے کی چونچ جیسی ہے، اُسکا وزن اوسط درجہ کا ہو،

اُس کا باپ ایک کسان تھا، جو موچی کا پیشہ کرتا تھا، اس کی ماں بھی کسان تھی، لیکن اُس نے لڑکے کو باپ کا پیشہ اختیار کرنے کی اجازت نہ دی، بلکہ اُسے ایک مذہبی مدرسہ مین بھیجا، یوسف نے اس مدرسہ میں چار سال رہ کر تعلیم چھوڑ دی، بعض لوگون کا بیان ہو کہ تعلیم چھوڑنے کا سبب صحت کی خرابی تھی، بعض کہتے ہین کہ سیاسی تحریکون مین حصہ لینے کی وجہ سے وہ مدرسہ سے خارج کر دیا گیا، بہرحال مدرسہ سے نکلنے کے بعد وہ ایک "پیشہ ور انقلابی" ہوگیا، اور پھر بتدریج ترقی کرتا ہوا بولشیوک جماعت کا ایک رکن ہوگیا اور اس جماعت کے اعلیٰ عہدون پر فائز ہوتا رہا،

اسٹالن روس کا مختار مطلق ہونے کے باوجود ضابطہ کے لحاظ سے سویٹ حکومت کا صرف ایک معمولی عہدہ دار ہے، وہ حکومت کی مرکزی مجلس عاملہ کا جس کے ارکان کی تعداد تین سو یا اس سے کچھ کم وبیش ہے ایک معمولی رکن ہو، تاہم وہ اس وقت روس کا سب سے زیادہ طاقتور آدمی ہے، وہ روس کی کمیونسٹ پارٹی کا سکریٹری ہے، لیکن خود روسی نہیں ہے، اس کی تعلیم ایک مذہبی مدرسہ مین ہوئی ہے، لیکن وہ اپنی قوت سے مذہب کو فنا کرنے کی کوشش کر رہا ہے، وہ کوئی اقتصادیات کا ماہر نہین ہے، لیکن اقتصادی تعمیر کی سب سے بڑی تجویز یعنی روس کی "پنج سالہ تجویز" اُسی کے دماغ کی پیداوار تھی،

یون تو ہر شخص کو اسٹالن سے متعلق کچھ نہ کچھ واقفیت ہے لیکن حقیقۃً کوئی بھی اُسے نہیں جانتا یہان تک کہ اُس کا معتمد سکریٹری بھی اسے نہیں جانتا، اُسے نمایش کا بالکل خیال نہیں ہے، جاڑون مین وہ گہرے سبز رنگ کا فوجی وضع کا کوٹ اور خاکی بریچز پہنتا ہے، یہی لباس اس کے پیروون نے بھی اختیار کر لیا ہو، وہ برابر پائپ پیتا رہتا ہے، اور بیان کیا جاتا ہے، کہ پائپ کے لئے اُسے امریکہ کی تمباکو زیادہ پسند ہے لیکن اس غیر روسی پیداوار کو علانیہ استعمال کرنے مین اُسے تامل ہوتا ہے،

دسترخوان پر بھی مختلف کھانوں کے درمیان وہ تمباکو پیتا رہتا ہی،

اسٹالن کتب بینی کا بہت عادی ہے، وہ شطرنج اور شراب کا شائق ہے، لیکن اعتدال سے زیادہ نہیں پیتا، تھیٹر کا بھی اُسے بہت شوق ہے،

روس کے باہر لوگ خیال کرتے ہین، کہ اسٹالن کا طرز معاشرت ویسا ہی ہوگا، جیسا دنیا مین اشتمالیت کے سب سے بڑے قائد کا ہونا چاہئے، لیکن ایسا نہیں ہے، اسٹالن کے طرز معاشرت سے روس پر اوسی قدر مالی بار پڑ رہا ہے جسقدر اُن زاروں کی ذات سے پڑتا تھا، جنھوں نے روس کو ایک سلطنت بنا دیا تھا، چنانچہ اُس نے اپنے رہنے کے لئے وہ محل منتخب کیا ہے، جس میں زار آئیوان ہیبت ناک (IVAN THE TERRIBLE) رہا کرتا تھا،

لیکن اپنی حقیر جاے پیدائش سے زار کے محل تک پہنچنے کی راہ ایک طویل اور پرخار راہ تھی، اس راہ میں اسٹالن کو مصائب، جلاوطنی، اور قید سب ہی کا سامنا کرنا پڑا، کئی بار اُسے جلاوطن کرکے سائبریا بھیجدیا گیا، پہلی بار وہ ۱۹۰۴ء میں سائبریا بھیجا گیا تھا،

فروری ۱۹۱۷ء کے منشیوک انقلاب (MEN SHEVIK REVOLU-TION) کے بعد وہ قید سے رہا کیا گیا، اور اسی سال نومبر کے انقلاب میں وہ لینن کا دست راست بن گیا، ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۰ء میں اُس نے مزدوروں اور کسانوں کی نمایندگی کی، اور پھر ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۳ء تک جمہوریہ روس کی انقلابی فوجی کونسل کا رکن رہا، بتدریج وہ اپنے حریفوں کو علحدہ کرتا گیا، ۱۹۲۷ء میں اُس کا سب سے بڑا مخالف ٹروٹزکی اور اس کے اٹھانوے ساتھی کمیونسٹ پارٹی سے نکالے گئے، ۱۹۲۸ء میں ٹروٹزکی وغیرہ جلاوطن کر دیئے گئے، ٹروٹزکی آج بھی بیماری اور افلاس کی حالت میں جلاوطنی کی زندگی بسر کر رہا ہی،

اسٹالن جذبات سے بالکل معرا ہے، اپنے اوپر قابو رکھنے اور مخالف کی ہجو پلیج کرنے میں اُسے کمال حاصل ہی، اور یہی دونوں چیزین اُس کے خاص آلات حرب ہین، مخالف کی قوت کو پاش پاش کر دینے

کیلئے اسٹالن کی ایک تیز نگاہ بسا اوقات کافی ہو جاتی ہے،

اسٹالن میں صبر، استقلال اور کسی ایک امر پر توجہ مبذول کرنے کے اوصاف خصوصیت کیساتھ پائے جاتے ہین، اُس میں چالاکی اور عیاری بھی ہے، جہان صاف گوئی اس کے مقصد میں معین ہوتی ہے، وہان اُس سے بڑھ کر صاف گو کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، وہ اتنی اخلاقی جرأت بھی رکھتا ہے کہ اپنی غلطیون کا اعتراف کر لیتا ہے، یہ بات دوسرے ڈکٹیٹرون میں بہت کم پائی جاتی ہے، دولت سے اُس کو مطلق دلچسپی نہیں ہے، دوسرے سویٹ لیڈرون کی طرح وہ ایک غریب آدمی ہے، جہان تک دولت کا تعلق ہے، ابتک ان میں سے کسی پر کوئی حرف نہیں آسکا، حالانکہ اگر اسٹالن چاہتا، تو روس مین کوئی ایسی دولت نہیں ہے، جو اُسے مل نہ سکتی،

(ال ڈ) "ع ز"

مقالاتِ شبلی جلد سیوم (تاریخی)

مولانا شبلی مرحوم کا خاص فن تاریخ تھا، انھون نے تاریخی کتابون کے علاوہ مختلف تاریخی موضوع پر بکثرت مستقل مقالات بھی لکھے تھے، جو الندوہ وغیرہ میں شائع ہوئے تھے، یہ ان مقالات کا مجموعہ ہے جو اکابر اسلام کے سوانح سے متعلق ہیں، جس میں علامہ ابن تیمیہؒ، ابن رشد وغیرہ جیسے اہم مقالات کے علاوہ وہ معرکۃ الآرا مضمون بھی ہے، جسے مولانا نے انڈین میگزین اینڈ ریویو کے ایک آرٹیکل کے جواب مین جو زیب النساء کی سوانح عمری کے متعلق تھا، لکھا تھا جس میں عاقل خان رازی کے عشق و محبت کے افسانہ کی پرزور الفاظ میں تردید و تغلیط کی ہے، اور سوانح زیب النساء کے متعلق صحیح معلومات پیش کئے ہین، ضخامت ۱۴۰ صفحات، قیمت: ۸ عہ

"منیجر"

اخبار علمیہ

آسمانون کی خبر

اب تک غبارون کے ذریعہ سے ۲۳۹۵۵ فٹ بلندی کے حالات معلوم ہو سکے ہین، اس سے اوپر فضا کی حالت ہنوز لامعلوم ہے، ماہرین سائنس کا خیال ہو کہ اس سے اوپر منجمد آکسیجن کی ایک چادر ہے، جو ہمین آفتاب کی ہلاکت خیز الٹراوایولٹ شعاعون سے محفوظ رکھتی ہے، وہان وہ غیر مرئی برقی آئینے بھی ہیں جن سے ٹکرا کر ریڈیو کی لہرین زمین پر واپس آتی ہین، جو نشر الصوت کو ممکن بناتی ہین، بعض ماہرین سائنس کا خیال ہو کہ وہان ایک ایسی تہ ہے، جس کی حرارت کھولتے ہوئے پانی کی حرارت کے برابر ہے جو زمین کی ہر گرم چیز سے زیادہ گرم ہے،

ان معلومات پر بعض ماہرین سائنس شبہہ ظاہر کرتے ہوئے استفسار کرتے ہیں کہ اگر یہ صورت حال ہے تو کیا اس نامعلوم حصہ کا طیارہ یا کسی اور ذریعہ سے طواف کیا جا سکتا ہے، لیکن ماہرین سائنس کے دوسرے گروہ کا خیال ہے کہ وہان نہ کسی طیارہ اور نہ کسی بشر کی رسائی ہو سکتی ہے، ہان روشنی کی شعاعین اس تاریک اور بلند سطح تک پہنچائی جا سکتی ہین، ہوا کے ذرات کے ذریعہ روشنی کی شعاعون میں زمین کی طرف انعکاس ہوگا، جس سے ماہرین طبیعیات معلوم کر سکین گے، کہ ذرات سرد ہین یا گرم، برق شدہ ہین یا تعدیلی، آپس مین گنجلک ہیں یا علٰحدہ علٰحدہ، پانچ سال قبل ایک برطانوی ماہر طبیعیات نے ثابت کیا تھا، کہ آسمانی راز روشنی کی شعاعوں کے ذریعہ آشکارا کئے جا سکتے ہین، اوس نے برطانوی فوج اور بیڑے کے سینکڑون نہایت طاقتور سرچ لائٹ کو جمع کر کے اوپر فضا کے ایک خاص مقام پر روشنی ڈالنا شروع کیا، ماہرین سائنس

نے یہ طور پر دکھایا کہ معکوس روشنی رات کی آسمانی روشنی کی طرح تھی، ان لوگون کا خیال ہو کہ اگر ان شعاعون مین "انگلی کے نشانات" دیدیے جائین، تو پھر ان کی معکوس روشنی آسانی سے پہچانی جا سکتی ہے، واشنگٹن کے تین ماہرین سائنس نے اس قسم کی نشان زدہ شعاعیں تیار کرلی ہین، اوراب باضابطہ فوجی سرچ لائٹ کے ذریعہ سے تجربے کئے جانے والے ہین، اوراسکی کامیابی پر مفید نتائج مترتب ہونے والے ہیں، جریدۂ سائنس سروس کے ایک مقالہ نگار کا خیال ہے کہ سائنس زیادہ سے زیادہ زمین سے ۲۰ سے ۵۰ میل تک کی بالائی چیزون کے حالات معلوم کرسکتا ہے لیکن سائنس کی ترقی کی رفتار بہت تیز ہے، مثلاً ۱۹۳۱ء میں ایک بلجین ماہر سائنس ایک کشتی کے ساتھ جو کہ ایک ہائی ڈروجن غبار مین آویختہ تھی، دس میل اوپر کئی گھنٹون تک رہا، لیکن اس سے اوپر ایک روسی ہوا باز کشتی لے گیا، لیکن وہ کشتی اُترتے وقت ٹوٹ کر بالکل برباد ہو گئی، اوراس سے کوئی سائنٹفک معلومات فراہم نہ ہوسکے، ممالکِ متحدہ میں اب تک اس قسم کے کئی تجربے کئے جاچکے ہین،

ریت کا سمندر

گذشتہ جنوری مین مسٹر کنیڈی شا کی رہنمائی میں ایک گروہ جس میں ایک خاتون بھی شریک تھین، جنوبی لیبیا کے صحرا کے سفر مین گیا، اس گروہ نے اس صحرا میں گذشتہ زمانہ کی انسانی آبادی کے بہت سے آثار پائے، انھون نے غارون میں اور چٹانون پر مصوری کے بعض بہترین نمونے پائے، تصویرین جن کی تعداد پچیس تھی، سُرخ اور سفید تھین، اوران میں انسانون اور جانورون کی شکلیں بنی تھیں، مویشی ۰۰۰۰ھ یا ۰۰۰۰ھ قبل مسیح کے زمانے کے معلوم ہوتے تھے، ان کی گردنون کے پٹے اور ڈوریون سے پتہ چلتا ہے، کہ وہ پالتو تھے، اس صحرا میں ایک دریا بھی ہے، جو ۲۹۵ میل لمبا ہے، لیکن اسوقت بالکل خشک ہے، انھیں حصون میں پتھر کے سینکڑون مقبرے ہین، ایک لاش کی گردن میں عقیق کے کچھ دانے اور کمر مین سیپ تھے، اس کے علاوہ پالش کی ہوئی کلھاڑیان، اور کئی قسم کی چکیان ملین، ان

مشاہدات سے پتہ چلتا ہے کہ اس صحرا میں انسانی آبادیان تھین، جوان مویشیون اور اوزارون کے ذریعہ سے زراعت کا کام کیا کرتی تھیں، اس صحرا کے متعلق مسٹر کینڈی بہت ہی دلچسپ بیان دیتے ہین، اس ریت کے سمندر کا رقبہ آئرلینڈ کے برابر ہے، اور جس طرح سمندر میں تغیر و تبدل ہوا کرتا ہے، اوس طرح یہان بھی تغیرات محسوس ہوتے ہین، سرد دنوں میں یہ مقام اتنا خوشگوار ہو جاتا ہے، کہ اس سے دلکش مقام شاید ہی کوئی اور ہوتا ہو، لیکن جب گرم ہوائین چلنے لگتی ہیں، تو ریت پگھل کر سیال ہونے لگتی ہے اور موٹر مشکل سے چند گز آگے بڑھ سکتا ہے، پانی ایک سو میل کے اندر کہین نہیں دکھائی دیتا، اور پھر اس سے بڑھکر شاید ہی کوئی ناخوشگوار مقام ہوتا ہو، صحرا کے بعض حصے بالکل صاف ہین، وہاں نہ کوئی درخت ہے، نہ جانور اور نہ مٹی، لیکن ایک ایسا مقام بھی ہے، جہان ہم اپنے کو دو طوفانی موجون کے درمیان پاتے ہین، اس کا پانی تھوڑی دیر تک منجمد رہتا ہے، لیکن پھر یکایک اس میں ایسی حرکت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہم کو تھپیڑون میں بہا لیجائے،

ڈائنامائٹ کا قائم مقام

سائنس کی تحقیق سے ڈائنامائٹ کی جگہ "بند ہوا" بڑی بڑی چیزون کو پاش پاش کرنے میں بے حد مفید ثابت ہوئی ہے، خصوصاً کوئلہ کی کانون میں اس کا تصرف نہایت موثر ہوا ہے، ایک دھات کے ظرف میں ہوا بھردی جاتی ہے، جس کا دباؤ ۱۵۰۰۰ پونڈ ہوتا ہے، یہ ظرف کوئلون کی دو بڑی چٹانون کے درمیان والے سوراخ مین ڈال دیا جاتا ہے، اور پھر دور سے یہ ہوا کھول دی جاتی ہے، ہوا ڈائنامائٹ کے گیس کے مقابلہ میں کم سُرعت کیساتھ پھیلتی ہے، اس لئے اس کے ذریعہ سے کوئلے چھوٹے چھوٹے ٹکڑون میں نہیں ٹوٹتے، بلکہ کوئلے بڑے بڑے ٹکڑوں میں ٹوٹ کر آہستہ آہستہ اپنی جگھوں سے حرکت کرتے ہیں، کوئلون کے بڑے بڑے ٹکڑے تجارتی حیثیت سے مفید ثابت ہوتے ہین، یہ دھات کا ظرف مسلسل استعمال کیا جا سکتا ہے، اس سے کان کن ان تمام خطرات سے محفوظ رہتے ہین، جو ڈائنامائٹ کے ذریعہ سے بعض اوقات

پیدا ہو جاتے ہین، لطف یہ ہے کہ ہوا بھرنے اور کھولنے میں صرف ۹۰ سکنڈ لگتے ہین،

آواز کی قوت

بویریا کے ماہرین سائنس تجربہ کر رہے ہین کہ انسانی آواز زیادہ سے زیادہ کتنی دور تک پہنچ سکتی ہے، اب تک انسانی آواز بغیر کسی آلہ کی مدد کے ڈھائی میل کے فاصلہ تک سُنی گئی ہے، لیکن بویریا کے ماہرین سائنس نے ۸ ½ میل کے فاصلہ سے بھی آواز سُنی، مگر یہ واضح رہے کہ ڈھائی میل کے فاصلہ پر جو آواز سُنی گئی تھی، وہ ہوا کے ذریعہ سے پھیلی، لیکن ۸ ½ میل پر جو آواز سننے میں آئی وہ کانسٹینس جھیل کے پانی کی سطح کے اندر بولی گئی، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانی آواز پانی کے اندر زیادہ پھیل سکتی ہے،

"ض ع"

شور وغل کے خلاف نیویارک کا جدید قانون

رائے عامہ سے متاثر ہو کر نیویارک (امریکہ) نے شور وغل کے خلاف جو قانون وضع کیا تھا، اس کا نفاذ باقاعدہ طور پر یکم اکتوبر ۱۹۳۵ء سے ہو گیا، اس روز نیویارک کے میر (MAYOR) نے پولیس کو ہدایت کی، کہ اس قانون کی خلاف ورزی کرنے والوں کی تنبیہ کریں، اور گرفتاری کے بغیر شروع میں زبانی سرزنش پر اکتفا کریں، اس قانون کے رو سے موٹروں کے بگل کی آواز گیارہ بجے رات سے سات بجے صبح تک ممنوع قرار دی گئی ہے، اور لوگوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے لاسلکی کے آلوں کی آواز دھیمی کر دیں، پہلے تین دنوں میں ۱۷۰۴ آدمیوں کو زبانی سرزنش کی گئی، اور ۹ سمن جاری کئے گئے، شور وغل کے خلاف شکایتوں کی تحقیقات کے لئے ایک دفتر بھی قائم کیا گیا ہے، اس میں موٹروں کے بگل اور کتوں کے بھونکنے کی شکایتیں بہت زیادہ پہنچتی رہتی ہیں،

"ع ز"

نذرِ اخلاص

قطعۂ ذوقافیتین بہ تہنیت صحتیابی برادر مکرم علامہ سید سلیمان ندوی مدظلہم

از اقبال احمد سہیل ایم، اے ایل ایل بی ایڈوکیٹ، اعظم گڑھ،

۱۰ر فروری ۱۹۳۶ء کو حضرۃ الاستاذ مولانا سید سلیمان ندوی کی صحتیابی کی خوشی میں شبلی منزل میں ایک مجلس دعوتِ طعام ترتیب پائی تھی، جس میں شہر کے احباب و معززین بھی شریک تھے، ہمارے شہر کے شاعر خوش نوا جناب اقبال احمد صاحب سہیل نے اسی مجلس میں چند شعر فی البدیہہ کہہ کر سنائے، اور پھر عنوانِ بالا سے ہمیں اشاعت کے لئے عنایت فرمائے،

"سب اڈیٹر"

للّٰہ الحمد شبِ تار، بپایاں آمد،	صبح چون طالعِ بیدار، درخشاں آمد،
از بخارِ دلِ عشاق کہ شبنم شدہ بود	لالہ را صد دُرِ شہوار، بداماں آمد،
کشت و صحرا ہمہ خرم شدہ چون باغِ بہشت	رشحۂ ابر گہر بار، نم افشاں آمد،
شیخ با سبحہ و سجادہ بہ مسجد بشتافت	رند با ساغرِ سرشار، بہ بُستاں آمد،
کبکِ سرمست بکہسار خراماں گردید	مُرغِ خوش لہجہ بگلزار، پر افشاں آمد،
شاہدِ لالہ زجلبابِ ورق رُخ بنمود	یوسفِ مصر بہ بازار، ز کنعاں آمد،
جعدِ سُنبل بہ پراگند چو بادِ سحری	نفحۂ نافۂ تاتار، پریشاں آمد،

نزد او جن و پری سجدهٔ شکرانه کنند | کاندرین بزم دگر بار سلیمان آمد

دیده از جلوهٔ دیدار سعادت اندوخت | سینه چون عالم انوار، چراغان آمد

کیست در ہند کنون جز تو که در بزم کمال | کاشفِ عقدهٔ اسرار، بدینسان آمد

نوک کلکِ تو زبس لعل و گہر می پاشد | ہند را برزن و بازار، بدخشان آمد

مرجعِ علم و ادب ہستیٔ ہموارہ ترا | کرم داور دادار، نگہبان آمد

اینک از مرقدِ استاد صدا می آید

"کہ بہار آمد و بسیار بسامان آمد" (شبلی)

نذرِ تہنیت بتقریب صحتیابی[۱]

بجناب حضرت مولانا سید سلیمان ندوی متعنا اللہ و المسلمین بطول بقائہ

از محمد یحییٰ، اعظم گڈھ

نسیمِ صبح گاہی عطر بیز و مشکبار آئی | بحمد اللہ گلزارِ معارف میں بہار آئی

رخِ اقدس سے اک موجِ تبسم عاریت لیکر | لبِ ہر غنچہ تک موجِ صبا مستانہ وار آئی

دعاہائے سحرگاہی میں وہ تاثیر پنہاں تھی | اجابت بارگاہِ کبریا سے بیقرار آئی

زبانِ سبزہ و گل پر یہی پیہم دعائیں تھیں | خوشا آں روزے کہ دیگر بہر سیر لالہ زار آئی

یہی مستِ نگاہِ فیض، مشتاقانہ کتنے تھے | زہے ساعت کہ "در بزمِ رفیقاں" جلوہ بار آئی

خدائے دو جہان نے آپ کو کامل شفا بخشی | بحمد اللہ موافق گردشِ لیل و نہار آئی

عقیدت کے صحیفہ کی ابھی تکمیل کرنی تھی | بقائے ذاتِ سامی کی مشیت ذمہ دار آئی

۱؎ یہ نظم جناب منشی عبد الحفیظ صاحب منتظم مطبع معارف نے کارکنانِ مطبع معارف و دفتر دار المصنفین کی جانب سے پیش کی، اور اس کی مطبوعہ کاپیاں حاضرینِ مجلس میں تقسیم کی گئیں، (معارف)

ازل سے آستان بوسی شہنشاہِ رسالت کی | زہے قسمت کہ زیبِ خامۂ سیرت نگار آئی
زبس مطلوب تھی قدوسیون کو آپکی صحت | بشارت لیکے شانِ رحمتِ پروردگار آئی
دوا کے ساتھ پیہم دعائے دردمندان بھی | نویدِ رحمتِ قدوس بن کر سازگار آئی
معالج اور بھی تھے آپ کے لیکن خوش قسمت | کہ صحت کی سعادت حاصلِ سعیِ کدار[۱] آئی
بر آئی رحمتِ حق سے تمنا ملک و ملت کی | دعائے علم و عرفان باریاب و کامگار آئی
عقیدت سرورِ عالم کی خدمت علم و مذہب کی | ترے پیمانے روشن کے لئے آئینہ دار آئی
نہ تنہا فرش پر ہم خاکیون نے التجائین کین | دعائے نوریانِ عرش بھی بروئے کار آئی
حریم قدس کے پردون سے اس تقریبِ صحت پر | صدا صلی علیٰ و مرحبا کی بار بار آئی
ہوئے پھر جلوہ آرا آپ بزمِ علم و عرفان مین | نگاہِ شوق پھر سرمست سے پروانہ وار آئی
تماشا می توان کردن بہارِ گلشنِ خود را | کنون وقت است اے **شبلی** کہ بیرون از مزار آئی
بلے زیبد اگر اے ساقیِ خمخانۂ عرفان | کنون از مقدمِ خود بزمِ سرمستان بہار آئی
رہے تا دیر قائم لے خدا "ظلِ سلیمانی" | زبانِ خامہ پر اب یہ دعائے اختیار آئی
خدا رکھے سلامت تا ابد **مسعود و سید** کو | کہ ان کی ذاتِ والا انتخابِ روزگار آئی

یہی ہیں درحقیقت باغبانِ گلشنِ شبلیؒ
ابھی آتی ہے، ان سے نکہتِ پیراہنِ شبلی،

افکارِ عصریہ

سائنس نے جنگ عظیم کے بعد جو ترقیان کی ہیں، یہ کتاب ان تمام ترقیون کا خلاصہ ہے، کتاب ۲۷ بابون مین تمام ہوئی ہے، اور ہر باب میں کے مختلف اہم مسائل کی تحقیق کی گئی ہے، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت عہ،

"منیجر"

---

[۱] جناب ڈاکٹر کدارناتھ صاحب گوڑ، ایم بی، بی ایس،

باب التقریظ والانتقاد

ہندوستانی زبان کے چند نئے رسالے

گذشتہ ماہ مین ہندوستانی زبان کے جو نئے رسالے ریویو کے لئے موصول ہوئے وہ حسب ذیل ہین،

طلوعِ اسلام دہلی ماہانہ، مدیر جناب سید نذیر نیازی بی اے، سابق استاذ جامعہ ملیہ دہلی،

حجم ۱۱۲ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ ھہ/ پتہ دفتر طلوعِ اسلام قرول باغ نئی دہلی،

یہ ایک ملی و اسلامی رسالہ ہے، جو ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۳۵ء سے جاری ہوا ہے، اس کا افتتاح ڈاکٹر سر محمد اقبال کی ایک تازہ نظم سے کیا گیا ہے، اسکے بعد فاضل مرتب نے رسالہ کو چند مستقل عنوانات "مقالات" "مسائلِ حاضرہ" "آثار ملیہ" "تاریخ و سیاسیاتِ عالم" اور "بزمِ طلوعِ اسلام" وغیرہ مین تقسیم کیا ہے جنمین قابلِ قدر مضامین و مباحث پیش کئے گئے ہین، مثلاً "مقالات" مین "ملتِ اسلامیہ ہند" (مدیر) سیاستِ معاشی" (ڈاکٹر ذاکر حسین خان) "ختم نبوت" اور "اردو ادب کی اسلامی تحریک" کے عنوانون سے مضامین ہین، مسائلِ حاضرہ مین قضیۂ شہید گنج، اور آثار ملیہ مین مسجد شاہ چراغ پر اظہار خیال کیا گیا ہے، پھر اسی طریقہ سے بین الاقوامی دنیا" "سیاسیاتِ ہند" بلادِ اسلامیہ" "رجال و مشاہیر" اور "آثار و مقامات" کے ذیل میں پر معلومات مضامین و مباحث ہین،

رسالہ کے اجرار کا اصل مقصود مسلمانون کو اسلامی نصب العین اختیار کرنے کی دعوت دینا ہے، اسکے نزدیک "اسلام کا اجتماعی نصب العین، ہندوستان کی سیاست وطنی کے جدید عمرانی تصور نیشنلزم سے یک قلم بیگانہ ہے، کہ "اسلام نے اپنے پیرون کو کسی جغرافی حد میں محدود نہین کیا، لیکن فاضل مرتب کو اس کا احساس ہے کہ ہندوستان مین یہ بلند نصب العین صحیح قیادت کے بغیر حاصل نہین ہو سکتا، اور جو بہ ظاہر اسوقت مفقود ہے

اسکے ساتھ فاضل مرتب کے نقطۂ نظر سے ملتِ اسلامیہ ہند کا قیام صرف آزاد ہندوستان ہی میں ممکن ہے، اسلئے ہندوستانی مسلمانوں کو آزادی کی سچی تڑپ اپنے دل میں رکھنی چاہئے، لیکن سیاستِ ہند کے ذیل میں مختلف مسائل پر جس نقطۂ نظر کے ساتھ اظہارِ خیال کیا گیا ہے، افسوس کہ اسمیں یہ مطمحِ نظر شامل نہیں ہے،

رسالہ میں یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ مسئلہ ختم نبوت بھی جو دراصل موجودہ ہندوستان میں جدید علم کلام کا ایک اہم مسئلہ ہے اسکی توجہ کا خاص مرکز ہے، چنانچہ اس موضوع پر ایک سے زیادہ متین اور سنجیدہ مضامین چھاپے گئے ہیں، اس عزیز معاصر سے مجموعی حیثیت سے ہندوستانی زبان مین ایک قابلِ قدر اسلامی رسالہ کا اضافہ ہوا ہے جسکا ہم پرجوش خیرمقدم کرتے ہین،

الاصلاح سرائے میر اعظم گڈھ (ماہانہ) اڈیٹر مولوی امین احسن صاحب اصلاحی، حجم ۴۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ للعہ، ہر پرچہ ۲ ر پتہ، مدرسہ اصلاح المسلمین سرائے میر اعظم گڈھ"

مولنا حمید الدین فراہی علیہ الرحمۃ کے سانحۂ وفات پر جو نقوش معارف کے صفحات پر ثبت کئے گئے تھے، ان میں مرقوم تھا کہ "اواخر عمر مین مرحوم کی سب سے بڑی کوشش یہ تھی کہ وہ چند مستعد طلبہ کو اپنے مذاق کے مطابق تیار کرین ..... کہ وہ مدرسہ اصلاح المسلمین کو سنبھال لین، جو مرحوم کی سب سے بڑی مادی یادگار ہے، تفسیر کے جو اجزا مکمل ہون گے انکی اشاعت کی فکر کیجائیگی، مگر آہ اس ناقدرشناس دنیا میں ان جواہر ریزون کی کون قدر کرے گا، اور کون سرمایہ بہم پہنچائے گا"

مقام مسرت ہے کہ اقتباس بالا میں جس آرزو کی تکمیل کی طرف اشارہ کیا گیا تھا، وہ پوری ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے چند اربابِ خیر کو توفیق بخشی کہ انھون نے سرمایہ فراہم کرکے مولانائے مرحوم کے تلمیذ رشید مولوی امین احسن اصلاحی کو اس قابل بنایا کہ وہ خدا کا نام لیکر مدرسہ اصلاح المسلمین سرائے میر میں دائرہ حمیدیہ کی داغ بیل ڈال کر مولانائے مرحوم کے اجزاء تفسیر کی اشاعت کا سامان بہم پہنچائین، اسی کے ساتھ ایک زمانہ سے یہ ضرورت بھی محسوس کیجا رہی تھی کہ مولانائے مرحوم کی تصنیفات کو جو زیادہ تر عربی زبان مین ہین ہندوستانی

زبان میں منتقل کیا جائے، خوشی کی بات ہو کہ اس دیرینہ تمنا کی تکمیل کا وقت بھی آپہنچا، اور زیر نظر رسالہ الاصلاح جو دائرہ حمیدیہ کا ماہانہ مجلہ ہے، دراصل اسی دینی وعلمی خدمت کے لئے نکلا ہے،

رسالہ کا پہلا پرچہ ماہ جنوری ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا ہے جس میں چند مستقل عنوانات، "باب التفسیر" "معارف قرآن"، "موعظہ حسنہ"، "ادبیات" اور "تلخیصات" قائم کئے گئے ہیں، "باب التفسیر" میں مولانائے مرحوم کی تفسیر سورۂ فیل کے ہندوستانی ترجمہ کی ایک قسط چھپی ہے، "معارف قرآن" میں چند دوسرے مضامین کے علاوہ مولانا مرحوم کا ہندوستانی زبان میں لکھا ہوا ایک مضمون "ترتیب و نظم قرآن" شائع کیا گیا ہے، اور "موعظہ حسنہ" میں مولوی امین احسن صاحب اصلاحی نے "نماز" پر قرآن مجید کی تصریحات کی روشنی میں پر مغز اور مؤثر گفتگو کی ہے، دعا ہے کہ یہ رسالہ زندہ اور اپنے مسلک پر استوار رہ کر مسلمانوں کی علمی و دینی خدمات انجام دے اور قبول عام حاصل کرے،

کلیم دہلی (مصور ماہانہ) مدیر جناب جوش ملیح آبادی حجم ۹۶ صفحے تقطیع $\frac{۲۰×۲۶}{۸}$ قیمت عہ فی پرچہ ۸ر پتہ دفتر رسالہ کلیم دہلی،

جناب جوش ملیح آبادی ہماری زبان کے مشہور ادیب اور شاعر ہیں، اب انھوں نے صحافت کے میدان میں قدم رکھا ہے، اور ان کی ادارت میں کلیم نامی ایک ادبی رسالہ جنوری ۱۹۳۶ء سے جاری ہوا ہے ادھر کچھ دنوں سے بعض ہندوستانی روزنامے موصوف کو "شاعر انقلاب" کے خطاب سے یاد کرتے ہیں، صحیفہ کلیم سے یہ حقیقت پہلی مرتبہ آشکارا ہوئی، کہ موصوف نے بھی اس خطاب کو قبول فرمالیا ہے، چنانچہ انھوں نے کلیم کے صفحات کو کوہ طور کی چوٹی قرار دیکر اسکی بلندی سے انقلاب! انقلاب! کی ہنگامہ خیز صدا بلند کی ہے، ان کے خیال میں "ہندوستانی زبان، ہندوستانی تہذیب، ہندوستانی معاشرت، ہندوستانی علم، ہندوستانی ادب، ہندوستانی زندگی، بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ ہندوستانی روح کو اسوقت صحیح رہنمائی اور زبردست انقلاب کی اسقدر شدید اور فوری ضرورت ہو کہ اب مزید تاخیر روا نہیں رکھی جا سکتی...... چنانچہ اسی نقطۂ نظر کو پیش نگاہ رکھتے ہوئے کلیم کی بنیاد ڈالی گئی" اسکے ساتھ رسالہ کے سر صفحہ پر اغراض و مقاصد کی لمبی فہرست بھی چھاپی گئی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہو کہ زندگی و عمل کا شاید کوئی شعبہ اور سیاست آمیز فلسفیانہ نظریوں میں سے

شاید کوئی نظریہ ایسا باقی نہ چھوڑا گیا ہو جسکی تکمیل کا ادعا اسکے مقاصد مین داخل نہ ہو، چنانچہ وہ "حکیمانہ و محققانہ مقالات کے ذریعہ سے ہندیوں کے باسی دماغون مین کامل حریت فکر کی نشو و نما..... اور ہندی عقل کی اس طرح تربیت کرنا چاہتے ہین، کہ وہ "روایات و اوہام تقلید و جمود، اور تعصبات و تنگ نظری کو فنا کرکے ہندوستانی ذہنیت کو اس بلند سطح فکر تک لے آئین، جہان سے نوع انسانی کی دماغی نجات کا چشمہ پھوٹتا ہے، (اور انھین) تسلیم یہ دیجائے کہ انسانیت نسل، رنگ، معاشرت، رسوم، لباس، زبان، وطن اور مذہب سب سے بالاتر ہے" اور ایسے "عام علمی، اقتصادی، زرعی، تجارتی، اور صنعتی مضامین (شائع کئے جائین) جو اہل ہند کو زندگی، بیداری، خود شناسی، خودداری، آزادی، قربانی، معاملہ فہمی، اور رواداری کا درس دین اور جسمانی صحت، مردانہ سیرت، معاشرتی اصلاح، **دماغی توازن** اور سیاسی تدبر و تفکر کی اہلیت پیدا کرین اور خصوصیت کے ساتھ ہندو مسلم اتحاد کی ایسی زبردست متصل اور پیہم تبلیغ کرین کہ ہندوستان مین متحدہ قومیت کی ایسی مضبوط بنیاد پڑ جائے، کہ باہمی ازدواج ہونے لگے" پھر اسی طرح "لسانیات" "نسائیات" اور "انتقادات" وغیرہ کے متعلق بلند بانگ دعاوی ہین، پھر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ انقلاب ہند کا یہ علمبردار جو بصیرت کی نگاہون سے مستقبل مین ہندوستان کی سرزمین کو خون کے چھینٹون سے رنگین دیکھ رہا ہے، جب وقتی سیاسی مسائل پر قلم اٹھاتا ہے، تو اس حد تک کہہ جاتا ہے کہ اگر ہندو اور مسلمانون کے مناقشے طے پاجائین، تو جدید آئین ہند اس کے نزدیک قابل قبول ہو سکتا ہے، جسکے معنی یہ ہین، کہ اگر کمیونل اوارڈ پر دونون قومون کا تصفیہ ہو جائے، تو جدید آئین ہند کامیابی سے ملک مین نافذ کیا جا سکتا ہے، ادب و شاعری مین لائق مدیر یہ انقلاب پیدا کرنا چاہتے ہین، کہ غزل گوئی کے موجودہ طریقہ کو قطعی ترک کرکے "غزل مسلسل" کا رواج دیا جائے، اس قسم کی بعض غزلین چھاپی بھی گئی ہین،

یہ اور اسی قسم کی پورے رسالہ مین پھیلی ہوئی شاعرانہ لن ترانیون سے قطع نظر کرکے اگر دیکھا جائے تو اسے ایک دلچسپ ادبی صحیفہ کہا جا سکتا ہے، رسالہ کے قابل ذکر مضامین مین "مسائل حیات" کے عنوان

سے مدیر کا ایک "مولفانہ ترجمہ" ہے، جو اپنے اندر کچھ نہ کچھ ندرت رکھتا ہے، منشی پریم چند بی اے نے "قومی اتحاد کیونکر ہوسکتا ہے" کے عنوان سے ہندو مسلم اتحاد پر اظہار خیال کیا ہے، ہمیں موصوف کی نیک نیتی پر پورا بھروسہ ہے، لیکن افسوس کہ ہندو مہاسبھا کے خیالات کی ترجمانی کرنے والے اخبارون کے اثرات انکی تحریرین بھی موجود ہین، پنڈت برج موہن لال دتاتریہ کیفی نے "اردو تنظیم" کے عنوان سے اسکی ترقی کیلئے چند قابل قدر اور لائق غور مشورے پیش کئے ہین، اور نواب جعفر علی خان صاحب اثر لکھنوی نے بال جبریل پر چند مطبوعہ اعتراضات کے معقول جوابات لکھے ہین، "بدحواسیان" کے عنوان سے فاضل مرتب نے ایک مزاحیہ مضمون لکھا ہے، لیکن مناسب ہوتا کہ وہ اس صنف ادب کی طرف توجہ نہ فرماتے، اسی طرح چند افسانے بھی چھپے ہین، اگر کلیم کوہ طور کی بلندی سے نیچے اوتر آئے، اور ہماری چلتی پھرتی دنیا میں آکر ادب کی کچھ خدمت انجام دے تو وہ ہندوستانی زبان کا ایک کامیاب خدمت گذار بن سکتا ہے، رسالہ مصور ہے جنمیں اکثر تصویرین نیم عریان ہین، اور "انقلاب انگیز"

کنول آگرہ، (مصور ماہانہ) ادارہ جناب منظر اکبرآبادی و جناب مہرلال ضیا، ایم اے حجم ۶۴ صفحے تقطیع $\frac{20 \times 30}{8}$ قیمت ۳ر ہر پرچہ ۵ر پتہ:- ہینگ کی منڈی آگرہ،

یہ ایک سنجیدہ ادبی رسالہ ہے، جو ماہ جون ۱۹۳۵ء سے جاری ہے، رسالہ محنت سے مرتب کیا جاتا ہے، اور کار آمد مضامین چھپتے ہین، "ناثرین اردو" کے مستقل عنوان سے ہندوستانی زبان کے دور حاضر کے ادیبون کے سوانح لکھے جاتے ہین، اور ان کے طرز تحریر پر رائین ظاہر کیجاتی ہین، ایک دوسرے مستقل عنوان "طرز نگارش" کے ذیل میں نومشق و نوجوان ادیبون کی تحریری غلطیان اور خامیان دکھائی جاتی ہین، رسالہ میں اناطول فرانس کے مشہور افسانہ تائیس کا ترجمہ باقساط چھاپا جارہا ہے، حالانکہ ہندوستانی زبان کے مشہور مترجم جناب عنایت اللہ صاحب سابق ناظم دارالترجمہ حیدرآباد اس کا عمدہ ترجمہ کرچکے ہین، اور وہ دارالاشاعت پنجاب سے شائع ہوچکا ہے، رسالہ مجموعی حیثیت سے مفید ادبی خدمت انجام دے رہا ہے، ضرورت ہے کہ اسے زندہ رکھا جائے،

ساربان لاہور (ماہانہ) اڈیٹر جناب غلام محمد خانصاحب بی اے، حجم ۵۶ صفحے تقطیع $\frac{20 \times 30}{8}$

قیمت سالانہ عہ ر پتہ:- اسٹریلیا بلڈنگ لاہور،

یہ رسالہ انگریزی کے سیاسی رسالوں کے طرز پر ملک کی سیاسی و معاشی خدمت انجام دینے کیلئے نکلا ہی اور متوسط تعلیم یافتہ طبقہ کے سامنے ہند و بیرون ہند کے مختلف سیاسی، معاشرتی، اور اقتصادی مسائل پر سنجیدہ مضامین چھاپتا ہو، اور ملک کی سیاسی تحریکوں اور معاشرتی و اقتصادی ضرورتوں پر غور و فکر کے ساتھ رائے زنی کرتا ہو، ان حیثیات سے ہندوستانی زبان میں یہ اپنی نوعیت کا منفرد رسالہ ہو خدا کرے اسکی یہ خصوصیات قائم رہیں، اور یہ ملک کی خدمت انجام دے،

ادب لکھنؤ (ماہانہ) مرتب جناب ناصری لکھنوی حجم ۶۰ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت سالانہ للعہ پتہ دفتر ادب، لکھنؤ،

رسالہ ادب لکھنؤ کا ایک وقیع ادبی پرچہ تھا، جو ادھر چند سال سے بند ہو گیا تھا، اور اب جناب ناصری لکھنوی کی مساعی جمیلہ سے اسے حیات تازہ نصیب ہوئی ہو، اور ماہ نومبر ۱۹۳۸ء سے یہ دوبارہ جاری ہو گیا ہے، پروفیسر سید مسعود حسن رضوی ادیب، جو اسکے دور اول میں اسکے مدیر تھے، اور جناب سید حسن عابد صاحب جعفری سابق مدیر شمع وغیرہ کے مضامین اسکے پہلے نمبر میں شائع ہوئے ہیں، اور شعرائے لکھنؤ کے موجودہ دور کے اساتذہ، آرزو، جلیل، محشر، ثاقب، اور اثر وغیرہ کے کلام چھپے ہیں، توقع ہو کہ یہ رسالہ اپنی قدیم روایت کو قائم رکھ کر ہندوستانی زبان کی مفید خدمت انجام دے گا،

مصحف، عمرآباد، (ماہانہ) ادارہ جناب شاکر نائطی، سید صبغۃ اللہ بختیاری و قاسم شریف بی اے، حجم ۵۲ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰ قیمت سالانہ ے ر پتہ عمرآباد ضلع شمالی ارکاٹ، مدراس،

یہ رسالہ جامعہ دار السلام عمرآباد، مدراس سے ماہ اگست سے نکلنا شروع ہوا ہو، اور کامیابی کیساتھ اسوقت تک جاری ہو، یہ دراصل ہمارے ہاتھوں میں ہندوستانی زبان کے ملک کی متحدہ زبان ہونے کی ایک دستاویز ہے، رسالہ صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے قابل قدر ہے، مختلف علمی، مذہبی، ادبی اور اخلاقی موضوعوں

پر سنجیدہ مضامین چھپتے ہین، اور یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہو کہ اسکے لکھنے والون میں بیشتر تعداد صوبہ مدراس ہی کے صاحب قلم کی ہو جن کی تحریرین زبان اور طریق ادا کی حلاوت میں شمالی ہند کے رسالون میں چھپنے والی عام تحریرون کے مانند ہین، ہم کارکنان رسالہ کو اسکے اجرا پر دلی مبارکباد پیش کرتے ہین،

کوثر بنگلور (ماہانہ) اڈیٹر جناب محمود خانصاحب محمود بنگلوری، حجم ۳۲ صفحے، تقطیع ۱۸×۲۲، قیمت عہ سالانہ، پتہ منیجر کوثر ڈکنس روڈ، بنگلور،

جناب محمود خانصاحب محمود بنگلوری، مصنف تاریخ سلطنت خداداد میسور کی ادارت میں یہ ماہانہ رسالہ نکلا ہو، جو بنگلور کا واحد ادبی مجلہ ہو، اور جس مین میسور اور جنوبی ہند کے مضمون نگارون کے مضامین چھپتے ہین، رسالہ کے اجرا، کا مقصد جنوبی ہند مین ہندوستانی زبان کی ترویج و اشاعت کی خدمت انجام دینا ہو، رسالہ کے ادبی مضامین کا پایہ ابھی کچھ زیادہ بلند نہین، اور بعض دوسرے رسالون کے مطبوعہ مضامین (مثلاً افسانہ ایک دن میں سب کچھ) بھی بلا حوالہ اس کے صفحات پر نظر آتے ہین، لیکن مقامی معلومات سے متعلق اسکے مضامین کا حصہ قابل قدر ہے، جس سے میسور اور اسکے اطراف کے آثار، وہان کے علمی و ادبی خدمات روشنی مین آتے ہین، اس سلسلہ مین میسور کے اسلامی عہد حکومت کی نثر و نظم کی نادر کتابون کے متعلق مضامین اور انکے اقتباسات بھی چھاپے جاتے ہین، رسالہ کی قیمت اسکی ظاہری و معنوی خوبیون کے لحاظ سے بہت کم ہے، امید ہے کہ اسکی قدر کیجائیگی،

بہارستان امراوتی (ماہانہ) مدیر جناب محمد احسان اللہ خان صاحب مضطر، حجم ۶۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶، قیمت سالانہ عہ، پتہ گورنمنٹ اردو نارمل اسکول، امراوتی، برار،

یہ گورنمنٹ اردو نارمل اسکول امراوتی (برار) کا تعلیمی و ادبی ماہنامہ ہو، یہ چند سال سے جاری ہو، ماہ دسمبر ۳۵ء سے اسکے ایک نئے دور کا آغاز ہوا ہو، اور رسالہ اپنی ظاہری شکل و صورت کے لحاظ سے اچھے قالب میں آگیا ہو، بیشتر مضامین تعلیم و تدریس سے متعلق چھپتے ہیں، اور اچھے ہوتے ہین،

کلیم الہ آباد (ماہانہ) اڈیٹر جناب شمیم خانصاحب شاہ پوری، حجم ۴۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ سے/

پتہ فرینڈز لٹریری کمپنی، الہ آباد،

یہ ادبی رسالہ ماہ نومبر ۱۹۳۵ء سے جاری ہوا ہے، رسالہ میں خاص ندرت یہ رکھی گئی ہو، کہ مضامین کیلئے چند مستقل عنوان منتخب کر لئے گئے ہین، جنکے صفحون کا نمبر شمار اپنی اپنی جگہ علحدہ شروع ہوتا ہو، اس طریقہ سے سال بھر میں مختلف سرخیون کے ماتحت چھپنے والے مضامین کے مجموعون سے علحدہ علحدہ کتابین تیار ہو جائین گی، جن کے سرورق بھی دفتر سے مہیا کئے جائیں گے، رسالہ کا پہلا مضمون "کلام وفا رامپوری" کے عنوان سے جناب کیفی چریا کوٹی کا ہو، جسمین اونھون نے وفا کے کلام پر علم معانی کے نقطۂ نظر سے نظر ڈالی ہو، پھر "خیالستان" کے عنوان سے خیالی افسانے، "سبدِ گل" مین غزلیات، "مینائے فطرت" میں چند نظمیں، اور "خیابانِ ادب" کے ذیل مین "موسولینی" "دوزہین" اور "ٹماٹر کی چٹنی" جیسے متنوع مضامین ہین،

اورنگ میان میر، لاہور، ادارہ جناب غلام احمد مضطر ہاشمی وجناب اختر شیرانی و انعام اللہ خان صاحب ناصر، حجم ۴۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت سالانہ للعہ پتہ میانمیر مغلپورہ، لاہور،

یہ بھی ادبی رسالہ ہو، جو ماہ جون ۱۹۳۵ء سے جاری ہو، اسمیں چھوٹے چھوٹے ادبی مضامین اور افسانے چھپے ہین، افسوس کہ مضامین نہ صرف دوسرے رسالون سے بلا حوالہ منقول ہین، بلکہ دوسرون کے مضامین اپنے نام سے چھاپے گئے ہین، چنانچہ جناب مسلم عظیم آبادی کی ایک نظم "بلبل اور پپیہا" شاید رسالہ ندیم گیا میں چھپی تھی، وہ بلا حوالہ نقل کیگئی ہو، اور ایک افسانہ "گناہ کی تاریکی میں نور عرفان کی جھلک" الہلال کلکتہ کے دور جدید کے کسی پرچہ سے نقل کرکے اوسے "ادارۂ اورنگ" کے نام سے چھاپا گیا ہو،

اشرف العلوم سہارنپور (ماہانہ) مدیر مولوی ظہور الحسن صاحب کولوی، حجم ۳۰ صفحے تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ ع/ فی پرچہ ۲/ پتہ :-

یہ مذہبی رسالہ ہو، جس میں مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کے ملفوظات اور مواعظ وخطب التزام سے

اس طریق پر چھپتے ہیں کہ سال کے آخر میں ان سے علٰحدہ علٰحدہ کتابیں تیار کرلی جائیں، ان ملفوظات و مواعظ میں مختلف دینی، مذہبی، اخلاقی، اور اصلاحی مباحث بیان کئے جاتے ہیں، اور چھپنے سے پہلے مولانا ے موصوف ان پر نظر ثانی فرماکر جابجا حسب ضرورت حواشی بھی ثبت فرماتے ہیں،

المفتی دیوبند (ماہانہ) مدیر مولوی شبیر احمد صاحب صدیقی حجم ۴۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت ۲ / عہ

پتہ دار الاشاعت دیوبند، ضلع سہارنپور،

دار العلوم دیوبند کے مشہور مذہبی مرکز ہونے کی وجہ سے اطراف ہند سے وہاں استفتا آتے ہیں جن کے جوابات دیئے جاتے ہیں، کارکنان دار العلوم نے یہ مفید تجویز کی ہے، کہ ان فتاوی کو ماہ بماہ شائع کردیا جائے، اسی غرض سے یہ رسالہ المفتی جاری ہوا ہے، اس میں دو مفتی صاحبوں کے علٰحدہ علٰحدہ فتاوی شائع کئے جاتے ہیں، سال کے آخر میں فقہی ابواب کی ترتیب سے فہرست بھی شائع کیجائے گی، امید ہے کہ اس رسالہ سے فائدہ اٹھایا جائے گا، کہ فقہی مسائل سے مزاولت رکھنے کا یہ ایک بہتر ذریعہ ہے،

باغبان لاہور (ماہانہ) ادارہ جناب ایس ڈی ایل و جناب رحمت خان تارڑ حجم ۴۰ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰/۸

قیمت سالانہ عہ/ ہر پرچہ ۳ر پتہ بازار تیز ابیان لاہور،

یہ رسالہ زراعت و باغبانی کے معلومات فراہم کرنے کیلئے جاری ہوا ہے، زمینداروں کو اقتصادی و معاشرتی صلاح دیتا ہے، اور زراعت و باغبانی کے وسائل بتاتا ہے، اور فصلوں، پودوں اور سبزیوں کے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچاتا ہے، رسالہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے مفید اور کارآمد ہے،

اقتصادی دنیا، لاہور (ماہانہ) حجم ۴۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت سالانہ سے، ہر پرچہ ۵ر

پتہ نمبر ۱۰، چمبرلین روڈ، لاہور،

یہ رسالہ تعلیم یافتہ طبقہ کو وسائل معاش کی طرف متوجہ کرنے کیلئے جاری ہوا ہے، نوجوانوں کو صنعت و حرفت اور تجارت کے طریقے بتاتا ہے، اور انکے متعلق مفید مشورے دیتا ہے، اور معلومات فراہم کرتا ہے، رسالہ کے مضامین کارآمد ہوتے ہیں، "م"

مطبوعاتِ جدیدہ

فلسفۂ تعلیمِ اسلام (جلد اول) از مولوی سید حمید صاحب شاہی امام مسجد جامع دہلی، ضخامت ۲۲۸ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت ۱۲؎ ، پتہ دفتر فلسفہ تعلیم اسلام، امام منزل چتلی قبر دہلی

جدید علمِ کلام کی تدوین کا خیال صاحب نظر علمار کے سامنے مدت سے رہا ہے، اور وقتاً فوقتاً اس پر کتابیں لکھی گئی ہین، شمس العلما مولینا سید احمد صاحب امام مسجد جامع دہلی کے خلف الصدق مولوی سید حمید صاحب نے بھی اس ضرورت کا احساس کیا، اور اس موضوع پر ایک سلسلۂ تصنیف تیار کیا، جسکی جلد اول شائع ہوئی ہے، یہ جلد مباحثِ ایمانیات پر مشتمل ہے جنہیں ائمۂ متقدمین کی کتابون کے علاوہ سیرۃ و الکلام وغیرہ سے بھی مدد لی گئی ہے، لائق مصنف نے مسائل و عقائد کی تشریح کا طریقہ یہ رکھا ہے، کہ اولاً عقائد اسلامی کو عقل و فطرت کے مطابق دکھاتے ہوئے ہر عقیدہ کے متعلق قرآن مجید و احادیث کے بیانات درج کئے ہین، پھر اس پر قرآن مجید کے طریقِ استدلال کو پیش کیا ہے، اسکے بعد قدیم علمِ کلام کے استدلال کی بنیادون پر گفتگو کر کے اسکو دورِ جدید کی تحقیقات و اکتشافات اور قابلِ فہم سائنٹفک مسائل و فلسفیانہ نظریات و بیانات کی تمثیلات سے دلنشین اندازِ بیان مین سمجھایا ہے، اس تصنیف سے ہندوستانی زبان میں اوسط درجہ کی ایک اچھی مذہبی کتاب کا اضافہ ہوا ہے، امید ہے کہ اسکی بقیہ جلدین بھی جو تیار ہو چکی ہین، جلد شائع کیجائیں گی لیکن ایک امر کی طرف توجہ دلانا ضروری ہے کہ کتاب کی زبان عام اردو خواں طبقہ کیلئے کسی قدر دشوار ہو گئی ہے، اصطلاحات سے تو چارہ نہین لیکن افادۂ عام کیلئے مسائل کی تشریح مین عربی کے نامانوس الفاظ کا استعمال ترک کر دیا جائے تو مناسب ہوگا، اگرچہ معلوم ہوتا ہے کہ لکھنے کے بعد مصنف کو بھی اس کا احساس ہوا ہے، اور جا بجا الفاظ کی تشریح

ہیں حواشی بڑھائے ہیں، لیکن یہ تشریحات بہ کثرت الفاظ میں سے محض معدودے چند کی ہوسکی ہیں، توقع ہے کہ دوسری جلدوں میں اسکا خاص طور پر لحاظ کیا جائے گا، کہ کتاب کے افادہ کے زیادہ امکانات پیدا ہوں

شعرستان، از جناب سید محمود اعظم فہمی ترمذی حجم ۱۲۰ صفحات تقطیع چھوٹی پتہ مکتبہ جامعہ دہلی قیمت ۱۲؍

یہ جناب سید محمود اعظم فہمی کے کلام کا منتخب مجموعہ ہے، جس میں مختلف اخلاقی وادبی نظمیں اور غزلیں شامل ہیں، حضرت جگر مرادآبادی نے اشارات کے عنوان سے اس مجموعہ کی تعارف لکھی ہے، اور کلام فہمی کی تحسین کی ہے،

مسلمان بیبیاں مرتبہ جناب اعجاز الحق قدوسی، ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۶؍ پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

یہ گویا اسوۂ صحابیات کا ایک مختصر خاکہ ہے، جو دلآویز انداز میں تیار کیا گیا ہے، اس کا مطالعہ مسلمان لڑکیوں کیلئے مفید ہوگا،

چالیس حدیثیں مرتبہ جناب خواجہ عبدالحئی صاحب فاروقی استاذ جامعہ ملیہ ناشر مکتبہ جامعہ دہلی ضخامت ۴۴ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۲؍

زمانہ سلف سے چہل احادیث کے مجموعے تیار کرنے کا دستور چلا آتا ہے، اس رسالہ میں جناب مؤلف نے یہ جدت کی ہے، کہ بچوں کے لئے علٰحدہ علٰحدہ چالیس اخلاقی و معاشرتی عنوانوں پر حدیثیں جمع کی ہیں، اور انھیں اس نام سے موسوم کیا ہے، رسالہ بچوں کے پڑھنے کے لائق ہے،

کرشن جی از جناب رئیس احمد صاحب اسلامیہ ہائی اسکول بریلی، ۱۵ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۱؍ ناشر بچوں کا کتبخانہ نمبر ۵ کلائیو روڈ نئی دہلی،

اسمیں بچوں کیلئے کرشن جی کے اجمالی سوانح آسان زبان میں لکھے گئے ہیں۔

"ر"

دارالمصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدما کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۵۴ صفحے قیمت للعہ از مولنا عبدالسلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ و کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت :- للعہ

گلِ رعنا - اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعرا کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت :- صہ از مولنا سید عبدالحی صاحب مرحوم،

مکاتیبِ شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصہ اول - ضخامت ۴۴۲ صفحے، قیمت :- للعہ

حصہ دوم، " ۲۹۱ " " عہ

موازنۂ انیس و دبیر، (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو اور دین فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۴۰۲ صفحے، قیمت : ے ر سے ر

کلیاتِ شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے بیس سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت ؛- عہ

افاداتِ مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۴۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈہ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت : ہے ر حجم ۳۰۵ صفحے،

سرگذشت ادبِ ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲؍ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (از مولنا سید ریاست علی ندوی)

دارالمصنفین کی سب سے جدید فہرست

اور

کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف،

سنہ ۱۹۳۵ء سے ہم نے دارالمصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کردی ہو، مکتبۂ دارالمصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہوگئی ہو، امید ہو کہ جو لوگ اس وقت تک دارالمصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دارالمصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ (۱۸) روپیے ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت ۲۷؍ ہے، لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپے میں دیا جائیگا لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دارالمصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جا سکتا، کمیشن کی رعایت بہرصورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی   منیجر دارالمصنفین   اعظم گڈھ

مطبع معارف میں محمد ادریس واثق نے چھاپ کر شائع کیا،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ مارچ سنہ ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت :- پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

جلد ۳۷ | ماہ ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۴ھ مطابق ماہ مارچ سنہ ۱۹۳۶ء | عدد ۳

مضامین

شذرات

آج سے ۱۸ برس پہلے معارف بابتہ ماہ نومبر ۱۹۱۷ء میں مسلمانانِ ہند کے نظامِ شرعی کا ایک مفصل خاکہ پہلی مرتبہ پیش کیا گیا تھا، پھر ماحول کے لحاظ سے یہ تحریک اٹھائی گئی کہ اگر اسلامی محکمۂ قضا کا قیام دشوار ہو تو برطانوی ہند کے مسلمان حکام کے ذریعہ یہ خدمت لیجائے، اور مسائلِ نکاح وطلاق کے وہ اسلامی قوانین موجودہ قانونِ ملکی میں شامل کرلئے جائیں جو بدقسمتی سے موجود نہیں ہیں، اس کا کم سے کم یہ اثر مترتب ہوا کہ یوپی کونسل کی مقررکردہ مجلسِ نکاح وطلاق کی چند مجلسیں ہوئیں، لیکن اس کا مرتب کردہ مسودہ قانون آج تک زیرِ غور ہے، پھر جب ایک غیر مسلم محرک کی تحریک سے نابالغون کے نکاح کا مسودہ اسمبلی میں آیا تو معارف نے اس کی طرف ملک کو دوبارہ متوجہ کیا، خدا کے فضل سے اس وقت تک علمائے دین کی ایک کارفرما جماعت جمعیۃ العلماء، قومی وملی مسائل کی نگہبانی کے لئے تیار ہوچکی تھی، معارف نے نومبر ۱۹۲۵ء میں اس مقدس جماعت کو اس طرف متوجہ کیا، پھر دسمبر کے پرچہ میں ۱۹۱۷ء کی تحریک نظامِ شرعی کی تجدید کی اور پانچ چھ نمبروں میں مسلمان عورتوں کے حقوق کا مسئلہ کے عنوان سے ان کے مختلف پہلو نمایاں کئے، مقامِ مسرت ہے کہ اسی وقت سے مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ ومولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نائب امیر شریعت بہار نے اس مسئلہ کو جمعیۃ العلماء کی توجہ کا خاص مرکز قرار دیا، اور انہی اربابِ فکر کی مساعی سے اسمبلی کے مسلمان ارکین نے اس ضرورت کا احساس کیا، چنانچہ جناب غلام بھیک صاحب نیرنگ اور جناب محمد احمد صاحب کاظمی نے کم سے کم مسلمان عورتون کے حقوقِ فسخ نکاح کی حفاظت کے لئے ایک مسودۂ قانون اسمبلی میں بھیج کر دوسرے کی ضابطہ کی منظوری حاصل کرلی،

لیکن اتفاقاً اس ابتدائی مسودہ میں وہ روح موجود نہ تھی جو کم سے کم ہندوستان کے مسلمانون کے شرعی

نظام کا بدرجۂ اقل قائم مقام بن سکتی، اس لئے مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب نے ایک جداگانہ مسودہ قانون مرتب کرکے شائع کیا جس میں اس مسودہ کی خامیاں دور کردی گئیں، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ جناب محمد احمد صاحب کاظمی نے خوشی دل سے اس نئے مسودہ کو قبول کرکے اسی کی بنیاد پر اسمبلی میں ایک دوسرا مسودہ تیار کرکے بھیج دیا، اور اس کے بعد جمعیۃ العلماء کی مجلس عاملہ نے بھی ۳ر فروری کو مراد آباد کے اجلاس میں اس مسودہ کی عملاً تصدیق کردی، اگرچہ اس نے غایت احتیاط میں ایک مستقل مسودۂ قانون مرتب کیا ہے، تاہم ہم نے جناب کاظمی کے ترمیم شدہ اور جمعیۃ العلماء کے مرتب کردہ دونوں مسودوں کو بامعان، لفظ بلفظ ملا کر دیکھا، اور ہماری خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہی جب ہمیں بجز ایک اصولی مسئلہ اور ایک دو جزوی بلکہ لفظی اختلاف کے لفظاً و معنیً دونوں میں کوئی فرق نظر نہ آیا، اس لئے یہ سمجھنا چاہئے کہ جناب کاظمی کے ترمیم شدہ مسودہ قانون کو جمعیۃ العلماء کی متفقہ حمایت حاصل ہوگئی ہے، والحمد للہ علیٰ ذٰلک،

مسلمانوں کو اس وقت سب سے بڑی ضرورت سر جوڑ کر کام کرنے ہی کی ہے، علماء دو محرکین مسودہ میں صرف نکاح مرتدہ کے فسخ نہ ہونے کے مسئلہ میں اختلاف ہے لیکن جناب کاظمی صاحب کے ایک تشریحی بیان سے اس اختلاف کا اندیشہ بھی جاتا رہا ہے کہ ان کے بیان کے مطابق "چونکہ مسودہ کو پیش ہوکر پاس ہونے میں ابھی عرصہ لگیگا، اور اس میں مزید غور کی گنجایش ہے، اگر حضرات علماء نے متفقہ یا بہ کثرت اس کو نامنظور کردیا تو یہ دفعہ خارج ہوجائے گی"

چونکہ جمعیۃ العلماء نے اپنے مسودہ میں اس دفعہ کو حذف کردیا ہے، اس لئے اب اس دفعہ کے افادہ و نقصان کے پہلوؤں پر غور کرنا بے سود ہے، اسے تائید ایزدی سمجھنا چاہئے کہ ایسے مسائل میں جنہیں بکثرت فرقہ وارانہ شاخسانے نکل سکتے تھے، رشتۂ اتفاق ہاتھ آگیا ہے، اس لئے ہمیں توقع ہے کہ مسودۂ قانون کے لائق محرک اسمبلی میں اس کے پیش ہونے کے وقت اس دفعہ کو حسب اعلان واپس لے لیں گے، اسمبلی کے موجودہ سشن کے نئے مسلمان اراکین لائق صد ستائش ہیں، کہ ان کی مساعی سے قانون فسخ نکاح و قانون شریعت جیسے مفید مسودے اس وقت اسمبلی

میں پیش ہیں، خدا وند تعالیٰ انکی مساعی کو بار آور فرمائے،

آل انڈیا اورینٹیل کانفرنس کے اجلاس میسور کی افتتاحی کارروائیوں کا تذکرہ ماہ جنوری کے ان صفحات میں کیا جا چکا ہے، اس سال اس کے شعبۂ اسلامیات کی صدارت کی خدمت جناب ڈاکٹر محمد نظام الدین صاحب صدر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ حیدر آباد نے انجام دی، موصوف نے اپنے پرمغز خطبہ میں اسلامی تہذیب و تمدن اور اسکی اشاعت و وسعت پر عالمانہ نظر ڈالی ہے، اس سلسلہ میں ہندوستان کے ان متعدد علمی اداروں کا جو تحقیق و تدقیق، درس و تدریس اور اشاعت علوم کے فرائض کسی طریق پر انجام دے رہے ہیں، تذکرہ کیا ہے، اس ذیل میں موصوف نے دار المصنفین کو بھی یاد فرمایا ہے، فرماتے ہیں:-

"اسکے بعد ہم دار المصنفین اعظم گڈھ کا ذکر کرینگے جو مولنا شبلی مرحوم کی یادگار ہی اس ادارہ نے جس درجہ علوم اسلامی کی تبلیغ اور حمایت میں ہمت صرف کی ہو اور اس کے مفاد کو پیش نظر رکھا ہو، شاید ہی کوئی اور ادارہ اسکی ہمسری کر سکے، اس ادارہ نے تالیفات کا ایک گرانقدر سلسلہ جاری کیا ہو جو اردو دان نسلوں کے لئے بے مثال شاہکار کی صورت اختیار کریگا، سیرت النبی اور مشاہیر اسلامی کی سوانحمریاں جو عام مسلمانوں کی ہدایت کیلئے لکھی گئیں وہ اس ادارہ کے لئے سرمایۂ ناز ہیں،... اس ادارہ کی علمی تصانیف کی تعداد اور اہمیت دوسرے اداروں کے مقابل میں بہت بڑھی ہوئی ہو، ہم اب اس ادارے کے مخلص شیدایان علم کی ستایش میں رطب اللسان ہیں، معارف اس ادارہ کا ایک ماہانہ اردو رسالہ ہو، جو اسلامی دنیا کی مختلف سرگرمیوں کی نمایندگی کرتا ہو، مولوی سید سلیمان ندوی جنکی مصاحبانی کے ہم متمنی ہیں، اس ادارہ کے روح رواں ہیں، تمام ہندوستان کے مسلمان ان کے اسلامی جوش اور علمی تبحر کے بے حد مرہون منت ہیں"

ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور کا دوسرا سالانہ اجلاس وسط ماہ اپریل ۱۹۴۱ء میں لاہور میں منعقد ہونا قرار پایا ہے، امید ہے کہ ملک کے مختلف حصوں کے اکابر اہل علم اس میں شریک ہو کر اسلامی تہذیب و تمدن اور علوم و فنون پر اپنے مقالات سنائینگے،

مقالات

تاج محل اور لال قلعہ کے معمار

(۲)

لطف اللہ مہندس: احمد معمار کے دوسرے بیٹے لطف اللہ مہندس کی اس وقت متعدد یادگارین دنیا میں باقی ہین، اور کہنا چاہئے کہ یہی وہ سپوت ہے جس کے ذریعہ اس کے باپ کا نام دنیا کو معلوم ہو سکا، سندیلوی نے اپنے تذکرہ مخزن الغرائب میں جو ۱۲۱۸ھ کی تصنیف ہے، مہندس کے بیٹے امام الدین ریاضی کے تحت میں مہندس کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے

"مولوی لطف اللہ مہندس بودہ است، ایشان ہم بگفتن اشعار میل تمام داشتند و مہندس تخلص می کردند، و در علم ریاضی مثل این ہر دو پدر و پسر در بلاد ہند نبودند" (نسخہ قلمی دار المصنفین ص ۱۳۵)

اور سفینۂ خوشگو میں ہے،

"خلف ملا لطف اللہ مہندس تخلص لاہوری است کہ قلعۂ ارک دار الخلافہ شاہجہان آباد تجویز وصوابدید او بنا یافتہ"

یہی فقرہ بعینہ قلی خان کے نشتر عشق میں ہے، اسکی سات تصنیفات کے نام ہمکو معلوم ہو سکے ہین جن کے نسخے اس وقت ہندوستان اور یورپ کے کتب خانون میں موجود ہیں، لیکن ان تصانیف کے علاوہ اسکی

عجیب وغریب یادگار اس کا ایک آہنی کتبہ ہے جو سلاطین مالوہ کے پایہ تخت مانڈو میں وہاں کے مشہور بادشاہ ہوشنگ غوری (۸۰۸ھ – ۸۳۸ھ) کے مقبرہ کے دروازہ کے داہنے ہاتھ پر لگا ہوا ہے، یہ ۲ انچ لمبا اور ۴ ½ انچ چوڑا کتبہ ہے، جس میں بخط خفی حسب ذیل عبارت چار سطروں میں منقوش ہے،

۱- بتاریخ نہم ربیع الثانی سنہ ہزار و ہفتاد ہجری،

۲- فقیر حقیر لطف اللہ مہندس ابن استاد احمد معمار شاہجہانی،

۳- وخواجہ جادورائے واستاد شیورام واستاد حامد،

۴- بجہت زیارت آمدہ بود،

اثریات ہند کے ماہر جناب ظفر حسن صاحب بی اے (محکمہ آثار قدیمہ ہند) نے مانڈو کے کتبات پر انگریزی میں جو مقالہ لکھا ہے، اس میں یہ کتبہ سترہویں پلیٹ پر چھاپ دیا ہے، اور وہ اس وقت میرے سامنے ہے،

غالبًا ان معمار سیاحوں کے لئے اس کتبہ کے یہاں لگانے کا محرک یہ امر ہوا ہے کہ یہاں اکبر بادشاہ نے اپنے سفر و گذر کی تاریخیں ثبت کرائی ہیں، انہیں کو دیکھ کر ان معماروں نے بھی اپنا یادگاری کتبہ لگا دیا ہے،

اس کتبہ سے متعدد باتوں پر روشنی پڑتی ہے،

۱- اس عہد کے استادان تعمیر دوسری عمارتوں کو بھی فن کی حیثیت سے دیکھنے کے لئے جایا کرتے تھے،

۲- ہندو مسلمان باکمالوں میں فن کی یکجہتی کا رشتہ خاصہ مستحکم اور مضبوط تھا،

۳- ہندو شاہی معماروں کے ناموں کے ساتھ خواجہ اور استاد کا بولنا کیسا عام تھا، خواجہ جادورائے اور استاد شیورام کیسی کیسی عزت کے الفاظ تھے،

۴- لطف اللہ مہندس گو شاعر و مصنف تھا، تاہم اس میں اس کے موروثی فن تعمیر کا ذوق اتنا تھا کہ وہ دوسرے معماروں کے ساتھ کسی عمارت کے دیکھنے کے لئے سفر کی زحمت گوارا کر سکتا تھا،

لطف اللہ کی جن سات کتابوں کے نام ہم کو ملے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

۱۔ صور صوفی،

۲۔ رسالہ خواصِ اعداد،

۳۔ شرحِ خلاصۃ الحساب،

۴۔ منتخب الحساب؛

۵۔ تذکرۂ آسمانِ سخن،

۶۔ دیوانِ مہندس،

۷۔ سحرِ حلال،

پہلی کتاب ہیئت میں اور بعد کے تین رسالے علم حساب میں ہیں، اور دوسری کو چھوڑ کر کہ وہ عربی میں ہے، بقیہ چھ کی زبان فارسی ہے، جن میں سے تین اول الذکر اور آخری نثر میں ہیں، اور چوتھی اور پانچویں دو کتابیں نظم میں، اب ذیل میں ہر ایک تصنیف پر مختصر تبصرہ کرتے ہیں،

۱۔ صورِ صوفی | مشہور مسلمان ہیئت دان عبدالرحمٰن الصوفی المتوفی ۳۷۶ھ نے ستارون کے اشکال وصور پر جو بلند پایہ تصنیف صور الکواکب کے نام سے لکھی تھی، لطف اللہ نے ۱۰۶۰ھ میں اپنے باپ احمد معمار کے حکم سے اس کا فارسی میں ترجمہ کیا، اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس کی عمر کا پہلا کام ہے کہ اس کا دیباچہ کسی بادشاہ کے نام کے بجائے خود اس کے باپ کے نام نامی سے مزین ہے، اور اس میں یہ نوجوان مصنف یہ ظاہر کرتا ہے، کہ اس کی محنت کا بہترین صلہ یہ ہے کہ اس کا باپ اس کے اس کام کو دیکھکر خوش ہو، اس کتاب کا اصل مسودہ جو خود لطف اللہ کے ہاتھ کا لکھا ہے، مسلم یونیورسٹی لائبریری (نمبر ۳ فارسی علوم) میں موجود ہے، دیباچہ کی عبارت یہ ہے،

"رخشندہ ترین کواکبی کہ از مشرقِ طبع بر فلکِ ظہور آمد حمد مبدعی وشکر مخترعی . . . . . .

امابعد چنین گوید محتاج الی اللہ القادر الغفار، لطف اللہ بن احمد النادر المعمار، مد اللہ ظلہ علی رؤس لاولاد

بحرمۃ النبی وآلہ الامجاد کہ چوں اشارۂ آنحضرت بسوے ایں فقیر حقیر شد کہ کتاب عمدۃ الاسلام قدوۃ الانام مولانا عبدالرحمن ابن صوفی افاض اللہ علیہ شآبیب الغفران واسکنہ فرادیس الجنان، کہ در معرفت نجوم ثابتہ کتابیست معتمد ورسالہ ایست کافیہ، بجہت عموم فائدۂ کلام، وسہولت فہم مرام، بعبارت فارسی سادہ ترجمہ کردہ آید، تا بر ترغیب خاطر فارسی خوانان حقیقت طلب باعث تر شود، کمر اطاعت بر میان جان بستہ، دست را بنوشتن نگارین کرد، امید کہ باین سجیۂ مرضیہ من در عقبیٰ ماجور، وترجمۂ من در دنیا مقبول باشد، وطالبان ایں فن ازیں ترجمہ مستفید شوند، چنانکہ از اصل ایں، واگر خطائے باشد اصلاح فرمایند، الحمد للہ والمنۃ کہ در فرصتے اندک ہمگی بوجہ احسن وشایستہ میسر شد، وسنۃ یکہزار وپنجاہ ہجری اتمام پذیرفت، اما احسن وشایستہ تر وقتی کہ از نظر مبارک والد بزرگوار من بگذرد، وبعین عنایت وچشم مکرمت نگاہ کنند وقبول فرمایند"

خاتمہ کی عبارت :-

. . . . ہزار در ہزار حمد ایزد دادار کہ ترجمۂ کتاب صور صوفی حسب الحکم قبلۂ صورت ومعنی کعبۂ ظاہر وباطن، خداوند حقیقت ومجاز، الیوم المسمی باحمد المخاطب بنادر العصر سلمہ اللہ تعالیٰ من بلیات الزمان وآفات الدہر بآخر رسید واتمام پذیرفت"

بقلم شکستہ رقم لطف اللہ کہ مؤلف ایں رسالہ ومترجم ایں مقالہ است، کتاب باتمام رسید الحمد للہ علی نعمائہ والصلوٰۃ علی انبیائہ لاسیما علی محمد وآلہ واصحابہ اجمعین،

واغفر لی ولوالدی بحو متھم یا ارحم الراحمین"

کتاب کے آخری صفحہ پر آفتاب اور سہا کی مناسبت سے کچھ فقرے مشق کئے گئے ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خاندانی یادگار کے طور پر اس گھر کے ارکان نے محفوظ رکھا تھا، یہ مشق میرے خیال میں اس کے بھائی عطاء اللہ کے قلم سے ہے، کہ آخر میں ایک شعر میں جو اوپر عطاء اللہ کے حال میں نقل کیا جاچکا ہے، اس کا نام لکھا ہے؛

۲- رسالۂ خواصِ اعداد، یہ فارسی میں علم حساب پر ۸ صفحوں کا رسالہ ہے، اور چار مقالوں پر منقسم ہے، اس میں اعداد کے خواص اور قیمتوں پر بحث کی گئی ہے، اس کا ایک نسخہ برٹش میوزیم کے کتب خانہ میں ایک مجموعہ کے اندر ہے، جس میں دو رسالے لطف اللہ کے ہیں، اور تیسرا عطاء اللہ کی وہی خلاصہ راز ہے جسکا ذکر اوپر آچکا، (۱۶۷۴ ۶۲) اس کا آغاز یہ ہے:-

الحمد للہ . . . . می گوید فقیر لطف اللہ متخلص بہ مہندس "۔

اس کا دوسرا نسخہ کتبخانۂ سعیدیہ حیدرآباد دکن میں نظر سے گذرا ہے، نسخہ جدید الخط ہے ۱۲۷۷ھ میں نقل ہوا ہے، آغاز یہ ہے،

" الحمد للہ رب العلمین، والصلوٰۃ علی رسول محمد وآلہ واصحابہ اجمعین،

اما بعد، میگوید فقیر لطف اللہ متخلص بہ مہندس، ابن استاد احمد لاہوری کہ این رسالہ الیست مختصر

درعلم ارسماطیقی (ارثماطیقی) یعنی خواصِ اعداد، بدان اسعدک اللہ فی الدارین،،

اس رسالہ کا کوئی خاص نام نہیں معلوم ہوتا، کتبخانۂ سعیدیہ میں اسکا نام رسالۂ ارسماطیقی مندرج ہے، اور اسی نام سے یہ رسالہ خاندانِ دیوان مدراس کے کتبخانہ میں بخط مولوی محمد غوث شرف الملک موجود ہے،

۳- شرح خلاصۃ الحساب، علم حساب میں بہاء الدین محمد بن حسین آملی المتوفی ۱۰۳۰ھ کی مشہور عربی تصنیف خلاصۃ الحساب کی ممزوج شرح ہے، اس کی شرحیں متعدد علماء نے لکھی ہیں، جنمیں خود اس کے معاصر عصمۃ اللہ سہارنپوری کی عربی شرح جو ۱۰۸۷ھ میں لکھی گئی ہے، بہت مفصل ہے، اور چھپ بھی چکی ہے اور جس کا نام انوار خلاصۃ الحساب ہے، دوسری یہ لطف اللہ مہندس کی ہے، اس کا ایک نسخہ انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہے، (نمبر ۱۷۶، مخطوطات عربی) اس میں مصنف کا نام لطف اللہ المتخلص بالمہندس ابن الاستاذ احمد المعمار، لکھا ہے، اور اس کا آغاز ان لفظوں سے ہے، الحمد للہ الواحد الفرد الصمد، یہ نسخہ ایک خاص حیثیت سے ممتاز ہے، جس کا ذکر آگے آئے گا، اس کتاب کا دوسرا نسخہ ہندوستان میں

رامپور کے کتب خانہ میں ہے (نمبر ۵۴ ریاضی) اس نسخہ کے صفحات کی تعداد ایک سو بیس ہے،

۴۔ **منتخب**: یہ بہار الدین آملی کی مذکورہ بالا تصنیف خلاصۃ الحساب کا فارسی ترجمہ اور خلاصہ ہے، انگلستان اور ہندوستان میں اس کے متعدد نسخے ہیں، دو نسخے انڈیا آفس کے کتب خانہ میں ہیں، تیسرا برٹش میوزیم لائبریری میں، چوتھا کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں[1]، پانچواں مسلم یونیورسٹی علی گڈھ میں، چھٹا جامعہ ملیہ دہلی میں اور ساتواں کتب خانہ دیوان مدراس میں بخط سید محمد قاسم مکتوبہ ۱۲۱۸ھ ہے، اس رسالہ کا منتخب نام تاریخی ہے، اس سے ۱۰۹۲ھ کی تاریخ نکلتی ہے، مقدمہ میں لکھا ہے کہ یہ کتاب خاندان وزارت کے رکن رکین میر محمد سعید بن میر محمد یحییٰ کی فرمایش سے لکھی گئی ہے،

اس کا آغاز اور دیباچہ حسب ذیل ہے:-

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسولہ محمد والہ واصحابہ اجمعین

امابعد می گوید فقیر لطف اللہ مہندس ابن استاد احمد معمار لاہوری غفر اللہ لہ ولوالدیہ، واحسن الیہما والیہ، کہ کتاب حساب راکہ تصنیف است از محقق وتحریر مدقق شیخ بہار محمد بن حسین عاملی (آملی) رحمۃ اللہ علیہ مشتمل بر قواعد شریفہ، وفوائد لطیفہ، باشارات خلاصۂ دودمان سیادت منتخب خاندان وزارت میر محمد سعید بن میر محمد یحییٰ ادام اللہ اقبالہ وضاعف اجلالہ ترجمہ کردم کہ چوں آں نسخہ خلاصہ نام داشت ایں نسخہ را منتخب نہادم . . . . نام تاریخ تالیف ایں رسالہ است و ایں رسالہ بنا بر ترتیب کتاب مرتب است بر مقدمہ وابواب،

آخر میں ایک حسابی مسئلہ کا حل نظم میں ہے جس کا خاتمہ ان دو شعروں پر ہے، ؎

منکہ ہستم فقیر لطف اللہ — بمہندسی شہیر در افواہ
خاکپائے ہنروران کبار — پور استاد احمد معمار

۱؎ برٹش میوزیم کے نسخہ کا نمبر ۱۷۷۴ اور انڈیا آفس کے نسخہ کا ۲۲۵۳ اور ۲۲۵۴ اور آصفیہ باب ریاضیات فارسی کا ۱۰۱ ہے،

انڈیا آفس لائبریری کا نسخہ نمبری ۲۲۵۴/۵ ۳ رشعبان ۱۱۴۵ھ کا لکھا ہوا ہے، اور حیدر آبادی نسخہ کی تاریخ ۱۲۴۳ھ ہے، اور کتبخانہ میں اس کا ۲۱۱/م ریاضیات فارسی ہے، مسلم یونیورسٹی کا نسخہ سبحان اللہ خان لائبریری میں ہے، اس کا نمبر ۱۱۵/۳۱ ہے، اور وہاں اس کا نام ترجمۂ خلاصۃ الحساب ہے، اور کتابت کا سال ۱۸۳۹ء ہے، جامعہ ملیہ کے نسخہ کا نمبر ۷، سلسلۂ مخطوطات ہے، اور تاریخ سے خالی ہے،

۵۔ آسمان سخن، دولت شاہ سمرقندی کا فارسی شعراء کا تذکرہ جو ۸۹۲ھ میں تالیف پایا ہے، بایں ہمہ اغلاط دلچسپ ضرور ہے، اور اسی لئے اہل سخن کی محفلوں میں اس کا تذکرہ رہا کیا ہے، یہ کتاب فارسی نثر میں ہے، اور سات طبقوں پر منقسم ہے، اکبر کے زمانہ میں فائضی کرمانی نام ایک شاعر نے اس کو نظم کر ڈالا، اور سات طبقوں کے بجائے اس کو دس طبقوں میں مکمل کیا، لطف اللہ مہندس نے فائضی کے نسخہ میں دو اور طبقوں کا اضافہ کر کے اس کو ۱۲ طبقوں میں پورا کر دیا، اور بارہ برجوں کی مناسبت سے اُسکا نام آسمان سخن رکھا، یہ تمام واقعات لطف اللہ مہندس نے کتاب کے دیباچہ میں ذکر کئے ہیں، اس کا نسخہ شاہِ اودھ کے کتبخانہ میں تھا، ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کتب خانہ کی فہرست میں صفحہ ۱۱۶ پر اس کتاب کا ذکر کیا ہے، اب کسی اور کتب خانہ میں اس کا نشان نہیں ملتا، معلوم نہیں گردشِ چرخ نے اس آسمانِ سخن کو کس خاک میں ملا دیا، لطف اللہ مہندس کے اس اضافہ میں کل ۲۵۰ بیتیں تھیں، ایک ایک بیت میں ایک ایک شاعر کا بیان تھا، اس کا پہلا شعر یہ تھا،

نخست شکر خدائے کہ آسمانِ سخن بیافرید محیط نہ آسمانِ کہن

فہرست مذکور میں ڈاکٹر اسپرنگر نے اس کے بارہویں طبقہ کے ۱۳ شعر نقل کئے ہیں، ان شعروں میں شاہجہانی شعراء کے نام نظم کئے گئے ہیں، اسی سے اندازہ ہوتا ہے کہ لطف اللہ نے دورِ اکبری کے بعد جو دو طبقے بڑھائے تھے، ان میں سے پہلے میں جہانگیری عہد کے اور دوسرے میں شاہجہان کے زمانہ کے سخنوروں کے نام ہونگے، وہ ۱۳ شعر یہ ہیں،

وحید دہر آمانی ابن مہابت خاں — ولے بخانِ زمان است شہرۂ دوراں

دگر یگانہ ظفرخان تخلص احسن — ربودہ گوئے سخن از سخنوراں در فن

دگر وحید زمن آشنا عنایت خاں — بود بہ بحرِ سخن آشنا عنایت خاں

دگر وحید زمن شادمانِ غم پرور — بیانِ شادی غم در کلام او مضمر

دگر سخنورِ کشمیر محسنِ فانی است — بقائے نام وی از دولتِ سخندانی

مہ سپہر سیادت یگانہ میر عماد — کہ بود در غزل و مدح و مثنوی استاد

لبیبِ عصر محمد حسین آشوب است — سخنوری کہ سخنہاش جملہ مرغوب است

دگر وحید زمان است طالبائے کلیم — کہ شعرِ او یدِ بیضا است نزدِ طبعِ سلیم

دگر فریدِ جہاں قدسی محمد خاں — بعہدِ شاہجہاں گو ربودہ از اقراں

الٰہی ہمدانی است در سخن استاد — سخنورے است کہ دادِ سخنوری می داد

لبیب از منہ امّی نخواندہ ہیچ کتاب — زفیضِ حق شدہ مفتوح بر رخش صد باب

دگر وحید زمن باقیا ترانۂ او — خوشست ہمچو غزلہائے عاشقانۂ او

فصیح از منہ فنجا کہ چوں غزل میگفت — چو عندلیب غزلخواں در و گہری سفت

نویں شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ لطف اللہ نے یہ دادِ سخن عہد شاہجہانی (۱۰۶۸ھ) کے بعد دی ہے،

۲۰۔ دیوان مہندس | یہ پورا دیوان چھوٹی تقطیع کے چھیانوے ۹۶ صفحوں میں ہے، سب سے پہلے دیوان کے شروع میں دس صفحوں میں چار قصیدے ہیں، پہلا نعت میں ہے، دوسرا دارا شکوہ کی، اور تیسرا شاید دارا شکوہ کے بیٹے سلیمان کی مدح میں ہے، اور چوتھا کسی معشوق کا سراپا ہے، اس کے بعد نئی بسم اللہ سے غزلیں شروع ہوتی ہیں، جو حروف تہجی پر مرتب ہیں، یہ گیارہویں صفحہ سے شروع ہو کر صفحہ ۸۷ پر تمام ہوئی ہیں، پھر نئی بسم اللہ سے وہ مثنوی شروع ہوتی ہے جس میں اس نے اپنے خاندان کا احوال

لکھا ہے، پھر ایک دو مختصر مثنویاں اور چند قطعے ہیں، جن میں سے دو چار قطعے تاریخی ہیں، پہلے نعتیہ قصیدہ کی تشبیب بہت پُرزور ہے،

خسرو مہر چو بنشست بر اورنگ عمل — رستمِ روز در اقلیم شب افگند خلل
رومیِ روز بر افراختہ رایت بصاف — زنگیِ شب سپر انداخت ہنگامِ جدل
کیمیا ساز نبود است گر این عاملِ روز — مس شب را بزرِ روز چرا کردہ بدل
روز افزودۂ و شب کاستہ زاں زرو گوہر — کردہ آئینۂ ایام ولیالی صیقل
سنگ از تربیت مہر شود لعل و کنوں — اخگر از تربیتش لعل شود در منقل
وقت آن ست کہ در قافلہ از فیضِ بہار — آب زمزم شود اکنون نمی باب بدل
وقت آنست کہ واعظ چو نہد مجلسِ وعظ — صورت شیشہ شود نسخۂ واعظ بہ بغل

اس قصیدہ کے آخر میں شاعر نے اپنا اور اپنے باپ کا نام اور اپنے مشاغل تدرس و تدریس کا ذکر کیا ہے،

دلِ دانائے مرا فخر بعلم است و بفضل — جاہل است آنکہ بنازد بحلی و بحلل
باش لطف اللہِ احمد چہ کنی فخر بعلم — جہل ازیں علم تو بہتر کہ نیاید بعمل
عمر در درس بسر بردی و در آخر کار — ہیچ حاصل نہ شد از مدرسہ جز بحث و جدل

داراشکوہ کے مدحیہ قصیدہ میں اپنی مدح خود ان شعروں میں کرتا ہے،

مہندسم کہ کنم صورتِ فلک تصویر — کشم بروے زمیں گر خطوط پرکاری
چناں بلند نہادم اساسِ قصر خرد — کہ بر سپہر زنم طعنۂ نگونساری
چناں منیر شود شمسۂ عمارت من — کہ نورِ مہر بود نزدِ نور او تاری
دمی کہ من بعمارت گری شوم مشغول — ملک مصالحِ کار آورد بسرباری

بدستیاریِ لطفِ شہ بلند اقبال — بلند پایہ زمن گشت قدرِ معماری

بپہر مرتبہ داراشکوہِ دریا دل — کہ ہمچو ابر کفش می کند گہر باری

بعہد دولتِ تو راجہ ہائے کوہستاں — زفرقِ خویش نہادہ کلاہِ جباری

بیک نگاہ کہ کردی بسوئے کوہستاں — گرفتہ پست و بلندیِ کوہ ہمواری

ان اشعار میں جن واقعات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اس کا پتہ موجودہ تاریخوں میں نہیں چلا، لطف اللہ مہندس کے اکثر اشعار سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نام و نمود کا حریص اور معماری جیسے پیشہ سے اپنے کو بلند سمجھتا ہے، چنانچہ اس قصیدہ میں وہ کہتا ہے،

شہا اگر چہ عمارت گریست پیشۂ من — وگرچہ نیست ضمیرم ازیں ہنر عاری

کنوں کہ ملک دلم شد خرابِ عشق بتاں — تو خود بگو کہ چہ نسبت مرا بمعماری

غزلوں کا عام انداز وہی ہے، جو اس عہد کے دوسرے ملا شاعروں کے کلام میں ہے، زبان میں کہیں کہیں ہندیت ہے، اس کے مقطعوں میں خاص خصوصیت یہ ہے کہ وہ اس میں مہندس کی مناسبت سے کوئی بات ضرور پیدا کرتا ہے، مثلاً

مہندس اگر چہ آگہ بود زیں پیش — فرامش کرد قانون شفا را

باشد ز فلک مہندس آگاہ — باآنکہ نشستہ بر زمین است

اے مہ بے مہر درچشم مہندس بے رخت — از حضیضِ خاک تا اوجِ ثریا آتش است

رو مہندس بعلم یک دو سہ شکل — ایں ہمہ افتخار بے معنی است

اے مہندس رو کہ در علمِ نظر — احتیاجِ مسطر و پرکار نیست

ہاں حرف زمیں بگو مہندس — تا کے ز فلک کنی حکایت

از مہندس مپرس سرِ فلک — کیں معما ز ہیچ کس نکشود

ذیل کے مقطعوں میں اس نے مہندس کے لفظ سے کتنا لطیف استدلال کیا ہے،

در حقِ من گمانِ خطا می بری خطاست ۔ ہرگز شنیدۂ کہ مہندس خطا کند

تا یکے شکلِ زمیں خواہی کشید ۔ رو مہندس صورتِ افلاک کش

کہنہ شد آسماں مہندس خیز ۔ تا بناہائے نو نہادہ شود

حسب ذیل غزل اس کے بہترین کلاموں میں سے ہے،

یاران ہلالِ عید برآمد نظر کنید ۔ ماہِ صیام رفت مغان را خبر کنید

یاراں دگر بکوری مفتی و محتسب ۔ امروز خاکِ میکدہ کحل بصر کنید

آں کس کہ از برآمدنِ مہ خبر کند ۔ او را با حترام دہن پر شکر کنید

اکنون رسید کوکبۂ عیش و انبساط ۔ اے درد و غم ز مملکتِ دل سفر کنید

گر در من و نگار مہندس شود حجاب ۔ دستش گرفتہ زود ز محفل بدر کنید

ذیل میں اس کے دیوان کے وہ اشعار نقل کئے جاتے ہیں، جن سے اس کے کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں، اس کا نام:-

باش لطف اللہ احمد چہ کنی فخر بعلم ۔ جہل ازیں علم تو بہتر کہ نیاید بعمل

خواہم کہ کشم بادہ چو لطف اللہ احمد ۔ تا چند کشم محنتِ دورِ قمری را

ہمچو لطف اللہ احمد کو بس دانش می زدم ۔ چوں شدم عاشق بجہلِ خویش کردم اعتراف

ان شعروں میں لطف اللہ اس کا، اور احمد اس کے باپ کا نام ہے، لاہور اس کا وطن تھا

کے بود آمدنِ قاصدِ فرخندہ پیام ۔ مدتے شد کہ ز لاہور نیامد خبرے

ہندسہ و منطق و حکمت میں اس کو غلو تھا،

بر منِ ہیچمداں کشف شد از فیضِ ازل ۔ رازِ سربستہ کہ بر ہندسہ داں مشکل بود

صرف در منطق و حکمت شدہ ایں عمرِ عزیز — لیک آں نکتہ نخواندم کہ در و حاصل بود

معماری و ہندسی میں نامور تھا،

لطف اللہ معار مہندس شد و استاد — گر کار در آیت نکند پس چہ کند کس

درس و تدریس کا بھی شغل تھا،

عمر در درس بسر بردی و در آخر کار — ہیچ حاصل نہ شد از مدرسہ جز بحث و جدل

کسی شہزادہ کے نام ایک مثنوی ہے جس سے مراد غالباً دارا شکوہ ہے، کہ شہزادہ بلند اقبال کے نام سے وہی مخاطب تھا، اس میں وہ کہتا ہے،

لطفِ شہ می کند مددگاری — ورنہ آگہ نیم ز معماری

خواندہ ام یک دو نسخہ از ہر باب — ہیئت و ہندسہ و نجوم و حساب

نہ نویسم ز بیم بے ادبی — کہ چہا خواندام من از عربی

. . . .

لطفِ شہزادۂ بلند اقبال — گر شود بندہ را معاونِ حال

خدمتِ بندہ را بفرماید — کہ از و علم رفتہ باز آید

گر یکے از مقربانِ بساط — در دمِ عیش و در زمانِ نشاط

ایں سخن از مقیم ایں درگاہ — برساند بسمعِ حضرتِ شاہ

اجر باید ز کردگارِ کریم — نہ کہ اجرِ قلیل اجرِ عظیم

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ دارا شکوہ کے توسط سے شاہجہان تک پہنچنا چاہتا ہے،

کہیں کہیں غزلوں کے مقطع میں بھی ادھر اشارہ ہے،

ہان مہندس بندۂ شاہِ بلند اقبال باش — آنکہ گر فرماں دہد جمشید فرمان بر شود

ایک مثنوی میں کسی ایسے خانوادۂ وزارت کے کسی رکن کی مدح وہ کرتا ہے، جس کو سیادت کی عزت بھی حاصل تھی،

اخترِ برجِ حشمت و جلال گوہرِ درجِ دولت و اقبال
نیرِ آسمانِ بینائی آفتابِ سپہرِ دانائی
منبعِ جود و مخزنِ احسان مظہرِ فیض و معدنِ ایقان
زبدۂ دودمانِ مصطفوی نخبۂ خاندانِ مرتضوی
امرا را شرف امارتِ او وزرا را شرف وزارتِ او
امرا از امارتش منصور وزرا از وزارتش دستور
آبِ شرع است سیف مسلولش دست عدلست رمحِ مصقولش

میرا خیال ہے کہ اس مدح کا موضوع وہی ہستی ہے، جس کے نام پر شاعر نے اپنی کتاب منتخب الحساب لکھی ہے، یعنی "خلاصۂ دودمانِ سیادت، منتخب خاندانِ وزارت میر محمد سعید بن میر محمد یحییٰ ادام اللہ اقبالہ و ضاعف جلالہ"،

لطف اللہ اور اس کے بھائیوں کی تصانیف سے یہ ہویدا ہے کہ ان لوگوں کو شاہجہان کے بعد جس سے تعلق رہا ہے وہ شہزادۂ داراشکوہ ہے، چنانچہ لطف اللہ کے بھائی عطاء اللہ رشیدی نے اپنا رسالہ خلاصہ راز شہزادہ موصوف ہی کے نام سے معنون کیا ہے، لطف اللہ کے اس دیوان کے اکثر اشعار سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اس کو اسی شہزادہ کے دربار میں رسوخ و اعتبار حاصل تھا، نعت کے بعد جو پہلا قصیدہ اس دیوان میں ہے، وہ اسی کی مدح میں ہے،

بدستیاریِ لطفِ شہِ بلند اقبال بلند پایہ زمن گشت قدر معاری
سپہر مرتبہ داراشکوہ دریا دل کہ ہمچو ابر، کفش می کند گہرباری

اس کی ایک غزل کا ایک مطلع ہے،

گر بادشہ بلطف نظر بر گدا کند
بر بادشہ نظر بعنایت خدا کند

اس کی دوسری غزل کا مطلع ہے،

اے شاہِ زمن بیا و بنگر
در دلِ من بیا و بنگر

ایک پوری غزل مدح میں ہے،

اے زجودِ تو کامرانیِ دہر
وز وجودِ تو پاسبانیِ دہر

بخدائے خدایگانِ زماں
بتو زیبا خدایگانیِ دہر

دہر را مدح تو وظیفہ بود
گوش کن بر وظیفہ خوانیِ دہر

بتو زیباست خلعتِ شاہی
ز تو پیداست کامرانیِ دہر

باشد از لطفِ تو ہندس شاد
اے ز لطفِ تو شادمانیِ دہر

ان موقعوں پر لفظ لطف کا لطف اہلِ ذوق سے پوشیدہ نہیں،

ایک اور مدحیہ غزل سنئے جس کے مطلع میں دادا بیٹا اور پوتا تینوں کے نام یکجا ہیں،

دارا شکوہ، شاہجہاں بانیِ جہاں
بر روے مبارکست سلیمانِ جہاں

شاہجہاں، دارا شکوہ بن شاہجہاں اور سلیمان شکوہ بن دارا شکوہ بن شاہجہان،

پروردگار بادنگہبانِ دولتت
زانرو کہ کارِ تست نگہبانیِ جہاں

تا از آب و آتش است نشاں در زمانہ‌ہا
روشن ز خاک پائے تو پیشانیِ جہاں

اے بانیِ جہاں کہ جہاں در ثنائے تست
یک لحظہ گوش دار ثنا خوانیِ جہاں

تا کے ہندس است پریشاں چو زلفِ یار
اے از تو دور گشتہ پریشانیِ جہاں

ایک قطعہ ہے

دولتِ جاوید و بخت سرمد و ملک دوام ۔۔۔ ہمعنان و ہمدم شاہ بلند اقبال باد

از کفِ دستش زر و گوہر بدو در بارگاہ ۔۔۔ تا ابد دریا و کان زیں فیض مالا مال باد

می کند احسان او درماندگان را یاوری ۔۔۔ یاد دادِ وا ایزدِ ذو المجد و الافضال باد

دوسرا قطعہ

ثنا خوانِ ترا شاہا چہ حاجت مدح جم گفتن ۔۔۔ بجام بادہ حاجت نیست مست جام سرمد را

چو می خواہد کہ باشد بانیِ قصر ثنائے تو ۔۔۔ بکار خشت و گل مگذار لطف اللہ احمد را

اس قطعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ معماری کے پیشہ کو اپنے سے کم درجہ جانتا تھا،

داراشکوہ نے اس سے اپنا محل بنوایا ہے، اس کی تاریخ نکالتا ہے۔

چو بنا کردہ قصر جاہ و جلال ۔۔۔ ظلِ حق بادشاہ عالی ملک

شبہۂ ایں عمارت و الا ۔۔۔ تافت چوں مہر بر حوالی ملک

گفت معمارِ قصر، تاریخش ۔۔۔ قصرِ داراشکوہ والی ملک

اس مصرع سے تاریخ بنا ۱۰۶۰ھ نکلتی ہے، اور اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ داراشکوہ کا یہ قصر اسی شاعر معمار نے بنایا تھا، داراشکوہ نے کوئی کنجی بنوائی ہے، اس کی تاریخ کہی ہے،

چو طیار شد ایں کلیدِ ظفر ۔۔۔ بفرمانِ دیں پرورِ حق پژوہ

پئے سالِ تاریخ انجام وے ۔۔۔ خرد گفت "مفتاحِ داراشکوہ"

"مفتاحِ داراشکوہ" سے ۱۰۶۱ھ نکلتے ہیں، جس کے ایک سال بعد داراشکوہ کی تاریخ کا صفحہ بدل جاتا ہے، داراشکوہ کے بیٹے سلیمان شکوہ کی کدخدائی کی تاریخ یہ لکھی ہے،

کدخدا گشت باقبالِ بلند ۔۔۔ پورِ دارائے زماں شاہ زمین

درزمانے کہ مرادات جہاں | بود در دست چو در دست نگیں
گفت جبریل امیں تاریخش | بسلیمان شدہ بلقیس قریں

آخری مصرع سے ۱۰۶۴ھ نکلتے ہیں،

اوپر کے اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ اس کا اور اس کے خاندان کا تمامتر تعلق داراشکوہ سے تھا، اہل تاریخ سے اس واقعہ سے دوسرا نتیجہ پیدا کرنا بہت آسان ہے، یعنی یہ کہ اس کو داراشکوہ سے جس قدر وابستگی ہوگی اسی قدر عالمگیر کے دربار سے اس کو دوری ہوگی، داراشکوہ کے مدحیہ قصیدہ میں کچھ ایسے شعر بھی ہیں جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں داراشکوہ کے حریف مقابل یعنی اورنگزیب پر طعن و تعریض ہو، مثلاً

زمہیبتش نہ تواں یافت نیم قطرۂ خوں | ہزار بار دل خصمش اربیفشاری
بزخم تیر کہ زد در دلِ معاندِ او | ربودہ رنگ دلم را سپہر زنگاری
دراں دیار کہ بخت حسودِ تست بخواب | ندیدہ دیدۂ مردم بخواب بیداری
مدام باد ہوا خواہِ دولت تو بعیش | نصیب خصم تو جاوید باد خونخواری

ان اشعار میں "خصم" اور "معاند" اور "حسود" سے غالباً اورنگزیب ہی کی طرف اشارہ ہے، اس بنا پر ۱۰۶۷ھ کے انقلاب میں جب "شہزادۂ بلند اقبال" کی جگہ اورنگزیب عالمگیر زیب اورنگ ہوا تو اس شخص کی کس مپرسی محتاج بیان نہ ہوگی، لطف اللہ کے دیوان میں ایک قطع بند غزل ہے،

شہا گوشس برداد خواہی نداری | بحالِ گدایان نگاہے نداری
رقیبان بقتلم نوشتند فتویٰ | وگر نہ تو ہرگز گناہے نداری
جہاں سر بسر خیر خواہِ تو باشد | ولے ہمچو من خیر خواہے نداری
نیاری صبا سوئے بلبل پیامے | مگر سوے گلزار راہے نداری
مہندس از آں رو نداری وقارے | کہ چوں زاہدان خانقاہے نداری

میرے خیال میں اس غزل کا خطاب اورنگزیب ہی کی طرف ہے، ورنہ ظاہر ہے کہ اس کو داراشکوہ کے عہد میں اس گلہ و شکایت کا موقع نہ تھا، اور نہ زاہد دن کی خانقاہ پر تعریض کی حاجت تھی،

اوپر کے اشعار میں مہندس نے اپنی تعمیری مہارت فن کا بھی جابجا اظہار کیا ہے، کہتا ہے ع

"بلندپایہ زمن گشت قدرِ معماری"

ایک جگہ فخریہ کہتا ہے، ع

"ماہمہ معمار و عمارت گریم"

ایک جگہ کہتا ہے کہ میرے بنائے ہوئے نقشے آفتاب کی طرح روشن ہوتے ہیں؛

چناں منیر شود شیشۂ عمارت من — کہ نور مہر بود نزدِ نور او تاری

دمے کہ من بعمارت گری شوم مشغول — ملک مصالح کار آورد بسرباری

مگر بااین ہمہ یہ نہیں معلوم کہ اس کی بنائی ہوئی عمارتیں کون ہیں، اوپر کے ایک تاریخی قطعہ سے داراشکوہ کے ایک محل کے بنانے کا حال معلوم ہوتا ہے، تذکرۂ سفینۂ خوشگو، اور نشترِ عشق حسین قلی خاں میں ۱۲۹۵ھ میں، مہندس کے بیٹے ریاضی کے حال کے ضمن میں ہے "ملا لطف اللہ مہندس تخلص لاہوری است کہ قلعۂ ارک دارالخلافۃ شاہجہان آباد بتجویز و صوابدید او بنا یافتہ" (خوشگو) اس سے معلوم ہوتا ہے قلعۂ دہلی کے شاہجہانی عمارات کی تعمیر میں یہ بھی اپنے باپ اور چچا کے ساتھ شریک تھا، سحر حلال میں یہ اپنی نسبت لکھتا ہے؛

"مملوک ہوادار ولد احمد معمار گوہرِ عمر را در کارگاہ و گل کاسد کردہ . . . . "

اس فقرہ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کی عمر کا بڑا حصہ عمارت گری میں صرف ہوا،

۷۔ سحر حلال | یہ فارسی رسالہ علم اخلاق میں ہے، اور صنعتِ غیر منقوطہ میں لکھا گیا ہے، اسی لئے مصنف کا نام لطف اللہ کے بجائے "ولد احمد معمار" لکھا گیا ہے، اس کے شروع کی عبارت یہ ہے:-

"اللہ علا اسمہ در اول کلام حمد کردگار آور دم مالک، ملک، علام واحد صمد سلام . . . ."

حمد و نعت کے نو صفحوں کے بعد دو صفحوں میں "مدح داور کامگار ادام اللہ ملکہ" کے عنوان سے بادشاہِ عصر کی تعریف ہے، ممدوح کا نام حسب ذیل صورتِ معمہ میں ہے،

" اسم اکرم او وحال دو کلمہ آمد کلمۂ اول سرِ عدل (ع) و دلِ داد، (الف) و دلِ علم (ل) و سر مراد، (م) کلمۂ دوم سرِ گل (گ) و دل سرو (ر) و در سرِ گل و دلِ سرو دہ (ی) درآمدہ، ملک علام و صمد سلام ہموارہ سرو اورا محورِ سمائے کرم و گل او را محسود دو حۂ ارم دارد"

اس صورت معمہ سے جو نام نکلتا ہے، وہ عالمگیر ہے، تعجب ہوتا ہے کہ داراشکوہ کے مداح نے عالمگیر کی مدح کیونکر لکھی، شاید اس اخلاقی رسالہ کو عالمگیر کے نام سے پیش کر کے اس کی ہمدردی اپنی طرف مائل کرنی چاہی، جو معلوم نہیں کہ ہوئی یا نہیں،

بادشاہ کی مدح کے بعد "مدح رسالہ و حال محرر اصلح اللہ حالہ" کے عنوان سے تین صفحوں میں اپنا اور اپنے رسالہ کا حال لکھا ہے، جس کا اقتباس درج ذیل ہے،

" مملوک ہوادار و لد احمد معمار رسالۂ کہ مداد کہ مدادِ او کحلِ مدامع اہلِ حال آمد . . . . . .
حاملِ سطور معدودہ کردہ در درگاہ سالار کامگار ادام اللہ ملکہ آوردہ . . . . . .
مامول کہ در حال سعد . . . . در مطالعہ والا درآمدہ معلوم مدرکۂ اکرم گردد . . . .
سرورا، مملوک ہوادار ولد احمد معمار گوہرِ عمر را در کارگاہ وگل کاسد کردہ . . . . . .
مسئول کہ ہر کس در مسالک علم . . . . اطلاع دارد در رسالۂ مملوک ہوادار اصلاح دہد، احمد معمار والد مملوک داد ارسہ ولد دارد، اول عطاء اللہ سلمہ اللہ سالک مسالکِ علم عمال و اہلِ ہرس صود و کمال عالم عامل و علامۂ عصر کہ در علم و عمل آمدہ حصر رسالہا در علم اعداد مسطور کردہ، حامل صحاح و کسور و ولد دوم اوسط ہر سہ مملوک درگاہ کردگار و اسم مملوک حامل دو کلمہ آمد، کلمۂ دوم "اللہ" علا اسمہ کلمۂ اول لام وطا و معادل عدد عطا، و ولد سوم در مسالک علم و حال و ہرس سود و کمال سہام عطاء اللہ آمدہ و اسم او ہم دو کلمہ

دارد، کلمۂ دوم " اللہ" علا اسمہ کلمۂ اول معادل عدد مطاوو او ورار اصلح اللہ حالہ حصل اللہ امالم معلوم اہل عالم گردہ کہ اسم سال والا سحر حلال آمد... معلوم اہل کمال کہ سحر حلال را در ماہ محرم الحرام مسطور کردہ، سال رسم سحر حلال ملہم اہل حال و معلم اہل کمال را سوال کردم صدا در داد کہ سحر حلال در دِہ اہل حال آمد و درس لوح کمال"

اس آخری فقرہ سے رسالہ کی تصنیف کی تاریخ ۱۰۷۲ھ نکلتی ہے،

اس تمہید کے بعد اصل کتاب شروع ہوتی ہے، جس میں مختلف اخلاقیات کو سرِ عنوان بنا کر مدح و ذم لکھا گیا ہے، مثلاً مدح عدل، مدح سماح، ذم امساک، ذم حسد، ذم طول امل، ذم حرص و طمع، ذم کسل، مدح کد، مدح علم، مدح دلدار و حال اہل دل، ہوسِ وصل دلدار، حصول وصل دلدار، ذم ہوس و دوامِ وصل، مدح گل، مدح سرو، کلام اہل دل، اسی پر رسالہ ختم ہوگیا ہے،

اس رسالہ کے دو نسخوں کا مجھے علم ہے، پہلا مدرسہ محمدی مدراس کے کتب خانہ کا، جس کا نمبر ۲۶۸ ہے، اس نسخہ کو غلام عبد القادر المخاطب بہ قادر عظیم خاں نے ۱۲۲۱ھ میں نقل کیا ہے، جو مدراس کے ایک مشہور علمی خاندان کے رکن تھے[1]، یہ نسخہ ۲۹ صفحوں میں ہے،

دوسرا نسخہ بمبئی یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے، جس کا نمبر اس کے کیٹلاگ میں جلد ۱۸ ہے، اور صفحہ ۱، اس کو ابھی ابھی ہمارے مخلص دوست پروفیسر شیخ عبد القادر (پونہ) نے مرتب کرکے شائع کیا ہے[2]،

(باقی)

---

[1] اس خاندان کے نوجوان رکن جناب محمد غوث صاحب ایم اے (حیدر آباد دکن) کا ممنون ہوں کہ انھوں نے میرے لیے اس رسالہ کے اقتباسات میری فرمایش پر نقل کرکے بھیجے، [2] اس کیٹلاگ کے فاضل مرتب نے اس رسالہ کا مصنف لطف اللہ کے چھوٹے بھائی نور اللہ کو ظاہر کیا ہے، یہ کسی غلط فہمی پر مبنی ہے،

ہمایون کا علمی ذوق

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب، بی اے (علیگ) رفیق دار المصنفین

ہمایوں ۱۳ ۹۱ھ ماہ ذیقعدہ میں کابل میں پیدا ہوا، یہ وہ زمانہ تھا جب کہ بابر اپنی قوت و اقتدار کی خاطر ایک مقام سے دوسرے مقام کو پریشان حال پھر رہا تھا، بابر کی تمام زندگی ہولناک مصیبت مگر حیرتناک جرأت کی سبق آموز داستان ہے، وہ کبھی باپ کی متروکہ مملکت سے محروم ہو کر پہاڑوں کی برفانی چٹانوں پر اپنی جان بچانے کے لئے بھاگتا نظر آتا ہے، کبھی برف کاٹ کر فوج کے لئے راستہ بناتا ہوا دکھائی دیتا ہے، پھر وہ کبھی اپنی جودت جہانگیری سے کابل کا بادشاہ بن بیٹھتا ہے تو کبھی عزیزوں اور دوستوں کی کج ادائیوں سے اسی شہر کی گلیوں میں برہنہ پا پھرتا دکھائی دیتا ہے، اس کی تمام زندگی انقلاب روزگار اور زمانہ کی شعبدہ بازیوں کا تماشہ ہے،

ظاہر ہے کہ ایسی حالت میں وہ اپنی اولاد کی تعلیم خاطر خواہ نہ دلا سکا ہوگا، پھر بھی یہ عجیب بات نظر آتی ہے کہ اس کی تمام اولاد علم و ہنر سے مالا مال تھیں، کامران ایک کامیاب شاعر تھا، ترکی اور فارسی دونوں میں اشعار کہتا، اور قبول عام کی سند لیتا تھا، اس کا ایک قلمی دیوان خدابخش خان کے مشرقی کتب خانہ پٹنہ میں اب تک محفوظ ہے جس میں سولہ فارسی اور اکیس ترکی غزلیات، مختلف قطعات، رباعیات، افراد اور ابیات ہیں، یہ سب کے سب برجستگی، بے تکلفی اور سلاست کے لحاظ سے ایک نمایاں درجہ رکھتے ہیں، اور بعض اشعار میں بادۂ تصوف کی بھی سرمستیاں ہیں[1]،

---

[1] جناب محمد محفوظ الحق صاحب ایم اے (لکچرار پریسیڈنسی کالج کلکتہ) نے اس دیوان پر ایک مبسوط مقدمہ لکھ کر اسکو شائع کیا ہے،

ہندال اور عسکری نے بھی شعر و شاعری میراث میں پائی تھی، تذکرہ نویسوں نے دونوں کا ذکر شاعروں کی فہرست میں کیا ہے، اور دونوں کی شاعری کے نمونے دیئے ہیں، ہندال کی ایک رباعی ہے جو ندرت خیال کے لحاظ سے خوب ہے،

زاں قطرۂ شبنم کہ نسیم سحری　　　از ابر جدا کرد بصد حیلہ گری
تا بر رخ گل چکاند اے رشک پری　　　حقا کہ ہزار بار پاکیزہ تری[1]

عسکری کے اشعار ہیں،

چناں بنجود شدم از دوری آں گلعذار امشب　　　کہ ہر دم گریہا رومیدہد بے اختیار امشب
چنیں کہ خوے گرفتم بآشنائی تو　　　ہلاک میکندم آں قدر جدائی تو[2]

بابر کی بیٹی گلبدن بیگم تاریخ اور تاریخ نویسی کا نہایت بلند مذاق رکھتی تھی، اس کی تصنیف ہمایوں نامہ اپنی نوعیت کی بے مثل کتاب ہے، بقول علامہ شبلی "فارسی زبان میں سادہ اور صاف واقعہ نگاری کا عمدہ نمونہ تزک جہانگیری اور رقعات عالمگیری ہیں، اور اس میں شبہ نہیں کہ یہ کتابیں سادگی اور لطافت کے لحاظ سے اس قابل ہیں کہ ہزاروں ظہوری اور وقائع نعمت خاں ان پر نثار کر دیجائیں، لیکن انصاف یہ ہے کہ ہمایوں نامہ کچھ ان سے بھی آگے بڑھا ہوا ہے، اس کے چھوٹے چھوٹے فقرے، سادہ اور بے تکلف الفاظ، روزمرہ بول چال، طرز ادا کی بے ساختگی دل کو بے اختیار کر دیتی ہے[3]"،

ہمایوں کی تعلیم و تربیت ہمایوں اسی دودمان علم و ہنر کا ایک معزز فرد تھا، میراث میں نہ صرف اس نے سلطنت پائی، بلکہ باپ کا علمی مذاق اور شعر و شاعری کا ذوق بھی پایا تھا، افسوس ہے کہ اس کی تعلیم و تربیت کے متعلق کوئی مستقل بیان موجود نہیں، اس کی پیدائش کے تھوڑے دنوں کے بعد تزک بابری کی تحریر کچھ عرصہ تک بند رہتی ہے جو ہمایوں کی طفولیت اور تعلیم و تربیت کا زمانہ ہے، اس لئے بابر اس کے

[1] مخزن الغرائب قلمی نسخہ دار المصنفین، [2] صبح گلشن مصنفہ نواب صدیق حسن خان ص ۲۸۵، [3] مقالات شبلی جلد چہارم ص ۵۶،

متعلق لکھنے سے قاصر رہا، تذکرۃ السلاطین سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ہمایوں جب چار سال چار مہینہ اور چار روز کا ہوا تو رسم مکتب کی تقریب ادا کی گئی[1] مگر اس کی تعلیم کے تفصیلی حالات کہیں نہیں ملتے، بابرنامہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بابر کی تالیفات اس کی اولادوں کے زیر مطالعہ رہیں، بابر نے دیوان کے علاوہ تین کتابیں تالیف کیں، ایک تو مثنوی مبین، جس میں دو ہزار اشعار ہیں، اور یہ تمام اشعار مذہبی اور اخلاقی موضوع پر ہیں، دوسری والدیہ، جو ایک رسالہ کا منظوم ترکی ترجمہ ہے، جسے اس نے اپنی علالت کے زمانہ میں نظم کیا تھا، اور جو جامی کی سبحۃ الابرار کی بحر میں ہے، تیسری اس کی تزک ہے، مسز بیورج کا خیال ہے کہ بابر نے اپنی مثنوی مبین کامراں کی تعلیم کی غرض سے لکھی تھی[2]،

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ہمایوں کو بھی جو کامراں سے صرف ایک یا دو سال عمر میں بڑا تھا، اس کے ذریعہ سے مذہب و اخلاق کا درس نہ دیا گیا ہو، تمام مورخین اس پر متفق ہیں کہ مذہب و اخلاق میں ہمایوں کی تربیت اعلیٰ قسم کی ہوئی تھی، وہ صوم وصلوٰۃ کا سخت پابند تھا کبھی وہ قسم نہ کھاتا اور نہ کبھی فحش لفظ زبان پر لاتا تھا، کسی سے بہت خشمگین ہوتا تو صرف لفظ سفیہ کہہ دیتا، معمولی احکام شرعی پر اس پابندی سے عمل کرتا کہ مسجد میں کبھی پہلے بایاں پاؤں اندر نہ رکھا، اور خوش اعتقادی یہانتک تھی کہ بے وضو خدائے عزوجل کا نام کبھی نہیں لیا[3]، ممکن ہے کہ یہ مذہبی اور اخلاقی جلا باپ ہی کی تربیت اور اس کی تالیف کردہ مثنوی کے ذریعہ سے پیدا ہوئی ہو،

بادشاہ بنکر ہمایوں نے جو علمی مذاق کا ثبوت دیا، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی تعلیم ویسی ہی ہوئی تھی جو ایک شہزادہ کے لئے ضروری ہوتی ہے، تمام معاصر مورخین اس کو ایک بلند پایہ شاعر اور علم ریاضی وہیئت کا ماہر و عالم بتاتے ہیں،

ہمایوں کی شعر و شاعری اس کے اعلیٰ علمی مذاق کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ اس کی تمام زندگی جنگ و جدل میں

---

[1] پریوٹ آف محمڈن لرننگ، نریندر ناتھ لا ص ۱۲۸ [2] بابرنامہ انگریزی ضمیمہ مؤلفہ مسز بیورج ص ۴۳۸ [3] بدایونی جلد اول ص ۴۶۷

گذری پھر بھی فرصت کے اوقات میں شعر و سخن کا مشغلہ جاری رکھا، ابو الفضل لکھتا ہے،

"توجہ عالی بشعر و شعرا نیز داشتند و از آنجا کہ طبع موزوں از خصایص فطرت سلیم است در خلال اوقات واردات قدسی را چہ از حقیقت و چہ از مجاز در سلک نظم می کشیدند و دیوان آنحضرت در کتاب خانۂ عالی موجود است[۱]"

افسوس یہ ہے کہ اس دیوان کا اب کہیں پتہ نہیں، مگر بعض مورخوں نے ہمایوں کی نظمیں رباعیات اور اشعار نقل کئے ہیں جو ناظرین کی دلچسپی کے لئے یہاں درج کئے جاتے ہیں،

ابو الفضل نے ہمایوں کے دیوان کا ذکر کرتے ہوئے نمونے کے طور پر اس کی چند رباعیاں اکبر نامہ میں نقل کی ہیں، نیز تاریخ فرشتہ میں اسکی چند نظمیں اور رباعیاں ہیں، اکبر نامہ میں جو رباعیاں درج ہیں وہ حسب ذیل ہیں[۲]

۱

اے دل مکن اضطراب در پیش رقیب | حال دل گوئے با ہیچ طبیب
کارے کہ ترا آں جفاکار افتاد | بس قصہ مشکل ست و بس امر عجیب

۲

اے دل ز حضور یار فیروزی کن | در خدمت او بصدق دل سوزی کن
ہر شب بخیال دوست خرم بہ نشیں | ہر روز بوصل یار نوروزی کن

۳

اے آنکہ جفاے تو بعالم علم ست | روزے کہ ستم بہ بینم از تو ستم ست
ہر غم کہ رسد از ستم چرخ بدل | مارا چو غم عشق تو باشد چہ غم

ہمایوں جب شیر خان سے شکست کھا کر بے وفا بھائیوں کی مدد حاصل کرنے کے لئے لاہور پہنچا، تو مرزا کامران نے بہ ظاہر موافقت اور در پردہ مخالفت کی، شیر خان آگے بڑھتا چلا آرہا تھا،

---

[۱] اکبر نامہ صفحہ ۲۰۴ [۲] ایضاً صفحہ ۲۰۵، و تاریخ فرشتہ ج ۱ ص ۲۴۴،

کامران نے اس کا مقابلہ کرنے کے بجائے خفیہ طور پر اس سے سازش کرلی کہ وہ پنجاب لے کر اسے کابل قندھار، اور غزنی کا تنہا مالک چھوڑ دے، اور ظاہرا ہمایوں سے شیرخان کے خلاف جنگ کرنے کی تدبیروں کے متعلق مشورے کرتا رہا، یہانتک کہ شیرخان بہت ہی قریب پہنچ گیا اور ہمایون کے پاس اپنا ایک قاصد بھیجا، مرزا کامران نے شیرشاہ کے قاصد کا پرجوش استقبال کیا، اور اس کی آمد میں بڑا جشن منایا، ہمایوں نے اس موقع پر ایک رباعی کہی،

در آئینہ گرچہ خود نمائی باشد پیوستہ زخویشتن جدائی باشد

خود را بنمائی غیر دیدن عجب است ایں بوالعجبی کار خدائی باشد

یہ رباعی کہہ کر مرزا کامران کے پاس بھیجدی، گلبدن بیگم کا خیال ہے کہ ہمایوں نے کامران کے پاس نہیں بھیجی، بلکہ قاصد کے ذریعہ سے شیرخان کے پاس ارسال کی[۱]،

ہمایوں ایسے موقعوں پر بہت متاثر ہوکر اشعار کہتا تھا، اور جب کبھی اپنے حال کے موافق کوئی شعر سنتا تو بے اختیار ہوجاتا تھا، جب ہندوستان کا تخت و تاج کھو کر شاہ طہماسپ کی دعوت پر ایران جا رہا تھا تو ہرات میں سلطان محمود مرزا نے اس کا استقبال کیا، اور خاص طور پر جشن شاہانہ مرتب کیا، صابر قاق نے جو خراسان کا ایک مشہور گویا تھا، ایک غزل گانا شروع کی جس کا مطلع یہ تھا،

مبارک منزلے کاں خانہ را ماہے چنیں باشد ہمایوں کشورے کاں عرصہ را شاہے چنیں باشد

جب وہ اس شعر پر پہنچا،

زرنج و راحتِ گیتی مرنجاں دل، مشو خرم کہ آئین جہاں گاہے چناں گاہے چنیں باشد

تو ہمایوں کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی، اور اس کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے[۲]،

ہمایوں جب ایران پہنچا تو شاہ طہماسپ نے اس کا پرجوش خیر مقدم کیا، اور بھائی بنا کر اپنے

---

[۱] ہمایوں نامہ، گلبدن بیگم ص ۴۴ [۲] مآثر رحیمی جلد اول ص ۵۰۰، کلکتہ،

یہاں رکھا، مگر امیروں اور درباریوں کو یہ بات ناگوار گذری، اور رفتہ رفتہ شاہ کے کان بھر کے ہمایوں سے اس کو برگشتہ کر دیا، ہمایوں مصیبت کا مارا تھا، بیرم خاں کی صلاح کے موافق احتیاط کو مدنظر رکھا، اسی دوران میں شاہ طہماسپ کی بہن سلطانہ بیگم اور قاضی جہاں قزوینی اور حکیم نور الدین ایسے حاشیہ نشینوں[1] نے باہم یک رائے ہوکر یہ کوشش شروع کی کہ شاہ کے دل سے غبارِ کدورت دور کر دیں، چنانچہ ایک روز سلطانہ بیگم نے ہمایوں کی یہ رباعی پڑھکر سنائی،

ہستیم ہمیشہ شاد با یادِ علی ۔۔۔ ہستیم زجاں بندۂ اولادِ علی

کردیم ہمیشہ ورد خود نادِ علی ۔۔۔ چوں سرِ ولایت زعلی ظاہر شد

شاہ طہماسپ اس رباعی کو سنکر بے حد خوش ہوا، اور ہمایوں کی جانب سے اس کے دل کی کدورت جاتی رہی[1]

اسی غریب الوطنی کے زمانہ میں ہمایوں نے تبریز کی سیر کی، عہد ماضی کے آثار قدیمہ اور سیرگاہیں دیکھیں، ان کو دیکھ کر دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ اس کی نظروں کے سامنے پھر گیا، اور اس وقت یہ رباعی کہی[2]

وز دستِ اجل بسے جگرہا خوں شد ۔۔۔ افسوس کہ سرمایہ زکف بیروں شد

کاحوال مسافرانِ عالم چوں شد ۔۔۔ کس نامد ازاں جہاں کہ تا پرسم ازو

ہمایوں کی قسمت نے جب ایک بار پھر ساتھ دیا تو وہ ازسرِ نو فوج ترتیب دے کر کامران کے خلاف قندھار پر حملہ آور ہوا، اس وقت ہمایوں کا رفیق بیرم خاں قلعۂ قندھار کے محاصرہ میں ساتھ تھا، قلعۂ قندھار، بہت ہی مستحکم تھا، اس کی دیوار کا عرض سات گز تھا، اس کو تسخیر کرنا آسان نہ تھا، لیکن بیرم خاں کی سپہگری اور جوانمردی سے آخر میں یہ فتح ہوا، ہمایوں نے اس مسرت میں ایک نظم کہی اور بیرم خاں کے پاس بھیجدی، وہ نظم حسب ذیل ہے[3]

کہ دلِ دوستاں ازاں بکشود ۔۔۔ باز فتحے زغیب روے نمود

---

[1] فرشتہ صفحہ ۲۳۵ نولکشور پریس [2] اکبرنامہ صفحہ ۲۲۱ نولکشور [3] خافی خاں حصۂ اول صفحہ ۱۲۵،

شکر لله که باز شادانیم | بر رخ یار و دوست خندانیم
دوستان را بکام دل دیدیم | میوهٔ باغ فتح را چیدیم
روزِ نوروز بیرم است امروز | دلِ احباب بے غم است امروز
شاد بادا همیشه خاطرِ یار | غم نه گردد بگرد یار و دیار
همه اسباب عیش آماده است | دل بفکر و جهالت افتاده است
گوشش خرم شود ز گفتارت | دیده روشن شود ز دیدارت
در حریم حضور شاد بهم | بنشینیم خرم و بے غم
بعد ازیں فکر کار هند کنیم | عزمِ تسخیر ملک سند کنیم

مقیم نامی ایک شخص کے متعلق اس نے حسب ذیل شعر کہا،

مقیم شد غمِ تو در دلم چه چاره کنم | عجب غنیمست مگر دل زسنگ خاره کنم[1]

سفینہ خوشگو میں اس کی ایک رباعی مذکور ہے،

یارب که رضائے دلِ درویشاں ده | ایں ریش دل شکسته را درماں ده
حد نیست که گویم ایں مده یا ایں ده | چیزے که رضائے تو درانست آں ده

ہمایوں کی وفات کے دن جب قریب آئے تو ایک روز اس نے کہا کہ آج صبح کی نماز کے بعد ملہم غیبی نے یہ رباعی سنائی ہے،

یارب بکمال لطف خاصم گرداں | واقف بحقائق خواصم گرداں
از عقلِ جفا کار دل افگار شدم | دیوانهٔ خود خواں وخلاصم گرداں

اس رباعی کو پڑھ کر رونے لگا، ان دنوں ہمیشہ وہ کہتا کہ عالم فانی سے بوے موت آتی ہے، چنانچہ

[1] لطائف نامہ فخری ص ۲۱۲ شائع کردہ اورنیٹل کالج میگزین، لاہور،

محل کے طاق پر شیخ آذری کا یہ مطلع نہایت خوشخط لکھا یا تھا،

شنیدہ ام کہ بریں طارم زراندوداست — خطے کہ عاقبت کار جملہ محمود است[1]

ظاہر ہے کہ ہمایوں کے شعر و سخن کے ذوق کے سبب اس زمانہ کے شعرا شاہی جود و کرم سے ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہے ہونگے، بدایونی کا بیان ہے،

"شعرائے بسیار نادرۂ روزگار از دامن او برخاستہ اند[2]"

ان میں ایک مولانا بدخشی معمائی تھے، جو اپنے قصائد کے لحاظ سے سلمان ساؤجی پر فوقیت رکھتے تھے، دوسرے شیخ زین الدین خافی المتخلص بہ وفائی تھے، جن کے متعلق بدایونی کہتا ہے،

"در معما و تاریخ و در بدیہہ یافتن و شعر و سایر جزئیات نظم و نثر بے قرینۂ زماں بود[3]"

اور جاہی تیمان اپنی ہجو گوئی میں یکتائے روزگار تھا، ان کے علاوہ قابل ذکر شعرا میں مولانا نادری سمرقندی، شیخ ابوالواحد فارغی، حیدر تونیائی، شاہ طاہر خواندی دکنی، اور خواجہ ابواب ابن خواجہ ابوالبرکات تھے، ملا عبدالقادر بدایونی نے ان شعرا کا بہ تفصیل تذکرہ کیا ہے، اور ان کے بعض معرکۃ الارا قصائد، رباعیات اور ادبیات کے نمونے بھی درج کئے ہیں[4]،

ہمایوں ان شعرا کو اپنی علم پرور صحبتوں میں ہمیشہ شریک رکھتا، اور شعر و شاعری کی مجلسیں برابر گرم رہتیں، ہمایوں کی نکتہ سنجی، دقت نظر اور معانی آفرینی کی جلا ان صحبتوں میں خوب ہوئی، جس کے باعث وہ اکثر اساتذہ کے کلام میں بلا تکلف اصلاحیں دیتا تھا، ایک بار ملا حیرتی نے اسکے سامنے یہ شعر پڑھا[5]

ہمچو پروانہ بشمعے سرو کار است مرا — بس اگر پیش روم بال و پرم می سوزد

ہمایوں نے دوسرے مصرعہ میں یہ اصلاح دی،

می روم پیش اگر بال و پرم می سوزد

---

[1] اکبر نامہ ص ۲۹۸ [2] بدایونی ص ۴۶۹ جلد اول [3] ایضاً ص ۴۷۱ [4] ملاحظہ ہو منتخب التواریخ ص ۴۶۸ تا ص ۴۹۲

ملا حیرتی اس اصلاح سے بہت محظوظ ہوئے[1]،

جاہی یتان نے شاہ محمد خان شاپور دالیٔ کابل سے ناراض ہوکر اس کی ہجو کی، ہمایوں کے سامنے وہ ہجو پڑھی گئی:۔

شاعر شاہ ہمایونم و خاک در گہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ می زند کوکبۂ شاعریم طعنہ بمہ

خسرو شوم و ابیات خوشم خیل و سپہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ دیدم از قحبہ زنی ظلم نہ جرم و نہ گنہ

پارۂ کاغذ اگر از ہذیاں گشتہ سیہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ سوے ہجوش اگر اندیشہ شود در بے رہ

غرض آنست کہ ایں خرصفتان ابلہ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ عزت و حرمت ایں طائفہ دارند نگہ

وائے آنکس کہ بخیل شعرا بستیزد ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ‏ ہر کہ با ما بستیزد بہ بلا بستیزد

آخری مصرعہ کو سنکر ہمایوں نے فی البدیہہ کہا کہ اس کو اس طرح پڑھو،

ہر کہ با ما بستیزد بخدا بستیزد[2]

ہمایوں اور علم ہیئت | ہمایوں علم ہیئت و نجوم سے خاص شغف رکھتا تھا، اور اس فن میں بہت اچھی استعداد بہم پہنچائی تھی، بدایونی لکھتا ہے،

"در علوم نجوم و ہیئت و سائر علوم غریبہ بے نظیر[3]"

اکبر نامہ میں ہے،

"توجہ اقدس باصطرلاب و کرہ و سائر آلات رصدی درجۂ کمال داشت[4]"

ہمایوں نے ہیئت کا فن علامہ الیاس اردبیلی سے سیکھا تھا، جو ہیئت کے تمام فنون اور رصد بندی میں ماہر تھے، وہ ہمایون کو اس قدر عزیز تھے کہ ان سے کسی حال میں جدا ہونا گوارا نہ کرتا تھا، چنانچہ جب تخت و تاج کھو کر ہندوستان سے دور عراق و ایران میں غریب الوطن پھر رہا تھا تو اس مصیبت

---

[1] مآثر رحیمی ص ۶۱۲ جلد اول [2] منتخب التواریخ بدایونی، جلد اول ص ۴۷۰، [3] ” ص ۴۶۷ [4] اکبر نامہ صفحہ ۲۲۱،

اور پریشان حالی میں بھی علامۂ موصوف سے ہیئت و نجوم کا درس لیتا تھا، اس سفر میں شیخ ابوالقاسم جرجانی بھی ساتھ تھے، یہ دونوں عالم ہمایوں کو قطب شیرازی کی کتاب درۃ التاج کا سبق دینے میں مشغول رہتے، اکبر نامہ میں ہے:-

"و از ہیں حدود مولانا نورالدین محمد ترخاں رابجہت طلب شیخ ابوالقاسم جرجانی و مولانا الیاس اردبیلی کہ بفضائل صوری و کمالات معنوی آراستگی داشتند فرستادند و در کابل آمدہ بشرف ملازمت مشرف شدند و از آمدن ایں دو عزیز بسیار منبسط و منشرح گشتند و مذاکرہ کتاب درۃ التاج در میان آوردند"[1]

آوارہ غربت ہونے کے باوجود اس فن سے ہمایوں کی دلچسپی برابر قائم رہی، اور جب کبھی وہ کسی نئے شہر میں داخل ہوتا تھا، ہیئت اور نجوم کے آلات تلاش کرتا تھا، اکبر نامہ میں ایک دلچسپ لطیفہ لکھا ہے کہ جب وہ تبریز پہنچا تو اپنے ملازم بیگ محمد آختہ بیگی کو کہا کہ یہاں کوئی کرہ تلاش کرو، فارسی میں کرہ گھوڑے کے بچھڑے کو کہتے ہیں، خوش فہم نوکر نے آقا کے اس حکم کی تعمیل اس طرح کی کہ چند بچھڑے لیکر خدمت شاہی میں حاضر ہوا، بادشاہ اس غول بیابان کو دیکھکر ہنس پڑا،[2]

ہمایوں کی مہارت فن کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ وہ علما کی طرح ہیئت و ریاضی کا درس دیتا تھا، نورالدین ترخاں نوری سفیدونی نے جو ریاضی، نجوم اور حکمت کے ممتاز عالم تھے، ہمایوں ہی سے درس حاصل کیا تھا، مآثر الامرا میں مولانا مذکور کے حال میں ہے،

"مولانا بفضل و کمال و شجاعت و سخاوت انصاف داشت و بہ ہیئت و ہندسہ اطلاع شوق مند بود۔ . . . . و بصحبتش باجنت آشیانی (ہمایوں) گوک گشتہ، و از جملہ ندیمان و مجلس نشینان بزم ہمایونی گردید۔ . . . . گاہے بادشاہ ازو استفادہ علوم می کرد"

---

[1] اکبر نامہ ص ۲۴۲ نولکشور، [2] اکبر نامہ ص ۲۱۳،

دگاہے او از علم ریاضی خصوص اصطرلاب از جناب ہمایونی کہ دریں فن مہارت تمام داشت استفاضہ می نمود[1]"

بادشاہ نہ صرف خود ان علوم میں مہارت حاصل کرتا رہا، بلکہ ملک کے نجومیوں کی واقفیت میں بھی اضافہ کرنے کی کوشش میں لگا رہا، اس نے کئی جگہ رصد خانے بنانے کا ارادہ کیا اور بہت سے آلاتِ رصد ترتیب دیئے[2]، سلطان سلیمان خان کے ترکی امیر البحر کو جو علم ہیئت کا بہت بڑا عالم تھا، کئی مہینے اپنے دربار میں روک رکھا کہ وہ چاند اور سورج کے گرہنوں کا حساب تیار کرے، اور ہندوستان کے نجومیوں کو آفتاب کی گردش اور خط استوار کے نکات کے پڑھنے میں مدد دے، ترکی امیر البحر کئی مہینے کام میں مصروف رہا اور نجومی مشاہدات ختم کئے[3]،

ہمایوں کو اس فن مین اس قدر انہماک تھا کہ اس نے اپنی عزیز جان تک اسی فن کی خدمت مین گنوادی، پرانی دہلی میں قلعہ کے اندر شیر شاہ نے شیر منڈل کے نام سے ایک بہت بلند سہ منزلہ عمارت بنوائی تھی، ہمایوں نے اس عمارت کی برجی کو بلندی کے سبب سے رصد خانہ بنا دیا تھا، ایک شام کو ستارۂ زہرہ کے طلوع ہونے کا گمان کیا جا رہا تھا، بادشاہ ریاضی دانون کی ایک جماعت کیساتھ اسی برجی میں بیٹھ کر مباحث میں مصروف تھا، اور زہرہ کے طلوع کا انتظار کر رہا تھا کہ مغرب کی اذان ہوئی بادشاہ اذان سنکر اٹھنا چاہتا تھا کہ زینہ سے پھسل کر گرا، اور سخت زخمی ہو گیا، اور پھر اس زخم سے جانبر نہ ہو سکا[4]،

بادشاہ کو چرخیات و فلکیات سے جو انس تھا اس کے اثر سے ملک میں بھی علم ہیئت کا ذوق پیدا ہوا، اور ملک میں عام طور پر آلات فلکی بننے لگے،

---

[1] مآثر الامرا جلد اول ص۶۴ [2] اکبر نامہ ص۳۶۲ [3] ترجمہ مرآۃ الممالک پروفیسر ڈیمبری باب ہشتم، بحوالۂ معارف جلد ۳۲ ص۸ [4] اکبر نامہ ص۳۹۹،

کرے اور اصطرلاب جو عموماً مدارس میں آج نظر آتے ہیں، ان کا ابتدائی رواج دینے والا ہمایوں ہی تھا، اس نے خود ایک خاص قسم کا اصطرلاب ایجاد کیا تھا، جو اصطرلاب ہمایونی کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ اس عہد کے اکثر اصطرلاب اور کرات اب تک مختلف مقامات میں محفوظ ہیں۔[۱]

ہمایوں کے سپہ سالار خانخانان نے ایک قصیدہ اس کی مدح میں لکھا ہے، اس میں اصطرلاب سے تشبیب کی ہے، جو ہمایوں کے فلکیاتی ذوق کا بین ثبوت ہے، کہتا ہے،

آں چرخ چیست کامدہ برمحورش مدار	آں مدرکز میانہ شہانش کند گذار
باآنکہ می کند بہ وخور برابری	آمد بجاں زحلقہ بگوشان شہریار
نارد بچشم کوکبۂ آفتاب را	چوں ہجۂ لوائے شہنشاہ نامدار
پیوستہ آسمان وزمیں زیر حکم اوست	ہمچو نگین خاتم شاہ جسم اقتدار
برکف نہادہ خواں زری پرز اشرفی	تا بر قدوم اشرف شاہاں کند نثار
شاہ بلند قدر ہمایوں کہ از شرف	بر در گہش سپہر نہد روئے افتقار[۲]

ہمایوں کے تمام خانگی، ملکی اور سیاسی کاموں میں ہیئت اور نجوم کے اصول کا لحاظ رکھا جاتا تھا ہمایوں نامہ میں گلبدن بیگم لکھتی ہے کہ جب ہمایوں کی شادی حمیدہ بانو سے قرار پائی تو ہمایوں نے خود اصطرلاب اٹھا کر ستاروں کی گردش معلوم کرکے تاریخ مقرر کی[۳] اکبر جب امرکوٹ کے صحرا میں پیدا ہوا تو ہمایوں نے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ ماہتاب برج اسد میں ثابت ہے، اس نے اسی وقت پیشینگوئی کی کہ اکبر صاحب اقبال اور دراز عمر ہوگا،[۴] جو مستقبل میں حقیقت ثابت ہوئی،

ہمایوں اپنے فلکیاتی ذوق کے سبب سعد اور نحس کا اس قدر قائل تھا کہ وہ ملک کے تمام کاموں کو اسی اصول کے ذریعہ سے انجام دینے کی کوشش کرتا تھا، جس زمانہ میں کابل کا انتظام اس کے

---

[۱] دیکھو مضمون "لاہور کا ایک فلکی آلات ساز" از مولانا سید سلیمان ندوی، معارف جلد ۲۰ نمبر ۲ ص ۸۸ [۲] بدایونی ص ۱۹۲ جلد سوم [۳] ہمایوں نامہ از گلبدن بیگم ص ۵۲ (لندن)، [۴] ایضاً ص ۵۸،

سپرد تھا، اس نے ایک روز ان تین آدمیوں کے نام فال لئے جو ایک مقررہ دن اس کو راہ میں ملے، ان تین آدمیوں کے نام مراد خواجہ، سعادت خواجہ اور دولت خواجہ تھے، ہمایون نے اپنی سلطنت کی اساس انہی نامون پر رکھی، ممالک محروسہ اور ملازمون کو تین[۳] حصّون میں تقسیم کیا، دولت، سعادت، مراد، کل سپاہیوں کا نام اہل دولت رکھا، کیونکہ انہی کی مساعدت پر دولت و اقبال کا انحصار ہے، حکما، وعلما، مشائخ اور شعرا کو اہل سعادت کہا، کیونکہ ان کے ذریعہ سے سعادت ابدی حاصل ہوتی ہے، بقیہ لوگون کو اہل مراد سے موسوم کیا[۱]،

اسی فلکیاتی اصول پر ہفتہ کے دنون کو بھی ان جماعتون سے منسوب کیا، روز شنبہ و پنجشنبہ کو اہل سعادت سے متعلق کیا، ان دو دنوں میں وہ علم و عبادات کے ناظمون کے ساتھ وقت گذارتا تھا، اہل سعادت کیساتھ ان دنون کے مخصوص کرنے کی یہ وجہ تھی کہ شنبہ زحل کے ساتھ منسوب ہے اور زحل مشائخ کا قدیم مربی سمجھا جاتا ہے، پنجشنبہ مشتری سے متعلق ہے، وہ علمار کا ستارہ ہے، یکشنبہ و سہ شنبہ اہل دولت سے متعلق تھے، ان دنوں میں امور سلطنت انجام پاتے تھے، یہ دن اس لئے مقرر کئے گئے تھے کہ یکشنبہ آفتاب سے متعلق ہے، اس کی تربیت کے پرتو سے سلطنت و فرمانروائی ہوتی ہے، سہ شنبہ متعلق ہے مریخ سے اور مریخ سپاہی کا مربی ہے، ہمایون نے جمعہ کا مبارک دن اپنے لئے مخصوص کر رکھا تھا، بقیہ دو دن اہل مراد کے لئے وقف تھے[۲]،

ہمایوں نے دو خرگاہ بنائے تھے، جن کی ساخت خالص ہیئت کے اصول پر مشتمل تھی، ایک خرگاہ کو آسمان کے برجون کی طرح بارہ حصون مین تقسیم کیا تھا، اور ہر برج میں ایک پنجرہ آویزان تھا، جس کے سوراخون سے کواکب دولت کے انوار چمکتے تھے، دوسرا خرگاہ یونانی ہیئت کے نوون آسمانون کی پوری نقل تھی، ہر آسمان میں جو ستارے ہیں ان کے نمونے اس میں بنے تھے[۳]،

---

[۱] ہمایون نامہ، الیٹ جلد پنجم ص ۱۲۰ [۲] ص ۱۱۹ [۳] ایضاً

ہمایوں کی سب سے دلچسپ نجومی اختراع بساط نشاط تھی[۱]، اس بساط میں فلکی دوائر و کرات عناصر بنائے تھے، پہلا دائرہ جو فلک اطلس سے منسوب تھا، سفید تھا، دوسرا کبود، تیسرا زحل کی مناسبت سے سیاہ چوتھا مشتری کے لحاظ سے صندلی، پانچواں مریخ کے تعلق سے سرخ، چھٹا نیر اعظم یعنی آفتاب کی مناسبت سے زریں، ساتواں زہرہ کے سبب سے سبز، آٹھواں عطارد کے لحاظ سے سوسنی، نواں ماہتاب کے تعلق سے سفید، ماہتاب کے دائرہ کے بعد آگ اور ہوا کے کرے بالترتیب بنے ہوئے تھے، اس کے بعد کرۂ خاک و آب تھا، کرۂ خاک میں ساتوں اقلیموں کے نقشے بنے ہوئے تھے، ہر دائرہ مختلف قسم کی جماعت کیلئے مخصوص تھا، مثلاً امراء ہندی کو دائرہ زحل میں اور سادات و علما کو دائرہ مشتری میں بیٹھنے کا حکم تھا، ہمایوں نے اپنی ذات کے لئے دائرہ زریں اختیار کیا تھا، اسی طرح نجوم کے قاعدہ سے ہر روز کے ستارہ کا جو رنگ ہوتا اس دن وہی رنگ پورے دربار کا ہوتا تھا، مثلاً یکشنبہ کو آفتاب کے رنگ کے لحاظ سے زرد لباس اور دوشنبہ کو ماہتاب کے رنگ کی مناسبت سے سبز لباس پہنا جاتا،

ہمایوں اور علم ریاضی نجوم و ہیئت کے لئے علم ریاضی ایک لازمی چیز ہے، اسلئے ہمایوں اس علم میں بھی بڑی اچھی استعداد رکھتا تھا، اس عہد کے تمام ممتاز ریاضی داں اس کے حضور میں حاضر رہتے، اکبر نامہ میں ہے،

"در اقسام خاصہ ریاضی در زمان خود نظیر و سہیم نہ داشتند"[۲]

ایک دوسری جگہ ہے :-

"در اقسام علوم ریاضی آنحضرت را پایہ بلند بود و ہموارہ با ارباب حکمت صحبت می داشتند و ممتازان علم ریاضی در پایۂ سریر والا کامیاب سعادت بودند"[۳]

فرشتہ لکھتا ہے :-

"در علم ریاضی علم مہارت می افراشت، مدار صحبتش با علما و فضلا بودہ، ہمہ وقت در مجلس او مسائل علمی

---

[۱] ہمایوں نامہ، الیٹ جلد پنجم ص ۱۱۶ [۲] اکبر نامہ ص ۳۶۵، ۱ [۳] ایضاً ص ۱۰۱،

مذکور می شد[۱]

ہمایوں اور کتبخانہ کا ذوق

ظاہر ہے کہ ہمایوں نے اپنے علمی ذوق کے سبب کتابوں کا ذخیرہ جمع کیا ہوگا، چنانچہ جب وہ ہندوستان کے تخت و تاج کا از سرِ نو مالک ہوا، اور اس کو کچھ اطمینان نصیب ہوا تو دہلی کے شیر شاہی قلعہ میں شیر منڈل کے نام سے جو سہ منزلہ عمارت بنی ہوئی تھی، اس کی تیسری منزل پر اس نے اپنا کتب خانہ قائم کیا، یہ اپنی بلندی کے سبب سے کسی قدر رصد خانہ کا کام بھی دیتی تھی، یہاں بیٹھکر اہل علم سے اکثر علمی مباحثہ کرتا تھا، شاہی کتب خانہ کا مہتمم نظام المعروف بہ باز لبادر تھا،[۲]

کتابوں سے ہمایوں کا شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ میدانِ جنگ میں بھی ایک چھوٹا سا کتب خانہ اپنے ساتھ رکھتا، چنانچہ جب وہ کیبے کا محاصرہ کر رہا تھا تو اس کے ساتھ منجملہ اور کتابوں کے تاریخ تیمور لنگ کا وہ نسخہ بھی تھا جس کو بہزاد نے اپنے کمال فن سے مصور کیا تھا، اس محاصرہ میں ایک جنگلی قبیلہ نے شاہی خیمہ پر شبخون مارا تو لوٹ کے مال میں یہ نادر نسخہ بھی جاتا رہا لیکن پھر بعد ہی یہ واپس مل گیا،[۳]

جب ہمایوں آوارۂ غربت عراق، ایران اور افغانستان میں پھر رہا تھا تو اس وقت بھی چیدہ چیدہ کتابیں اس کے ساتھ تھیں اور اس کے کتب خانہ کا مہتمم اس کے ہمرکاب تھا،[۴]

ہمایوں اور تعلیمی ادارے

ہمایوں کا زمانۂ حکومت زیادہ تر طوائف الملوکی اور پریشان حالی میں گذرا، اس لئے اس کو عام طور تعلیمی مدارس اور ادارے قائم کرنے کا موقع نہیں ملا، پھر بھی دہلی میں اس نے ایک مدرسہ قائم کیا، جس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے[۵] پھر اسی عہد میں شیخ زین الدین خوانی نے جو نظم و نثر کے بہت بڑے عالم تھے آگرہ میں اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا،[۶]

---

۱ فرشتہ جلد اول مقالہ دوم ص۲۴۳ . ۲ تزک جہانگیری ۳ تذکرۃ السلاطین بحوالہ پروموشن آف لرننگ مصنفہ نریندر ناتھ لا ص۱۳۲ ، ۴ اکبر نامہ دفتر اول ۵ آئین اکبری، ۶ منتخب التواریخ بدایونی ص۴۷۱ ،

شمس معنوی

یعنی

دیوان شمس تبریز اور مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۳)

مدینۃ العلوم ازنیقی قبل ۹۴۰ھ، ازنیقی رومی[1] مدینۃ العلوم میں زیر عنوان "مولینا رومی[2]" رقمطراز ہے، :-

علمائے حنفیہ سے شیخ جلال الدین تونوی بھی ہیں، اون کا نسب محمد بن محمد بن حسین بن احمد کے سلسلہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ تک پہنچتا ہے، مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے تھے، انھیں خلافیات اور دیگر مختلف علوم میں تبحر حاصل تھا، ...... پھر انقطاع تعلق اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف اور دیگر مشاغل ترک کر دیئے، باعث اس کا یہ ہوا، کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان کے اطراف کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا، کہ حضرت شیخ شمس تبریزی تشریف فرما ہوئے، سلام کے بعد بیٹھ گئے، شیخ (رومیؒ) سے ان کی کتابوں اور شغل کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ یہ کیا ہے، ؟ مولانا جلال الدین نے جواب دیا "کہ آپ ان چیزون کو نہیں جانتے" مولانا رومی ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے پائے تھے، کہ

---

[1] ازنیقی خود رومی ہے، اور محمود بن محمد بن قاضی تزادہ رومی کا شاگرد (وفات ۸۴۴ھ) [2] قلمی صفحہ ۲۰۰، کتبخانہ حکیم عبد الحسیب صاحب دریابادی، توسط مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی مدیر صدق، ہم ان بزرگانہ عنایت کے لئے ان ہر دو حضرات کے ممنون ہین،

گھر اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولانا جلال الدین رح نے شیخ تبریزی سے استفسار فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تم اُسے نہیں سمجھ سکتے، پھر وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور وہاں سے روانہ ہوگئے، پھر تو شیخ جلال الدین نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی، اور اولاد، حشم و خدم اور مدرسہ سے قطع تعلق کر لیا، مختلف شہروں کی سیاحت فرماتے، اور بہ کثرت اشعار کہتے"

ملاقات اور اس کی تفصیل کے متعلق ارتقی کی روایت مشکوک ہے، کیونکہ اس بارے میں مختلف روایتیں ہیں، البتہ آخری جملہ اہم ہے، کیونکہ دیگر معتبر روایات سے اس کی مطابقت ہوتی ہے، اور یہی ہمارے موضوع سے متعلق ہے، سبب یہ ہے کہ مولانا حضرت شمس کی جدائی سے نہایت مضطرب الحال تھے، اور کثرت سے اس حال میں اشعار لکھے ہیں، جو درد فراق و جوشِ اضطراب کے ترجمان ہیں، اور دیوان میں اکثر پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ کلام مولینا کا ہے، مثلاً

ہجر شمس میں مولانا کی آنکھ خونریز ہو گئی ہے:-

زہے چشم مرا حاصل شدہ آئینِ خونریزی، ز ہجرانِ خداوندی شمس الدین تبریزی

مولانا شب و روز شمس ہی کی جستجو میں بے قرار رہتے ہیں،

اندر طلب تو شمس تبریز، تا کشف شود ہمہ معانی،

اپنے خون جگر کو صورت شعر میں ظاہر کرتے تھے،

خون ہیچو شد نمش از شعر رنگے می دہم تا ز خون آلود گرود جامہ خون آلائشے

| الجواہر المضیہ ابن عبدالقادر قبل ۷۷۵ھ |

مدینۃ العلوم کی شہادت کا ماخذ ایک اور مشہور عربی تذکرہ الجواہر المضیہ[۵۱] فی طبقات الحنفیہ ہے، اس کا مؤلف مولانا کا قریب العہد تذکرہ نویس ہے، کچھ حصہ حذف کر کے تقریباً لفظاً لفظاً اس

---

[۵۱] الجواہر المضیہ فی طبقات الحنفیہ جزء ثانی ص ۱۲۳، ۱۲۴، ۵-۱۱، تالیف شیخ الامام محدث محی الدین ابی محمد عبدالقادر

تذکرہ سے یہ بیان اخذ کیا گیا ہے، ملاحظہ ہو، اس میں بہ عنوان رومی یہ عبارت درج ہے

كان عالماً بالمذهب واسع الفقه	مذہب کے ماہر اور فقہ پر وسیع نظر رکھتے
عالماً بالخلاف وبانواع من العلوم	تھے، انھیں خلافیات اور دیگر مختلف علوم
......مات في خامس جمادى الآخرة	میں تبحر حاصل تھا...... ۶۷۲ھ میں واصل
سنة اثنتين وسبعين وست مائة	بحق ہوئے، انھوں نے انقطاع تعلق، یکسوئی
ثم ان الشيخ جلال الدين انقطع	اور تجرد اختیار فرمایا، تصنیف اور دیگر
وتجرد وهام وترك الدنيا والتصنيف	مشاغل ترک کر دیئے، باعث اس کا یہ ہوا
والاشتغال وسبب ذلك انه كان	کہ وہ ایک دن گھر پر بیٹھے ہوئے تھے، ان
يوماً جالساً في بيته، وحوله الكتب	کے اطراف میں کتب اور طلبہ کا حلقہ تھا،
والطلبة. فدخل عليه الشيخ شمس الدين	حضرت شیخ شمس تبریزی تشریف فرما
التبريزي الامام الصالح المشهور	ہوئے، سلام کے بعد بیٹھ گئے، شیخ رومی سے
فسلم وجلس وقال للشيخ ما هذا	ان کی کتابوں اور شغل کی طرف
واشار الى الكتب والحالة التي	اشارہ کرکے پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ مولانا
هو عليها فقال له. مولانا جلال	جلال الدین نے جواب دیا، کہ آپ ان
الدين. هذا لا تعرفه. فما فرغ	چیزوں کو نہیں جانتے، مولانائے رومی
الشيخ جلال الدين من هذا	ابھی یہ الفاظ پورے بھی نہ کرنے پائے تھے
اللفظ الا والنار عاملة في البيت	کہ گھر اور کتابوں میں آگ لگ گئی، مولانا

(بقیہ حاشیہ صہ۲۰۰) ابن ابی الوفا محمد قرشی حنفی مصری (ولادت ۶۹۶ھ وفات ۷۷۵ھ) یہ مولانا کے قریب العہد تذکرہ نویس ہیں، کیونکہ مولانا کا وصال ۶۷۲ھ میں ہوا، مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن،

والکتب فقال مولانا جلال الدین	جلال الدین نے شیخ تبریزی سے استفسار
للتبریزی ماھذا فقال لہ التبریزی	فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا تم اسے
ھذا لا تعرفہ ثم قام وخرج من	نہیں سمجھ سکتے، پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور
عندہ فخرج الشیخ جلال الدین	وہان سے روانہ ہو گئے، پھر تو شیخ جلال الدین
علی قدم التجرید وترک اولادہ	نے بھی تجرید کی راہ اختیار کی اور اولاد،
وحشمہ ومدرستہ وساح (ج ۴ ص ۲۰۰)	خشم و خدم اور مدرسہ سے قطع تعلق کرلیا،
فی البلاد و ذکر اشعار کثیرۃ،	مختلف شہرون کی سیاحت فرماتے، اور کثرت

یہان بھی قابلِ توجہ یہی امر ہے، کہ مولینا شمس الدین کی جدائی کے بعد بے انتہا مضطرب ہوئے، اور اس مضطربانہ حال میں کثرت سے اشعار فرماتے رہے، (و ذکر اشعار کثیرۃ) دیوان شمس تبریز مین کثرت سے ایسے اشعار ملتے ہین، جس مین "دیوانہ روئے شمس" نے شمس کی جدائی اور فراق کے صدمہ کا طرح طرح سے ذکر کیا ہے، یہ کھلی دلیل ہے کہ یہ اشعار یا یہ مجموعۂ کلام شمس کا نہیں، بلکہ شمس کے واحد معلوم ومشہور عاشق مولینا کا ہے، چنانچہ اشعار ملاحظہ ہون، تاکہ واقعاتِ حیات سے انکی مطابقت ہو جائے،

جانِ ما را باز بین اے خواجہ شمس دین ۔۔۔ زان کہ ما ہستیم و عالم جملگی در کار مست

حضرت شمس کی واپسی کے خیال پر سرور کا اظہار فرماتے ہین :-

چو باز آید بسوئے من ز تبریز، ۔۔۔ ازان حضرت رخش چو ماہتاب است

اس سلسلے میں ساقی سے مخاطب ہو کر فرماتے ہین :-

مکن تاخیر از بہر (کبابے) شرابے[1]، ۔۔۔ کہ دلہا در فراق او کباب است

بعض تذکرے ایسے ہین کہ ان میں کوئی واضح بیان تو موجود نہیں، لیکن صرف بطور نمو

[1] غالباً شرابے ہوگا،

بعض اشعار درج ہین،

مولینا کے حالات مین لکھا ہو کہ جب سلطان العلماء بہاء الدین وطن چھوڑ کر جانے لگے، تو دوران سفر مین حضرت شیخ عطار سے ملاقات ہوئی، مولینا کم عمر تھے لیکن شیخ عطار نے اپنی کتاب "اسرار نامہ" تحفہ دی، اور مولینا سے فرمایا:-

"روزے[۱] باشد کہ این پسر آتش در سوختان عالم برزند"،

مولانا نے سنائی اور عطار سے معنوی اور ادبی فیض پایا، جس کا مختلف مقامات مین ذکر فرماتے ہین، مثلاً:- ؎

عطار روح بود و سنائی دو چشم او — ما از پے سنائی و عطار آمدیم،

مولوی محمد قیام الدین عرف قاضی خان اپنے تذکرہ حقائق[۲] الاولیاء (۱۲۵۴ھ) مین مولینا پر حضرت عطار کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہین:-

"این روایت از کلام فصاحت انجام ایشان ظاہری گردد کہ فرمودہ اند" بیت،

گر دعطار گشت مولینا — شربت از دست شمس بود ش نوش

(دیوان شمس تبریز نولکشور، ردیف ش)

اس سلسلہ مین دوسرا تذکرہ ہفت[۳] اقلیم (۱۰۲۸ھ) ہے جس کے مؤلف امین احمد رازی ہین بعنوان "در ذکر مولینا" انھون نے مندرجۂ ذیل تمہید کیساتھ اشعار درج کئے ہین،

"بیتے چند جہت انبساط خاطر افسردہ دلان واندمال جراحت خستگان آوردہ شد"،

تذکرہ	دیوان
اے شاہ جسم و جان ما خندہ کن دندان ما	اے شاہ جسم و جانِ ما خندہ کن دندانِ ما

[۱] تذکرہ دولت شاہ سمرقندی [۲] قلمی نسخہ ۱۲۵۴ھ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن [۳] ہفت اقلیم و اقلیم چہارم قلمی کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن سنہ تصنیف ۱۰۲۸ھ ص ۳۴۲،

سرمہ کش چشمانِ ما اے چشمہارا توتیا سرمہ کش چشمانِ ما اے چشمہارا توتیا

ماگوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو ماگوئی سرگردانِ تو اندر خمِ چوگانِ تو

گو خوانیش سوے طرب گر رانیش سوے بلا گر خوانیش سوے طرب گر رانیش سوے بلا

آیا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ ترا کہ عشق نداری ترا رواست بخسپ

بروکہ عشق وغم اونصیب ماست بخسپ بروکہ عشق وغم اونصیب ماست بخسپ

بنماے ارخ کہ باغ و گلستانم آرزوست بنماے رُخ کہ باغ و گلستانم آرزوست

تانفس خیال دوست باماست، یک نقشِ خیال دوست باماست،

مارا ہمہ عمر خود تماشاتست، مارا ہمہ عمر خود تماشاتست،

ان کے علاوہ اور بھی اشعار ہیں لیکن دیوان کے موجودہ نسخوں میں نہیں پائے جاتے، جیسا کہ اوپر ظاہر کیا گیا ہے تذکرہ کے یہ اشعار مولانا ے روم کے "دیوان شمس" میں پائے جاتے ہیں، ان سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولانا کے کلام کا مجموعہ ہے،

مرآۃ الخیال (سنہ ۱۱۰۲ھ) سے ہمارے دعوے کی حقیقت بالکل آئینہ بن جاتی ہے، اسکے مؤلف تذکرہ شیر خان لودھی میں "عنوان رومی" کے تحت لکھتے ہیں :-

مِن اشعارہ اللطیفۃ الفارسیۃ

تذکرہ	دیوان
اے شاہ جسم وجانِ ما خندان کن دندانِ ما	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشم جان را توتیا
	اے شاہ جسم وجانِ ما خندان کن دندانِ ما
	سرمہ کش چشمانِ ما اے چشم جان را توتیا
ماگوئی سرگردانِ تو اندر خم چوگانِ تو	ماگوئی سرگردانِ تو اندر خم چوگانِ تو

گہ خوانیش سوے طرب گہ رانیش سوے بلا،	گہ خوانیش سوے طرب گہ رانیش سوے بلا
گہ جانب خوابش کشی گہ سوے آسایش کشی	گہ جانب خوابش کشی گہ سوی آسایش کشی
گہ جانبِ شہر بقا گہ جانبِ دشت فنا،	گہ جانبِ شہر بقا گہ جانب دشت فنا
(تذکرہ مراۃ الخیال)	(دیوانِ شمس تبریزی لکھنؤ)

بعض اشعار ایسے ہین جنھین مختلف تذکرہ نویسون نے اپنے اپنے تذکروں میں درج کیا ہو، یہ غزل بھی اسکی ایک مثال ہو، ہفت اقلیم میں بھی یہ اشعار ہین، اگرچہ مختلف اصحاب نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق اشعار انتخاب کئے ہین، یہ بھی ایک دلیل ہے، جو ہمارے اس دعوی کو ثابت کرتی ہے، کہ "دیوان شمس تبریز" درحقیقت مولینا ہی کے مجموعۂ کلام کا نام ہے،

اب تک ہم نے جو بحث اوپر کی، وہ دو طرح کی تھی، ایک تو یہ کہ اولیائے کرام اور شعرا کے تذکرہ نویسون کے واضح اور صاف بیانات کی روشنی میں یہ ثابت کیا ہو کہ دیوان شمس تبریز مولینا ہی کے کلام کا مجموعہ ہو، دوسری یہ کہ بعض تذکرون میں اسکی وضاحت تو نہیں لیکن انھون نے عنوان رومی اور ذکر رومی کے تحت مثالاً چند شعر لکھدئے ہین، ہمنے یہ اشعار دواوین سے منتخب کرکے بالمقابل درج کر دئے، یہ بھی ہماری دعوی کی ایک خاص دلیل تھی، لیکن یہ شعرا اور اولیا کے عام تذکرے تھے، اب ہم مولینا روم کے خاص حالات کی طرف متوجہ ہوتے ہین جو انہی کے وابستگان دامن سعادت نے لکھے ہین، انمیں کہیں اس نوعیت کا بیان تو نہیں ہو کہ مولینا نے اشعار حضرت شمس کے نام سے لکھے ہیں، کیونکہ یہ دراصل واقعہ ہی نہ تھا، مولینا شمس کے نام سے نہیں لکھتے تھے، بلکہ حضرت شمس کا ذکر مختلف طریقون سے کرتے تھے، اور انکے اسرار کی ترجمانی فرماتے تھے، اسکے علاوہ دیگر شعرا کی طرح غزل میں اپنا تخلص لکھنے کا کوئی خیال تھا نہ اہتمام، صرف انہی اسباب سے یہ کلام بعد میں حضرت شمس کی طرف منسوب ہوگیا اور دیوان جو بعد کو مرتب ہوا، اور مدت دراز کے بعد طبع ہوا دیوان شمس تبریز کے نام سے شائع ہوا، اور غلط فہمی بھی عام ہوئی البتہ ان تذکرہ نویسون نے مولینا کی غزل گوئی کا تذکرہ خوب کیا ہو اور کثرت سے

اپنے تذکرہ میں مولانا کی مثنوی اور غزلیات کے اشعار درج کئے ہیں آگے چل کر ہم ان اہم تذکرون کے اشعار ذیل میں درج کرین گے، اور انکے مقابل دیوان کے اشعار لکھدین گے جس سے صاف ظاہر ہو جائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولینا ے روم کے اشعار ہی کا مجموعہ ہے،

دو خاص دلائل، ہمنے ابھی بیان کیا کہ اس بحث کے متعلق ان تذکروں میں کوئی واضح بیان نہیں، ان اہل صحبت تذکرہ نویسون کا اس مسئلہ میں خاموش ہونا ہی اس دعوی کی ایک ضمنی شہادت ہی کہ اس عہد میں یہ خطرہ ہی محسوس نہ ہوا تھا کہ کبھی یہ کلام حضرت شمس کا سمجھا جائیگا، کیونکہ وہ صاف دیکھتے تھے کہ اسمیں تو حضرت شمس کی مدح اور انکا مخلصانہ تذکرہ ہی، اگر ایسا ہوتا تو وہ ضرور تشریح کرتے کہ یہ دیوان شمس کا نہیں بلکہ مولینا کا ہی، وہ مولینا کے دیوان کو مولینا ہی کا سمجھتے رہے، اور کوئی دوسرا وہم انکے سامنے نہ تھا،

دوسرا پہلو خاص توجہ کا مستحق ہی، وہ یہ ہی کہ افلاکی، سپہ سالار اور سلطان ولد[1] وغیرہ نے اپنے اپنے تذکرون اور کتابون میں مولینا ے روم اور ان سے متعلق بزرگان دین کے احوال تفصیل سے لکھے ہین، ان لوگون نے نہ صرف انکے حالات بلکہ مناقب و مدارج بھی بیان کئے ہین،

انمیں جو شعراء تھے انکے مشغلہ شعر کا ذکر کیا ہی، چنانچہ مولینا ے روم اور سلطان ولد کے حال میں انکی شاعری کا تفصیلی ذکر ہی، ان کے ہر قسم کے اشعار موقع بموقع درج کئے ہین، اسی طرح شمس کا بھی حال لکھا ہی اور ایک مستقل باب باندھا ہی[2]، لیکن عجیب بات یہ ہی کہ ان مین سے کسی نے حضرت شمس کی شاعری کا ذکر تک نہین کیا، حالانکہ تذکرہ نویسون میں سلطان ولد اور سپہ سالار بھی ہیں جو حضرت شمس کے دیکھنے والے انکے حالات سے واقف اور انکے معتقد اور کمالات کے معترف ہیں، اگر حضرت شمس شاعر ہوتے تو وہ ضرور اسکا تذکرہ کرتے اور جیسے اونھون نے دوسروں کے حالات میں کیا ہی انکے اشعار درج کرتے، یہ ممکن نہیں کہ شمس اسقدر پرگو شاعر ہون جیسے دیوان سے ظاہر ہوتا ہی، اور خاص معتقد تذکرہ نویس اسکا ذکر تک نہ کرین، اس سے ثابت ہوتا ہی کہ حضرت شمس شاعر ہی نہ تھے، اور انکا کوئی کلام نہ تھا، جو کلام ان کی طرف منسوب ہو گیا ہی وہ مولینا ے روم ہی کا ہی کیونکہ انکے اشعار مختلف طور پر تذکرون مین ہین، جو دیوان شمس تبریز میں بھی ملتے ہین،

[1] مناقب العارفین [2] سپہ سالار ذکر خلفاء حضرت شمس،

مناقب العارفین کی شہادت، اس سلسلہ کو ہم مناقب العارفین[1] (سنہ ۷۵۴ھ) سے شروع کرتے ہین، اسکے مصنف شمس الدین افلاکی ہین، جو دو واسطون سے مولانا کے سلسلہ میں شامل ہوتے ہیں، یعنی یہ چلپی عارف کے مرید اور مولانائے روم کے دیکھنے والے اور صحبت یافتہ ہین، سنہ تالیف ۷۵۴ھ ہے، افلاکی نے اس تذکرہ مین مختلف مواقع پر مولینا کے اشعار لکھے ہین، بعض مقامات پر اسکی صراحت ہے، اور بعض مقامات پر اشعار کی تصریح درج ہے، اشعار مثنوی کے بھی ہین، اور غزلیات کے بھی، مثلاً مثنوی کے اشعار یہ ہین،

از خدا خواہیم توفیق ادب، بے ادب محروم گشت از فضل رب

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد، بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد،

لکھتے ہین، :-

"روزے در معنی این بیت معرفت می فرمود"

چون چنین خواہد خدا خواہد چنین، می دہد حق آرزوے متقین،

ہمنشین مقبلان چون کیمیاست، چون نظر شان کیمیائی خود کجاست،

آن دلے کز آسمانہا برتر است، آن دلے ابدال یا پیغمبر است،

مسجدے کان در درون اولیاست، سجدہ گاہے جملہ است آنجا خداست،

دست را مسپار جز در دست پیر، حق شدست آن دست او را سخت گیر

ہرکہ اندر عشق یابد زندگی، کفر باشد پیش او جز بندگی،

گر نہ بودی نوح را از حق یدی، او جہانے را چرا برہم زدی،

معنی قرآن ز قرآن پرس بس، وزکسی کاتش زدست اندر ہوس،

گرچہ قرآن از لب پیغمبر است، ہرکہ گوید حق نہ گفت او کافر است

---

[1] مناقب العارفین سنہ تالیف ۷۵۴ھ،

خاصۂ آن آواز از خود شہ بود، | گرچہ از حلقوم عبداللہ بود،
نے حدیثِ راہ پر خون می کند | قصہ ہائے درد مجنوں می کند،
با کہ گویم چون ندارد گوش جان | بہر گوش است اے امیر این خوش بیان
من شدم عریان ز من او از خیال | می خرامم در نہایات الوصال
ہر کہ اندر وجہ او باشد فنا | کل شیء ہالک نبود جزا،

(ص ۳۰۲)

اسی طرح مختلف مقامات پر غزلیات کے اشعار بھی لکھے ہین، ذیل مین ایک طرف یہ اشعار مع تصریح محل بیان، تذکرہ سے درج کئے جاتے ہین، اس کے مقابل دیوان سے اشعار لکھے جاتے ہین جس سے صاف طور پر اس امر کی شہادت ملجائے گی، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہے، نسخون[1] کے اختلاف کو بھی نمایان کر دیا گیا ہے،

مناقب العارفین[2]	دیوان شمس تبریز
جزو درویشند جملہ نیک و بد،	جزو درویشند جملہ نیک و بد،
(م ص ۱۱) ہر کہ نبود او چنین درویش نیست،	گر نباشد این چنین درویش نیست،
	(کلیات شمس تبریز مطبع نولکشور ص ۱۵۹)
م ہیچ می دانی چہ می گوید رباب،	ہیچ می دانی چہ می گوید رباب،
(م ق ص ۱۱) ز اشک چشم و در جگر ہائے کباب،	ز اشک چشم وز جگر ہائے کباب،
	(دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ص ۴)

[1] ن سے مراد نسخون کا اختلاف ہے، بعض جگہ یہ اختلاف نسخون کا نہیں، بلکہ کتابت اور خرابی طباعت سے پیدا ہو گیا ہے، [2] تذکرۂ مناقب کے بھی کئی نسخے میرے پیش نظر رہے، اور یہ سب کتبخانہ آصفیہ کے ہین،

صاحبِ مناقب[۱] لکھتے ہیں کہ مجلس سماع میں مولینا نے یہ غزل پڑھی،

مرا اگر تو ندانی بہ پرس از شبہا　　چو عشق را تو ندانی بہ پرس از شبہا

ق م ص۱۲۳　بپرس از رخِ زردو زخشکی لبہا　　بپرس از رخ زرد و زخشکی لبہا　(ک ۸۸)

ایک رات مولینا نے شیخ بدر الدین تبریزی کیمیا ساز کو ہدایت فرمائی کہ کوشش کرو کہ وجود کا تانبا سونا ہوجائے، بلکہ گوہر اور وہ بھی باعظمت! پھر یہ شعر پڑھا،

ک	م ق
عیسی مست را زر کند ور زر بود گوہر کند	عیسی مست را زر کند ور زر بود گوہر کند
گوہر بود بہتر کند بہتر زماہ و مشتری	گوہر بود بہتر کند بہتر زماہ و مشتری
(ک ۸۶۸)	(م ق ص ۱۳۰)
بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم	بزیر عشق مرا گفت من ہمہ نازم،
ہمہ نیاز شو آن لحظہ کہ ناز کنم،	ہمہ نیاز شو آن لحظہ کہ ناز کنم،
چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی	چون ناز را بگذاری ہمہ نیاز شوی
من از برائے تو خود را ہمہ نیاز کنم	من از برائے تو خود را ہمہ نیاز کنم
(ک ۵۷۰)	(م ص ۱۲۱)

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲) ایک قلمی نسخہ ہے، ایک اردو ترجمۂ مناقب بھی ہے، ایک آگرہ کا مطبوعہ فارسی نسخہ ہے، میں نے اشعار زیادہ تر اسی آخری فارسی نسخے سے منتخب کئے ہیں لیکن ابتدا میں چند اشعار قلمی نسخہ اور ترجمہ سے بھی لئے گئے ہیں، چونکہ اشعار کے متعلق ماخذ کا حوالہ دینا ضروری ہے اسلئے ہر جگہ نام کا تفصیلی اندراج طولِ عمل ہے، اسوجہ سے میں نے خاص نشانات سے کام لیا ہے جسے یہاں درج کئے دیتا ہوں، "ق م" سے مراد قلمی نسخۂ مناقب ہے، اور صرف "م" سے مراد مناقب فارسی مطبوعہ نسخۂ آگرہ ہے، سنہ طباعت ۱۸۹۶ء، اسی طرح مقابل میں "د" سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ لکھنؤ ہے، اور "ک" سے مراد کلیات شمس تبریز نسخۂ مطبوعہ منشی نولکشور ہے، "ص" سے مراد صفحہ ہے، انکے علاوہ اور نسخوں سے اشعار لئے گئے ہیں، تو ان کا تفصیلی حال درج کر دیا جائے گا،

[۱] اشعار کے محل و قوع کے متعلق سارے تشریحات مناقب ہی سے لئے گئے ہیں،

ماقصر چار طاق درین عرصهٔ فنا،
چون عاد چون ثمود مقرس نمی کنم،
جز صدر و قصر عشق دران ساحت خلو
چون نوح چون خلیل مؤسس نمی کنم

(م ص ۱۴۲)

ماقصر چار طاق دریں عرصهٔ فنا،
چون عاد چون ثمود مقرس نمی کنم،
جز صدر و قصر عشق دران ساحت خلو
چون نوح چون خلیل موسس نمیکنم

(ک ۵۶۶)

ایک خادم نے عرض کی کہ عجیب بات ہے کہ اس روز آپ باجو خان کے لشکر سے نہیں ڈرے فرمایا خداوندگار ما رسول اللہ علیہ وسلم پہلوان عظیم بودہ است .... پھر یہ قصیدہ پڑھا،

مناقب العارفین

من این ایوان نه تو را نمیدانم،
من این نقاش جادو را نمیدانم
بدستم بر بقت آمد ازان خان همه خانان
من این ماجود با تو را نمیدانم

(م ص ۱۵۶)

دیوان شمس تبریز

من آن افلاک نه تو را نمیدانم
من این نقاش جادو را نمیدانم
بدستم بر یقے آمد ازان خان همه خانان
که من خود خان بجزا و را نمیدانم

(د ص ۱۳۲، ۱۳۳)

اہم روایت، "اصحاب عظام روایت کردند که ملک شمس الدین ملک ملک شیراز بود رقعهٔ بخدمت اعذب الکلام شیخ سعدی علیه الرحمة والغفران اصدار کرده استدعا نموده که غزلے غریب که محتوی بر معانی عجیب باشد، ازان هر یک که باشد بفرستی تا غذاے جان خود سازم شیخ سعدی غزل نو ازان حضرت مولینا که دران ایام بشیراز برده بودند و خلق بکلی ربودهٔ آن شده بنوشت و ارسال کرد، و آن غزل اینست"،

هر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست . هر نفس آواز عشق می رسد از چپ و راست

ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست
ما بفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم
باز ہمانجا رویم کہ آن شہر ماست
ما ز فلک برتریم وز ملک افزون تریم
زین دو چرا نہ گذریم منزلِ ما کبریاست
(الیٰ آخرہ ص ۱۵۰-۱۵۹)

ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست
ما بفلک بوده ایم یار ملک بوده ایم
باز ہمانجا رویم کہ آن شہر ماست
خود ز فلک برتریم وز ملک افزون تریم
زین دو چرا نہ گذریم منزلِ ما کبریاست
(دیوان ص ۶۲ مطبوعہ ۱۳۲۶ھ)

"شبے بہ فخر النسا (ان کا ارادہ حج کا تھا) فرمود کہ باین نگاہ کن کہ مقصود حاصل شدہ است...
می بیند کہ کعبۂ معظم بر بالائے مولانا طواف می کند.... فخر النسا شہقہ بزد چون بیہوش آمد....
ہمانا حضرت مولانا این غزل را از سر نو آغاز فرمود"

کعبہ طواف می کند بر سر کوئے یک بتے
این چہ بتے ست ایخدا این چہ بلا و آفتے
ماہ درست پیشِ او قرص شکستہ بستہ
بر شکرش نباتہا چون مگسے ست ز حمتے
جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائکِ امین
سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدائے رحمتے
اہلِ ہزار بحر و کف گوہر عشق را صدف
زان سوے عزت و شرف سخت بلند ہمتے
اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت
گشتہ سخن بسو صفت پر نم بے نہایتے
(ص ۱۶۱)

کعبہ طواف می کند بر سر کوئے یک بتے
این چہ بتے ست اے خدا این چہ بلا و آفتے
ماہ درست پیشِ او قرص شکستہ بستہ
بر شکرش نباتہا چون مگسے ست ز حمتے
جملہ ملوک راہ دین جملہ ملائکِ امین
سجدہ کنان کہ اے صنم بہر خدائے رحمتے
اہلِ ہزار بحر و کف گوہر عشق را صدف
زان سوے عزت و شرف سخت بلند ہمتے
اے تبریز مرحمت شمس ہزار مکرمت
گشتہ سخن بسو صفت پر نم بے نہایتے
(ص ۸۸۴-۸۸۵)

اہم تنبیہ، مولینا کی غزلیات کے متعلق غلط فہمی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہو کہ اکثر غزلوں کے آخر میں عام طریقہ کے مطابق مولینا کا تخلص نہیں ہوتا، بلکہ اکثر شمس کا نام ہوتا ہے، لیکن یہ شبہہ اس غزل کو دیکھ کر بالکل رفع ہوجاتا ہے، کیونکہ اس غزل کے مقطع میں بھی مولینا کا تخلص نہیں، بلکہ حضرت شمس ہی کا نام نامی ہے، لیکن ان کی مدح میں یہی حال دیوان کی، اور غزلوں کا بھی ہے، لیکن صاحب تذکرہ نے تمہیداً تصریح کر دی ہے، کہ یہ غزل مولینا کی ہے، اور وہ کس موقع پر پڑھی گئی، اور کس طرح اس موقع پر فی البدیہہ کہی گئی، اس کی اور مثالیں ہین، دیوان دیکھو تو اس میں بھی یہی رنگ ہو جس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہین، کہ مقطع غزل مین شمس کا نام ہونیکے باعث اس امر میں شبہہ نہ کرنا چاہئے کہ وہ مولینا کا کلام نہین،

لکھا ہے کہ ایک موقع پر اہلِ ارادت ساتھ تھے، مولینا کے طفیل ان پر پتھر جو ذکر تسبیح کرتے ہین (سبوح قدوس) اسکا انکشاف ہوا، مولانا نے یہ غزل فرمائی، (م ۲۲۲)

دیوان	مناقب العارفین
دل چو دانہ ما مثالِ آسیا،	دل چو دانہ ما مثال آسیا،
آسیا کے داند این گردش چرا،	آسیا کے داند این گردش چرا،
تن چو سنگ و آب او اندیشہا،	تن چو سنگ و آب او اندیشہا
سنگ گوید آب داند ماجرا	سنگ گوید آب داند ماجرا
ماجرا بسیار خواہد شد خموش،	ماجرا بسیار خواہد شد خموش
از خدا وا پرس تا گوید ترا،	از خدا وا پرس تا گوید ترا،
(ک ۰۰)	(م ص ۲۲۲)

افلاکی ایک دن کا حال لکھتے ہین، "از پئے سماع شد و این غزل از سر آغاز کرد و گفت" (م ۲۵۱)

گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود   گر حریف منی پس بگو کہ درش چہ بود،

میان این دل و آن یار مے فروش چہ بود	میان این دل و آن یار مے فروش چہ بو
اگر بچشم بدیدی جمال ماہ وش	اگر بچشم بدیدی جمال آن ہمدوش
مرا بگو کہ دران حلقہائے گوش چہ بود	مرا بگو کہ دران حلقہاے گوش چہ بود
اگر تو با من ہم خرقہ و ہم رازی	وگر تو با من ہم خرقہ و ہم رازی
بگو کہ صورت آن شیخ خرقہ پوش چہ بود	بگو کہ صورت آن شیخ خرقہ پوش چہ بود
اگر فقیری و ناگفتہ رازی شنوی	اگر فقیری و ناگفتہ رازی شنوی
بگو اشارت آن ناطق خموش چہ بود	بگو اشارت آن ناطق خموش چہ بود
(م ص ۲۵۳)	(ک ۳۱۹)

مولینا ہمین غزل را از سر آغاز فرمود،

صلایا ایہا العشاق کان مہ رو بکار آمد	صلایا ایہا العشاق کان مہ رونگار آمد
میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد	میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد
(م ص ۲۹۳)	(ک ۳۰۲)

افلاکی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ مولانا نے ایک ہفتہ چلہ کشی فرمائی اسکے بعد احوال دل کی ترجمانی فرمانے لگے، "از خزینۂ دل اسرار و معانی فرمودن گرفت و این غزل را از سر آغاز کرد":

باز آمدم باز آمدم تا وقت را میمون کنم	باز آمدم باز آمدم تا وقت را میمون کنم
باز آمدم باز آمدم تا درد عشق افزون کنم	باز آمدم باز آمدم تا در دعشق افزون کنم
باز آمدم باز آمدم تا بہر بیماران دل	باز آمدم باز آمدم تا بہر بیماران دل
از اشک چشم و آہ شب وز خون دل معجون کنم	از اشک چشم و آہ شب و از خون دل معجون کنم
باز آمدم باز آمدم تا سوز درد عشق را	باز آمدم باز آمدم تا سوز و درد عشق را

در گوشهاے دل نہم در گنج سر مخون کنم در گوشہاے دل نہم در گنج سر مخون کنم

(م ص ۱۹۰) (دیوان شمس تبریز ص ۱۹۰)

ایک روز پروانہ کے مکان پر سماع کی محفل تھی، معین الدین پروانہ کچھ دیر آرام کی خاطر سو گئے، حضرت مولینا بیتاب تھے،

حضرت مولانا در حالت چرخی کہ چرخ افلاک حیران چنان چرخ گشتہ بود، غزل از سر آغاز فرمود و گفت، (م ۳۲۷-۳۶۸)

گر نہ خسپے شبکے جان چہ شود، گر نہ خسپے شبکے جان چہ شود،

ور بکوبی در ہجران چہ شود، ور بکوبی در ہجران چہ شود،

ور نیازی شبکے روز آری، ور بیازی شبکے روز آری،

از براے دل یاران چہ شود از براے دل یاران چہ شود،

ور سلیماں سوے موران آمد ور سلیماں سوے موران آمد،

تا شود مور سلیمان چہ شود، تا شود مور سلیمان چہ شود،

ور دو دیدہ ترا روشن گردد، ور دو دیدہ بتو روشن گردد،

کوریٔ دیدۂ شیطان چہ شود، کوری دیدۂ شیطاں چہ شود،

(م ۳۲۷-۳۲۸) (ک ۲۹۶)

افلاکی حالت مرگ کے قریب کا حال لکھتے ہیں، کہ "حضرت مولینا این غزل را از سر آغاز کردہ میگفت و جمیع اصحاب جامہ دران نعرہ زنان فریاد می کردند،

چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم چہ دانی تو کہ در باطن چہ شاہی ہمنشیں دارم

رخ زرین من منگر کہ پاے آہنین دارم رخ زرین من منگر کہ پاے آہنین دارم (باقی)

(ھ ۳۴۹) (ک ۲۳۲)

تلخیص و تبصرہ

لندن میں چینی آرٹ کی نمائش

رائل اکاڈمی، لندن میں چینی آرٹ کی جو نمائش ہو رہی ہے، وہ اپنی وسعت اور جامعیت کے لحاظ سے اس قدر عظیم الشان ہے کہ اس سے قبل چینی مصنوعات کی کوئی ایسی نمائش تمام یورپ میں نہین دیکھی گئی، اس مین ایک بڑی تعداد ان منتخب نوادر کی ہے جو حکومت چین نے بھیجے ہیں، اور ان کے علاوہ دنیا کے ہر ملک کے عجائب خانوں اور ذاتی ذخیروں سے بھی چینی آرٹ کے بہترین نمونے فراہم کئے گئے ہیں، یہ چیزیں جن کی تعداد تین ہزار سے زیادہ ہے پینتیس ۳۵ صدیوں کی صناعی کا نمونہ ہین، ان میں مصوری، پارچہ بافی، خوشنویسی، مینا کاری، روغن کاری، سنگ تراشی، اور چینی مٹی اور کانسہ کے ظروف کے شاہکار پیش کئے گئے ہیں، ان مصنوعات میں اس زمانہ کی چیزین بھی شامل ہیں، جب چین دنیا کی سب سے زیادہ طاقتور سلطنت تھی، اور یورپ ہنوز عہد حجری سے نکلا نہ تھا،

کانسہ کی قدیم چیزوں میں سے اکثر خاندان چو (سنہ ۱۱۲۲ لغایۃ سنہ ۲۴۹ ق ۔ م) کے زمانہ کی بتائی جاتی ہیں، جس کی بنیاد شہنشاہ ؔوو (۱۱۲۲) نے رکھی تھی، کانسہ کی صنعت کو چین نے یونانیوں سے ایک ہزار سال قبل تکمیل تک پہنچا دیا تھا، اس کی بیشتر مصنوعات پر چاندی اور سونے کی مینا کاری ہے، نقش و نگار میں قدرتی چیزون یا علم ہندسہ کی شکلین بنی ہوئی ہیں، چڑیون، جانورون، عنقا اور اژدہوں کی شکلین کثرت سے ہین، مختلف اقسام کے آئینے بھی ہیں، جن میں سے بعض آفتاب کی " خالص آگ " کو حاصل کرنے کے لئے مجوف بنائے

گئے تھے، یہ آگ" مذہبی رسوم میں استعمال کیجاتی تھی، بعض وہ آئینے ہیں جو درختوں پر لٹکا دیئے جاتے تھے اور آدھی رات کے وقت ان کے ذریعہ ماہ کامل سے "خالص پانی" لیا جاتا تھا، وہ طلسمی آئینے" بھی ہیں جو آفتاب کی روشنی میں کسی دیوار پر لٹکا دیئے جاتے تھے، اور ان سے مختلف شکلوں کے عکس سامنے کی دیوار یا پردہ پر پڑتے تھے، ان آئینوں کے سامنے کا شیشہ بظاہر بالکل چکنا اور مسطح ہے، لیکن پشت پر ابھری ہوئی شکلیں اس صنعت کے ساتھ بنی ہوئی ہیں کہ ان کا عکس صاف اور شفاف آئینوں سے سامنے کی چیزوں پر پڑتا ہے،

کانسہ کی جو چیزیں اس نمائش میں دکھائی گئی ہیں وہ عموماً چھوٹی ہیں، مثلاً وہ ظروف جو خانگی استعمال یا مذہبی رسوم میں کام آتے تھے، گوتم بدھ کے مجسمے، موسیقی کے آلے، وغیرہ، لیکن اہل چین بعض بہت بڑی بڑی چیزیں بھی بناتے تھے، مثلاً ۱۴۰۳ء اور ۱۴۲۴ء کے درمیان انھوں نے کانسہ کی پانچ زبردست گھنٹیاں بنائی تھیں جو پیکنگ میں موجود ہیں، ان میں سے ہر گھنٹی کا وزن ایک لاکھ بیس ہزار پونڈ، بلندی چودہ فٹ، کنارہ کا قطر چونتیس فٹ اور دبازت نو انچ ہے، وہ ایک بڑی شہتیر پر لٹکائی گئی تھیں، اور ان کے لٹکنے کے لئے نیچے کی زمین کھودی گئی تھی،

مٹی کے برتنوں پر روغن کرنے کی صنعت سب سے پہلے خاندان ہان (۲۰۶ ق م تا ۲۲۰ء) کے زمانہ میں رونما ہوئی تاہم بغیر روغن کے مٹی کے برتنوں کی مقبولیت خاندان تانگ کے اختتام (۹۰۶ء) تک قائم رہی، چینی کے برتن تمامتر اہل چین کی ایجاد ہیں، چنانچہ آٹھویں صدی میں بھی سفید چینی کے برتنوں کا ذکر تاریخوں میں ملتا ہے، تانگ اور سنگ عہدوں کے درمیان شہنشاہ شیہ ٹسنگ کے حکم کے بموجب جانے کے وہ ظروف تیار کئے گئے جو" بارش سے دھلے ہوئے آسمان جیسے نیلے، آئینہ جیسے روشن اور کاغذ جیسے باریک تھے، اور ان سے ویسی ہی شیریں آواز نکلتی تھی، جیسی کسی نفیس پتھر سے پیدا ہوتی ہے"، ان ظروف کے چند نمونے اس وقت تک موجود ہیں، چینی کے برتنوں کی صنعت خاندان سنگ (۹۶۰ء تا ۱۲۷۹ء) کے زمانہ میں اپنے کمال تک پہنچ گئی تھی،

عہد تاتار کے اختتام پر خاندان منگ (۱۳۶۸ء لغایتہ ۱۶۴۴ء) کے ساتھ ساتھ مختلف صنعتوں کی نشاۃ ثانیہ بھی شروع ہوئی، اور چینی کے برتنوں کی صنعت میں خصوصیت کے ساتھ نئی نئی چیزیں ایجاد ہوئیں عہد یانگ لو کے پیالوں کی نفاست اپنا جواب نہیں رکھتی، یہ پیالے بالکل شفاف ہیں، اور روشنی کے سامنے رکھنے سے ان کے اندر کچھ ہلکے ہلکے سے نقوش نظر آتے ہیں، ان برتنوں کے کارخانوں میں دس لاکھ آدمی کام کرتے تھے، شاہی کارخانے ان کے علاوہ تھے، پھر خاندان چنگ (۱۶۴۴ء لغایتہ ۱۹۱۲ء) کے زمانہ میں نیلگوں اور سفید چینی کے برتنوں کا رواج ہوا جو حد درجہ مقبول ہوئے، یہ برتن ابتدائً خاندان منگ کے دور میں ۱۴۲۶ء اور ۱۶۱۹ء کے درمیان بنائے گئے تھے،

چین میں مصوری زیادہ تر ریشمین پٹیوں پر کیجاتی تھی، یہ پٹیاں لپیٹ کر رکھی جاتی تھیں، اور چونکہ بہت نازک ہوتی تھیں اس لئے قدیم ترین مصوری کے نمونے بہت کم محفوظ ہیں، بعض قدیم نمونے جو چین میں اب تک محفوظ ہیں، وہ بھی اپنی نزاکت کی وجہ سے اس قدر بوسیدہ ہوگئے ہیں کہ نمایش میں لائے نہ جاسکے تاہم سنگ، یوان، اور منگ خاندانوں کے بعض نادر نمونے نمایش میں پیش کئے گئے ہیں، تصویریں زیادہ تر مناظر فطرت کی ہیں، ایک تصویر چنگیز خان کی بھی ہے، یہ ایک البم میں ہے، جس میں اس کے درباریوں کی تصویریں بھی ہیں، چنگیز کے شاہی محلسرا کی خواتین کی تصویریں بھی ہیں لیکن چونکہ یہ خواتین پردہ نشین تھیں اور مصور کے سامنے بے نقاب نہیں آسکتی تھیں، اس لئے ان کی تصویر لینے میں ایک خاص اور عجیب اہتمام کیا جاتا تھا، مصور ہزاروں نقشے آنکھ، ناک، کان وغیرہ کے کھینچتا اور یہ سب نقشے محلسرا کی ایک خاتون کے سامنے پیش کئے جاتے جو ان خواتین کے چہروں سے مقابلہ کرکے ان نقشوں میں سے انتخاب کرلیتی، انتخاب کے بعد مصور تصویر کو مکمل کر دیتا، مناظر فطرت کی مصوری کا فن چین میں بمقابلہ یورپ کے سینکڑوں برس پہلے رائج تھا، مناظر فطرت سے شیفتگی کے باعث اس فن کا ارتقاء اہل چین کے لئے بالکل قدرتی تھا، عہد تانگ کی ایک تصویر "لطف موسیقی" کے صرف چند ٹکڑے نمایش میں رکھے گئے ہیں، کیونکہ اس عہد کی شاید ہی کوئی

چیز محفوظ رہ سکی ہے، لیکن عہد سنگ کے بہترین مصوروں کے چھپن شاہکار پیش کئے گئے ہیں، جن میں متعدد تصویریں شہنشاہ ہوئی ٹسنگ کے ہاتھ کی بھی ہیں، جو ایک مشہور ادارہ مصوری کا بانی تھا،

روغن کاری اور سنگ تراشی کے فن کو بھی اہل چین نے کمال تک پہنچا دیا تھا، روغن کاری کے ذریعہ یا تو ہموار سطح پر مختلف نقش ونگار بنائے جاتے تھے یا تلے اوپر بہت سی تہیں دے کر ابھرے ہوئے نقوش بنائے جاتے تھے، اکثر چیزوں پر روغن کاری کی بیس بیس تہیں، اور بعض پر تیس تیس تہیں بھی ملتی ہیں، روغن کے ساتھ سیپ، سونا، اور قیمتی پتھروں کے ٹکڑے بھی شامل کر دیتے تھے، جن سے چیزوں کا حسن دوبالا ہو جاتا تھا،

زمانہ قبل مسیحؑ کی چینی سنگ تراشی کے نمونے بہت کم محفوظ ہیں، البتہ پکنگ میں دس بڑے سنگی نقارے خاندان چو کے عہد (سنہ ۱۱۲۲ لغایۃ سنہ ۲۴۹ ق م) کے موجود ہیں، یہ نقارے سنہ ۸۰۰ ق م کے بنے ہوئے ہیں، جیسا کہ ان کے کتبوں سے معلوم ہوتا ہے، چین کی جن تاریخوں میں سنگ تراشی کا ذکر آتا ہے وہ خاندان چین (سنہ ۲۲۱ لغایۃ سنہ ۲۰۶ ق م) اور اس کے بعد کی تاریخیں ہیں،

خاندان ہان کے زمانہ کے بہت سے مٹی اور کانسہ کے مجسمے بھی ہیں، پھر جب ہندوستان سے نکل کر بودھ مذہب چین میں داخل ہوا، اور وہاں سنہ ۶۷ء میں سرکاری طور پر تسلیم کر لیا گیا تو سنگ تراشی کے فن کو اور بھی ترقی ہوئی، اور گوتم بودھ کے مجسمے کثرت سے بنائے جانے لگے، ان میں سے ایک مجسمہ جو امریکہ سے نمائش میں بھیجا گیا ہے، اپنی صناعی کے لحاظ سے خاص اہمیت رکھتا ہے، اور سنگ تراشی کے بہترین نمونوں میں شمار کیا جاتا ہے، اس کی بلندی (۱۷۹) سنٹی میٹر ہے، سنگ مرمر کا ایک اور مجسمہ بھی گوتم بودھ کا ہے، جس کا قد بیس فٹ اور وزن بیس ٹن ہے، یہ سنہ ۵۸۵ء کا بنا ہوا ہے، اور نمائش میں نیویارک سے لایا گیا ہے، (ا۔ د)

"ع ز"

امبیدکر کا مسئلہ

لندن کے مشہور "عقلی" رسالہ لٹریری گائڈ (فروری ۳۶ء) میں مسٹر گولڈ (F. J. GOULD)
کا ایک دلچسپ مضمون عنوانِ بالا سے شائع ہوا ہے، جس میں مقالہ نگار نے اچھوتوں کی حالت پر اظہار
خیال کرتے ہوئے اس موقعہ سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کی ہے، جو ڈاکٹر امبیدکر کے اعلان سے مختلف
مذاہب کے مبلغین کو ہاتھ آگیا ہے، "عقلیت" کی جو تحریک یورپ اور امریکہ میں کچھ عرصہ سے جاری ہے،
مسٹر گولڈ اب اسے ایشیا میں بھی رواج دینا چاہتے ہیں، اور اس کے لئے ہریجن کا میدان نہایت وسیع
اور امید افزا نظر آرہا ہے، مضمون کا خلاصہ درج ذیل ہے،

"میں نے قدیم اور جدید دنیا کے سیکڑوں مدرسے دیکھے، لیکن ان میں سب سے زیادہ خراب حالت
بمبئی کے کماٹھی پورہ نراشرتا کی پائی، یہ مدرسہ ایک نہایت معمولی عمارت میں واقع تھا جس میں ناہموار
بنچوں کے علاوہ اور کوئی سامان نہ تھا، تاہم ۱۹۱۳ء میں وہان جن بچون سے مین نے ہاتھ ملایا وہ تیز
اور ذہین معلوم ہوتے تھے، وہ بچے چنڈال اور مہر فرقوں کے تھے جو ہندوستان کی اچھوت قومون سے
ہیں جن کی تعداد چار کرور سے زیادہ ہے،

موجودہ وقت جسے اخبار نویس اشخاص "بحران" کا وقت کہتے ہیں، اس درجہ حوصلہ پرور اور
امید افزا ہے، کہ تمام دنیا میں مظلوم قومین، فرقے، اور جماعتیں ذلت اور غلامی کی خاک سے اٹھ کر عزت کے
فرش پر قدم رکھ رہی ہیں، یہ تحریک سب سے زیادہ ہندو اچھوتوں میں نمایان ہے، ہزاروں برس سے
اونچی ذات کے ہندو برہما، وشنو، اور شیو کی مفروضہ رضامندی کی بنا پر ان اچھوتون کے ساتھ حقارت
کا برتاؤ کرتے آئے ہیں، انھون نے ان مظلوموں کے لئے عام کنوون، تالابون، اور مردہ گھاٹوں کے
استعمال کو ممنوع قرار دے رکھا ہے، ان کو مدرسون اور مندرون میں جانے کی اجازت نہیں دیتے،

ذلیل ترین پیشے ان کے لئے مخصوص کر دیئے ہیں، اور اگر ان کا کوئی فرد کسی عام شاہراہ پر کسی برہمن سے چالیس قدم کے فاصلہ پر بھی آجاتا ہے تو اس پر لعنتوں اور بددعاؤں کی بوچھار کر دیتے ہیں،

مسٹر پی۔ این۔ بوس (P.N.BOSE) آنجہانی کا جو ایک روشنخیال ہندو تھے، دعوی تھا کہ ہندوستانی روح اپنی بلند مذہبی کیفیت میں ذات پات کی مخالف ہے، بودھ مذہب نے ذاتوں کی تقسیم مٹا ڈالی، اور انسانوں کا فرق صرف ان کے اخلاقی مدارج کے لحاظ سے تسلیم کیا، بہتیرے ہندو بزرگوں نے بھی جو بودھ مذہب کے زوال کے بعد پیدا ہوئے، اسی کشادہ ذہنی کا اظہار کیا، ذات پات پر زور صرف مذہب کی ادنیٰ ذہنیت نے ڈالا، یعنی گہری معاشرتی تقسیمیں پروہتوں اور ان کی روایتوں اور اداروں نے قائم کیں، ڈاکٹر برج پائی نے بیان کیا ہے کہ ذاتوں کے نظام میں دخل دینے کی اگر کچھ بھی کوشش کیجاتی ہے، تو اسے مذہب کے خلاف سمجھا جاتا ہے، اور اس کی مخالفت کیجاتی ہے یہی شدید قدامت پرستی نیچی ذاتوں کی اصلاح میں ایک بڑی روک ہے، حکومت برطانیہ نے اتنا کیا ہے کہ ان کے لئے مدرسے کھول دیئے ہیں، اور کسی قدر سیاسی نمائندگی دے رہی ہے، علاوہ برین ہندو مصلحین کی جماعتیں ہریجن کی آزادی کے لئے کوشاں ہیں، اور اس باب میں مہاراجہ بڑودہ کا شاندار کارنامہ ہند جدید کے لئے عزت کا باعث ہے،

ڈاکٹر امبیدکر اچھوت ذاتوں کے ایک نہایت محترم نمایندہ ہیں، انھوں نے اعلان کیا ہے کہ ہریجنوں کے لئے جو تعداد میں کئی کروڑ ہیں مناسب ہے کہ اسلام کے حلقہ بگوش ہو جائیں (معارف؟) پرجوش مسلمانوں نے ایک ہزار مبلغین کی جماعت تیار کرنے کی ایک تجویز بھی مرتب کر لی ہے اور ان کا خیال ہے کہ پچاس سال کی مدت میں تمام اچھوت اسلام میں داخل ہو جائینگے، (معارف؟)

اس مسئلہ میں مجھے دو باتیں پیش کرنی ہیں، پہلی بات تو یہ ہے کہ عقلیت یا مخالف مذہب آزاد خیالی کو اس میدان میں کام کرنا چاہئے جو عقلیت اور عیسائیت کی جنگ سے ماوراء بہت دور تک

کے بڑے مدارج طے کر چکی ہے، اس کے مقابلہ میں ایک دوسری غیر ترقی یافتہ زبان یعنی ہندی کو ہندوستان کی مشترک زبان منوانے کی کوشش کرنا ایک ناانصافی ہے، پھر "یادرفتگاں" کے عنوان سے گذشتہ سال ہم سے جدا ہونے والے ادیبوں اور شاعروں کی وفات پر ماتم کیا گیا ہے، اس کے بعد مضامین شروع ہوتے ہیں، جو ملک کے ممتاز اہل علم، اور ان کے پہلو بہ پہلو یونیورسٹی کے ہونہار تلامذہ شعبۂ اردو کے نتائج فکر ہیں، قابلِ ذکر مضامین میں "مصوری کے میلاناتِ نو" (ڈاکٹر سلیم الزماں) "تعلیم اور اسلامی معاشرت" (خواجہ غلام السیدین) "غزلگوئی پر ایک نظر" (جناب اقبال احمد سہیل) "حافظ کے کلام میں کلام" (ڈاکٹر عبدالستار صدیقی) "حالی ایک محب وطن کی حیثیت سے" (ڈاکٹر ذاکر حسین) اور "قومی ادب اور ہندی سمیلن" (ڈاکٹر اشرف) وغیرہ ہیں، یونیورسٹی کے تلامذہ میں سے حضرت مضطر خیرآبادی مرحوم کے لائق صاحبزادے جناب جاں نثار حسین صاحب اختر نے اپنے والد ماجد کے سوانح اور کلام کے نمونے سنجیدہ اسلوبِ بیان میں پیش کئے ہیں، اسی طرح "اردو اور اس کے تاریخی ماخذ" (جناب محمد ابواللیث صدیقی متعلم) اور "بہار اور اردو شاعری" (جناب معین الدین دردائی) کے عنوانوں سے اچھے مضامین ہیں، جن میں اس وقت تک کی تحقیقاتوں سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، اور چند نئے قلمی تذکروں اور یادداشتوں کا تعارف کرایا گیا ہے، چند افسانے بھی مترجبہ وطبعزاد دونوں قسم کے ہیں، آخر میں "باب تنقید" کے عنوان سے ہندوستانی زبان کی سال بھر کی مطبوعات پر نظر ڈالی گئی ہے، سب سے آخر میں لائق مدیر نے "کوبڑ" کے انوکھے عنوان پر لکھا ہے، جس کی تہ میں بڑے بڑے گن بھرے ہیں، تہذیب، معاشرت، سیاست، قومیت، صحافت اور ادب وشعر سب ہی کچھ اس میں سما گیا ہے، اور پھر اندازِ خاص میں ہر ایک کا "کوبڑ" الگ الگ دکھایا گیا ہے، مشاہیر شعراء میں سے جناب اصغر، جگر، اثر، سہیل اور جوش کے کلام شائع ہوئے ہیں، رسالہ مصور ہے، تمام تصویریں مغربی مصوروں کے فنی نمونے ہیں، جن کے لئے ان کے مختصر سوانح بھی پیش کئے گئے ہیں، اس سالنامہ سے ہندوستانی زبان میں ایک

اچھے علمی وادبی صحیفہ کا اضافہ ہوا ہے، جس کا ہم دلی خیر مقدم کرتے ہیں، خدا اس کی عمر دراز فرمائے،

انجمن طلبۂ قدیم سٹی کالج کا سالنامہ، (مصور) مرتبہ جناب ڈاکٹر سید محی الدین قادری حجم ۲۲۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸ قیمت ۱۲ پتہ:۔ سٹی کالج بکڈپو، حیدرآباد، دکن،

حیدرآباد کا سٹی کالج دراصل اس درسگاہ کی ترقی یافتہ شکل ہے، جس میں حیدرآباد میں پہلی مرتبہ انگریزی زبان اور جدید علوم کو علوم مشرقی کے پہلو بہ پہلو نصاب تعلیم میں داخل کیا گیا، جامعہ عثمانیہ کی تاسیس سے پہلے یہی کالج حیدرآباد میں علوم جدیدہ کی تعلیم کا ذریعہ تھا، اسلئے دور حاضر میں حیدرآباد میں جوارباب فضل وکمال ہیں وہ اسی کالج کے دامن فیض کے تربیت یافتہ ہیں، ان طلبۂ قدیم نے اپنی مادر علمی سے وابستگی قائم رکھنے کے لئے انجمن طلبۂ قدیم کی بنیاد ڈال رکھی ہے، اور یہ صحیفہ اسی انجمن کا سالنامہ ہے، جس کے مضامین میں یہ امتیاز رکھا گیا ہے کہ وہ وہیں کے فارغ التحصیل اہل علم کے لکھے ہوئے ہوں، اور بیشتر مضامین سٹی کالج ہی کے متعلق ہوں، ان کے علاوہ چند دیگر علمی وادبی مضامین بھی ہیں، آخر میں "سٹی کالج کے بعض طلبۂ قدیم" کے عنوان سے یہاں کے فارغ التحصیل مشاہیر ڈاکٹر عبدالستار صدیقی، صدر شعبۂ عربی و فارسی الٰہ آباد یونیورسٹی، ڈاکٹر نظام الدین صدر شعبۂ فارسی جامعہ عثمانیہ، ڈاکٹر میر ولی اللہ پروفیسر فلسفہ، جناب عبدالقادر سروری پروفیسر اردو، جناب سید محمد لکچرر سٹی کالج، اور اسی طرح حیدرآباد کے ممتاز وکلا، تجار اور چند ممتاز عہدہ داروں کے سوانح حیات لکھے گئے ہیں،

جوہر سالنامہ، مدیر جناب حامد علی صاحب، حجم ۱۹۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت ۱۲ پتہ:۔ منیجر رسالہ جوہر جامعہ ملیہ، قرول باغ، دہلی،

جامعہ ملیہ میں طلبہ کی ایک علمی انجمن اتحاد ہے، اس کا ترجمان جوہر کے نام سے شائع ہوا ہے، رسالہ میں اچھے اور سطحی دونوں قسم کے مضامین ہیں، لائق ذکر مضامین میں مولانا محمد علی کی محشی کتابیں اپنے اندر خاص ندرت رکھتا ہے، "انشا پردازی کے آداب" جناب محمد مجیب صاحب بی لے آکسن استاذ

جامعہ نے سکھائے ہیں،" ہندوستان میں تعلیمی تحریک" پر لائق مدیر کا ایک پر مغز مضمون ہے، اسی طرح ایک مضمون " ہندوستان دوسرے ممالک کے مقابلہ میں" کے عنوان سے ہے، جس میں ہندوستان کے معاشی و تعلیمی حالات کا موازنہ دوسرے ممالک سے کیا گیا ہے، دوسرے سطحی مضامین بھی طلبہ کی استعداد کے لحاظ سے امید افزا ہیں،

اسمٰعیلی کا گولڈن جوبلی نمبر،

اڈیٹر جناب علی محمد جان صاحب چنارہ، حجم تقریباً ۳۰۰ صفحے، تقطیع $\frac{20 \times 26}{4}$، پتہ:- دفتر ہفتہ وار اسمٰعیلی، بمبئی،

ہز ہائینس سر آغا خاں کی سنہری جوبلی کی شاندار تقریب ماہ جنوری ۳۶ء میں انجام پائی، اسی تقریب میں اسمٰعیلی فرقہ کے ہفتہ وار اخبار اسمٰعیلی نے گولڈن جوبلی نمبر کے نام سے اپنا ایک ضخیم خاص نمبر نفیس کاغذ اور اہتمام کی لکھائی چھپائی کے ساتھ شایع کیا ہے، اس کے مضامین ہندوستانی (اردو) گجراتی، اور انگریزی زبانوں میں ہیں، جن میں خاندان فاطمی اسماعیلی اور فرقۂ اسماعیلیہ کی اجمالی تاریخ اور ان کے ائمہ، قواد، دعاۃ، اور شعراء کے مختصر سوانح پیش کئے گئے ہیں، تاریخی واقعات کے بیان میں قدرۃً اسماعیلی فرقہ کا نقطۂ نظر ملحوظ رکھا گیا ہے، لیکن بعض واقعات سرے سے تاریخی حیثیت سے صحیح نہیں، مثلاً قائد القواد جوہر صقلی کو " ابن عبد اللہ الکاتب" لکھ کر کہا گیا کہ وہ اتفاقاً مصائب روزگار کا شکار ہو گیا، المعز نے اسے آزاد کرایا، حالانکہ اسے صارب صقلی نے سسلی میں گرفتار کیا تھا، اور مختلف ہاتھوں سے فروخت ہوتا ہوا، المنصور کے دربار میں پیش کیا گیا، اور اسی نے اسے آزاد کیا، اور وہ اسی زمانہ سے حکومت کے معاملات میں رفتہ رفتہ حصہ لینے لگا، " الکاتب" اس کے باپ کا لقب نہیں، خود اس کا تھا، المعز کے عہد میں ابتداءً عہدۂ کتابت پر سرفراز کیا گیا تھا، اس کے بعد سپہ سالاری کا منصب ملا، اور اس نے مختلف ملکی خدمات کے بعد مصر کو فتح کر کے قاہرہ اور جامع ازہر کی بنیاد ڈالی، اسی طرح شمس الدین تبریزی کے نام سے جو چند شخصیتیں مشہور ہیں ان میں سے مولانا روم کے شمس تبریزی کو

بھی فرقہ اسماعیلیہ کا داعی بتایا گیا ہے، کہ ان کی پرورش اور تعلیم و تربیت قلعہ الموت میں انجام پائی، یہ بے اصل بات ہے، ایسی کوئی روایت تاریخ میں نظر سے نہیں گذری، البتہ وہ شمس الدین تبریزی جنکا مزار ملتان میں ہے غالباً اسمٰعیلی تھے، اس ضخیم مجلہ سے فرقۂ اسماعیلیہ کے متعلق یکجا سرسری معلومات حاصل ہوتے ہیں، جو شاید ہندوستانی زبان (اردو) میں خود اسی فرقہ کی طرف سے ذمہ دارانہ طور پر پہلی مرتبہ منظر عام پر لائے گئے ہیں، رسالہ صوری اعتبار سے ہندوستانی زبان کے تمام سالناموں میں بڑھا ہوا ہے، اسماعیلی ائمہ، دعاۃ، شعراء، حکماء، اور موجودہ ہز ہائنس اور ان کے کنبہ کی متعدد رنگین تصویریں شائع کی گئی ہیں، سر اقبال، مشیر حسین قدوائی اور خواجہ حسن نظامی وغیرہ کے مضامین اور پیغامات بھی ہیں،

زمانہ کا حالی نمبر، اڈیٹر جناب دیانرائن نگم بی اے، حجم تقریباً ۱۰۰ صفحے، تقطیع $\frac{20 \times 26}{8}$

قیمت: ۱۲ ار پتہ :- دفتر زمانہ کانپور،

رسالہ زمانہ کانپور، ہندوستانی زبان کا قدیم خدمتگذار ہے، مولانا حالی مرحوم کی صد سالہ یوم ولادت کی تقریب میں اس نے اپنا حالی نمبر شائع کیا ہے، جس کے مختلف مضامین میں مولانا حالیؒ کی سیرت اور ان کی خدمت علم و ادب کے مختلف پہلو نمایاں کئے گئے ہیں، اور نظموں کے اقتباسات درج کئے گئے ہیں، نیز مولانا حالیؒ کے چند خطوط بنام مدیر زمانہ اس میں چھپے ہیں، "علمی نوٹ اور خبریں" رسالہ زمانہ کا مستقل عنوان ہے، وہ اس نمبر میں بھی موجود ہے، اس میں سودیشی تحریک سے متعلق چند استفسارات کے جوابات مولانا حالیؒ کے قلم کے لکھے ہوئے شائع کئے گئے ہیں، یہ استفسارات ۱۹۰۶ء میں مدیر زمانہ ہی نے کئے تھے، اور اسی زمانہ میں شائع کئے تھے، جن لوگوں نے مولانا حالیؒ کو فرقہ وار شاعر قرار دے کر ان کی صد سالہ سالگرہ میں بعض اکابر کی شرکت پر طعن و طنز کئے تھے ان کے لئے رسالہ زمانہ کا یہ حالی نمبر جو سراپا اخلاص سے شائع کیا گیا ہے، تازیانہ عبرت سے کم نہیں ہے،

سالنامۂ ادبی دنیا، (مصور) اڈیٹر جناب منصور احمد صاحب بی اے، حجم ۲۰۹ صفحے،

تقطیع ۲۰×۲۶/۴ قیمت: عہ، پتہ: دفتر ادبی دنیا، کمرشل بلڈنگس، مال روڈ، لاہور،

رسالہ ادبی دنیا کا سالنامہ صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے اچھا خاصہ شاندار شائع ہوا ہے، جس میں افسانے، ڈرامے، اور علمی و ادبی ہر قسم کے مضامین ہیں، جناب کیفی دہلوی نے اپنے مضمون "تاریخ اردو کا مطالعہ" میں اردو زبان کی پیدائش و نشوونما سے متعلق ان نظریوں پر نظر ڈالی ہے، جن میں اس کا مولد دکن اور پنجاب کو قرار دیا گیا ہے، اور ان کا رد کرکے اسے پھر دہلی ہی کی طرف لوٹا لائے ہیں، حالانکہ اب یہ نظریہ ہی سرے سے لائق بحث نہیں رہا کہ اردو کی پیدائش کو کسی خاص صوبہ میں منحصر کر دیا جائے، اس سلسلہ میں مختلف عرب سیاحوں اور جغرافیہ نویسوں مسعودی (۳۰۳ھ) اصطخری (۳۴۰ھ) ابن حوقل (۳۶۷ھ) اور بشاری (۳۷۵ھ) کے بیانوں سے یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ ان زمانوں سے بہت پہلے عربی و فارسی زبانوں کا اختلاط ہندوستان کی صوبہ وار زبانوں سے ہو چکا تھا، ورنہ یوں اگر دیکھا جائے تو مسلمانوں کے ورود ہند کے تعلق سے جن دیسی زبانوں سے عربی و فارسی زبانیں پہلی مرتبہ مخلوط ہوئیں وہ سندھی ملتانی، پھر پنجابی اور دہلوی ہیں، اس سلسلہ میں موصوف نے محمود غزنوی کے ہندی لشکر اور حکیم تلک کے غزنین میں موجود ہونے کے واقعات کا بھی تذکرہ کیا ہے کہ ابھی تک اردو کی پیدائش کے ضمن میں ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا، حالانکہ ارباب نظر اپنے مقالات میں اس سے پہلے اس سے ثبوت لا چکے ہیں، اور انسائیکلوپیڈیا آف اسلام کے مضمون "اردو" میں بھی اول الذکر واقعہ موجود ہے،

عالمگیر کا خاص نمبر

(مصور) اڈیٹر جناب محمد عالم صاحب، حجم ۲۰۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶/۴ قیمت عہ، پتہ:- دفتر عالمگیر، بازار سید مٹھا، لاہور،

لاہور کے مشہور ادبی رسالہ عالمگیر کا سالنامہ بھی خاص نمبر ۳۶ء کے نام سے ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے، جس میں مختلف دلچسپ ادبی مضامین اور افسانے چھپے ہیں، جناب سید حسن برنی نے البیرونی کی کتاب الہند کا ترجمہ شروع کیا ہے، اس کا پہلا باب، اس سالنامہ کا پہلا مضمون ہے، اس کے

علاوہ "خواجہ محمود گاوان" "آسکر وائلڈ کے خطوط" "حضرت مضطر خیر آبادی" (کے چند مکاتیب) کے عنوانوں سے مضامین ہیں، اور شعراء میں سے حضرت شاد عظیم آبادی، مضطر خیر آبادی، جلیل مانک پوری امجد حیدر آبادی اور شفق عماد پوری وغیرہ کے کلام ہیں،

سالنامۂ ادب لطیف، (مصور) اڈیٹر جناب چودھری برکت علی صاحب بی اے وجناب میرزا ادیب بی اے، حجم ۲۲۲ صفحے، تقطیع $\frac{20 \times 30}{8}$، قیمت عہ، پتہ پنجاب بکڈپو نمبرہ لوہاری لاہور،

رسالہ ادب لطیف تقریباً ایک سال سے جاری ہے، اور اس نے ادبی رسالوں میں اپنی اچھی جگہ حاصل کرلی ہے، اس کا سالنامہ ماہ دسمبر ۳۵ء میں شائع ہوا ہے، جو ادبی و تاریخی مضامین پر مشتمل ہے، تاریخی مضامین میں "اکبر اور دین الٰہی" "عہد فیروز شاہی میں شاہی جشن" "کیا فیروز تغلق غاصب تھا" اور "مصحفی کا قیام دہلی" لائق ذکر ہیں، آخر الذکر مضمون میں مولوی عبدالحق صاحب کے مقدمہ مشتمل بر سوانح مصحفی کے بعض مسامحات کی تصحیح، مصحفی کے تذکروں میں سے ان کے معاصر شعراء کے حالات کے اقتباسات سے کیگئی ہے، جن میں مصحفی نے ضمناً اپنا بھی ذکر کیا ہے، حصۂ نظم میں مولانا ظفر علی خاں کی ایک تازہ نظم "بلاستان" سر صفحہ پر ہے، اسی طرح حضرت جلیل، حکیم الشعراء امجد، بیدم وارثی وغیرہ کے کلام ہیں،

ہمایوں کا سالگرہ نمبر، (مصور) اڈیٹر جناب بشیر احمد صاحب بیرسٹر وجناب حامد علی صاحب بی اے، حجم ۱۲۰ صفحے، تقطیع $\frac{20 \times 30}{8}$، قیمت ۱۲/۰ ارپتہ: دفتر ہمایوں نمبر ۲۳، لارنس روڈ لاہور،

رسالہ ہمایوں ہندوستانی زبان کا قابل قدر سنجیدہ ادبی رسالہ ہے جو اپنی ایک وضع پر گامزن ہے، اس کا سالگرہ نمبر ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے جو مختلف دلچسپ مضامین نظم و نثر کا حامل ہے، "بزم ہمایوں" میں سال بھر کے ہندوستانی رسالوں کا جائزہ لیتے ہوئے انکے مضامین "بے سود" و "سود مند" دو حصوں میں تقسیم کرکے نام بنام گنا دیئے گئے ہیں، لیکن ارباب شعور کو یہ بھی اجازت دیگئی ہے کہ وہ "سود مند" کو "بے سود" اور "بے سود" کو "سود مند" سمجھیں، اس موقع پر یہ مصرع بے اختیار

یاد آگیا، ؎ کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی،

ساقی کا جاپان نمبر (مصور) اڈیٹر جناب شاہد احمد صاحب بی اے، دہلوی، حجم ۲۶۴ صفحے، تقطیع $\frac{20\times30}{8}$، قیمت عہ، پتہ :۔ دفتر ساقی، کوچہ چیلاں، دہلی،

اس سال رسالہ ساقی کا سالنامہ "جاپان نمبر" کے نام سے شائع ہوا ہے، جسے پروفیسر نور الحسن صاحب برلاس استاذ اردو، مدرسۃ السنہ غیر توکیو جاپان کی مدد سے ترتیب دیا گیا ہے، انھوں نے اپنے مضامین کے علاوہ جاپان کے مدارس کے دوسرے اساتذہ سے بھی مضامین حاصل کرکے ان کے ترجمے بھیجے ہیں، اسی طرح دوسرے مسلمانانِ ہند مقیم جاپان، جناب عبد القدیر نیاز، طفیل احمد چغتائی، سید لطیف حسین دہلوی، سید محمد شاکر تراب علی ندوی، ایم سہائے، قمر النساحسن حنیفہ رشید فتح علی، اور مسز برلاس نے بھی مضامین سے معاونت کی ہے، ان مضامین سے جاپان کی تاریخ، آثار، تہذیب، معاشرت، سیاست، تجارت اور علم و ادب کے حالات آشکارا ہوتے ہیں، اور ان گوناگوں معلومات کے لحاظ سے اس نمبر کو جاپانی تمدن کا آئینہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا،

سالنامۂ سفیر سخن، (مصور) اڈیٹر جناب ابو الکیف کیفی، حجم ۱۴۲ صفحے، تقطیع $\frac{20\times30}{8}$، قیمت عہ، پتہ :۔ دفتر سفیر سخن، پشاور (سرحد)

سفیر سخن، پشاور کا کامیاب ادبی مجلہ ہے، اس کا سالنامہ ماہ جنوری میں شائع ہوا ہے، اور یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ یہ صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے اپنے پچھلے سالنامہ سے بہتر ہے، اس کے مضمون نگاروں میں بیشتر صوبہ سرحد ہی کے اربابِ قلم ہیں، جن کے مضامین سے صوبہ سرحد کی ادبی و تعلیمی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے، نیز ملک کے چند دوسرے اہل قلم نے بھی مضامین بھیجے ہیں، جن میں سے اکثر اچھے اور پر معلومات ہیں، کارکنانِ رسالہ ہندوستانی زبان کی اہم خدمت انجام دے رہے ہیں، خدا ان کی مساعی بارآور فرمائے،

تنویر کا سالگرہ نمبر، اڈیٹر جناب حمید اختری، حجم ۱۲۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت: ۸ر

پتہ:- دفتر تنویر، رام سوامی کوارٹر، کراچی،

یہ رسالہ ایک سال سے کراچی سے جاری ہے، اور ہندوستانی زبان کی مفید خدمت انجام دیتا رہا ہے، اس کا سالگرہ نمبر ماہ ستمبر میں شائع ہوا ہے، جس میں مختلف ادبی مضامین نظم و نثر ہیں، رسالہ کو اس کے کارکن باوجودیکہ حکومت بمبئی نے ڈیکلریشن تک دینے سے انکار کر دیا ہے، زبان کی خدمت کے جذبہ کے ساتھ کامیابی سے چلا رہے ہیں، اور یہ ہماری ہندوستانی زبان کے "ہندوستانی" ہونے کی ایک بڑی نشانی ہے،

سالنامۂ شاہجہاں، اڈیٹر جناب سید وصی اشرف صاحب دہلوی، حجم ۱۰۴ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت ۸ر، پتہ:- دفتر شاہجہاں دہلی،

اس رسالہ میں صرف افسانے چھپتے ہیں، اور اس کا سالنامہ بھی صرف افسانوں پر مشتمل ہے، جن میں سے اکثر مشاق افسانہ نویسوں کے لکھے ہوئے ہیں اور اچھے ہیں،

سالنامۂ مجلہ سلفیہ، اڈیٹر مولوی سید عبدالحفیظ صاحب نیر گیاوی، حجم ۴۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت: ۸ر، پتہ:- دفتر مجلہ سلفیہ، لہریا سرائے، دربھنگہ،

یہ مذہبی رسالہ ہے جو دارالعلوم احمدیہ سلفیہ سے جاری ہے، اس کا سالنامہ ماہ دسمبر ۳۵ئہ میں شایع ہوا ہے، جس میں اصلاحی و تبلیغی اور بعض ادبی مضامین ہیں،

ہونہار کا سالگرہ نمبر، اڈیٹر جناب فیاض حسین صاحب نسیم جامعی، ۱۰۸ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰/۸، قیمت: ۸ر، پتہ:- دفتر ہونہار، دہلی،

یہ بچے اور بچیوں کا ماہانہ رسالہ ہے، اسکا سالگرہ نمبر ماہ جنوری میں شایع ہوا ہے، مضامین بچوں کیلئے دلپسند اور کارآمد ہیں، بچوں کی دلچسپی کی تصویریں اور بچیوں کیلئے کشیدہ کاری وغیرہ کے معلومات بھی ہیں، بچوں کیلئے اسکا مطالعہ مفید اور سبق آموز ہوگا،

ہندوستانی زبان کے چند اور نئے رسالے

گذشتہ مہینہ میں چند نئے رسالوں کا تذکرہ باقی رہ گیا تھا، وہ حسب ذیل ہیں:-

باغ و بہار دہلی (ماہانہ) مدیر جناب سعدی مچھلی شہری، حجم ۴۰ صفحے، تقطیع $\frac{20 \times 26}{8}$

پتہ:- نمبر ۵، کلائیو روڈ، نئی دہلی،

یہ ادبی رسالہ ہے، جو ہندوستانی رسالوں میں سب سے سستا ہے، ماہ فروری ۱۹۳۶ء سے جاری ہوا ہے، پہلا مضمون جناب ڈاکٹر جعفری، ڈائرکٹر پبلک انفارمیشن حکومت ہند کا "ہندوستان کی حکومت" کے عنوان سے ہے، جس میں انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی "ابتری" اور ان کے آنے کے بعد حکومت برطانیہ کے "برکات" دکھائے گئے ہیں، رسالہ میں ایک لائق ذکر چیز غالب کے اخیر دور کے چند غیر مطبوعہ کلام کی اشاعت ہے، افسوس کہ اس میں تصحیح و کتابت کی غلطیاں باقی رہ گئی ہیں، دوسرے مضامین بھی اچھے خاصے ہیں،

رفیق الطلبہ پونا (ششماہی) اڈیٹر جناب رفیق احمد زکریا، حجم حصہ اردو ۵۵ صفحے، تقطیع $\frac{20 \times 26}{8}$

قیمت ۸؍، پتہ:- اینگلو اردو ہائی اسکول، پونا،

یہ اردو ہائی اسکول پونا کے طلبہ کا ترجمان ہے، جسے علاقہ پونا میں واحد ہندوستانی رسالہ کے ہونے کا فخر حاصل ہے، یہ ہندوستانی اور انگریزی دونوں زبانوں میں نکلتا ہے، اور یہ دیکھکر خوشی ہوتی ہے، کہ رسالہ سات برس سے ایک ایسے مقام پر ہندوستانی زبان کی خدمت انجام دے رہا ہے، جہاں ایک طرف صوبہ کی مستقل مرہٹی زبان اپنا اثر جمائے ہے، اور دوسری طرف وہیں ہندی زبان کو ہندوستان کی عام زبان تسلیم کرانے کی تحریک

زور شور سے اوٹھائی گئی ہے، رسالہ اپنی استعداد کے لحاظ سے قابلِ قدر ہے، اور طلبہ مین زبان و انشا پردازی کا اچھا خاصہ مذاق پیدا کر رہا ہے، رسالہ سلیقہ سے مرتب کیا جاتا ہے، علمی و ادبی تاریخی، او تعلیمی مضامین علٰحدہ علٰحدہ مستقل عنوانون سے شائع کئے جاتے ہین،

موسیقار، دہلی (مصوّر) مدیر جناب عزیز منشی فاضل، حجم ۵۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰ قیمت سالانہ ؎ ہر پرچہ ۲؍ پتہ: نئی دہلی، دہلی،

یہ ادبی رسالہ ہے جو ہندوستانی زبان کی خدمت کے لئے ماہ اکتوبر سے نکلا ہے، ادبی و تاریخی مضامین چھپتے ہین، اور افتتاحیہ کے صفحوں میں ہندوستان کے سیاسی مذہبی، اور اجتماعی مسائل پر رائے زنی کیجاتی ہے،

واعظ لاہور (ماہانہ) اڈیٹر مولوی حفیظ اللہ صاحب قریشی، ۴۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰ قیمت ؎ سالانہ، پتہ: فاروق گنج، لاہور،

یہ بھی ایک مذہبی رسالہ ہے، جسمین مسلمانون کی مذہبی اصلاح و فلاح کیلئے مضامین چھاپے جاتے ہین، مضامین کیلئے پہلے کے مطبوعہ و غیر مطبوعہ کی کوئی قید نہیں ہے،

مبلغ امرتسر (ماہانہ) اڈیٹر مولوی محمد اسحٰق صاحب حنیف امرتسری، ۳۲ صفحے، تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت ؎، پتہ: رسالہ مبلغ و حقانی بک ڈپو، امرتسر،

یہ تبلیغی رسالہ ہے اس میں بھی مطبوعہ و غیر مطبوعہ ہر قسم کے مضامین چھپتے ہین، رسالہ مسلمانوں کے مذہبی اختلاف مٹا کر ان مین وحدتِ اسلامی پیدا کرنا چاہتا ہے،

اجمل میگزین بمبئی (ماہانہ) ناظر جنابِ حکیم علی محمد خان صاحب دہلوی، ۵۰ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰ قیمت سالانہ ؏، پتہ، کوٹھاری منشن، مقابل جنرل پوسٹ آفس، بوری بندر، بمبئی نمبر ۱،

یہ طبی رسالہ ہے جسمیں عام فہم طبی معلومات چھپتے ہین، اور طب جدید کے مقابلہ میں طب قدیم کی حمایت کیجاتی ہے، حفظانِ صحت، طبی معلومات، دواسازی، الادویہ، الامراض والعلاج، مجربات، سوالات،

اقتصادیات، وغیرہ اسکے مستقل عنوان ہیں،

طبی میگزین پٹنہ (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم ظفر صاحب بہر بوی، حجم ۳۲ صفحے تقطیع ۲۰×۳۰ قیمت سالانہ عہ، پتہ :- گورنمنٹ طبیہ اسکول، بانکی پور، پٹنہ،

یہ رسالہ پٹنہ کے گورنمنٹ طبیہ اسکول کا آرگن ہے جو چند سال سے وہان کے اساتذہ کی نگرانی میں جاری ہے، اور مفید طبی معلومات کا حامل ہوتا ہے،

چشمۂ صحت دہلی، (ماہانہ) اڈیٹر جناب سید زاہد حسین صاحب کاظمی، ۵۰ صفحے تقطیع ۲۲×۲۹ قیمت سالانہ ۱۲ ار، پتہ :- ہمدم دواخانہ یونانی، دہلی، پوسٹ بکس نمبر ۰۰، دہلی،

یہ ہمدم دواخانہ یونانی دہلی کا آرگن ہے، پہلا پرچہ ماہ جولائی ۳۵ء میں شائع ہوا ہے، اس میں طب قدیم و جدید دونون سے ماخوذ مضامین شائع ہوتے ہین، ۳۰ صفحے مضامین اور باقی صفحات فہرست ادویہ کیلئے ہین، اس لحاظ سے اسکی سالانہ قیمت ۱۲ ار اور ہر پرچہ ار غیر معمولی حد تک کم ہے،

طبی دنیا دہلی (ماہانہ) حجم ۴۰ صفحات تقطیع ۲۰×۲۶ قیمت سالانہ ۱۲ ار ہر پرچہ ار، پتہ بڑا دواخانہ دہلی، پوسٹ بکس نمبر ۱۲۵، دہلی،

یہ رسالہ دلی کے مشہور "بڑا دواخانہ" کا آرگن ہے، یونانی طب اور ویدک کی حمایت میں مضامین اور دواؤنکی فہرستیں چھاپی جاتی ہین،

حامی الصحت دہلی (ماہانہ) اڈیٹر جناب حکیم احمد حسن خانصاحب کوکب نظامی، ۴۰ صفحے، تقطیع ۲۰×۳۰، قیمت سالانہ عہ، پتہ :- کوچہ چیلان، دہلی،

یہ طبی رسالہ جناب حکیم حافظ علی رضا خان صاحب کی نگرانی میں نکلتا ہے، جو دواخانہ حامی الصحت کے مالک ہیں، "طبی معلومات" "حفظان صحت" اور "تربیت اطفال" وغیرہ کے عنوان سے مضامین چھپتے ہین

" "

تذکرۃ السامع والمتکلم فی ادب العالم والمتعلم مؤلفہ قاضی بدر الدین بن جماعہ المتوفی ۷۳۳ھ، ملنے کا پتہ دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد دکن،

قیمت، نامعلوم،

یہ ساتوین صدی کے ایک صاحبِ علم کی تصنیف ہے جس کا موضوع و مقصد یہ ہے، کہ علما، وطلبہ کو بہترین اخلاق کے ساتھ متصف ہونے کی ترغیب دی جائے، لیکن اسی کے ساتھ اس میں ضمناً تعلیم کے بہت سے ایسے قدیم اصول آگئے ہین، جو اور کسی کتاب میں نہیں مل سکتے، اسی حالت میں دائرۃ المعارف العثمانیہ کا یہ علمی احسان ہو کہ اس نے یہ کتاب شائع کی، لیکن یہ احسان اسلئے اور بھی وقیع ہو گیا ہے، کہ تعلیم کے جو قدیم اصول ضمناً وطبعاً اس کتاب میں آگئے تھے، ان کو دائرہ نے حاشیہ مین الگ جمع کر دیا ہو، اور اس طرح اگر ہم قدیم تعلیم کے اصول پر کوئی مضمون یا کوئی رسالہ لکھنا چاہین، تو اس کتاب سے اور اس کتاب سے زیادہ اسکے حواشی سے ہمکو مدد مل سکے گی،

تفسیر سورۃ الفیل، مولفہ مولینا حمید الدین صاحب مرحوم پتہ دائرہ حمیدیہ، سرائے میر اعظم گڈھ، قیمت ۸/-

مولینا حمید الدین صاحب مرحوم کی تفسیر القرآن کے جو اجزار شائع ہو چکے ہین، ان میں سورہ فیل کی تفسیر نہایت اہم ہے، اس میں انھون نے بہت سی باتون مین قدیم مفسرین سے اختلاف کیا ہے، اور مختلف شواہد اور اشعار عرب سے اس اختلاف کی تائید کی ہے، اور خانہ کعبہ کی تاریخ اور فضیلت کے متعلق

بہت سی نادر اور مفید باتین لکھی ہیں، کتاب عربی زبان مین ہے، اور علماء و فضلاء کے خاص مطالعہ کے قابل ہے، مسرت ہے، کہ ہندوستانی زبان مین بھی اس کا ترجمہ الاصلاح میں باقساط شائع ہورہا ہے،

بہادر شاہ ظفر، مرتبہ مولوی علی احمد صاحب علوی بی، اے، پنشنر ڈپٹی کلکٹر ضخامت ۵۲ صفحات، قیمت ۸/، پتہ جناب محمد ذکی صاحب علوی، امیر محل لائبریری نصیر باغ کاکوری لکھنؤ

اس کتاب میں بہادر شاہ ظفر کے سوانح و حالات لکھے گئے ہین، اوران کے اخلاق وعادات، دین و مذہب اور صوفیانہ رجحان پر نہایت سنجیدہ خیالات کا اظہار کیا گیا ہے، اخیر میں ان کی شاعری کے معائب و محاسن پر تفصیلی بحث ہے، اور اس میں مولوی محمد حسین صاحب آزاد کے اس خیال کی کہ ظفر کے تین دیوان شیخ ابراہیم ذوق کی تصنیف ہین، معقول دلائل سے تردید کی گئی ہے، کتاب فی الجملہ دلچسپ اور عمدہ معلومات پر مشتمل ہے، البتہ اگر ماخذون کے حوالے بھی دیدیئے جاتے، تو وہ اور زیادہ وقیع اور مستند ہوجاتی،

کمال داغ، یعنی انتخاب دواوین داغ دہلوی، مع مقدمۂ تنقیدی، مرتبہ مولینا حامد حسن صاحب قادری، پروفیسر سینٹ جانس کالج آگرہ، حجم ۲۵۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، پتہ آگرہ اخبار پریس آگرہ

نواب مرزا داغ کا شمار اردو زبان کے مایۂ ناز شعراء میں ہے، رامپور میں جسوقت نواب کلب علی خان بہادر کی قدر دانی سے لکھنؤ کے تمام اساتذہ ایک جگہ جمع ہوگئے تھے، نواب مرزا داغ نے تنہا دلی کی شاعری کا وقار قائم رکھا، اسلئے اگر ان کی شاعری پر ریویو لکھا جائے، تو اردو شاعری کے دور آخر مین لکھنؤ اور دلی کی شاعری کا جو رنگ تھا، اور رامپور میں اردو شاعری کی تاریخ کا جو نیا دور قائم ہورہا تھا، اُن سب پہ تفصیل بحث کرنے کی ضرورت پیش آئے گی، اور اسوقت رامپور میں جن اساتذہ کا اجتماع ہوگیا تھا، اُن سب کی شاعری سے ضمناً بحث کرنا ہوگی، اس انتخاب کے مقدمۂ تنقیدی میں اگرچہ اسقدر جامعیت تو نہیں پائی جاتی، تاہم داغ کی شاعری پر ریویو کرنے کے لئے سرسری نظر مین جسقدر ابواب قائم کئے جا سکتے تھے، اس مقدمہ میں تقریباً سب کے سب قائم کر دیئے گئے ہین، اوران پر غور و فکر کے ساتھ تسکین بخش بحث کی گئی ہے،

اس مقدمہ کے بعد داغ کے چارون دیوانون کا مختصر انتخاب ہے، انتخاب مین ہر شخص کا مذاق جدا گانہ ہوتا ہے، تاہم اگر اسی قدر مختصر انتخاب مدنظر تھا، تو بھی ہمارے خیال مین اس سے زیادہ بلند بہتر، اور رنگین اشعار منتخب کئے جا سکتے تھے، اور مقدمۂ تنقیدی مین جو سرخیان قائم کی گئی ہین، وہ اس انتخاب مین بھی قائم کیجا سکتی نہین، اور اس طرح یہ انتخاب زیادہ جامع اور متنوع مضامین کا مجموعہ ہو جاتا، پھر بھی اس مجموعۂ انتخاب سے داغ کی شاعری کے رنگ کا اندازہ ہو جاتا ہے، اور یہی حاصل انتخاب ہے،

الزہرات، نتیجۂ فکر مولوی عبد الرحمن کاشغری ندوی، ضخامت ۱۰۰ صفحات، پتہ مکتبۃ الضیاء لکھنؤ، قیمت :- ۸/

دار العلوم ندوۃ العلماء کو ہمیشہ سے یہ امتیاز حاصل رہا ہے، کہ وہان کے تعلیم یافتہ علماء عربی علم ادب کا خاص ذوق رکھتے ہین، اور عربی نظم و نثر مین اون کی یہ امتیازی شان واضح طور پر نمایان ہوتی ہے، نثر مین اون کی یہ خصوصیت مجلہ الضیاء کے مضامین سے واضح ہوتی ہے، جو زیادہ تر وہین کے طلبہ و فضلاء لکھتے ہین، نظم مین مولوی عبد الرحمن کاشغری کو تفوق خاص حاصل ہے، اور یہ الزہرات انہی کا دیوان ہے، جو مختلف اصناف سخن پر حاوی ہے، ابتدا مین مولوی مسعود عالم ندوی مدیر الضیاء نے ایک مفید اور دلچسپ مقدمہ لکھا ہے، جس مین اختصار کے ساتھ عربی شاعری کی تاریخ لکھی ہے، بالخصوص ہندوستان مین عربی علم ادب کی جو حالت رہی ہے، اس پر عمدہ تبصرہ کیا ہے، اور اس کے بعد اس دیوان کی خصوصیات کو روشناس کیا ہے، عربی زبان کے طلبہ و علماء جو ادبی ذوق رکھتے ہون، ان کو اس دیوان کا مطالعہ ضرور کرنا چاہئے،

محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، از جناب زہرا بیگم بنت خان صاحب محمد حسن انجینیر اٹاوہ ناشر مہتمم بچون کا کتبخانہ نمبر ۵ کلائیو روڈ، نئی دہلی ۳۱ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت :- ۲/

اس مین بچون کیلئے سہل اور آسان زبان مین آنحضرت صلعم کی سیرت پاک بیان کی گئی ہے، "ع"

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۴۴ صفحے، قیمت، للعہ
از مولنا عبدالسلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۵۹۴ صفحے، قیمت:- للعہ

گل رعنا - اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۰۴۵ صفحے، قیمت:- صہ، از مولنا سید عبدالحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،
حصہ اول - ضخامت ۹۴۳ صفحے، قیمت:- ۱۲ عہ
حصہ دوم، " ۲۶۱ " " " ۱۲ عہ

موازنۂ انیس و دبیر (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت: ے ر

کلیات شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

افاداتِ مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ہے
حجم ۳۷۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (از مولنا سید ریاست علی ندوی)

دارالمصنّفین کی جدید فہرست

اور کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف،

سنہ ۱۹۳۵ء سے ہم نے دارالمصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کردی ہے، مکتبۂ دارالمصنفین کی نئی فہرست مرتب ہوکر شائع ہوگئی ہے، امید ہے کہ جو لوگ اس وقت تک دارالمصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دارالمصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ روپیہ ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیہ میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت ۲۷/۸/ ہے لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیہ میں دیا جائیگا لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دارالمصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جاسکتا، کمیشن کی رعایت بہر صورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی　　　　**مینجر دارالمصنفین**　　　　اعظم گڈھ

مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا

م - ۷

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۰   اپریل سنہ ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس المصنّفین کا علمی
دار ِ ماہوار رسالہ

مرتبہ

سیّد سُلیمانؔ ندوی،

قیمت:- پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنّفین اعظم گڑھ

جلد ۳۷ ماہ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ اپریل ۱۹۳۶ء | عدد ۴

مضامین

خدا کا شکر ہے کہ پانچ مہینوں کے بعد قلم نے کاغذ کی سطح پر قدم رکھا، اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کی تو کوئی حد نہیں ہے، وہ جیتوں کو مارتا اور مردوں کو جلاتا ہے، اس نے اپنے ایک حقیر بندہ کو موت کے بستر سے جلا کر کھڑا کر دیا، تو کیا تعجب کی بات ہے، اب دعا یہ ہے کہ اس کو زندگی کے چند انفاس کی جو نئی مہلت ملی ہے، اس میں اس قادر مطلق کی خوشنودی کا کوئی ایسا کام اس سے انجام پائے جو اسکی مغفرت کا سہارا، اور آخرت کا توشہ ہو،

میری اثنائے علالت میں ہندوستان اور ہندوستان سے باہر کے سینکڑوں بزرگوں، دوستوں اور عزیزوں نے ہمدردی اور طلب خیریت کے جو تار اور خط بھیجے، اور ہزاروں مسلمانوں نے مسجدوں اور مجلسوں میں مجھ گنہگار کی صحت کی جو دعائیں مانگیں، ان کا شکریہ کس زبان سے ادا کروں، یہ اللہ تعالیٰ کا فضل خاص ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے دل اپنی بارگاہ میں دعا و التجا کے لئے کھول دیئے، اور بندگی کی زبان حال نے کہا،

از ہر کنار تیر دعا کردہ ام رواں　　باشد کزیں میانہ یکے کارگر شود

بحمد اللہ کہ وہ کارگر ہوئی، اڈیٹر بھائیوں نے اپنے اخباروں اور رسالوں میں میری علالت اور صحت پر اپنے جن مخلصانہ جذبات کا اظہار فرمایا وہ میرے استحقاق سے زیادہ تھے، ان کے کرم اور قلم کا ممنون ہوں،

بیماری تو جا چکی ہے، مگر دل و دماغ کی قوت اور توانائی ابھی واپس نہیں آئی ہے، اسی لئے دوستوں کے علمی استفساروں اور خطوں کے جواب اور فرمایشوں کی تعمیل سے معذوری ہے، اپریل کے شروع میں ڈیڑھ دن کو قصد ہے [illegible] ورنہ غالباً گرمیوں کے مہینے وہیں بسر ہوں، جولائی سے امید ہے کہ کام کرنے کی صلاحیت پوری

طرح پیدا ہو۔ اس اثنا میں التماس ہے کہ خطوط اور استفسارات کے بوجھ سے مجھ ناتوان کو ہلکا رکھا جائے خصوصاً فتووں کے جواب سے تو مجھے بالکل معذور سمجھا جائے

میری علالت کے زمانہ میں ملک وملت کی کئی نامور ہستیوں نے اس دنیائے فانی کو الوداع کہا، حافظ ہدایت حسین صاحب مرحوم اس صوبہ کے مسلمانوں کی بڑی دولت تھے، اس دولت کا چھن جانا ہماری سب سے بڑی محرومی ہے۔ دلّی کے پایۂ تخت کی بھی ایک یادگار مٹ گئی، یہ مولانا راشد الخیری کی ذات تھی، جس نے اپنی ساری عمر مسلمان عورتوں کی علمی و ادبی و تعلیمی خدمتگذاری میں بسر کردی۔ دکن کے خزانہ کا بھی ایک قیمتی ہیرا گم ہوگیا، یعنی مولانا شیر علی صاحب سابق مدرس اعلیٰ دارالعلوم ندوہ و سابق استاد کلام جامعۂ عثمانیہ نے وفات پائی، مرنے والے مرگئے، مگر ان کے کارنامے دنیا میں یادگار رہ گئے،

از صدائے سخن عشق ندیدم خوشتر　　　　یادگارے کہ دریں گنبدِ دوّار بماند

لاہور کے ادارۂ معارف اسلامیہ کے جلسے شاید ان اوراق کے آپ کے ہاتھوں میں پہنچنے تک ہوچکیں، آج سے ڈھائی سال پہلے اس ادارہ کا پہلا اجلاس ہوا تھا، جس میں اسلامی علوم وفنون اور تمدن کے متعلق بہت سے محققانہ مضامین پڑھے گئے تھے، اور جن کا مجموعہ مجلس کے پہلے سال کی روداد میں شائع ہوچکا ہے، توقع ہے کہ اس کا دوسرا اجلاس جو ۱۰ اپریل سے ۱۲ اپریل ۱۹۳۶ء تک ہوگا، پہلے سے بڑھ چڑھ کر ہوگا، عربی اور فارسی کی نادر قلمی کتابوں اور سکوں کی نمایش بھی ساتھ ساتھ ہوگی،

آج ہندو بھائیوں کی سیاسی اور تاریخی دنیا میں عالمگیر سے بڑھ کر کوئی مسلمان بادشاہ برا نہیں مگر دیکھو کہ آج کتنے ہندو مندر ہیں جو اسی بتخانہ شکن بادشاہ کی فیاضی کے بدولت آباد ہیں، ابھی اخباروں میں یہ خبر تازہ ہے کہ بسمت نگر ضلع پربھنی (دکن) کے ایک بڑے مندر کے مہنت کے پاس شاہ عالمگیر کی دی ہوئی ایک قیمتی پگڑی تھی، جس میں جواہرات ٹکے ہوئے تھے، اور جس کی مالیت کا اندازہ پندرہ ہزار تھا، یہ پگڑی سال میں ایک مرتبہ درشن کے لئے جاترا کے موقع پر مندر میں ایک مرصع تخت پر رکھدی

جاتی تھی، یہ پگڑی کئی مہینے ہوئے کہ چوری گئی، اب پولیس نے اپنی تحقیقات سے چوروں کا پتہ چلا لیا ہے، پگڑی کے ساتھ بادشاہ کی دی ہوئی سندیں بھی ہیں۔

واقعہ اپنی نوعیت کا معمولی ہے، مگر دیکھنا یہ ہے کہ وہ لوگ جو یورپ کے سیاسی تعلیمی پروپگنڈے سے متاثر نہیں، اور جو انگریزی تعلیم کی خاص ذہنیت سے پاک ہیں ان کی نظر میں شاہ عالمگیر کیسا تھا، اب نہ تو عالمگیر ہے اور نہ عالمگیری، آج اس کے لئے آپس میں لڑنے سے حاصل نہیں اب جو عالمگیر ہندو اور مسلمان دونوں کے سروں پر مسلط ہے، اس کی طرف نظریں متوجہ ہونی چاہئیں، پرانے زمانہ میں اگر کوئی مندر ڈھایا گیا تو تاریخ کے سینما میں اس کا منظر آج تک دکھایا جا رہا ہے، مگر آج شہید گنج پر شہید گنج شہید ہوتے جا رہے ہیں، مگر دنیا کو خبر تک نہیں ہوتی،

خرقہ پوشاں ہمگی مست گذشتند و گذشت   قصۂ ماست کہ در ہر سر بازار بماند

سیاسی مجلسوں کے انتخاب کے دن جیسے جیسے قریب آرہے ہیں، سیاسی بازیگر اپنے اپنے کھیل دکھانے میں زیادہ چست نظر آرہے ہیں، آغا خاں مسلمانوں کی سیاسی و تعلیمی قیادت کا مظاہرہ کرکے یورپ روانہ ہو چکے، اب اس کی زریں روداد جگہ جگہ دہرائی جارہی ہے، اور کسی نامعلوم اقتصادی تجویز کا خیالی تماشا آنکھوں کو دکھایا جارہا ہے،

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں میں بھی دو گروہ الگ الگ ہوگئے ہیں، ایک نرم اور دوسرا گرم، اب ان میں اتحاد کی کوشش رات اور دن کو یکجا کرنے کی کوشش ہے، ضرورت یہ ہے کہ مختلف سیاسی مجلسوں میں جو لوگ بیٹھے ہوئے ہیں وہ اپنے اپنے مجلسی حصار کو جن کے نام الگ الگ انھوں نے رکھ چھوڑے ہیں، توڑ کر صرف دو نئی یا پرانی مجلسوں میں منقسم ہو جائیں، ایک کا نام مسلم کانفرنس یا مسلم لیگ، اور دوسرے کا نام جمعیت یا یونٹی بورڈ، یا مسلم نیشنلسٹ یا کچھ اور رکھ لیجئے، اور اب مسلمانوں کو انجمن سازی کے گھروندوں سے نجات دلائیے،

تاریخ ہند کا جو کام دار المصنفین میں کیا جانے والا تھا، اس کا آغاز کر دیا گیا ہے، مختصر تاریخ ہند کے نام سے دو سو صفحوں میں ہندوستان کے پورے اسلامی دور کی تاریخ چھپ گئی ہے، یہ اس قابل ہے کہ اسلامی مدرسوں میں پڑھائی جائے، مفصل تاریخ ہند کی پہلی جلد جو سندھ کے حالات پر مشتمل ہے آدھی ہو چکی ہے، ضرورت ہے کہ ہمارے دوسرے معاونین بھی اپنے وعدوں کا ایفا کریں،

مقالات

تاج محل اور لال قلعہ کے معمار

(۳)

امام الدین الریاضی

یہ لطف اللہ مہندس کا بیٹا اور استاذ احمد کا پوتا ہے، ریاضیات کے اس ریاضِ علم کا یہی وہ نونہال ہے، جس کے تذکرہ کی خوشبو بارہوین صدی کے اہل تذکرہ کی محفل تک پہنچی ہے، خوشگو نے اپنے سفینہ میں حسین قلی خان عظیم آبادی نے اپنے نشترِ عشق مین کشن چند اخلاص نے اپنے ہمیشہ بہار مین، اور احمد علی خان سندیلوی نے اپنے مخزن الغرائب میں ان کے حالات لکھے، اور ان کے فارسی اشعار نقل کئے ہین، اور اسی ضمن مین ان کے بعض بزرگون اور عزیزون کے احوال کی طرف بھی اشارات کئے ہین، سفینۂ خوشگو مین ہے:

"مولوی امام الدین ریاضی تخلص خلف ملا لطف اللہ مہندس تخلص لاہوریست کہ قلعۂ ارک دار الخلافہ شاہجہان آباد بتجویز وصوابدید او بنا یافتہ، واز عہد جد خود بدار الخلافہ سکونت دارد، در جمیع علوم رسمی یگانہ ومنفرد بود خصوص در ریاضیات تصانیف معتبر دارد، و با این ہمہ قناعت ریاضت راز یور حال و مآل خود ساختہ، بدرس و افادت مشغولی داشت درین جز ز مان از مغتنمات بودہ، اگرچہ بنا بر اشتغال علمی بفکرِ سخن کم می پرداخت، لیکن سلیقۂ بسیار درست داشت، ودر جوابہاے پای کم نمی آورد، ود ر سال ہزار وصد وچہل وپنج رحلت کرد، وامروز ملا ابو الخیر معروف بخیر اللہ برادر اعیانی او..... (خیر اللہ کی رصد بندی کا تذکرہ جس کا ذکر اسکے حال میں آئے گا)

پھر مولانا ریاضی کے چند فارسی اشعار کا انتخاب ہے،

حسین قلی خان عظیم آبادی نشتر عشق میں لکھتے ہیں،

"مولانا امام الدین نام، خلف مولینا لطف اللہ مہندس لاہوریست کہ قلعۂ ارک شاہجہان آباد برائے وی بنیاد شدہ، مدۃ العمر خود، در شاہجہان آباد گذرانیدہ، چون وی بعلم ریاضی تفوق برابنائے جنس داشت، و در ورع و پرہیزگاری بے مانند بود، لہذا تخلص خود ریاضی می کرد، و گاہ گاہے فکر بہ تلاش سخن ہم می گماشت ...... در سنہ یکہزار و یک صد و چہل و پنج بگل چینی ریاض جنان شتافت"

حسین قلی خان نے ان کی تاریخ وفات کا یہ قطعہ لکھا ہے،

بگفتہ عاشقے با آہ دل سوز، برفتہ چون امام الدین ز دنیا

بدیع و صرف و معنی و ریاضی شدند ای وای بے او بے سروپا

کشن چند اخلاص نے اپنے تذکرہ ہمیشہ بہار[1] میں ان کا تذکرہ بڑے اخلاص کے ساتھ چند صفحون میں لکھا ہے جس کی ایک ایک سطر سے اسکی عقیدتمندی اور نیازمندی کا اظہار ہوتا ہے، خصوصاً ان کے زہد و استغنا اور سلاطین و امراء کے درباروں سے ان کی بے نیازی کی تعریف کی ہے ابتدائی سطرین یہ ہیں

"......اصل وطن ایشان دار السلطنۃ لاہور است وجد شریف آن دانائے اسرار کونی و الہی آمدہ، در دار الخلافۃ شاہجہان آباد اقامت گرفتہ، والد شریف ایشان مولوی لطف اللہ مہندس کہ ایشان ہم گاہ گاہے میل بشعر می کردند، و مہندس تخلص می فرمودند، و در علم ریاضی خیلے ید علیا داشتند"،

پھر چند صفحون میں ان کے زہد و اتقا کے حالات لکھے ہیں، اور ان کے شاعرانہ کمال کے ایک دو

---

[1] اس کا نسخہ بانکی پور لائبریری میں نظر سے گذرا،

واقعے نقل کئے ہیں،

احمد علی خان سندیلوی نے تذکرہ مخزن الغرائب میں جو ۱۲۱۸ھ میں لکھی گئی ہے، ذرا سے لفظی تغیر سے وہی کچھ لکھا ہے، جو اخلاص نے بیان کیا ہے، چنانچہ اس میں ہے،

"مولانا امام الدین ریاضی اصل وطن ایشان بلدۂ لاہور است، جدش توطن در دہلی اختیار کردہ، پدرش مولوی لطف اللہ مہندس بودہ است، ایشان ہم بگفتن اشعار میل تمام داشتند و مہندس تخلص می کردند، و در علم ریاضی مثل این ہر دو پدر و پسر در بلاد ہند نبودہ اند، ہر چند مولانا ریاضی بگفتن شعر توجہ نداشت، روز و شب بتدریس مشغول بود،"

تذکرۂ صبح گلشن میں ہے:-

"ریاضی امام الدین فرزند مولانا لطف اللہ مہندس لاہوری کہ قلعہ ارک شاہجہان آباد بصوابدید رای رزینش بنیاد گرفتہ، ریاضی متوطن شاہجہان آباد گردیدہ، ازان شہر مدۃ العمر بیرون نرفتہ ماہر علوم درسیہ بودہ، و درسبق علم ریاضی از معاصرین قصب السبق ربودہ، در عبادت و ریاضت و ورع و زہد عدیل خود نداشتہ"

تاریخ علمائے ہند میں یہ سطریں ہیں،

"ملا امام الدین دہلوی در اصل لاہوری است، ریاضی دان بود کہ بدہلی توطن گرفتہ شرح مختصر بہ تشریح الافلاک مصنفہ بہاء الدین آملی در سال یازدہ صد و سہ ہجری نوشتہ کہ بنام التصریح فی شرح التشریح شہرت دارد" (ص ۲۶۲ نولکشور)

عام طور سے اسکی یہی تصنیف تصریح جو بہاء الدین آملی کے مشہور متن تشریح الافلاک کی شرح ہے، لوگوں میں مشہور ہے، حالانکہ اس سے پہلے عصمۃ اللہ سہارنپوری نے ۱۰۶۰ھ میں اس کی مفصل شرح لکھی ہے، جس کا نام باب تشریح الافلاک ہے، اور جو چھپ بھی گئی ہے، تاہم علم ہئیت میں عربی درسگاہوں

کی سب سے ابتدائی اور مختصر ترین کتاب یہی ہے، اسلئے بہت متداول ہے، مصنف نے دیباچہ میں اپنا نام اس طرح لکھا ہے،

"اما بعد فیقول العبد الضعیف امام الدین بن لطف اللہ المہندس اللاہوری ثم الدہلوی" (دیباچہ تصریح)

اس سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے، کہ یہ خاندان گو دراصل لاہور کا رہنے والا تھا، مگر بعد کو شاید شاہی تعمیرات کے تعلق سے دہلی آگرآباد ہو گیا تھا،

امام الدین نے اپنی اس تالیف (تصریح) کا سنہ دیباچہ میں ۱۱۰۳ھ لکھا ہے، اور ہم کو معلوم ہے، کہ لطف اللہ کم از کم ۱۰۹۳ھ تک زندہ تھا، کہ اوس کی تصنیف منتخب اسی سال تالیف پائی ہے، اور اس کے گیارہ برس کے بعد اس کا بیٹا تصریح لکھتا ہے، اس سے یقینی طور سے ثابت ہوتا ہے، کہ باپ ہی کے عہد میں بیٹا علوم و فنون کی تکمیل کر چکا تھا، یا کر رہا تھا، اس سے ہمکو یہ قیاس کرنے کا حق ہوتا ہے، کہ غالباً اس نے اپنے باپ ہی سے علوم ریاضی کی تعلیم حاصل کی ہوگی، تذکروں میں اسکی تاریخ وفات ۱۱۴۵ھ (سنہ خمس و اربعین و مائۃ والف) لکھی ہے،

تصریح کے دیباچہ میں ہے، کہ یہ شرح اوس نے بھائیوں اور دوستوں کی فرمایش سے لکھی ہے، اس سے مراد اس کے شاگردوں کی جماعت ہی، اس سے معلوم ہوگا کہ وہ خود بھی درس و تدریس کے موروثی پیشہ میں مشغول تھا، چنانچہ سندیلوی نے تصریح بھی کی ہے، کہ "روز و شب بہ تدریس مشغول بود"

رام پور کے کتبخانہ میں اس کی کتاب تصریح کے دو نادر نسخے ہیں، جن میں سے ایک کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ تصنیف کی تاریخ سے بارہ برس کے بعد ۱۱۱۵ھ میں لکھی گئی ہے، اور دوسرے کی اہمیت یہ ہے کہ ۱۱۲۱ھ میں اس نسخہ سے منقول ہے، جو خود مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا، پہلے نسخہ کا نمبر ۱۵ اور دوسرے کا ۱۶ (فن ہیئت) ہے،

مصنف نے اپنی اس شرح پر حواشی بھی لکھے تھے، چنانچہ رامپور کے نسخہ نمبر ۶ پر مصنف کے یہ حواشی موجود ہیں، ہمارے استاذ مولینا حفیظ اللہ صاحب سابق مدرس اعلیٰ مدرسۂ عالیہ رامپور و دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ نے تصریح پر جو حاشیہ اپنے قیام رامپور کے زمانہ میں ۱۳۱۰ھ میں لکھا تھا، اور جو مجتبائی دہلی میں چھپا ہے اس کے آخر میں محشی نے تصریح کی ہے کہ انھوں نے شارح کے ان حواشی سے جو اسکے ہاتھ کے نوشتہ نسخہ سے منقول ہیں استفادہ کیا ہے، (خاتمہ حاشیۂ تصریح، مطبوعہ مجتبائی دہلی)

امام الدین نے دو اور کتابوں پر بھی حاشیے لکھے ہیں، جن میں سے ایک قاضی زادہ رومی کی مشہور فلکی تصنیف شرح چغمینی پر ہے، نوابی اودھ کے زمانہ میں علی بخش خان کے مطبع علوی میں مقبول الدولہ احسان الملک کپتان مرزا مہدی علی خان بہادر ثابت جنگ قبول کے زیر اہتمام شرح چغمینی کا جو نسخہ متعدد علمار کے حواشی اور تعلیقات کے ساتھ چھپا ہے، ان میں ایک "امام الدین الریاضی بن لطف اللہ المہندس الدہلوی" کے حاشیہ کے بھی منقولات اور حوالے ہیں، چنانچہ کتاب کے خاتمہ میں اس حاشیہ کا ذکر ہے،

امام الدین کا دوسرا حاشیہ خود اسکے باپ کی کتاب "شرح خلاصۃ الحساب" پر ہے، یہ حاشیہ انڈیا آفس کے کتبخانہ میں ہے، اس کا نمبر ۱۰۶۷ ہے،

امام الدین بھی اپنے باپ کی طرح فارسی کا شاعر تھا، اور ریاضی اس کا تخلص تھا،

کشن چند اخلاص اور سندیلوی کا بیان ہو کہ گو مولینا ریاضی کو اپنے درس و تدریس سے شعرگوئی کی فرصت نہیں ملتی تھی، تاہم انھوں نے طالب آملی کے ایک مطلع کا جس کا جواب نہیں ہو سکتا تھا، ایسا جواب لکھا جو بڑے بڑے شعراء کی قدرت سے باہر ہے، طالب کا مطلع تھا،

بتن بو یا کند گلہائے تصویر خیالی را　　　بیا بیدار سازد خفتگان نقش قالی را

اخلاص اور سندیلوی کہتے ہیں کہ اس کا جواب شاعروں سے اب تک نہیں ہو سکا تھا، یہاں

یکے میان ناصر علیؒ کو ان کے دوستون نے اس زمین میں کچھ کہنے کی فرمایش کی تو صاف کہا کہ "این زمین را طالبا بر چیزہ بلیغ ماندہ است در داست"، مرزا صاحب جیسے "شاعر غرا" نے جب اس غزل کا جواب لکھا، تو سپر ڈالدی، اور قالی اور نہالی کا مطلع نہیں لکھا، بلکہ یہ مطلع کہا کہ

تکلف نیست در گفتار رندِ لاابالی را | چنانت دوست میدارم کہ عاشق شعر حالی را

لیکن مولانا ریاضی نے اس کا جواب برجستہ لکھدیا،

رگِ گل کرد آن گلچہرہ ہر تار نہالی را | ازین اندیشہ گلہا داغ شد بر سینہ قالی را

مولینا کا مطلع جس نے سُنا اوس نے کہا:۔

"ظاہرا این زمین دو وصاف داشت یکے را طالبا برد، و دوئمی تا حال در جواہر خانہ قضا و قدر پنہاں بود، کہ نصیب مولانا شد،"

ان تذکروں میں ان کے یہ چند شعر نقل کئے ہیں،

عنقا خدنگِ حسرت گمنامی مست | در قیدِ نام بود اگرچہ نشان نداشت
رفتی، و رفت لشکرِ دل در رکابِ تو | شہرم برنگِ مجلسِ تصویر جان نداشت
روشن دلیم و خاک نشینی عیار ماست | سیماب وار کُشتہ شدن اعتبار ماست
آزادہ ایم مطلب ما ترکِ مطلب است | باز آمدن ز حاصلِ ہر کار کار ماست
ما خارِ غم بسینہ چو ماہی نہفتہ ایم | گلزارِ عشق داغِ دل خار خار ماست
دریا دل است یار و نم از ما دریغ داشت | خشک و تری بپائے گل افسوس خار ماست
ز عشق یار چہ گویم کہ حالِ من چون ست | غمم بدور خطش از احاطہ بیرون است
ندانم ارچہ شدی سنگدل کہ بمایت | بجان رسید و نپرسی کہ حالِ او چون ست

ساتویں شعر میں دیکھئے کہ ریاضی کی جھلک دَور، خط، اور احاطہ میں موجود ہے، سفینۂ خوشگو

ہیں یہ دو شعر اور ہیں :۔

پایۂ عشق بلندی ز سر دار گرفت،　　ہر کہ دریافت چو منصور سرے سردار است

یوسفستان معانی است ریاضی سخنت　　چاک پیراہن نظم تو عجب بازار است

امام الدین ریاضی نے تصریح کے دیباچہ میں جو چند لفظ لکھے ہیں، ان سے اور کشن چند اخلاص کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی تربیت کے دامن میں، ریاضیات کے کئی مستعد شاگرد پل کر جوان ہوئے، اخلاص کے تذکرہ ہمیشہ بہار میں ہے،

"و یکے از شاگردان ایشان بر مجسطی شرح فارسی نوشتہ، خیلے بتفصیل"

پھر لکھا ہے :۔

"عزیزے در حق بعضے از شاگردان ایشان گفتہ، ع:۔ تو ئی در ہر فنے چون مرد مک فن"

اس کے بعد ہے :۔

"شاگردان ایشان در ریاضی تصانیف رائقہ فائقہ دارند"

خیر اللہ بن لطف اللہ، لطف اللہ مہندس کا یہ دوسرا لڑکا ہے، اس کا پورا نام ابوالخیر المخاطب خیر اللہ خان مہندس ہے، محمد شاہ کے عہد میں اس نے اپنا نام روشن کیا، اور لفظ المخاطب سے ہویدا ہے، کہ بادشاہ کے دربار تک اسکو رسائی حاصل تھی، اپنے باپ کی طرح یہ بھی اپنے نام کیساتھ مہندس لکھتا ہے، غالباً اس نے تعلیم اپنے بڑے بھائی امام الدین سے پائی ہوگی جس نے ۱۱۴۵ھ تک زندگی پائی ہے، تصریح کے دیباچہ میں امام الدین نے لکھا ہے، کہ اس نے اپنے دوستون اور بھائیون کی فرمایش سے یہ شرح لکھی ہے، عجب نہیں کہ ان بھائیون میں اس کا یہ بھائی بھی ہو، کشن چند اخلاص کے تذکرہ ہمیشہ بہار میں امام الدین ریاضی کے ذیل میں ہے، "یکے از شاگردان ایشان بر مجسطی شرح فارسی نوشتہ، خیلے بتفصیل ...." آگے معلوم ہوگا کہ یہ شاگرد خود اس کا بھائی خیر اللہ ہے، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خیر اللہ اپنے بھائی امام الدین

کا شاگرد تھا، اس کا بڑا کارنامہ یہ ہے، کہ محمد شاہ کے زمانہ میں راجہ جے سنگھ نے بادشاہ کے حکم سے دہلی، جیپور، بنارس اور اجین میں جو رصدخانے قائم کئے تھے، ان کا بانی اور نگران کار یہی نادرۂ روزگار تھا، آج سے پچیس چھبیس برس پیشتر میں نے یہ بات قیاساً لکھی تھی۵؎ لیکن بحمد اللہ کہ آج اوس کے ایک معاصر تذکرہ نویس بندرابن خوشگو المتوفی ۱۱۷۰ھ کی معاصرانہ شہادت سے یہ پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی، خوش گو اپنے تذکرہ سفینۂ خوش گو میں جس کا قلمی نسخہ بانکی پور لائبریری میں نظر سے گذرا، امام الدین ریاضی کے حال میں لکھتا ہے، :-

"امروز ملا ابو الخیر معروف بخیر اللہ برادر اعیانی وی در ہیئت و ہندسہ واکثر علوم یگانۂ روزگار است، چنانچہ راجہ دھیراج جے سنگھ سوائے زمیندار انبیر، دراین ایام خیال رصد بستن در پیش داشتہ، قریب بست لک روپیہ در بست سال صرف این کار نمودہ باستصواب ابو الخیر مذکور است و حق آنست کہ ذات او برزمانہ منت است"۔۔۔۔"

(سفینۂ خوش گو نمبر ۲۵ صفحہ ۱۲۳)

دلی میں اس رصد خانہ کے کام کے علاوہ ریاضیات کا درس بھی دیا کرتا تھا، (دیباچۂ تقریب التحریر) چنانچہ اس کے شاگردوں میں سب سے پہلا نام اوس کے بیٹے محمد علی کا ہے،

اس کی ایک معنوی یادگار انڈیا آفس لائبریری لندن اور کتبخانۂ نواب سالار جنگ بہادر حیدرآباد دکن میں اور دو بانکی پور کے مشرقی کتبخانہ میں ہیں، ان میں سے ایک علی گڈھ مسلم یونیورسٹی لائبریری میں بھی ہے، اور چوتھے کا ذکر علامہ غلام حسین جونپوری نے جامع بہادر خانی میں کیا ہے،

۱- تقریر التحریر، یہ خواجہ نصیر الدین طوسی المتوفی ۶۷۲ھ کی "تحریر اقلیدس" کا فارسی ترجمہ ہے، محمد شاہ کے زمانہ میں ۱۱۴۲ھ میں یہ ترجمہ جیسا کہ کتاب کے دیباچہ میں تصریح ہے، اوس نے ختم کیا، کتاب

۵؎ الندوہ ۱۹۱۰ء میں مضمون اسلامی رصد خانے،

آغاز ان فقروں سے ہے،

"شکراست مرخدائے راکہ از دست ابتدا بسوئے اوست انتہا وبدست اوست اختیار

ہمہ چیزہا"

نواب سالار جنگ بہادر، (حیدرآباد دکن) کے کتبخانہ میں اس کا جو نسخہ ہے، اس میں مترجم کا نام "ابوالخیر بن لطف اللہ مہندس اور انڈیا آفس کے نسخہ (نمبر ۷۲۶) میں "خیر اللہ خان بن لطف اللہ مہندس" درج ہے، جیسا کہ اوسکی فارسی فہرست (جلد اول ص ۱۲۴۴) سے معلوم ہوتا ہے، اس حیدرآبادی نسخہ میں کتاب کا نام صاف "تقریر التحریر" تحریر ہے، لیکن انڈیا آفس لائبریری کی فہرست میں اس کا نام "ترجمہ تحریر اقلیدس" لکھا ہے، حالانکہ یہ نام نہیں ہو سکتا "تقریب التحریر" جس کا نام آگے آتا ہے، اور جس کا نسخہ بانکی پور اور علی گڈھ کی لائبریریوں میں ہے، اس کے دیباچہ میں مصنف کے فرزند نے بھی اس کا نام "تقریر التحریر" بتایا ہے، جو بجائے خود اور دوسری تصنیف کے نام کی مشابہت سے بھی نہایت موزون ہے، انڈیا آفس کے نسخہ کی کتابت کی تاریخ ۲۴ رجب ۱۱۹۴ھ ہے، اس کے پہلے صفحہ پر ایک حاشیہ ہے، جس میں مذکور ہے، کہ یہ نسخہ راجہ نندارام پنڈت نے مسٹر رچرڈ جانسن کے لئے لکھنؤ میں تیار کیا تھا تعجب ہوگا کہ کبھی ہمارے بزرگوں کی ریاضی کی تصانیف سے استفادہ کے انگریز شائق علم بھی مشتاق تھے، حیدرآبادی نسخہ کو کسی شیخ احمد نے ۱۲۴۸ھ میں لکھا ہے،

۲۔ **تقریب التحریر** یہ خواجہ طوسی کی دوسری کتاب "تحریر مجسطی" کا فارسی خلاصہ ترجمہ مع شرح ہے، مصنف کا نام اس میں "ابوالخیر المعروف بہ خیر اللہ الملخاطب بہ خیر اللہ خان المتخلص بالمہندس ابن لطف اللہ" ہے، کتاب کا آغاز یہ ہے،

"ثنائے کہ از اندازۂ مہندس خرد بیرون است، شایان صانعی کہ خالق سبع سماوات است"

(فہرست کتبخانہ مشرقی بانکی پور جلد یازدہم صفحہ ۰،)

مصنف نے اس کے دیباچہ میں یہ بیان کیا ہے کہ تحریر اقلیدس کے ترجمہ کے بعد اوس نے یہ کتاب محمد شاہ (۱۱۳۱ھ - ۱۱۶۱ھ) کی تخت نشینی کے اخیر ثلث (۱۱۶۱ھ) میں تالیف کی، اسکی شرح میں اوس نے مولینا عبد العلی برجندی کی شرح تحریر مجسطی سے مدد لی ہے، کتاب کا عام انداز یہ ہے کہ پہلے خواجہ طوسی کے عربی متن کا ایک فقرہ ہے، پھر اوس کا فارسی ترجمہ، پھر حسب ضرورت برجندی کی عربی شرح، اور پھر خود خیراللہ کی فارسی شرح ہے،

اس کا ایک نسخہ بانکی پور کے مشرقی کتبخانہ میں ہے، ۲۲ شوال ۱۲۵۱ھ کتابت کا سال ہے، کتاب کا نمبر ۲۰۱۰ ریاضیات فارسی ہے، اور دوسرا مسلم یونیورسٹی لائبریری (نمبر ۶ علوم فارسی) میں ہے، فہرست میں اس کا نام ترجمہ مجسطی لکھا ہے، دونوں نسخے نظر سے گذرے ہیں،

کتاب کا آغاز اس طرح ہے،

یارب آسان کن بفضل شامل خود فتح باب پس بلطف کامل خود ساز انجام کتاب

قال الفاضل الکامل المحقق والعامل الماهر المدقق استاذ الکل فی الکل عالم العلوم بالحیل الشارح المترجم بالفارسیة ابو العلو در العربیة ابو الخیر المعروف بخیر اللّٰہ المخاطب بخیر اللّٰہ خان سلمہ الرحمن المتخلص بالمهندس ابن لطف اللّٰہ غفر لہ اللّٰہ

الحمد للّٰہ رب العالمین ...... اما بعد ...... پوشیدہ نماند کہ چون در سالف زمان ترجمۂ تحریر اقلیدس کہ از محقق طوسی، بازیادت شرح بعض مقدمات بزبان پارسی برائے عموم فیض اتفاق افتادہ بود وبتقریر التحریر موسوم گردیدہ خواست کہ برائے اتمام خدمت عباداللہ ترجمۂ تحریر مجسطی ہم کہ ازان مدقق است با یراد بعض فوائد مرقوم سازد چنانکہ بفضل الٰہی جل جلالہ وعم نوالہ مسودۂ آن کتاب عظیم النفع در ثلث اخیر مدت سلطنت شاہ خلائق پناہ انجم سپاہ فردوس آرامگاہ محمد شاہ بادشاہ غازی علیہ الرحمۃ والرضوان فراغ دست دادہ بود، وبتقریب التحریر مسمی شدہ بسبب عدم دریافت قدردانی ارکانِ

درحیز تعویق افتادہ بود، بہ ترغیب بعض دوستان طالب این فن دراواسط سنۂ احد جلوس (بادشاہ عالیجاہ احمد شاہ بہادر) از مسودۂ اتفاق شروع مبیضہ افتاد در سنۂ یکہزار و یکصد و شصت و یکم ہجری مقدسہ صلعم"

علی گڈھ کا نسخہ جا بجا سے کرم خوردہ ہے، اور بانکی پور کا نسخہ اچھا اور محفوظ ہے، اوپر کی عبارت دونون نسخوں کی تطبیق سے درست کی گئی ہے، خاتمہ کی عبارت دونون میں یہ ہے،

"بعد از بیان سعی در حل این کتاب، و وصف خوبی ہائے آن و اعتذار سہو و خطا و طلب دعائے خیر و ختم بر صلوٰۃ و سلام حضرت رسالت پناہ را..... فارغ شدم از تحریر این شرح و تصحیح آن، روز یکشنبہ اوائل ذی قعدہ سنۂ نہصد و ہشت و یک ہجریہ نبویہ...... بن لطف اللہ مہندس بن احمد"،

"سنۂ نہصد و ہشت و یک" سراسر تحریف ہے، یہ حقیقت میں "ہزار و یکصد و شصت و یک" ہوگا، کہ یہی سال محمد شاہ کی وفات کا ہے، اور اس نسخہ کے آغاز میں تصریح ہے، کہ اسوقت بادشاہ ممدوح کی وفات ہو چکی تھی، گویا کتاب کا مسودہ محمد شاہ کی زندگی میں تیار ہو چکا تھا، مگر ارکان سلطنت کی ناقدردانی سے یہ پڑا رہا، بالآخر شاہ مرحوم کی وفات پر ریاضی کے شائقین کے اصرار سے احمد شاہ کے پہلے سال جلوس میں اوس کا یہ مبیضہ تحریر میں آیا،

۴- حاشیہ بر شرح بیست باب در معرفت اسطرلاب

"بیست باب در اسطرلاب" خواجہ نصیر طوسی کا ایک مشہور رسالہ ہے، اسکی شرح علامہ عبد العلی برجندی نے ۸۹۹ھ میں لکھی، اس پر خیر اللہ مہندس نے یہ حاشیہ لکھا ہے، یہ حواشی بانکی پور لائبریری کی شرح بست باب کے نسخہ نمبر ۴۵ کے کنارون پر لکھے ہوئے موجود ہین، اس پر محشی کا نام حسب ذیل تحریر ہے،

"خیر المہندسین ابو الخیر منجم المخاطب بخیر اللہ خان مہندس"

اس نسخہ کی کتابت کا سال ۲ جمادی الاخری ۱۱۶۵ھ ہے، (فہرست کتب مذکورہ جلد ۱۱ ص ۶۲) جو مصنف

کی زندگی کا زمانہ ہے،

۴۔ **شرح زیچ جدید محمد شاہی**، راجہ جے سنگھ سوائی بانی جے پور و صوبہ دار آگرہ و مالوہ (المتوفی ۱۱۵۶ھ) نے محمد شاہ بادشاہ دہلی کے حکم سے دہلی، جیپور، اجین، بنارس، اور متھرا میں رصد خانے قائم کئے تھے، اور جن کے بنانے میں علاوہ دوسرے ہندو مسلمان اور انگریز ہیئت دانوں کے یہ خیر اللہ مہندس بھی شریک تھا، ان رصد خانوں کی تحقیقات خود راجہ کے نام سے زیچ محمد شاہی کے عنوان سے ۱۱۴۱ھ میں تصنیف ہوئی تھی، خیر اللہ نے اس زیچ کی ایک شرح لکھی جس میں جا بجا اوس نے تشریحات اور استدلالات میں اپنے ذاتی مشاہدون کا ذکر کیا ہے، اس شرح مذکور کا حوالہ علامہ غلام حسین جونپوری نے اپنی مشہور تصنیف جامع بہادر خانی میں دیا ہے،

"مرزا خیر اللہ مہندس در شرح زیچ محمد شاہی دعوی فرمودہ است کہ "ما مدار خارج المرکز شمس بلکہ مدارات جمیع حوال را بر شکل بیضوی یافتہ ایم"

۵۔ **شرح زلالی و شرح حافظ و شرح سکندرنامہ** خیر اللہ کو اپنے خاندان کے موروثی جوہر سخن وری سے بھی حصہ ملا تھا، اس ذوق کا یہ اثر تھا کہ اوس نے دیوان زلالی اور دیوان حافظ کی شرحین لکھیں، ان شرحون کا ذکر اس کے بیٹے نے تقریب التحریر کے دیباچہ میں کیا ہے،

اسی قسم کی اوسکی ایک اور کتاب سکندر نامہ کی شرح ہے، یہ دو جلدون میں تمام ہوئی ہے، اور عجیب تر یہ ہے کہ پرانے زمانہ میں وہ چھپ بھی چکی ہے۔ اوس کی دوسری جلد جامعہ ملیہ دہلی کے کتبخانہ میں نظر سے گذری، یہ مطبع شرف المطابع دہلی میں ۱۲۶۵ھ میں طبع ہوئی تھی، اس پر مصنف کا نام و لقب "مرزا خیر اللہ خان مہندس خیر الشارحین" لکھا ہے،

محمد علی ریاضی بن خیر اللہ مہندس، خیر اللہ مہندس نے اپنی ایک جسمانی یادگار بھی چھوڑی، جس کا نام محمد علی ہے، یہ بھی اپنے خاندان کے موروثی علوم ریاضی و ہندسہ کا امانت دار تھا، اور اسی لئے "الریاضی"

کے لقب سے مشہور ہوا، اس کے باپ نے اپنی کتاب تقریب التحریر مسودہ کی حالت میں چھوڑی تھی، اور مبیضہ کا صرف دیباچہ لکھا تھا، کہ وہ دوسری کتابوں کی تصنیف اور طلبہ کے درس و تدریس میں مصروف ہوگیا، محمد علی نے اس کتاب کو صاف کرکے اشاعت و استفادہ کے قابل بنایا۔ چنانچہ اس کتاب پر خود محمد علی نے ایک دیباچہ بڑھایا ہے، جس میں یہ واقعہ درج کیا ہے،

"می گوید بندۂ خاکسار ذرۂ بے مقدار الراجی الی رحمۃ ربہ القوی، محمد علی الریاضی آنکہ چون والد این احقر العباد بر تحریر اقلیدس شرحے بسوط معنی کہ مسمی بتقریر التحریر است بزبان فارسی نوشتند.... خواستند کہ بر تحریر کتاب مجسطی کہ مشکل ترین کتب علم ہیئت است، یا براہین ہندسی و درین رصد بے نظیرے کہ دست فکر ہر کس از ریاضی دان بدامن مطلبش نمی تواند رسید و زورق خیال وہتر از ہیئت دان لنگر معانیش نتوان جنبانید۔ نیز شرحے بزبان فارسی با فوائد دیگر بنویسند کہ برائے ہر طالبے بکار آید...... دور آخر سلطنت فردوس آرام گاہ محمد شاہ مسودہ آن تمام تحریر یافت۔ وبسبب بعضے از موانع کہ شغل مطالعہ کتب دیگر باشد و عدم فراغ از دیگر امور مبیضہ آن در حیز تعویق افتاد، الحال من بے بضاعت عائف زاویۂ جہالت خصوصاً در علم ریاضی کہ دران ریاضت معتد بہ نکردہ، و آشنائے پیدا نساختہ و از بوئے ریاض ریاضی بوئے نبردہ والد گرامی خواست کہ آن مسودہ را مبیضہ نویسد بحسب آنچہ در خاطر فاتر این ناقص در آید متن را....."

اس کے بعد خیر اللہ کے مبیضہ کا دیباچہ ہے۔ جو اوپر نقل کیا جا چکا ہے۔ اس کے بعد محمد علی کی یہ عبارت ہے۔

و من مترجم می گویم کہ این اخبار شارح بہ مبیضہ ساختن تا نوشتن دیباچہ بود،

و زیادہ از آن سبب بعضے از مشاغل اتفاق نیفتاد، چنانچہ ساختن شرح زلالی و شرح خواجہ حافظ و درس کتب ریاضی این حقیر فقیر خواست کہ تا این محنت ضائع نشود، جرأت در نوشتن مبیضہ نمود، والا چہ نسبت خاک را با عالم پاک ....،

محمد علی ریاضی احمد معمار کے سلسلۂ نسل کی آخری کڑی ہے، جس کا حال ہمیں معلوم ہو سکا ہے، اور اسی نام پر اس خاندان کے تذکرہ کا خاتمہ ہوتا ہے، جس نے کم از کم سوا سو برس تک لاہور اور دہلی میں تعمیرات ہندسہ و ریاضی کی زندہ جاوید خدمتیں انجام دیں،

اس تفصیل کے بعد ضرورت ہی کہ لطف اللہ مہندس کی اس مثنوی کو مسلسل یکجا نقل کر دیا جائے جس میں اس نے اپنے باپ اور بھائیوں کا اور خود اپنا حال لکھا ہے، تاکہ اب ناظرین کو اس کی خاندانی حیثیت کے واضح ہو جانے کے بعد اسکی صداقت بیان کا پورا وثوق ہو جائے اور معلوم ہو جائے کہ تاج اور لال قلعہ کی عمارتوں کا اصل معمار اور مہندس کون تھا،

شاہ جہان داور گیتی ستان روشنیٔ دودۂ صاحب قران

عرش بریں قبۂ خرگاہ اوست رشک فلک سدۂ درگاہ اوست

احمد معمار کہ در فن خویش، صد قدم از اہل ہنر بود بیش،

واقف تحریر و مقالات آن آگہ اشکال و حوالات آن

حال کواکب شدہ معلوم او حل مجسطی شدہ مفہوم او،

از طرف داور گیتی جناب نادر عصر آمدہ اور اخطاب،

بود عمارت گر آن بادشاہ داشت دران حضرت فرخندہ راہ

آگرہ چو شد مضرب رایات شاہ بس کہ بر و بود عنایات شاہ،

کرد بحکمِ شہِ کشور کشا، روضۂ ممتاز محل را بنا،
باز بحکمِ شہِ انجم سپاہ، شاہجہان دادرِ گیتی پناہ
قلعۂ دہلی کہ ندارد نظیر، کرد بنا احمدِ روشن ضمیر،
این دو عمارت کہ بیان کردہ ایم در صفتش خامہ روان کردہ ایم
یک ہنر از گنجِ ہنرہای اوست یک گہر از کانِ گہرہای اوست
چون بنود عالمِ فانی مقر کرد سوی عالمِ باقی سفر،
پس سہ پسر ماند ز مردِ سترگ زان سہ عطاء اللہ رشیدی بزرگ
نادرِ عصرِ خود و مشہورِ شہر، عالم و علامۂ و دانای دہر
مرد ہنرپرور و استادِ فن فاضل و دانشور و حبرِ زمن
مخزنِ علم آمدہ تالیفِ او، گنجِ ہنرہاست تصانیفِ او،
نثرِ وی از آبِ روان پاک تر نظمِ خوشش غیرتِ سلکِ گہر
منکہ سخن پرور و دانش ورم بندۂ آن حبرِ سخن پرورم،
منکہ ربودم ز جہان گوی علم از چمنش یافتہ ام بوی علم
منکہ شدہ آگہِ سرِّ نہان از دمِ او یافتہ ام قوتِ جان
ثانیِ آن ہرسہ برادر منم، ہندسہ یکفن بود از صد فنم
گرچہ ہندسہ بفہم از شہ است نامِ من و دل شدہ لطف اللہ است
ثالثِ آن ہرسہ برادر بسال آمدہ نور اللہ صاحب کمال
ما ہمہ و معمار عمارت گریم ما ہمہ استاد و سخن پروریم
نیک بود قصرِ کلامش عجب زان شدہ معمار مرا ور القب

گرچہ کم است سالِ وی از سالِ من | بیش بود حالِ وی از حالِ من
نثرِ وی از نظم گہر بار تر | نظم ز نثر آمدہ ہموار تر
دیدہ ز نورِ سخنش پر ضیا | طبع ز لطفِ سخنش پر صفا
گنجِ ہنر آمدہ در مشتِ او | ہفت قلم راندہ سہ انگشتِ او
گرچہ منم بے سخن استادِ فن | آن یک و دین یک بود استادِ من

گرچہ مرا ہست مہندس لقب
ہندسہ زان ہر سہ برادر طلب

ایک نئی کتاب
"ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہین"

یہ مولوی ابوالحسنات ندوی مرحوم کا وہ پرازمعلومات مقالہ ہے، جو علامہ سید سلیمان ندوی کی خواہش سے لکھا گیا تھا، اور معارف ۱۹۰۹ء کے مختلف نمبرون میں مسلسل شائع ہوا تھا، اور جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا تھا، اور ان کی تجویز تھی، کہ یہ ایک کتاب کی صورت میں یکجا ہو جائے، پنجاب کے ایک پبلشر نے اس کو اسی زمانہ میں چھاپا، تو پوری کتاب مسخ ہو گئی، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مسلمانون کے گذشتہ شاندار تعلیمی کارنامے نظر کے سامنے آجاتے ہین،

ضخامت ۱۲۴ صفحات، قیمت ۱۲/

مقالاتِ شبلی جلد پنجم (تاریخی)

یہ مولانا شبلی کے ان مقالات کا مجموعہ ہے، جو اکابر اسلام کے سوانح و حالات سے متعلق ہیں، اس میں علامہ ابن تیمیہ ابن رشد اور زیب النساء کی سوانحعمری، وغیرہ جیسے اہم اور مفید مضامین ہین، ضخامت ۱۴۰ صفحے، قیمت: عہ "منیجر"

دیوان شمس تبریز اور مولنا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۴)

ایک اہم روایت | ایک اہم روایت ملاحظہ ہو:۔

"روزے مولانا فرمود کہ علمائے ظاہر واقف اخبار رسول اند، وحضرت مولینا شمس الدین واقف اسرار رسول است"

شمس تبریزی توئی واقف اسرار رسول شمس تبریزی توئی واقف اسرار رسول

نام شیرین تو ہر دل شدہ را درمان باد نام شیرین تو دردِ ہمہ را درمان باد

اس شعر میں بھی خصوصیت یہ ہے، کہ حضرت شمس کا نام ہے لیکن بطرز خطاب، ایسا بھی ہوتا ہی کہ شاعر کبھی غیر فرض کرکے اپنے آپکو بھی مخاطب کرتا ہے، جسکو صنعت تجرید کہتے ہین لیکن یہان صورت حال ایسی نہیں ہی، کیونکہ تصریح موجود ہے کہ مولانا نے ایک دن حضرت شمس کی فضیلت ظاہر کرنیکے لئے یہ شعر فرمایا، ایسے ہی کثیر اشعار دیوان میں ہین جنمیں حضرت شمس کو مختلف طریقہ سے مخاطب کیا گیا ہے، ان سے یہ سمجھنا کہ یہ حضرت شمس ہی کی شاعرانہ تعلی ہے، غلط ہے، پہلے تو ان کی نوعیت ہی ایسی نہیں، کیونکہ ان اشعار مین مدح کی نوعیت ایسی ہے، جیسے کوئی دوسرا بے انتہا معتقد مدح کرتا ہے، دوسرے اشعار اس کثرت سے ہین، کہ صرف شاعرانہ تعلی کے تحت کوئی شاعر اپنی مدح اس کثرت سے نہیں کرتا،

جب تذکرہ کا شعر دیوان میں بھی ملتا ہے، تو اس امر کی ایک قوی دلیل پیش نظر ہوگئی ہی، کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے کلام کا مجموعہ ہے،

مناقب کے صفحہ ۲۷۳ پر ہے ؎

ریگ ز آب سیر شد من نہ شدم زہے زہے
لائق جز گمانِ من نیست درین جہاں ہے
کوہ کمینہ لقمہ ام بحر کمینہ شربتم
من نہ چہ نہنگم اے خدا باز کشا مرا رہے
(ک - ۲۵۲)

رسالہ سپہ سالار کی شہادت، اس نوعیت کی دوسری شہادت رسالہ سپہ سالار میں ملتی ہے، رسالہ سپہ سالار مولینا کے حالات کا اصلی اور صحیح ماخذ ہے، حضرت فریدون معروف بہ سپہ سالار مولینا کی صحبت میں چالیس برس تک رہے، اعتقاد و ارادت بجد رکھتے تھے، انہی کا بیان ہے، "خلاصۂ عمر خود را بہ ملازمتِ حضرت او مستغرق داشتم و نقش مہر و محبتش را کالنقش فی الحجر بہ صحیفۂ دل خویش نگاشتم" اسلئے وہ لازماً انکے محرم راز اور واقفِ اسرار تھے اونھوں نے مولینا کے وصال مبارک کے بعد طالبانِ حال کے لئے یہ رسالہ لکھا تھا، رسالہ شہرۂ آفاق ہے، مولینا کے محامد اور مناقب میں اسے عدیم النظیر اور فقید المثال سمجھا جاتا ہے، اس کے متعلق لکھا ہے،

"از تصانیف لطیفۂ[1] ...... سیدی فریدون معروف بہ سپہ سالار قدس سرہ کہ از مخلص مریدان کاشفِ اسرار ازلی و شارح رموز ابدی حضرت مولوی معنوی رضی اللہ عنہ ہستند و چہل سالہ شبانہ روز در سفر و حضر و خلوت و جلوت پیوستہ ملازم صحبتِ کیمیا خاصیت حضرت مولینا روح اللہ تعالیٰ روحہ ماندہ و خدمتہا کردہ و فیضہا بردہ، و مورد مراحم خاصہ و توجہات تامہ گشتہ و واقفِ اسرار و محرم راز بودہ اند، انچہ از انفاس قدسی، و کلمات و طیبات و حالات سامیہ و کوائف عالیہ و کرامات باہرہ در آیات ظاہرہ حضرت معنوی علیہ الرحمۃ الرضوان

---

[1] سپہ سالار ص ۱۴ کتبخانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ، [2] رسالہ سپہ سالار مطبوعہ محمود المطابع واقع کانپور مطبوعہ ۱۳۱۹ھ

بگوش خود از زبان مبارکش شنیده و بلا واسطہ استفاضہ نمودہ و بچشم خود دیدہ و مشاہدہ کردہ و معاینہ نمودہ در سلک تحریر در آوردہ اند، و بر شقہ تصویر سفنہ درین رسالہ جمع فرمودہ اند"

سپہ سالار کا بیان ہے کہ مولانا کے ایک مرید خاص نے اس کی تحریک کی، اسی بنا پر انھوں نے چشم یقین کے مشاہدات کو قلمبند کیا، "بنا بر التماس آن عزیز ہر چہ این ضعیف بعین الیقین مشاہدہ کردہ باشد و در ایام این ضعیف ازان حضرت بوجود آمدہ، ازآنچہ در گوشہ خاطرم ماندہ بود، در قلم آورد، (بیت)

درویش سخن از دیدہ گوید، عامی سخن از شنیدہ گوید،

افلاکی کی طرح سپہ سالار کی بھی یہی عادت ہے، کہ انھوں نے بکثرت مولینا کی مثنوی اور دیوان سے مختلف مقامات پر اشعار لکھے ہیں، لیکن ان کی خصوصیت یہ ہے کہ تقریباً ہر جگہ انھوں نے تصریح کر دی ہے، ہم سپہ سالار اور دیوان کے منتخب اشعار بالمقابل درج کریں گے، تاکہ اس دعویٰ کے ثبوت میں شک کی کوئی گنجایش باقی نہ رہے، کہ دیوان شمس تبریز مولانائے روم کا کلام ہے، البتہ کثرت تکرار کے باعث تصریحات سوائے ضروری مقامات کے اور مقامات پر حذف کر دیئے جائیں گے،

مثنوی کے مندرجہ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں،

حضرت خداوندگار[2] گامی فرماید،

در پناہ جان رجان بخشی توئی، خفتہ اندر کشتی ورہ میروی،

مگسل از پیغمبر ایام خویش، تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش،

چونکہ موسی رونق دور تو دید، کاندرو صبح تجلی می دمید،

---

[1] سپہ سالار ص محمود المطابع کتبخانہ کلیہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن، [2] حضرت سپہ سالار اپنے مرشد طریق مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کو اکثر "خداوندگار" کے لقب سے یاد کرتے ہیں، چنانچہ مولینا کے حالات میں جو فصل ہے اسکا عنوان یہ ہے "فصل اول در ذکر تاریخ ولادت و مدت عمر قدس اللہ العزیز کہ حضرت خداوندگار سلطان الاولیا در شہور سنہ اربع و ستمائۃ ہجری قدم مبارک در عالم وجود نہاد"

ہر کرا اسرار کار آموختند | مہر کردند و زبانش دوختند

غزلیات کے اشعار درج ذیل ہیں:۔

سپہ سالار مولانا کے متعلق لکھتے ہیں "بزبانِ خویش صفتِ حالِ خود بیان میفرماید"

رسالہ سپہ سالار	دیوان
بدان کہ پیر سراسر صفاتِ حق باشد	بدان کہ پیر سراسر صفاتِ حق باشد
اگرچہ پیر نماید بصورتِ بشری	اگرچہ پیر نماید بصورتِ بشری
(ص۴ سپہ سالار)	(کلیاتِ شمس تبریز ص ۹۶)[1]
جانِ من و جان ترا پیش ازین،	جانِ من و جان ترا پیش ازین،
سابقہ بود کہ گشت آشنا،	سابقہ بد کہ شدند آشنا،
الفت امروز ازاں سابقہ است	الفت امروز ازان سابقہ است،
گرچہ فراموش شد آنہا ترا،	گرچہ فراموش شد آنہا ترا
(ص ۵)	(دیوان شمس تبریز لکھنؤ نسخہ ذاتی ص ۲۴)

حضرت خداوندگار میفرماید،

اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ	اے اولیائے حق را از حق جدا شمردہ
گر ظن نیک داری بر اولیا چہ باشد	گر ظن نیک داری بر اولیا چہ باشد
(ص ۱۵)	(ک ۳۱۴)
یک حملۂ مردانہ مستانہ بہ کردیم	یک حملۂ مردانہ مستانہ بہ کردیم،

[1] ک سے مراد کلیات شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور کتب خانہ جامعہ عثمانیہ ہوگی، (د) سے مراد دیوان شمس تبریز مطبوعہ منشی نولکشور ۱۹۱۴ء،

تا علم بدادیم بہ معلوم رسیدیم	تا علم بدادیم و بہ معلوم رسیدیم
با آیت کرسی سوئے عرش پریدیم	با آیتِ کرسی سوے عرش پریدیم،
(ص۱۱) تاج بدیدیم و بقیوم رسیدیم	تاج بدیدیم و بقیوم رسیدیم، (د-ص۲۰۷)
ندارد پائے عشق او دل بے دست و بے پایم	ندارد تابِ عشق او دل بے دست و بے پایم
کہ روز و شب چو مجنونم سر زنجیر می خایم	کہ روز و شب چو مجنونم سر زنجیر می خایم،
میانِ خونم و ترسم کہ گر آید خیالِ او	میان خونم و ترسم کہ گر آید خیالِ او
بخونِ دل خیالش را ز بیخویشی بیالایم	بخون دل خیالش را ز بیخویشی بیالایم
ز شبہائے من حیران بپرس از لشکر پریان	ز شبہائے من حیران بپرس از لشکر پریان
کہ در ظلمت در آمد شد پریرا پائی میسایم	کہ در ظلمت از آمد شد پریرا پائی میسایم
ہمی گردد[1] دل پارہ ہمہ شب ہمچو استارہ	ہمی گردد دل پارہ ہمہ شب ہمچو استارہ
شدہ خوابِ من آوارہ ز سحر یار خود رایم	شدہ خوابِ من آوارہ ز سحر یار خود رایم
رہا کن تا چو خورشیدی قبائے پوشم از آتش	رہا کن تا چو خورشیدی قبائے پوشم از آتش
دران آتش چو خورشیدی جہانے را بیارایم	دران آتش چو خورشیدی جہانے را بیارایم
اگر یکدم بیاسایم روانِ من نیاساید،	اگر یکدم بیاسایم روانِ من نیاساید
(ص۱۰) من آن لحظہ بیاسایم کہ یک لحظہ نیاسایم	من آن لحظہ بیاسایم کہ یک لحظہ نیاسایم (ک ۴۶۵)

در محل دیگر از بیان این حال اشارت می فرماید، قدس سرہ العزیز،

ہمہ خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد	ہمہ خفتند و من دل شدہ را خواب نبرد

[1] مناقب اور سپہ سالار میں نہ صرف مولینا کے چیدہ چیدہ اشعار ہیں، جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہیں، بلکہ بعض پوری پوری غزلیں ہیں، اور بعض کسی غزل کے کئی کئی اشعار ہیں،

ہمہ شب دیدۂ من بر فلک استارہ شمرد	ہمہ شب دیدۂ من بر فلک استارہ شمرد
خوابم از دیدہ چنان رفت کہ ہرگز نآید	خوابم از دیدہ چنان رفت کہ ہرگز نآید
(مثنوی) خوابِ من زہر فراق تو بنوشید و بمرد	خوابِ من زہر فراق تو بنوشید و بمرد (ک ۲۹۶)

کلیاتِ شمس میں اس غزل کا مقطع یہ ہے:-

شمسِ تبریز کہ خورشید معانی گویم	معنی و صورتِ ما او بظہور می آورد

سپہ سالار کے بیان اوران کے درج کئے ہوئے اشعار سے صاف ظاہر ہے، کہ یہ غزل مولینا روم کی ہے، "دیوان شمس" کو شمس تبریز کا کلام سمجھنے کی ایک بڑی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ مقطعون مین مولینا کا نام آتا ہے، لیکن سپہ سالار کی اس مثال اور کلیات میں غزل کے اس مقطع سے ظاہر ہو گیا کہ ہمکو اس بنا پر ایسا نہ سمجھنا چاہئے بلکہ یہ امر پوری قوت سے ثابت ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا روم کی غزلیات کا مجموعہ ہے، اگرچہ سپہ سالار نے تصریح نہیں کی، لیکن بعض سوانح نگارون نے لکھا ہے، کہ ایک رات مولینا غلبہ حال سے آرام نہ فرما سکے، اس موقع پر یہ غزل فرمائی،

دیدہ خون گشت و خون نمی خسپد،	دیدہ خون گشت و خون نمی خسپد،
دلِ من از جنون نمی خسپد،	دل من از جنون نمی خسپد،
مرغ و ماہی ز من شدہ حیران،	مرغ و ماہی ز من شدہ حیران،
کین شب و روز چون نمی خسپد	کین شب و روز چون نمی خسپد
پیش ازیں در عجب ہمی بودم،	پیش ازین در عجب ہمی بودم،
کاسمانِ نگون نمی خسپد،	کاسمانِ نگون نمی خسپد،
آسمان خود کنون ز من خیرہ است	این فلک خود کنون ز من خیرہ است
کہ چرا این زبون نمی خسپد،	کہ چرا این زبون نمی خسپد،

عشق بر من فسون اعظم خواند،	عشق بر من فسون اعظم خواند،
جان شنید آن فسون نمی خسپد	جان شنید آن فسون نمی خسپد
این یقینم شده است پیش ازمرگ	این یقینم شده است پیش ازمرگ
کز بدن جان برون نمی خسپد	کز بدن جان برون نمی خسپد
ہین خمش کن باصل راجع شو	ہین خمش کن باصل راجع شو
(۱۸۲) دیدهٔ راجعون نمی خسپد،	دیدهٔ راجعون نمی خسپد، (د۔ص۱۶۷)

دیوان میں اس غزل کا مقطع یہ ہے:-

از قضاہائے شمس تبریزی	ذوفن ذوفنون نمی خسپد،

ایک اہم بحث، | بعض غزلون کے مقطعون میں تو حضرت شمس کا نام اس مداحانہ طرز میں آتا ہے، کہ صاف یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ شمس کا کلام نہیں، جیسا ہم نے اس سے پہلے کی مثال میں بحث کی ہے لیکن بعض غزلون میں ایسی حالت نہیں ہے، اس سے دھوکا ہو سکتا ہے، کہ شاید ایسی غزلین شمس تبریز کی ہون، لیکن یہ شبہہ بھی جاتا رہتا ہے، کہ اس غزل کے مقطع میں شمس کا نام کسی خاص واضح تعریفی انداز یا الفاظ میں نہیں لیا گیا، اور سپہ سالار کے رسالہ سے یہ حقیقت نمایان ہے، کہ یہ غزل مولنٰا روم کی ہے، جب یہ اشعار بجنسہ دیوان شمس تبریز میں ملتے ہین، تو ہم بلا خوف تردید کہہ سکتے ہین کہ دیوان شمس تبریز مولنٰائے روم کے کلام کا مجموعہ ہے،

بوئے ہمیں آید مرا مانا نکہ باشد یارمن	بوئے ہمیں آید مرا مانا نکہ باشد یارمن
بر باد من پیمود می آن با وفا خمار من	بر باد من پیمود می آن با وفا خمار من
کے یاد من رفت از دلش ای در دل و جان منزلش	کے یاد من رفت از دلش ای در دل و جان منزلش
ہر لحظہ معجونے کند بہر دل بیمار من	ہر لحظہ معجونے کند بہر دل بیمار من

کو نعرهٔ یا بانگیٔ اندر خود سودای من	کو نعرهٔ یا بانگیٔ اندر خود سودای من
کو آفتابی یا مہی مانندهٔ انوار من	کو آفتابی یا مہی مانندهٔ انوار من
امشب درین گفتار ها رمزے ازان اسرار ہا	امشب درین اسرار ہا رمزے ازین اسرار ہا
در پیش بیداران رہ ہندآن دولت بیدار من	در پیش بیداران رہ ہندآن دولت بیدار من
آن پیل بخواب اے عجب چون دید ہندوستان بشب[1]	آن پیل بخواب اے عجب چون دید ہندستان بشب
لیلی درآمد در طلب در جان مجنون دار من	لیلی درآمد در طلب در جان مجنون دار من
صبر از دل من بردهٔ مست و خرابم کردهٔ	صبر از دل من بردهٔ مست و خرابم کردهٔ
کو علم من کو حلم من کو عقل زیرک ساز من	کو علم من کو حلم من کو عقل زیرک ساز من
امشت چه باشد قرنها منشا نداین بارظلی	امشب چه باشد قرنها منشا نداین نارظلی
(ص ۱۵) من آب گشتم از حیا ساکن نشد این نار من	من آب گشتم از حیا ساکن نشد این نار من (ک ۶۱۲)

سپه سالار	دیوان
ہر بشرے که صاف شد در دو جہان دراولی	ہر بشرے که صاف شد در دو جہان دراولی
دید غرض که فقر بد بازنگ الست را بلی	دید غرض که فقر بد بانگ الست را بلی
(ص ۲۰)	(ک ۸۰۵)

حضرت خداوندگار ...... از سر معاملۂ خویش بیان می فرماید، بیض الله وجهه العزیز

بسوزید آتش تقوی جہان ماسوی الله را	بسوزید آتش تقوی جہان ماسوی الله را
(ص ۲۲) بزد برقی والله و بسوزاند تقوی را	بزد برقی والله و بسوزاند تقوی را (ک ۹۹۵)

حضرت خداوندگار ما از صفت آن شراب کلمات بسیار در غزل دیگر بیان میفرماید سقانا الله منهٔ

[1] مولینا نے اس طرح بعض اور اشعار میں بھی ہندوستان کا ذکر کیا ہی،

سپہ سالار	دیوان شمس تبریز
پیش ازان کاندر جہان باغ ومی انگور بود	پیش ازان کاندر جہان باغ ومی انگور بود
از شرابِ لایزالی جانِ ما مخمور بود،	از شرابِ لایزالی جانِ ما مخمور بود
ما ببغداد جہان جانؔ اناالحق میزدیم	ما ببغداد ازل لافؔ اناالحق میزدیم،
پیش ازین کین دار وگیر ونکتۂ منصور بود	پیش ازین کین دار وگیر وفتنۂ منصور بود
(ص ۲۴)	(ک ۲۶۰)
سر قدم کردیم وآخر سوے بیچون تاختیم	سر قدم کردیم وآخر سوے بیچون تاختیم
عالمے برہم زدیم وجست بیرون تاختیم	عالمے برہم زدیم وجست بیرون تاختیم
اولین منزل یکے دریائے پرخون رونمود	اولین منزل یکے دریاے پرخون رونمود
در میانِ موجِ آن دریائے پرخون تاختیم	در میانِ موجِ آن دریاے پرخون تاختیم
چون براقِ عشق عرشی بود زیران ما	چون براقِ عشق عرشی بود زیرِ ران ما
گنبدی کردیم وسوے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم وسوے چرخ گردون تاختیم
فہم ووہم وعقلِ انسان جملگی درره بریخت	فہم ووہم وعقلِ انسان جملگی درره بریخت
چونکہ از شش حد انسان سخت افزون تاختیم	زانکہ از شش حد انسان سخت افزون تاختیم
عالمِ چونؔ را مثال ذرہ ہا برہم زدیم[1]	عالمِ بیچونؔ مثال ذرہ ہا برہم زدیم
تا بہ پیشِ تختِ آن سلطان بیچون تاختیم	تا بہ پیشِ تختِ آن سلطان بیچون تاختیم
(ص ۲۵)	(ک ۵۲۹)
سپہ سالار	دیوان شمس تبریز
سالکانِ قدس را محرم شدم	سالکانِ قدس را محرم شدم

[1] سپہ سالار کا مصرع زیادہ صحیح ہے، اسلئے کہ عالم چون "سلطان بیچون" کے مقابل ہے،

ساکنان قدس را همدم شدم

طارمی دیدم برون از شش جهت

خاک گشتم فرش آن طارم شدم

هر نفس همراه عزرائیل بود،

جان مبادم گر ازو درهم شدم

رو برو با مرگ کردم مرحبا،

تا ز عید مرگ من خرم شدم

گه چو عیسی جملگی گشتم زبان،

گه دلے خاموش چو مریم شدم

بانگ نائے لم یزل بشنو ز من

گر چو پشت چنگ اندر خم شدم

عید اکبر شمس تبریزی که بود،

عید را قربانیٔ اعظم شدم،

(ص ۳۵)

ریگ ز آب سیر شد من نشدم رہی زہے

لایق جز گمان من نیست درین جہان زہی

اگر دلت ببلائے غمش شرح نیست

یقیں بدان که تو در عشق شاه مختصری

ز رنج گنج بترس و ز رنج ہر کس نے

ساکنان قدس را همدم شدم،

طارمی دیدم برون از شش جهت

خاک گشتم فرش آن طارم شدم

هر نفس همراه عزرائیل بود،

جان مبادم گر ازو درهم شدم

رو برو با مرگ کردم مرحبا

تا ز عید مرگ من خرم شدم

گه چو عیسی جملگی گشتم زبان،

گه دلے خاموش چو مریم شدم

بانگ نائے لم یزل بشنو ز من،

گر چو پشت چنگ اندر خم شدم

عید اکبر شمس تبریزی که بود،

عید را قربانیٔ اعظم شدم

(ک ۲۱۱)

ریگ ز آب سیر شد من نشدم زہی زہے

لائق جز گمان من نیست دریں جہان زہی

اگر دلت ببلائے غمش شرح نیست

یقین بدان که تو در عشق شاه مختصری

ز رنج گنج بترس و ز رنج دیگرنے،

کہ خشم حق نہ بود ہمچو کینۂ بشری	کہ خشم حق نہ بود، ہمچو کینۂ بشری
(ص ۲۷)	(ک ۹۶۸)
غم راچہ زہرہ باشد تا نام ما برد	غم راچہ زہرہ باشد تا نام ما برد
دستے بزن کہ از غم و غمخوار فارغیم	دستی بزن کہ از غم و غمخوار فارغیم
مالاف می زنیم تو انکار میکنی	مالاف می زنیم تو انکار میکنی
ز اقرار ہر دو عالم و انکار فارغیم	ز اقرار جملہ عالم و انکار فارغیم
(ص ۲۸)	(ص ۳۰۶)
چنانکہ از رنگ رنجوران طبیب از علت آگاہ شد	چنانکہ از رنگ رنجوران طبیب از علت آگاہ شد
ز رنگ و روئے چشم تو بدنیت پے برد بینا	ز رنگ و روئے چشم تو بدنیت پے برد بینا
ببیند حال دین تو بداند مہر و کین تو،	ببیند حال دین تو بداند مہر و کین تو
ز رنگت لیک پوشاند نگرداند ترا رسوا	ز رنگت لیک پوشاند نگرداند ترا رسوا
نظر در نامہ می دارد وے تا لب نمی خواند	نظر در نامہ می دارد وے تا لب نمی خواند
ہمی داند کزین حال چہ صورت زایدش فردا	ہمی داند کزین حال چہ صورت زایدش فردا
(ص ۲۹)	(ک ۳)
ستارہ ایست خدا را کہ بر زمین گردد	ستارۂ ایست خدا را کہ بر زمین گردد
کہ در ہوائے دلیت آفتاب چرخ بود	کہ در ہوائے دلیت آفتاب چرخ بود
بسا سحر کہ در آید بصومعۂ مومن	بسا سحر کہ در آید بصومعۂ مومن
کہ من ستارۂ سعدم بجوز من مقصود	کہ من ستارۂ سعدم بجوز من مقصود
ستارہ ام کہ من اندر زمین و بر چرخم	ستارہ ام کہ من اندر زمین و بر چرخم

بصد مقام یا بند چون خیال حدود	بصد مقام یا بند چون خیال حدود
(ص ۳۷)	(ک ۲۲۳)

ایک بادشاہ کی تباہی کے حال کی تفصیل کے بعد فرماتے ہیں، در اثنائے آن سماع بر داشتند و این غزل را فرمودند،

نگفتمت[1] مرو آنجا کہ مبتلات کنند	نگفتمت مرو آنجا کہ مبتلات کنند
کہ سخت دست دراز اند بستہ مات کنند	کہ سخت دراز اند بستہ مات کنند
نگفتمت کہ ازان سوئے دام در دانہ است	نگفتمت کہ ازان سوئے دام در دانہ است
چو در فتادی در دام کے رہات کنند	چو در فتادی در دام کے رہات کنند
(ص ۴۳)	(ک ۲۲۶)
درخانہ خمار خرابات کہ دید است	درخانہ خمار خرابات کہ دید است
(ص ۲۰)	(ک ۲۲۸)
گر بشکند این جام من غصہ نیاشایم	گر بشکند این جام من غصہ نیاشایم
جامے دگر آن ساقی در زیر بغل دارد	صد جام دگر ساقی در زیر بغل وارد
	(ک ۲۱۱)

یہ سب وہ اشعار ہیں، جن کے متعلق سپہ سالار کی تصریح نظر سے گذر چکی ہے، کہ یہ سب مولانای روم کے فرمودہ ہیں، اس کے مقابل دیوان شمس تبریز سے منتخب شدہ اشعار بھی پیش نظر ہو چکے ہیں، اب تصفیہ کیا جا سکتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا کا کلام ہے، یا نہیں، بلا خوف تردید جواب اثبات میں ہے،

---

[1] یہ اشعار تصریح کے ساتھ مناقب میں بھی موجود ہیں،

سپہ سالار کا ایک اہم بیان علاوہ ان منتخبہ اشعار کے جو ہم نے اپنے دعوی کے ثبوت میں پیش کیے ہین، سپہ سالار کا ایک اور بیان بھی ہے، جس سے ہمارے دلائل قطعی ہو جاتے ہین،

جب حضرت شمس تبریز دمشق کی طرف روانہ ہوگئے۔ تو وہان سے مولانا کے نام ایک نامۂ ادب روانہ فرمایا۔

"ناگاہ از حضرت مولینا شمس الدین بخداوندگار از محروسۂ دمشق مکتوب آمد، بعد ازان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت باز بسماع شد و کلمات وغزلیات انشار فرمود"

(سپہ سالار ص ۶۶)

دیوان کو دیکھئے تو ایک دو نہیں سیکڑون غزلیات اور ہزارون اشعار اس حال کی ترجمانی کرتے ہین، مثلاً یہ اشعار ملاحظہ ہون،

اے تو جان صد گلستان از سمن پنہان شدی [1] | اے تو جان جان جانم چون ز من پنہان شدی
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چو یوسفی | اے تو آب زندگی چون از من پنہان شدی

آگے چلئے تو اس سے زیادہ پر جوش بیان ہے، مفسدین کی شرارت سے تنگ آکر جب حضرت شمس الدین تبریز دوبارہ غائب ہوگئے، تو مولانا کو بیحد قلق ہوا، اور مولینا نہایت بیتاب و بیقرار ہوئے،

"دران مدت ناگاہ غیبت فرمود، حضرت خداوندگار علی الصباح چون در مدرسہ آمد وخانہ را از ایشان خالی یافت چون ابر بجزوشید و روز و شب در فراق غزلیات ببیان می آوردند" (ص ۹۶ سپہ سالار)

اس غم ہجران کو بصورت شعر دیکھئے۔

مفخر تبریز شمس الحق تو باز آ از سفر | بہر حق بارے دگر ما عاشق دوبارہ ایم

---

[1] انتخاب غزلیات مولینا روم وفرزند مولینا روم قلمی کتبخانۂ آصفیہ حیدرآباد دکن،

اے مونس و غمگسار عاشق، اے چشم و چراغ یار عاشق،

زنہار چہ زیان اگر تو باشی چارہ گر و غم گسار عاشق،

(دیوان شمس تبریز نسخہ ذاتی مطبع منشی نولکشور، ص ۱۹۰)

ز شمس الدین دلا بس دور دوری، ز دوری گوئے ہمچو نفخ صوری،

خود بین در نظم شعرم منگر بہر انکو دیدہ و دل ز عشقش ہست خوں پالائے

زہے چشم مرا حاصل شدہ آئین خونریزی ز ہجران خداوندی شمس الدین تبریزی

(کلیات شمس تبریز لکھنوک ۱۹۱)

مدت دراز کے ہمدم و ہمراز کے اس بیان اور دیوان کے ان اشعار کے بعد اس حقیقت کے اعتراف میں کوئی امر مانع دکھائی نہیں دیتا، کہ دیوان شمس تبریز مولانا کا کلام ہے، مولانا کے سیرت نگاروں میں سپہ سالار کی شہادت قطعی اور آخری ہے،

مثنوی سلطان ولد کی شہادت، سلطان ولد مولینا کے نامور فرزند ارجمند ہین، صاحب علم و عمل ہونے کے علاوہ اہل سخن بھی تھے، شعر میں مولینا ہی کے پیرو ہین، انکو ایک طرف علوم رسمی میں یدطولیٰ حاصل تھا تو دوسری طرف حقائق قدسی سے بھی انکا دامن دولت مالا مال تھا، سپہ سالار[1] کہتے ہین،

"سلطان ولد رضی اللہ عنہ ..... در جمیع علوم رسمی دریاے بیکران بود و در معارف و حقایق قدسی بادشاہی بود بے مثل و نشانہ"

حضرت شمس بھی ان پر نہایت مہربان تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ ظاہر و باطن میں کامل ہوئے،

"حضرت مولینا شمس الدین عظم اللہ ذکرہ در بارۂ ایشان عنایتے تمام فرمودے، در اوقات تجلیات و مناجات از حضرت رب العزت جہت ایشان اعلاے مقامات ولایت

[1] سپہ سالار ص ۷۶، مطبوعہ محمود المطابع کانپور،

بے زحمت کدورت مشقت طلب استدعا فرمودی، لاجرم آن گنج حقایق ودرایکباره حاصل گشت وظاہر وباطن مبارکش ہمہ بنور قدسی مزین شد"

زہے ز نور روان تو چشم جان روشن
زعکس طلعت تو لوح قدسیان روشن

مثنوی سلطان ولد، مولانا ہی کی طرح ان کا ایک دیوان غزلیات اور ایک مثنوی ہے جو مثنوی سلطان ولد کے نام سے مشہور ہے، اس کا ایک قدیم اور صحیح قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن میں محفوظ ہے، یہ مثنوی سلطان ولد کے فرزند سعید کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اور اس نسخہ کی کتابت ان کی وفات[1] کے چھ سال بعد مکمل ہوئی ہے،

خاتمۂ کتاب پر یہ عبارت بالکل اس خط میں ہے جسمیں ساری مثنوی لکھی گئی ہے،

تم کتاب المثنوی المعنوی علی یدی احقر عباد اللہ واضعفہم عثمان بن عبد اللہ عتیق مولانا ابن مولانا المعروف بالولد نور اللہ بنورہ المؤید یوم السبت اربع عشر من شہر شوال سنہ ثمان عشر و سبعمایہ والحمد للہ وحدہ والصلوٰۃ علی رسولہ محمد والہ الطیبین الطاہرین وسلم،

مثنوی میں مختلف مسائل پر انھوں نے مختلف عنوان اور باب قرار دئے ہیں، ایک باب "مراتب قرب اور فرق مدارج وصال" پر بھی ہے، اس عنوان کی عبارت میں مولانا روم کے اشعار بھی درج کئے ہیں "دربیان آنکہ رہروان وواصلان را قرب حق یکسان نباشد چنانکہ مولینا قدس اللہ سرہ میفرماید"

مثنوی سلطان ولد	دیوان
اے بر سر بازاران صد خرقہ بزنارے	اے بر سر بازاران ہر خرقہ بزنارے
وز روئے تو در عالم ہر روے بدیوارے	وز روئے تو در عالم ہر روے بدیوارے

[1] سنہ وفات سلطان ولد ۷۱۲ھ سپہ سالار ص ۱۳۵ (دربیان خلفا حضرت خداوندگار بعنوان سلطان ولد)

ہر ذرہ تو خورشید ہی گویائے انا الحق	ہر ذرہ ز خورشیدت جویائے انا الحق
ہر گوشہ چو منصوری آویختہ برداری	ہر گوشہ چو حلاجست آویختہ برداری
ایں طرفہ کہ از یک خم ہر یک زئے مستند	ایں طرفہ کہ از یک خم ہر یک زمئے مستند
ایں طرفہ کز یک گل در ہر قدمے خارے،	ایں طرفہ کہ از یک گل در ہر قدمے خارے
از عقل گروہے مست بے عقل گروہے مست	از عقل گروہے مست بے عقل گروہے مست
جز عاقل لایعقل قومی دگر اند آری	جز عاقل و لایعقل قومی دگر اند آری
(ورق ۲۳۹ کا صفحۂ ثانی)	(دیوان شمس تبریز ص ۳۶۶)

ان اشعار کے بعد یہ عبارت ہے،

پس در عین وصل و اصلان حق را مقاماتیست، از روے وصل یکسا نیست، و از روے مقامات و درجات مختلف چنانکہ در دنیا پادشاہی را خواص و مقربان باشند لیکن ہر یکے را پیش پادشاہ مقامی باشد یکے اعلیٰ و یکے ادنیٰ یکی اقرب و یکے ابعد چنانکہ مولینا قدس اللہ سرہ میفرمایند"

مثنوی سلطان ولد	دیوان شمس تبریز
گر تو نورِ حق شدی از شوق تا مغرب برد	
زانکہ ما را زین صفت پروای آن انوار نیست	
ور تو سر حق بدانستی بدان سر باش یار	یہ اشعار دیوان میں نہیں ہیں،
زانکہ این اسرار ما را خوئی آن اسرار نیست	
جانے کہ رو این سو کند با بایزید او خو کند	جانے کہ رو آنسو کند با بایزید او خو کند
یا در سنائی رو کند یا بو دہد عطار را	یا در سنائی رو کند یا بو دہد عطار را
(ورق ۲۳۸ کا صفحۂ ثانی)	(دیوان شمس تبریز قلمی ناتمام ۲۱۹ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد)

(باقی)

صوبۂ بہار کے ایک قدیم خانوادہ کے

دینی و علمی خدمات

از مولوی سید محمد طٰہٰ اشرف صاحب امتھوی،

جہان آباد (گیا) اسٹیشن سے سات میل جانب مشرق "امتھوا" نام سے ایک قدیم آبادی ہے، جو بڑے بڑے علما و فضلا کا مسکن رہی ہے، اس امر کا اتبک کوئی ثبوت نہ مل سکا کہ یہ آبادی کس وقت سے قائم ہے، اور یہاں مسلمانوں کا قدم کب پہنچا، لیکن اتنی بات یقینی ہے، کہ یہ جگہ مسلمانوں کو بڑی جانبازیوں اور سرفروشیوں سے حاصل ہوئی تھی، چنانچہ اس علاقہ میں شہداء کے مزار بکثرت ہیں، اور ان میں سے اکثر اکابر علما و صوفیہ ہیں، تاہم شیر شاہ سوری کے عہد کے ایک سنگی کتابہ سے یہ بات پایہ تحقیق کو پہنچ چکی ہے، کہ چار سو چار برس سے بھی پیشتر مسلمان یہاں آباد ہو چکے تھے، یہ کتبہ شیر شاہ کی تعمیر کردہ مسجد کا سنہ تعمیر ہے، جو خط عربی میں پتھر پر کندہ ہے، اس مسجد کا نام و نشان تو مٹ چکا، مگر یہ یادگار باقی اور محفوظ ہے، جو عبارت پڑھی جا سکی، وہ یہ ہے :-

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من بنی اللہ مسجدا بنی اللہ لہ بیتا فی الجنۃ

...... در عہد شیر شاہ سوری بن ..... سوری فی سنۃ خمس و ثلثین و تسع مائۃ

۹۳۵

یوم الاثنین فی شہر شعبان

یہ مردم خیز خطہ اپنے فضائل و کمالات اور فیضان علوم ظاہری و باطنی کے باعث سلاطین ہند کی توجہ کا مرکز رہا، چنانچہ "امتھوا" کو "حضرت" کا خطاب ملا، اور فرامین شاہی میں "حضرت امتھوا" لکھا گیا ہے،

اس صحبت میں خصوصیت کیساتھ میں صرف ایک ایسے علمی خانوادہ کے چند اکابر علما و صوفیہ کا تذکرہ کرنا چاہتا ہون، جس نے کم وبیش تین ساڑھے تین سو برس تک علمی خدمات انجام دی ہیں، اور جسکے چار چار علما و فضلا فتاوی عالمگیری سی مستند اور مشہور کتاب کی جمع و تالیف میں شریک رہے ہین، اور جس کے بعض افراد موجودہ عہد تک دنیاے علم میں ایک خاص امتیاز رکھتے ہین،

یہ عرض کر دینا ضروری ہے، کہ مجھے اس ضمن میں جو کچھ معلومات حاصل ہوئی ہین، وہ تمامتر شاہی فرامین، یا بعض پرانے کاغذات سے، بلکہ میری اکثر تحقیق حضرت مولینا حاجی سید شاہ ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمہ کی قلمی کتاب "شجرۃ الاصل النورانیہ" کے ایک نامرتب اور ناممکل نسخہ کی رہین منت ہے، افسوس کہ خاندانی کتبخانہ کی بربادی کی وجہ سے موصوف کو اپنے اسلاف صالحین کے تحقیقی حالات بہت کم معلوم ہوسکے، اور زیادہ افسوس یہ ہے کہ جو کچھ معلوم ہوئے، وہ بھی تقریبًا ضائع ہوگئے، اسلئے کہ یہ نسخہ بالکل نامرتب اور ردی حال میں ہے،

حضرت مخدوم شیخ بدھ صوفی، پرانے کاغذات اور بعض فرامین شاہی میں آپ کا اسم گرامی بڑی تعظیم سے لیا گیا ہے، مثلاً قدوۃ السالکین زبدۃ العارفین وغیرہ علوم ظاہری و باطنی مین آپ کا کمال مسلمہ تھا، آپ کی خانقاہ مسجد اور مدرسہ ہیں تھا، اور مصارف کے لئے بادشاہ وقت کی طرف سے بڑی بڑی جاگیرین وقف تھیں، آپ صاحب تصنیف و تالیف بھی تھے، اور صاحب طریقت بھی، افسوس کہ کہ اب غالبًا آپ کی کوئی تصنیف موجود نہیں شجرۃ الاصل النورانیہ میں کچھ تذکرہ تھا، وہ بھی کرم خوردہ ہے،

"آنحضرت ہم صاحب تصنیف بودہ وہم صاحب طریق، چنانچہ بعض ...... در طریق در نصیبۂ فقیر در رسیدہ است، ازان ..... کہ در طریقہ عالیہ قادریہ درج سازم ..... فضل و کمالش ہویدا، من شاء فلیرجع الیہا"

(شجرۃ الاصل النورانیہ)

سنہ ولادت اور سنہ وفات کچھ معلوم نہیں، آپ کے زمانہ کی بھی کوئی صحیح تعیین نہیں ہوسکتی، اسلئے کہ خاص آپ کے نام سے جو سندین تھیں ان کا فرامین کے اعتبار سے پتہ نہیں چلا، آپ کے ورثار کے نام سے عہد بعہد بادشاہوں نے جن سندوں کی تجدید کی ہے، وہ سندین موجود ہین، ان سے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ آپ کس عہد میں تھے، جہانگیر کا عہد تو آپ نے یقیناً پایا ہے، اسلئے کہ آپ کی دو ایک سند کی تجدید عہدِ عالمگیری میں ہوئی ہے، اسمیں یہ حوالہ درج ہے:-

"بموجب فرمان عالیشان پیش از جلوس بادشاہ غفران پناہ رضوان درگاہ علیین مکانی حضرت ۔۔۔۔ مرقوم بتاریخ، ار ذی قعدہ ۱۰۳۳ھ موازی چہار صد وسی و پنج بیگہ باد خان قار و باغ از پرگنہ او کری سرکار و صوبہ بہار در وجہ خانقاہ و مدد معاش شیخ بدھ صوفی"

معارف:- اگر "شیخ بدھ صوفی" اور "شیخ بدھ بہاری" دونوں ایک ہی شخصیت ہین، تو ان کا زمانہ معلوم ہے، شیخ بدھ بہاری عہد شیر شاہی کے مشہور بزرگوں میں تھے، تذکرۂ علمائے ہند میں ہے:-

"شیخ بدھ بہاری دانشمندی راسخ وطبیبے حاذق بود کہ شیر شاہ سور از غایت اعتقاد کفش پیش پائے اومی نہاد" (ص ۳۱)

اتھوا میں شیر شاہ سوری کے عہد کی مسجد سے گمان ہوتا ہے، کہ شاید وہ مسجد شیر شاہ نے شیخ کے لئے تعمیر کرائی ہو، صاحب تذکرہ علمائے ہند کے بیانِ کے مطابق شیخ بدھ بہاری کی سکونت قصبہ بہار میں تھی، جو ان دنوں علم کا مرکز تھا، یہان انکی مسند درس بچھی ہوئی تھی، طلبہ دور دور سے آکر درس میں شریک ہوتے تھے، شیخ حسن ابن طاہر جونپوری متوفی ۹۰۹ھ کے والد شیخ طاہر ملتانی تحصیل علم کے شوق میں ملتان سے چلکر بہار پہنچے تھے اور مع اہل و عیال سکونت پذیر ہو کر شیخ کے حلقۂ درس میں شریک ہوئے تھے، (ص ۴۸) شیخ بدھ بہاری کے علمی تعلقات اس عہد کے ممتاز اہلِ علم قاضی شہاب الدین دولت آبادی متوفی ۸۴۹ھ سے قائم تھے، اور ان کی تحریک پر شیخ نے بعض کتابین بھی لکھی تھیں، (ص ۳۱)

"س"

یعنی جلوس شاہجہان سے پہلے ۱۰۳۲ھ عہد جہانگیری میں ایک فرمان کی رو سے آپ کو چار سو پچیس بیگہ اراضی جاگیر میں ملی تھی، ممکن ہو کہ آپ نے اکبر کا بھی زمانہ پایا ہو،

حضرت ملا شیخ کریم اللہ، آپ کے نام کیساتھ غفران پناہ حقائق آگاہ فضیلت دستگاہ کے الفاظ تعظیماً استعمال کئے گئے ہیں، آپ حضرت مخدوم شیخ بدھ صوفی کے وارثوں میں تھے، آپ اپنے عہد کے مشہور ترین بزرگ اور صاحب علم وکمال لوگوں میں گذرے ہیں، درس وتدریس کا سلسلہ بھی تھا، اور تعلیم وارشاد روحانی کا بھی، طالبان حق اور تشنگان علم کا ہمیشہ ایک ہجوم آپ کے گرد رہتا تھا، اسلئے بادشاہوں نے آپ کی مدد معاش اور مصارف مدرسہ وخانقاہ کے لئے مزید جاگیریں عطا فرماکر فکر معاش سے سبکدوش کر دیا تھا تاکہ آپ باطمینان خاطر ہدایت خلق میں مصروف رہیں، اور بیش از بیش علمی خدمات انجام دیتے رہیں، سنہ وصال اور سنہ ولادت معلوم نہیں، غالباً آپ نے شاہجہان اور عالمگیر دونوں کا وقت دیکھا ہے،

ملک العلما سلطان العرفا حضرت میران محی الدین قلندر قادری آپ اپنے عہد کے مشاہیر علما وفضلا اور صاحب کمال بزرگوں میں گذرے ہیں، آپ کا سلسلۂ نسب دسویں پشت میں حضرت سیدنا و مولینا عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ تعالی سے ملتا ہے، حضرت مولینا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ آپ کے بھانجے اور مسترشد تھے، مزید حالات کچھ نہیں معلوم ہو سکے،

حضرت مولینا محمد شفیع آپ عہد عالمگیری میں بڑے پایہ اور بلند رتبہ کے بزرگ گذرے ہیں، آپ کا علم وکمال مشہور خاص وعام تھا، بادشاہ عالمگیر کو آپ سے خاص عقیدت تھی، خود شاہزادگان والاتبار شرف قدمبوسی کے لئے آپ کے آستانہ پر حاضر ہوئے تھے" شجرۃ الاصل النورانیہ" جو کم وبیش آج سے پچاس سال قبل کی تصنیف ہے، لکھا ہے،

" واز فرزندان خواجہ ما خواجہ محمود غزنوی مولینا ما اشتہار عام دارند، پادشاہ عالمگیر

رجوع با وداشت، و فرزندان وے برائے زیارت وے رسیدہ بودند، بدعوت او کہ کرامت عجیبہ ظاہر گردیدہ، و کرامات ظاہرہ و تصرفات باہرہ او کہ تا این زمان دیدہ ..... اظہر من الشمس ہستند، چہ حاجت کہ مدحت وے کنم، کورچشمان را ہم نصیبہ از افادہ عام وے حاصل است، مگر عقیدہ و شرط است، منکران بدبختان را از محروم جہان چہ عقیدہ است، کہ آنحضرت نصیبہ باشند، ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم، چشمۂ آفتاب را چہ گناہ "

آپ کے آبا و اجداد میں حضرت خواجہ محمود غزنوی برادر خالاتی حضرت بندہ نواز سید احمد گیسو دراز ابن سید یوسف حسنی، دہلوی، اپنے وطن بغداد کو چھوڑ کر غزنی تشریف لائے اور وہاں سے سرہند پھر دہلی، اوسکے بعد بہار میں آکر مقیم ہو گئے،

"و ہم از بعضے فرزندان خاندان خواجۂ ما خواجہ محمود غزنوی کہ بطریق سیاحت و سفر مخصوص بہ نیت زیارت حضرت مولوی معنوی مولینا محمد شفیع قدس اللہ سرہم القدسی درین علاقہ بہار رسیدہ بودند، واصل ایشان از سرہند بود، چنان ہم بہ تحقیق پیوستہ کہ حضرت ایشان از حضرت بغداد بغزنی نزول فرمودند، و از آنجا بسرہند، و از انجا بدہلی، و از انجا بحضرت بہار بہار نمودند کہ بعضے از ایشان ہم در سرہند اقامت دارند، و بعضے در دہلی، چنانچہ مسجد کلانی معروف بہ کالی مسجد کہ در دہلی الی یومنا ہذا بر دروازۂ ترکمان واقع است، بنا کردۂ بزرگان این خاندان است، انتہی، عجب نیست کہ ہمچنیں باشد، چراکہ در خانہ فقیر ہم نزول فرمودن ایشان از بغداد در غزنی، و از انجا بدہلی، و از آنجا در جوار فیض آثار حضرت بہار و ہم آمد و رفت قاصد بطرف مغرب بجانب منتسبان این خاندان تا بعہد جدی امجد بار سال نقود و ہدایا حسب معہود سابق مسموع و منقول است،" (شجرۃ الاصل النورانیہ)

حضرت مخدوم الملک مخدوم شرف الدین احمد یحیی منیری سے اور حضرت خواجہ محمود غزنوی سے ملاقات بھی ہوئی، چنانچہ حضرت مخدوم الملک کے بعض خطوط میں آپ کا تفصیلی تذکرہ ہے، اور بعض میں اجمالی،

حضرت خواجہ محمود غزنوی کا سلسلۂ نسب حضرت خلیفہ ثالث عثمان ذی النورین رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، چنانچہ فرمان شاہی کی پشت پر آپ کو شیخ عثمانی لکھا گیا ہے، لیکن ازدواجی تعلقات حضرت خواجۂ خواجگان خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت نظام الدین، اولیا، اور حضرت سیدنا عبد القادر رحمہم اللہ تعالی اجمعین کے خاندان سے قائم رہے، "شجرۃ الاصل النورانیہ" میں اس پر وضاحت سے روشنی ڈالی گئی ہے :۔

از بعضے فرزندان دختری حضرت خواجہ کلانی خواجۂ ما خواجہ محمود غزنوی العثمانی چنان هم باستماع رسیده، که از خاندان ایشان و فرزندان حضرت خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ بزرگ که در موضع مخدوم پور خانوه جوار لہسہ یعنی جتی نگر، علاقہ عظیم آباد اقامت میدارند، ارتباطے جزئیہ بوده است، چنانچہ راوی که مشرف بفرزندی خواجہ بزرگ حضرت خواجہ ہند الولی بوده، اظہار نسبت نواسگی، خود بخاندان خواجۂ ما خواجہ محمود غزنوی بارتباط قدیم ہر دو خاندان بحوالہ تذکرۂ بزرگان خود مینمود، واللہ اعلم، من این قدر دانم که نسبت قرابت خاندان مولانائے ما با بعضے بزرگوار اجلۂ خاندان چشت اہل بہشت که صاحب خانقاه و مدرسه در موضع امتھوا بودند، بوده، چنانچہ سند نذر مرمت معتبرۂ مصارف خانقاه و مدرسه و کفاف فرزندان شان موجود دارم که انشاء اللہ آنرا مع سند دیگر بزرگوار خاندان حضرت محبوب الٰہی و خاندان حضرت غوث الاعظم در خاتمۂ ایں رساله مجملاً بیان می کنم؛"

حضرت خواجہ محمود غزنوی موضع جگن بیگہ میں اقامت پذیر ہو گئے تھے، جو اس زمانہ میں ریاست ظاہری و باطنی میں مسلمہ اور مشہور جگہ تھی، لیکن اب وہان کی آبادی موضع فیروزی (جہان آباد ضلع گیا) میں منتقل ہو گئی ہے، اور آپ کا مزار مبارک کوٹھری بھوکری متصل تلہاڑا (ضلع پٹنہ) میں ہے

"حضرت خواجہ کلانی خواجہ ما خواجہ محمود غزنوی بر بگہ کوٹھری بھوکھری متصل تلہاڑہ ضلع عظیم آباد جانب جنوب از تلہاڑہ آسودہ ہستند، چنانچہ کاتب الحروف ہم از زیارت سراپا رحمت وعافیت ایشان مشرف گردیدہ است، الحمد للہ علیٰ ذلک، وآن مزار فیض آثار مرجع ہنود و کفار، و مسلمانان آن جوار است، ولکن ہر یکے از نام واقف نیست، بنام مخدوم صاحب مشہور است، یزار و یتبرک،

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما"

(شجرۃ الاصل النورانیہ)

حضرت مولوی محمد شفیع جدی سلسلۂ نسب کے اعتبار سے شیخ عثمانی ہین، لیکن آپ کا ننہالی سلسلۂ نسب گیارہوین پشت میں حضرت سیدنا عبد القادر رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے، اس حیثیت سے آپ حسنی اور حسینی بھی ہین،

آپ نے علوم ظاہری کی تکمیل کہان فرمائی، یہ تو معلوم نہیں، لیکن علوم باطنی اور تعلیم روحانی ملک العلما سلطان العرفا، فرد الاولیا حضرت میران محی الدین قلندر قادری رحمہ اللہ تعالیٰ سے جو آپ کے ماموں اور جلیل القدر عالم و صوفی تھے، حاصل فرمائی، ممکن ہے، آپ نے انھیں سے کچھ تحصیل علوم ظاہری بھی کیا ہو،

آپ کا سنہ وفات اور سنہ ولادت بھی معلوم نہیں، لیکن مشہور عالم و صوفی و شاعر مولینا عبد العلیم صاحب آسی گورکھپوری، حضرت مولینا سید شاہ ظہور الحسن صاحب قادری علیہ الرحمۃ کے وقت

میں یہاں آئے تھے، تو مرزا مبارک پر بھی حاضر ہوئے، اور دیر تک مراقبہ میں رہے، وہ آپ کے علو مرتبت کا حال پہلے سے جانتے تھے، چنانچہ انھوں نے اپنے خاندانی سفینہ ملفوظات گنج رشیدی کے حوالہ سے کچھ تذکرہ لکھوا دیا تھا، وہ درج ذیل ہے:-

"ملفوظہ، ملا محمد شفیع ساکن اتھوا کہ عمر یکصد و یک سالہ داشتہ اند، در شادی میر مہدی پسر حضرت میر محمد باقر پٹنوی قدس سرہ و حضرت پیر دستگیر تشریف بردہ بودند بحضور پیر دستگیر یعنی حضرت قطب عالم ابی الکشف بدر الحق قدس سرہٗ گفتند کہ فقیرے صاحب کمال نزد قطب الاقطاب یعنی حضرت قطب عالم و حضرت ابی الکشف بدر الحق آمدہ بود و گفت از شما خدا خواہد پرسید کہ ازین جہان چہ تحفہ آوردید چہ خواہید گفت، اول قطب الاقطاب گریہ بسیار نمود، بعد ازان فرمود دست ارشد را خواہم گرفت و پیش خدا خواہم برد کہ ہمیں را آوردہ ام، سبحان اللہ ملاحظہ باید نمود، کہ پیر و مرشد وے در حق وے چنیں فرمودہ"،

عبارت گرچہ خبط ہے، اور کوئی مضمون صاف سمجھ میں نہیں آتا، لیکن یہ بات ثابت ہے، کہ آپ نے ایک سو سال سے بھی زیادہ عمر پائی، اور یہی تواتر اور توارث سے منقول ہے، اور فرامین شاہی کی جمع و تطبیق سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے،

آپ کی تاریخ وفات ۱۱ر شوال المکرم ہے، کیونکہ زمانہ قدیم سے اسی تاریخ میں آپ کا سالانہ عرس ہوتا ہے،

آپ کے متعلق یہ روایت چلی آتی ہے، کہ آپ دربار شاہی میں معلم اور اتالیق کی حیثیت سے تھے، لیکن اس کا کوئی تحریری ثبوت نہیں ملتا، آپ کے دست مبارک کا لکھا ہوا ایک سفینہ ہے جس میں آپ نے سفینۃ الاولیاء سے کچھ نوٹ کرنے کے بعد لکھا ہے "کہ منقول از سفینۃ الاولیاء، دارا شکوہ

پادشاہ زادہ" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید آپ کو دربار شاہی سے کوئی تعلق رہا ہو،

آپ کو بادشاہوں کی طرف سے "مولوی معنوی" کا خطاب ملا تھا، چنانچہ ایک فرمان میں جسپر مختلف عہد کے بادشاہوں کی تیرہ مہریں ہیں، یہ عبارت درج ہے:۔

"بدستور قدیم ممنوعہ درگاہ علائق ..... حضرت فضیلت وکمالات دستگاہ مولوی معنوی ملا محمد شفیع سلمہ اللہ تعالیٰ، معاف شد۔"

حضرت سلطان اورنگزیب عالمگیر غازی نے آپ کی قدردانی کے ثبوت میں، مختلف فرامین کے ذریعہ آپ کی خانقاہ اور مدرسہ کے خرچ کیلئے بڑی جاگیریں عنایت فرمائیں، اور ایک چھوٹی سی مسجد اور اس سے ملحق ایک چھوٹا سا حجرہ آپ کی عبادت کے لئے تعمیر کر دیا تھا، جو ابتک موجود ہے گرچہ تباہ حال ہے،

آپ کی تصنیفات سے کوئی چیز موجود نہیں، دست برد زمانہ نے آپ کی اور اس خاندان کے دیگر علما، و فضلاء کی تصنیفات اور دوسرے قیمتی نوادر کو ضائع کر دیا، صرف آپ کا ایک زندہ جاوید علمی کارنامہ آپ کے علم و کمال کی یادگار کہا جا سکتا ہے، اور وہ فتاوی عالمگیری کی جمع و تالیف میں آپ کی شرکت ہے،

حضرت سلطان اورنگزیب عالمگیر نے جمع و تالیف فتاوی عالمگیری میں آپ کی خدمات بھی حاصل کی تھیں، پہلے ایک روپیہ بارہ آنہ یومیہ وظیفہ مقرر تھا، پھر یومیہ وظیفہ کے عوض ایک سو تین بیگہ اراضی پرگنہ اوکری میں عطا ہوئی، جس کی سند شاہی موجود ہے، اور جسکی پشت پر تفصیل سے ان باتوں کا ذکر ہے، اور یہ جائداد بھی ابتک آپکے خاندان میں بفضلہ موجود ہے:۔

"شرح یادداشت واقعہ، اور سنہ بست و ہشتم شہر رجب ۱۵ سنہ جلوس والا موافق ۱۰۹۵ھ برسالہ سیادت و نقاہت پناہ شرافت و نجابت دستگاہ سزاوار عنایت پادشاہی عالی

مرحمت شاہنشاہی صدر رفیع القدر رضویخان و نوبت واقع نویسی کمترین بندگان
درگاہ خلائق پناہ میرزا بیگ قلمی می گردد، کہ بعرض مقدس معلی رسید کہ بموجب فرمان
والاشان سعادت لسان مرقوم تاریخ ۲ ربیع الاول ۱۰ جلوس مبارک مبلغ
یک روپیہ .... بطریق یومیہ ہر سال ہر دو جنس معاف از خزانہ برکات سعادت،
بشرط جمع فتاوی عالمگیری بہمراہی شیخ وجیہ الرب مرحوم در وجہ معاش شیخ محمد شفیع
ولد شیخ شریف محمد مقرر بود، و تا فی الحال در حکم علی العلوم یومیہ مذکور برطرف گشتہ،
مشار الیہ بحلیہ فضیلت آراستہ است، وجمعے کثیر وابستہ دارد، امید وار است حکم جہان
مطاع عالم مطیع صادر شد، کہ موازی یک صد وسی بیگہ زمین افتادہ لائق زراعت
خارج جمع از پرگنہ اوکری، سرکار وصوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم
واگر در محلے دیگر چیزے داشتہ باشد آنرا اعتبار نکنند و یومیہ مذکور را برطرف شمارند،
واقع، ۲ جمادی الاولی ۱۵ بموجب تصدیق یادداشت قلمی شد، شرح خط سیادت
ونقاہت پناہ شرافت ونجابت دستگاہ صدر رفیع القدر رضویخان کہ داخل واقع
نمایند، شرح بخط واقع نویس مطابق واقع است، شرح بخط زبدۂ ارباب ارادت
خلاصۂ اصحاب عقیدت مقرب آنحضرت الخاقانیہ منظور الانظار السلطانیہ، شجاعت
وشہامت پناہ جلادت وبسالت دستگاہ شائستہ انواع عنایات .... سزاوار اصناف
مراحم پادشاہی بخشی الملک اسدخان کہ بعرض مکرر رسانید، شرح بخط فضائل پناہ
کمالات دستگاہ شیخ .... رمضان ۱۶ جلوس مکرر بعرض رسید، شرح بخط
زبدۂ ارباب ارادت خلاصۂ اصحاب عقیدت بخشی الملک کہ فرمان عالیشان قلمی
نمایند، از ربیع اوائل شرح ۱۴ یومیہ بموجب فرمان عالیشان باسم محمد شفیع بشرط

جمع فتاوی عالمگیری مقرر بود، بعدہٗ دریں ولا از پرگنہ اوکری سرکار و صوبہ بہار مرحمت شد"

آپ غالباً عہدۂ قضا پر بھی رہے سند قضا تو موجود نہیں لیکن ایک دستاویز پر یہ لکھا ہوا ہے کہ

"بمُہر قاضی محمد یوسف و ملا محمد شفیع" قاضی محمد یوسف قاضی شاکر صاحب کے والد تھے، اور آپکے پوتے

قاضی محمد صابر صاحب کی شادی مولوی معنوی کی پردتی سے ہوئی"

کسی نے آپ کے نام کا سجع کہا ہے، ؎ "مراد دو عالم محمد شفیع"

ملا وجیہ الرب، آپکے حالات کچھ بھی معلوم نہ ہوسکے، بجز اسکے کہ جمع فتاوی میں حضرت مولوی معنوی کیساتھ

آپ بھی شریک تھے، فرمان شاہی میں آپ کا نام بھی مندرج ہے،

حضرت مولینا سید محمد فائق، آپ حضرت مولوی معنوی مولینا محمد شفیع علیہ الرحمہ کے سمدھی اور آپکے

جلیل القدر صاجزادے حضرت مولینا قاضی بدیع الزمان صاحب علیہ الرحمۃ کے خسر تھے، آپ بھی جامعین

فتاوی میں ایک رکن کی حیثیت رکھتے ہین، آپ کے نام سے علحدہ سند ہے، آپ کو ۲؎ یومیہ وظیفہ ملتا

تھا، پھر ایک سو پچاس بیگہ زمین لائق زراعت جاگیر میں ملی، آپ سندی سید تھے، فرامین شاہی

میں آپ کو سید تسلیم کیا گیا ہے، آپ کی سند کا مضمون بھی تھوڑے اختلاف کیساتھ وہی ہے،

"شرح یادداشت واقعہ روز جمعہ ششم شہر ذی قعدہ ۱۱ سنہ جلوس والا موافق ۱۰۷۸ھ

مبلغ دو نیم روپیہ ۲؎ بلا قصور یومیہ ہمراہ ملا محمد اکرم در وجہ مدد معاش سید محمد فائق ولد سید محمد شائق

بشرط جمع فتاوی عالمگیری عوض یومیہ مذکور یکصد و پنجاہ بیگہ زمین افتادہ لایق زراعت از

پرگنہ ایکل سرکار و صوبہ بہار در وجہ مدد معاش او مرحمت فرمودیم"

ملا محمد اکرم، جامعین فتاوی میں حضرت مولینا سید محمد فائق صاحب کیساتھ آپ بھی شریک رہے،

مزید حالات کچھ معلوم نہ ہوسکے

حضرت مولینا قاضی بدیع الزمان، آپ حضرت مولوی معنوی مولینا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ کے جلیل القدر

صاحبزادے ہیں، جو علم و عمل میں اپنے والد بزرگوار کے قدم بقدم اور صحیح معنوں میں ان کے جانشین تھے، علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے والد بزرگوار سے فرمائی، اور ان کے بعد مسند رشد و ہدایت پر جلوہ افروز ہوئے، درس و تدریس علم و عمل کی گرم بازاری آپ کے عہد میں بھی ویسی ہی رہی، سابقہ جاگیروں کے علاوہ بادشاہوں نے مزید جاگیریں عنایت فرمائیں، ایک سند میں مذکور ہے :-

شرح حسب الحکم الاعلیٰ بمہر حملۃ الملک مدار المہام نظام الملک بہادر فتح جنگ سپہ سالار مرقوم ششم ربیع الثانی ۵ سنہ اینکہ رفعت پناہ کفایت دستگاہ خواجہ ابو الفتح خان محفوظ باشند، درین ولا وکیل فضیلت پناہ تقوی شعار شیخ محمد بدیع بعرض اقدس اعلیٰ رسانید کہ موضع مراہی[1]، در دبست عملہ پرگنہ اوکری سرکار و صوبہ بہار کہ یکصد و بست و پنج زوع حاصل آنست، بموجب پروانہ صفی خان جاگیردار در وجہ مدد معاش موکل با فرزندان مقرراست، امید وار است کہ حکم والد درباب معافی موضع مزبور بآن رفعت پناہ نگارش رود لہذا حسب الحکم الاعلیٰ قلمی می گردد کہ موضع مسطور بموجب پروانہ جاگیردار مزبور بشرط تبغی و تصرف تصدق فرق معرف او واگذاشتہ معاف و مرفوع القلم شمارند، کہ حاصل آنرا صرف معیشت نمودہ، بدعاگوئی دوام دولت ابد مدت اشتغال نماید،

شاہ
محمد غازی
فدوی بادشاہ
در امتحان سنہ ۶

عرصہ تک آپ عہدۂ قضا پر بھی مامور رہے، سند قضا موجود ہے،

کسی نے آپ کے نام کا سجع کہا ہے، ع یا مظہر العجائب بالخیر یا بدیع، (باقی)

---

[1] اب یہ موضع موڑہاری کے نام سے موسوم ہے، اور آپ کے خاندان کی زمینداری میں موجود ہے،

اقبال نامۂ جہانگیری کی جلد اول و دوئم

از

ازجناب عبد الغفور صاحب بی لے (لندن) ایم لے ایس سی علیگ مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

اقبال نامۂ جہانگیری محمد شریف معتمد خاں بخشی کی تصنیف ہے، جو عہدِ جہانگیری میں مختلف جلیل القدر عہدوں پر فائز رہا ہے، محمد شریف ایران کے ان گمنام لوگوں میں سے تھا، جو وارد ہندوستان ہوکر فلک رفعت کا ستارہ بنکر چمکا، آغاز حال میں شہزادہ سلیم کا مقرب ہوا، پھر سال سوم جہانگیری میں خطاب معتمد خان سے سرفراز ہوا، مدت تک احدیون کا بخشی رہا، سنہ ۹ جلوس میں عساکر شاہی کا بخشی مقرر ہوا، سنہ ۱۰۲۹ میں جہانگیر کے ہمراہ کشمیر گیا، اور راستے ہی میں شاہی میزبانی کا فخر حاصل کیا، جس پر جہانگیر نے خوش ہوکر منصب ہزار و پانصدی اور پانچ سو سوار عطا فرمایا، کشمیر سے مراجعت کے دوران میں خدمتِ عرض پر مقرر ہوا، سنہ جلوس شاہجہانی کے دوسرے سال بخشی دوئم مقرر ہوا، اور سالِ دہم میں میر بخشی اور منصب چار ہزاری و دو ہزار سواری سے عزت پائی، سنہ شاہجہانی کے تیرہوین سال ۱۰۴۹ھ میں دنیاے فانی سے دار البقا کو کوچ کیا[1]،

مصنف نے اقبال نامہ جہانگیری کو تین جلدوں میں تقسیم کیا ہے، جلد اول میں خاقان گیتی ستان اکبر کے آبا و اجداد کی تاریخ ہے، جو اکبر نامہ سے کچھ تصرف کرکے لکھی گئی ہے،

جلد دوئم میں اکبر کے آغاز جلوس سے سنہ وفات تک کے حالات درج ہین، جلد سوئم میں جہانگیر

[1] دیکھو مآثر الامرا، مطبوعہ کلکتہ جلد سوئم ص ۴۳۱ تا ۴۳۴،

کے ایامِ سلطنت کا تذکرہ ہے،

مکمل کتاب کا نام دیباچہ کی مفصلہ ذیل عبارت سے مترشح ہوتا ہے،

"چون این تالیف بنام نامی آن حضرت زیب دفتر یافتہ باقبال نامۂ جہانگیری موسوم گشت"[1]

پس کلکتہ ایڈیشن کا نام سرورق پر اقبال نامۂ جہانگیری جلد سوم ہونا چاہئے تھا"

تاریخ اقبال نامۂ جہانگیری کئی لحاظ سے اہم ہے،

اوّل جہانگیر نے خود مصنّف کو تاریخ نویسی کے عہدے پر مقرر کیا تھا، توزک جہانگیری پہلے پہل تو بادشاہ نے خود سترہویں سال تک لکھی، پھر معتمد خاں کو حکم دیا کہ مسودہ حالات تیار کرکے بادشاہ سے اصلاح لے لیا کرے، اس طریق پر ۱۹ سال تک کے حالات تحریر کیے گئے،[2]

دوسرے اس نے دیباچے میں ایسے ماخذ گنائے ہیں، جو آج کل مفقود ہیں، مثلاً خواجہ عطا بیگ قزوینی کی تاریخ،

تیسرے اوس نے جو احتیاط واقعات تاریخی حاصل کرنے میں استعمال کی ہے، قابلِ ستائش ہے، وہ لکھتا ہے:-

"در تحقیق سوانح و تصحیح وقائع شرائطِ احتیاط بواجبی رعایت کردم وآنچہ برای العین مشاہدہ افتادہ بود، بے زیادت ونقصان مسودہ می نمودم وآنچہ پیش از زمان آگاہی این فقیر گذشتہ بود، تحقیقاتِ شیخ (ابو الفضل) را با نوشتہ شیخ نظام الدین احمد وخواجہ عطا بیگ مقابلہ نمودہ، بہ تصحیح مردم ثقہ وکہن سالان راست قول رسانیدہ در سلکِ تحریر کشیدم"[3]

---

[1] دیباچہ صفحہ ۲ [2] توزک جہانگیری، اقبال نامہ جلد سوم، [3] دیباچہ ص۳۔

مسٹر بیورج کے اکبر نامہ کے ترجمۂ انگریزی سے معلوم ہوتا ہے، کہ زمانہ اکبر کے حالات کی تفصیل اور ابو الفضل کی منشیانہ تحریر کی شرح کے لئے اقبال نامہ جلد دوم کی کسقدر ضرورت ہے، چوتھے عہد اکبری کے آخری چار سالون کے لئے یعنی ۱۰۱۰ھ سے ۱۰۱۴ھ تک اقبالنامہ اکیلی ہی مستند تاریخ ہے، طبقات اکبری توصرف ۱۰۰۲ھ تک ہے، اور ملا بدایونی بھی ۱۰۰۴ھ تک کے حالات درج کرتے ہین، ابو الفضل کا قتل ۱۰۱۱ھ مین ہوا، جس واقعہ سے کچھ پہلے ہی ابو الفضل کا اکبر نامہ کی تصنیف سے تعلق ختم ہوچکا ہے، تکملہ اکبر نامہ کو جو عنایت اللہ نے ۱۰۲۷ھ میں لکھا کوئی ہمعصرانہ اہمیت نہیں دی جاسکتی،

پانچوین اقبال نامہ میں نہ صرف عہد جہانگیری ہی کے مستند اور معتبر حالات درج ہین، بلکہ عہد اکبری کے چند واقعات کا بھی مصنف عینی شاہد ہے، اگرچہ مآثر الامرا کے مصنف نے یہ لکھا ہے کہ محمد شریف پہلے پہل جہانگیر کا ملازم ہوا، اور ڈاکٹر ڈینی سن راس نے بھی فہرست بانکی پور میں اسکی تائید کی ہے، مگر اقبال نامہ کے متن کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ محمد شریف جو ابھی تک معتمد خان نہ ہوا تھا، دربار اکبری میں حاضر ہوتا تھا، ابو الفضل کے قتل کو سن کر اکبر کے دل پر جو صدمہ گذرا ہے اسکو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، لکھتا ہے،

"راقم اقبالنامہ مکرر بچشم خود دیدہ کہ آنحضرت را این قصہ ہرگاہ بیاد آمدے، آہ بے اختیار کشیدہ دست بر سینہ مالیدے"[1]

نیز مصنف دیباچہ میں بہ تصریح لکھتا ہے، کہ اس کتاب میں خاقان گیتی ستان سے مراد اکبر ہے[2]، اگر کتاب کے مسودات اکبر کی وفات کے بعد لکھے جاتے، تو ضرور اکبر کے بجائے فردوس آشیانی لکھا جاتا،

---

[1] جلد دوم لکھنؤ صفحہ ۸۰۴ [2] دیباچہ ص۳،

اتنی اہمیت کے باوجود اب تک علمائے تاریخ نے اس کتاب سے خاص شغف کا اظہار نہیں کیا ہے، سرسید مرحوم نے اپنی توزک جہانگیری کے سرورق پر کتاب کا دوسرا نام اقبال نامۂ جہانگیری لکھدیا ہے مسٹر ونسنٹ اسمتھ مصنف اکبر دی گریٹ نے اپنے ماخذون میں اقبال نامہ کا ذکر تک نہین کیا اور انھون نے عہد اکبری کے اخیر چار سالون کے لئے اپنا ماخذ تکملۂ اکبر نامہ جسکو وہ غلطی سے ہمیشہ تکمیل اکبر نامہ لکھتے ہیں، اور ڈو ژارک عیسائی پادری کی یادداشت کو بنایا ہے،

اقبال نامہ کی تینون جلدون میں سے جلد سوئم جس کا تعلق جہانگیر کے ایام حکومت سے ہے، عام طور پر ملتی ہے، ہندوستان اور یورپ کے کتبخانون میں اسکے متعدد قلمی نسخے ہین، بنگال ایشیاٹک سوسائٹی نے اسکو بہ تصحیح مولوی عبدالحی و مولوی احمد علی صاحبان ۱۸۶۵ء میں چھاپا، اور ۱۹۳۰ء میں دار الطبع جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن سے اس کا ایک اردو ترجمہ بھی شائع ہوا ہے،

مگر بقول علمائے تاریخ اس کتاب کی جلد اول و دوئم بے حد نادر اور کمیاب ہین، پروفیسر ڈینی سن راس نے فہرست بانکی پور میں لکھا ہے، کہ اقبال نامہ کی پہلی دو جلدین بے حد کمیاب ہین[1] ریو نے بھی پہلی جلد اقبال نامہ کو بہت کمیاب لکھا ہے[2]، نیز پروفیسر بنی پرشاد نے بھی اپنی کتاب اے ہسٹری آف جہانگیر میں پہلی دو جلدون کی کمیابی کی تصریح کی ہے[3]،

بوڈلین کیمبرج اور بنگال سوسائٹی کے کتب خانون میں صرف جلد سوئم کے قلمی نسخے موجود ہین، بانکی پور میں جلد اول و دوئم کا صرف ایک مکمل نسخہ موجود ہے، مگر اس پر کوئی سنہ کتابت درج نہیں ہے، جلد اول کے ایک اور نسخہ پر بھی کوئی سنہ کتابت نہیں ہے[4]،

انڈیا آفس مین جلد اول و دوئم کا ایک مکمل نسخہ موجود ہے، جس پر کوئی سنہ ہجری درج نہین، بلکہ دس ربیع الاول ۱۹ سال جلوس رقم ہے، اس سے ایتھے نے یہ استنباط کیا ہے، کہ یہ غالبًا جلوس عالمگیری کو

---

[1] فہرست بانکی پور جلد ہفتم ص ۶۰، [2] ریو جلد سوئم ص ۹۲۲، [3] بنی پرشاد ص ۴۴۵، [4] فہرست بانکی پور جلد ہفتم صنہ تا صنہ،

لہذا سنہ کتابت ۱۱۸۰ھ ہوا، مگر ممکن ہے کہ یہ سنہ جلوس محمد شاہ یا شاہ عالم گیر ثانی کا ہو، جنھوں نے ۱۵ سال سے زیادہ حکمرانی کی ہے، اس بنا پر ۱۱۸۰ھ کو حتمی طور پر سنہ کتابت قرار نہیں دیا جا سکتا، انڈیا آفس کی جلد دوم پر کوئی تاریخ درج نہیں ہے[۱]، علی ہذا القیاس برٹش میوزیم کے جلد اول و دوم کے مکمل نسخوں پر بھی کوئی سنہ کتابت درج نہیں ہے[۲]،

علی گڑھ لائبریری کے عبد السلام سکیشن میں جلد اول و دوم و سوم کے اچھے نسخے موجود ہیں، جن پر واضح طور پر سنہ کتابت ۱۱۰۳ھ مطابق ۳۵ جلوس عالمگیری در بلدہ جونپور لکھا ہوا ہے، خط صاف اور پڑھنے کے لائق ہے، کاغذ سفید اور پتلا ہے، ہر جلد پر یہی سنہ کتابت اور مقام درج ہیں، اور تینوں نسخے ایک ہی کاتب کے لکھے ہوئے ہیں، جلد سوم کا ایک اور نسخہ نہایت پاکیزہ خط میں لکھا ہوا ہے مگر اس پر کوئی سنہ کتابت درج نہیں ہے،

اسی لائبریری میں مکمل اقبال نامۂ جہانگیری کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے، جس کو نولکشور پریس لکھنؤ نے ماہ ذی قعدہ ۱۲۸۶ھ مطابق ماہ فروری ۱۸۷۰ء میں چھاپا ہے، اس میں جلد اول و دوم و سوم سب مکمل طور پر شائع کی گئی ہیں،

جلد اول در ذکر اجداد خاقان گیتی ستان صفحہ ۲ سے ۱۲۴ تک جلد دوم صفحہ ۱۲۵ سے ۱۵۰ تک اور جلد سوم صفحہ ۱۱۵ سے ۱۸۶ تک چھپی ہوئی ہے، اخیر میں تسلیم سہسوانی کی تقریظ اور قطعات تاریخ ہیں، تعجب کی بات ہے، کہ ان فاضل علمائے تاریخ پروفیسر راس، ریو یا بینی پرشاد نے کیوں اس کتاب کا مطالعہ نہیں کیا، راس صاحب نے تو فہرست بانکی پور میں یہ جملہ ایزاد بھی کیا ہے، کہ جلد سوم عام طور سے ملتی ہے، اور یہ لکھنؤ میں ۱۲۸۶ھ میں چھپ چکی ہے، فاضل مستشرق کا اشارہ نولکشور کے مطبوعہ نسخے کی طرف ہے مگر یہ محض جلد سوم ہی نہیں، بلکہ تینوں جلدوں کا مکمل مطبوعہ نسخہ ہے،

---

[۱] فہرست انڈیا آفس کالم ۱۲۱ تا ۱۲۳، [۲] ریو جلد سوم صفحہ ۹۲۲ تا ۹۲۳،

ڈاکٹر راس اسی ضمن میں لکھتے ہین، کہ اقبال نامہ کے مصنف نے دیباچہ میں لکھا ہے، کہ اس نے یہ کتاب کشمیر مین ۱۰۲۹ھ مطابق ۱۵ سنہ جلوس جہانگیری میں مکمل کی، مگر دیباچے کے مطالعے سے یہ بات ظاہر نہین ہوتی، مصنف نے صرف یہ تصریح کی ہو کہ اس نے اس سنہ میں پرانے مسودات کو نظر ثانی کے بعد بیاض مین ترتیب دیا، نیز حالات ۱۰۲۹ھ تک ختم بھی نہیں ہوتے، بلکہ جلد سوئم کا اختتام ۲۶ جمادی الاول ۱۰۳۷ھ کو ہوتا ہے، جس دن شاہجہان اجمیر سے واپس ہوکر دار الخلافت اکبر آباد میں شاہانہ شان و شوکت سے داخل ہوا،[۱]

معارف:۔ کتب خانہ بانکی پور کی فارسی تواریخ ہند کی فہرست کے سلسلہ میں ڈاکٹر ڈینی سن راس کا نام لینا شاید صحیح نہ ہو، یہ فہرست مولوی عبد المقتدر صاحب نے ترتیب دی ہے، اور راس صاحب نے صرف اس کام کی نگرانی کی ہے،

[۱] اقبال نامہ جلد سوئم کلکتہ ص ۳۰۵،

رقعات عالمگیر

اورنگزیب عالمگیر کے خطوط و رقعات جو زمانۂ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہین، اس جلد میں جمع کئے گئے ہین، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۲۰۹ صفحات، چھپائی، لکھائی، کاغذ، بالخصوص ٹائٹل، نہایت دلفریب، قیمت :۔ ے ر

مقدمہ رقعات عالمگیر

اسمیں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغہ انشاء کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہین، لکھائی، چھپائی، کاغذ نہایت عمدہ، ضخامت ۸۰ ۴ صفحے قیمت :۔ للعہ ر

منیجر

تلخیص و تبصرہ

چین میں مسلمانوں کی موجودہ حالت

قاہرہ کی جمعیۃ الرابطۃ الاسلامیہ نے جو ۱۹۲۷ء میں قائم کی گئی تھی، تمام دنیا کے مسلمانوں کے حالات پر خطبات کا انتظام کیا ہے، اس سلسلہ کی پہلی کڑی اسی انجمن کی مجلس عاملہ کے ایک چینی رکن محمد ماچین کے وہ دو خطبے ہیں، جو موصوف نے چینی مسلمانوں سے متعلق جولائی ۱۹۲۷ء میں دیئے تھے، اور جواب ایک مستقل رسالہ کی شکل میں "چین میں اسلام کی تاریخ اور چینی مسلمانوں کے حالات پر ایک مبسوط نظر" کے عنوان سے شائع ہو گئے ہیں، ان خطبات میں مندرجۂ ذیل دس ابواب قائم کئے ہیں:-

(۱) اسلام کب اور کیونکر چین میں پہنچا، (۲) اسلام اور چینی مذاہب کا موازنہ، (۳) اسلام سے متعلق چین کے بڑے بڑے آدمیوں کی رائیں (۴) چینی مسلمانوں کی مذہبی حالت، (۵) تعلیمی او رتمدنی حالت (۶) سیاسی حالت، (۷) اقتصادی حالت، (۸) معاشرتی حالت (۹) چینی مسلمانوں کے انحطاط کے اسباب اور انکا علاج (۱۰) الازہر، قاہرہ کے مقابلہ میں چینی تبلیغی انجمنوں کا مطالعہ،

چینی مسلمانوں کی مذہبی حالت، چین کے مسلمان فاصلہ کی درازی کے باعث دنیاے اسلام سے بالکل علحدہ رہتے آئے ہیں، لیکن خدا کے فضل سے ان کے مذہبی عقائد اپنی اصلی شکل میں محفوظ ہیں، اور ان پر عوام کی توہم پرستی یا چین کے دوسرے مذہبی فرقوں کا اثر نہیں پڑا ہے، وہ اولیاء اللہ کی کرامتوں کے قائل ہیں، مگر ناقص تعلیم کی وجہ سے وہ ان اولیاء کو تقرب الی اللہ کا وسیلہ نہیں بنا سکتے، وہ اپنے ولیوں کو مسلمانوں کے قبرستانوں میں جو پہاڑوں میں واقع ہیں دفن کرتے

ہین، ان کے مقبرون پر کتبے نہیں ہوتے، قبرون پر لوگ صرف جمعہ کے روز اور رمضان کی پہلی تاریخ کو جاتے ہین، اور قرآن مجید کی تلاوت کرکے ایصالِ ثواب کرتے ہین،

چینی مسلمان النسفی کی شرح العقائد کا نہایت احترام کرتے ہیں، وہ ان تمام باتون کو جو اس کتاب کے خلاف ہون مسترد کردیتے ہین، یا کم از کم شبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، وہ سب لوگ مذہب حنفی کے پیرو ہیں، پنج وقتہ نماز مسجد میں جماعت کیساتھ ادا کرتے ہین، گھر مین نماز پڑھ لینے کی ان کے ہان مطلق اجازت نہیں، وہ سردی اور بارش کے موسم میں بھی فجر کی نماز کے لئے علی الصباح لالٹین لے کر مسجدوں کو جاتے ہوئے دکھائی دیتے ہین، نماز میں قرآن پاک کی آیتیں عربی زبان میں تلاوت کرتے ہین، خواہ مفہوم ان کی سمجھ مین نہ آئے، اذان اور جمعہ کا خطبہ بھی عربی زبان میں ہوتا ہے، جو عموماً سمجھ میں نہیں آتا، اس کی تلافی کے لئے امام جمعہ کی نماز سے پیشتر یا بعد میں چینی زبان میں بھی خطبہ دیدیتا ہی،

رمضان کے مہینہ میں مرد، عورت، اور بچے سب روزہ رکھتے ہیں، ان کا عقیدہ ہے کہ توبہ اور عبادت بہ نسبت اور مہینون کے رمضان میں زیادہ قبول ہوتی ہے، یون نان کے صوبہ مین رمضان کے مہینہ مین نمازی افطار کے لئے مسجد کے دروازہ پر غروب آفتاب سے کچھ پہلے اکٹھا ہوجاتے ہین، اور مغرب کی نماز کے بعد ایک دوسرے کو اپنے گھرون پر کھانے کی دعوت دیتے ہین، بعض صوبون میں روزہ دار ساتھ بیٹھکر مسجد ہی میں کھا لیتے ہیں، اس کھانے کے مصارف کچھ دولتمند احباب ادا کرتے ہین، اور کچھ خود دسترخوان میں شرکت کرنے والے مسافروں سے کچھ نہیں لیا جاتا،

ادنچے مذہبی ادارون کے طلبہ، مسافرون، اور بوڑھون کی مدد کا بڑا ذریعہ آمدنی زکواۃ کی رقم ہی قربانی کے جانورون کی کھالوں اور صدقات کی رقم سے بھی جو مسجدون کے صندوقچون میں جمع ہوتی رہتی ہے، کچھ آمدنی ہوجاتی ہے، یون نان کے صوبہ میں مسلمانون کاشتکار اپنی پیداوار کا دسوان حصہ طلبہ کے اخراجات کیلئے خوشی سے دیدیتے ہیں،

فاصلہ کی درازی، سفر کی دشواری اور اخراجات کی زیادتی کی وجہ سے چینی مسلمان حج کے لئے بہت کم جاتے ہیں، تاہم ان مشکلات کے باوجود بعض لوگ سفر حج کے لئے روپیہ جمع کر لیتے ہیں، اور وہ حجاز پہنچکر اس رقم میں سے صدقہ بھی کرتے ہیں، اور اپنے علمی اداروں کے کتب خانوں کیلئے مذہبی کتابیں بھی خرید لاتے ہیں، ہر سال تقریبًا ایک سو آدمی حج کے لئے جاتے ہیں، ان میں زیادہ تر صوبہ قنصو کے ہوتے ہیں،

۵۔ تعلیمی اور تمدنی حالت، چین میں اسلامی تہذیب پست حالت میں ہے، اگر آپ کسی چینی مسلمان سے آنحضرت صلعم کی زندگی، آپ کے اخلاق، اور اسلام کے بنیادی حقایق و قوانین کی نسبت سوال کریں تو آپ کو تشفی بخش جواب نہ ملے گا، اسکے اسباب حسب ذیل ہیں :-

(۱) عربی زبان کی دشواری (۲) تعلیم کے ناقص طریقے، (۳) اسلام پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان کے ترجموں کی کمی، (۴) کتب حوالہ کی کمیابی، (۵) اپنے دوسرے ہم مذہبوں سے چینی مسلمانوں کی دوری (۶) دوسرے مسلمانوں کی بے پروائی،

چینی مسلمان عربی زبان کا احترام جو قرآن و حدیث کی زبان ہے، اپنی قومی زبان سے بھی زیادہ کرتے ہیں، تاہم وہ اسے یورپی زبانوں سے بھی زیادہ مشکل پاتے ہیں، مذہبی تعلیم کے ناقص نظام سے زبان کی دقت اور طلبہ کی بددلی اور بھی بڑھ جاتی ہے، مسلمان بچے مسجدوں کے مدرسوں میں چند سال تک تعلیم پاتے ہیں، وہاں وہ ہجے کرنا، اور کلمہ طیبہ سیکھنے کے بعد قرآن پاک کی سورتیں حفظ کرتے ہیں، اس تعلیم سے فارغ ہو کر کچھ لڑکے زراعت شروع کر دیتے ہیں، اور کچھ تجارت، بقیہ ثانوی مدارس میں چلے جاتے ہیں، جہاں وہ اشتقاق الفاظ، صرف و نحو، اور اسکے متعلقات سیکھتے ہیں، بہت سے لڑکے کافی استعداد پیدا ہونے سے قبل ہی گھبرا کر پڑھنا چھوڑ دیتے ہیں، جو طلبہ ثانوی تعلیم ختم کر لیتے ہیں، وہ اعلیٰ مدارس میں داخل ہو جاتے ہیں، جہاں وہ پانچ بڑی کتابیں پڑھتے ہیں، اس نصاب کی مدت

طویل ہوتی ہے، اور بہت کم لڑکے اسے دس سال میں ختم کرتے ہیں، اگرچہ حال میں اس نصاب میں کچھ تخفیف بھی کر دی گئی ہے، جب کوئی طالب علم قابل اطمینان طور پر اپنی کتابیں پوری کر لیتا ہے، تو عید الفطر یا عید الاضحیٰ کے روز اساتذہ اسے مسجد میں سب کے سامنے آہونگ کی سند دیتے ہیں، جو شیخ کے مترادف ہے، اور فارسی لفظ آخوند سے ماخوذ ہے،

اس نصاب تعلیم کے متعدد نقائص ہیں، مثلاً سلسلۂ درسیات کی درازی، جو مذہبی تعلیم دیجاتی ہے، اس کا کافی نہ ہونا، عربی زبان سے بہت تھوڑی واقفیت، طلبہ میں زیادہ اونچے درجوں کی کتابوں کے سمجھنے کی لیاقت نہیں ہوتی، اور نہ وہ عموماً اپنا مفہوم تحریر یا تقریر کے ذریعہ اہل عرب کو سمجھا سکتے ہیں، دوسری طرف وہ خود اپنی قومی زبان میں بھی کمزور رہ جاتے ہیں، اور علاوہ ان کے جنھیں اسلامی اداروں میں تعلیمی یا تبلیغی کام مل جاتے ہیں، اکثر اپنے لئے کوئی وسیلۂ معاش حاصل کرنے سے بھی عاجز رہتے ہیں،

یون نان کے مسلمان قائدوں نے یہ حالت دیکھکر اپنے صوبہ کے پایۂ تخت یون نان فو کی سب سے بڑی مسجد میں ایک مدرسہ علوم عمرانی قائم کیا ہے، جس میں مذہبی علوم اور جدید مضامین کے علاوہ عربی چینی اور انگریزی زبانوں کی تعلیم بھی ہوتی ہے، اسی طرز پر تین اور مدرسے بھی پیکنگ، شنگھائی اور ہرجوان میں قائم کئے گئے ہیں، طلبہ چینی اور انگریزی زبانوں اور جدید سائنس میں بہت تیزی کیساتھ ترقی کر رہے ہیں، لیکن عربی زبان اور دینیات میں وہ قدیم اسلامی مدارس سے ابھی تک پیچھے ہیں، جسکی وجہ یہ ہے کہ مدت محدود اور مضامین متعدد ہیں، نیز عربی اور دینیات کی تعلیم کی طریقے اب تک ویسے ہی ناقص ہیں، جیسے پہلے تھے، اس مدرسہ کے مہتمم صاحبان معیار کو بلند کرنے کی کوشش کر رہے ہیں

علماء کا مبلغ علم محدود ہے، مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے ان کی واقفیت مذہب کے بنیادی اصول، فقہ، علم کلام، اور مذہبی لٹریچر سے متعلق کافی نہیں ہے، اسی لئے ان کے وعظ اور خطبے زیادہ تر

اسرائیلی روایات پر مبنی ہوتے ہیں، جن لوگوں نے غیر مذہبی تعلیم حاصل کی ہے، وہ اگر مذہبی مسائل یا اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، تو انھیں ان موضوعون پر کافی کتابیں نہیں ملتیں، کیونکہ تفسیر حدیث اور فقہ کی کتابون کے ترجمے موجود ہی نہیں ہین،

چین میں عربی کتابیں پہلے قلمی ہوتی تھیں، اور طلبہ اپنی ضرورت کے مطابق اُن سے نقل کر لیتے تھے، سب سے پہلے عربی کتابیں جو چین میں طبع ہوئین، وہ مانیو کو کے لکڑی کے ٹائپ کی چھپی ہوتی تھین، باہر سے عربی کی کتابیں صرف پچھلے تیس برس میں آئی ہیں، ان میں زیادہ تر قسطنطنیہ اور بمبئی سے آئی ہین، اور حال میں کچھ مصر سے بھی آئی ہیں، چین میں کوئی عربی کتبخانہ نہین ہے، اور عربی کتابیں گران قیمت ہین،

جمہوریت کے قیام تک چینی مسلمانون نے غیر مذہبی تعلیم سے دلچسپی نہیں لی، اس کے بعد انھون نے چینی کلچر کی ضرورت محسوس کی، اور مسجدون اور ملک کے مختلف حصّوں میں ابتدائی مدارس قائم کرنے شروع کئے، ان مدارس کی تنظیم سرکاری مدارس کے طرز پر کی گئی ہے، پھر وزارت تعلیم کی منظوری سے ایک ثانوی مدرسہ پیکنگ میں اور دوسرا ہون نان میں قائم کر دیا گیا، ان مدارس کا بڑا نقص یہ ہے، کہ ان میں نہ تو مذہبی تعلیم ہوتی ہے، اور نہ اسلامی آداب و ارکان کی پابندی کی جاتی ہے،

ساحل کے چینی مسلمان اہل عرب و ایران کی اولاد ہین، اور شمالی چین کے مسلمانوں کے مورث مشرقی ترکستان اور ایران کے رہنے والے تھے، یہ لوگ نقل مکان کر کے چین میں آباد ہو گئے، مگر ان کے تعلقات اپنے اصلی وطنوں سے عرب تاجرون کے ذریعہ جو چینی بندرگاہوں میں آیا کرتے تھے، قائم رہے، لیکن گذشتہ پانچ صدیون میں مشرق بعید سے عربون کی تجارت بند ہو جانے سے چینی مسلمان اپنے غیر ملکی بھائیون سے منقطع ہو گئے،

چینی حجاج عربی زبان میں گفتگو نہیں کر سکتے تھے، اور نہ انھیں اسلامی حکومتوں کی مذہبی تمدنی اور سیاسی تحریکون سے آگاہی تھی،

جنگ عمومی کے دوران میں چینی مسلمانون نے جب سنا، کہ مسلمان عیسائیوں کے مقابلہ میں فتحیاب ہوئے ہیں، توانھون نے اپنی مسرت کا اظہار کیا، لیکن جب انھیں اطلاع ملی کہ واقعہ برعکس ہے تو ان کو یقین نہ آیا، اور وہ سمجھے کہ یہ خبر عیسائیون کی اُڑائی ہوئی ہے، وہ سعد زاغلول، عبدالکریم، مصطفیٰ کمال، ابن سعود، محمد علی، رضا خان، اور دوسرے مشہور لیڈرون سے ناواقف تھے، جب غازی مصطفےٰ کمال نے اپنے دشمنون پر فتح پائی تو چینی مسلمانون نے ان کی بہت کچھ تعظیم وتکریم کی، اور یونان میں بعض خطیبون نے ان کے نام کے خطبے بھی پڑھے، لیکن جب اونھون نے خلافت کو منسوخ کر دیا، اور ترکی حکومت کو ایک غیر مذہبی حکومت بنا دیا، توخطبون مین انکا ذکر بھی موقوف ہوگیا، آج خطبون میں صرف مشرق ومغرب کی ملتِ اسلامیہ کے لئے دعا کیجاتی ہے،

مجھے یقین ہے، کہ اگر دنیاے اسلام نے چینی مسلمانون کی طرف کچھ بھی توجہ کی ہوتی، تو آج اس مضرت رسان علٰحدگی کا وجود نہ ہوتا، اور نہ چین میں اسلامی کلچر اتنی پستی تک اوترآتا، ہم نے علماے کرام مین سے کسی کو چین میں سیاحت کرتے نہیں سنا، جس طرح وہ سال بسال مختلف جماعتون مین یورپ یا امریکہ کی سیاحت کرتے رہتے ہین،

شیخ عبدالرحمٰن وانگ ہاؤلان نے استنبول جاکر سلطان عبدالحمید خان ثانی سے ملاقات کی اور سلطان نے ۱۹۰۶ء میں ان کو شیخ علی رضا اور شیخ حسین حافظ کے ساتھ ایک مشن پر روانہ کیا، یہ شیوخ پکنگ کی مسجد ننگ جیہ میں درس دیتے تھے، مگر نہ معلوم کس وجہ سے زیادہ نہیں ٹھہرے، نتیجہ یہ ہوا کہ چینی مسلمانون کو کچھ زیادہ فائدہ نہیں پہنچا، یہ حال کا پہلا تعلق تھا، جو اس طویل علٰحدگی کے بعد قائم ہوا تھا، لیکن دونون شیوخ کے ترکی واپس چلے جانے پر یہ تعلق پھر منقطع ہوگیا،

اس کے بعد شاہ فواد نے چین کے اسلامی کلچر کی طرف توجہ کی، اور شیخ عبدالرحیم ماسنگ ٹنگ کی درخواست پر الازہر کے دو شیوخ کو چین جانے کا حکم دیا، یہ حضرات اس وقت پاپنگ کے مسلم نارمل اسکول میں درس دے رہے ہیں، اور طلبہ چین کے ہر حصہ سے آکران درسون میں شریک ہوتے ہین،

چینی اور ایرانی حکومتون کے درمیان ایک دوستانہ اور تجارتی معاہدہ ہو گیا ہے، اور ایک ایرانی قنصل چین میں بلایا گیا ہے، ترکی اور چین کے درمیان بھی ایک معاہدۂ اتحاد جلد ہونے والا ہے، چینی مسلمانون اور ان کے غیر ملکی بھائیوں کے درمیان کامل اتحاد کچھ بہت دور نہین ہے،

۷- سیاسی حالت اس حصہ مین مصنف نے دسویں صدی سے انیسویں صدی عیسوی تک کی چینی مسلمانون کی سیاسی حالت پر تبصرہ کیا ہے، اور دکھایا ہے، کہ انھیں کس حد تک آزادی حاصل ہے، اور ان کے کتنے بڑے آدمیون نے سلطنت کی خدمت کی، یہ بھی دکھایا ہے کہ سترہوین اور انیسوین صدیوں میں مسلمانوں کی طرف سے جو بغاوتیں رونما ہوئین، وہ تشدد مذہبی کے سبب سے نہ تھیں، بلکہ خاندان منچو کے سیاسی انقلاب کا نتیجہ تھیں،

جب جمہوریہ قائم ہوئی تو دستور حکومت میں اعلان کیا گیا کہ چینی قوم پانچ ملتون پر مشتمل ہے، جن کی رعایت سے قومی علم مین پانچ رنگ رکھے گئے ہیں، جمہوریہ نے پانچوں ملتون کے لئے مذہبی آزادی اور مساوات قائم کی، مسلمانوں کو اس وقت تک اپنے مذہبی یا دنیوی مفاد کے تحفظ کا موقع بہت کم ملتا تھا، سات سال کے اندر حکومت نانکنگ نے اس علم کو منسوخ کر دیا، اور اوس کے بجائے ایک دوسرا علم جاری کیا، جس میں صرف تین ہی رنگ تھے، گورنر نے اعلان کیا کہ اگر غیر چینی ملتیں چینی قوم سے علٰحدہ ہو کر آزادی اور خودمختاری حاصل کرنا چاہین گی، تو اون

کی مدد کی جائے گی، حکومت نانکنگ کے نزدیک خاص چین کے مسلمان اصلی ہان (چینی) ہیں اور ان میں اور بقیہ ہان میں مذہب کے سوا اور کوئی فرق نہیں، اس مسئلہ پر مسلمانوں میں دو جماعتیں ہو گئی ہیں، ایک حکومت کی ہم خیال ہے، اور دوسری اوس کی مخالف، اکثریت موخر الذکر ہی کی ہے،

"حکومت نانکنگ نے اپنی اس خواہش کا بھی اعلان کیا تھا، کہ چین میں اسلام کی روشنی خود بخود پھیلتی رہے، اور مسلمان اور قوم ہان کے درمیان شادیاں ہوتی رہیں، لیکن خدا کو یہ منظور نہ تھا، مسلمانوں کا دینی جذبہ اُن کے قومی جذبہ سے زیادہ قوی ہے، جہاں وطن پرستی مذہب کے مخالف نہیں ہوتی، وہاں وہ اپنے ملک کے فدائی ہوتے ہیں لیکن جہاں دونوں جذبات کا تصادم ہوتا ہے، وہاں وہ اپنے مذہب ہی کے وفادار ہوتے ہیں، حکومت چین کا برتاؤ اپنی مسلمان رعایا کے ساتھ اچھا ہے لیکن وہ ہمارے مذہب کو چین میں فنا کر دینا چاہتی ہے" "ع ز"

پروفیسر پاولو

حال میں روس کے مشہور سائنس دان پروفیسر پاولو (PAVLOV) نے ستاسی سال کی عمر میں وفات پائی، یہ ۱۸۴۹ء میں وسطی روس کے ایک قصبہ میں پیدا ہوئے تھے، ان کے والد گاؤں کے ایک غریب پادری تھے، ۱۸۷۹ء میں انھوں نے طب کی سند حاصل کی، اس کے بعد انھوں نے عضویات کو اپنا خاص موضوع بنا لیا، اور اسکی تحقیق میں مصروف ہوگئے، رفتہ رفتہ ان کے اہم انکشافات کی بنا پر ان کی شہرت تمام دنیا میں پھیل گئی، ان کی تحقیقات میں زیادہ اہم وہ ہیں، جو انھوں نے زندہ جانور اور خصوصاً کتوں سے متعلق کیں، یہ انھی کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ انسان اور کتے کے دماغ میں بہت سی باتیں مشترک ہیں، اور کتے کا نظام عصبی بھی بنیادی طور پر ویسا ہی ہے، جیسا انسان کا، کتا بھی انسان

کی طرح اپنے خیالات میں تلازم پیدا کر سکتا ہے، وہ بھی اپنے میلانات کو روک سکتا ہے، اس میں بھی اپنے کو دوسرون سے فروتر سمجھنے یا دوسرون کے مقابلہ میں جارحانہ اقدام کرنے کا جذبہ پیدا ہو سکتا ہے، عضویات یا جسم و دماغ کے تعلقات پر مشکل سے کوئی کتاب ایسی ملے گی جسمیں پروفیسر پاولو کے تجربات کا حوالہ نہ ہو، موجودہ طب بہت بڑی حد تک ان کی مِین منت ہے،

پاولو کا طرز معاشرت بہت سادہ تھا، انکی تقریبًا تمام عمر اپنے معمل اور گھر ہی کے درمیان ختم ہوگئی، بولشیوزم سے ان کو نفرت تھی، ۱۹۱۷ء کے دورِ انقلاب میں نیز اس کے بعد بھی وہ اپنے خیالات کا اظہار نہایت بے خوفی سے کرتے تھے، باوجود اس کے حکومتِ روس نے ہمیشہ ان کا احترام کیا، اور سوویٹ روس میں غالبًا وہی ایک شخص تھے، جن کو اپنے اصلی خیالات کے اظہار کی اجازت تھی، انقلاب کے زمانہ میں جب وہ روس سے چلے جانے کا قصد کر رہے تھے، تو لینن نے ان کو روکنے کے لئے حتی الامکان تمام سہولتیں پیدا کر دیں انھون نے اس آزاد خیالی کو آخر وقت تک قائم رکھا، ان کے علمی خدمات کے صلہ میں حکومتِ روس اونھیں دو ہزار پونڈ سالانہ وظیفہ دیتی تھی، اور انکی ۸۰ وین سالگرہ کے موقع پر ان کے معملون کی آراستگی کے لئے دس ہزار پونڈ عطا کئے تھے،

(ج - ل) "ع ز"

چینی مسلمان

چین سے مسلمانون کا تعلق آغاز اسلام سے رہا ہے، اس زمانہ میں بھی کرورون مسلمان وہان آباد ہین، وہان کے مسلمانون کے مستند مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی حالات۔ ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے ہندوستانی زبان میں لکھے ہین، کہ مسلمانانِ ہند اپنے ان دورافتادہ بھائیون کے حالات سے آگاہ ہون ضخامت ۲۴۲ صفحے قیمت صرف ۱۲؍

"منیجر"

اخبار علمیہ

موسمی نظام

موسم کی تبدیلیان ایک ایسے نظام پر مبنی ہین، جو پیچیدہ ہونے کے علاوہ حد درجہ وسیع بھی ہی، یہ نظام کوئی مقامی چیز نہیں ہے، بلکہ تمام روے زمین پر پھیلا ہوا ہے، اور اس کا عمل ہوا کی ایک موٹی تہ مین جاری جسکی دبازت تقریباً چھ میل ہی، اسی لئے موسم کی تبدیلیوں کے متعلق پیشین گوئی کرنا آسان نہیں ہے، یہ صحیح ہے کہ علمای حوادث الجویہ (meteorologists) بری اور بحری مرکزون کی اطلاعات کی بنا پر یہ معلوم کرسکتے ہین، کہ فلاں فلاں مقام پر ہوا کے بڑے بڑے پہاڑ ہیں جن میں سے ہر ایک کا وزن لاکھوں ٹن ہے، اور فلان فلان مقام سے ہوا کھنچ کر چلی گئی ہے، جس کی وجہ سے ان خطوں کا دباؤ کم ہوگیا ہی، وہ ہوائی طوفانون کی سب سے آخری حرکتوں کو بھی معلوم کرسکتے ہین، اور ان کی مدد سے کسی قدر قیاس کرسکتے ہین، کہ آیندہ موسم کی حالت کیا ہوگی، لیکن ان کی مثال اس جنرل کی سی ہے، جو اپنے جاسوسون کے ذریعہ دشمن کی نقل وحرکت کو دریافت کرسکتا ہے، اور اسکی آیندہ نقل وحرکت معلوم کرنے کے لئے صرف اپنے پچھلے تجربہ کی بنا پر قیاس کرسکتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ علم حوادث الجویہ (meteorology) ابھی تک ایک تجربی علم ہے، اور چونکہ اس علم پر ہنوز کافی عبور حاصل نہیں ہوسکا ہے، اسلئے کسی بعید مستقبل کے موسم کی پیشین گوئی کرنی بہت ہی دشوار ہے، موسمی نظام فضا میں چھ میل کی بلندی تک پھیلا ہوا ہی، جب تک اس خطہ کے حالات کافی طور پر معلوم نہ ہون گے پیشین گوئی کی دشواریان پوری طرح حل نہ ہوسکینگی، اس مسئلہ میں فن ہوا بازی کی ترقی سے بہت کچھ مدد ملنے کی توقع ہے، موسم کے تغیرات میں سب سے بڑا حصہ

کلام کیفی

از مولینا کیفی چریاکوٹی،

ہے تجھ سے مجھے دوری، ہو مجھ سے تجھے دوری | ہے تیری یہ مختاری، ہو میری یہ مجبوری
وہ نام زبان پر ہے، اس در پہ ہے سر اپنا | یہ کوشش فرہادی، وہ شیوۂ منصوری
برباد تمنا سے اُس ماہ کو کیا نسبت؟ | ہم خاک کے پتلے ہیں اک شکل ہو نوری
ہر طرز تغافل میں انداز توجہ ہے، | پردے میں تصور کے دیدار ہے مہجوری
جب مزد کی خواہش ہے کیا فرض ادا ہوگا | ہر سجدہ ہے بیگاری، ہر خیر ہے مزدوری
ہان بہر طلب میرے اب ہاتھ نہیں اٹھتے | ہے میری تن آسانی میرے لیے معذوری
آنسو بھی اُمنڈتے ہیں دیتا ہے لہو دل بھی | وہ جوش ہے طوفانی، یہ زخم ہے ناسوری
بے کیف حرم والے کیوں حال مرا تو پوچھیں | لب کھلنے نہیں دیتی جب لذت مخموری
اب پاؤں کے چکر سے منزل کو بھی گردش ہے | بڑھتی ہو جو نزدیکی ہو جاتی ہے وہ دوری
لب بند، کھلیں آنکھیں، اور کیف کی ہیں موجیں | اب دل ہی میں رہتا ہے کل بادۂ انگوری

ہے کچھ بھی نہیں کیفی جو کچھ بھی ہو وہ تو ہے،
اے تیری یہ مختاری، اے میری وہ مجبوری

جام صہبائی

از جناب عبد السمیع صاحب پال اثر صہبائی وکیل سیالکوٹ

دریائے وجود میں ہے تو گوہر حق، | میخانۂ دہر میں ہے اک ساغر حق،
انسان جھکاتا ہے مال و زر کے آگے، | یعنی در باطل پہ جھکا ہے سر حق

لب پر تیرے نعرۂ صدائے حق ہو (۲) ہر قول و عمل ترا برائے حق ہو،
باطل ہے یہ بتخانۂ اسباب مجاز اے دوست تو بندۂ خدای حق ہو،

ہر چیز کو چھوڑ دے، بجز دامنِ حق (۳) صد خلد در آغوش ہے برگ چمنِ حق،
ہر اشک ترا ہو نورِ حق سے روشن تیرا دلِ بے قرار ہو مخزنِ حق،

ہر شے ہے فنا پذیر جز جلوۂ حق، (۴) ہر نغمہ ہے شورِ خام جز نغمۂ حق،
ہر کیف و سرور کا ہے انجام خمار بے رنج و غم خمار ہے بادۂ حق،

ہنگامۂ روح و جان ہی حق کی مستی، (۵) سیل یم بیکران ہے حق کی مستی،
گو تلخ ترین ہے حق کی مے اے ہمدم خوش باش کہ جاودان ہی حق کی مستی،

کیا موجِ فنا ہے کیا ہے، ساحل یارب (۶) کیا دشتِ بلا ہے! کیا ہے منزل یارب!
حق بیں ہو نگاہ اور حق کوش ہو دل دے مجھکو تمیزِ حق و باطل یارب!

حق دوست ہو حق نگر ہو حق کوش رہو، آگاہ خدا ہو، خود فراموش رہو!
ہشیار تمیزِ حق و باطل کے لئے، ! اور میکدۂ حق میں بلا نوش رہو!

مختصر تاریخ ہند

عام تاریخوں میں زیادہ زور دہلی کی مرکزی سلطنت پر صرف کیا گیا ہو لیکن اس ملک کے مختلف گوشوں میں مختلف زمانوں میں جن اسلامی خاندانوں نے حکومت و فرمانروائی کی مورخین نے ان کی طرف چنداں اعتنا نہیں کیا اس مختصر تاریخ ہند میں دہلی کی مرکزی سلطنت کے علاوہ محمد بن قاسم کے حملۂ سندھ سے لیکر سلطنتِ مغلیہ کے زوال تک جتنی حکومتیں قائم ہوئیں، اور جتنے خاندانوں نے فرمانروائی کی، ان سب کے حالات اچھی طرح بیان کئے گئے ہیں، شروع کے چند صفحات میں ہندو عہد کی تاریخ بھی نہایت اجمال و اختصار کیساتھ پیش کیگئی ہو زبان بہت سادہ اور عام فہم ہو یہ اس قابل ہو کہ ہندوستان کے تمام مدارس میں پڑھائی جائے، ضخامت ۲۰۰ صفحات، قیمت پتہ "منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

المختار من شعر بشار

مرتبہ مولانا بدر الدین صاحب علوی معلم عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ

بشار بن برد، خلیفہ مہدی عباسی کے درباری شاعروں میں سے تھا نسل اور نسب کے رو سے عجمی تھا، اسکے آبا و اجداد طخارستان (بلخ کے قریب) کے قریب کے رہنے والے تھے۔ اسلامی حملوں کے زمانہ میں وہ پکڑ کر عراق گئے۔ بصرہ میں رہے، اور عقیلی خاندان میں پرورش پاکر آزادی پائی۔ یہ یونانی شاعر ہومر کی طرح مادرزاد اندھا تھا، اور اس کے باوجود بڑا شاعر تھا، بلکہ عربی زبان کے نئے شعراء (محدثین) کی صف میں اسکا نمبر سب سے اول ہے، ۱۶۷ھ میں مہدی کے وزیر یعقوب کی ہجو کے جرم میں کوڑوں کی سزا پاکر مرگیا،

اس کے اشعار میں مضامین کی جدت، تشبیہات کی ندرت، اور خیالات کی نزاکت ہوتی ہے، اسی لئے اسکے دیوان کی شہرت عام ہے، مگر افسوس ہو کہ وہ تمام و کمال ہم تک نہیں پہنچا، سیف الدولہ حمدانی کے زمانہ میں چوتھی صدی میں موصل کے ایک گاؤں خالدیہ کے رہنے والے دو فاضل بھائی تھے جو خالدیین کہلاتے تھے، یہ دونوں مل کر علمی کام سرانجام دیا کرتے تھے، دونوں شاعر تھے، اور سیف الدولہ کے کتبخانہ کے مہتمم تھے، ان دونوں نے ملکر بشار کے دیوان کا ایک انتخاب کیا تھا، جو اہل ادب کو بہت پسند آیا تھا۔ ملک مغرب (قیروان) کے ایک ادیب ابوطاہر اسمٰعیل بن احمد نے پانچویں صدی ہجری میں

اس انتخاب کی شرح لکھی، دنیا میں اس شرح کا ایک ہی نسخہ حیدرآباد دکن کے کتبخانۂ آصفیہ میں تھا،

ہمارے ملک میں عربی ادب جس کس مپرسی میں ہے، وہ ظاہر ہے، اور عربی کے ایسے ادیب جو قصیدہ گوئی کے علاوہ عربی ادب کی کوئی قابل وقعت خدمت انجام دے سکین، شاید ہی دو چار ہون، انہی دو چار میں ہمارے کرمفرما مولانا محمد بدرالدین علوی صاحب ہیں، جو مسلم یونیورسٹی میں عربی زبان کے معلم ہین، مولینا ہمیشہ کچھ نہ کچھ کرتے رہتے ہین، اسی سلسلہ میں ان کی نظر حیدرآباد کے اس نادر نسخہ کی طرف متوجہ ہوئی، یہ نسخہ ساتوین صدی کا لکھا ہوا ہے، اسلئے اس کا خط قدیم طرز کا ہے جسکو مولینا نے محنت کرکے پڑھا، نسخہ کو صحیح کیا، کتابت میں جو صدہا شعر بشار کے اور دوسرے عربی شعرا کے تھے، ان کو دوسری کتابون میں تلاش کرکے اون کے حوالے لکھے، اصل کتاب کے بعض اغلاط درست کئے، جہان کہین شرح میں صرف ایک مصرع لکھا تھا، اس کا دوسرا مصرع ڈھونڈ کر نکالا، شرح میں جو شعرا ایسے تھے جنکے کہنے والوں کے نام نہیں دیئے تھے، اون کے نامون کا پتہ چلایا، شعرون میں یا شرح میں جو مشکل لفظ آئے تھے، ان کو لغت سے حل کیا، اور آخر میں تین فہرستین اضافہ کین، ایک ان شعرا، کی جنکے شعر اس شرح میں آئے ہین، مع انکے اون اشعار کے حوالوں کے جنکو شارح نے نقل کیا ہے، دوسری اشعار کے قوافی کی اور تیسری اشخاص اور مقامات کے نامون کی،

ان تمام کامون کے سرانجام دینے کے بعد اس نسخہ کو چھپوانے کی فکر ہوئی، اسکے لئے مصر کی مشہور مجلس لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر نے اپنی خدمت پیش کی، اور اس طرح ہندوستان کے ایک قابل فخر کارنامہ کی داد مصر نے دی،

حقیقت یہ ہے کہ مولانا بدرالدین صاحب نے بڑی محنت، دیدہ ریزی اور سلیقہ سے اس کام کو انجام دیا ہے، اور ایک ایسی کتاب کو زندہ کیا ہے، جس نے اسلام کے تین نامور مصنفون کے نامون کو زندہ کر دیا،

یہ شرح عربی ادب میں بھی ایک خاص چیز ہے؛ شارح نے صرف بشار کے شعرون کے حل مطالب کو

قناعت نہیں کی ہے، بلکہ ہر شعر میں شاعر نے جس مضمون کو ادا کیا ہے، اس مضمون کی پوری تاریخ لکھی ہے، یعنی یہ کہ یہ مضمون پہلے کس نے باندھا، پھر کس نے اسکو ترقی دی، اور اس کی کمی پوری کی، اور آخر شاعر نے اسکو کس طرح کہا، شرح کی اس خصوصیت کی بنا پر یہ کتاب عربی ادب کے ذخیرہ میں ایک بے مثال اضافہ ہے، اور اس قابل ہے کہ عربی ادب کے شائقین اسکی تحقیقات سے بہرہ مند ہون،

کتاب بمبئی کے عربی کتب فروشون سے ملے گی، "س"

شیخ الاشراق کے تین رسالے

مرتبہ پروفیسر اوٹوسپیز مسلم یونیورسٹی علی گڈھ، ملنے کا پتہ: کتابستان ۱۷ سٹی روڈ الہ آباد قیمت ۱۲ر

شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی مقتول ۵۸۶ھ، ان حکمائے اسلام میں ہیں جنھون نے ارسطو کے فلسفہ سے ہٹ کر اپنے فلسفہ کی بنیاد قائم کی، اور اس کا نام افلاطونی فلسفۂ اشراق رکھا، یہ واقعہ کہ شہاب الدین سہروردی کا فلسفہ بعینہٖ افلاطونی فلسفہ ہے، بہت کچھ بحث و مباحثہ کا محتاج ہے، مگر بہرحال ان کا راستہ مشائیہ کی عام شاہراہ سے بالکل الگ ہے، انکا فلسفہ تو افلاطونیت، مجوسیت اور تصوف کا مجموعہ ہے،

شہرزوری نے جو ان کا معتقد سوانح نگار ہے، ان کی پچاس چھوٹی بڑی تصنیفات کی فہرست درج کی ہے، جن میں حکمۃ الاشراق، اور ہیاکل النور وغیرہ پہلے چھپ چکی تھین، اب ہمارے فاضل دوست پروفیسر اوٹوسپیز، پروفیسر عربی مسلم یونیورسٹی علی گڈھ نے اپنا خاص موضوع شیخ کی تصنیفون اور رسالون کو قرار دیا ہے، پچھلے برس انھون نے شیخ کا رسالۂ عشق (مونس العشاق) چھاپا تھا، اور امسال ان کے تین رسالون "لغت موران" "صفیر سیمرغ" اور "رسالۃ الطیر" کو تصحیح و تحشیہ کیساتھ شائع کیا ہے، ان رسالون میں شیخ نے اپنے الٰہیاتی فلسفہ کو کبھی اپنی اور کبھی پرندون اور حیوانون کی زبانون سے ادا کیا ہے،

رسالۃ الطیر کے نام سے بوعلی سینا کا بھی ایک عربی رسالہ ہے، جسکی شرح چھٹی صدی ہجری کے مشہور

حکیم و منطقی عمر بن سہلان ساوجی نے فارسی میں لکھی تھی، پیش نظر مجموعہ میں یہ شرح بھی شامل ہے، اور آخر میں شیخ الاشراق کے سوانح کا متن جو شہرزوری نے اپنی تاریخ حکمار میں درج کیا ہے ضمیمہ کے طور پر لگایا گیا ہے اور ساتھ ہی شیخ الاشراق کے تینون رسالون کا انگریزی ترجمہ مع انگریزی مقدمہ کے اس مجموعہ میں ملحق ہی

ان میں سے بعض رسالے کتبخانہ ایاصوفیہ استامبول سے بعض مشرقی کتبخانہ بانکی پور پٹنہ سے، اور آخری برٹش میوزیم کے کتبخانہ سے منقول ہے، پروفیسر صاحب نے شیخ کے ایک اور رسالہ پر جبریل کی خبر دی ہے جسکو اسپیح کارین صاحب جرنل ایشیاٹک میں مع اسکی ایک فارسی شرح کے شائع کرنے والے ہین اسکے نسخے ایا صوفیا استامبول اور مشرقی کتبخانہ بانکی پور میں ہین،

پروفیسر صاحب نے ان رسالون کی تصحیح میں پوری کوشش کی ہے، حاشیوں میں دوسرے نسخے بھی لکھے گئے ہین، ہم نے صرف پہلے رسالہ کو غور سے پڑھا، تو بعض الفاظ کہیں کہیں مشکوک معلوم ہوئے،

رسالہ موران ص ۱ سطر ۱۴، ہر کسے را زی جہت اصل خویش کشتہ باشد

ہر کسے راز جہت ......

ص ۵ - سطر ۵ علمت نفس ما قدمت و خرت،

" " واخرت

ص ۶ - سطر ۵ سوی مایقول الناس فی و فی فجنسی،

سوی مایقول الناس فی و فی جنسی (؟)

ص ۶ - سطر ۸ و ۹ - "اشرقت الارض بنور ربہا وقضی بینھم بالحق وقیل الحمد للہ رب العالمین سلام علی تلک المعاہد انما شریعۃ وردی ومھب شمالی،

"اشرقت الارض بنور ربہا، وقضی بینھم

	بالحق وقیل الحمد للہ رب العالمین،
	سلام علی تلک المعاھد انھا۔ شریعۃ وردی ومھب شمالی،
ص ۶ - سطر ۱۲	رئیس سگارگان،
	رئیس ستیارگان،
" "	درخطیرہ اقول ہوی کند،
	درحظیرہ افول ہوی کند،
ص ۷ - سطر ۰ -	حفافیش،
	خفافیش،
ص ۸ - سطر ۱۱ -	ازضرب وایلا،
	ازضرب وایلام،
ص ۸ - سطر ۱۲ و ۱۳،	"افشا السر الربوبیۃ کفر وافشا سر القدر معصیۃ واعلان سر کفر"
	افشا سر الربوبیۃ کفر وافشأ سر القدر معصیۃ واعلان السر کفر"
ص ۸ - سطر ۱۹	بنفس صعدا می کرد،
	تنفس صعدا می کرد،
ص ۹ سطر ۱۲	اضاف طیور،
	اصناف طیور،
ص ۹ سطر ۹	کجز،

کہ جزء

ص ۱۰ - سطر ۱	ھبّت علی صبا یکاد یقول،
	ھبّت علی صبا تکاد تقول،
ص ۱۰ - سطر ۹	علیؔ و د و نی تربہ وصفائح،
	علی و د و نی تربۃ وصفائح،
ص ۱۱ - سطر ۲۴	"یا سبحانی ما اعظم شانی"
	یا سبحانی ما اعظم شانی"
ص ۱۲ - سطر ۲	وھم سبطلان خطاست،
	وھم سبطل آن خطاست،

"س"

کتاب الاسخیاء دارقطنی،

مشہور محدث امام دارقطنی المتوفی ۳۸۵ھ نے جنکی سنن (سنن دارقطنی) عام طور سے متداول ہے، ایک رسالہ سخاوت اور سخیوں کی اُن خوبیون کے بیان میں لکھا تھا جو حدیثوں میں آتی ہین یعنی اس رسالہ میں امام موصوف نے ان روایتون کو جمع کیا تھا جو سخیون کی نسبت مروی ہیں، رسالۂ مذکور کا ایک ہی نسخہ بانکی پور کے مشرقی کتبخانہ میں تھا، مولوی محمد وجاہت حسین صاحب ہمارے شکریہ کے مستحق ہین، جنھون نے اس رسالہ کی نقل لی، اور تصحیح و مقابلہ کے بعد اسکو بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی میں پیش کیا جس نے اسکو اپنے جرنل کے ضمن میں چھاپکر شائع کیا،

شروع میں مصحح و محشی کا ایک عربی مقدمہ ہے، جسمیں پہلے علما، اور محدثین کے ان حوالوں کا بیان ہے جن میں انھون نے اس رسالہ کو دارقطنی کی طرف منسوب کیا ہے، اسکے بعد مصنف کے سوانح حیات

کا تذکرہ ہے، بعد ازیں متن یں اصل رسالہ ہے، اور حاشیوں میں مصحح و محشی نے ہر روایت کا مقابلہ دوسری قلمی و مطبوعہ مستند کتابوں کے ماخذ دن سے کیا ہے اور حدیث و خبر کی جن کتابوں میں جہاں وہ روایتیں آئی ہین ان کا نشان دیا ہے، یہ اخیر کام جس محنت اور دیدہ ریزی کا ہے اسکو اہل علم جانتے اور اسکی قدر کو پہچانتے ہین کتاب خوبصورت اور صاف ٹائپ میں چھپی ہے، اور کتابی تقطیع کے ۹۴ صفحوں میں تمام ہوئی ہے، کتاب کی تصحیح میں خاصہ اہتمام کیا گیا ہے، تاہم بعض مقامات مزید تصحیح کے قابل ہین مثلاً

واصفر من ضرب دار الملو ۔ کِ یلوح علی وجھہ جعفر

اسکی صحیح تقطیع یون ہو گی،

واصفر من ضرب دار الملوکِ ۔ یلوح علی وجھہ جعفر،

کتاب ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، نمبر ۱، پارک اسٹریٹ کلکتہ سے ملے گی،

"س"

مقالاتِ شبلی جلد چہارم

(تنقیدی)

مطبوعہ اور قلمی کتابون پر مولانائے شبلی مرحوم کے جو تبصرے الندوہ اور دوسرے رسالون میں شائع ہوئے تھے، اس میں یکجا کئے گئے ہین، مصر کے مشہور عیسائی مورخ جرجی زیدان کی تصنیف تمدن اسلام پر عربی میں جو ریویو ایک رسالہ کی شکل میں شائع ہوا تھا، اوس کا اردو خلاصہ بھی مولانائے مرحوم کے قلم سے الندوہ مین نکلا تھا، وہ اہم تنقیدی مضمون بھی اسمین آگیا ہے،

ضخامت:- ۱۹۰ صفحے، قیمت:- ۱۲؍

"مینیجر"

مطبوعات جدیدہ

البدور البازغہ مولفہ شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی، حجم ۲۲۴ صفحے قیمت ۱۲؎ ملنے کا پتہ، ناظم مجلس علمی ڈابھیل سملک، سورت،

یہ کتاب عربی زبان میں ہے جس میں شاہ صاحب نے فلسفہ و حکمت اور اسرار شریعت کے مختلف مسائل پر فلسفیانہ طور پر بحث کی ہے کتاب حجۃ اللہ البالغہ کے طرز پر لکھی گئی ہے، اور عقائد و کلام کے مختلف مسائل پر اظہار خیال کیا گیا ہے، جو لوگ شریعت کا فلسفیانہ مطالعہ کرنا چاہتے ہیں، ان کے لئے یہ کتاب نہایت مفید ہے۔

خزائن الاسرار، از مولینا محمد انور شاہ کشمیری مرحوم، حجم ۶۵ صفحے قیمت ۶؍ ملنے کا پتہ ناظم مجلس علمی ڈابھیل سملک ضلع سورت،

علامہ دمیری نے علم الحیوانات پر ایک کتاب حیوٰۃ الحیوان کے نام سے لکھی تھی جس میں نفس موضوع پر تو بہت کم لکھا ہے، البتہ مختلف فوائد اور مختلف طبی مسائل، اور وظائف و اعمال سے کتاب بھر دی ہے، اس کتاب میں مؤلف نے انہی فوائد اور وظائف و اعمال کا خلاصہ پیش کیا ہے،

اخبار الصالحین حصہ اول، از نواب معشوق یار جنگ بہادر حجم ۴۰۰ صفحے، قیمت ۲؎، ملنے کا پتہ اعظم اسٹیم پریس، حیدرآباد، دکن،

اس کتاب میں پہلے ایک مقدمہ میں تصوف کی حقیقت اور تصوف کے مقامات پر بحث کی گئی ہے، اسکے بعد پہلی صدی ہجری سے آٹھویں صدی ہجری تک کے اکابر صوفیہ کے حالات لکھے ہیں، صوفیہ و صالحین کے سوانح اس جامعیت سے شاید اردو کی کسی دوسری کتاب میں نہ ملیں مصنف کے مآخذ میں شیخ فریدالدین

عطار کی تذکرۃ الاولیا وغیرہ رہی ہیں،

علوم الحدیث، از مولوی شاہ عزالدین صاحب ندوی خطیب شاہی مسجد لاہور، حجم ۱۶۰ صفحے قیمت ۸؎ مؤلف سے طلب کریں،

اس کتاب میں علم حدیث کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے، اور علم حدیث کی مختلف کتابوں کے حالات اختصار کیساتھ پیش کئے گئے ہیں، ماخذ کے حوالے درج کردیئے جاتے، تو کتاب زیادہ مستند ہوجاتی لیکن بہرحال اس کے ذریعہ سے علم حدیث کے متعلق عام معلومات سے اردو خواں طبقہ واقف ہو سکتا ہے،

معیار الاوقات للصیام والصلوٰۃ، از مولوی محمد عبدالواسع مرحوم پروفیسر دینیات کلیہ جامعہ عثمانیہ حجم ۳۰ صفحے، قیمت ملنے کا پتہ، اعظم اسٹیم پریس حیدرآباد دکن،

مذہب اسلام میں نماز پنجگانہ اور سحری اور افطار کے اوقات کی ابتدا اور انتہا حدیث کی کتابوں میں مقرر کردی گئی ہے، جس سے پہلے اور جس کے بعد نماز، سحری اور افطار ناجائز ہے، اس لئے جو لوگ شرعی نظام اوقات کے پابند ہیں، وہ اسکی خاص طور پر پابندی کرتے ہیں، اسی ضرورت کو پیش نظر رکھکر مولف مرحوم نے ریاضی کے حساب سے آفتاب کے طلوع وغروب شرعی کے جاننے کے لئے اس کتاب کو لکھا ہے، اور اس جامعیت کے ساتھ لکھا ہے کہ دنیا کے ہر حصہ کے مسلمان اس سے نماز، افطار اور سحری کے اوقات معلوم کرسکتے ہیں،

نوبت مرزا، از جناب ایم ایس خالد وزیرآبادی، حجم ۲۰۰ صفحے قیمت قسم اول مجلد ۱۲؍ قسم دوم ۱۲؍ ملنے کا پتہ منیجر خالد بک ڈپو، وزیرآباد، پنجاب،

اس کتاب میں مولف نے مرزا غلام احمد قادیانی کے تمام دعووں کی تردید کی ہے، اور ان کے بہت سے اکاذیب واباطیل کا پردہ مناظرانہ رنگ میں فاش کیا ہے،

حدیثِ حسن، از جناب نصرت واسطی، حجم ۱۱۲ صفحے، قیمت عہ مجلد، ملنے کا پتہ،

شاہکار بک ڈپو، گورکھپور،

یہ جناب واسطی کی پچاس نظموں کا مجموعہ ہے، جس میں ہر قسم کی نظمیں شامل ہیں، شروع میں جناب اقبال احمد صاحب سہیل علیگ، ایم اے، ایڈوکیٹ اعظم گڈہ کا مقدمہ اور مختلف انشاپردازوں اور ادیبوں کی رائیں ہیں،

بانگ جرس، از جناب ولی الدین شفیق صدیقی جونپوری حجم ۵۱ صفحے قیمت ۳؍

یہ ایک مجموعۂ نظم ہے جسمیں کچھ غزلیں اور کچھ مذہبی اور قومی نظمیں ہیں،

سلسبیل از جناب آل احمد صاحب صدیقی سرور ایم اے، پروفیسر مسلم یونیورسٹی، حجم ۱۱۲ صفحے،

تقطیع چھوٹی، قیمت عہ، پتہ مسلم یونیورسٹی بک ڈپو علی گڈہ،

یہ جناب آل احمد صاحب صدیقی سرور کی مختلف نظموں کا مجموعہ ہے، جو زیادہ تر کشمیر کی سیر و سیاحت میں وہان کے مناظر سے متاثر ہوکر لکھی گئی ہیں، اخیر میں چند غزلیں بھی ہیں، خیالات اور زبان میں دورِ جدید کے شعراء کا تتبع کیا گیا ہے، جدید استعارے اور ترکیبیں کلام میں زیادہ ہیں، جناب رشید احمد صاحب صدیقی نے اس مجموعہ کا اپنے خاص انداز میں تعارف کرایا ہے،

انقلاب فرانس مصنفہ مولوی عبد القادر صاحب بی اے (جامعہ) ضخامت ۱۶۰ صفحے

تقطیع خورد، پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، قیمت ۱۲؍

اس کتاب میں انقلاب فرانس کی تاریخ دلچسپ انداز میں لکھی گئی ہے، ابتدا میں مصنف نے ۴ صفحوں کی ایک مختصر سی تمہید لکھی ہے جس میں جمہوریت اور شخصیت کے فرق اور ان کے مفاد اور مضار کو وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے، اس کے بعد انقلاب فرانس کی تاریخ بیان کی ہے، جو اکیس باب میں تمام ہوئی ہے، تمام ابواب مفید اور دلچسپ معلومات سے لبریز ہیں،

"ع"

دارالمصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۸۵ صفحے، قیمت، للعہ
از مولنا عبد السلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

گلِ رعنا - اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے، جس میں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۸ صفحے، قیمت: صہ از مولنا سید عبد الحئی صاحب مرحوم،

مکاتیبِ شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصہ اول - ضخامت ۳۴۹ صفحے، قیمت:- عہ/۱۲
حصہ دوم، " ۲۶۱ " " عہ/۱۲

موازنۂ انیس و دبیر (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۰۴ صفحے، قیمت: ہے ر

کلیاتِ شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

افاداتِ مہدی، ملک کے نامور انشاپرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ہے
حجم ۳۷۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲/ کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (از مولنا سید ریاست علی ندوی)

دار المصنفین کی جدید فہرست

اور

کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف

۱۹۳۵ء سے ہم نے دار المصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کر دی ہے، مکتبۂ دار المصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہو گئی ہے، امید ہے کہ جو لوگ اس وقت تک دار المصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دار المصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ روپیہ ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت عہ ۲۷/۸ ہے لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیے میں دیا جائیگا لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دار المصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جا سکتا، کمیشن کی رعایت بہر صورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی — **منیجر دار المصنفین** — **اعظم گڈھ**

مطبع معارف میں محمد آویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا

۷ - ن

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ مئی سنہ ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس دار المصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت: پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنّفین اعظم گڑھ

دارالمصنفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد اوّل مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہو کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہو، جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہو، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہو، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہو، ضخامت مجموعی ۵۴۶ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت: للعہ ر جلد دوم زیر طبع ہو، مرتبہ سید ریاست علی ندوی،

تاریخ فقہ اسلامی، مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جسمیں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہو جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہو، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت: للعہ ر مترجمہ مولنا عبدالسلام ندوی،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۳۹۷ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت: للعہ ر مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی،

مقدمہ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہو جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ، ضخامت ۴۸۷ صفحے، قیمت: صہ مصنفہ سید نجیب اشرف ایم اے، ندوی،

الفاروق یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل، اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

مولنا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہو، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گراں پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہو، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت: للعہ ر

خلفائے راشدین، سیر المہاجرین کا حصہ اوّل، یہ چاروں خلفاء کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت: ہے، از مولنا حاجی معین الدین ندوی،

(دارالمصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست دفتر دارالمصنفین اعظم گڈہ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی، منیجر دارالمصنفین اعظم گڈہ

جلد ۳۷	ماہ صفر ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ مئی ۱۹۳۶ء	عدد ۵

مضامین

ادارۂ معارف اسلامیہ لاہور

کا

دوسرا سالانہ اجلاس

از سید ریاست علی ندوی،

ادارۂ معارف اسلامیہ کا دوسرا سالانہ اجلاس ۱۰، اپریل کو لاہور میں منعقد ہوا، جس میں ملک کی مختلف یونیورسٹیوں اور علمی و تعلیمی اداروں کے ارکان اور نمایندے شریک ہوئے، دار المصنفین کی جانب سے راقم نے اس میں شرکت کی، اور "سراج ہندی" کے عنوان سے ایک مقالہ پڑھا جس میں آٹھویں صدی ہجری کے ایک ایسے گمنام مشہور ہندوستانی عالم کو روشناس کیا گیا تھا، جس کا ذکر اگرچہ ہندوستان کی تاریخوں میں نہیں، لیکن وہ مصر میں قاضی القضاۃ کے بلند منصب پر فائز تھا، اور اس کی قابل قدر تصنیفات سے کبھی علم دین کا چراغ روشن تھا،

اس اجلاس کو اس لحاظ سے کامیاب کہا جاسکتا ہے کہ اس میں اسلامی مشرقی علوم و فنون کے ہندوستانی مسلمان خدام کا ایک قابل قدر اجتماع ہوا، جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد کی طرف سے ڈاکٹر مولانا محمد حمید اللہ استاذ فقہ (جن کا ایک مقالہ اس پرچہ میں شریکِ اشاعت ہے) ڈاکٹر نظام الدین صدر شعبۂ فارسی اور ڈاکٹر عبد الحق صدر شعبۂ عربی نے اپنے مقالات "ایران سے مسلمانوں کے قدیم تعلقات" "جدید ایران کے علمی رجحانات" اور "جدید مصر کے دو شاعر حافظ و شوقی" پر سنائے، دہلی یونیورسٹی کے شمس العلماء مولانا عبد الرحمن صدر شعبۂ عربی اور ڈاکٹر اظہر علی نے "الرواج حول الجزیۃ والخراج" اور "تاریخ محمد عارف قندہاری" پر مضامین پڑھے، ڈاکٹر زبید احمد الہ آباد نے "علوم قرآنی پر ہندوستان کی عربی تصنیفات" کو پیش کیا، ڈاکٹر ہادی حسن علی گڑھ نے "اسلامی

تصوّف" پر اپنے تنذرات افکار پیش کئے، ڈاکٹر عندلیب شادانی ڈھاکہ یونیورسٹی نے "تاج المآثر حسن نظامی نیشا پوری" پر اور مولوی امتیاز علی عرشی رامپور نے کتاب الانساب سمعانی کے ایک قلمی نسخہ پر مضامین پڑھے اور کتاب الانساب کے عکسی مطبوعہ نسخہ کے بعض مسامحات دکھائے، پروفیسر شجاع منعمی بہاولپور نے "انعطاف کا سبب مسلمان سائنس دانوں کی تشریح کے مطابق" بتایا، اور ہمارے دوست قاضی احمد میاں اختر جوناگڑھی نے شبلی کو بحیثیت ایک فارسی شاعر کے پیش کیا، پنجاب کے ممتاز اہل علم میں جناب عبداللہ یوسف علی (پرنسپل اسلامیہ کالج لاہور) نے "اسلامی تاریخ کی وسعت اور مضمون اور یونیورسٹیوں میں اسکی تعلیم کے لئے مواد کی فراہمی کی ضرورت" پر ایک تحریری خطبہ پڑھا، پرنسپل محمد شفیع (اورنیٹل کالج) نے "پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے بعض قدیم دستاویزات" پیش کئے، اسی طرح پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال (سکرٹری ادارۂ معارف) نے "چھٹی صدی کے ایک ایرانی شاعر سیف اسفرنگی" کو، ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (گورنمنٹ کالج جھنگ) نے اپنے وطن سے متعلق عربوں کی اقتصادی زندگی" کو اور ڈاکٹر برکت علی قریشی (اسلامیہ کالج لاہور) نے "ابن خلدون کی رائے کے مطابق مملکت و تہذیب و تمدن" کو پیش کیا، پنجاب کے نوجوانوں میں پروفیسر شیخ سخاوت اللہ اور جناب محمد باقر نسیم رضوانی وغیرہ کے مضامین تھے مجموعی طور پر ۲۰، ۳۰ مقالات سنائے گئے، اور بعض فضلاء جو شریک نہ ہوسکے انھوں نے اپنے مقالات بھیجے،

ادارہ کی جانب سے ایک علمی نمائش کا بھی اہتمام کیا گیا تھا جس میں نادرالوجود سکوں کے علاوہ بعض قیمتی کتابت کے نقول جناب عبداللہ چغتائی کے ذریعہ فراہم کئے گئے تھے، ادارہ کے دو اجلاسوں سے یہ آشکارا ہوگیا کہ اس کے مخلص کارکنوں نے اسکی ابتدائی مشکلات پر قابو پالیا ہے، کارکنان ادارہ نے اعلان کیا ہے کہ اس کا آیندہ اجلاس ایک سال کے وقفہ کے بعد لاہور کے باہر کسی شہر میں ہوگا، جو خواہ دہلی یا علیگڑھ ہو اور یا اعظم گڑھ کا، ویٹر جیسے دارالمصنفین کہا جاتا ہے، لاہور کے اس سفر میں مختلف اہل علم کے موجودہ علمی مشاغل سے بھی واقفیت کا موقع بہم پہنچا، ڈاکٹر زبید احمد الٰہ آبادی نے "ہندوستان اور عربی علوم و فنون کی خدمات" کے موضوع پر ڈاکٹری کی سند حاصل کی تھی، انکی یہ قابل قدر تصنیف

اسوقت تک شائع نہ ہو سکی ہے، وہ ان دنوں اسی پر نظر ثانی میں مصروف ہیں، اور اشاعت کے بعض ابتدائی مراحل طے کر چکے ہیں، توقع ہے کہ چند ماہ میں یہ کتاب شائع ہو جائے، وہ اس سے پہلے ہندوستانی زبان میں ناظرین معارف کے سامنے اپنے علمی نتائج فکر پیش فرمانے والے ہیں،

پنجاب کے نوجوان فاضل اور ہفت زبان ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ عرب کی علمی بادیہ پیمائی میں مصروف ہیں اور نئے عنوان سے انمول جواہر دامن میں سمیٹ رہے ہیں، پروفیسر صوفی غلام مصطفیٰ تبسم (گورنمنٹ کالج لاہور) مغل سلاطین اور شاہزادوں کو مصنف ادیب اور شاعر کے لباس میں پیش کرنے والے ہیں اور بڑی عرق ریزی سے دانہ دانہ چن کر خرمن تیار کر لیا ہے، ان دوستوں کے بعض مضامین ناظرین معارف کیلئے اپنے ساتھ پنجاب سے تحفہ لایا ہوں اور بعض زیر ترتیب مقالات چند دنوں میں آنے والے ہیں ڈاکٹر اظہر علی صاحب دہلی یونیورسٹی عبدالرحیم خانخاناں پر کام کر رہے ہیں، اور مولوی عبدالماجد صاحب (محکمہ تعلیم پنجاب) اپنے بعض جرمن و فرنچ داں دوستوں کی مدد سے ترکی تاریخ کے ایک حصہ کی تسوید و تحقیق میں مصروف ہیں، یادش بخیر ڈاکٹر تاثیر ابھی ولایت کے نووارد ہیں، ناظرین معارف "نامۂ کیمبرج" کے ذریعہ ماہ ستمبر ۳۲ء میں ان سے روشناس ہو چکے ہیں اور وہ معارف کی زبان میں "پنجاب کے متوقع فاضل ادیب و نقاد" ہی ہیں، انہیں اردو انگریزی ادبیات پر یکساں عبور ہے، اور ہمارے لئے خاص طور پر انکا مذہبی جذبہ اور انکی اسلامیت لائق احترام ہے، اب وہ انگریزی ادب میں کیمبرج سے ڈاکٹری کی سند لیکر واپس آ چکے ہیں، اور یہ پہلا امتیاز ہے جو کیمبرج سے انگریزی ادب میں کسی ہندوستانی نے حاصل کیا ہے، اور بحمداللہ کہ "انگریزیت" کیساتھ انکی "اسلامیت" بھی برقرار رہی ہے، انہیں اپنے خاص موضوع "انگریزی زبان و ادب" میں بھی اسلامی تہذیب و تمدن کے جلوے نظر آئے، وہ اس موضوع پر ایک سلسلہ مضامین ناظرین معارف کے سامنے پیش کرنے والے ہیں، جس کے ابتدائی خاکہ کی داغ بیل وہ ڈال چکے ہیں،

اطلاع :- اڈیٹر معارف ان دنوں صحت کی درستی کے لئے دہرہ دون میں قیام فرما ہیں، اگرچہ اب بھی ان پر خطوط کے جواب کا زیادہ بار ڈالنا مناسب نہیں، لیکن دفتر میں ان کے پتہ کے دریافت کرنے کے لئے خطوط آ رہے ہیں اسلئے اطلاع دیجاتی ہے کہ انہیں "نمبر ۲۸ - اندر روڈ، ڈیرہ دون" کے پتہ سے خط بھیجے جا سکتے ہیں،

مقالات

عربوں کی جہازرانی

پر

استدراک

از جناب ڈاکٹر مولینا محمد حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی استاد فقہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

کم کتابیں ہوتی ہیں، جو متخصصین (ماہرین فن) اور عوام دونوں کو یکساں پسند آئیں، ان خوش نصیب کتابوں میں سے ایک مولینا سید سلیمان ندوی کی تازہ تالیف "عربوں کی جہازرانی" ہے مضمون اتنا اچھوتا پھر بھی مواد اتنا زیادہ، اس کی کم توقع تھی، خاصکر طبع اول کے وقت، اسکی عام پسندی کا شاید اس سے بھی اندازہ ہوسکتا ہے، کہ بعض روزناموں نے بہ اقساط پوری کتاب اپنے صفحوں میں نقل کردی، میں بھی ان "شائقین" میں سے ہونے کی عزت رکھتا ہوں، جو اس کتاب سے واقف تھے، اور ان کا تقاضا تھا کہ یہ جلد چھپ کر منظر عام پر آجائے، کئی سال کے انتظار کے بعد جب اس کا اشتہار نظر سے گذرا، تو میں نے فوراً یہ کتاب منگائی، اور باوجود سخت ابضروری مصروفیتوں اور فرائض منصبی کے، اسے ختم کرکے ہی چھوڑی، پڑھتے وقت حاشیوں پر جابجا اپنی یادداشت کیلئے کچھ معلومات لکھے، اب انہی باتوں کو یہاں کسی قدر پھیلا کر بیان کروں گا،

یہ کوئی تنقید نہیں ہے، تنقید اسی وقت ہوتی ہے، جب دلچسپ اور کارآمد ہو، اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے، جب ناقد بھی اس کتاب کے موضوع کا ماہر ہو، اور قریب قریب تالیف کے برابر ہی تنقید پر محنت صرف کرے، یہ تو چند بے ربط معلومات ہیں، جو مہینے بھر سے بستر پر پڑے ہوئے ایک بیمار کے کمزور دماغ اور کمزور تر حافظے

نے اپنے حالیہ سفر تعلیمی کی بیاض کی مدد سے، اکٹھا کئے ہین، اس جلدی کی وجہ یہ ہے کہ آج کل جبری آرام ملا ہوا ہے، پھر ایسی فرصت کہان؟ اب ذی حجہ ۱۳۵۵ھ کی ابتدا ہے، عید کے بعد شاید نئی مصروفیتیں ہون، یہ مضمون اگر کوئی بحران نہیں تو ایک عامی کا بیان ہی، اس سے زیادہ نہین،

اس تحریر کا ایک باعث یہ بھی ہو کہ ابھی ابھی سال حال کے مقابلے میں کامیاب ہونے پر دو عربی النسل مسلمان، حیدر آبادی میرے بھی رشتہ دار، نوجوان، حکومت برطانوی ہند کے ڈفرن جہاز پر قائم کردہ مدرسے مین بحری تعلیم کے لئے بطور کیڈٹ داخل کئے گئے ہین، یہ خبر سن کر ریاست حیدر آباد کے کھوئے ہوے ساحل کی تاریخ بجلی بن کر دماغ مین کوند گئی، اور ٹھنڈی آہ نکال کر گرم آنسو ٹپکا گئی،

ایک کمی، | سب سے پہلے ایک قدیم شکایت دہرانی پڑتی ہے، جس کے جواب مین "عموم البلوی" کا فقیہانہ عذر بھی اب نامقبول ہو، وہ یہ کہ اتنی اچھی کتاب اور پھر بھی اشارے (انڈکس) اور کتابیات (ببلیاگرفی) سے محروم! ایک دفعہ مین نے سوربون (پارس) مین اپنے ایک پروفیسر سے مزاحًا کہا تھا، کہ اشاریئے اور کتابیات کی خواہش وہی ناظر کرتے ہین، جو سست اور کام چور ہون، ان کا جواب ہمیں کبھی نہیں بھولون گا، انھون نے سادگی سے کہا، ہان سست اور کام چور مؤلف ہی اس محنت اور افادۂ عام سے باز رہتا ہے،

سید صاحب کی محنت اور انہماک سے مین واقف ہون، سید صاحب اپنے شاگردون سے یہ کام لے سکتے اور اپنا قیمتی وقت دوسرے کامون کے لئے بچا سکتے ہین، ہمارے اچھے مؤلفون کی کتابون کو دیکھ کر اکثر گرے کا قطعہ یاد آتا ہے:-

Full many a gem of purest ray serene الی آخرہ

اسماء و اعلام اور مطالب کی ابجدی فہرست نہ صرف ناظرین کو بلکہ خود مؤلف کو ہمیشہ مدد دیتی اور کارآمد ثابت ہوتی ہے، یہی حال حوالون اور ماخذون کی کتابون کے علحدہ یکجا تذکرے کا ہے، مجھے معلوم نہین سید صاحب نے سر ہنگ زادہ کی "حقائق الاخبار عن دول البحار" سے استفادہ کیا ہے یا نہیں، کتاب مین کتابیات

ہوتی تو فوراً تحقیق کر لی جاتی، سرسری ورق گردانی مین اس کا کہین حوالہ نہین دکھائی دیا، اس کتاب کی دو ضخیم اور ایک معمولی حجم کی جلدین عرصہ ہوا مصر مین چھپی ہین، پہلی جلد مین مسلمانون کی بحریت ہی کا ذکر ہے،

حدیث کا مواد: عہدِ جاہلیت میں عربوں کی جہازرانی کے معلومات لغت، قدیم اشعار اور قرآن مجید سے توبیشک حاصل ہو سکتے ہین، (علکجر صلہ) لیکن اس سلسلے میں حدیث کے وسیع ادب کو ہاتھ لگائے بغیر چھوڑ دینا کم از کم "طالب علمانہ" احتیاط کے خلاف ہے، ممکن ہے ان خطبات کی تیاری کا ناقابل یقین کم وقت حدیث سے مواد حاصل کرنے کے محنت طلب کام میں مانع رہا ہو، سرخسی کی شرح "السیر الکبیر للامام محمد" میں متعدد دلچسپ واقعات ملتے ہین، علی متقی کی کنز العمال اور تبویب الحدیث (غیر مطبوعہ) مین تو بحری سفر پر متعدد مستقل باب ملتے ہیں،

لغت: "کشتی اور جہاز کے الفاظ" (علکجر صلہ) صرف دس دیئے گئے ہیں، بعد مین کچھ اور آئے ہین، لیکن یہ فہرست بہت ہی سرسری ہے، اول تو ان لغت کی کتابون کی ورق گردانی ضروری ہے جن میں فن وار الفاظ یکجا کیے گئے ہین، پھر اس موضوع پر لکھے ہوئے جدید رسالے بھی دیکھنے ضروری ہین،

مثال کے طور پر وستن فیلڈ (Wüstenfeld) کا رسالہ (Die Namen der Schiffe im arabischen) (جہازون کے نام عربی مین) اس میں کوئی سو نام ہیں، میں یہان ان کو بلا تنقید بہ ترتیب ابجدی دہرا دیتا ہون، شاید یہ رسالہ آسانی سے ہر کسی کو دستیاب نہ ہو سکے،

اسطول (ج اساطیل) اعاری	بالوع	بحریہ	برعانی
اسطولا	بارجہ	باہرات	براکیۃ	برکۃ، برکۃ

لہ علکجر "مختصر ہی، عربون کی جہازرانی" بمبئی،

برکوس، لابرکوس	جفار، جفاية	ذهبية	سوقية	ظلطل
برمة	جُفل	رکوة	شباره	عجوز
بریک	جفن	رماده[1]	شباک	عدولی
بسطة	جلبه	رمت،	شبوق	عرواس
بطاس	جُنک	زیرباذیه	شختور	عشاری، عشری
بطان	حراقه، حراک	زبزب	شختوره	غارب
بُطسه	حمالة	زلاج	شلمی	غراب
بوس، بوص، بوصی	حمامه	زلال	شلندی	فلک، فلوک
بیرجة	فلیج	زورا	شموط	فلوکة
تلوی	خلية	زورق	شنان	قادس
جاریة (ج جوار)	خن	سفینة	شکولية	قارب
جاسوس	خیطية	سکان	شینی	قرقور، قرقوره
جلبية	دغیص	ستور	صلغه	قطعات
جدی	دقل	سماریه	طبطاب	کارونیة
جراب	ذات الرفیف	سمیر	طریده	کلک[2]
جرم	ذونیج	سنبوق	طیار، طیره	کمندوریات

[1] الرماده، (armada) [2] القلقشندی نے صبح الاعشیٰ میں ایک لفظ "کُکّة" بھی دیا ہے جسکی جمع "کُکک" بتائی ہے، اور اس سے ایک رسم الخطی لطیفہ بھی بیان کیا ہے، جو باصلاح خفیف یوں ہوگا، مارأینا ککُککُککک (ہم نے تیری کشتیوں جیسی کشتیاں نہیں دیکھیں،) یعنی پانچ کاف ایک ہی لفظ میں یکجا جمع ہوگئے ہیں،

لاطنة،	مرکب،	مصباب،	ملقوطة،	واجبات،
ماجشون،	مرکوس،	معبر،	ناعفة،	وجیبة
ماشوت،	مسبحیة،	مُعدیة،	نقیرة[1]	هرهور،
مثلثة	مستعام،	مقلع،	نهتورغ،	
مزراب،	مسطحات،	مکیة،	واسطیة،	

اسی سلسلے مین ابن مماتی کا بھی ایک اقتباس (بحوالہ وستنفلد) دلچسپی سے خالی نہ ہوگا:-

الاسطول المنصور هو الآن یجری	اسطول منصور، اور وہ مصری محکمۂ
فی دیوان الجیش المصری وسنذکر	فوج مین رائج ہے، اور اپنے موقع
حاله فی موضعه، اسماء مراکبه	پر ہم اس کا حال لکھیں گے، اس بیڑے
طریدة، شینی، مسطح، حراقة،	کے جہازون کا نام یہ ہے، طریدہ، شینی
مرکوس، شلندی، اعراری۔	مسطح، حراقہ، مرکوس، شلندی، اعراری
ومنفعة المسلمین به اشهر	اس سے مسلمانون کو جو فائدہ پہنچتا ہے،
من ان تذکر، واکثر من ان	اس کے ذکر کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ
تحصر فاما الطریدة فانها برسم	عام طور پر مشہور ہے، اور اس کا احاطہ
حمل الخیل، واکثر ما تحمل	نہیں کیا جا سکتا، طریدہ گھوڑون کے
اربعین فرسا۔ واما الحمالة فیحمل	لادنے کے لئے مخصوص ہے، اور زیادہ سے
فیها الغلة۔ واما الشلندی فا[1]	زیادہ اس پر چالیس گھوڑے لادے

[1] شاید اس سے ناقرہ یا نقارہ کا لفظ تارپیڈو کے لئے برتا جا سکتا ہے، شاید حرّاقہ بھی، (: اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا،)

مرکب مسقف تقاتل الغزاة
علی ظهره وجذافون یجذفون
تحته. واما المسطح فهو فی معناه
فاما الشینی، ویسمی الغراب
(نسخة: العراب)، ایضا فانه
یجذف بمائة واربعین مجذاف
وفیه المقاتلة والجذافون،
والحراقة مختصرة وربما
کانت مایة (ملته) وحوالی ذلک
والعراری (الاعزاری) من
توابعه یحمل فیه الازواد،
والمرکوس لطیف لنقل الماء
لخفته یدخل علی المواضع و
یکون وسقه (وسعه؟) دون
مائة اردب۔

جاتے ہیں، حمالہ میں غلہ لادا جاتا ہے، مسلندی
ایک چھت والا جہاز ہے، جس کی چھت کے
اوپر سے سپاہی لڑتے ہیں، اور ملاح
اوسکے نیچے ہوتے ہیں، مسطح بھی اسی قسم
کا ہوتا ہے، شینی جسکو غراب بھی کہتے ہیں
وہ ۱۴۰ ڈنڈ سے چلایا جاتا ہے، اور اسمیں
سپاہی اور ملاح ہوتے ہیں، حراقہ
مختصر ہوتا ہے، اور بسا اوقات سو یا
اوس کے قریب قریب ہوتا ہے، اور
عراری اس کے پیچھے پیچھے چلتا ہے، اور
اس میں رسد لادی جاتی ہے، مرکوس
اپنے ہلکے پن سے پانی میں آسانی سے چلتا
ہے اور ہر جگہ جا سکتا ہے......

زین الدین المعبری کی تحفة المجاهدین فی بعض اخبار البرتکالیین[1] نامی تاریخ ملیبار میں بھی متعدد دیگر نام ہیں،

[1] یہ عربی کتاب، پرتگالی ترجمے کے ساتھ ۱۸۹۸ء میں لزبن (پرتگال) میں چھپی ہے، رسالہ تاریخ کا شائع کردہ جدید اڈیشن بلا مبالغہ فی سطر پانچ چھ غلطیوں کا حامل ہے، پتھر کے چھاپے نے اور بھی ناس

تمیم الداری، لفظ "داری" کے معنی بھی (عجمجر صفحہ ۱) ملاح کے بتائے گئے ہین، کیا حضرت تمیم الداری رض کو بجائے قبیلۂ بنی الدار کی جانب منسوب کرنے کے، ان کے بحری سفرون کے باعث اس لقب سے ملقب ہونا قرار دیا جائے، تو زیادہ صحیح نہ ہوگا ؟ قصہ تمیم الداری پر مقریزی کا اشاعت طلب رسالہ "الضوء الساری لمعرفة خبر تمیم الداری" (مخطوطہ لائڈن وپاریس) کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے، اس کا ایک فقرہ یہ ہے:-

"تمیم بن اوس الداری یکنیٰ ابا رُقیّة قدم مصر وقیل ان قدومه کان للغزو والبحر......"

بوشہ، لفظ بوشہ کا استعمال (عجمجر صفحہ ۲۲) المعبری نے بھی ملیبار کی تاریخ میں کثرت سے کیا ہے، شاید اس کو (Barge, Bark, Barchella, Barque, Barquella) BARCA یوروپی السنہ کے کسی لفظ سے تعلق ہو، ممکن ہے پرتگالی تلفظ ہو، پرتگالی لغت اس وقت میرے سامنے نہیں ہے،

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۳۳۰) کر دیا ہے، مزید بران اسمین بعض اصلاحین اصلاحِ ناشناس ہین، مثلاً شہر کوشی (مقامی تلفظ کچی) کو کوشن (بربنائے Cochin) کر دیا گیا ہے، ۵ یہ امر شاید دلچسپی سے پڑھا جائے گا، کہ لفظ یورپ کی اصلیت کیا ہے، میرے ایک "سامی لسانیات" کے پروفیسر نے پارس میں بیان کیا تھا کہ بابل والے مشرقی ملکون کو شمش آسیا کہتے تھے، اور مغربی ملکون کو شمش اوریبا، عربی دان فوراً پہچان لین گے، کہ شمش وہی ہے، جو عربی میں شمس (سورج) کی صورت مین برتا جاتا ہے، آسیا اٹھنے اور نکلنے کے معنی میں مواساة (غم دور کرنا ہمدردی کرنا) سے غالباً تعلق رکھتا ہے، موسیٰ (پانی سے نکالا ہوا) بھی اس سے رشتہ رکھتا ہے، بابلی زبان میں (غ) نہیں تھا، وہ اسے الف کی طرح پڑھتے تھے، اس طرح معلوم ہوگا کہ اوریبا، اور غروب غرب مغرب میں کتنا گہرا تعلق ہے، انہی بابلی الفاظ سے یورپ اور ایشیا بنے اور پھیلے ہین،

زبان زد بحری محاورے، الفاظ کی اس بحث کے سلسلے میں یہ امر بھی شاید قابلِ ذکر ہے، کہ متعدد بحری محاورے عربون کی زبان پر چڑھ گیے تھے، یہ سمندر سے روزمرہ کے تعلق کے بغیر ممکن نہیں، ان میں سے دو پر کچھ بیان بے محل نہ ہوگا،

ایک تو خود قرآن مجید (۸:۴۶) میں بھی برتا گیا، "تذھب ریحکم" تمھاری ہوا اکھڑ جائیگی، یا تمھاری قوت جاتی رہے گی" اس محاورے کی اصلیت میرے خیال میں بادبانی جہازرانون کا محاورہ ہوگا، کہ بادبان سے ہوا بدل گئی، خواہ رُخ کے تغیر سے خواہ بادبان کے پھٹ یا ٹوٹ جانے سے، تو جہاز اور جہازران بے بس ہو جاتے ہین،

دوسرا ایک اور محاورہ "مابلّ بحر صوفۃ" کا ہے، اور نہ صرف عبدالمطّلب کی جانب منسوب ایک معاہدے میں[۱] برتا گیا ہے، بلکہ ہجرت کے بعد ہی آنحضرت صلعم نے جو معاہدے[۲] ہمسایہ عرب قبائل سے کیے ان میں بھی اس کا کئی بار استعمال ہوا ہے، ابن ہشام نے بھی اپنی سیرت میں اسے برتا ہے، اس کا سرسری با محاورہ ترجمہ ہوگا، کہ جب تک سمندر موجیں مارتا ہے یعنی ہمیشہ کے لئے، لیکن خود "صوف البحر" بھی ایک دلچسپ چیز ہے، اس پر کم کچھ سننے میں آتا ہے، اسلئے اگر ابن البیطار کی کتاب المفردات (جلد ۲ ص ۱۴۱ ب) اصطخری (ص ۴۲، س ۱۰ الخ)[۳] اور دوزی (Dozy) کی عربی لغت (Supplement، ج ۱، ص ۸۰۰) سے اس صوف البحر یعنی سمندری اون کی تشریح معارف میں کسی وقت شائع کر دی جائے، تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، اگر موقع ملا تو کسی آیندہ فرصت مین اسے ناظرین معارف کے سامنے پیش کرونگا،

قرآن اور سمندر، قرآن مجید میں سمندر کا ذکر (عکس ص ۳۰ تا ۴۰) ایک مستقل مقالے کا محتاج ہے، یادداشت

---

[۱] زینی دحلان (السیرۃ المحمدیۃ) جلد ۱ ص ۳۰-۳۱ تا ۴۰، [۲] ابن سعد جلد اق ۲ ص ۲۶ تا ۲۷ (معاہدات بنوضمرہ، بنو غفار، نعیم بن مسعود اشجعی)، [۳] یہ دونون حوالے خود دوزی کی لغت میں تشریح کے ضمن میں مندرج ہین،

کے لئے لینن گراڈ کے پروفیسر بارتولد کے مضمون کی طرف یہاں صرف اشارہ کرونگا، جس کا جرمن ترجمہ جرمنی کے مشہور شرقیاتی رسالے (Zdmg) سنہ ۱۹۲۹ء (کے صفحہ ۲۰ تا ۴۴) میں ڈاکٹر رینٹز نے بعنوان ذیل کیا ہے:-

Der Koran und das meer

یعنی قرآن اور سمندر، اصل مضمون (Zapiski Kollegii vostokovedov i P.106 110)

میں سنہ ۱۹۲۵ء میں روسی میں شائع ہوا تھا، اس مضمون میں پروفیسر بارتولڈ آنجہانی نے علاوہ اور باتوں کے اس یوروپی خیال کو پھر سے تازہ کیا ہے، کہ آنحضرت صلعم نے خود ضرور بحری سفر کیا ہوگا، اسکے بغیر قرآن میں سمندر کے سفر وغیرہ کا اتنا مدققانہ اور کثیر ذکر نہ ہوتا، [1]

قصۂ حضرت موسیٰ "وَكَانَ وَرَاءَهُمْ مَلِكٌ يَأْخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصْبًا" (سورۂ کہف) کی بھی کچھ تحقیق شامل کردیجاتی تو بے محل اور غیر دلچسپ نہ ہوتی،

مرزوقی، "مرزاقی" (تکملہ ص ۴۴) غالبًا طباعت کی غلطی ہے، اس سے مراد المرزوقی ہیں، ان کی زیر تذکرہ کتاب الازمنہ والامکنہ میں قسم قسم کے معلومات کا ایک نہایت قابلِ قدر گنجینہ فراہم کیا گیا ہے اسکے نام میں وہ وسعت نہیں، جو اسکے مواد میں ہے،

عہد نبوی کے مزید معلومات، عہد نبوی کے ان معلومات (تکملہ ص ۴۴ تا ۵۰) سے پیاسوں کی تشفی نہیں ہوسکتی، اس سلسلے میں چند اور چیزوں کا اضافہ کیا جاسکتا ہے، مثلاً:-

---

[1] اس سلسلے میں شاید میرے ایک مضمون کی طرف اشارہ کیا جاسکتا ہے، جو انجمن ترقی اردو کے حالیہ شائع کردہ مجموعہ مضامین حبش اور اطالیہ کے صفحہ (۱۰۶ تا ۱۱۱) میں خاص اسی بحث پر ہے، کہ آیا آنحضرت صلعم نے کبھی حبش کا سفر فرمایا تھا، میرا پورا مضمون صفحہ (۱۰۰ تا ۱۱۱) تک ہی ہے، گو بظاہر پورا باب صفحہ (۱۲۴) تک میری جانب منسوب نظر آتا ہے،

۱- وہ احادیث جن میں بحری جنگون کی پیشینگوئی ہے، وغیرہ،

۲- عہد نبوی کی ایک بحری جنگ (حوالہ: طبقات ابن سعد، جلد ۲، ق ا ص ۷، تا ۱۸ا)[1]

۳- آنحضرت صلعم کے معاہدے اَیلہ (شمال مغربی عرب) اور بحرین (جنوب مشرقی عرب) کی بندرگاہون کے باشندون سے جنمیں بحری جنگون اور تجارت کے متعلق بھی دفعات ہین[2]

نجاشی کا بھیجا ہوا وفد، | نجاشی کے وفد (ملکجر ص ۹۴) کے متعلق عام طور سے مشہور تو یہی ہے کہ جہاز کے ڈوبنے سے ہلاک ہوگیا، وفد کا سرگروہ نجاشی کا بیٹا بھی اسی زمرے میں شامل تھا لیکن سمہودی نے تاریخ مدینہ ( ) میں بیان کیا ہے، کہ نجاشی کا بیٹا مدینہ آیا، اور حضرت علیؓ سے رشتۂ موالات بھی پیدا کرلیا، اور بعد میں اپنے باپ کے مرنے پر مدینہ ہی میں رہنا پسند کیا، اور حبشہ جاکر تخت نشین ہونے سے انکار کردیا، حبشی وفد کے آنے کا ذکر ابن عبد الباقی وغیرہ نے بھی کیا ہے، اور لکھا ہے، کہ آنحضرت صلعم وفورِ اخلاق سے ان لوگوں کی خدمت خود فرماتے تھے، اور یہ گویا مہاجرین مکہ کی حبشہ میں پناہ دہی کا جواب تھا، ابن عبد الباقی کی الطراز المنقوش (حالات حبشہ پر) نیز فضائل حبشیان کی ایک مطبوعہ کتاب سواطع الانوار (ص ۸۲) پر آنحضرت صلعم کے نام آیا ہوا نجاشی اَصحمہ کا جو خط درج ہے، اس میں اس وفد اور اپنے بیٹے اریحا کے بھیجنے کا ذکر ہے اگر خط صحیح ہے تو نامہ بر یقیناً نجاشی کا بیٹا ہوگا، مگر یہ خط متقدمین کے ہان نہیں ملتا،

حضرت عمرؓ | کتاب الخراج میں امام ابو یوسف لکھتے ہین، کہ حضرت عمرؓ نے "قوم من اہل الحرب وراء البحر" سے تجارتی معاہدہ کیا تھا، کہ وہ ممالک محروسۂ اسلامیہ میں آیا کرین،

---

[1] **معارف**: افسوس کہ یہ حوالہ درست نہیں، [2] معاہدۂ ایلہ جو یحنہ بن رؤبہ سے ہوا، سیرت ابن ہشام (ص ۹۰۲) طبقات ابن سعد (جلد ا، ق ۲ ص ۳۷) ابو عبید کی کتاب الاموال (فقرہ ۵۱۳) و نیز دیگر کتابوں میں ملے گا، بحرین کا معاہدہ جو قبیلۂ عبد القیس سے ہوا، ابن سعد (جلد ا، ق ۲، ص ۲۲ تا ۲۴) میں ہے،

قسطنطنیہ پر حملے، مسلمانوں کے ابتدائی بحری حملوں میں (عرص ۵۰ تا ۶۲) استانبول پر حملوں کا ذکر نہیں نظر آیا، حالانکہ حضرت معاویہ کے عہد کے حملے کی یاد دلانے والا وہاں حضرت ابوایوب رضی کا مزار یادگار زمانہ ہے، عبدالملک بن مروان کے غالباً بیٹے مسلمہ کا حملہ بھی قابل ذکر ہے، اسکے واقعات ایک قدیم ترکی تالیف (الاقوال المسلمہ فی غزوات المسلمہ) میں تفصیل سے ملتے ہیں، جسکے مخطوطے علاوہ استنبول کے کتبخانوں کے کیمبرج یونیورسٹی لائبریری میں بھی میری نظر سے گذرے ہیں، مقدسی کی جغرافیہ میں بھی قسطنطنیہ کے ذکر میں اس کا کچھ بیان ہے، اور وہ لکھتا ہے کہ قسطنطنیہ اس وقت بصرے کے برابر یا اس سے بھی کچھ چھوٹا شہر ہے، استانبول کے یوروپی حصے میں غلطہ کے پل کے قریب جو "عرب جامعی" ہے، وہ بھی اسی زمانہ کی یادگار بیان کی جاتی ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ گو اس مسجد کی تعمیر جدید حال میں ہوئی ہے لیکن اسکی طرز بنا استانبول کی باقی تمام مسجدوں سے جدا ہے، اور خالص عربی وضع کی ہے جسمیں بیزنطینی اثر کو دخل نہیں، مسجد کے اندر ایک منظوم کتبہ بھی ہے، اسکے چند اشعار نقل کرتا ہوں جن سے ضروری تاریخ اور معلومات حاصل ہون گے،

کیم آلتمش آلتی سنہ گچمش ایدی ہجرتدن (۶۶)	....
چون اولدی حضرت عبدالملک خلیفۂ دین	....
مراد ایدی قسطنطنیہ یہ اوسفر،	کہ قیلدی مسلمہ نامداری سرعسکر
....	....
بو دعظمی گوش ایدن عربادن الی بیک آدم	تعہد ایلدیلر تا بعین ایلہ اول دم
صحابہ دندہ نیجہ کیمسہ قیلدی بیلہ سفر (بچاس ہزار)	جناب حقہ توکلہ اولدیلر رہبر،
....	....
دیار رومہ کلوب اول بو شہری فتح ایتدی	ایچندہ بولدیعنی مالی جیشہ بخش ایتدی

بو بیتی مالِ غنیمتلہ ایلیوب معمور   کہ نامی اد لدی عرب جامعی ایلہ مشہور

....

یدی سنہ بو شہر دہ اقامت ایلدیلر   بو بارگاہِ خدادہ عبادت ایدیلر

وغیرہ وغیرہ کل چونتیس شعر ہین، جو مین نے نقل کرلئے تھے، اس کتبے اور اس کے بیانات کی تحقیق شاید کسی اور صحبت مین کر سکون، جس میں مسجد کے فرش کی پیمایش اور نقشے وغیرہ کی اپنے پاس کے مواد کی مد سے توضیح و تشریح بھی ہوگی، اوپر کے اشعار سے معلوم ہوگا، کہ ۲۶؁ھ میں دعوتِ جہاد پر لبیک کہکر پچاس ہزار عربوں کی فوج جسمین چند صحابہ اور تابعین بھی شریک تھے، یہان آئی، مالِ غنیمت سے اس مسجد کو تعمیر کیا، اور سات سال تک یہیں مقیم رہی،

مصنوعی آبی راستے، مسلمانوں کی ابتدائی بحری کارروائیوں میں مجھے ایک اور واقعہ یاد آتا ہے، جو تاریخ طبری (۲۰۴۸) میں ہو کہ حضرت خالد بن الولید رضؓ نے سپاہیون کو کشتیون میں سوار کرا کے عراق کی بعض نہرون سے گذرنا چاہتے تھے، ایرانیون نے ان کا پانی خالی کر دیا، اور کشتیان چل نہ سکین، پھر نہرون میں پانی آنیکے مقام کی مرمت کیگئی، اور کشتیان منزلِ مقصود کو روانہ ہوئین،

امام ابو یوسف کی کتاب الخراج میں آبی راہون کی مرمت اور نگہداشت پر متعدد فصلین ہین، ان کی جانب بھی اس سلسلے میں اشارہ کیا جا سکتا ہے،

(باقی)

عربون کی جہاز رانی

یہ اون چار خطبون کا مجموعہ ہے، جو ۱۹۳۱؁ء مین بمبئی گورنمنٹ کے شعبۂ تعلیم کی سرپرستی اور اسلامک ریسرچ ایسوسی ایشن بمبئی کے اہتمام مین، بمبئی میں دیئے گئے تھے، یہ مطبع معارف میں ۲۰ پونڈ کے چکنے اور نفیس کاغذ پر چھپ کر ایسوسی ایشن مذکور کی طرف سے شائع کیا گیا ہو کتابت و طباعت بے حد دیدہ زیب ہے،

تقطیع ۲۲×۱۸/۸ حجم ۲۰۰ صفحات، قیمت

"منیجر"

اکبر کا علمی ذوق

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب رفیق دار المصنفین،

ہمایون کی زندگی جس طرح آوارہ گردی اور پریشان حالی میں گذری وہ سب کو معلوم ہے، شہزادہ اکبر کو چند سال بھی اپنے بزرگ باپ کیساتھ چین سے رہنا نصیب نہیں ہوا، اور اکثر ظالم چچا کے پنجہ میں گرفتار رہا، اور ابھی تیرہ ہی برس کا تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا، اور سلطنت کا بارِ عظیم اس کے کندھون پر رکھدیا گیا، اس حالت مین اسکی تعلیم کہان تک ہو سکتی تاہم ہمایوں کی علم دوستی کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اپنے لڑکے کی تعلیم سے غافل نہ رہے، چنانچہ ان ہنگامہ پرور واقعات کے ہوتے ہوئے بھی وہ اکبر کی تعلیم کی سخت نگرانی رکھتا تھا، وہ جب ۴ سال ۴ مہینے اور ۴ روز کا ہوا، تو اس نے مکتب کی رسم ادا کی، "سوانح اکبری" مصنفہ امیر حیدر حسینی واسطی بلگرامی مین ہو:۔

"مکتب نشستن شاہزادہ و ذکر اساتذۂ او، ہفتم شوال سال نہ صد و پنجاہ و چہار کہ از عمر شاہزادہ چہار ماہ و چہار روز بسر شدہ بود، در مکتب در آوردند، و ملا زادہ عصام الدین ابراہیم را باین خدمت اختصاص می بخشیدند، و از سوانح این کہ برائے افتتاح ساعتے خاص باتفاق اہل تنجیم تعیین کردہ بودند، چو ساعت مختار رسید شاہزادہ بذوق بازی در گوشہ رفت کہ باین ہمہ توجہ و اہتمام جنت آشیانی ہر چند تکاپو نمودند پے نبردند، و ہمانا حکمت ایزد درین باب نزد مولف آنست کہ ظاہر بینان معلوم کنند، کہ حصول این امر موقوف بر عنایت فیاض حقیقی است، و در بند رسوم

اصحاب علم نجوم گرفتار نباید بود، چنانچہ بادشاہ با آنکہ در ساعت مختار ستارہ شناسان آغاز خواندن نہ نمود، لیکن استعداد شایستہ در ادراک وقائق شعر و انشا کرد و خود ہم سخن را موزون می نمود"[1]

ابوالفضل رسم مکتب کی تقریب کا ذکر ان لفظوں میں کرتا ہے:-

"از ہفتم شوال این سال کہ از عمر ابد پیوند حضرت شاہنشاہی چہار سال و چہار ماہ و چہار روز شدہ بود، بآئین رسم و عادات آن آموختہ درسگاہ الٰہی و رموز دان دبستان ربانی را در مکتب بشری درآوردند و ملازادہ ملا عصام الدین ابراہیم را باین خدمت گرامی شرف اختصاص بخشیدند، اگرچہ در نظر ظاہر بینان بآموزش فرستادند، اما در دین دوربینان بارگاہ ظہوران حضرت را بپایۂ والائے آموزگاری بردند، از غرائب آنکہ حضرت جہانبانی کہ از علوم آسمانی آگاہ بودند، و بدقائق نجوم می رسیدند، باتفاق ستارہ شماران باریک بین و اسطرلاب دانان وقت شناس ساعتے خاص برائے افتتاح آن حضرت تعین فرمودہ بودند کہ در اوداد و اعمار بہم تواند رسید، چون ساعت مختار رسید آن مودب بآداب الٰہی بلباس بازی درآمدہ در پردہ احتجاب مختفی شدند، و بآن توجہ و اہتمام بادشاہی ہرچند تکاپوے فرمودند پے بآن حضرت نبردند، و آگاہ دلان روشن ضمیر ازین سر بدیع دریافتند کہ مقصود ازین آنست کہ آن خداوند خرد والا کہ مخصوص بہ تعلیم ایزدی ست بعلوم رسمی روزگار مشوب و منسوب نشود، تا در ہنگام ظہور این خدیو نکتہ شناس برزمانیان ظاہر شود، کہ دانشورے این بادشاہ دانشوران از قسم موہبتے ست، نہ از جنس مکتبی ست باوجود این معنی بر ضمیر اقدس آن حضرت نقوش حرفی و علوم رسمی چہ از آنچہ رقم زدۂ قلم اہل فنون شدہ و چہ از ان نکات اسرار کہ

---

[1] سوانح اکبری قلمی نسخہ ص ۱۹ برٹش میوزیم بحوالہ رسالہ جامعہ ماہ فروری ۱۹۲۹ء،

از مبدء فیاض بے توسط تعلیم و تعلّم بر باطن انوار فائز گشتہ جلوۂ ظہور دارد، و لہذا ارباب حکمت و اصحاب ریاضت و صاحبان علوم ظاہری و وارثان صنائع کلی و جزوی چون در بساط حضور اقدس میرسند، از شناسائی خود سر خجالت گریبان تامل فرو بردہ، حیران می مانند القصہ چون چندگاہ پیش آن افادات انتساب بخواندنی زبون تر از ناخواندن اشتغال داشتند اہل ظاہر بر عدم کوشش آخوند حمل کردہ در تغیر آن اہتمام نمودند، وآن بے چارہ را معزول ساختہ خدمت او را بمولانا بایزید مقرر ساختند و ندانستند کہ کارفرمایان ابداع اہتمام دارند کہ ضمیر الہام آن نور پرور ایزدی محل انعکاس نقوش مداوی و مورد انطباع سواد علوم ظاہری نگردد[۱]۔

ملا عصام الدین ابراہیم اور مولانا بایزید کے علاوہ اکبر کے استادون میں مولینا پیر محمد خان نقیب خان اور مولینا میر عبد اللطیف قزوینی کے نام بھی لئے جاتے ہین، میر عبد اللطیف قزوینی اکبر کو دیوان حافظ پڑھایا کرتے تھے[۲]،

اب سوال یہ ہے کہ ہمایون کی کوشش اور ان مختلف استادون کی تعلیم کہان تک بار آور ہوئی، اکبر کے خوشامدی مورخین تو اس کو اُمّی محض بتاتے ہین، چنانچہ ابھی دیکھ چکے کہ ابو الفضل اسکو امی بتا کر اسکی تشریح یون کرتا ہے، کہ پروردگار کو ثابت کرنا تھا کہ یہ برگزیدۂ الٰہی علوم ظاہری کی تحصیل کے بغیر ہمارے نامتناہی فیوض کا منبع ہے، پھر لکھتا ہے، کہ اس میں حکمت الٰہی یہ تھی، کہ اہل عالم پر یہ روشن ہوجائے کہ اکبر کی تمام عقل و دانش خداداد یعنی الہامی ہے، کسی بندہ سے حاصل ہوئی نہین، ابو الفضل کی یہ ساری توجیہ ظاہراً اس لئے ہے، کہ وہ اکبر کو پیغمبرون کی صف میں لا کر کھڑا کرنا چاہتا ہے،

لیکن اسکو کون مان سکتا ہے کہ ہمایون کی اتنی توجہ اور استادون کی اتنی کوشش کے باوجود اکبر لکھنا پڑھنا کچھ جانتا ہی نہ تھا، حالانکہ اس کے لئے یکے بعد دیگرے کئی استاد مقرر ہوئے، جہان ایک استاد

---

[۱] اکبر نامہ جلد اول ص ۲۹۶، نولکشور، [۲] منتخب التواریخ، بدایونی، جلد سوم، ص ۹۰،

کی غفلت معلوم ہوئی، وہ فوراً علٰحدہ کر دیا گیا، اور دوسرا مقرر ہوا، اسکے باوجود وہ نوشت وخواند سے اتنا نابلد رہا، کہ اپنا نام تک بھی اپنے ہاتھ سے لکھ نہیں سکتا تھا، ابوالفضل آئین اکبری میں "آئین آموزش" کے عنوان سے یہ لکھتا ہے کہ گیتی خداوند" کے کہنے سے "حرف آموزی وتعلیم" کا ایک طریقہ نکالا گیا ہے جس سے بچے برسوں کی تعلیم مہینوں میں حاصل کر لیتے ہیں، جو شخص "آئین آموزش" کے اتنے دقیق نکتہ کو اس آسانی سے حل کر لیتا ہے، اس کے متعلق یہ کیونکر کوئی مان سکتا ہے، کہ وہ حرف شناسی سے محروم تھا[۵]

بہر حال اکبر کے امی محض ہونے کا دعوی شک وشبہہ سے خالی نہیں، بہر حال یہ بات تعریف کے قابل ہے کہ اس کم سوادی اور علمی کم مائگی کے باوجود اس کے دل میں علوم وفنون کا شوق اور اسکی قدردانی کا جوش اتنا تھا کہ جو کسی عالم بادشاہ کو بھی نہیں ہوا، اسکے ذاتی شوق کا یہ عالم تھا، کہ فارسی کی مشہور کتابوں میں سے شاید ہی کوئی کتاب ہو جو اس کے سامنے پڑھی نہ گئی ہو، اخلاق ناصری، کیمیاے سعادت، قابوس نامہ، مکتوبات شرف منیری، گلستان، حدیقہ، مثنوی معنوی، جام جم، بوستان، شاہنامہ، خمسہ شیخ نظامی، خسرو اور مولینا جامی کے کلیات، خاقانی اور انوری کے دیوان، اور ہر قوم کی تاریخیں اسکے سامنے بلاناغہ پڑھی جاتی تھیں، پڑھنے والے ہر روز جہاں ختم کرتے تھے، وہاں اکبر اپنے ہاتھ سے نشان (شاید صفحہ یا تاریخ کا) بنا دیتا تھا، اور جب کتاب ختم ہو جاتی، تو پڑھنے والے کو جیب خاص سے انعام دیتا[۶]، اسی وسیع مطالعہ کا نتیجہ تھا، کہ کوئی تاریخی سرگذشت، فقہی مسئلہ، علم وفن اور فلسفہ وحکمت کا نکتہ ایسا نہ تھا، جو اس کے علم میں نہ ہو، اور جس پر وہ خود بحث اور گفتگو نہ کر سکتا ہو، اس کے علمی مذاق کے متعلق جہانگیر تزک جہانگیری میں لکھتا ہے

---

[۵] رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں ظفرنامہ کا ایک قدیم قلمی نسخہ ہے، اس کے سرورق پر اکبر کے دست خاص کا لکھا ہوا لفظ "فروردین" موجود ہے، اس کے نیچے جہانگیر کے قلم کی لکھی ہوئی یہ تصدیق ہے کہ یہ لفظ عرش آشیانی کا لکھا ہوا ہے، اور پھر اس کے نیچے شاہجہان کی تحریر ہے، (جامعہ بابت ماہ جنوری سنہ ۲۹)

[۶] آئین اکبری ص ۷۶،

"وبدقائق نظم ونثر چنان می رسیدند کہ مافوقے بران متصور نبود"[۱]،

اکبر کا علمی وادبی ذوق اسقدر بلند ہوگیا تھا کہ وہ خود اشعار کہتا، اور اساتذہ کے اشعار پر اصلاح دیتا، تاریخ فرشتہ میں ہی:-

"اگرچہ خط سواد کامل نہ داشت اما گاہے شعر گفتے، و در علم تاریخ وقوف تمام داشت وقصص ہند نیکو می دانست"[۲]

سوانح اکبری کا مصنف لکھتا ہے:-

"......لیکن استعداد شائستہ در ادراک دقائق شعر و انشا رکرد، و خود ہم سخن را موزوں می نمود"[۳]

محمد حسین آزاد دربار اکبری میں اکبر کے اشعار نقل کرتے ہوئے، لکھتے ہیں کہ

"اشعار جو اس کے نام پر کتابوں میں لکھے ہیں، اسی کے ہیں، کیونکہ اگر وہ ملک شاعری میں شہرت چاہتا، تو شاعر ہزاروں تھے، جلدیں کی جلدیں تیار کر دیتے، لیکن جب یہی چند شعر اس کے نام پر لکھے ہیں، تو اپنی ہی طبیعت کی امنگ ہے، جو کبھی کبھی موقع پر ٹپک پڑی ہے، شاید لفظ یا لفظوں میں کسی نے اصلاح بھی کر دی ہو"[۴]

اکبر کے وہ اشعار حسب ذیل ہیں،

گریہ کردم زغمت موجب خوشحالی شد | ریختم خون دل از دیدہ دلم خالی شد

رباعی

مے نازدکہ دل خون شدہ از دوری او | من یار غم زدست مہجوری او،

---

[۱] تزک جہانگیری ص۱۵ نولکشور پریس، [۲] تاریخ فرشتہ [۳] سوانح اکبری، قلمی نسخہ ص۱۹ برٹش میوزیم [۴] دربار اکبری از محمد حسین آزاد ص۱۲۶،

در آئینہ چرخ نہ قوسِ قزح است عکس است نمایان شدہ از چوری او

قطعہ

بدوشنبہ بکوئے می فروشان پیمانۂ بزر خریدم،
اکنون زخمار سر گرانم، زر دادم و دردِ سر خریدم

مطلع

من بنگ نمی خورم می آرید، من چنگ نمی زنم نیارید،
حاجی بسوئے کعبہ رود از برائے حج، یارب بود کہ کعبہ بیاید بسوئے ما،

اکبر نے بارہا اساتذہ کے اشعار پر نکتہ چینیاں بھی کین، اور نقادانِ فن نے اس کی تنقید کی داد بھی دی،
ایک دفعہ کسی نے فغانی کا یہ شعر پڑھا،

میحا یار و خضرش ہمرکاب و ہم عنان عیسیٰ
فغانی آفتابِ من بدین اعزاز می آید،

اکبر نے دوسرے مصرعہ میں برجستہ اصلاح دی،

فغانی شہسوارِ من بدین اعزاز می آید،

(شعر العجم حصہ سوم ص۹)

اکبر کو علم وفن سے جو خاص طبعی مناسبت تھی، اس کا اندازہ ان صحبتون سے بھی ہوتا ہے، جو اس کے دربار کا ایک ضروری جزو تھیں، اور جس میں ہر فن کے اربابِ کمال جمع ہو کر مختلف مسائل پر بحث و نظر کرتے تھے، اور ان میں اکبر خود برابر کا حصہ لیتا تھا، خوش قسمتی سے اس کے دربار مین ایسے اربابِ کمال جمع ہو گئے تھے، جو کسی ایک عہد میں کم نظر آتے ہیں، عام طور پر لوگ اکبری عہد کی عظمت صرف سیاسی حیثیت سے جانتے ہین، لیکن واقعہ یہ ہے، کہ یہ دور علمی حیثیت سے بھی کم درخشان نہیں، یوں تو

ہندوستان کی مغل حکومت کی تاریخ میں علم پروری اور علما نوازی اس حکومت کی بنیاد کیساتھ ہی نظر آتی ہے، لیکن یہ عجیب بات ہے، کہ علوم و فنون کا عظیم الشان قصر اس کم سواد فرمانروا کے عہد میں تکمیل کو پہنچا، آیندہ سطروں میں ہم ان تراجم اور تالیفات کا ذکر کرتے ہیں، جو علم و فن اور عقل و دانش کے آسمان پر ستارہ بنکر چمکیں، اور جن کی روشنی سے اکبر کا عہدِ سلطنت منور تھا، سب سے پہلے ہم ان تراجم کو لیتے ہیں جو اکبر کی فرمایش سے کئے گئے،

تراجم، ا۔ مہابھارت، سنہ ۹۹۰ھ میں اکبر کی خواہش ہوئی کہ مہابھارت کا فارسی ترجمہ ہو، اس کام کیلئے پہلے ہندو پنڈتوں کو جمع کیا جنھوں نے مہابھارت کے نفس موضوع کی تشریح کی، اس کے بعد ترجمہ کا کام نقیب خان کے سپرد کیا، اور اکبر نے خود کئی متواتر راتوں میں نقیب خان کو ترجمہ کی نوعیت کو سمجھایا، ملا عبد القادر بدایونی بھی جو زبانِ سنسکرت کے ایک جید عالم تھے، اس کام پر مامور ہوئے، ملا عبد القادر مہابھارت کو "مزخرفات لاطائل" بتاتے ہیں، اس لئے بطیب خاطر اس کام کو انجام دینا نہیں چاہتے تھے لیکن شاہی حکم کی نافرمانی بھی نہیں کرسکتے تھے، چار مہینے کی کوششوں کے بعد ۱۸ باب (ہژدہ فن) کا ترجمہ کرسکے، بقیہ حصوں کو ملا شیری، نقیب خان اور سلطان حاجی تھانیسری نے ختم کیا، شیخ فیضی نے ترجمہ کی زبان کو سلیس اور فصیح بنانے کی کوشش کی لیکن وہ دو باب سے آگے نہ بڑھ سکا، حاجی سلطان تھانیسری نے اپنے ترجمہ پر نظر ثانی کرنا شروع کی، اس کام میں مشغول ہی تھا کہ سیاسی اسباب کی بنا پر اس کو دار السلطنت چھوڑنا اور بھکر جانا پڑا، اکبر نے مہابھارت کے ترجمہ کا نام رزم نامہ رکھا، اور تمام معرکوں کی تصویریں بنا کر اس میں شامل کیں، ابوالفضل نے اس پر دو جزو کا خطبہ لکھا ہے[1] جس کے آخر میں ۹۹۵ھ درج ہے، جس سے پتہ چلتا ہے، کہ کتاب پانچ سال کی مدت میں ترجمہ ہوئی، یہ ترجمہ اب تک متفرق کتبخانوں میں پایا جاتا ہے،[2]

[1] بدایونی جلد دوم صفحہ ۳۱۹-۳۲۱، [2] فہرست مخطوطات انڈیا آفس و برٹش میوزیم کتب نمبر ۱۳۴-۰ ۵۶ ۳ بوڈلین لائبریری کتب نمبر ۱۴۶۰-۱۲

۲۔ رامائن:۔ ۹۹۵ھ میں عبد القادر بدایونی نے شاہی حکم کے بموجب رامائن کا ترجمہ کرنا شروع کیا، اور ۹۹۹ھ میں تمام کیا، ترجمہ ایک سو بیس جزو پر مشتمل تھا، کتاب کے تتمہ پر مندرجہ ذیل شعر لکھکر بادشاہ کی خدمت میں پیش کیا،

ما قصہ نوشتیم بہ سلطان کہ رساند
جان سوختہ کردیم بہ جانان کہ رساند

اکبر بہت محظوظ ہوا، اور اس نے خواہش ظاہر کی، کہ بدایونی اس کتاب کے آغاز میں کوئی فاضلانہ مقدمہ بھی تحریر کردے، لیکن بدایونی نے کفر و الحاد کی کتاب پر روشنی ڈالنے سے اغماض کیا، اس کتاب کے نسخے مختلف کتب خانوں میں موجود ہیں، (انڈیا آفس لائبریری نمبر ۱۹۶۳، بوڈلین لائبریری نمبر ۱۳۱۵)

۳۔ سنگھاسن بتیسی:۔ ۹۸۲ھ (۷۵-۱۵۷۴) میں عبد القادر بدایونی نے سنسکرت کی مشہور کتاب سنگھاسن بتیسی کا فارسی ترجمہ کیا، اس کتاب میں ہندوؤں کے مشہور راجہ بکرماجیت (مالوہ) کے متعلق بتیس قصے ہیں، اکبر کا حکم پاکر بدایونی نے ایک برہمن کی مدد سے ان قصوں کو فارسی جامہ پہنانا شروع کیا، اور اختتام پر کتاب کا تاریخی نام خرد افزا رکھا، اکبر اس کتاب کو بہت پسند کرتا تھا،[۲] (بوڈلین لائبریری کتاب نمبر ۱۳۲۴)

۴۔ حیوۃ الحیوان:۔ دمیری کی شہرۂ آفاق کتاب حیوۃ الحیوان کو شیخ مبارک نے فارسی میں ترجمہ کیا، اکبر کو نقیب خان پڑھکر سناتا، اور معنی سمجھاتا جاتا تھا، اس مشکل کو رفع کرنے کیلئے اکبر نے اس کے فارسی ترجمہ کا حکم دیا، جو شیخ مبارک کے ذریعہ سے ۹۸۳ھ میں تمام ہوا،[۳]

۵۔ اتھربن۔ اکبر ہندوؤں کے علوم و فنون سے خاص شغف رکھتا تھا، چنانچہ ان کے مذہب کے معلومات حاصل کرنے کی غرض سے ان کی مقدس کتابوں کو زبان فارسی میں لانا چاہتا تھا، اتھربن کا

---

[۱] بدایونی جلد دوم ص ۳۶۶، [۲] بدایونی، جلد دوم ص ۱۸۴، [۳] ایضاً ص ۲۰۴،

فارسی ترجمہ اسی خیال سے اس نے کرایا، اس کی فرمایش پہلے اوس نے شیخ فیضی سے کی، پھر شیخ ابراہیم سرہندی کے ذمہ یہ خدمت سپرد کی، شیخ ابراہیم نے یہ خدمت گو انجام دی، مگر ترجمہ اکبر کے خاطر خواہ نہیں ہوا،[۱]

۶- انجیل :- عہد اکبری میں نصرانی مبلغین شاہی دربار میں رسوخ حاصل کر چکے تھے، اکبر نے دین مسیحی کی جزئیات اور تفصیلات سے واقفیت بھی حاصل کی، اور شہزادہ مراد کو اس کی تعلیم بھی دلائی اور انجیل کا فارسی ترجمہ بھی کرایا، اس کام کیلئے ابوالفضل کو مامور کیا جس نے ۹۸۶ھ میں اس کو انجام دیا،[۲] انہی اسباب پر بعض خوش فہم پادریوں کا خیال ہو کہ اکبر نے دین مسیحی قبول کر لیا تھا،

۷- تزک بابری، بابر نے اپنے حالات اور واقعات ترکی میں قلمبند کئے تھے، اور تزک بابری نام رکھا تھا، اکبر کی فرمایش سے خان خانان عبد الرحیم نے اس کا فارسی ترجمہ ۹۹۸ھ میں کیا، جسکی زبان نہایت سادہ، شستہ اور صاف ہی،

۸- لیلاوتی :- فن حساب کی ایک مشہور کتاب ہی، اس کا ترجمہ فیضی نے کیا،

۹- تاجک :- علوم نجوم میں ایک معتبر تصنیف ہے مکمل خان گجراتی نے اسکو فارسی کا قالب پہنایا،

۱۰- ہربنس :- کرشن جی کی زندگی کے حالات ہیں، مولینا شیری نے اس کا فارسی ترجمہ کیا،

۱۱- معجم البلدان :- شہاب الدین عبد اللہ یاقوت بن عبد اللہ حموی رومی بغدادی (متوفی ۶۲۶ھ) کی شہرۂ آفاق کتاب معجم البلدان کا فارسی ترجمہ ملا احمد ٹھٹھہ، قاسم بیگ، شیخ منور، اور دوسرے فضلاے روزگار نے مل کر کیا،

۱۲- تاریخ کشمیر :- راج ترنگنی مصنفہ کلہانا سلطان زین العابدین والی کشمیر کے زمانہ میں بزبان سنسکرت لکھی گئی تھی، اکبر نے کشمیر کے سفر میں اس کتاب کو دیکھا، اسکی خواہش ہوئی کہ اس کا فارسی ترجمہ ہو، چنانچہ

---

[۱] بدایونی، جلد دوم صفحہ ۲۱۲، [۲] ایضاً صفحہ ۲۹۰،

مولینا شاہ محمد شاہ آبادی نے اس کام کو انجام دیا، ابو الفضل کا بیان ہی کہ اس میں کشمیر کے متعلق چار ہزار برس کا حال لکھا ہی[۱]، اس کتاب کا فارسی ترجمہ چھپ گیا ہے[۵۲]، اس ترجمہ کا انتخاب ملا عبد القادر بدایونی نے بھی سلیس زبان میں کیا، جو شاہی کتبخانہ میں داخل ہوا[۵۳]،

۱۳- کلیلہ دمنہ:- قصہ کے طور پر حکمت عملی کی ایک مشہور سنسکرت کتاب ہے، ملاحسین واعظ نے اس کا فارسی ترجمہ کیا تھا لیکن سخت الفاظ و استعارات سے یہ ترجمہ اسقدر پیچیدہ اور مشکل ہوگیا تھا، کہ اس کا سمجھنا آسان نہ تھا، اکبر نے ابو الفضل کو حکم دیا، کہ اصل سنسکرت کو سامنے رکھکر ایسی عبارت میں ترجمہ کرو کہ اس کے پند و نصائح کو سب سمجھ سکیں، ۹۹۶ھ میں ابو الفضل نے اس کام کو انجام دیا، کتاب کا نام عیار دانش رکھا گیا[۵۴]، کتاب کے اختتام پر ابو الفضل نے ایک خاتمہ لکھا ہے جس میں بعض نادر معانی اور نکات بیان کئے ہیں، (انڈیا آفس لائبریری کتب نمبر ۷۰۰، بوڈلین لائبریری نمبر ۴۴۴-۴۳۸)

۱۴- نل و دمن:- یہ عشق و محبت کا ایک جگر گداز قصہ ہے، ۱۰۰۳ھ میں ملک الشعراء فیضی نے خسرو کی لیلی مجنون کی بحر میں اس کو نظم کیا، اس میں چار ہزار دو سو اشعار ہیں، اور قابل تعجب امر ہے کہ صرف پانچ مہینے کی مدت میں یہ عظیم الشان کارنامہ انجام ہوا، اس کے کمال و خوبی کی داد ملا عبد القادر جو فیضی کو ہمیشہ سخت الفاظ سے یاد کرتے ہیں، اس طرح دیتے ہیں،

"و الحق مثنوی ست کہ درین سی صد سال مثل آن بعد از میر خسرو شاید در ہند کسی دیگر نہ گفتہ باشد"[۵۵]

۱۵- جامع رشیدی:- ۹۹۳ھ میں عبد القادر بدایونی نے عربی کی ضخیم کتاب جامع رشیدی کا فارسی ترجمہ کیا، جو خزانہ عامرہ میں داخل ہوا[۵۶]

---

[۵۱] آئین اکبری ص ۷۰، [۵۲] انڈیا آفس کٹیلاگ ص ۲۱۰، [۵۳] بدایونی جلد دوم ص ۳۷۴، [۵۴] آئین اکبری ص ۱۱۵،
[۵۵] بدایونی جلد دوم ص ۳۹۶، [۵۶] ایضاً ص ۳۶۶،

۱۶۔ بحر الاسمار:۔ ہندی افسانہ کی ایک کتاب تھی، سلطان زین العابدین نے اس کا تھوڑا سا ترجمہ کرایا تھا، نامکمل تھی، ابو الفضل کی فرمایش سے ملا عبد القادر نے اس کام کو اپنے ذمے لیا، چنانچہ ۵ مہینے میں ترجمہ کا کام ختم کیا، جو ساٹھ جُزء میں تھا، اکبر نے خوش ہوکر دس ہزار ٹنکہ اور ایک گھوڑا انعام میں دیا[لہ]

اکبر نے نہ صرف سنسکرت کی کتابیں فارسی میں منتقل کرائیں، بلکہ عربی و فارسی کی کتابوں کو سنسکرت کا قالب پہنایا، چنانچہ زیج مرزائی کا ترجمہ سنسکرت میں ہوا، اس کے ترجمہ میں میر فتح اللہ شیرازی ابو الفضل کشن جوتشی، گنگا دھر، مہیش مہانند شریک تھے[لہ]

تصنیفات، تاریخ الفی:۔ اکبر چاہتا تھا کہ اسلامی عہد کے ابتدائی دور سے اسکے زمانہ تک کی کوئی مفصل اور مکمل تاریخ ہو، اس کی خواہش کے مطابق نقیب خان، شاہ فتح اللہ، حکیم ہمام، حکیم علی، حاجی ابراہیم سرہندی، نظام الدین احمد، عبد القادر بدایونی، مولینا احمد ٹھٹھوی، جعفر بیگ اور آصف خان نے ملکر اس کام کو انجام دیا، یہ کتاب چار جلدوں میں ختم ہوئی، ملا عبد القادر بدایونی تین جلدوں کا تذکرہ کرتے ہیں، مگر انڈیا آفس لائبریری میں اس کی چار جلدیں موجود ہیں[لہ]، تیسری جلد میں ۹۹۷ھ تک کی تاریخ ہے اور ۱۰۰۱ھ میں ختم کی گئی، پروفیسر ڈاوسن کا خیال ہے کہ ان چاروں جلد کے علاوہ دو اور جلدیں ہونی چاہییں[لہ] اس کتاب کی تدوین اور ترتیب میں جن مختلف اہل علم نے حصہ لیا، اس کا بیان ملا عبد القادر بدایونی اس طرح دیتے ہیں:۔

"دریں سال حکم فرمودند کہ چون ہزار سال از ہجرت تمام شد، و ہمہ جا تاریخ ہجری می نویسند حالا می باید کہ تاریخی۔۔۔ حوادث تاریخہائے دیگر باشد، و نام آن را الفی نہند، و در ذکر سنوات بجائے ہجرت لفظ رحلت نویسند و از روز وفات حضرت ختمی پناہ صلوات اللہ علیہ وسلم نوشتن وقائع عالم را تا الیوم بہ ہفت کس امر کردند چنانچہ سال اول را نقیب خان نویسد

لہ عبد القادر بدایونی، جلد دوم ص ۴۰۱، لہ آئین اکبری ص ۵۳، لہ انڈیا آفس کیٹلاگ ص ۱۰، لہ الیٹ جلد پنجم ص ۱۵۷

دو دم را شاہ فتح اللہ ہٰذا القیاس حکیم ہمام و حکیم علی و حاجی ابراہیم سرہندی کہ دراں ایام از
گجرات آمدہ بود و میرزا نظام الدین احمد و فقیر باز ہفتہ دیگر ہمچنیں ترتیب سی و پنج سال
مرتب شد، شبی بر سال ہفتم، کہ فقیر در احوال خلیفہ حقانی ثانی رضی اللہ عنہ نوشتہ بودم چون
بقصۂ تعمیر کوفہ و بنا و ہدم قصر الامارۃ کہ بواقعی مذکور بود، و سبب تخریب آن و قضیۂ نکاح
ام کلثوم بنت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہما و تعین اوقات صلوات خمس و فتح شہر نصیبین و برآمدن
عقارب از آنجا مثل خروسان بزرگ رسیدند، مناقشہ و مواخذہ بے حد آوردہ پیچیدند و
آصف خان ثالث کہ میرزا جعفر باشد، بد مدد مہیا کرد، بخلاف شیخ ابوالفضل و غازی خان
بدخشی کہ ہر کدام توجیہات صحیح میکردند، و چون از فقیر پرسیدند کہ اینہا چون نوشتی، گفتم ہرچہ
در کتب دیدہ ام ایراد کردہ ام، و مخترع نیستم، ہمان وقت کتاب روضۃ الاحباب و دیگر کتب
سیر از خزانہ طلبیدہ، بہ نقیب خان فرمودند کہ تحقیق نمایدا و مطابق نفس الامر تصحیح نقل نمودہ،
ازان گرفت و گیرہای بے محل بعنایت الٰہی عزوجل رہائی یافتم، و از سال سی و ششم حکم شد کہ
من بعد ملا احمد ثقتہ بکتابت تاریخ الفی منفرد و مخصوص بودہ می نوشتہ باشد و این معنی باستفسار
حکیم ابوالفتح بود، او از نہایت تعصب کہ داشت موافق اعتقاد خویش ہرچہ خواست نوشت
چنانچہ عیان ست و تا زمان چنگیز خان آن وقائع را در دو جلد تمام کرد تا آنکہ میرزا فولاد
برلاس شبے او را بہ بہانہ طلب پادشاہی از خانہ برآوردہ در کوچۂ لاہور بتقریب غلوئی کہ
در مذہب داشت و از راے کہ از و یافتہ بود، بقتل رسانید، و بقصاص رسید و بقیہ احوال را
حسب الامر آصف خان تا سال نہصد و نود و ہفت نوشت و در سنہ الف فقیر را در لاہور
حکم فرمودند، کہ آن تاریخ را از سر مقابلہ و تصحیح نماید و سنوات را کہ بتقدیم و تاخیر نوشتہ شدہ
است، ترتیب دہد و تا یکسال با این خدمت اشتغال داشتہ دو جلد اول را مقابلہ نمودم

جلد سوم را بآصف خان گذاشتم[۱]

ابو الفضل نے آغازِ کتاب میں ایک مقدمہ لکھا،[۲] اس تالیف کی خوبی کو ایک انگریز مورخ اس طرح بیان کرتا ہے :-

"مولفین اس تالیف کی تیاری میں تمام بہترین ذرائع تصرف میں لائے ہیں، کیونکہ عربی اور فارسی کی ان تمام مشہور اور مستند تاریخ کے حوالے جن سے آج موجودہ یورپین اہل علم فیض حاصل کر رہے ہیں، اس تالیف میں مذکور ہیں، انھوں نے بڑی دقتِ نظر کیساتھ مستند مواد کا انتخاب کیا ہے، اور ان خرافات کو جو اکثر کتابوں میں پائے جاتے ہیں، نظر انداز کر دیا ہے۔[۳]"

اکبر نامہ اور آئین اکبری :-

تیموریوں کے دربار میں تاریخ نویسی اور واقعہ نگاری کا ایک باضابطہ محکمہ تھا، اکبر نامہ اور آئین اکبری اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہیں، اکبر نامہ ابو الفضل کی محنت و کاوش اور انشاء کا شاہکار ہے، یہ دو حصوں پر مشتمل ہے، پہلی جلد میں بابر و ہمایوں کے حالات ہیں، دوسری جلد میں اکبری حکومت کے مفصل حالات ہیں، آئین اکبری کو اسکی تیسری جلد سمجھنا چاہئے، یہ اس زمانہ کی تمدنی، اقتصادی، علمی، اور معاشرتی معلومات اور ملکی اور جنگی تنظیم سے واقفیت حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، اکبر نامہ کے استناد کو بعض مورخین اسلئے مشکوک نظروں سے دیکھتے ہیں، کہ یہ اکبر کے ایک درباری مورخ کی نگارش و تحریر ہے جسمیں حد سے زیادہ خوشامد کا پہلو ملحوظ رکھا گیا ہے،

الفنسٹن لکھتا ہے کہ "اکبر نامہ کی سند یورپ میں وقعت کی نظر سے دیکھی نہیں جاتی ... کیونکہ ابو الفضل گو وہ ایک وسیع النظر اور غیر معمولی ذہن کا آدمی ہے پھر بھی وہ ایک وفادار درباری ہے، جو اپنے آقا کی نیکیوں

---

۱ بدایونی جلد دوم صفحہ ۳۱۸-۱۹، ۲ آئین اکبری صفحہ ۱، ۳ الیٹ جلد پنجم صفحہ ۱۵۹، انڈیا آفس کیٹلاگ نمبر ۱۱۱-۱۰۰،

کو ہمیشہ اچھالتا ہے، اس کی برائیون سے چشم پوشی کرتا ہے، اور اس کے اور اسکے ہوا خواہوں کے رتبہ کو ہمیشہ بڑھانے کی کوشش کرتا ہے، اس کے سنہ و تاریخ اور واقعات کے عمومی بیانات قابل قدر ہین لیکن اس کی کتاب کو پڑھتے وقت اس کی علانیہ طرفداری سے اپنے کو اتنا محفوظ رکھنا نہیں پڑتا، جتنا کہ وہ اپنے ممدوحین کی مدح سرائی کرکے ناظرین کی ہمدردی خواہ مخواہ حاصل کرنا چاہتا ہے، اور پھر بعض موقع پر بے جا اور غیر ایماندارانہ طریقہ پر ایک قصہ لکھکر کسی سے بدظن کر دیتا ہے، حالانکہ وہ شخص بالکل معصوم اور قابل معافی ہوتا ہے، اس کے بیانات گنجلک، غیر موثر، عامیانہ خیالات اور دعائیہ فقرون سے لبریز، اور عموماً اپنے ممدوح کی مدح سرائی پر ختم ہوتے ہین، وہ اکثر واقعات کو نظرانداز کر دیتا ہے یا اپنے مخصوص انداز سے غلط پیرایہ میں بیان کر جاتا ہے، اور تعریف و توصیف، فتح و کامرانی کے واقعات کا تذکرہ اس غلو سے کرتا ہے، کہ ناظرین نہ صرف کتاب سے بلکہ ممدوح سے بھی مکدّر خاطر ہو جاتے ہین، اس بے معنی تعریف و توصیف کے ڈھیر میں اکبر کے حقیقی اوصاف گم ہو جاتے ہین، اور پھر دوسرے مورخون سے اسکے افعال کی نوعیت کا، اسکی مشکلات اور ان ذرائع کا جن سے وہ ان مشکلات کو حل کرتا ہے، اصلی حال معلوم ہوتا ہے، کتاب کا خوشامدانہ انداز (جیسے ایسے آدمی نے لکھا، جو اکبر کی طبیعت سے خوب اچھی طرح واقف تھا، اور پھر اس کے معائنہ کیلئے پیش کی) اس (اکبر) کی نخوت و کبریائی کا پتہ دیتا ہے، جو حقیقۃً اسکی پسندیدہ سیرت کا تنہا داغ ہے"؛

مگر اس کا جواب ایک دوسرا یورپین مورخین اسطرح دیتا ہے "ابوالفضل پر یورپین مصنفین خوشامد پرستی کا الزام عائد کرتے ہین، ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہ اس نے قصداً بعض واقعات کو چھپایا ہے، جس سے اس کے آقا کی شہرت کو کافی نقصان پہنچا ہے، مگر اکبرنامہ کا مطالعہ کیا جائے تو الزام بالکل بے بنیاد معلوم ہوتا ہے، اگر اسکی تصنیف کا ہم مشرق کی دوسری تاریخوں سے مقابلہ کرین، تو پتہ چلے گا، کہ وہ تعریف کرتا ہے لیکن کم اور خاص انداز اور کمال سے جو کوئی دوسرا ہندوستانی مورخ نہیں کر سکتا ہے، بلکہ

مورخون میں سے کوئی اس پر خوشامد کا الزام عائد نہیں کرتا، اور اگر ہم یہ ذہن نشین کر لین، کہ مشرق کی تمام کتابین حکمران کی رائے سے متفق اور متبع ہونا ضروری قرار دیتی ہین، خواہ وہ اچھی ہو، یا بری تو پھر ابو الفضل قابلِ معافی ہے، وہ اس لئے تعریف کرتا ہے، کہ اس نے حقیقۃً ایک سچا ہیرو پالیا تھا،[۱]

اسی بات کو محمد حسین آزاد اپنے مخصوص انداز میں اس طرح لکھتے ہین "جن لوگون کے دماغون میں نئی روشنی سے اجالا ہو گیا ہے، وہ اس کی تصنیفات کو پڑھکر یہ لکھتے ہین، کہ ابو الفضل ایشیائی انشا پردازون میں سب سے بڑا مبالغہ پرداز مصنف تھا، اس نے اکبر نامہ اور آئین اکبری کے لکھنے میں فارسی کی پُرانی لیاقت کو تاتہ کیا ہے، اس نے خوش بیانی اور یاوہ سرائی کے پردہ میں اکبر کی خوبیان دکھائی ہیں، اور عیب اس طرح چھپائے ہین، کہ جس کے پڑھنے سے ممدوح اور مدّاح دونون سے نفرت ہوتی ہے، اور دونون کی ذات وصفات پر بٹہ لگتا ہے، البتہ بڑا علامہ، عاقل، دانا، مدبر تھا، دنیا کے کامون کے لئے جیسی عقل کی ضرورت ہے، وہ اس میں ضرور تھی، آزاد کہتا ہے کہ جو کچھ الفاظ وعبارت کے پڑھنے والون نے کہا یہ بھی ہے کہ لیکن وہ مجبور تھا، کیونکہ فارسی کا ڈھنگ چھ سو برس سے یہی چلا آتا تھا، اس کی ایجادون نے بہت اصلاح کی ہے، اور خرابیوں کو سنبھالا ہے، باوجود اس کے جو زبان کے ماہر ہین، اور رموز سخن کے تاڑنے والے ہین، اور کلام کے انداز اور ادا کو جانتے اور پہچانتے ہین، وہ سمجھتے ہین کہ جو کچھ کہا اور جس پیرایہ میں کہا، کوئی بات اٹھا نہین رکھی اصل حقیقت کو لکھ دیا ہے، اور انشا پردازی کا آئینہ اوپر رکھدیا ہے کہ اوسی کا کام تھا، یہ بھی اسی کا کام تھا، کہ سب کچھ کہہ دیا، اور جن سے نہ کہنا تھا وہ کچھ بھی نہ سمجھے، اور ابتک بھی نہین سمجھتے، خوشامد کی بات کو ہم نہین مانتے، ہر زبان کی تاریخیں موجود ہیں، کون سا مورخ ہے کہ خوشامد شاہ اور حمایت قوم سے پاک ہو، وہ اپنے آقا کا ایک نمک حلال وفادار نوکر تھا، اسی کے انصاف سے اسکے خاندان کی عزت و

---

[۱] بلاخمن تمہید آئینِ اکبری،

آبرو بچی، اسی کی قدر دانی سے رُکن سلطنت ہو گیا، اسی کی پرورش سے تصنیفات ہوئیں، اور انھوں نے بلکہ خود اُس نے صد ہا سال عمر پائی، خوشامد کیا چیز ہے، ؟ اس کا دل تو عبادت کرتا ہوگا، اور جان لوٹ لوٹ کر خاکِ راہ ہوئی جاتی ہوگی، اُس نے بہت سا ادب ظاہر کیا، شکریہ ادا کیا، لوگوں نے خوشامد نام رکھا"[۱]

صاحب مآثر الامرا ابوالفضل کے انشار اور اکبر نامہ کے متعلق لکھتا ہے :-

"قطع نظر از ہمہ چیز شیخ در فن انشا طرفہ سحرے بکار بردہ، باآنکہ از تکلفات منشیانہ و تصلفات مترسلانہ عاری است امّا متانت سخن و استخوان بندی کلمات و نشست مفردات و تراکیب ستحنہ و فقرات بیگانہ قسمے است کہ دیگرے را تتبع بدشواری میسر است و شاہد این مدعا تاریخ اکبری است، و چون التزام نمودہ (کہ بیشتر الفاظ فارسی باشد) لہذا گفتہ اند کہ شیخ خمسہ نظامی را نثر کردہ، و از کمال مہارت اوست، دریں فن کہ مطالب بسیارے بدیہی البطلان را بنا بر قدا ستائی، در بادی الرای بہ تمہید اتے چند تحریر نمودہ کہ بے امعان نظر پے بمقصود نتوان برد"[۲]

ان تاریخون کے علاوہ نثر و نظم کی بہت سی کتابیں اکبر کی فرمایش پر لکھی گئیں، ملک الشعرا ابوالفیض فیضی فیاضی نے نظامی کے خمسہ کی زمین میں پانچ مثنویاں لکھین، خسرو شیرین کے مقابل میں سلیمان و بلقیس، اور لیلیٰ مجنوں کے طرز پر نل دمن لکھی، ان دونوں میں علحدہ علحدہ چار ہزار اشعار تھے، ہفت پیکر کے وزن پر ہفت کشور اور سکندر نامہ کے جواب میں اکبر نامہ لکھی، جو پانچ ہزار پر مشتمل تھیں، مخزن اسرار کے مقابلہ میں مرکز ادوار لکھی، جس میں تین ہزار ابیات تھیں[۳]،

فیضی نے کلام مجید کی ایک بے نقط تفسیر سواطع الالہام بھی لکھی، جس کے صلہ میں اکبر نے دس ہزار روپیے دیئے، اس نے اخلاقیات پر ایک بے نقط کتاب سوارد الکلام بھی تالیف کی تھی[۴]،

(باقی)

---

[۱] دربار اکبری: مطبع رفاہ عام لاہور، ص ۵، [۲] مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۲۲، [۳] ایضاً ص ۵۸۸ [۴] ایضاً ص ۵۸۸،

دیوانِ شمس تبریز اور مولانا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۵)

عطار اور سنائی کا ذکر، مولینا رومؒ حضرت عطارؒ، اور سنائی کے پیام اور کلام دونوں سے متاثر ہوئے ہیں، اسلئے مختلف مقامات پر ان کی مدح فرمائی ہے، جو بجائے خود اس امر کی ایک دلیل ہے کہ یہ اشعار مولینا کے ہیں، اور اس سے دیوان شمس تبریز کا، مولینا کا کلام ہونا ثابت ہوتا ہے،

(۱) ہمچنین یاد فرمودہ است،

مثنوی سلطان ولد	دیوان
حلاج اشارت گو از خلق بدار آمد،	حلاج اشارت کو از خلق پدید آمد
از تندئی اسرارم حلاج زند دارم	از تندئی اسرارم حلاج زند دارم[۱]
(یہ شعر سپہ سالار میں ہے ص ۴۲)	(ک ۴۰۰)

ہم نے اوپر مثنوی سلطان ولد سے منتخبہ اشعار اور ان کے مقابل دیوان شمس تبریز سے وہی اشعار منتخب کرکے درج کر دیئے ہیں، یہ ایک برہان ساطع ہے، جس سے ہم دیوان شمس کو مولینا روم کا کلام ماننے پر مجبور ہیں،

"فیہ مافیہ" کی شہادت، فیہ مافیہ خود مولینا جلال الدین رومی رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات عالیہ کے مجموعہ کا نام ہے، اس کتاب کا صرف نام ہی نام سنتے تھے، مولینا کے عہد سے اب تک کبھی شائع

[۱] یہ شعر سپہ سالار میں بھی ہے، منصور اشارت گو از خلق بدار آمد ۔ از تندئی اسرارم حلاج زند دارم ص ۳۲

نہ ہوئی تھی، ہاں حیدر آباد کو یہ فخر حاصل ہے، کہ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے،

رام پور کے کتبخانہ میں اس کا ایک نسخہ مولانا عبد الماجد صاحب دریا بادی مدیر صدق کے ہاتھ لگا، انھوں نے ہندوستان اور قسطنطنیہ کے کتبخانوں کے نسخوں سے مقابلہ کرنے کے بعد تذکرہ اور تبصرہ کیساتھ پہلی مرتبہ اسے چھپوا کر شائع کیا ہے، اب اس نعمتِ غیر مترقبہ سے ہر اہلِ دل استفادہ کر سکتا ہے، ع :-

صلاے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لئے

مولینائے روم نے اس میں بھی بعض جگہ اپنے اشعار درج کئے ہیں، ان میں ایسے بھی ہیں، جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہیں، جس سے ہمارے دعوی کی تائید ہوتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے کلام کا مجموعہ ہے،

مولانا کی ایک مشہور اور مخصوص غزل کا ایک مصرع ہے،

فیہ ما فیہ	دیوان شمس تبریز
مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی	مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی
(ص ۱۰)	(ک ۹۰۶)
فیہ ما فیہ	دیوان شمس تبریز
جزو در ویشند جملہ نیک و بد[1]	جزو در ویشند جملہ نیک و بد

[1] یہ شعر مناقب العارفین میں بھی ہے (قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدر آباد دکن) ممکن ہے کہ بعض لوگ یہ سوال کریں کہ صرف فیہ ما فیہ میں ہونے سے اس کا کسطرح علم ہوا کہ یہ اشعار خاص مولینا ہی کے ہیں، لیکن جب یہ شعر مناقب میں تصریح کیساتھ پایا جاتا ہے اور دیوان میں بھی ہے تو ثابت ہوتا ہے کہ یہ اشعار مولینا ہی کے ہیں،

در نباشد این چنین درویش نیست	ہر کہ نبود او چنین درویش نیست
(ص ۲۴۴) یہ شعر مناقب میں بھی ہے)	(ک ۱۵۹)
فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل	فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل
میان این دو منازع بماند مردم زاد	میان آن دو منازع بماند مردم زاد
(ص ۸۵)	(ک ۳۲۱)

گویا یہ خود مولینا کی شہادت ہے، متاخرین، متقدمین، ہمعصر اور ہمدم و ہم صحبت اصحاب کرام کی شہادت کے بعد ہم نے خود مولینا کی شہادت بھی نقل کر دی ہے، ان اشعار سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوا کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے نتائج افکار میں سے ہے، فیہ ما فیہ کی شہادت قوی تر ہے، اس سے ہماری دلیل بھی قوی ترین ہو جاتی ہے،

ایک خاص اور اہم شہادت کتبخانہ آصفیہ میں مولانائے روم کے کلام کا ایک گرانقدر "مجموعۂ غزلیات مولینائے روم و فرزند مولینائے روم" کے نام سے ہے جس میں ان دونوں کی غزلوں کا یہ ایک نہایت بیش قیمت انتخاب ہے، یہ نسخہ قلمی ہے، خط نہایت خوبصورت اور پختہ ہے، ایرانی طرز کی ایک نہایت نفیس سوختہ چرمی جلد ہے، لیکن شکستہ، جلد کے درمیان میں نہایت پاکیزہ خط میں درود شریف لکھا ہوا ہے، حاشیوں پر کلمات تسبیح درج ہیں،

کتاب پر نہ نام درج ہے، اور نہ سنہ کتابت، ۱۳۳۱ف میں غالباً عابد نواز جنگ سے کتبخانہ آصفیہ کے لئے خریدی گئی ہے[1]،

قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے، کہ یہ نسخہ کسقدر قدیم ہے، اگر اس کا مثنوی سلطان ولد کے مذکورۂ بالا قدیم قلمی نسخہ سے جسکی کتابت ان کی وفات[2] کے چھ سال بعد پایۂ تکمیل کو پہنچی ہے مقابلہ کیا جائے،

---

[1] کتبخانہ آصفیہ.... دواوین فارسی نمبر ۳۴۴۳ [2] سلطان ولد کا سنہ وفات ۷۱۲ھ ہے آخر شب روز شنبہ دہم ماہ رجب سنہ اثنی عشر و سبعمائۃ در پردہ نور مستور شد اور اختتام کتابت کی تاریخ ۷۱۸ھ ہے جو خاتمہ کتاب پر بقلم کاتب درج ہے،

نہ ہوئی تھی، ہاں حیدر آباد کو یہ فخر حاصل ہے، کہ کتب خانہ آصفیہ میں اس کا ایک قلمی نسخہ موجود ہے،

رام پور کے کتبخانہ میں اس کا ایک نسخہ مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدیر صدق کے ہاتھ لگا، انھون نے ہندوستان اور قسطنطنیہ کے کتبخانون کے نسخون سے مقابلہ کرنے کے بعد تذکرہ اور تبصرہ کیساتھ پہلی مرتبہ اسے چھپوا کر شائع کیا ہے، اب اس نعمتِ غیر مترقبہ سے ہر اہلِ دل استفادہ کر سکتا ہے، ع:-

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لئے

مولینائے روم نے اس میں بھی بعض جگہ اپنے اشعار درج کئے ہین، ان میں ایسے بھی ہین، جو دیوان شمس تبریز میں ملتے ہین، جس سے ہمارے دعوی کی تائید ہوتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے کلام کا مجموعہ ہی،

مولانا کی ایک مشہور اور مخصوص غزل کا ایک مصرع ہے،

فیہ مافیہ	دیوان شمس تبریز
مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی	مفروش خویش ارزان کہ توبس گرانبہائی
(ص ۱۸)	(ک ۹۰۶)
فیہ مافیہ	دیوان شمس تبریز
جزو در[1] ویشند جملہ نیک و بد	جزو درویشند جملہ نیک و بد

[1] یہ شعر مناقب العارفین میں بھی ہی (قلمی نسخہ کتبخانہ آصفیہ حیدرآباد دکن) ممکن ہی کہ بعض لوگ یہ سوال کرین کہ صرف فیہ مافیہ میں ہونے سے اس کا کسطرح علم ہوا کہ یہ اشعار خاص مولینا ہی کے ہین، لیکن جب یہ شعر مناقب میں تصریح کیساتھ پایا جاتا ہی اور دیوان میں بھی ہی تو ثابت ہوتا ہی کہ یہ اشعار مولینا ہی کے ہین،

ور نباشد این چنین درویش نیست ہر کہ نبود او چنین درویش نیست

(صہ۲۴) یہ شعر مناقب میں بھی ہے ،) (ک ۱۵۹)

فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل فرشتہ است بعلم و بہیمہ است بجہل

میان این دو منازع بماند مردم زاد میان آن دو منازع بماند مردم زاد

(ص ۸۵) (ک ۲۲۱)

گویا یہ خود مولینا کی شہادت ہے، متاخرین، متقدمین، ہمعصر اور ہمدم وہم صحبت اصحاب کرام کی شہادت کے بعد ہم نے خود مولینا کی شہادت بھی نقل کر دی ہے، ان اشعار سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوا کہ دیوان شمس تبریز مولینا کے نتائج افکار میں سے ہے، فیہ ما فیہ کی شہادت قوی تر ہے، اس سے ہماری دلیل بھی قوی ترین ہو جاتی ہے،

ایک خاص اور اہم شہادت کتبخانہ آصفیہ میں مولانائے روم کے کلام کا ایک گرانقدر مجموعہ غزلیات مولینائے روم و فرزند مولینائے روم کے نام سے ہے جس میں ان دونوں کی غزلوں کا یہ ایک نہایت بیش قیمت انتخاب ہے، یہ نسخہ قلمی ہے، خط نہایت خوبصورت اور پختہ ہے، ایرانی طرز کی ایک نہایت نفیس سوختہ چرمی جلد ہے لیکن شکستہ، جلد کے درمیان میں نہایت پاکیزہ خط میں درود شریف لکھا ہوا ہے، حاشیوں پر کلمات تسبیح درج ہیں،

کتاب پر نہ نام درج ہے، اور نہ سنہ کتابت ۱۳۳۱ھ میں غالبًا عابد نواز جنگ سے کتبخانہ آصفیہ کے لئے خریدی گئی ہے،[1]

قطعی طور پر یہ کہنا مشکل ہے، کہ یہ نسخہ کسقدر قدیم ہے، اگر اس کا مثنوی سلطان ولد کے مذکورۂ بالا قدیم قلمی نسخہ سے جسکی کتابت ان کی وفات[2] کے چھ سال بعد پایہ تکمیل کو پہنچی ہے مقابلہ کیا جائے،

[1] کتبخانہ آصفیہ..... دواوین فارسی نمبر ۳۴۳ [2] سلطان ولد کا سنہ وفات ۷۱۲ھ ہے آخر شب روز شنبہ دہم رجب سنہ اثنی عشر و سبعمائۃ در پردہ نور مستور شد اور اختتام کتابت کی تاریخ ۷۱۸ھ ہے جو خاتمہ کتاب پر بقلم کاتب درج ہے،

اور مختلف پہلوؤں پر غور کیا جائے تو غزلیات کا یہ نسخہ مثنوی رباب نامہ کے اس نسخہ سے قریب العہد معلوم ہوتا ہے، باوجود نہایت خوشخط اور صاف ہونے کے مثنوی کے اس نسخہ سے زیادہ اس کا کاغذ گل گیا ہے، اس کا شیرازہ بھی بکھرا ہوا ہے،

اس میں مولینا روم اور سلطان ولد (فرزند مولانا روم) دونوں کی غزلیات ہیں لیکن مخلوط، ترتیب ایسی نہیں کہ پہلے کسی کی غزلیں ہوں، اور بعدہٗ دوسرے کی،

غزلیات میں بھی ردیف وغیرہ کے اعتبار سے کوئی خاص ترتیب نہیں، اکثر باپ اور بیٹے کی ہم قافیہ اور ہم ردیف غزلیں ساتھ ساتھ درج ہیں، جیسے کسی کو دونوں شعرا کے کلام کا موازنہ اور مقابلہ مقصود ہو،

لوالدہ۔ اے تو ز خوبی خویش آئینہ را مشتری	سوختہ باد آئینہ تا تو دران ننگری
لولدہ۔ اے ہمہ خوبان ترا از دل و جان مشتری	تا سوی ایشان ہمایکنفسی ننگری
لوالدہ۔ قرۃ العینی منی اے جان بلے،	ماہ بدری گرد ما کرداں بلے،
لولدہ۔ ولد این بوزن گفت مولانا بو،	قرۃ العینی منی اے جان بلے،

اس آخری شعر سے ظاہر ہوتا ہے، سلطان ولد رحمۃ اللہ علیہ نے یہ غزلیات مولانائے روم کی غزلیات پر لکھی ہیں، اور اس انتخاب میں تقریباً ساری غزلیات اسی نوعیت کی ہیں، غزلیات کا انتخاب مرتب کے حسنِ ذوق اور سخن شناسی کی دلیل ہے، مولانا کی ہر غزل پر "لوالدہٗ" اور سلطان ولد کی غزل پر "لولدہٗ" لکھا ہوا ہے،

خاص بات اور قابلِ غور و فکر امر یہ ہے کہ ہر غزل سے پہلے "لوالدہٗ" اور "لولدہٗ" کے الفاظ کے بعد مرتب مذکور اخراً خاص خاص دعائیہ جملے لکھتا ہے جس سے حضرات شعرا کی بابت اسکی دلی عقیدت کے علاوہ اسکا کمالِ علم و فضل بھی ظاہر ہوتا ہے، مثالاً ملاحظہ ہو،

لولدہ اصلح اللہ شانہ،	لوالدہ غفر اللہ ذنوبہ،
لولدہ عفی اللہ عنہ،	لوالدہ اعز اللہ نصرہ،
لولدہ اجل اللہ قدرہ،	لوالدہ اجل اللہ قدرہ،
لولدہ طیب اللہ تربتہ،	لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ
لولدہ نور اللہ مضجعہ،	لوالدہ طاب اللہ تربتہ،
	لوالدہ رحمۃ اللہ علیہ،

یہ مختلف فقرے اس طرح استعمال کیے گئے ہین، کہ بعض پر یہ گمان ہوتا ہے، کہ ممدوح کے زمانہ حیات مین لکھے گئے ہین، جیسے "اصلح اللہ شانہ"، "اعز اللہ نصرہ" اور بعض سے ظاہر ہے کہ موت کے بعد لکھے گئے ہین، جیسے "طاب اللہ مرقدہ"، "نور اللہ مضجعہ"، مولینا ے روم اور ان کے خلفاے محترم کے معتقد اور مخصوص تذکرہ نویس فریدون سپہ سالار اور شمس الدین افلاکی صاحب مناقب العارفین ہین، انکے بعد تذکرہ نویسون کا ایک طویل سلسلہ ہے، لیکن اور تذکرون مین تو یہ بات نہین ہے، ان دونون حضرات نے القاب و آداب اور ایسے دعائیہ جملے اپنی اپنی تحریرون مین استعمال کیے ہین، لیکن مناقب مین افلاکی کا یہ رنگ نہین، البتہ سپہ سالار کی القاب نویسی مین دعائیہ جملون کے لکھنے کا رنگ قریب قریب بلکہ بالکلیہ اس کے مشابہ ہے، عربیت، ترکیب اور بندش بھی ایسی ہے جس سے اسکے جوش عقیدت اور قدرت زبان کا پتہ چلتا ہے، سپہ سالار مین بھی یہی بات آپ پائین گے، مثالین ملاحظہ ہون،

مولینا کے نام کیسا تھ "قال الشیخ قدس اللہ روحہ" (سپہ سالار ص ۳) عظم اللہ ذکرہم (سپہ سالار ص ۱۴) در ذکر حضرت خداوندگار قدس اللہ سرہ العزیز (سپہ سالار ص ۱۳) قدسنا اللہ سرہ العزیز (سپہ سالار ص ۱۵) بیض اللہ وجہہ العزیز (سپہ سالار ص ۲۲) عظم اللہ جلال قدرہ (سپہ سالار ص ۲۳) بیض اللہ تعالی وجہہ (سپہ سالار ص ۲۶) شیخ اوحد الدین کرمانی رحمۃ اللہ علیہ، سلطان سعید رکن الدین نور اللہ قبرہ، حضرت شمس عظم اللہ

ذکرہ (سپہ سالار ص ۶۲) عظم اللہ جلال قدرہٗ ص ۶۴، ۶؍ رامۂ صلاح الدین بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۶۶)

سلطان ولد۔ رضی اللہ عنہ، و عن اسلافہ ص ۷۰، قدسنا اللہ بسرہ (سپہ سالار ص ۷۶)

بیض اللہ غرتہ (سپہ سالار ص ۷۹)

سلطان شمس الدین عابد۔ ابسغ اللہ ظلہٗ، چلپی عارف نور اللہ ضریحہ،

القاب و آداب کا تو یہ رنگ پیش نظر ہو گیا ہے، مشابہت و مشارکت کا اندازہ ہو گیا، جیسے اسمیں بعض القاب کی تکرار ہوتی ہے، اس منتخبہ نسخہ میں بھی القاب کی تکرار کا یہی حال ہے، سپہ سالار میں بعض القاب مختلف حضرات کیلئے مشترک طور پر استعمال ہوئے ہیں، تو غزلیات کے اس انتخاب میں بھی مولینا اور سلطان ولد کے لئے بعض القاب مشترک طور پر استعمال ہوئے ہیں، مثلاً اجل اللہ قدرہ، طاب اللہ تربتہ، یہ صرف ہمارا ایک گمان اور قیاس ہے، (واللہ اعلم بحقیقۃ الحال،)

کیا اس نسخہ کی غزلیات منتخبہ مولانا ہی کی ہیں؟

ہمنے اوپر بیان کیا ہے کہ نسخہ پر کتاب کا کوئی نام درج نہیں ہے، صرف فہرست کتبخانہ میں اس کا نام "غزلیات مولینا روم اور فرزند مولینا روم" ہے، ابتدار اور آخر کے چند صفحات غائب ہیں، البتہ صرف ہر غزل کے سرے پر الفاظ "لوالدہ" اور "لولدہ" درج ہیں، ممکن ہے کوئی یہ سوال کرے کہ اس کا کیا ثبوت ہی کہ یہ والد اور ولد سے مراد مولینا روم اور سلطان ولد ہیں، اور یہ انہی کے کلام بلاغت نظام کا انتخاب ہی،

اس کا جواب یہ ہے کہ،

تقریباً سلطان ولد کی ساری غزلیات میں جن کے آغاز میں "لولدہ" لکھا ہوا ہے، انکا تخلص موجود ہے، جیسے :۔

مغز مغزی اے ولدہم جان جان مرد خرد علما و عقلما در بیش حسنت چون سپر

(ورق ۵ سے پہلے کا صفحہ،)

ہین ولد پیدا مکن اسرار عشق شاہ را
غیرت حق آتش است افزون مکن خاموش بس

اے ولد چون راہ معنی را گزیدی لاجرم
ہم تو شاہی ہم سپاہی ہم امالی ہم امین

(ورق ۹ سے پہلے کا صفحہ،)

لب بند از ین گفتن بس کن ز گہر سفتن
یکبارہ ولد ہر دم اسرار مکن پیدا،

(ورق ۵۰ سے پہلے کا صفحہ)

گشتست ولد بیجان زان زلف دو صد حلقہ
در حلقہ جان او مہر تو نگیں بادا،

(ورق ۶۰ سے پہلے کا صفحہ)

جب سلطان ولد کی غزلیات واقعی انہی کی ہین، اور انتخاب کنندہ کا اندراج صحیح ہے، تو اس محل پر اس امر مین شک وشبہہ کی کوئی وجہ نہیں کہ انھون نے جن غزلیات پر "لوالدہ" لکھا ہے وہ مولنائے روم ہی کی ہین، اگر وہ صحیح ہے تو یہ بھی درست ہے،

ایک بدیہی ثبوت، اس سے قوی تر ایک اور ثبوت بھی ہمارے یہان موجود ہے، وہ یہ ہے، کہ بعض غزلیات کے چند اشعار جو اس گلدستۂ انتخاب میں ہیں، تصریح اور توضیح کے ساتھ سپہ سالار میں بھی پائے جاتے ہین، جو مولانائے معنوی کا معتبر ترین تذکرہ ہے، بعض اشعار سپہ سالار اور مناقب العارفین دونون میں پائے جاتے ہین، یہ اس امر کا بدیہی ثبوت ہے، کہ نسخۂ مذکور کی منتخبہ غزلیات بلاشبہہ مولانا ہی کی ہین،

یہ تو دعوی ہوا دلیل ملاحظہ ہو،

غزلیات مولنا روم وفرزند مولنا روم،	سپہ سالار	مناقب العارفین
سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدیم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم

ؔله شمار اس نسخہ میں بھی اوراق کا ہے، صفحات کا نہیں،

غزلیات مولینا روم فرزند مولینا روم	سپہ سالار	مناقب العارفین
عالمی برہم زدیم و چیست بیرون تاختیم	عالمی برہم زدیم و چیست بیرون تاختیم	عالمی برہم زدیم و چیست بیرون تاختیم
چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما	چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما	چون براق عشق عرشی بود زیر ران ما
گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوے چرخ گردون تاختیم	گنبدی کردیم سوئے چرخ گردون تاختیم
عالم چون را امثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چون را امثال ذرہ ہا برہم زدیم	عالم چون را امثال ذرہ ہا برہم زدیم
تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم	تا بہ پیش تخت آں سلطان بیچون تاختیم	تا بہ پیش تخت آن سلطان بیچون تاختیم

باروے توز سبزہ و گلزار فارغیم ۲ باروئے توز سبزہ و گلزار فارغیم

باچشم تو ز بادۂ و خمار فارغیم باچشم تو ز بادۂ و خمار فارغیم

(یہاں اوراق[1] کا نمبر نہیں ہے) (سپہ سالار)

سالکان راہ را محرم شدم ۳ سالکان راہ را محرم شدم

ساکنان قدس را ہمدم شدم ساکنان قدس را ہمدم شدم

(اوراق کا نمبر نہیں) (ص ۲۵)

اس قطعی دلیل کے علاوہ اس امر کی ایک اور داخلی شہادت بھی موجود ہے، اسی نسخہ کی ایک غزل میں مولانا نے سلطان ولد سے خطاب کیا ہے، فرماتے ہیں،

ہیچکہ مردان ولد جوئی رضائے احد ہم بطلب زر د مرد عمر بپایان رسید

سلطان ولد اسی قافیہ ورد یف کی غزل میں جو انتخاب میں اسی کے بعد درج ہے، اس کا ذکر فرماتے ہیں،

[1] کتب خانہ کے منتظمین نے کتاب کے اوراق شمار کئے ہین، چند اوراق کے بعد اونھون نے کتاب کو بلا شمار چھوڑ دیا ہے،

والد گفت اے ولد بہتر آن صدر | کہ رسدت جان من عمر چو پایان رسید

(ورق ۹۰ سے پہلے کا صفحہ)

ایک اور شعر میں مولینا نے سلطان ولد کو مخاطب فرمایا ہے،

گوہر عشقت کجا یابد ولد، | چون ورائے ہفت دریا آمدی

اس ثبوت کے بعد سارا شک یقین سے بدل گیا کہ اس انتخاب میں جو غزلیات مولینا کی طرف منسوب ہیں، وہ انھی کی ہیں، اب ہم تحقیق و مقابلہ سے ظاہر کریں گے کہ یہ غزلیات دیوان شمس تبریز میں بھی پائی جاتی ہیں، جس سے ہمارا مدعا قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا کہ دیوان شمس تبریز مولانا روم کا کلام ہے۔ مقابلہ پیش نظر ہے، طوالت کے خوف سے ہم نے اکثر غزل کا صرف مطلع اور مقطع نقل کیا ہے، ورنہ ان غزلیات کے اکثر اشعار انتخاب میں شامل ہیں،

غزلیات مولینا روم و فرزند مولانا لوالدہٗ قدس اللہ وجہہ،	دیوان شمس تبریز
۱	
اندرآ ای اصل اصل شادمانی شاد باش	اندرآ ای اصل اصل شادمانی شاد باش
اندرآ ای آب آب زندگانی شاد باش	اندرآ ای آب آب زندگانی شاد باش
گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی	گوہر آدم بعالم شمس تبریزی توئی
از تو حیران شدہ بحر معانی شاد باش	از تو حیران شدہ بحر معانی شاد باش
(ورق ۶ سے پہلے کا صفحہ)	(کلیات شمس تبریز لکھنؤ ص ۱۳۱)

مقطع میں شمس تبریز کا نام اور تعریف قابل غور ہے،

لوالدہ طیب اللہ مرقدہ،

۲	
سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم	سر قدم کردیم و آخر سوئے جیحون تاختیم

عالمی برہم زدیم وچیست برون تاختیم
سوئے شمع شمس تبریزی بہ بیشۂ شیر جان
بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم

(ورق ۶)

عالمے برہم زدیم وجست بیرون تاختیم
سوئے شمع شمس تبریزی بہ بیشۂ شیر جان
بودہ پروانہ نہ پنداری کہ اکنون تاختیم

(ک ۵۲۹ وص ۲۱۰)

۳

لوالدہ عفی اللہ عنہ

اے تو جانِ صد گلستان از سمن پنہاں شدی
اے تو جان جانم چون زمین پنہاں شدی
شمس تبریزی بجاہی رفتہ چو یوسفی،
اے تو آبِ زندگی چون از زمین پنہان شدی

(ورق ۱۳)

اے تو جانِ صد گلستان از سمن پنہان شدی
ای تو جان جان جانم چون زمن پنہان شدی
شمس تبریزی بچاہی رفتہ چون یوسفی
اے تو آبِ زندگی چون از زمین پنہان شدی

(ک ردیف ی)

۴

لوالدہ طاب اللہ مرقدہٗ

آمدہ شہر صیام سنجق سلطان رسید
لشکر انوار جانِ کوری شیطان رسید

(ورق ۸۷)

آمدہ ماہ صیام سنجق سلطان رسید
دست برار از طعام مائدہ جان رسید

(ک ۲۹۰)

۵

لوالدہٗ نور اللہ مرقد

صبحدمی ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبریز چشم شمس حقم را پدید،
گفت حقش پر شوری گفت ہل من مزید

(ورق ۹۰)

صبحدمی ہمچو صبح پردۂ ظلمت درید،
نیم شبے ناگہان صبح قیامت دمید
چون کہ تبریز چشم شمس حقم را پدید
گفت حقش پر شدی گفت ہل من مزید

(ک ۳۰۱)

لو الدہ عفی اللہ عنہ

۶

شاہ کشاداست او دیدہ شہ بین کجا کراست
بادہ گلگون شہ برگل و نسرین چراست
خسرو جان شمس دین مفخر تبریزیان
در دو جہان ہچو او شاہ خوش آئین کراست
(ورق ۵۹ سے پہلے کا صفحہ)

شاہ کشاد ست او دیدہ شہ بین کراست
بادہ گلگون شہ برگل و نسرین کراست
خسرو جان شمس دیں مفخر تبریزیان
در دو جہان ہچو او شدہ خوش آئین کراست
(دیوان شمس تبریز ص ۹۳)

لو الدہ سر اللہ عیوبہ،

۷

برچرخ سحر گاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در ما نگران شد
بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد
(ورق کا شمار نہیں)

برچرخ سحر گاہ یکی ماہ عیان شد
از چرخ فرود آمد و در ما نگران شد
بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز
نے ماہ توان دیدن و نے بحر توان شد
(دیوان شمس تبریز ص ۸۳)

لو الدہ اصلح اللہ شانہ

۸

اے بہار سبز و تر شاد آمدی
وے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از زخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی
(ورق بلا شمار ہے)

اے بہار سبز و تر شاد آمدی
وے نگار سیمبر شاد آمدی
شمس تبریزی کہ عالم از زخت،
ہست مست و بے خبر شاد آمدی
(دیوان شمس تبریز ص ۲۶۲)

لو الدہ غفر اللہ ذنوبہ

۹

سالکان راہ را ہمدم شدم ۔۔۔ سالکان راہ را محرم شدم،

ساکنان قدس را ہمدم شدم ۔۔۔ ساکنان قدس را ہمدم شدم۔

عید اکبر شمس تبریزی بود، ۔۔۔ عید جانم شمس تبریزی بود

عید را قربانی اعظم شدم، ۔۔۔ عید را قربانی اعظم شدم

اس سے یہ حقیقت بے نقاب ہوجاتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کی طبع آزمائی کا نتیجہ ہے، اور انہی کے واردات قلب کا ترجمان ہی،

اسکے علاوہ یہان دو باتین ہماری توجہ کو اپنی طرف منعطف کرتی ہین، ایک تو یہ ہے کہ ان منتخبہ غزلیات میں بھی مقطعوں میں حضرت شمس کا ذکر اور ان کی مدح آتی ہے، ٹھیک اسی طرح کم وبیش دیوان کی ساری غزلیات میں حضرت شمس کا نام اسی انداز کی تعریف و توصیف کے ساتھ آتا ہے، بادی النظر میں یہی پہلی وجہ ہوتی ہے جس سے ناظر یہ خیال کرتا ہے، کہ یہ حضرت شمس کا کلام ہے، لیکن انتخاب کی ان غزلیات اور ان کے مقاطع میں حضرت شمس کے نام نے اس خیال کو باطل کر دیا، اور یہی نتیجہ دیوان کے بغور مطالعہ کے بعد حاصل ہوتا ہے، اس نسخہ کے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ مرتب کو اس میں بالکل شبہہ نہ تھا، کہ یہ کلام مولینا کا ہی، صاف معلوم ہوتا ہے، اُسنے کامل یقین اور اذعان اور مطالعہ کے بعد ان غزلیات کا انتخاب کیا ہے، اس بات نے ہمارے مدعا کو روشن تر کر دیا ہے،

(باقی)

فیہ مافیہ

صوبہ بہار کے ایک قدیم خانوادہ کے دینی و علمی خدمات

از مولوی سید محمد طٰہٰ اشرف صاحب امتھوی،

(۲)

حضرت مولینا قاضی رفیع الزمان، یہ حضرت مولینا قاضی بدیع الزمان صاحب علیہ الرحمہ کے صاحبزادے اور خلف الرشید ہین، یہ بھی اپنے عہد میں قاضی رہے، اور اپنے والد بزرگوار کے بعد جانشین ہوئے، علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل اپنے جد امجد حضرت مولوی معنوی مولینا محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائی، اور خلافت و اجازت اپنے والد ماجد سے،

۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۱۵۸ھ میں انھون نے وفات پائی، نام کا سجع "وھو الرفیع" مہر پر کندہ تھا،

حضرت قاضی محمد شاکر، یہ حضرت مخدوم بدھ صوفی اور حضرت ملا کریم اللہ کی اولاد احفاد میں ہین، ان کے آبا و اجداد عہدۂ قضا اور دیگر خدمات سلطانی پر مامور ہو کر بہار شریف اور دوسرے دوسرے مقامات پر بھیجے گئے تھے، اور وہین مقیم ہو گئے تھے، اسی سبیل سے ان کے بزرگوں نے بکیٹھ پور متصل نوآبادہ مین اقامت اختیار فرمائی تھی، پھر ان کے صاحبزادے حضرت قاضی محمد صابر صاحب کی شادی حضرت مولوی معنوی کی پر پوتی، مولینا رفیع رحمۃ اللہ علیہ کی صاحبزادی سے ہوئی، اور اس طرح یہ خاندان بھی امتھوا آکر مقیم ہو گیا،

یہ بھی عہدۂ قضا پر مامور تھے، اور ان کے نام سے بہت بڑی بڑی جاگیرون کی سند ہے، حضرت محمد شاہ بادشاہ غازی کے کئی مکتوب ان کے نام سے محفوظ ہین،

ان بزرگون کے علاوہ انھی بزرگون کے قریب العہد اور ہمعصر اور بھی اکثر بزرگون کے نام و نشان ملتے ہیں، اور فرامین شاہی میں بہت تعظیم و تکریم سے ان کا نام لیا گیا ہے، مثلاً زبدۃ الواصلین قدوۃ العارفین مولوی شیخ محمد منہاج الدین متوکل گوشہ نشین، زبدۃ الواصلین حضرت شیخ داؤد ابدال حضرت ملا شیخ عبد الرحیم حضرت سید بدر عالم یکے از فرزندان غوث الاعظم حضرت سید محمد فاضل حضرت غیاث الدین کنج نشین، قاضی شمس الدین حقانی وغیرہ ان مین سے اکثر اتھوا میں آسودۂ خواب ہین، اور ان کا مزار ایک ہی حلقہ کے اندر ہے،

اس خاندان کے آخری دور میں چند قابلِ قدر علمی ہستیان اور بھی گذری ہیں، اگرچہ دور زمانہ نے ان بزرگون کے علمی کارنامون پر بھی بہت کچھ پردہ ڈال دیا ہے، پھر بھی کوئی ایسی مدت نہیں گذری، اسلئے بہت کچھ نقوش باقی ہین،

حضرت مولینا سید شاہ احمد حسین یہ حضرت مولینا عبد الحی صاحب لکھنوی کے ہمعصر اور زبردست عالم تھے، ان کے قوائے دماغی اور قوتِ حافظہ کا یہ عالم تھا، کہ بیک نشست پانچ پانچ چھ چھ متعدد مختلف موضوعات کو قلمبند کرتے جاتے تھے، اور یہ سبھون کو بلا دقت مسلسل مضمون لکھواتے جاتے تھے،

انھیں زمینداری کے کامون میں زیادہ مصروفیت رہی، اور ایک بڑی آمدنی کے انتظام اور رئیسانہ طرزِ معاشرت کے باوجود درس و تدریس، تصنیف و تالیف کا سلسلہ برابر جاری رہا، ان کے شاگردون میں صوبہ بہار کے مشہور واعظ اور خطیب مولینا قادر بخش صاحب سہسرامی تھے، جنھون نے عرصہ تک ان سے تحصیل علم کی، اور آخر میں مولینا عبد الحی صاحب سے تکمیل فرمائی،

شعر و شاعری سے کوئی خاص ذوق نہ تھا، مگر طبعی مناسبت رکھتے تھے، ان کا یہ لطیفہ مشہور ہے کہ مولوی غلام احمد سعید صاحب کے یہان شب کے وقت تشریف لیجا رہے تھے، لالٹین ساتھ تھی، کچھ دور ہی تھے، کہ شہید صاحب نے پکارا "کس کی یہ لالٹین آتی ہے"، انھون نے برجستہ جواب دیا "شمع

احمد حسین آتی ہو" حضرت شہید صاحب اس برجستہ مصرعہ پر پھڑک اوٹھے،

۱۳۱۳ھ میں انھوں نے وفات پائی، اور حضرت شاہ کبیر درویش صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی خانقاہ سہسرام کے مقبرہ میں مدفون ہوئے، ان کی تصنیفات سے میرے پاس حسب ذیل کتابیں ہیں،

۱۔ القول المحمود فی بیان محفل المولود، مجلس میلاد کے جواز و عدم جواز کا معرکۃ الآرا مسئلہ اس زمانہ میں اچھا خاصہ "علمی دنگل" تھا، اوسی زمانہ کی یہ تصنیف ہے، کتاب طویل، دلچسپ اور مدلل ہو، قرآن وحدیث اور اجماع امت سے جواز میلاد پر دلائل پیش کئے گئے ہیں، اور پرزور طریقہ پر میلاد کا جواز و استحباب ثابت کیا گیا ہو، یہ کتاب اردو میں ہو، اور مطبوعہ ہو،

۲۔ ترتیب المدارج، خلفائے اربعہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مدارج کی تفصیل میں اہل سنت اور اہل تشیع کے اختلافات کی مدلل تائید اور پرزور تردید ہے، اور بالترتیب خلفائے راشدین کے مدارج کی تعیین میں ادلۂ شرعیہ سے پرزور طور پر کام لیا گیا ہے، یہ رسالہ مختصر اور مطبوعہ ہو،

۳۔ دافع الوسواس من خواطر الناس اس میں غیر مقلدین کے پیچ در پیچ سوالات کے مفصل جوابات ہیں، یہ کتاب اچھی خاصی ضخیم اور قیمتی معلومات سے پر ہے، غیر مطبوعہ بلکہ اصل مسودہ ہو،

۴۔ التقریر الانسب فی تحقیق النسب، نواب صدیق حسن خان نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں یہ ثابت کرنے کی کوشش فرمائی تھی، کہ ثبوت نسب صرف باپ سے ہو سکتا ہے، اگر کوئی شخص اپنا نسب ماں سے ثابت کرے تو وہ حدیث من انتمی الی غیر ابیہ فقد کفر کی وعید میں داخل ہے، یہ رسالہ اسی رسالہ کی تردید میں لکھا گیا تھا، پہلے قرآن سے دلائل قائم کئے گئے ہیں، پھر حدیث سے، پھر اقوال فقہا سے بحث کی گئی ہو، اور بہت وضاحت کیساتھ یہ ثابت کر دیا گیا ہو، کہ ثبوت نسب میں ماں اور باپ دونوں کی حیثیت مساوی ہے،

رسالہ کی زبان عربی ہو، اس کا پیش نظر نسخہ مولینا قادر بخش صاحب سہسرامی نے اپنے ایام طالب العلمی

میں اپنے قلم سے صاف کیا تھا،

"مجموعۂ تحریر در تعیین معنی کلمۂ توحید" مولینا عبد العزیز صاحب امروہوی اور حضرت مولینا سید شاہ احمد حسین صاحب سے کلمۂ توحید کے معنی کی تعیین میں تحریری مباحثہ رہا تھا، یہ وہی مجموعہ ہے، نحو وصرف، حدیث وتفسیر، اقوال علماء وصوفیہ سے فریقین نے اپنے اپنے تبحر علمی کا ثبوت دیا ہے، رسالہ عجیب اور پر معلومات ہے۔

حضرت مولینا حاجی سید شاہ ظہور الحسن رح | یہ حضرت مولینا شاہ احمد حسین صاحب کے حقیقی بھائی تھے، علوم ظاہری و باطنی کی تکمیل حضرت مولینا محمد موسیٰ صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمائی، جو اپنے عہد کے مشہور و باکمال عالم وصوفی تھے، مولینا شاہ احمد حسین صاحب بھی ان ہی کے تلمیذ رشید اور مسترشد تھے، اور جناب شاہ امین احمد صاحب فردوسی سجادہ نشین خانقاہ مخدوم الملک بہار شریف نے بھی موصوف سے تعلیم پائی، اور ارشاد لیا تھا، چنانچہ حضرت شاہ صاحب علیہ الرحمہ نے اپنی ایک مثنوی میں اسکا تذکرہ فرمایا ہے،

بہر جناب محمد موسیٰ پیر و مرشد علم استاد، بہر امین و بہر ظہور و بہر احمد نیک نہاد

ان کے زہد و اتقا کا یہ عالم تھا، کہ عمر بھر روپیہ پیسہ کو ہاتھ تک نہ لگایا، جو کھانے کو مل گیا کھا لیا، اور جو پہننے کو ملا پہن لیا، انہوں نے تین حج فرمائے تھے، اور دو سال حجاز و عراق اور دیگر مقامات مقدسہ کی سیر و سیاحت میں مصروف رہے، اور اثنائے قیام عرب میں بہت سے بیش قیمت اور نادر تبرکات بھی حاصل فرمائے تھے، اور چونکہ تحقیق و تدقیق موصوف کی فطرت ثانیہ تھی، اس لئے ان تبرکات کے متعلق اسقدر چھان بین اور سلسلۂ اسناد پر اس طرح جرح و تعدیل فرمائی تھی، کہ ان کی صداقت اور اصلیت میں ذرا شک کی گنجایش نہ تھی، افسوس کہ وہ تبرکات ان ہی کے عہد میں چوری ہوگئے، جس کا موصوف کو سخت صدمہ ہوا،

ان کے علم و کمال اور قوت حافظہ کا یہ عالم تھا، کہ جب آخر عمر میں آنکھوں کی روشنی جاتی رہی اور خود لکھنے پڑھنے سے معذور ہو گئے، تو دوسرے سے لکھواتے تھے، جن میں اکثر کم علم اور قلیل المعلومات لوگ ہوتے تھے، اسلئے ثبوت و اسناد میں کتابوں کے حوالہ کا کام ان سے ممکن نہ تھا، موصوف زبانی بتقید

صفحہ وسطر کتابون کا حوالہ درج کراتے تھے،

ایام قیام مکہ میں حضرت مولانا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمۃ ایک روز مثنوی شریف کا درس دے رہے تھے، اور اکثر اہل علم اور ذی استعداد علما شریک درس تھے، آپ موصوف بھی اس صحبت میں شریک تھے، کسی مقام پر حضرت مولینا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے کچھ مطلب بیان فرماکر کہا کہ اس سے زیادہ دلچسپ اور معنی خیز مطلب کی تلاش وجستجو ہے، یہ سبق کل کے لئے ملتوی رہے، دوسرے دن بھی موصوف نے اسکو اگلے دن کے لئے اٹھا رکھا، حضرت مولینا سید شاہ ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمۃ نے چاہا کہ کچھ عرض کرین، لیکن رعب علم اور ادب وتہذیب مانع ہوئے، تیسرے دن بھی یہی ہوا تو شاہ صاحب موصوف نے اسقدر دلچسپ اور پرزور مطلب بیان کیا کہ حضرت مولینا امداد اللہ صاحب علیہ الرحمۃ بیساختہ کھڑے ہوگئے، اور غایت مسرت میں ان سے لپٹ کر بے اختیار ان کی پیشانی پر بوسے دیئے،

انہون نے عربی میں ایک رسالہ لکھا تھا، شاید اس کا نام مفتاح الرحمانی لفتح کنوز المعانی تھا، اس پر حرمین شریفین اور بغداد کے علما نے زبردست تقریظیں لکھی تھیں، اور مولینا امداد اللہ صاحب علیہ الرحمۃ نے بھی خوش ہوکر پرزور تقریظ لکھی، اور اسکے چھپوانے کی خاص طور پر تاکید کی تھی، افسوس کہ وہ رسالہ گم ہوگیا، اور تلاش کے باوجود ابتک نہ مل سکا،

علم الانساب مین انھیں خاص مہارت تھی، اور اپنے عہد میں اس فن مین یگانۂ روزگار سمجھے جاتے تھے،

موصوف کے ہمعصر اہل علم اور صوفیہ کرام مثلاً حضرت مولینا سید شاہ مرشد علی قادری بغدادی میدنی پوری مولینا عبد العلیم صاحب آسی، مولینا سید شاہ بدر الدین صاحب پھلواروی سابق امیر شریعت، شیخ احمد حلاوان مفتی احناف مکہ معظمہ، مولینا سید شاہ سلیمان صاحب پھلواروی، جناب شاہ اکبر صاحب داناپوری، جناب شاہ امین احمد صاحب سجادہ نشین بہار شریف، جناب شاہ عبد القادر صاحب اسلام پوری، جناب عبد الاحد

شاہ صاحب وارثی، جناب شاہ قیام اصدق صاحب وجناب شاہ شہود الحق صاحب پیر بیگہ جمو انوان، جناب صوفی سجاد حسین صاحب بدوسری وغیرہم ان کے دل سے قدردان تھے، اوران کے علوم ظاہری وباطنی کے قائل، ان میں سے اکثر بزرگون نے خود یہان آکر حضرت موصوف سے ملاقات فرمائی تھی، اور اکثر کے خطوط اسوقت تک محفوظ ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے، کہ ان کی کیا قدر و منزلت ان بزرگون کے دل میں تھی،

ان کے اکثر و بیشتر اوقات عبادت و ریاضت میں صرف ہوتے تھے، پھر درس و تدریس تصنیف و تالیف اور فتوی نویسی و دیگر خدمات علمی ہین، ان کے شاگردون میں، مولینا امیر حسن صاحب بلیاروی اور جناب مولوی شاہ فرید صاحب سہسرامی سابق مدرس مدرسۂ خانقاہ سہسرام اپنے علم وفضل کے لحاظ سے ممتاز تھے، انھیں حضور سیدنا عبد القادر علیہ الرحمہ سے بڑی عقیدت اور بے حد محبت تھی،

وفات: حضرت موصوف نے ۱۱ ربیع الآخر ۱۳۳۰ھ کو وفات پائی،

تصنیفات: ان کی زیادہ تر تصنیفات مناقب غوث پاک میں ہیں، اور کچھ نسب وغیرہ کے متعلق اکثر کتابین ضائع ہوگئین، اور جو ہیں وہ بہت ردی حال میں ہین،

۱- تحفۃ الاقران والاحباب فی الاکفاء والانساب، یہ بسوط رسالہ فارسی میں بڑے سائز کے تقریباً دو سو صفحات پر محیط ہے، اور اپنے موضوع پر نہایت دلچسپ اور اہم ہے، علم نسب کے تعلیم و تعلم اور صیانت نسب کے غیر ضروری ہونے کے خیالات جو عام طور پر رواج پذیر ہوگئے ہین، اس کے ادلۂ شرعیہ اور اقوال بزرگان سلف سے محققانہ اور بہت دلچسپ بحث کی گئی ہے، اور صیانت نسب کی اہمیت پر زبردست دلائل بہم پہنچائے گئے ہین،

۲- ازالۃ الخفاء عن سیادۃ اشرف الشرفاء، حضرت غوث الاعظم رضی اللہ عنہ کی سیادت پر طعن کرنے والون کے الزامات کا محققانہ جواب ہے، مگر افسوس کہ اردو مین لکھا گیا ہے جس کا رواج تصنیف

و تالیف کے لئے ان کے عہد میں عام نہ تھا اس لئے اردو ذرا غیر دلچسپ ہی،

۳- شجرۃ الاصل النورانیہ ایک طویل رسالہ ہے، ابتدا میں مختلف فصل اور باب قائم کئے گئے ہیں، اور پھر ان کے تحت میں سب کے متعلق دلچسپ اور ضروری معلومات مہیا کی گئی ہیں، پھر حضرت مصنف نے اپنے مختلف شجرۂ نسب کے بزرگوں کے حالات جو کچھ بالتحقیق میسر آسکے، لکھے ہیں، یہ رسالہ نہایت شکستہ اور ردی حال میں، اور نامکمل ہی، درمیان کے اوراق رہ گئے ہیں، (فارسی)

۴- مفتاح الربانی لفتح کنوز المعانی، یہ رسالہ عربی میں تھا، اور مجھے نہ ملا، اس کے ابتدائے چند اوراق ملے جس میں یہ ذکر تھا، کہ علمائے حرمین شریفین اور حضرت مولینا امداد اللہ صاحب مہاجر مکی نے اس پر تقریظیں لکھی تھیں،

۵- مناقب مالک الرقاب، یہ کتاب بھی موجود نہیں، ایک صاحب علم مولوی نور الحسن صاحب نے اس کتاب پر حسب ذیل عبارت لکھی تھی،

"الحمد للہ والسلام علی عبادہ الذین اصطفی،"

کتاب لب لباب مناقب مالک الرقاب، لراقمہ ؎

اے جامع صفات کمال محمدی، آئینۂ جمال وجلال محمدی،

نور علی و فاطمہؓ و شبرؓ و حسنؓ، بعد از ائمہ زبدۂ آل محمدی،

مصنفہ عالم علوم دین صوفی باتمکین مولوی سید شاہ ظہور الحسن حفظہ اللہ من شر درد الفتن سرتاسر دیدم، بقدر رسائی بفضوش وارسیدم ہمہ وش خوب نیکو اسلوب است این...

حصہ خاص مصنف از حضرت مبدء فیاض بود کہ در عالم ظہور نمود،

توقیع قبول روز بیش باد، راقم آثم محمد نور الحسن عفی عنہ

۶- ظہور کنوزات الربوبیہ لمعرفۃ رموز المحبوبیہ یہ مبسوط رسالہ عربی میں ہے حضرت

عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب بیان کئے گئے ہین، اور حضرت کے ملفوظ قدمی ھذہ علی رقبۃ کل ولی اللہ کے نکات بیان کئے گئے ہین، رسالہ کے انداز بیان اور طرز استدلال کے متعلق موصوف مقدمہ کتاب میں لکھتے ہین،

"فصدر تھا تا نیا بحیث لاینکرھا احد من اصحاب الشریعۃ والطریقۃ"

افسوس یہ کہ اصل مسودہ کو صاف کرانے اور نظر ثانی کرنے کا موقع حضرت مصنف کو نہ ملا، اسلئے حروف اسقدر بدخط، حاشیہ اس قدر غیر واضح، اور ترمیم و تنسیخ کی اتنی کثرت ہو کہ پڑھنے والے کو بڑی ریاضت اور محنت کرنی پڑتی ہو،

۷- مرأۃ القلوب لمعائنۃ قدم المحبوب، یہ رسالہ فارسی مین ہے، اور ضمیمۂ اسمین مناقب شیخ عبدالقادر اور "قدمی ہذہ" کی بحث ایک دوسرے پیرایۂ بیان میں کی ہے،

ان رسالون کے علاوہ ان کے بعض فتادے مستقل تصنیف کی حیثیت رکھتے ہین،

مولوی سید شاہ خلیل اللہ مرحوم، یہ حضرت مولینا سید شاہ ظہور الحسن صاحب علیہ الرحمۃ کے منجھلے صاحبزادے اور علم و عمل میں اپنے والد بزرگوار کے قدم بقدم تھے، طالب علمی کے زمانہ سے تصنیف و تالیف شعر و سخن کا فطری ذوق رکھتے تھے

موصوف اپنے والد ماجد علیہ الرحمۃ سے تحصیل علوم فرما رہے تھے، اور تکمیل کیلئے بریلی یا لکھنو جانے کو رخت سفر باندھ چکے تھے، کہ سفر آخرت پیش آگیا، انتقال کے وقت مشکل سے ۱۷ یا ۱۸ برس کی عمر ہوگی، ۱۳۲۲ھ میں انھون نے انتقال کیا،

ان کی تصنیفات میں سے دو رسائل کے نام معلوم ہوئے، "تفریح[1] الخاطر فی مناقب عبدالقادر" اور "کحل العین"[2] ان کی شاعری زیادہ تر حمد و نعت اور مناقب شیخ عبدالقادر سے متعلق تھی ان کے مجموعۂ کلام اور تصنیفات کا ذخیرہ مولینا امیر حسن بلیاروی بغرض اشاعت لے گئے، اور انھون نے مرحوم کے

تاریخ الحدیث، از مولوی قاضی عبد الصمد صاحب صارم سیوہاروی، حجم ۳۰۰ صفحے، قیمت عہ، مکتبہ ابراہیمیہ، حیدرآباد، دکن،

علم حدیث کی تدوین پر ہندوستانی زبان میں اس وقت تک کئی کتابیں لکھی گئیں اور سیرت نبوی اور صحابہ کرام و تابعین، اور ائمہ محدثین کی سیر و سوانح کے ذیل میں اس علم کی تاریخ کے متعلق بھی اچھے خاصے معلومات فراہم ہوئے، تاریخ الحدیث میں حتی الامکان ان مآخذ سے فائدہ اٹھایا گیا ہے، اس طرح اس میں علم حدیث کی تاریخ کے متعلق معلومات یکجا ہو گئے ہیں،

کتاب کے آغاز میں ہندوستانی زبان میں اس وقت تک علم حدیث کی تاریخ سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے، مصنف نے اسے شمار کرایا ہے، لیکن اس فہرست میں جہاں علم حدیث سے غیر متعلق بعض کتابوں کے صفحہ دو صفحوں کے مواد کا ذکر آیا ہے، وہاں علم حدیث سے متعلق بعض مستقل مباحث بعض سلسلۂ ہائے مضامین اور بعض کتابوں کے علم حدیث پر مستقل ابواب کے تذکرے نظر انداز ہو گئے ہیں، حالانکہ تاریخ الحدیث کی تدوین میں ان سے پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے، یوں تو "علم حدیث" کے عنوان سے الندوہ میں علم حدیث کی تاریخ پر بعض تحقیقی مضامین ہندوستانی زبان میں شاید پہلی مرتبہ شائع ہوئے اور وہ مصنف کی نظر سے نہیں گذر سکے، لیکن "ہندوستان اور علم حدیث" کے عنوان سے معارف کے آٹھ دس نمبروں میں جو مسلسل مضامین شائع ہوئے ہیں اور ان سے مصنف نے اس کتاب میں بھی "ہندوستان اور علم حدیث" کے بیان میں فائدہ اٹھایا ہے پھر اسوۂ صحابہ جلد دوم

میں علم حدیث پر ص ۲۹۰ سے ص ۴۲۱ تک میں "علم حدیث اور صحابہ کرام" کے سلسلہ میں مستقل عنوان سے مختلف مباحث میں مصنف نے تقریباً انہی سرخیوں سے ان مباحث و روایات کو دورِ صحابہ میں علم حدیث کی سرگذشت بیان کرتے ہوئے ملخصاً نقل کیا ہے،

کتاب کی ترتیب و تبویب پر بھی مزید توجہ کی ضرورت تھی، اسی طرح مصنف نے کتاب کے بیچ بیچ میں مختلف غیر متعلق مسائل و مباحث داخل کر دیئے ہیں، جنیں معروضات و گذارشات بھی ہیں، انہیں زیادہ سے زیادہ دیباچہ و مقدمہ میں جگہ دی جا سکتی تھی، مباحث کے بیان میں اجمال و تفصیل کی ضرورتوں پر بھی نگاہ نہیں رہی، بعض مقامات پر جہاں تفصیل کی ضرورت تھی، اجمال سے کام لیا گیا، اور جہاں اجمال و اشارہ سے کام چل سکتا تھا، وہاں تفصیلات بیان کی گئی ہیں،

تاہم مجموعی حیثیت سے اس کتاب میں علم حدیث کی تاریخ کے ہر پہلو پر اجمالی طور پر معلومات کا کچھ نہ کچھ ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے، اور مصنف کی سعی و محنت قابل قدر اور لائق ستایش ہے، توقع ہے کہ مسلمان اس سے پورا فائدہ اٹھائیں گے،

مثنویات ، از جناب محمد امیر احمد صاحب علوی بی اے، حجم ۱۰۲ صفحے، قیمت: ۱۲ / ، پتہ: امیر محل لائبریری، نصیر باغ، کاکوری، ضلع لکھنؤ،

یہ ہندوستانی زبان کی مثنویوں پر ایک فاضلانہ تبصرہ ہے، جس میں دکنی مثنویوں سے دور حاضر سے پہلے تک کی مثنویوں پر جامعیت و اختصار سے نظر ڈالی گئی ہے، لائق مصنف کے نزدیک دکنی مثنویوں کا اردو زبان سے برائے نام تعلق ہے، چنانچہ ان پر محض سرسری گفتگو کی ہے، پھر ہر دور کی اہم مثنویوں کو پیش کیا ہے، اس سلسلہ میں اگرچہ مجموعی طور پر سحر البیان اور گلزار نسیم کو باہم ہم رتبہ قرار دیکر ان دونوں کو تمام مثنویوں پر فوقیت دی ہے، تاہم انداز بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف کے نزدیک سحر البیان پر گلزار نسیم کو ترجیح حاصل ہے، پھر معقول دلائل سے درجہ اول کی مثنویاں شمار کرائی ہیں، اور آخر میں مثنویوں کا ایک عام نقشہ

مرتب کردیا ہے، ہر مثنوی کے تذکرہ کے ساتھ چند اقتباسات بھی درج ہیں، اس رسالہ میں مختصر ہونے کے باوجود اردو مثنویوں کے متعلق دلچسپ ادبی نقد کے ساتھ شاید اس سے زیادہ مباحث کسی دوسری جگہ یکجا نظر نہ آئیں۔

باپ کے خط بیٹی کے نام، از جناب پنڈت جواہر لال صاحب نہرو۔ حجم ۱۸۳ صفحے، ناشر کتابستان نمبر ۱، اے سٹی روڈ، الہ آباد، قیمت مع جلد عار

یہ چند تعلیمی خطوط کا مجموعہ ہے، جنھیں ہندوستان کے مشہور محب وطن پنڈت جواہر لال نہرو نے دلنشین انداز بیان اور پدرانہ شفقت و محبت کے ساتھ اپنی بیٹی اندرا کے نام لکھے ہیں، ان میں دنیا کی پیدایش جانداروں اور انسانوں کی تخلیق، قبیلہ، نسل اور زبان کے اعتبار سے ان کی تقسیم پھر عہد بعہد میں انسان کی تہذیب و تمدن اور اسکی مختلف شاخوں میں ترقیاں بیان کی ہیں، ان تاریخی معلومات کے ساتھ خطوط میں اخوت انسانی، حب وطن اور ہندوستان کی خدمت کرنے کی تلقین کی گئی ہے، یہ خطوط انگریزی میں شایع ہوئے تھے، اور پنڈت جی کی اجازت سے ان کا سلیس اور آسان ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا گیا، اور عمدہ کاغذ اور اہتمام کی لکھائی چھپائی کے ساتھ شایع کئے گئے ہیں، اگرچہ ہمیں پنڈت جی کے بعض خیالات سے اتفاق نہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے یہ کارآمد کتاب ہے، اس سے نہ صرف کم عمر طلبہ بلکہ اوسط درجہ کا اردو خواں تعلیم یافتہ طبقہ فائدہ اٹھا سکتا ہے،

گیارہ عورتوں کی کہانی، از مولوی سید عبداللہ صاحب رضوی دیسنوی معلم مدرسہ حنفیہ آرہ، قیمت ۱ر

صحیح بخاری میں ایک طویل اخلاقی و اصلاحی حدیث مروی ہے، جس میں آنحضرت صلعم نے قصہ کے طور پر گیارہ عورتوں کے ازدواجی حالات بیان فرمائے ہیں، اس کا بامحاورہ اور سلیس ترجمہ "حدیث ام زرع" کے عنوان سے کیا گیا ہے، ترجمہ میں بخاری کی شرحوں سے جابجا حواشی بڑھائے گئے ہیں،

ذکر نبی از جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی ۱۷۶ صفحے تقطیع چھوٹی، قیمت ۱۲ر، پتہ مکتبہ ابراہیمیہ محی الدین بلڈنگ، مصطفیٰ بازار، حیدرآباد، دکن،

مؤلف نے آنحضرت صلعم کی سیرت پاک پر وقتاً فوقتاً مختلف مضامین مثلاً "رسول کریم کی خانگی زندگی" "رحمۃ للعٰلمین" "بعثت کے نتائج" "تعلیم نبوی" اور "آنحضرت صلعم بحیثیت سپہ سالار کے" وغیرہ لکھے تھے، اس رسالہ میں ان کو جمع کیا گیا ہے، ان سے سیرت پاک کے مختلف پہلو نمایاں ہوتے ہیں،

آخری نبی / دس جنتی از جناب الیاس احمد صاحب مجیبی، حجم بہ ترتیب ۴۰۔ ۸۰ صفحے، تقطیع چھوٹی قیمت ۲ر۔ ۵ر مکتبہ جامعہ ملیہ، قرول باغ، دہلی،

جناب الیاس احمد صاحب مجیبی چھوٹے بچوں کے لئے سہل و آسان زبان میں رسالے لکھنے کا بڑا سلیقہ رکھتے ہیں، وہ کئی چھوٹے چھوٹے رسالے کمسن بچوں کے لئے لکھ چکے ہیں، یہ دونوں بھی اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں، رسالہ "آخری نبی" میں آنحضرت صلعم کی سیرت بہت کمسن بچوں کو پڑھانے کیلئے لکھی گئی ہے، اسے قاعدہ ختم کرا کر پڑھا سکتے ہیں، اس کا دوسرا اڈیشن شائع ہوا ہے، دوسرے رسالہ "دس جنتی" میں، حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کے مختصر سوانح درج ہیں، یہ ذرا بڑی عمر کے بچوں کے لئے ہے، امید ہے کہ مصنف کے دوسرے رسالوں کی طرح یہ بھی مقبول ہوگا،

اسلامیات، ہر سہ حصہ، از جناب سلیم عبد اللہ، دفتر البینات، امراوتی (برار) حجم بہ ترتیب ۴۴-۴۲-۳۶- اور ۱۶ صفحے، قیمت ۲ر ۳ر اور ۵ر

یہ تینوں رسالے مسلمان بچوں کو دینیات کی تعلیم دینے کے لئے عام فہم زبان میں لکھے گئے ہیں، جن میں اسباق کی تقسیم کے ساتھ توحید، رسالت، قصص انبیاء، اور اسلام کے مذہبی و اخلاقی تعلیمات بیان کئے گئے ہیں، بچوں کے مذہبی معلومات کے لئے یہ کارآمد رسالے ہیں،

خنجر بران، از جناب عبد الکریم صاحب سحر آب اعظمی حجم ۸۰ صفحے، قیمت ۱۰ر مؤلف

سے بازار خانی باغ سہارن پور (یو پی) کے پتہ سے مل سکتی ہے،

یہ رسالہ مولوی محمد شفیع صاحب مدرس و سابق مفتی دار العلوم دیوبند کے رسالہ غایات النسب اور مولانا اشرف علی صاحب تھانوی کی بعض تحریروں کے جواب میں ہے، جس میں خاص طور پر مسئلہ کفو پر معقول دلائل کے ساتھ بحث کی گئی ہے، اور رسالہ غایات النسب میں جو ضعیف اور موضوع حدیثیں اور محاضرات کی کتابوں کی جو روایتیں درج کی گئی ہیں، ان کا پردہ چاک کیا گیا ہے، افسوس کہ رسالہ کا لب و لہجہ مناظرانہ ہے، جس سے دامن بچانے کی ضرورت تھی،

رہنمائے حج، از مولوی ابو المکارم محمد عبد البصیر صاحب عتیقی آزاد سیوہاروی، حجم ۷۵ صفحے، تقطیع چھوٹی، کاغذ اور لکھائی چھپائی معمولی، قیمت ۱۲ر

اس میں مؤلف نے اداے حج کے طریقہ، مکہ معظمہ کے بعض مآثر اور اپنے سفر حج کے حالات بیان کئے ہیں،

مفید الاطفال، نماز کی کتاب، روزہ کی کتاب، اسلامی تہذیب } از مولنا حافظ ابو بکر محمد شیث صاحب فاروقی، ناظم دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ حجم بہ ترتیب ۲۴، ۸۰، ۳۶، ۳۶ صفحات، قیمت ار، ۳ر، ۲ر، ۲ر، مرتبہ مولوی ابو المعازی علی اعلی فاروقی مہتمم دائرہ مطبوعات ملیہ، بازار الف خاں، جون پور،

مولانا ابو بکر محمد شیث صاحب نے چھوٹے بچوں کے لئے رسائل دینیات کا ایک مفید سلسلہ لکھا ہے، جس کے چار نمبر اب تک شائع ہو چکے ہیں، پہلے رسالہ "مفید الاطفال" میں سادہ طریقہ سے اذان اور نماز کی ماثورہ دعائیں لکھی ہیں، اس رسالہ کو زبانی یاد کرانے کے بعد "نماز کی کتاب" شروع کرائی جائے گی، اس میں طہارت و وضو کے ضروری مسائل کے بعد نماز اور اس کے متداول فقہی مسائل اچھی ترتیب سے اور عام فہم زبان میں قلمبند کئے گئے ہیں، اس رسالہ کو فقہ کے ابواب طہارت و صلوۃ کی عمدہ تلخیص سمجھنا چاہئے، پھر تیسرے رسالہ "روزہ کی کتاب" میں روزہ کے عام مسائل بیان

کئے گئے ہین، اس کے بعد چوتھا رسالہ "اسلامی تہذیب" کے نام سے ہے، جس میں اسلامی عقائد و اخلاق و آداب، سوال و جواب کے طرز میں لکھے گئے ہین، یہ رسائل مکتبون میں پڑھائے جانے کے قابل ہیں،

تعلیم خانہ داری، بچون کی استانی، گھر والی کی تربیت، از جناب حافظ سید عزیز حسن صاحب بقائی اڈیٹر رسالہ مینوا زیر جامع مسجد دہلی حجم بہ ترتیب ۱۰۷، ۹۵، ۸۰، ۷۰، صفحے، قیمت: ۱۲؍، ۸؍، ۸؍، ۸؍

یہ تینون معاشرتی اصلاحی رسالے ہیں، "تعلیم خانہ داری" گھر کی شریف بہو بیٹیون کو خانہ داری کی ضروری تعلیم دینے کے لئے لکھا گیا ہے، جس میں گھر کی چھوٹی بڑی ضروریات گنائی گئی ہین، پھر کھانا پکانے، سینے پرونے، بیل بوٹے بنانے اور لکھنے پڑھنے غرض ایک خوش سلیقہ شریف لڑکی کے لئے جن معلومات کی ضرورت ہوتی ہے، ان سب کو مستقل عنوانون سے لکھا گیا ہے، اور یہ اس لحاظ سے ایک کارآمد رسالہ ہے، پھر دوسرے رسالہ میں فسانہ کے طرز میں بچوں کے مدرسہ کی زندگی، اور ضروری تعلیمی معلومات درج کئے گئے ہیں، اور تیسرے رسالہ مین بھی فسانہ ہی کے طور پر لڑکیوں کو اہلی زندگی گذارنے کے طریقے بتائے گئے ہین

مرزا قادیانی، از جناب عبد الغفور صاحب عابدی حیدرآباد، دکن حجم ۱۶ صفحے، قیمت ۱؍

اس میں مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کے عقائد کی تردید کرکے دکھایا گیا ہے کہ وہ نہ نبی و مہدی ہو سکتے ہین، اور نہ مسیح ثانی و مجدد کہے جانے کے مستحق ہین،

وٹامائنس، از جناب لفٹنٹ کرنل محمد اشرف الحق صاحب قلعہ گولکنڈہ حیدرآباد دکن صفحے ۳۰ قیمت ۲؍

اس میں وٹامن (جوہر حیات) کی حقیقت، اس کے اقسام اور خواص اختصار کیساتھ بیان کئے گئے ہین،

خوشہ پروین، مرتبہ جناب سید کاظم مدیر کہکشان نمبر ۲۲۵۳، گلی تارا، دہلی، حجم ۲۲ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت ۳؍

اس میں جناب فضل الدین فدا، دینانگر کے سو شعر چھاپے گئے ہین،

"س"

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۵۴ صفحے، قیمت للعہ، از مولنا عبد السلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

گل رعنا - اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۸ صفحے، قیمت:- صہ، از مولنا سید عبد الحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصہ اول ضخامت ۳۴۹ صفحے، قیمت:- عہ۸ر

حصہ دوم، " " ۲۶۱ " " عہ۸ر

موازنۂ انیس و دبیر، (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت: ے ر سے ر

کلیات شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ، جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے بیس سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

افاداتِ مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: عہ ر حجم ۳۷۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲ ار کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (از مولنا سید ریاست علی ندوی)

دارالمصنفین کی جدید فہرست

اور

کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف،

سنہ ۱۹۳۵ء سے ہم نے دارالمصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کردی ہی، مکتبۂ دارالمصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہوگئی ہی، امید ہی کہ جو لوگ اس وقت تک دارالمصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دارالمصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ ۱۸ روپیے ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت ۲۶ ہی لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیے میں دیا جائیگا لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دارالمصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جا سکتا، کمیشن کی رعایت بہرصورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی　　منیجر دارالمصنفین　　اعظم گڈھ

مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷ جون ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

جلد ۳۷	ماہ ربیع الاول ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ جون ۱۹۳۶ء	عدد ۶

مضامین

شذرات

"ڈاکٹر انصاری مرحوم"

۹ رمئی ۱۹۳۶ء کی شام کو سات بجے کے قریب مین ڈیرہ دون کی ایک سڑک سے گذر رہا تھا کہ پیچھے سے ایک موٹر تیزی سے آئی اور نکل گئی، مین نے دیکھا کہ اُس پر ڈاکٹر انصاری بیٹھے ہین، سر کھلا تھا، اور چہرہ پہ سجدہ نشان، رات گذر گئی اور صبح کو ان کے قیامگاہ کی تلاش ہوئی، معلوم ہوا کہ وہ رات ہی دلّی چل دیئے، لیکن جب شام ہوئی تو معلوم ہوا کہ وہ رات دلّی نہین گئے، راستہ سے سیدھے جنت کو سدھارے، دل دھڑکا، آنکھین پرنم ہوئین، اور سینہ سے آہ کا ایک شعلہ اٹھا جس نے صبر وتمکین کی متاع کو جلا کر خاکستر کر دیا،

⁂

ڈاکٹر مختار احمد انصاری گو نسب و وطن کے لحاظ سے ضلع غازیپور کے ایک ممتاز قصبہ یوسف پور کے ایک نہایت شریف خاندان سے تھے، مگر درحقیقت ان کا تعلق پورے ہندوستان سے تھا، اس یوسف کا کنعان، وہ محدود مقام نہ تھا جس کو یوسف پور کہتے ہین، بلکہ پورا ہندوستان تھا، اسی لئے آج پورے ہندوستان نے ان کی موت پر ماتم کیا، کیا مسلمان، کیا ہندو، کیا سکھ، کیا عیسائی، سب نے یہی جانا کہ آج انکا حقیقی بھائی اس دنیا سے چل بسا،

⁂

مین نے ڈاکٹر انصاری کو سب سے پہلے ۱۹۱۲ء مین اس وقت دیکھا جب وہ بلقان کی جنگ مین طبی وفد لیکر ٹرکی جا رہے تھے، اور اس تقریب سے لکھنؤ اسٹیشن سے گذر رہے تھے، مولانا شبلی اور بہت سے لوگ لکھنؤ اسٹیشن پر ڈاکٹر صاحب کو الوداع کہنے گئے تھے، اس وقت ڈاکٹر صاحب کی عمر تنیتس ۳۳ کی تھی، کھلتا رنگ، دبلا پتلا چھریرا بدن، کشیدہ قامت، ہنستا چہرہ، انوری یا قیصری مونچھین، جسم پر چست خاکی وردی! ڈاکٹر صاحب کمپارٹمنٹ کا دروازہ کھولے کھڑے تھے، گاڑی نے جیسے ہی سیٹی دی، لوگوں کی آنکھیں بھر آئیں اور مولانا شبلی مرحوم نے اسی جوش مین جھک کر ڈاکٹر صاحب کے بوٹ کو بوسہ دیا، اور رخصت کیا، وہ بھی عجیب منظر تھا،

⁂

ڈاکٹر صاحب کا سب سے پہلا شجاعانہ اسلامی کارنامہ ۱۹۱۸ء مین مسلم لیگ دہلی کے صدر کی حیثیت سے

وہ یادگار خطبہ ہے جس مین سب سے پہلے خلافت اور مقاماتِ مقدسہ کی نسبت مسلمانوں کے جذبات کا بیخوفی سے اظہار کیا گیا، اور مذہبی کتابوں کے حوالہ سے مسلمانوں کے دعوے کے دلائل پیش کیے گئے تھے، اسکے بعد تو انکا یہ جنون بڑھتا ہی رہا، اور خلافت کانگریس اور ہندو مسلم اتحاد کی کوششوں میں انھوں نے وہ کچھ کیا، جو ہندوستان کے کسی مسلمان نے نہیں کیا،

وہ ہندو مسلم اتحاد کے منادی، عالمِ اسلامی کے سفیر، اور آزادیِ وطن کے مبلغ تھے، وہ جلسوں میں بہت کم بولتے تھے، مگر جب بولتے تھے تو وہ کہتے تھے جس کی صداقت دلوں میں گھر کر جاتی تھی، صداقت اور شرافت ان کا خمیر تھا، صداقت کی خاطر ان کو کبھی کبھی اپنے عزیز ترین دوستوں کا ساتھ چھوڑنا پڑتا تھا، اور شرافت کے سبب سے ان دوستوں کے غیظ و غضب اور جفاکوشی کو پوری متانت اور سنجیدگی کے ساتھ برداشت کرتے تھے، اس کے کتنے مناظر خود میری آنکھوں کے سامنے گذرے ہین،

ان کا گھر مہمانوں کے لئے، ان کی جان دوستوں کے لئے اور انکا مال ضرورتمندوں کے لئے وقف تھا، ناواقف ان کو دولتمند سمجھتے تھے، مگر جاننے والوں کو معلوم ہے کہ کبھی کبھی ان پر ایسے دن بھی گذرے کہ قرض لے لیکر مہمانداری کا فرض انجام دیا جاتا تھا، اور اس حالت میں بھی قومی جلسوں کا پورا بار اپنے کندھوں پر اٹھائے اور سیکڑون اپنے جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کو اپنا مہمان بنائے ہوئے تھے،

وہ فیاضی کا مجسمہ، لطف و محبت کا دیوتا، اور حسن اخلاق کا فرشتہ تھے، متانت اور سنجیدگی انکی طینت اور غور و فکر ان کی عادت تھی، وہ وطن کے خدمتگار، انسانیت کے غمخوار، اور اسلام کے پرستار تھے، وہ دنیا میں اتحاد اسلامی کے پیغامبر اور ملک مین ہندو مسلم اتحاد کے مبلغ تھے، انکی پالٹکس کے سولہ برسوں مین طوفانِ سیاست کے سیکڑون جھونکے اٹھے، اور سیاسی انقلاب خیال کے بیسیوں حادثے پیش آئے، مگر صداقت اور استقامت کا یہ پہاڑ جون کا تون اپنی جگہ پر جما رہا،

نہرو رپوٹ کے سلسلہ میں وہ وقت آیا جب اپنوں نے ان کو غیر بنایا، آشناؤں نے بیگانہ سمجھا اور دوستوں نے دشمن قرار دیا، بلکہ کلکتہ خلافت اور آل پارٹیز کانفرنس میں وہ وقت بھی آیا جب انکے اپنے دست و بازوؤں نے انکو دھکے دیئے، اور مسلمانوں نے ان پر حملہ کی نیت کی، تاہم یہ شرافت و متانت کا مجسمہ خاموش رہا، اور

انھوں کی بدسلوکی کے ذکر اور دوستوں کی جائز شکایت سے کبھی اپنے لب کو آلودہ نہیں کیا،

اب زمین کا یہ فرشتہ ہمارے شور و شر کی سرزمین سے بہت دور امن و راحت کے آسمان پر چلا گیا، اس کا خاکی جسم دلی کے ایک کھنڈر میں ہزاروں من مٹی کے نیچے دبا ہے، اب زمانہ کے حوادث اسکو رنجیدہ، عالم اسلامی کی زبون حالی اسکو آزردہ، اور وطن کی غلامی اسکو افسردہ نہیں بنا سکتی، اس کا تن خاکی اب ایک تھکے ہوے مسافر کی طرح زمین کے بچھونے پر ابدی نیند سو رہا ہے اور اسکی روح ہماری مدح و ستایش سے بے پروا، اور ہمارے نوحہ و ماتم سے بے خبر اپنے نیک اعمال کا محضر لئے خدا کے سامنے ہے، امید ہے کہ مغفرت کا نورانی خلعت اسکے جسم پر اور رحمت کا تاج اسکے سر پر ہوگا۔

آہ! کیسا دلدوز منظر ہے، وہ حاذق جس سے درد دل کے ہزاروں مریضوں کو شفا ہوئی جس نے اپنے تیس برس کے معالجہ میں ہزاروں کو موت کے خطرہ سے بچایا ہوگا، وہ ایک ریلوے سفر میں، گاڑی کے ایک ڈبہ میں، ڈبہ کے ایک تختہ پر موت کے پنجہ کو آہستہ آہستہ اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھتا ہے، اور اس بیکسی و بے بسی کے عالم میں اپنے کو مجبور پاتا ہے اور چالیس منٹ کے اندر چھپن برس کی عمر میں اسکی ہستی کا چراغ گل ہو جاتا ہے،

دہلی کے اسٹیشن نے بیسیوں دفعہ اسکے جلوس و استقبال کا رنگین منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا ہوگا، ۱۰ مئی ۱۹۳۶ء کی صبح کو اسی اسٹیشن نے اس کی بے روح لاش کو گاڑی سے اترتے دیکھا، استقبال کرنے والوں کا ہجوم اب بھی تھا، مگر چہروں پر مسکراہٹ کے بجائے رنج و غم، آنکھوں میں تبسم کے نور کی جگہ، آنسوؤں کے قطرے، دل میں خوشی اور مسرت کے اطمینان کے بدلے غم و الم کا اضطراب،

طرابلس اور بلقان کے ہنگاموں نے ہماری چند جدید تعلیم یافتہ نوجوانوں کو دفعۃً سوتے سے بیدار کر دیا تھا، محمد علی مرحوم اس قافلہ کے رہبر اور ڈاکٹر انصاری اس قافلہ کے سب سے پر جوش رہرو تھے، افسوس کہ ان دونوں دردمندوں نے دل ہی کے آزار میں وفات پائی، دل کا درد مجاز بنکر نمودار ہوا، اور ان کی قومی زندگی کا باعث ہوا، اور وہی حقیقت بنکر ان کی موت کا سبب ہوا، محمد علی مرحوم نے پہلے داغ مفارقت دیا، اور اب

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

مقالات

"عربون کی جہازرانی"

پر

استدراک

از جناب ڈاکٹر مولینا حمید اللہ صاحب ایم اے پی ایچ ڈی استاذ فقہ جامعۂ عثمانیہ حیدرآباد دکن

(۲)

عرب میں بندرگاہ، عربی بندرگاہوں کا ذکر خاصی تفصیل سے (معارف ج ۴۲ نمبر ۳) کیا گیا ہے، اس سلسلے میں عمان کے مشہور بندرگاہ دبا کے متعلق چند چیدہ معلومات بے محل نہ ہون گے، اسی طرح بحرین کے بندرگاہ مشقر اور یمن کے بندرگاہ عدن وغیرہ کا ذکر کیا جاتا ہے :-

۱- ..... ثم سوق دبا وھی احدی	پھر بازار دبا ہے، اور وہ عرب کا ایک
فرضتی (فُرَضْ ؟) العرب یاتیھا	بندرگاہ ہے، جس میں سندھ ہند، چین کے تاجر
تجار السند والھند والصین	اور مشرق اور مغرب کے لوگ آتے ہیں،
واھل المشرق والمغرب فیقوم	اور یہ بازار رجب کے آخر دن میں لگتا
سوقھا آخر یوم من رجب وکان	ہے، اور ان کی بیع اس بازار میں مساومہ
بیعھم فیھا المساومة وکان	ہوتی ہے، اور جلندی بن مستکبر ان سے
الجلندی بن المستکبر یعشّرھم	اور بازار صحار میں عشر لیتا ہے،

فیها وفی سوق صحار ویفعل فی ذلك فعل الملوك بغیرها.."

اور اس معاملے میں وہی طریقہ اختیار کرتا ہے، جو بادشاہ لوگ اور بازاروں میں اختیار کرتے ہیں

(کتاب المحبر لمحمد بن حبیب المتوفی ۲۴۵ھ مخطوطہ برٹش میوزیم ورق ۹۵)

"....ثم یرتحلون بها الی دبا وکانت احد فرض العرب یجتمع بها تجار الهند والسند والصین واهل المشرق والمغرب..... فیشترون بها بیوع العرب والهجر...." (کتاب الازمنه والامکنه للمرزوقی باب ۴۰)

پھر اس کو لیکر دبا کو جاتے ہیں، جو عرب کا ایک بندرگاہ تھا، جہاں ہند، سند اور چین کے تاجر اور مشرق و مغرب کے لوگ جمع ہوتے تھے، اور وہاں عرب اور ہجر کی طرح خریداری کرتے تھے،

۲۔.... ثم یرتحلون منها الی المشقر بهجر فتقوم سوقها اول یوم من جمادی الآخرة الی آخر الشهر فتوافی بها فارس یقطعون البحر الیها ببیاعاتهم...." (کتاب المحبر ورق ۹۴-۹۵)

پھر اس سے مشقر کا سفر کرتے تھے، جو بحرین سے یہ بازار جمادی الآخرہ کے پہلے دن سے آخری مہینے تک لگا رہتا تھا، اور ایرانی لوگ اپنا سرمایہ تجارت لیکر وہاں بحری سفر کرکے آتے تھے،

۳،۴۔"....ثم یسیرون بجمیع

پھر وہاں خشکی اور تری کے جو تاجر ہوتے

من فیہا من تجار البر والبحر	تھے، ان کو لے کر شحر یعنی شحر مہرہ تک
الی الشحر - شحر مھرۃ - فیقوّ	جاتے ہین، اور وہان ان کا بازار
سوقهم.... ثم یرتحلون منها	لگتا ہے، پھر وہان سے عدن کو جاتے
الی عدن الا تجار البحر فانه	ہین، البتہ بحری تاجرون مین صرف
لا یرتحل منهم الا من بقی من	وہی لوگ وہان سے عدن کا سفر کرتے ہین
بیعه شیئ ولم یبعه نیوا فی	جنکا سودا کچھ بکنے سے رہ گیا ہے، اور اس
الناس بعدن من بقی معه	نے اس کو نہین بیچا ہے، تو عدن مین لوگوں
من تجار البحر شیئ ومن لم یکن	کے پاس وہی بحری تاجر آتا ہے جسکے ساتھ
شهد الاسواق التی کانت قبلها	کچھ مال رہگیا ہو، اور وہ لوگ بھی عدن
.... وعان طیب (الطیب ؟)	میں آتے ہیں، جو اس سے پہلے کے بازارون
الخلق.... ولم یکن احد یحسن	میں نہیں گئے تھے اور...... اہل عرب کے
صنعه من غیر العرب حتی ان	سوا کوئی دوسرا اسکو عمدہ نہیں بنا سکتا
تجار البحر لترجع بالطیب	تھا، یہان تک کہ بحری تاجر اس مصنوعی
المعمول، تفتخر به فی السند	خوشبو کو لے کر واپس ہوتے ہین، تو سند
والهند وترحل به تجار البر	اور ہند میں اس پر فخر کرتے ہین، اور خشکی کے
الی فارس والروم.." (المرزوقی باب)	تاجر اسکو لیکر ایران اور روم مین جاتے ہین،

آبنائے عمان یا باب المندب؟ "اسی کے پاس عمان کی دریائی پہاڑیان ہیں، اور وہ جگہ ہے، جس کو درد و کہتے ہین، یہ دو پہاڑون کے بیچ تنگ دریائی راستہ ہے، (باب المندب ؟)" (عکم ص ۷۰) یہان غالبا سہو قلم سے بجائے "آبنائے عمان" کے "آبنائے باب المندب" لکھدیا گیا ہے، باب المندب بحر قلزم کے دہانے

پر ہے، یہاں خلیج فارس کا ذکر ہے،

چین، "ہم نے اوپر کی سطروں میں حدود ملک چین تک کے راستے بتائے ہیں" (عکس ص ۹۷) اس سلسلے میں وہ مشہور مقولہ بیان کیا جا سکتا ہے، جو آنحضرت صلعم سے منسوب کیا جا تا رہا ہے کہ اطلبوا العلم و لو کان بالصین، اگرچہ یہ حدیث ابن عبد البر نے علم پر اپنی مشہور کتاب میں حضرت انسؓ کی روایت سے درج کی ہے، بیہقی نے شعب الایمان میں، ابن عدی نے الکامل میں اور العقیلی نے الضعفاء میں لیکن ماہرین نے اس حدیث کو موضوع قرار دیا ہے، شاید اس قیاس کو زیادہ دور از کار نہیں قرار دیا جائیگا کہ یہ حدیث اس زمانے کی پیداوار ہے، جب ۶ بون کے تجارتی تعلقات چین سے بہت مستحکم ہو گئے تھے، اور وہاں کے بگپور (فغفور یا بغبور، باگ کے معنی تاتاری اور جدید روسی زبان میں خدا کے ہیں، پور بیٹے کو کہتے ہیں، چینی اپنے بادشاہ کو "آسمان کا بیٹا" سے ملقب کرتے رہے ہیں،) کے اسلام لانے کا امکان نظر آرہا تھا، اس وقت چینیوں کی تالیف قلبی کی ضرورت تھی،

تیسری صدی کا سفرنامہ یورپ، "ابن فضلان نے بغداد سے روس و بلغار تک اپنا سفرنامہ مرتب کیا تھا، جس کا مختصر خلاصہ یاقوت نے اپنی معجم البلدان میں شامل کیا ہے" (عکس ص ۱۱۵) اہل علم میں سے ہر ایک کو یہ سنکر خوشی اور چند کو تازہ خبر معلوم ہو گی، کہ مقتدر باللہ عباسی کے (جو تیسری صدی کے اواخر میں خلیفہ ہوا) سفیر ابن فضلان کا کھویا ہوا سفرنامہ مل گیا ہے، اور ایران سے اس کے ایک مکمل نسخہ کی عکسی نقل (فوٹو) برلین کے سرکاری کتبخانے میں آچکی ہے، اور اب اسے روسی اور دیگر زبانیں جاننے والے چند جرمن مشرقیان اشاعت کیلئے تیار کر رہے ہیں، اور غالباً ترجمہ بھی تفصیلی تعلیقات اور جدید ترین معلومات کے تقابلی مطالعے کیساتھ شائع ہو گا،

جاپان، "اہل عرب ... جاپان کو جزائر واق واق کہتے ہیں" (عکس ص ۱۲۹) عرصہ ہوا عجائب الہند کے فرانسیسی ضمیمے میں پروفیسر دخویہ نے یہ دلچسپ نظریہ پیش کیا تھا، لیکن ابھی دو سال ہوئے پاریس کے عالم

ژورنال آزیاٹیک میں پروفیسر فران (Ferrand) جن کا چند ماہ قبل انتقال ہوگیا ہے، نے اس بارے میں نئے سرے تحقیقات کی ہے، اور عربی کے علاوہ چینی اور دیگر ماخذوں سے کثیر مواد فراہم کیا ہے، جس کا خلاصہ بھی انسائیکلوپیڈیا آف اسلام میں (عنوان "واق واق" کے تحت) شائع ہوا ہے، اس تفصیلی تحقیقات کا خلاصہ یہ ہے کہ اس سے مراد جاپان نہیں بلکہ بورنیو ہے،

ابن جبیر عربی سیاحوں کے سلسلے میں ابن جبیر کا سفرنامۂ حج بھی قابلِ ذکر ہے، یہ سلطان صلاح الدین کا ہمعصر، اور اس نے اسپین سے مصر وغیرہ تک جہاز پر سفر کیا تھا، ابن جبیر نے جس دقتِ نظر سے حالاتِ سفر بیان کئے ہیں، اور اثنائے راہ میں آتش فشاں پہاڑوں، بندرگاہوں وغیرہ کا ذکر کیا ہے، اس سے بہت کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں، خاص کر بحری سفر میں مسافر کے تجربے بہت دلچسپ ہیں،

بحری نقشے سامان و آلاتِ جہاز رانی کے سلسلے میں بحری نقشوں کا ذکر (عکس ص، ۱۳۰ تا ۱۴۱) کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں ایک حالیہ تحقیق کا ذکر کیا جا سکتا ہے، کولمبس نے امریکہ کا ایک نقشہ تیار کیا تھا جو اب ناپید ہے، مشہور ترکی ماہرِ بحریات پیری رئیس اس کا تقریباً ہمعصر تھا، ترکی میں ان دنوں سلیمان اعظم جیسے اولوالعزموں کا دور تھا، جو دنیا کو فتح کرنے کے منصوبے رکھتے تھے[۱]، ایسے زمانے میں سرکاری افسروں کے معلومات بھی عصری (اپ ٹو ڈیٹ) ہوا کرتے تھے، چنانچہ پیری رئیس نے کولمبس کا نقشۂ امریکہ کسی طرح حاصل کیا، اور اپنے نقشۂ عالم میں شامل کرکے شائع کیا، یہ نقشہ کتنی

---

[۱] اس کا سفیر چین گیا تھا، تاکہ وہاں کی فوجی قوت وغیرہ کا اندازہ لگائے، سفر کی رپورٹ جو خطائی نامہ کے نام سے فارسی میں لکھی گئی تھی، اور جس کا بعد میں ایک ناقص ترجمہ بھی ہوا ہے چین کے متعلق معلومات کی انسائیکلوپیڈیا ہے، اس کا جرمن ترجمہ مجھ سے کرایا گیا تھا، جو اب چینی ماخذوں کے حواشی کے اضافے کیساتھ مع اصل فارسی متن قریب میں شائع ہوگا یہ کام جرمن مجلس شرقیات کے معتمد اور اسکے رسالے کے اڈیٹر ڈاکٹر کاسے انجام دیرہے ہیں

توپ قپو سرائے (استانبول) مین ملا، اور کوئی تین سال ہوئے کہ اس کو بون یونیورسٹی کے صدر کلیۂ شرقیات اور جرمن مجلس شرقیات کے معتمد ڈاکٹر پادل کالے (P. Kahle) نے ایک طویل مقدمے کیساتھ شائع کیا ہے، ایک ضخیم تر کتاب اسی موضوع پر انگریزی میں بھی پروفیسر کالے نے لکھی ہے جو امریکہ کی کسی یونیورسٹی کی جانب سے شائع ہو گئی ہے، یا ہونے والی ہے،

لائٹ ہاوز لائٹ ہاوز (عکس ص ۱۴۱) کے سلسلے میں بھی پروفیسر کالے کی ایک کتاب کا ذکر کیا جا سکتا ہے، جس میں اسکندریہ کے مشہور منارے کے متعلق جملہ مل سکنے والے عربی و دیگر معلومات مع تصاویر شائع ہوئے ہین،

صُوَر الکواکب، صُوَر الکواکب (عکس ص ۱۴۴) پر ایک نہایت قدیم رسالہ کتاب الازمنہ، لیوحنا بن ماسویہ المتطبب المعلّم الفلکی ۱۹۳۳ء میں مصر مین شائع ہوا ہے[۱]، اسمیں سال کے بارہ مہینون کی فلکی کیفیت تفصیل سے دی گئی ہے،

قطب نما، قطب نما پر جسے جہت نما یا سمت نما کہنا شاید زیادہ موزون ہو، عربون کے متعلق بہت دلچسپ مواد یکجا کیا گیا ہے، (عکس ص ۱۴۷ تا ۱۶۲) مگر یہ چیز اس سے بہت زیادہ پرانی ہے، حال میں چند ماہ قبل حیدر آباد کے ضلع رائچور میں مسکی نامی مقام پر اثری کھدائی کے سلسلے میں زمانہ ماقبل تاریخ کے عہد حجری کی جو چیزین دریافت اور دستیاب ہوئی ہین، ان میں تین عدد جہت نما بھی صحیح و سالم حالت مین ملے ہیں، ان پر سولہ جہتوں کے نشان اور ذیلی جہتون کی علامتیں صاف طور سے نمایاں ہیں، کسی دل جلے نے کہا ہے کہ اس چرخ کہن کے نیچے خود ہمارے اپنے سوا کوئی چیز نئی نہین،

ایرانی ملک یمن مین، ایرانیون کی تجارتی اور دیگر ماوراء البحر نو آبادیون کا ایک سرسری ذکر (عکس ص ۱۷۱ تا ۱۷۲) اشارۃً کر دیا گیا ہے، پارسیون نے آنحضرت صلعم کی ولادت کے بعد بحری حملہ کر کے یمن پر قبضہ کر لیا تھا،

---

[۱] Bulletin de l'Institut d'Egypte XV 1933, p. 235-256

وہرز سپہ سالار و گورنر کے ساتھ آئے ہوئے یہ لوگ ابنا کہلاتے تھے، یہ لوگ عہد نبویؐ میں مسلمان ہو گئے اور کشوری عہدوں پر سرفراز کئے گئے، حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے میں ردت کے موقع پر یمن کے عربوں میں یمنی قومیت کے جو جذبات پیدا ہوئے تھے، وہ آج چودھویں صدی ہجری میں ترکی، مصر، ایران، و عراق وغیرہ کے حالات کو دیکھ کر اپنی حیرت انگیز قدامت دکھاتے ہیں :-

"..... ولما سمع بذلک قیس ارسل	جب قیس نے اس کو سنا، تو ذی الکلاع
الی ذی الکلاع واصحابہ إنّ	اور اس کے ساتھیوں کو پیغام دیا کہ ابنا،
الابناء نُزّاع فی بلادکم ونقلاءٌ	تمہارے ملک میں اجنبی ہیں، اور دوسری
فیکم وان تترکوھم لن یزالوا	جگہ سے منتقل ہو کر آئے ہیں، اگر تم لوگ ان
علیکم وقد اری من الرای	کو چھوڑ دوگے، تو تم پر حملہ کر دیں گے،
ان اقتل رؤسھم واخرجھم من	میری رائے تو یہ ہے کہ ان کے سرداروں
بلادنا فتبرءوا فلم یمالئوا	کو قتل کر دوں اور اپنے ملک سے ان کو
لم ینصروا الابناء واعتزلوا"	نکالدوں، تو یہ لوگ الگ ہو گئے، اور اوکی
(تاریخ طبری ص ۱۹۹۰)	موافقت نہیں کی اور ابنا کی مدد نہیں کی، اور

غیر جانبدار ہو گئے۔

ہندی امیر البحر، جہاز رانوں کا ذکر کرتے ہوئے (عکبر ص ۱۰۱ تا ۱۰۳) عربوں کے ساتھ ترکوں وغیرہ تک کا ذکر کر دیا گیا ہے، اور محروم ہے تو غریب ہندوستان، ملیبار میں پرتگالی حملوں کے زمانے میں کالیکٹ پر سامری (Zamorin) لقب کے راجہ حکمران تھے، ان کی بری فوج میں مسلمانوں کی کافی تعداد تھی، لیکن ان کا بحریہ معلوم ہوتا ہے، کہ خالص اسلامی تھا، زین الدین المعبری کی تحفۃ المجاہدین فی بعض اخبار البرتگالیین اور مسٹر پانیکار کی حالیہ کتاب Malabar and the Portuguese میں اس بات کا کافی مواد ملتا ہے، کہ کنج علی مرکار کا خاندان موروثی طور پر راجا سامری کا امیر البحر

تھا، چونکہ ملیباری مسلمان تاجر رہے ہین، اور مذہبیت کے باعث ہر سال ان کے بہت سے لوگ حج
کو جایا کرتے تھے، اسی لئے ان میں جہازرانی بڑی ترقی کرگئی تھی، کنج علی مرکار کا خاندان اب بھی غالباً
شہر پنیانی (ملیبار) میں آباد ہو اگر اس خاندان کا کوئی رکن یا کوئی اور صاحب ہمت و معلومات اس امیرالبحر
خاندان کی تاریخ مرتب کرے، تو نہ صرف دکن یا ہند بلکہ مسلمانون کے لئے باعث نازش ہوگا، کہ کس
طرح مٹھی بھر آدمیون اور گنتی کی کشتیون سے ان مجاہدون نے "سمندرون اور مشرق کے مالک" پرتگال
کانسلون تک سمندر میں ناک میں دم کر رکھا تھا،

ہندوستان کی تاریخ ترکی ماخذون سے، اسی طرح ایک بعد کے زمانے میں بعض مسلمان ملیباری ریاستون کے
حکمرانون نے سلطان ترکی کو جہاز پر دو ہاتھی بھیجے (جن میں سے ایک راہ میں مرگیا) اور ایک قصیدہ عربی
مین لکھا کر یوروپی عیسائیون کے مظالم کے خلاف مدد کی التجا کی تھی، ایک ترکی مورخ ان حالات کے
سلسلے میں لکھتا ہے، کہ قصیدہ کی عربی میں بہت سی غلطیاں تھیں، اور وزن وغیرہ بھی درست نہ تھا، سفارت
چند روز انتظار کر کے ناکام واپس ہوئی،

ہندوستان کے بہت سے واقعات ترکی تاریخون اور سفرنامون میں ملتے ہین، خاصکر مغلیہ عہد
اور اسکے بعد کے زمانون کے متعلق ممکن ہو کہ کبھی ان سے ملک کو روشناس کرانے کی فرصت ملے،

عربون کے بحری تصانیف، "عربون کی بحری تصنیفات" (عکس ص ۱۰۳) پر گو میں سر ہنگ زادہ کی مذکورہ بالا
کتاب کے سوا کسی اضافے کے قابل نہین ہون لیکن کسقدر افسوس ہوتا ہے، کہ ابن ماجد وغیرہ کی پاریس سے
شائع شدہ کتابون کے فرانسیسی دیباچے سے ابتک فائدہ نہیں اٹھایا جاسکا ہے، علی گڈھ کے ایک سابق
پروفیسر صاحب نے ایک مرتبہ اس کے کسی باب (جو شاید انگریزی میں تھا) کا معارف میں ترجمہ شروع
کیا تھا، ہندوستان میں بفضل خدا اب کافی تعداد فرانسیسی دانون کی پیدا ہوگئی ہے، خود جامعہ عثمانیہ مین
کم از کم نصف درجن اساتذہ (جن مین دو پاریس کے ڈاکٹر ہین) سید صاحب کو مدد دے سکتے ہین اگر اسی

علمی چیزوں میں کوئی ایسی بات نہیں چھوڑ دینی چاہئے، جو ذرا کاوش پر قابلِ عمل ہو جاتی،

سند باد بحری، الف لیلہ اور ہومر کی نظم،

نہ معلوم اہلِ علم میری اس رائے پر کیا کہیں گے، کہ الف لیلہ سے بھی مواد حاصل کرنا چاہئے تھا، علاوہ متعدد "بحریت آمیز" قصوں کے اس میں سند باد بحری کے سفر قابلِ ذکر ہیں، یہ افسانے یقیناً اسی زمانے کی پیداوار ہیں، جب عربی جہازرانی اَوجِ عروج پر تھی، بحری سیاحوں اور ملاحوں کی کہانیاں غالباً تیسری صدی ہجری میں اتنی زیادہ ہو گئی تھیں، کہ ان سے سند باد کے سات بحری سفروں کے لئے کافی مواد فراہم ہو سکتا تھا،

سند باد کے سلسلے میں ایک زیادہ اہم مسئلے پر کچھ کہنا ہے، جرمنی اور فرانس کے اساتذہ سے بھی میری اس بارے میں گفتگو رہی ہے، اور وہ میرے دلائل کو کافی وزندار اور قابلِ غور قرار دیتے رہے ہیں، وہ یہ کہ عام طور سے کہا جاتا ہے کہ مسلمان عربوں نے یونان سے علوم و فنون تو لئے لیکن ادب و شعر کو اپنی زبان میں ترجمہ کرکے منتقل نہیں کیا، اس سلسلے میں ایک بڑا ثبوت یہ پیش کیا جاتا ہے کہ ہومر کی نظموں کا ترجمہ ابھی اسی صدی میں ہوا، اس سے پہلے کبھی نہیں ہوا، لیکن سند باد کے قصوں کو یولیسیس کے واپسی وطن کے بحری اور مہمات بھرے سفر کیساتھ ملا کر جو شخص پڑھتا ہے، وہ انکی یکسانی سے متاثر اور حیرت زدہ ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا، ناظرین سند باد کے تیسرے سفر کے اس قصے سے خالی الذہن نہ ہوں گے، کہ سند باد مع اپنے ہمراہیوں کے ایک جزیرہ میں پہنچتا ہے، جہاں ایک آنکھ والا دیو رہتا تھا، اس نے ان کو اپنے رہنے کے مقام پر بند کر دیا، اور روزانہ دو ایک آدمیوں کو آگ پر بھون کر کھانے لگا، آخر سند باد نے اپنے ساتھیوں کی مدد سے ایک دن رات کو سوتے میں دہکتی ہوئی سلاخ سے اس دیو کو اندھا کر دیا، اور سب بھاگ نکلے، اس قصے کیساتھ یولیسیس کا واقعہ جو ہومر نے لکھا ہے، کسے یاد نہ آئیگا، جو ایک آنکھ والے سائکلوپ پولی فیم کیساتھ پیش آیا، اور جو جزئی تفصیلات میں بھی بالکل اس سند بادی قصے سے مشابہ ہے، بحری سفر، مصیبتیں اور انجام میں ہیرو کی کامیابی، یہ یولیسیس کی مہموں اور سند باد کے سفروں دونوں میں مشترک ہیں،

اس سے سوائے اسکے کیا نتیجہ نکالا جاسکتا ہو کہ ہومر کی نظم پوری طرح یا کم از کم اسکے بہت سے قصے عربون مین اتنے معروف اور زبان زد ہو گئے تھے، کہ لوگ ان کو اب اجنبی نہیں خیال کرتے تھے، ابن ندیم (الفہرست ص ۳۰۵) کا بھی خیال ہے، کہ سندباد اجنبی اور غالباً ہندی تالیف معلوم ہوتی ہے، لیکن جیسا کہ ابھی عرض ہوا اسے ہندی کی جگہ یونانی سے ماخوذ قرار دینا صحیح تر معلوم ہوتا ہے،

یہ چند ناچیز ملاحظات ہین، جو مولف فاضل کے غور کے لئے پیش کئے جاتے ہین،

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولون میں ہندوستان کی جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہین، ان کا لب ولہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قومون میں تعصب اور بغض وعناد پیدا ہوجاتا ہے، مولانا ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسون اور طالب علمون کیلئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، ہندو اور مسلمان فرمانروإول نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہین، وہ طالب علمون کو بلا تفریق مذہب وملت معلوم ہوجائین، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت :- ۱۲؍

تاریخ صقلیہ جلد دوم

مرتبہ سید ریاست علی ندوی

اس میں سسلی کے عہد اسلامی کے تمدنی جغرافیہ، نظام حکومت زراعت، صنعت وحرفت تعمیر وتجارت، تہذیب ومعاشرت اور علوم وفنون کا تفصیلی مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہین، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت :- للعہ؍

"منیجر"

دیوانِ شمس تبریز اور مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۶)

داخلی شہادت

خاموش کردم این زبان باکس نگویم این زمان　　　شد شمس تبریزی عیان بر مصحفِ دیوانِ ما

(دیوان شمس تبریز) (رومیؒ)

داخلی شہادت، حتی الامکان ہم نے اپنے مدعا کے اثبات مین تاریخی شہادت اور خارجی شواہد پیش کر دیے، خارجی شواہد میں بعض نہایت قوی اور ایقان آفرین دلائل ہاتھ آگئے، جس سے شک وشبہہ جاتا رہا، لیکن اس سے اہم اور واضح ترین شہادت وہ ہے، جو ہمیں دیوان ہی سے ملتی ہے، یہان مماثلت، اشتراک اور تقابل کی بحث نہین ہے، یہان خود مولینائے روم کی زبان سے اس سوال کا شافی جواب ملتا ہے، اور طالبِ حقیقت اس سے اطمینان کی آخری منزل پر پہنچ جاتا ہے،

اکثر فارسی شعرا کا قاعدہ ہے کہ غزل یا قصیدہ کے مقطع میں بالعموم اپنا تخلص لاتے ہین، جس سے پڑھنے والے کو اس کا علم ہوتا ہے، کہ یہ کلام کس کا نتیجۂ فکر ہے، بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ مقطع بلاتخلص لکھا گیا ہو، لیکن مولانائے روم کی یہ عادت نہین، انھیں صرف فکر کلام ہی ہے فکر نام یا پابندیِ رسمِ عام بالکل نہین، مثنوی معنوی میں بھی شاذونادر ہی اپنا ذکر کرتے ہین، یا اپنا تخلص یا نام لاتے ہین،

دیوان شمس تبریز کے متعلق ایک غلط فہمی

دیوان میں بھی یہی حال ہے، ان کا اپنا تذکرہ یا اپنا تخلص ڈھونڈنے والے کو بھی مشکل سے ملتا ہے، لیکن ایک بات نہایت عجیب ہے وہ یہ کہ کم و بیش تقریباً ساری ہی غزلیات کے مقطعوں میں شمس تبریز کا نام ملے گا، کہیں کہیں مقطعوں میں بھی ہے کہیں غزل کے درمیان شمس کی مدح اوران کا نام آتا ہے، یہ وہ بات ہے جس کے باعث بادی النظر میں دیوان کا سرسری پڑھنے والا یا دیکھنے والا یہ سمجھتا ہے کہ یہ شمس تبریز نور اللہ قبرہ کا دیوان ہے، حالانکہ یہ غلط ہے اور ادنی توجہ سے دیوان پر نظر ڈالنے والا بھی کم سے کم اس نتیجہ پر تو پہنچ ہی جاتا ہے، کہ یہ شمس تبریز رح کا کلام نہیں بلکہ ان کے کسی عاشقِ بیتاب اور مضطرب الحال مداح کا ہے، واقعہ کیا ہے، خود مولینا رح ہی کی زبان نے اس کا جواب دیا ہے،

جز قصۂ شمس الحق تبریز نگوئید، از ماہ بپرسید کہ خورشید پرستیم

(دیوان شمس تبریز ص ۲۰۱)

قونیہ کے بدر کامل مولینا روم نے دیوان میں دراصل شمس تبریز کے اسرار اور انوار کا ذکر فرمایا ہے، حسب سابق یہی ہمارا دعویٰ ہے، اب ہم شرح و بسط کیساتھ دلائل پیش کریں گے،

مدح شمس تبریز رح

یہ تو سب جانتے ہیں، کہ غزلیات میں حضرت شمس تبریز کا نام کثرت سے آتا ہے لیکن اس پر بہت کم غور کیا جاتا ہے، کہ یہ نام کس حیثیت سے آتا ہے،

حضرت شمس تبریز کا نام کم و بیش ہر ایک موقع پر مدح کی حیثیت سے آیا ہے، جس سے ظاہر ہے کہ اس کلام کے مصنف شمس نہیں بلکہ کوئی مداحِ شمس ہیں،

اس پر لوگ اعتراض یہ کرتے ہیں کہ شاعر اپنی آپ توصیف کرتے ہیں وہ ایسی ہی تعریف ہوگی جسکی بنا پر یہ غلط فہمی ہوئی کہ یہ کلام شمس تبریز کا نہیں بلکہ کسی دوسرے کا ہے،

یہ سچ ہے کہ بعض فارسی شعرا خصوصاً قصائد میں اور کسی قدر غزل میں اپنی لیاقت اور

اور اپنے علم وفضل پر شاعرانہ تعلی کرتے ہین، یا شرافتِ نسب پر اظہارِ فخر کرتے ہین، جیسے عرفی اس خصوص مین مشہور ہے، ؎

اقبال سکندر بجہانگیری نظمم بر داشت بیکدست قلم را و علم را

غزل میں بھی کہیں کہیں اور کبھی کبھی شاعر کسی خاص پیرایہ میں یا اپنے آپ کو غیر فرض کرکے اپنی تعریف کا کوئی پہلو نکالتا ہے، لیکن اسکی حیثیت شاعرانہ تعلی سے زیادہ نہیں ہوتی، یہ تعلی کبھی کبھی بڑی حد تک حقیقت پر مبنی ہوتی ہے، جیسے ڈاکٹر اقبال کا شعر ہے،

بیا اینجا کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

یا حافظ شیرازؒ حاسد سے مخاطب ہوکر فرماتے ہین،

حسد چہ می بری اے سست نظم بر حافظ قبولِ خاطر و لطفِ سخن خدا داد است

در آسمان چہ عجب گر ز گفتہ حافظ سماع زہرہ برقص آورد مسیحا را

لیکن ہمیشہ ایسا نہیں ہوتا کہ ہر غزل میں، مقطع میں، مطلع میں، غزل کے درمیان میں جا بجا کوئی شاعر اپنے کمال، اپنے علوم رتبت، اپنی روحانی فضیلت کا طومار باندھ دے، اور سارے دیوان کو صرف اپنا قصیدہ مدحیہ بنا دے، خصوصًا جب کہ شاعر کوئی خودپسند نفس پرست، طالبِ زر درباردار کرنے والا شخص نہ ہو، بلکہ غیور حق پرست اہلِ دل ہو، اور مقدس شخصیت رکھتا ہو، دیوان شمس تبریز میں شمس کا نام کسی خودپسند مداح کی حیثیت سے نہیں، بلکہ ممدوحِ ذیشان کی حیثیت سے آیا ہے، مدح تو مسلم ہے، لیکن مدح کی نوعیت بھی تو قابلِ غور ہے،

ہم ان مداحیہ اشعار میں سے چند اشعار درج کرتے ہین، جن سے مدح کی نوعیت اور ممدوح کی حیثیت دونون کے متعلق صحیح اندازہ ہوجائے گا، مختلف غزلیات کے مطلعون، مقطعون، اور غزل کے درمیان مین حضرت شمس کا نام اسطرح آتا ہے،

ہر قطرہ زبحر شمس تبریز ،	مانند صدف ہزار دریاست
عاشقان عشق را بسیار باز بہادہیم	چونکہ شمس الدین تبریزی کنون شیدا ما
چون درختے را نہ بینی مرغ کے بینی درو	پس چہ گویم با تو جان جان ایں تبریزیا
درد شمس الدین بود سرمایہ درمان ما	بے سروسامانی عشقش بود سامان ما

ایک مدحیہ غزل کے اشعار یہ ہیں :-

شمس تبریزی چو ہمائی جمال	جانفزائی جانفزائی جانفزا
شمس تبریزی توئی ہادئی دل	رہنمائی رہنمائی رہنما
شمس تبریزی زعشقت سوختم ،	جان مائی جان مائی جان ما ،

بعض غزلیات میں مسلسل دو دو شعر مدح کے ہیں ،

دم مزن و ترک کن بہر دل شمس دین	زفت و اشارات را نظر و عبارات را
می بر و از بہر جان سالک اہل عیان	شمس کہ جانہا از و یافت مراعات را
آمد نسیم عشق ز تبریز جانفزا	آورد صد ہزار پیام از دم ضیا ،
اے ایاز دل و جان شمس حق تبریزی	نیست در ہر دو جہان چون تو شہ محمودے
شمس تبریز چو شمس فلک از نور تو است	نور بخشے ہمہ را از نظر بینائے ،
شمس تبریزی تو ما را محو کن	زانکہ تو چون آفتابے ما چو مہ
مفخر تبریزیان شمس حق دین	ہست چو خورشید دمہ نیست مگر فاستے
تو شمس دولت و دینے بخواجگی چو نشینی	صد آفتاب فلک را چو بندگان نشانی

مثنوی ذاکر مناقب شمس	تا سر از جیب او بدر نکنی ،
مخدوم شمس الدین شہم ہم آفتاب و ہم مہم	بر خاک از من سر نہم ہم سر بود زان متہم

عشق شمس الحق تبریزی رہ قبلۂ دین جز بدین دولت باقی بچہ باشیم سزا

بلا دانا شناسد شمس تبریزی ترا این مردم نادان چہ دانند

کسے کز جان غلام شمس دین نیست زعشقش جان او خرم نگردد،

درمیان غزل میں ہے،

نداند سرو برگ کار آن را، درختے را کہ شمس الدین نشاند،

چو شمس الدین تبریزی درآید بیک دم زان ہمہ دامت رہاند،

مدح کے یہ اشعار جن میں بعض مقطعے اور مطلعے ہیں، اور بعض غزل کے درمیانی حصے ہیں، ہمارے پیش نظر ہیں، ان میں کہیں تو حضرت شمس کو ایک بحر حقیقت سے تشبیہ دیگئی ہے، اور اسکے ہر قطرہ کو ہزار دریا کے مانند بتایا گیا ہے، کہیں شمس کے "دردِ عشق" کو اپنے لئے درمان سمجھا گیا ہے، کسی شعر میں شمس کے مرتبہ عظمت کا اظہار اسطرح کیا گیا ہے، کہ وہ چاند اور سورج ہیں لیکن لا فانی،

کہیں مدحت کا یہ انداز ہے کہ حضرت شمس کی رفعتِ مکان کو آفتاب اور ماہتاب کے بلند تر ظاہر کیا گیا ہے، اور اسطرح اپنے آپ کو انکے آگے "سجدہ تعظیمی" کے قابل بھی نہیں سمجھا،

کیا مدح اور تعریف کے یہ سارے اعتبارات کسی شاعر نے اپنے لئے استعمال کئے ہیں، یا کر سکتا ہے، کیا وہ ایسے اوصاف کو کثرت سے اپنی طرف منسوب کر سکے گا، جواب جب نفی میں ہے تو پھر مدح کسکی ہے،

کیا شمس تبریز اپنی زبان سے اپنی مدح میں اس کثرت اور عقیدت کو کام میں لا سکتے ہیں، ہرگز نہیں،

اس سے یہ تو ثابت ہوتا ہے، کہ یہ مدح یا مداحیہ کلام کسی طرح شمس تبریز کا اپنا نہیں، بلکہ کسی غیر کا ہے، جس کا دل اور زبان دونوں مدحِ شمس میں اپنی ارادت و

عقیدت کی تسکین پاتے ہیں،

چنانچہ اس سے دیوان بھرا پڑا ہے، دیوان کے علاوہ مثنوی معنوی میں کئی اشعار مدح شمس میں ہیں جس سے صاف ظاہر ہوتا ہو کہ مداح کون ہو اور ممدوح کسکی ذات والاصفات ہو،

شمس تبریزی کہ نورِ مطلق است، آفتاب ست وز انوار حق است،

چون حدیث روے شمس الدین رسید	شمس چارم آسمان رو در کشید،

خود غریبی در جہان چون شمس نیست	شمس جان باقی ست کورا امس نیست

در تصور ذاتِ اورا گنج کو،	تا در آید در تصور مثل او،

ہم مدح کے کچھ اور ایسے اشعار درج کرتے ہیں، جو مندرجۂ بالا اشعار سے زیادہ واضح طور پر مدح کی نوعیت کو ظاہر کرتے ہیں،

زعشق شمس دین ایں طرفہ بندے،	کز ان بندم کشائش بود چندے،

ز شمس الدین بود وصفِ خدائی	کہ می جوشد بدریائے بقائے،

ز شمس الدین بود جائز شرابے	کز و جانست سرمست و خرابے،

خسرو شرق شمس دین از تبریز چون رسد	از مہ و از ستارگان والله عار آیدت

شمس تبریزی در آمد در دلم بیرے نہاد	وز شراب عشق او گشت این درو دیوار مست

شمس تبریزی بی توشمس گردون ذرہ	بے تو می یابد کسوف و با تو می یابد حیات

عقیدت مند مداح سارے عالم کو نورِ شمس سے پر نور پاتا ہو،

شمس تبریزی ز تو عالم پر از نور و صفات	ذرہ ذرہ از محیط لطف آن آثار ست

شمس تبریزی صلاح اہل عالم آمدست	آنکہ خاکِ پایش آمد بے ریا مست آمدست

عشق شمس تبریزیں عقیدت مند شاعر سامانِ بقا دیکھتا ہو،

بعشقِ شمس تبریزی بده جان، کہ تا چون عشقِ او پاینده باشی

مستیم زجامِ شمس تبریز جامِ مئے او مبادبے ما

ایک غزل کا مطلع یہ ہے،

از دور بدیده شمس دین را، فخرِ تبریز و رشکِ چین را

شمس سے ارتباطِ معنوی کا ذکر اس شان سے ہے،

شمس تبریزی جماعت از تو واز جمعیت فرض و سنت نیست الا دوستی تو مرا

اس مخلص اور ارادتمند کو شمس کی نسبت سے شہر تبریز بھی عزیز تھا، شمس کی مدح سے تو دیوان بھرا پڑا ہے، لیکن تبریز کی ثنا و تعریف میں بھی کئی غزلیں ہیں، ان میں ایک غزل کا مطلع ہے،

دیده حاصل کن دلا وانگہ ببیں تبریز را بے بصیرت کے توان دیدن چنیں تبریز را

ایک غزل کے آخر میں یہ مدحیہ اشعار مسلسل ہیں،

اے دل خامشی گزین وز برِ ماجد این تا زجنابِ شمس دیں نور حیات میرسد

گوہر ناب شمس دین جامِ شراب شمس دین ہر شبم از عطاے او قدر و براۃ میرسد

نقل و کباب شمس دین، چنگ و رباب شمس دین ہر نفسم زبزمِ او بہرہ ثبات میرسد

اے شہ و شاہ شمس دین، قدرتِ حق جلال ہیں بشنو اے مرید جان کاین چہ براۃ میرسد

ہر کہ نام شمس تبریزی شنید و سجده کرد روحِ او مقبول حضرت شد انا الحق میزند

کیست آنکس کو چنیں مردی کند اندر جہان شمس تبریز آنکہ ماه بدر را شق می کند

شمس الحق تبریزی شاه ہمہ شیرانست در بیشۂ جانِ ما آن شیر وطن دارد

ہرگز نشو غافل از ذات و صفاتِ حق ہر کس کہ ز شمس یک ذره نظر یابد،

یہ پوری غزل مدحِ شمس ہی میں ہے،

جانم بفدائے شمسِ دین | تا ہمچو رضائے شمس دین شد
جانِ ملکی و جسم خاکی، | خاکِ کفِ پائے شمس دین شد
رضوان بہشت و ساکنانش، | سرمست رضائے شمس دین شد

(الیٰ آخرہ)

انتہائی تعریف ہے،

اے شمس الدین شاہ تبریز | از بندگیت شہنشہانیم،
شمس الدین تبریزی بر لوح چو پیدا شد | واللہ کہ بے منت بر لوح و قلم دارد

کثرتِ مدح گوئی سے یارائے گفتن ہی نہ رہا، تو فرماتے ہیں،

شمس تبریز کنون کز تو سخن گشت بسیط | زہرۂ ما نبود تا دمِ گفتار زنیم

لیکن یہ عاشق مخلص و مضطرب جسکی گفتار کا جزو مدحِ شیخ ہے، خود تعریف کرتے کرتے تھک گیا ہو تو دوسرون کو حکم دیتا ہو کہ شمس کی مدح کرین،

اے حسام الدین جان کن مدحِ آن سلطانِ عشق | گرچہ منکر در ہوائے عشق او دم میزند
شمس تبریزی ستادہ مست در دستش کمان | تیر زہرآلودہ را بر جانِ احمق میزند

یہ اشعار بھی مدحیہ ہین لیکن تعریف و توصیف زیادہ نمایان ہو،

ان اشعار کو درج کرنے اور مبہم اور واضح مدحیہ اشعار کو پیش کرنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ اس مدح کی نوعیت ظاہر ہو جائے، جو شمس تبریز کے نام کیساتھ دیوان شمس تبریز میں پائی جاتی ہے اس سے یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے، کہ وہ کلام جس کے اجزا یہ مدحیہ اشعار ہین، خود حضرت شمس جیسے ولی کامل کا نہیں ہے، کیونکہ اس مدح کی نوعیت کاملاً نہایت عقیدتمندانہ اور ارادتمندانہ ہے، یہ تحسین ہرگز شاعرانہ تعلی نہیں ہو سکتی،

تاریخ وتذکرہ کے اوراق پیش نظر ہون تومعلوم ہوتا ہے کہ یہ مداح کون ہی اورحضرت شمس سے اس قدر وابستگی کسکو ہی،

سپہ سالار[1] حضرت شمس اور مولینائے روم کے روابط کے ذکر مین لکھتے ہیں، جب جناب شمس دمشق تشریف لے گئے، تو مولینا نے کئی غزلین لکھکر بذریعہ سلطان ولد حضور کی خدمتِ باسعادت میں روانہ کین، ان میں حضرت شمس کی رفعتِ شان اور عظمتِ مقام کا ذکر اس رنگ میں ہی،

بخدائے کہ در ازل بودہ است حیّ و دانا و قادر و قیوم

نور او شمع ہائے عشق افروخت تا بشد صد ہزار سرِ معلوم

از یکے حکمِ او جہان پر شد عاشق و عشق و حاکم و محکوم

در طلسمات شمس تبریزی گشت گنجِ عجائبش مکتوم

یہ مولینا روم ہین جنھون نے شمس تبریز کو "گنج عجائب" لکھا ہے، اور خدائے قادر وقیم کی قسم کے بعد حضرت شمس کی توصیف و تعریف کرتے ہیں، مندرجہ بالا مدحیہ اشعار اور اس تعریف میں قطعی یکسانیت ہی ضرور ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مدحیہ اشعار اور وہ کلام جس کے یہ اجزا ہین مولینا ہی کا ہے،

آخری شعر تو اس بات کی قطعی دلیل ہی کہ کلام مولینا ہی کی زبان فیض اثر پر جاری ہوا ہے، آپنے کثرت مدح و ذکر سے بیتاب اور ناتوان ہوکر حضرت حسام الدین کو حکم کیا ہے کہ وہ مدح اس سلطان عشق کی کرین، حضرت حسام الدین کی عظمت اور مولینائے روم سے ان کے روابط کا اندازہ سپہ سالار کے اس بیان سے ہو سکتا ہے،

" ذکر رابع در خلافت حضرت حسام الدین عظم اللہ درجاتہ "

[1] رسالہ سپہ سالار ص۹۴،

"بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ درحال حیات حضرت خداوندگار دہ سال تمام و بعد از ان نیز شیخ قائم مقام وخلیفہ و امام تمامت اصحاب حضرتین بود"

(سپہ سالار ص ۱۴۳)

صرف مولینائے روم ہی کے ساتھ حضرت حسام الدین چلپی کے تعلقات اس قدر عاجزانہ اور مؤدبانہ تھے[۱]، کہ ان کے کوئی دوسرا شخص ان کو بطور حکم کچھ نہ کہہ سکتا تھا، کیونکہ انکا مرتبہ یہ تھا:

"تمامت اصحاب ملازم ایشان بودند و ملازمت او تقرب بحضرت خداوندگاری جستند"

(سپہ سالار ص ۱۴۳)

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ سارے مدحیہ اشعار اس مداح کے ہیں، جس نے کثرتِ مدح سے تھک کر حضرت حسام الدین سے مدح کی فرمائش کی، اور تحقیق سے معلوم ہوا، کہ حضرت حسام الدین کو مدح کا حکم فرمانے والی مولینا روم کے سوا کوئی اور ہستی نہیں ہو سکتی، پس دیوان شمس تبریز جو ایک حیثیت سے حضرت شمس کی مدح کا مجموعہ اور ان کے مناقب کا ذکر ہے، وہ مولینائے روم کا کلام ہے، اور مولینائے روم ہی جسم و جان سے عشقِ شمس اور مدحِ شمس میں مضطرب بنے ہوئے ہیں،

زہر عشق شمس الدین تبریز شدہ جان مضطرب دیں چو زبانست
شمس الحقِ دین جویم من مدحت او گویم از عشقِ رخش پویم آہستہ کہ سرمستم

[۱] مولینا روم کے ساتھ ان کے مؤدبانہ طرزِ عمل کے متعلق سپہ سالار کا بیان ہو ص ۱۴۳ "از جملۂ آداب او آن بود کہ ہرگز در مدتِ ملازمت از حضرت خداوندگار قطعاً بتوضائی کہ بدیشان منسوب بود، در نیامد، در شبہائے زمستان بوجود سرما و برف باران بسرائے خویش رفتے و تجدید وضو کردہ باز آمدی و دائم در حضور خداوندگار قدس سرہ بزانوے ارادت نشستہ بودی، لاجرم بدین ادب سلوک یافت آنچہ یافت"

فیوض حضرت شمس کا اعتراف، ہم نے مدح شمس اوسکی نوعیت اور مداح شمس کے متعلق گفتگو کی ہے، حیرت یہ ہوتی ہے کہ مولانائے روم جیسا جلیل القدر عالم وعارف حضرت شمس کی مدح وثنا کیون کرتا ہے، اور وہ بھی اس جوشِ عقیدت سے، کوئی شخص بے وجہ کسی کی ثنا و تعریف نہیں کرتا، یا تو کسی کا بیحد ممنون ہوتا ہے، یا اسے کسی صلۂ خاص کی امید ہوتی ہے، درباری اور خوشامدی شعراء تو صرف طلبِ زر یا ہوسِ جاہ کے باعث اہلِ دولت کی مدح مین دل و دماغ زبان اور قلم کا زور صرف کرتے ہین، لیکن حضرت رومی جیسے عارفِ حق شناس کو کسی ایسے اعتبار سے کیا سروکار، مولینا روم کو کوئی ایسا فیضِ باطنی اور نعمتِ عظمیٰ حضرت شمس کی ذات سے پہنچی ہوگی کہ انکی ثنا کر فطرت اور ان کا قدر شناس دل اس کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکتا تھا،

مولانائے روم حضرت شمس کی ملاقات سے پہلے زیادہ تر حیثیت ایک عالم ظاہر کے "اخبارِ رسول" سے واقف تھے، لیکن جب شمس سے ملاقات ہوئی، تو خاص طور پر "اسرارِ رسول" کا آفتاب جہانتاب ان کے مطلعِ دل پر طلوع ہوا،

چون نور پاک شمس در پردۂ جان دیدمش — بے پردہ جان یافتم سررشتۂ اسرار را

شمس کی اس فیض بخشی اور نوا فشانی کا اعتراف بارہا مختلف پیرایہ میں کیا ہے، ہم چند اہم مثالیں درج کرتے ہین، جس سے حقیقتِ حال کا اندازہ ہوجائے گا،

حضرت شمس کے فیض معنوی کا اظہار فرماتے ہین،

مگر نہ ز نور شمس تبریز — تا کشف شود ہمہ معانی

شمس الحق تبریز من این شہد شکر ریز من — صد شور و شر افگندۂ اندر دل شیدائے من

ہر کہ او با شمس تبریزی نشست — گشت صافی دل ز انوار قصار

ز عشق شمس تبریز ست فیض دیدۂ باطن — زہے تشریف کرمنا زہی انوار ربانی

سجدہ کن بہر نفس از پئے شکر آنکہ حق　　　در تبریز مرمرا بندہ شمس دین کند،

ہر کہ زجان و دل نشد چاکر شمس دین ما　　　در رہ علم و معرفت غافل و کور می رود

بفروز شمع جان را ز جمال شمس تبریز　　　کہ دلت شود مصفا ز کدورت نہانی

و اگر نہ اے دو دیدہ بدہم ز خاک تبریز　　　ز برائے کحل دیدہ بکف صبا غبارے

ز رحیق شمس دینم تو بیار بادہ ساقی　　　کہ شود سوار جانے و دل پیادہ ساقی

چو شمس الدین تبریزی شود سرمست جام حق　　　ہزاران گوہر معنی بفرق ما فرو ریزد

مولینا یہاں اپنی ممنونیت کی انتہا ظاہر فرماتے ہیں،

منگر از دیدہ انکار سوئے دیدہ شمس　　　ہر چہ ہستم سگ این کوچہ و این درگاہم

حضرت شمس سے اپنی نسبت کی نوعیت بیان فرماتے ہیں،

شمس تبریز کہ مشہور تر از خورشید است　　　منکہ پیمانہ ہستم چو قمر مشہورم،

شمس تبریز بما راہ حقیقت بنمود،　　　ما ز فیض قدم اوست کہ ایمان داریم

جب حضرت شمس تبریز قونیہ تشریف لائے اور مولانا نے ان کی صحبت کیمیا خاصیت اختیار فرمائی تو یہاں اس صحبت نے خلوت کی صورت اختیار کی، شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ کے سوا کسی کو خلوت میں داخل ہونے کی اجازت نہ تھی، اکثر اصحاب فیض صحبت سے محروم رہے، ایک مدت تک تحمل کرتے رہے، لیکن اس عالم فراق سے رہائی کی کوئی صورت دکھائی نہ دی، آخر کار بدبختی سے ان کے دلوں میں حسد کی آگ پیدا ہوئی، اور انھوں نے متعصبانہ حرکات شروع کر دیں، اپنی ارادت کو شیخ کی ارادت پر فضیلت دی، فسق کو عشق جانا، جب ان کی گستاخیاں حد سے زیادہ گزر گئیں، اور اندیشہ فتنہ کا ہوا تو حضرت شمس از روئے مصلحت دمشق کی طرف روانہ ہو گئے، مولینا نے بھی سب سے متنفر ہو کر عزلت نشینی اختیار کی،

حضرت شمس کی جدائی کا ذکر دیوان میں،

"بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع وعزلت اختیار کرد"[1]

حضرت شمس کے فیض اوران کے دشمن کی بدبختی کا اظہار اس شعر مین کیا ہے،

اے شمس تبریزی مرا مقبول و کامل ساختی   وآنکس کہ آہ دشمنت ملعون و ابتر ساختی

ایک اور موقع پر حضرت شمس کے فیض کو اسطرح بیان فرماتے ہین،

جان را برآرد بر سما از عزت رب العلا   گر زان کہ شمس الدین کند بر عاشق خود یاریٔ

مولانا ہی وہ عاشق تھے، جن کی یاری اور دلداری کی خاطر حضرت شمس قونیہ تشریف لائے، سپہ سالار کی شہادت ملاحظہ ہو،

"سبب ہجرت مولینا شمس الدین تبریزی عز اسمہ بطرف روم و پیوستن بحضرت خداوندگار آن بود کہ وقتی مولینا شمس الدین در وقت مناجات می فرمود کہ ہیچ آفریدہ از خاصان تو باشد کہ صحبت مرا تحمل تواند کردن، درحال از عالم غیب اشارت رسید کہ اگر حریف خواہی بطرف روم سفر کن درحال ازان جاے متوجہ ولایت روم گشت و شہر بشہر جویان گشت تا بمحروسہ قونیہ حرسہا اللہ تعالیٰ برسید"

دیوان میں ایک اور شعر ہے، جس میں اسی واقعہ اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ ہی،

شمس تبریزی بروم آمد بر من شام بو   وقت صبحی من بہ تبریزش خرامان یافتم

اپنی سرمستی اور باطنی انقلاب کے متعلق لکھتے ہین،

شمس الحق تبریزی تا داد مرا جامے   از جوشش صہبایش شوریدہ و سرمستم

اگر آپ معلوم کرنا چاہتے ہین، کہ یہ شوریدہ و سرمست کون ہے، تو دیوان میں خود

[1] سپہ سالار صفحہ ۶۶،

بھی جواب دیتے ہین،

رومی بسر راہِ ملامت شد و بنشست ای خلق بدانید کہ ما عاشق و مستیم،

حضرت شمس کی ملاقات کا اثر، مولینا کی شاعری پر اسکا ذکر دیوان مین

مولینا کی شمس سے ملاقات نہ صرف عاشقانہ مستی و شوریدگی کا باعث ہوئی، بلکہ سخن بخش بھی ثابت ہوئی، سماع اور شعر کا مشغلہ بڑھ گیا، جو کیفیت طاری ہوتی تھی، اسے من وعن اشعار مین بیان کرتے تھے،

سخن بخش زبان من چو باشد شمس تبریزی تو فامش تا زبانہا خود چو دل حامن باشند

ان اشعار اور اس بیان کا واقعات اور سوانح سے جو ربط ہے، ملاحظہ ہو،

سپہ سالار کا بیان ہے کہ صحبت شمس سے مولینا پر ایسی شوریدگی اور مستی طاری رہی کہ کھانے پینے کا بھی ہوش ٹھیک نہ رہا۔ چنانچہ پہلی ملاقات کا حال لکھا ہو:-

"در حال ہر دو فرود آمدہ ہمدیگر را معانقہ و مصافحہ کردند و چون شیر و شکر بہم درآمیختہ چنانکہ دفعہ اول مدت شش ماہ آزاد در حجرہ شیخ صلاح الدین زرکوب رحمۃ اللہ علیہ بہم صحبت فرمودند، چنانکہ قطعاً و اصلاً اکل و شرب و حاجات بشری در میان نبود"

(سپہ سالار ص ۶۶)

یہ شوریدگی کا عالم تھا، اب سخن سرائی اور محفل سماع کی کیفیت سنئے، :-

"بعد ازان بیرون آمدہ حضرت خداوندگار را بسماع رغبت فرمود، و حقائقے کہ در شرح آن طولی و عرضے ہست در سماع بدیشان بیان فرمود و بعد از سماع صحبت ایشان مخصوص بود بمولانا شمس الدین" (سپہ سالار ص ۶۶)

مناقب کا بھی یہی بیان ہو،

"دائماً اسرار در غزلیات می فرمود" (مناقب العارفین مطبع ستارہ آگرہ ص ۲۹۲)

مثنوی میں فیضِ شمس کا ذکر، مثنوی میں بھی حضرت شمس سے فیض کا ذکر مختلف مقامات پر ہے:

واجب آمد چونکہ بردم نامِ او ، شرح کردن رمزے از انعامِ او

از وی ار سایہ نشانے می دھد ، شمس بردم نور جانی می دھد

این نفس جان دامنم برتافتہ است ، بازگو رمزی ازان خوش حالہا

تا زمین و آسمان خندان شود ، عقل و روح و دیدہ صد خندان شود

من چہ گویم یک رگم ہوشیار نیست ، شرح آن یارے کہ آنرا یار نیست

شمس در خارج اگر چہ ہست فرد ، مثل او ہم می توان تصویر کرد

لیک آن شمسے کہ شد منقش اثیر ، نبودش در ذہن و در خارج نظیر

ان اشعار سے یہ امر بالکل عیاں ہو جاتا ہے کہ حضرت مولینا روم رحمۃ اللہ علیہ کس آفتاب کے فیض کا ذکر کرتے ہیں، اور ان میں اور شمس میں کیا ربط ہے، دیوان میں جو اس نوعیت کے اشعار پائے جاتے ہیں، ان میں فیض رساں کون ہے اور فیضیاب ذات کس کی ہے،

بالآخر ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ دیوان شمس تبریز جس میں اعتراف احسان اور تشکر فیضان شمس کے مندرجہ بالا اشعار پائے جاتے ہیں، مولینا روم ہی کا کلام ہے شمس کا نہیں ہے،

دردِ فراق کا اظہار، حضرت شمس کی مدح اور ان کی فیض رسانی کے اعتراف میں جو جو اشعار ہیں، وہ تو نظر سے گذر چکے، اور سوانح تاریخی کی روشنی میں یہ بھی ظاہر ہوگیا، کہ مدح کرنے اور فیض پانے والی ممنونِ احسان شخصیت کس کی ہے،

اب ہم ایسے اشعار کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، جو حضرت شمس کی نامعلوم غیر متوقع جدائی پر لکھے گئے ہیں، ان میں آتشِ فراق اور دل کے اضطراب کی تصویر ہے،

ز ہے چشم مرا حاصل شدہ آئینِ خونریزی ، ز ہجرانِ خداوندی شمس الدین تبریزی

اندر طلب تو شمس تبریز، جائز است مدام جست و جوئی،

ز شمس الدین و لابس دور دوری ز دوری گوئی ہمچو نفخ صوری

اس نظم فراق میں یہ جو رنگ ہے، وہ خونِ جگر ہی کا نتیجہ ہے،

خود بین در نظم شعرم منگر بہر انکو، دیدۂ و دل راز عشقش ہست خون پالائے

خون می جوشد منش از شعر رنگے می دہم نافہ خون آلود گردد جامہ خون آلائے،

من چون جانداری بدم در خدمت آن بادشاہ اینک اکنون در فراقش میکنم جان شائے،

غم فراق درد بے دوا ہے،

از فراق شمس دین افتادہ ام در تنگنا او مسیح روزگار و درد چشمم بے دوا

تا شمس تبریزی نمن دل بر اے شوریدگان ہر روز از عشق رخش شوریدۂ شوریدہ ترم

حالتِ جدائی مین باد صبا کے ذریعہ سلام اور پیام بھیجتے ہین،

باد صبا سلامِ ما جانب شمس دین رسان کز نظر قبول او راہ بقا بسر برم،

الا اے شمس دین یکدم عیاں شو، کہ در عشقت سرے دارم چون گوئی

درد فراق شمس کی منظوم تصویر تو دیوان مین ہم نے دیکھ لی، لیکن سوال یہ ہے کہ وہ عاشق بیتاب کون ہے جو ہجران شمس مین خونریزی کر رہا ہے، جس کی جستجو مین وہ مجسم طلب دوام بنا ہوا ہے، جس کی شوریدہ سری اور خونچکانی کا یہ عالم ہے، کہ کلام سے یہ رنگ صاف ظاہر ہے، ہم تاریخ و تذکرہ سے دریافت کرین کہ وہ کون ہستی ہے، جس کی فراق شمس مین یہ حالت ہوئی، تو امید ہے کہ ہمیں جواب شافی مل جائے گا، سپہ سالار حضرت شمس اور ان کے اصحاب کا معتبر ترین تذکرہ ہے لیکن اس مین کسی کے متعلق یہ ظاہر نہیں کیا گیا کہ جدائی شمس سے انکا ایسا حال ہوا، اور ان کی بیتابی کی یہ کیفیت ہوئی، البتہ مولانائے روم کے دردِ جدائی شمس کے متعلق سپہ سالار کا یہ بیان ہے،

صحبت ایشان بخصوص بود بمولانا شمس الدین بدان سبب اکثر اصحاب از بندگی حضرت ایشان محروم می ماندند، و مدتے بسیار تحمل می کردند، اگر جراحات بعد را مرہم قرب اندمالی بخشد ہرگز ممکن نہ شد، لاجرم بواعث حسد در نفوس ایشان مستمر گشت، ..... عاقبت غبار انکار را بروے کار آوردند و فسق را عشق شمردند، حضرت شان از غبار انکار آن جماعت برہم نمی شد...... چون از حد تجاوز کردند دانست کہ بفتنے خواہد شدن بفتنہ بسیار جہت مصلحت وقت علی حین الغفلہ بمحروسہ دمشق ہجرت فرمود، بعد از ہجرت ایشان خداوندگار از تمامت اصحاب انقطاع و عزلت اختیار کرد..... ناگاہ از حضرت مولینا شمس الدین بخداوندگار از محروسہ دمشق مکتوب آمد بعد ازان حضرت خداوندگار در شوق عشق آنحضرت باز بسماع شد و کلمات و غزلیات انشا فرمود۔

تذکرہ وواقعات میں یہ حال سوائے مولانائے روم کے کسی اور سے منسوب ہی نہیں، اور یہ غزلیات وہی ہیں جنمیں درد فراق اور غم جدائی کے چند اشعار ہم نے بطور مثال دیوان سے منتخب کرکے لکھے ہیں، احقایق حیات اور اشعار کا یہ واضح ربط اس امر کی کھلی ہوئی داخلی شہادت ہو کہ دیوان شمس تبریز حضرت شمس کا کلام ہرگز نہیں، بلکہ ان کے جان نثار وعاشق مولینا روم کا کلام ہی، ابھی سپہ سالار کے بیان سے معلوم ہوا کہ جب دمشق سے ان کے نام حضرت شمس کا خط آیا تو مولانا کو انکا پتہ لگا، اور یک گونہ اطمینان ہوا، دیوان میں اس مضمون کا ایک شعر ہے،

رسید مژدہ بہ شام است شمس تبریزی ۔۔۔ چہ صبحہا بہ نماید اگر بہ شام بود،

مولینا اس حال میں مقیم تو تھے قونیہ میں لیکن دل انکا دمشق میں تھا چنانچہ دیوان کی اکثر بھی شہادت ملتی ہی،

ما عاشق سر گشتہ و شیدائی دمشقیم ۔۔۔ جان دادہ و دل بستہ بسودائی دمشقیم

از روم بتازیم دگر بار سوے شام ۔۔۔ کز طرہ چوں شام مطرائی دمشقیم

از مسکن معروف چو بگرفت دل ما ۔۔۔ ما طالب تالیف زابنائے دمشقیم

(کلیات شمس تبریز ص ۴۷۰)

اسکے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ سلطان ولد مع ایک مختصر جماعت کے طلب شمس کیلئے بجانب دمشق روانہ ہوگئے اور مولینا نے کئی غزلین لکھکر خدمت شمس میں روانہ فرمائین،

"حضرت خداوندگار قدس سرہٗ این غزل را در طلب حضور شریف مولینا شمس الدین رضی اللہ عنہ انشا کردہ بصحبت سلطان ولد رضی اللہ عنہ ارسال فرمود،

بخدا این کہ در ازل بودست، حیّ ودانا وقادر قیوم،

اسی سلسلہ میں ایک شعر ہے جس سی معلوم ہوتا ہو کہ صرف یہ ایک غزل نہیں تھی اور بھی غزلیات تھین،

پس بہ ذوق سماع نامہ تو! غزلے پنج ﺷﺶ بشد منظوم،

(سپہ سالار ص ۶۷)

دیوان میں اسی واقعہ سے متعلق ایک غزل ہے کہ جس کا ایک شعر یہ ہے:۔

ز لوح عشق نوشتیم این غزلہا را، بہ شمس مفخر تبریز ازین غلام برید

حضرت شمس کی قونیہ کو واپسی، جب سلطان ولد حاضر خدمت ہوئے اور مولینا کا سلام وپیام پہنچایا، توحضرت شمس نے قونیہ کا عزم فرمایا،

"سلطان ولد باتمامت یاران ببندگیش درآمدہ سر بسجدہ عبودیت نہادند وسلام حضرت خداوندگار ومکتوب رسانیدند، مولینا شمس الدین بخندہ خوش فرمود، مارا بسیم وزر چہ میفریبد، مارا طلب مولینائے محمدی سیرت کفایت است، واز سخن واشارت او تجاوز چگونہ توان کردن ..... چون مصالح تمام شد عنان عزیمت بطرف قونیہ روان فرمودند ..... چون خبر وصول ایشان بقونیہ برسید حضرت خداوندگار باتمامت اکابر واعاظم باستقبال بیرون آمدند، ..... ہر دو آفتاب حقیقت بہم دگر قران کردند ..... حضرت خداوندگار قدس سرہ بشیں از اول بحضرت مولانا شمس الدین قدس اللہ سرہٗ درآمیخت"،

(باقی)

اکبر کا علمی ذوق

از جناب سید صباح الدین عبدالرحمٰن صاحب رفیق دار المصنفین،

(۲)

ارباب کمال اس جماعت میں سب سے پہلے ہماری نظر ابوالفیض **فیضی** فیاضی پر پڑتی ہے جو شیخ مبارک کا خلف اکبر تھا، اس کے علم و فضل کی شہرت نے بیس برس کی عمر میں اسے اکبر کے دربار تک پہنچا دیا، جہاں وہ چہار صدی منصب پر فائز ہوا، اور جب تیس برس کا ہوا تو ملک الشعراء کے گراں بہا خطاب سے سرفراز کیا گیا، عربی، فارسی اور سنسکرت کا جید عالم تھا، اس نے ایک سو ایک کتابیں مختلف زبانوں میں تالیف کیں، اسکی اکثر تصانیف کا ذکر اوپر آچکا ہے، اس کا علمی شغف اس قدر بڑھا تھا کہ جب وہ مرا تو اپنے کتب خانہ میں ۴۳۰۰ کتابیں چھوڑیں، جو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں، شاعری میں یکتائے روزگار تھا، پہلے فیضی پھر فیاضی تخلص کرتا تھا، چنانچہ خود کہتا ہے،

زیں پیش کہ سکہ ام سخن بود فیضی رقم نگین من بود
اکنوں کہ شدم بعشق مرتاض فیاضیم از محیط فیاض

اس کے قصائد، غزلیں، اور مثنویاں فارسی کی بہترین نظموں میں شمار کی جاتی ہیں، اس کے اشعار کے نمونے آئین اکبری میں کثرت سے دیئے ہیں، اس کے کل کلام کی تعداد ۵۰ ہزار کے لگ بھگ ہے، اس کے دیوان کا نام طباشیر الصبح ہے،

اکبر کا محبوب ترین دوست تھا، اس کو ہمیشہ پاس رکھتا تھا، اور اسکی ہمہ گیر قابلیت سے برابر فیضیاب

ہوتا رہتا تھا، اکبر کے لڑکوں کی تعلیم اسی کے ذمہ تھی، ۱۰۰۴ھ میں وفات پائی، جب بسترِ مرگ پر تھا تو ایک رات اکبر کو خبر ہوئی کہ وہ عالمِ نزع میں ہے، آدھی رات گزر چکی تھی، مگر اکبر اپنے محبوب دوست کے گھر پر اسی وقت شاہی حکیم لے کر پہنچا، اضطراب میں فیضی کا سر پکڑ کر بولا، "شیخ جیو، آنکھیں کھولو، بولو دیکھو حکیم علی کو ساتھ لایا ہوں، آخر بولتے کیوں نہیں ہو" مگر فیضی کی زبان بند ہو چکی تھی، اکبر نے پھر جھنجھوڑا، مگر اس مرتبہ روح قفسِ عنصری سے پرواز کر چکی تھی، غایتِ اضطراب اور صدمہ میں اکبر نے سر سے دستار اتار کر زمین پر پھینکدی،[۱]

فیضی کی لیاقت، قابلیت، دقتِ نظر اور جودتِ طبع کے تمام واقعہ نگار معترف ہیں، ملا عبد القادر بدایونی اس کو عقیدے کے لحاظ سے بہت ہی سخت اور برے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، مگر جہاں اسکی علمی لیاقت کا ذکر آتا ہے، اس کی خوبیوں کی داد دل کھول کر دیتے ہیں، اسکی مثنوی نل دمن کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اس قسم کی کتاب تین سو سال کے اندر نہیں لکھی گئی، ایک جگہ اسکے بارے میں لکھتے ہیں

"درفنون جزئیہ از شعر و معما و عروض و قافیہ و تاریخ و لغت و طب و انشا، عدیل در روزگار نداشت"[۲]

صاحب مآثر الامرا اسکی قابلیت کے متعلق یوں رقمطراز ہیں،

"بدقت طبع و جودتِ ذہن از جمیع علوم بخشی وافر برداشتہ، در حکمت و عربیت بیشتر تتبع نمودہ و پزشکی دانش فزایش گرفتہ رنجوران تہی دست را چارہ می کرد"[۳]

موجودہ دور کے اربابِ کمال بھی اس کے کمال کے معترف ہیں، مولانا شبلیؒ لکھتے ہیں:-

"فارسی شاعری نے چھ سو برس کی وسیع مدت میں ہندوستان میں صرف دو شخص پیدا کئے جن کو اہل زبان کو بھی چار و ناچار ماننا پڑا، خسرو اور فیضی، مرزا صائب فیضی کی طرح پر غزل کہتے ہیں اور مقطع میں کہتے ہیں،

---

[۱] بدایونی جلد اول ص ۴۰۶ [۲] بدایونی جلد سوم ص ۲۹۹ [۳] مآثر الامرا ص ۵۸۵،

این آں غزل کہ فیضی شیریں کلام گفت، در دیدہ ام خلیدۂ و در دل نشستۂ

... فیضی کی خصوصیات میں سب سے بڑھ کر جوش بیان ہے، جس کا وہ موجد بھی ہے، اور خاتم بھی، جوش بیان خواجہ حافظ میں بھی ہے، اور اعلیٰ درجہ پر ہے، لیکن رندانہ مضامین اور دنیا کی بے ثباتی کے ساتھ مخصوص ہے، فیضی کے ہاں فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ، ہر قسم کے مضامین میں وہی جوش پایا جاتا ہے، جوش بیان اس کے ذاتی حالات کا خاص اثر ہے جو کسی اور کو نصیب نہیں ہو سکتا تھا[۱]"

محمد حسین آزاد گوہر فشاں ہیں کہ

انشا پردازی فیضی کے قلم کو سجدہ کرتی ہے، اس کے "لطیف استعارے، رنگین تشبیہیں، بلند مضامین، نازک خیالات، فصیح زبان، لفظوں کی عمدہ تراشیں، دلکش ترکیبیں، ادائے مطلب کے انداز دیکھنے کے قابل ہیں[۲]"

فیضی کے بعد یکایک اس کے چھوٹے بھائی علامی فہامی شیخ **ابوالفضل** پر نظر پڑتی ہے، ابوالفضل نے ۱۵ سال کی عمر میں تمام علوم و فنون کی تعلیم پاکر فراغت حاصل کر لی تھی، ۱۷ سال کی عمر میں آیۃ الکرسی کی تفسیر لکھکر اکبر کی خدمت میں گذرانی، فیضی شاہی بارگاہ سے منسلک ہو چکا تھا، اس کے ذریعہ سے ابوالفضل کی لیاقت اور ذہانت اکبر کے کانوں تک پہنچ چکی تھی، چنانچہ تخت نشینی کے نویں سال ابوالفضل شاہی ملازمت میں داخل ہو گیا، پھر تو شاہی جود و کرم کی بارش اتنی ہوئی کہ وہ چار ہزاری منصب پر فائز ہوا، اور عہدۂ وزارت پر سرفراز ہوا، وہ ایک کامیاب سیاست دان بیدار مغز مدبر اور ہوشیار سپہ سالار ہونے کے علاوہ ایک بے مثل ادیب مورخ اور شاعر تھا، اور علامی کے ممتاز لقب سے ہمیشہ یاد کیا جاتا تھا، اس کی قابلیت اور لیاقت ہر جگہ اور ہر زمانہ میں تسلیم

[۱] شعر العجم حصہ سوم ص۲۰، [۲] دربار اکبری ص۱۳۷،

کی گئی، صاحب مآثر الامرا لکھتے ہیں: کہ

"بجودت طبع و رسائی فہم و علو فطرت و طلاقت لسان در کمتر زمانے یگانہ و بے ہمتائی وقت گردید[1]"

اردو کا سب سے بڑا انشا پرداز جو فارسی کا بھی مسلم الثبوت استاد تھا لکھتا ہے کہ

"شیخ کی انشا پردازی اور مطلب نگاری کی تعریف نہیں ہو سکتی، یہ نعمت خداداد ہے کہ خدا کے ہاں سے اپنے ساتھ لایا تھا، ہر ایک مطلب کو اس خوبصورتی سے ادا کرتا ہے کہ سمجھنے والا دیکھتا رہ جاتا ہے، بڑے بڑے انشا پردازوں کو دیکھو جہاں عبارت میں لطف اور کلام میں زور پیدا کرنا چاہتے ہیں تو بہار سے رنگ لیتے ہیں اور حسن و جمال سے خوبی مانگ کر کلام کو رنگین و نمکین کرتے ہیں، یہ قادر الکلام اپنے پاک خیالات اور سادہ الفاظ میں اصلی مطلب کو اس طرح ادا کرتا ہے کہ ہزار رنگینیاں ان پر قربان ہوتی ہیں، اس کے سادگی کے باغ میں رنگ آمیزی کا مصور اگر قلم لگائے تو ہاتھ قلم ہو جائیں، وہ انشا پردازی کا خدا ہے، اپنے لطفِ خیالات سے جیسی مخلوق چاہتا ہے الفاظ کے قالب میں ڈھال دیتا ہے، لطف یہ ہے کہ جس عالم میں لکھتا ہے نیا ڈھنگ ہے اور جتنا لکھتا جاتا ہے عبارت کا زور بڑھتا اور چڑھتا چلا جاتا ہے، ممکن نہیں کہ طبیعت میں تھکن معلوم ہو[2]"

ایک انگریز مورخ اس کے انشاء کے متعلق اپنی رائے یوں ظاہر کرتا ہے:۔

"ابو الفضل کے طرز انشاء پر کسی قسم کی رائے پیش کرنا بے سود ہے، عبداللہ شاہ بخارا کہا کرتا تھا کہ وہ اکبر کی تیروں سے اتنا نہیں ڈرتا جتنا کہ ابو الفضل کے قلم سے ڈرتا ہے"

[1] مآثر الامرا حصہ دوم صفحہ ۶۰۸ [2] دربارِ اکبری صفحہ ۹۳،

ہندوستان میں ہر جگہ وہ ایک زبردست منشی تسلیم کیا گیا ہے، اس کے مکتوبات تمام مدارس میں پڑھائے جاتے ہیں، اگرچہ ایک مبتدی ان کو پڑھنے میں مشکلوں اور پیچیدگیوں سے گھبرا جاتا ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ انشا کے مکمل نمونے ہیں، ابو الفضل کی کتابوں سے لطف اٹھانے کے لئے نہ صرف فارسی زبان پر کافی عبور بلکہ خود ابو الفضل کے طرز انشاء پر کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے، اس کا طرز بے مثل ہے اور گو اسکی تحریر ہر جگہ پڑھی جاتی ہے، لیکن اس کا اتباع نہ کیا گیا ہے، اور نہ کیا جا سکتا ہے[1]"

ابو الفضل کے مختلف تراجم، اور تاریخی شاہکار اکبرنامہ اور آئین اکبری کا ذکر اوپر آچکا ہے ان کے علاوہ انشاے ابو الفضل، کشکول، اور جامع اللغات بھی اس کی علمی یادگاریں ہیں؛ انشاے ابو الفضل اس کے خطوط کا مجموعہ ہے، یہ مجموعہ اب تک مختلف مدرسوں میں فارسی کے درس میں شامل ہے، کشکول میں ابو الفضل کی لکھی ہوئی وہ نثر اور نظمیں ہیں، جو اس نے یادداشت کے لئے وقتاً فوقتاً لکھ لی تھیں، جامع اللغات میں وہ الفاظ مع معانی کے لکھے ہوئے ہیں، جو ابو الفضل نے شاید طالب علمی کے زمانہ میں لکھے تھے،

ابو الفضل شہزادہ سلیم کے اشارے سے بندھیل کھنڈ کے ایک زمیندار بیر سنگھ کے ہاتھوں سنہ ۱۰۱۱ھ میں قتل ہوا، جب اس حادثہ کی خبر شاہی دربار میں پہنچی تو کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی کہ اس سانحہ کی خبر اکبر تک پہنچائے، آخر کار ابو الفضل کا وکیل سیاہ لباس پہنکر دست بستہ اکبر کے حضور میں آیا، چغتائی خاندان کے کسی شہزادہ کے جب انتقال کی خبر آتی تو اس کا وکیل بادشاہ تک اسی طرح خبر پہنچاتا تھا، ابو الفضل کے وکیل کو جب اکبر نے دیکھا تو متحیر ہوگیا، خبر جانکاہ سنکر فرط غم سے نڈھال ہوگیا اور بولا

---

[1] بلاخ من، تمہید آئین اکبری،

"اگر شاہزادہ را داعیۂ پادشاہی بودے مرا کشتے، و شیخ را نگاہ داشتے"

اور پھر یہ شعر پڑھا،

شیخ ما از شوق بے حد چوں سوئے ما آمدہ   ز اشتیاق پائے بوسی بے سر و پا آمدہ[1]

دربار اکبری کے علم و ادب کے گلدستہ کا گل سرسبد عبد الرحیم خانخاناں بن بیرم خان تھا،

یہ صاحب قلم اور صاحب سیف دونوں تھا،

بیرم خاں کے تعلقات شاہی دربار سے آخر میں خواہ کیسے ہی ہو گئے تھے لیکن یہ ایک ناقابل انکار حقیقت تھی کہ وہ ہندوستان میں تیموری سلطنت کے بانیوں میں سے تھا، اور اکبر کی دستگیری اور پشت پناہی اس وقت کی جب وہ مشکلوں میں گھر کر بے پناہ ہو رہا تھا، احسان شناس اکبر نے بیرم خاں کے مرنے کے بعد اس کے لڑکے عبد الرحیم کو اپنی تربیت خاص میں لیا، اور اسکی پرورش اور تعلیم اپنی زیر نگرانی کی، جب سن شعور کو پہنچا تو خان مرزا کے خطاب سے سرفراز کیا، اور پھر سپہ سالار بنکر خانخاناں ہوا[2]، ہم کو اس وقت اس کی شجاعت، تدبر، فتوحات اور جنگی معرکوں سے کسی قسم کی بحث نہیں، بلکہ ہم کو اس کے تبحر علمی، کمال انشا پردازی، علم دوستی اور ادب پروری پر مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کرنا ہے،

علمی حیثیت سے خانخاناں کا درجہ نہایت ہی ممتاز اور بلند تھا، دنیا کی اکثر مروج زبانوں پر مہارت تامہ رکھتا تھا، فارسی اس کی مادری زبان تھی، اس کی فارسی نثر اپنی سادگی، شستگی اور برجستگی کے لحاظ سے اب بھی بہت مقبول ہے، تزک بابری کا فارسی ترجمہ جو اسی کے قلم کا رہین منت ہے، اب تک انشا کے لحاظ سے بے مثل چیز سمجھی جاتی ہے، اور ارباب ذوق اس کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھتے ہیں، اس نے اپنی فارسی شاعری کا ایک دیوان بھی

---

[1] مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۱۷، [2] تفصیل کے لئے دیکھو مآثر الامرا حصہ دوم ص ۶۹۴،

مرتب کیا تھا، مگر وہ اب مفقود ہے، مآثر رحیمی میں جس کو خانخاناں کی زندگی میں عبدالباقی نہاوندی نے لکھا ہے، کثرت سے نمونے درج ہیں،

خانخاناں کی سخن سنجی اس کمال کو پہنچی ہوئی تھی کہ مشہور ہمعصر شعرا نظیری، عرفی، شکیبی اور انیسی کے مقابلہ میں غزلیں کہتا اور سب میں ممتاز رہتا تھا، ایک بار طرح تھی، چند است پند است، فرزند است، تمام شعرائے اکبری نے اس زمین پر اپنا اپنا اشہب قلم دوڑایا مگر میدان خانخاناں کے ہاتھ رہا، نظیری نے بھی اس طرح پر ایک غزل لکھی تھی، خانخاناں اور نظیری کی غزلوں کو موازنہ کرتے ہوے مولانا شبلی لکھتے ہیں کہ

"صاحب ذوق سمجھ سکتا ہے، کہ خانخاناں کے کلام میں جو صفائی، شستگی، دلآویزی اور سوز وگداز ہے، نظیری کی غزل اس سے بالکل خالی ہے۱"

خانخاناں عربی میں بھی اعلیٰ لیاقت رکھتا تھا، نہایت دقیق، مغلق اور مشکل عربی کے معنی کو نہایت آسانی سے بیان کر دیتا تھا، ایک بار شریف مکہ نے اکبر کو خط لکھا، عبارت اس قدر مشکل تھی کہ ابوالفضل اور فتح اللہ شیرازی کو مفہوم سمجھنے کے لئے لغت کی ضرورت ہوئی، خانخاناں نے اسے فوراً لیا، خط کی عبارت پڑھتا اور برجستہ ترجمہ کرتا جاتا تھا، جس کی داد تمام اہل دربار نے دی، ترکی خانخاناں کی مادری زبان سمجھنا چاہئے، اس زبان میں اس کی لیاقت مسلم الثبوت تھی، ہندی زبان کا پر گو شاعر تھا اور سب سے زیادہ اسی زبان میں شاعری کی، لیکن افسوس ہے کہ اس کا کہیں پتہ نہیں چلتا ہے، مآثر رحیمی میں ہے،

"درزبان ہندی ید بیضا نمودہ اند چنداں اشعار متین وابیات دلنشین کہ ایشاں درآں زبان دارند ہیچ یک از فحول شعرائے آں زبان را نیست، و دست از ثبت

---

۱ شعرالعجم جلد سوم ص ۸، (۲) مآثر رحیمی، جلد دوم ص ۵۵۶،

نمودن آنہا باز داشتہ باشعاری کہ بزبان فارسی فرمودہ اند اکتفا نمود وتجمل وانعام

واحسانی کہ بشعرائے فارسی زبان نمودہ برابرآں بہندی زباناں نمودہ باشند، وچنداں

اشعار کہ آں جماعہ درمدح ایشاں گفتہ اند فارسی گویاں عشر عشیر نگفتہ اند[1]"

یہی مصنف ایک جگہ لکھتا ہے کہ اکبر کو سلاطین یورپ سے برابر مراسلت کرنی ہوتی تھی، اس لئے خانخاناں کو یوروپین زبان سیکھنے کا حکم دیا جس کو اس نے سیکھا، مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ کن کن زبانوں سے اس نے واقفیت حاصل کی تھی، بہرحال وہ بہت سی زبانوں پر مہارت رکھتا تھا، مآثر الامراء میں ہے :-

"خانخاناں در قابلیت واستعداد یکتائے روزگار بود، واوعربی وفارسی وترکی

وہندی رواں داشت، شعر خوب می فہمید ومی گفت، رحیم تخلص می کرد، گویند کہ باکثر

زبانہا کہ درعالم رائج است حرف می زد[2]"

خانخاناں نے اپنے علمی ذوق کے نشو ونما کے لئے ایک بے نظیر کتبخانہ قائم کیا تھا جہاں زمانہ کے مشہور شعراء نے اپنے دیوان خود لکھکر داخل کئے تھے، دربار اکبری کے اکثر باکمال اسی دار الحکمت کے تربیت یافتہ تھے، عرفی، شکیبی، حیاتی، ظہوری، ملک قمی، نظیری، محتشم کاشی، رسمی، نوعی شیرازی وغیرہ جیسے بلند پایہ شعراء اسکی زرپاشیوں سے ہمیشہ فیضیاب ہوا کرتے تھے، اس کی علم پروری، اور فیاضی کا یہ حال تھا کہ ایک دفعہ نوعی شیرازی کو سونے میں تلوا دیا[3]، نظیری نے ایک بار کہا کہ اس نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر نہیں دیکھا ہے، خانخاناں نے ایک لاکھ روپیہ کا ڈھیر جمع کرکے دکھایا پھر وہ ڈھیر اس کے گھر بھجوا دیا[4]،

---

[1] مآثر رحیمی جلد دوم ص ۵۶۲ [2] مآثر الامرا جلد دوم ص ۶۹۵ ،

[3] خزانہ عامرہ تذکرہ نوعی [4] مآثر الامراء حصہ دوم ص ۶۹۵ ،

ان ارباب کمال میں ملا عبدالقادر بدایونی کا درجہ علمی حیثیت سے کم ممتاز نہیں تھا، ملا صاحب ۹۸۱ھ میں شاہی دربار میں ملازم ہوئے[1]، عربی، فارسی، سنسکرت، تفسیر اور تاریخ کے جلیل القدر عالم تھے، اس لئے تصنیف، تالیف اور ترجمے کے کام پر مامور ہوئے، علاوہ تنخواہ کے وقتاً فوقتاً انعامات و اکرامات سے مالامال ہوتے رہے، آواز بڑی شیریں اور دلکش پائی تھی اس لیے شروع میں شاہی امام بھی مقرر ہوئے، ان کے مختلف تراجم اور تاریخ الفی کا ذکر اوپر آچکا ہے، ان کے علاوہ اور بھی تالیفات ہیں، نجات الرشید، کتاب الاحادیث[2] اور منتخب التواریخ،

ملا صاحب کی تمام تصانیف میں منتخب التواریخ نے بڑی شہرت حاصل کی ہے، یہ تین حصوں میں منقسم ہے، پہلے حصہ میں اکبر کے قبل سلاطین ہند کے کوائف ہیں، دوسرے میں اکبر کے حالات ہیں تیسرے میں علمار، فقرار اور شعرار کا ذکر ہے، الیٹ صاحب اس تاریخ کے بارے میں لکھتے ہیں :-

" یہ ان چند کتابوں میں ہے جن کا ترجمہ بہت مفید ثابت ہوگا، لیکن اس کے لئے فارسی زبان میں کافی مہارت حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور ساتھ ہی ساتھ ہمعصر تاریخوں سے کامل واقفیت بھی چاہیے کیونکہ مصنف نہ صرف نامانوس الفاظ استعمال کرتا ہے بلکہ مذہبی مناظرے، تعریف و توصیف، ہجو و ذم، ذاتی اور خاندانی تاریخوں کی تفصیلات تو اس طرح بیان کرنے لگتا ہے کہ واقعات کا تسلسل قائم نہیں رہتا، اور پھر سلسلۂ تاریخ قائم کرنے میں کافی دقت ہوتی ہے، لیکن ہمیں اس کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہی غیر متعلقات اس کی تصنیف کے دلچسپ حصے ہیں، بہت کم ایسے واقعہ نگار ہیں جو بدایونی کی طرح اپنے جذبات کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، خصوصاً جو شاہی کانوں کو ناگوار ہوں یا جو اپنی غلطیوں اور لغزشوں کو

[1] بدایونی جلد دوم ص ۱۷۲ [2] بدایونی جلد دوم ص ۲۰۵، اس کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں موجود ہے، [3] بدایونی جلد اول ص ۶

اس وضاحت اور بے توجہی کے ساتھ آشکارا کر دیتے ہوں[۱]،

محمد حسین آزاد جو ملا صاحب سے خوش اس لئے نہیں نظر آتے ہیں کہ وہ ان کے ممدوحین کو اچھے الفاظ سے نہیں یاد کرتے ہیں، اس کتاب کی سب سے "بڑی خوبی" یہ بتاتے ہیں کہ ملا صاحب نے اس تاریخ میں غیر کی یا اپنی کوئی بات چھپائی نہیں[۲]،

اس کتاب کی صاف گوئی اور حق پسندی کے سبب جہانگیر نے اپنے زمانہ میں اس کی اشاعت بند کردی تھی، بات یہ تھی کہ ملا صاحب بڑے راسخ العقیدہ مسلمان تھے، جس بات کو خلاف شرع و مذہب سمجھ لیتے تھے، پھر اس کے دیکھنے کے روادار نہ تھے، اکبر کے مذہبی خیالات کو نہایت شرح و بسط سے بیان کیا ہے، اور جو لوگ اکبر کے خیالات میں ان تبدیلیوں کے باعث ہوئے تھے ان کو کاذب، ملحد، کافر، ملعون، بے دین، زندیق، بدبخت کے الفاظ سے یاد کرتے، اور ان تمام خیالات کو اسلام کی اہانت اور مسلمانوں کی مذلت بلکہ جان و مال کے نقصانات کا سبب قرار دیتے ہیں، اسی لئے فیضی اور ابو الفضل کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں، مگر باوجود ان کے سخت عقائد کے ان کے علمی تبحر کو سب تسلیم کرتے تھے، عظیم الشان علمی کاموں کے لئے شاہی دربار سے ہمیشہ ملک الشعراء فیضی یا علامہ ابو الفضل یا ملا عبد القادر منتخب کئے جاتے تھے، اکثر تینوں یا ملا صاحب ان دونوں میں سے کسی ایک کے ساتھ ملکر علمی کارنامے انجام دیتے تھے، فیضی ملا صاحب کی قابلیت کا بہت معترف تھا، کچھ دنوں اکبر نے ملا صاحب کی طرف سے بے التفاتی کو راہ دی تھی، اس پر فیضی نے بارگاہ شاہی میں ایک عریضہ لکھا، جس میں اکبر سے خطا پوشی اور عطا پاشی کی درخواست کی، پہلے ملا عبد القادر کی لیاقت و قابلیت کا ذکر اس طرح کرتا ہے،

"شکستہ نواز! ملا عبد القادر اہلیت تمام دارد و علوم رسمی انچہ ملایانِ ہندوستان

---

[۱] الیٹ جلد پنجم ص ۴۸۲ [۲] دربار اکبری ص ۴۷۲،

می خوانند خوانده پیش خدمت ابوی کسب فضیلت کرده و قریب بسی و ہفت سال میشود که بنده اورامی دانم و با فضیلت علمی طبع نظم وسلیقه انشاے عربی وفارسی وچیزے از نجوم ہندی وحساب یادداشت درہمه وادی و وقوف درنغمهٔ ولایت و ہندی و چیزے از شطرنج صغیر وکبیر دارد ومشق بین بقدری کرده با وجود بهره مند بودن ازیں همه فضائل به بے طمعی وقناعت وکم تردد نمودن وراستی ودرستی وادب ونامرادی وشکستگی وگذشتگی وبے تعینی وترک اکثر رسوم تقلید و درستی اخلاص وعقیدت بدرگاهِ بادشاہی موصوف است "

پھر اس کی سفارش ان الفاظ میں کرتا ہے:۔

"چوں درگاه راستان است دریں وقت که بے طاقتی زور آورده بنده خود را حاضر پایۂ سریر والا دانسته احوال او بعرض رسانید اگر دریں وقت بعرض نمی رسانید نوعی از ناراستی وبے حقیقتی بود حق سبحانه بندہاے درگاه را درسایه فلک پایۂ حضرت بادشاه برراه راستی وحق گذاری وحقیقت شناسی قدم ثابت کرامت فرماید وآں حضرت را بر کل عالم وعالمیاں سایه گستر وشکسته پرور وعطا پاش وخطا پوش بهزاران برار دولت و اقبال وعظمت وجلال دیر گاه داراد بعزت پاکاں درگاه الٰہی وروشن دلان سحر خیز صبح گاہی آمین آمین "[۱]

بعد کے اہل قلم نے بھی ملا صاحب کی تعریف بجا طور پر کی ہے، بختاور خاں عالمگیری مراۃ العالم میں لکھتا ہے،

"ملا عبد القادر بدایونی جامع معقول ومنقول بود وبا فضیلت علمی طبع نظم وسلیقه

---

[۱] بدایونی جلد سوم ص ۳۰۴،

انشاے عربی و فارسی و نجوم و حساب و وقوف در نغمہ ولایتی و ہندی بمرتبہ کمال داشت و قادری تخلص بود"

علم و ہنر کے آسمان کے ایک دوسرے درخشندہ ستارہ خواجہ نظام الدین احمد تھے، خواجہ صاحب دربار اکبری کے پنجہزاری امرا میں تھے جو اس عہد کا معراج دولت تھا[1]، گجرات میں بخشی کے عہدہ پر مامور تھے، صاحب ثروت و عزت ہونے کے ساتھ صاحب قلم بھی تھے، ۱۰۰۲ھ میں طبقات اکبری لکھی جس نے ان کو حیات جاوداں بخشی، یہ کتاب ہندوستان کی اسلامی عہد کی بہت ہی جامع تاریخ ہے، مصنف نے اپنے معلومات ان تمام مستند تاریخوں سے حاصل کئے ہیں، جو اس وقت ممکن صورت سے دستیاب ہو سکتی تھیں، کتاب کے آغاز میں اپنے ماخذوں کے جو نام گنائے ہیں ان کی تعداد تیس ۲۹ ہے، اسی لئے یہ کتاب ہمیشہ مستند تاریخوں میں شمار کی گئی ہے، ملا عبد القادر بدایونی نے اپنی تاریخ منتخب التواریخ اسی کی مدد سے تیار کی، تاریخ سلاطین افغانان کے مصنف نے تو بعض بعض حصے خصوصاً ہمایوں کے حالات لفظ بہ لفظ اسی سے نقل کر لئے ہیں فرشتہ نے اس کو ایک مکمل تاریخ بتایا ہے، اور اس سے بہت زیادہ فائدہ اٹھایا ہے، ماثر الامرا میں ہے،

"وچوں جز رسی و وقت در تتبع اخبار و سعی تمام بفراہم آوردن مواد بکار بردہ و شل میر معصوم بھکری وغیرہ اہل کمال دمساز تالیف آں بودہ اند، اعتبار تمام دارد و آں اول تاریخ است کہ احوال جمیع اسلام سواد اعظم ہندوستان را (کہ مساحان بسیط غبرا چار دانگ روے زمین گفتہ اند) جامع است و ماخذ صاحب تاریخ فرشتہ و تبعان او (کہ مع شے زائد نگاشتہ اند) ہمیں نسخہ مرغوبہ است[2]"

منتخب اللباب حصہ اول میں ہے،

---

[1] منتخب اللباب خافی خان، جلد اول ص ۲۳۰ [2] ماثر الامرا جلد اول ص ۶۶۳

"نظام الدین ہروی کہ در جرگۂ بخشیان محمد اکبر بادشاہ درآمدہ بود تاریخی مشتمل بر ذکر تعداد سلاطین بست و یک صوبۂ دکن تالیف نمودہ مسمی بتاریخ نظامی ساختہ، دراں تا سنہ سی و ہفت بذکر محمد اکبر پرداختہ، اکثر در ذکر سلاطین دکن کلام او محل اعتماد را نشاید، و سوائے قول محمد قاسم فرشتہ ہیچ مورخے بذکر سلاطین دکن نپرداختہ کہ در صحت کلام اعتبار داشتہ باشد اما چوں نظام الدین عمر در رکاب و بندگی محمد اکبر بادشاہ صرف نمودہ قول او در ذکر سوانح سلطنت عرش آشیانی اعتبار تمام دارد"[1]

یوروپین مورخوں میں یہ کتاب بہت مقبول ہے، ارسکن کا خیال ہے کہ اس زمانہ کا بہترین مورخ نظام الدین تھا، کرنل لیس کو افسوس ہے کہ اس کتاب کو اتنی مقبولیت نہیں ہوئی جتنی کہ چاہئے تھی، الیٹ لکھتا ہے کہ یہ ہندوستان کی بہت ہی مشہور کتاب ہے جو جدید طرز پر لکھی گئی[2]،

خواجہ نظام الدین کا جب انتقال ہوا تو ملا عبدالقادر بدایونی نے اس طرح ماتم کیا جو ان کی مقبولیت کی دلیل ہے،

او بزحمت تپ محرقہ در سن چہل و پنج سالگی از عالم بیوفا درگذشت، و جز نام نیک با خود نبرد و خیلے از احباب و اصحاب کہ از وحسن اخلاق دیدہ امیدوار یہا داشتند خصوصاً ایں حقیر کہ جہۃ یگانگی دینی و اخلاص مبرا از اغراض دنیاوی باو داشت، اشک حسرت از دیدہ ریختہ و سنگ نومیدی بر سینہ زدہ عاقبت جز صبر و شکیبائی کہ شیوۂ اصفیا و شیمۂ اتقیا است چارہ ندیدند و ایں واقعہ را اعظم مصائب و نوائب دانستہ عبرت کلی ازاں گرفتہ دیگر دم محبت با افراد انسانی نزدم و زاویۂ خمول لازم گرفتم[3]

بدایونی نے وفات کی تاریخ کہی،

---

[1] خافی خاں حصہ اول ص ۲۳۷ [2] الیٹ جلد پنجم ص ۱۷۷، [3] بدایونی جلد دوم ص ۳۹۷،

گوہرے بہا ز دنیا رفت [1]

ناظرین کی تشنگی باقی رہجائے گی اگر اس سلسلہ میں ہم میر فتح اللہ شیرازی، مولانا عبد اللہ سلطانپوری اور شیخ عبد النبی صدر الصدور کا ذکر نہ کرینگے، میر فتح اللہ شیرازی حکمت، ہیئت، ہندسہ، نجوم، رمل، حساب، حدیث، تفسیر اور کلام کے ماہر تھے، ان کی قابلیت کے لحاظ سے اکبر نے انہیں عضد الملکی کے خطاب سے سرفراز کیا، ان کی تصنیفات، حالات کشمیر، خلاصۃ المنہج، منہج الصادقین، اور زیج جدید ہیں، ۹۹۷ھ میں وفات پائی، "فرشتہ بود" سے وفات کی تاریخ نکلتی ہے، [2]

مولانا عبد اللہ سلطانپوری فقہ اور تاریخ کے زبردست عالم تھے، مخدوم الملک اور شیخ الاسلام کے خطاب سے سرفراز کیے گئے "تنزیہ الانبار" اور "شمائل نبوی" ان کی عالمانہ تصنیفات ہیں [3]،

شیخ عبد النبی صدر الصدور نے مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ جا کر علم حدیث کی تعلیم حاصل کی، وہاں سے آئے تو اکبر نے انہیں صدر الصدور کے عہدہ پر مامور کیا، اکبر کو ان سے جو عقیدت تھی اس کا پتہ بدایونی کے ان الفاظ سے چلتا ہے،

> بادشاہ از غایت تعظیم و احترام گاہ گاہے بجہت استماع علم حدیث بخانۂ شیخ می رفتند و یک دو مرتبہ کفش پیش پاے او ہم ماندند [4]

ان کی ایک تالیف وظائف النبی صلعم کا قلمی نسخہ دار المصنفین (اعظم گڈھ) میں ہے،

ان مندرجۂ بالا اہل کمال کے علاوہ بہت سے دیگر علماء و فضلا تھے جو مختلف قسم کے علوم و فنون میں مہارت تامہ رکھتے تھے، اور دربار اکبری سے بسلسلۂ ملازمت یا اور کسی باعث منسلک رہتے تھے، مثلاً حاجی سلطان تھانیسری، خواجہ حسن ہروی، امیر میر تقی شریفی، ملا سید سمرقندی، ملا صادق حلوائی، مرزا مفلس، حافظ تاشکندی، قاضی جلال الدین ہندی، حاجی ابراہیم سرہندی، ملا تبیری سیالکوٹی، مولانا شاہ محمد شاہ آبادی

---

[1] بدایونی جلد دوم ص ۳۰۹ [2] ایضاً جلد سوم ص ۱۵۵ [3] ایضاً ص ۷۰ [4] بدایونی جلد دوم ص ۲۰۴،

شیخ عبدالحق دہلوی، قاضی نوراللہ شوستری، سید شاہ میر سامانہ، حکیم الملک گیلانی، حکیم ابوالفتح گیلانی وغیرہ[۱]

یہ فہرست یہیں پر ختم نہیں ہو جاتی، اگر اس کے ساتھ اکبری عہد کے شعراء کے نام بھی گنائے جائیں تو ناظرین صرف نام پڑھتے پڑھتے گھبرا جائینگے، ملا بدایونی نے اس عہد کے ۱۶۷ شعرا کے حالات لکھے ہیں، اوران کے کلام کے نمونے درج کئے ہیں، جن اکبری شعرا کی فہرست ابوالفضل نے آئین اکبری میں دی ہے وہ ۵۷ ہیں، یہ وہ شعرا ہیں جنھوں نے دربار میں پہنچکر تقرب حاصل کیا، بات یہ تھی کہ اکبر کی فیاضیاں اور زرپاشیاں سنکر ہر جگہ سے شعرا ہندوستان میں امنڈ آئے تھے، اکبر نہ صرف ان پر زر و دولت کی بارش کرتا، بلکہ ان کی ہمت افزائی اور قدر دانی کے لئے ملک الشعرا کا خاص عہدہ قائم کیا، جس پر سب سے پہلے غزالی مشہدی، پھر فیضی مامور ہوئے، علاوہ غزالی، فیضی، اور خانخاناں کے مندرجۂ ذیل شعرا نہایت ممتاز تھے،

حکیم ثنائی، عرفی، نظیری نیشاپوری، قاسم کاہی، شکیبی صفاہانی، محوی ہمدانی، رفیعی، کاشانی، سنجر کاشی نوعی مشہدی، بابا طالب اصفہانی، سرمدی اصفہانی، قاسم ارسلان مشہدی وغیرہ،

اکبر کو ہندوؤں کے علوم و فنون سے جو شغف تھا وہ ظاہر ہے، کہا جاتا ہے کہ وہ ہندی شاعری میں طبع آزمائی بھی کرتا تھا، اور رائے تخلص رکھتا تھا، ہندو علما و فضلا کی ایک کثیر جماعت دربار کے علم و ہنر کے دائرہ میں شامل تھی، ابوالفضل نے "تنا سائے عقلی کلام" اور "دانش اندوزاں جاوید دولت" کے عنوان سے جن ہندو فضلا کے نام گنائے ہیں وہ حسب ذیل ہیں،

نارائن، مادھو بھٹ، سری بھٹ، بشن ناتھ، رام بشن، بلبھدر مصر، باسدیو مصر، بامن بھٹ، بدیا نواس، گوری ناتھ، گوپی ناتھ، کشن پنڈت، بھٹا چارج، بھاگیرت بھٹاچارج، کاشی ناتھ بھٹاچارج، مہادیو، بھیم ناتھ، نرائن، سیوجی[۲]،

کتب خانہ اکبر کے علمی ذوق کے سبب جو کتب خانہ قائم ہوا، وہ اپنی نوعیت کے لحاظ سے بے عدیل تھا،

---

[۱] ان کے حالات منتخب التواریخ، بدایونی، جلد سوم میں ملیں گے، [۲] آئین اکبری،

قلعۂ آگرہ میں مثمن برج کے بغل میں جو لمبا کمرہ ہے، وہیں شاہی کتب خانہ تھا، ہمایوں کے کتب خانہ کی جتنی کتابیں تھیں وہ وراثت میں ملیں، اس کے علاوہ مختلف مقامات اور اشخاص سے وقتاً فوقتاً دستیاب ہوتی رہیں، اہل قلم جو کتابیں لکھتے ان کا ایک نسخہ خزانہ عامرہ میں ضرور بھیجتے، اکبر کے درباری مصنفوں کی تصنیفات، تالیفات، اور تراجم خود کثرت سے تھے، ان کے کئی کئی نسخے شاہی کتب خانہ میں رہتے تھے،

اکبر کو فتوحات کے سلسلہ میں جتنی کتابیں دستیاب ہوتیں ان کو خزانہ عامرہ میں داخل کر لیتا تھا، فتح گجرات کے زمانہ میں اعتماد خان گجراتی سے بہت سی نفیس اور نادر کتابیں حاصل ہوئیں، ان میں سے بعض تو شاہی کتب خانہ میں داخل کر لی گئیں اور بعض اہل ذوق کو دیدی گئیں،

ملا عبد القادر بدایونی کو اس تقسیم میں انوار المشکوٰۃ کا نسخہ ملا[1]، فیضی کے انتقال کے بعد اس کی تمام کتابیں شاہی کتب خانہ میں منتقل کر دی گئیں، کتابوں کی کل تعداد ۴۶۰۰ تھی جو اکثر مصنفوں کے ہاتھ سے یا ان کے عہد کی لکھی ہوئی تھیں، ان کتابوں کا مجموعہ تین حصوں میں منقسم تھا، پہلے میں نظم، طب، نجوم اور موسیقی کی کتابیں تھیں، دوسرے میں حکمت، تصوف، ہیئت، ہندسہ کی تھیں، تیسرے میں تفسیر، حدیث، اور فقہ کی تھیں[2]،

اکبر خاص طور سے بعض کتابوں کو مصور کراتا تھا، ان میں تصویریں اور تشبیہیں بنواتا تھا، مرقعے تیار کراتا تھا، اور کتابوں کی لوح پر طلاکاری کا کام بنواتا تھا، قصۂ امیر حمزہ کی بارہ جلدیں اس کی فرمائش سے مصور کی گئی تھیں، اور اس میں "استادانِ سحر پرداز" نے ۱۴۰۰ تصویریں بنائیں، اسی طرح چنگیز نامہ، ظفر نامہ، اقبال نامہ، رزم نامہ (مہا بھارت) راماین، نل دمن، کلیلہ دمنہ اور عیار دانش نقش و نگار سے آراستہ ہوئیں[3]،

یہاں پر بے محل نہ ہوگا اگر دربار اکبری کے ان خطاطوں اور خوشنویسوں کا تذکرہ کیا جائے

[1] بدایونی جلد دوم ص ۲۷۵ [2] بدایونی جلد دوم ص ۴۰۶ [3] آئین اکبری ص ۸۰،

جنھوں نے شاہی کتب خانہ کی زینت اپنے کمالِ فن سے بڑھائی اور جن کی قدر دانی اکبر نے جاگیر، منصب، اور خطابات دے کر کی،

(۱) ملا محمد حسین کشمیری، نستعلیق کے استاد تھے، اکبر نے زریں رقم کا خطاب دیا تھا، ابوالفضل ان کو جادو رقم لکھتا ہے[۱]

(۲) خواجہ عبدالصمد شیریں رقم، خواجہ نظام الملک وزیر شاہ شجاع شیرازی کے بیٹے تھے، ہمایوں کے دربار میں خوشنویس تھے، نستعلیق کے استاد اور مصور تھے، اپنے فن کی مہارت کے لحاظ سے شیریں قلم کہلاتے تھے، اکبر کے عہد میں چہار صدی منصب عطا ہوا، اور فتح پور سیکری کے ٹکسال کے افسرِ اعلیٰ مقرر ہوئے، خشخاش کے دانے پر سورہ اخلاص لکھی تھی[۲]

(۳) میر معصوم قندھاری اکبری دور کے مشہور خطاط ہیں، فتح پور سیکری کی اکثر عمارات پر ان کے کتبے کندہ ہیں،

(۴) حسین بن احمد چشتی، یہ بھی اس دور کے عربی کے باکمال خطاط تھے، فتح پور سیکری کے بلند دروازے کے پیش طاق کی محراب کے اوپر ابھرے ہوئے حروف میں جو عربی کتبہ ہے وہ انھی کے کمال کا نمونہ ہے،

خط نستعلیق کے دوسرے باکمال اساتذہ مولانا میر علی ہروی، مولانا جعفر تبریزی، مولانا اظہر، مولانا محمد اوبہی، مولانا سلطان علی مشہدی، میر حسین کلنگی، مولانا عبدالرحیم، میر عبداللہ نظامی وغیرہ تھے، خط تعلیق کے ماہروں میں مولانا عبدالحیٔ، منشی ابو سعید مرزا، مولانا ابراہیم استرابادی، منشی محمد جمال الدین قزوینی وغیرہ تھے، اکبر کا میر منشی اشرف خاں اس خط کے لکھنے میں ید طولیٰ رکھتا تھا،[۳]

ان خوشنویسوں کے علاوہ بہت سے ایسے خطاط تھے جو دوسرے رسم الخط مثلاً ثلث، توقیع،

[۱] آئین اکبری ص ۱۱۴ و تذکرہ خوشنویسان ص ۹۶ [۲] ایضاً ص ۳۳ و مآثر الامراء جلد دوم [۳] آئین اکبری ص ۱۱۵

محقق، نسخ، ریحان، رقاع، اور غبار کے لکھنے میں بہت مشاق تھے، (دیکھو آئین اکبری ص۸۵)

مدارس | اکبر نے تعلیم کی نشر و اشاعت کے لئے متعدد مدارس قائم کئے، آگرہ میں ایک مدرسہ قائم کیا جس میں تعلیم و تعلم کے لئے چلپی بیگ نام ایک عالم کو شیراز سے بلایا، (اکبرنامہ دفتر اول) فتحپور سیکری میں پہاڑی کے اوپر ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا جس کے مقابلہ میں کوئی سیاح کسی دوسرے مدرسہ کا نام نہیں بتا سکتا تھا، ان تعلیم گاہوں کے علاوہ بہت سے ایسے مدارس تھے جن کو امراء اور اشخاص نے قائم کئے (مثلاً قایم بیگم کا مدرسہ دہلی میں جو خیر المنازل کے نام سے موسوم تھا، ابوالفضل کا مدرسہ جو فتح پور سیکری میں واقع تھا، پھر عبدالرحیم خانخاناں کے مختلف مدارس) ان کے ماسوا بہت سے معلمین اور علما، اپنے اپنے مقامات پر علوم و فنون کی ترقی اور افراد قوم کی تعلیم و تربیت میں مصروف تھے، اور ان کی اعانت شاہی دربار سے برابر ہوتی رہتی تھی، تاریخ بدایونی میں ان مدرسین کی تفصیلات درج ہیں، ہم طوالت کے خیال سے نظر انداز کرتے ہیں،

مگر جو چیز اس سلسلہ میں قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اکبر نے بچوں کی تعلیم کے لئے بعض ایسے طریقے ایجاد کئے تھے جو آج ابتدائی تعلیم کے جدید طریقوں کے بالکل مشابہ تھے، فارسی حروف بچوں سے ذہن نشین کرانا آسان نہیں، خصوصاً ہندو بچوں کے لئے اور دشواریاں تھیں، کیونکہ ان کی تمام تحریریں بائیں سے داہنے جانب لکھی جاتی تھیں، چنانچہ حرف آموزی کے طریقہ کو سہل بنانے کے لئے اکبر نے ہدایت دی کہ اولاً استاد بچوں کو مفرد حروف پہچنوائے، پھر اعراب اور مرکب حروف پھر چھوٹے جملے، اس کے بعد اشعار اور طویل عبارت، یہ طریقۂ تعلیم کامیاب ثابت ہوا اور لڑکے جو برسوں میں سیکھتے وہ چند مہینوں میں حاصل کر لیتے، آئین اکبری کی عبارت ہے:-

"بفرمودۂ گیتی خداوند حروب ابتث (ا ب ت ث) را برنویسند و دیگر گون پیکر را

۱؎ آئین اکبری، ذکر دارالخلافہ صوبہ آگرہ،

بدانساں نگارند نخست بصورت و نام آشنا گردند و دو روز بیش نکشد کہ از نقوش حروف

پیوستہ آگہی برگیرد، و چوں ہفتہ بدیں دریافت تنو مندی یا بد و لختی نظم و نثر آشنا رو در

نیایش ایزدی و اندرز گزاری جدا نگاشتہ در آموزند، و کوشش رود کہ ہر یک را خود دانشا

واندکے استاد دستگیری کند و چندے ہر روز یک مصرع یا یک بیت بانجام رساند، در کمتر زمانے

سوادخوانی روشنی پذیرد، و آموزگار ہر روز از پنج چیز آگہی بر جوید شناسائی حروف الفاظ

مصرع بیت پیشین خواندہ بدیں روش انچہ بسالہا آموختی باہ بل بروز کشید و جہانی

بشگفت در آمد،[1]

ابو الفضل نے ان مختلف علوم و فنون کی فہرست بھی دی ہے، جو اس زمانہ میں پڑھائے جاتے

تھے، اور وہ حسب ذیل ہیں، اخلاق، حساب، سیاق، فلاحت، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیر منزل

سیاست، مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی، الٰہی، تاریخ، بیاکرن، بیدانت، پاتنجل، یہ گویا اعلیٰ تعلیم کا

نصاب تھا،[2]

[1] آئین اکبری ص ۱۴۳، [2] آئین اکبری ص ۱۴۳،

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں،

یہ مولوی ابو الحسنات مرحوم کا وہ پر از معلومات مقالہ ہے جو علامہ سید سلیمان ندوی کی خواہش سے لکھا گیا تھا

اور معارف ۱۹۰۸ء کے مختلف نمبروں میں مسلسل شائع ہوا تھا، اور جسکو اہل نظر نے بے حد پسند کیا تھا، اور ان کی

تجویز تھی، کہ یہ ایک کتاب کی صورت میں یکجا ہو جائے، پنجاب کے ایک پبلشر نے اس کو اسی زمانہ میں چھاپا، تو پوری کتاب

مسخ ہو گئی اب دار المصنفین نے اسی مقالہ کو نہایت اہتمام سے شائع کیا ہے، اس کتاب کو پڑھنے کے بعد مسلمانوں کے

گذشتہ شاندار تعلیمی کارنامے نظر کے سامنے آجاتے ہیں، ضخامت ۱۰۲ صفحات، قیمت ۱۲ ار

"منیجر"

کتبخانۂ دفتر دیوانی حیدرآباد دکن

از جناب محمد غوث صاحب ایم اے عثمانیہ، حیدرآباد دکن،

حیدرآباد کے سرکاری اداروں میں سے دفتر دیوانی نے ایک خاص اہمیت حاصل کرلی ہے، یوں تو عطاے معاش اور جاگیر کے ایک تصدیق کنندہ دفتر کی حیثیت میں ایک عرصہ سے یہ دفتر قائم تھا، لیکن گذشتہ پندرہ سال سے یہ حقیقت واضح ہونے لگی ہے کہ نہ صرف تاریخ سلطنت آصفیہ بلکہ خود زمانہ مغلیہ کی عام ہندوستانی تاریخ کے بہت سارے تاریک پہلوؤں پر اصلی سرکاری کاغذات سے روشنی ڈالنے کے لئے دفتر دیوانی کے مخزونہ ذخائر کو بڑی اہمیت حاصل ہے،

اعلیٰحضرت بندگانِ عالی نواب میر عثمان علی خاں دام ظلہ العالی کے ترقی پرور دور میں جہاں اور دوسرے سرکاری سررشتے ترقی اور تجدد کے مراتب علی التسلسل طے کرنے لگے وہاں دفتر دیوانی کا قالب بھی نیا ہو گیا،

سرکار عالی کا یہ عندیہ ہے کہ سارے قدیم دفاتر، دفتر دیوانی میں ضم کر دیئے جائیں، چنانچہ دفاتر مال، ملکی، استیفا، مناصب، خطابات اور مواہیر ایک جا ہو چکے ہیں،

ان دفاتر کی یکجائی کے بعد جب ان کو عصری نقطہ ہاے نظر سے مہذب اور مرتب کرنے کی نوبت آئی تو یہ امر صاف طور سے محسوس ہونے لگا کہ ان دفاتر قدیم کے کاغذات کے تاریخی پہلو کو نمایاں کرنے، ان کاغذات کو مسلمہ تاریخی معیار پر جانچنے، اور ان کو تاریخی نقطۂ نظر سے ترتیب دینے میں ایک کتب خانہ کی ضرورت ناگزیر ہے،

اس نقطۂ نظر سے تقریباً چھ سال ہوے کہ کتب خانہ دفتر دیوانی کی بنیاد رکھی گئی، اس قلیل

عرصہ میں جو ذخیرہ فراہم ہو گیا ہے وہ ہر ادارہ کے لئے امتیاز کا موجب ہو سکتا ہے، ان مستند، اور تاریخی لحاظ سے بہت ہی اہم کتابوں کی فراہمی کی وجہ سے یہ علمی جواہر پارے تلف ہو جانے سے نہ صرف محفوظ ہو گئے بلکہ ان سے باغراض علمی ہر طرح کا استفادہ ہر صاحبِ ذوق کے لئے بالکلیہ آسان ہو گیا،

دفتر دیوانی کا کتب خانہ اپنے نہایت وسیع معنی میں کوئی ایسا عام کتب خانہ نہیں ہے جہاں ہر علم و فن کی کتابیں جمع کی جاتی ہوں، یہاں صرف ایسی کتابیں فراہم ہو رہی ہیں جن سے کسی ہندوستانی تاریخی مبحث پر قابلِ استناد معلومات حاصل ہو سکیں، جو کتابیں جمع کیجاتی ہیں، ان کی نوعیت پانچ قسموں پر مشتمل ہے،

۱- وہ کتابیں جو تاریخ دکن اور تاریخ ہند سے متعلق ہوں،

۲- حوالہ کی کتابیں،

۳- ایسی کتابیں جو قدیم کاغذات اور کتابوں کی اصلاح اور درستگی تہذیب، ترتیب اور تبویب کے فن سے متعلق ہوں،

۴- قوانین اور ضوابط سرکارِ آصفیہ،

۵- مطبوعاتِ سرکاری،

ان میں سے ہر ایک کے متعلق قدرے توضیح ضروری معلوم ہوتی ہے،

ا- تاریخ کی کتابیں،

تاریخ کا لفظ اپنے نہایت وسیع معنی میں استعمال کیا گیا ہے، سوانح اور تذکرہ کے علاوہ بسا اوقات سفرنامے نیز انشا و مکاتیب اور بعض ادب کی کتابیں بھی اس لحاظ سے کہ تاریخ کا اصلی اور کارآمد مواد غیر تاریخی کتابوں سے فراہم ہوتا ہے، اس ذیل میں آجاتی ہیں، اسی طرح

جغرافیہ کی کتابیں بھی کسی طرح نظر انداز نہیں کی جاسکتیں،

دفتر دیوانی میں تاریخ کی کتابیں بالعموم صرف ہندوستان ہی کے متعلق فراہم کی گئی ہیں، لیکن ہندوستان سے باہر کے بعض ممالک کی بعض کتب تاریخ کو بھی حاصل کیا گیا ہے،

کیونکہ اس تاریخی حقیقت سے کوئی شخص انکار نہیں کرسکتا کہ تاریخ ہندوستان کے اسلامی عہد میں جو علمی سوسائٹی ہندوستان اور دکن میں نشو و نما پا رہی تھی، اس کا اصلی سرچشمہ ہندوستان سے باہر وسط ایشیا اور ایران میں واقع تھا اور نیز ہندوستان و دکن کی معاشرت میں جو تبدیلی ہو رہی تھی اور جو سیاسی انقلاب واقع ہو چکا تھا اس پر بھی ہندوستان کے باہر کے واقعات بہت گہرا اثر ڈال رہے تھے، قطب شاہی اور عادل شاہی وغیرہ زمانہ کی تاریخ کے اکثر پہلو، خواہ وہ مذہبی ہوں یا علمی، معاشرتی ہوں یا سیاسی، ہندوستان سے باہر کی تاریخ سے مربوط ہیں،

علاوہ ازیں خود شاہانِ آصفیہ کے اجداد کا مولد و منشا بھی وسط ایشیا ہی ہے، اس نامور سلسلہ کے حالات کا علم بعض وقت ایسی کتابوں سے حاصل ہوتا ہے، جن کو ہندوستان سے بظاہر کوئی تعلق نہیں ہوتا، حضرت آصف جاہ اول کے بعض اہم حالات، ایران کی معاصرانہ تاریخ کی کتابوں میں زیادہ وثوق اور بلا کسی خاص مخالف یا موافق نقطۂ نظر کے معلوم ہو سکتے ہیں،

ان وجوہ کے لحاظ سے بعض اہم اور مستند کتابیں، جن کا موضوع ہندوستان سے باہر کے حالات اور واقعات ہوں، کتب خانہ میں مہیا کی گئی ہیں،

اسی طرح مشرق میں بادشاہ کی ذات واقعات تاریخی کا محور ہوتی تھی، وہی تاریخ بناتی اور بگاڑتی تھی، اس نظر سے ادب و انشا کی کوئی کتاب جس سے بادشاہ کی شخصیت اور اس کے خصائل و عادات اور مبلغ علم کا کافی طور سے اندازہ ہو سکے فراہم کی گئی ہیں،

۲ - حوالہ کی کتابیں،

دفتر دیوانی کے کام کی جو نوعیت ہے، اس کے مد نظر حوالہ کی قابلِ استناد کتابوں سے کوئی مفر نہیں ہو سکتا، بنا بریں فارسی الفاظ اور اصطلاحات کو معین کرنے میں جو قابلِ وثوق کتابیں کار آمد ہو سکتی ہیں، ان کو حاصل کر لیا گیا ہے، اس سلسلہ میں جس نوعیت کی کتابیں، جمع کی گئی ہیں وہ یہ ہیں،

(الف) عربی لغات کی بعض عام متداول اور قابلِ سند کتابیں جن سے فارسی زبان میں رائج شدہ عربی الفاظ اور اصطلاحات کے سمجھنے میں سہولت ہو،

(ب) ایسی کتابیں جن سے فارسی الفاظ و اصطلاحات کے انگریزی مترادفات معلوم ہو سکیں،

(ج) قانون اور نظم و نسق کے اصطلاحات کی کتابیں،

(د) السنہ ملکی کے مصطلاحات کی کتابیں،

(ﮨ) مشہور کتب خانوں کی فہرستیں،

(و) جنتریاں،

(ز) مشاہیر کے متعلق سوانحی حوالہ کی کتابیں،

(۳) فنی کتابیں،

اس ضمن میں فہرست نگاری، کتب خانہ کی ترتیب، کاغذات کی اصلاح و درستی کے متعلق چند منتخب کتابیں موجود ہیں،

۴۔ قوانین و ضوابط سرکار عالی،

دفتر میں حالیہ اور قدیم قوانین و قواعد سرکار عالی کے تحت جو کارروائیاں دائر ہوتی ہیں ان کے سلسلہ میں جن قوانین و قواعد کی بالعموم ضرورت داعی ہوتی ہے، وہ بھی جمع کر لیے گئے ہیں،

۵۔ مطبوعاتِ سرکاری،

یہ ایک امر واقعہ ہے کہ دفاتر و محاکم سرکاری کی جانب سے جو مطبوعات شائع ہوتی رہتی ہیں وہ اپنی اشاعت کے کچھ عرصہ بعد سلطنت کی تاریخ کا بہت اہم اور قابلِ وثوق ماخذ قرار پاتی ہیں اس لحاظ سے سرکاری مطبوعات کی فراہمی میں بطور خاص کوشش کی جاتی ہے، چنانچہ عالیہ وقدیم مطبوعات کا ایک بہت بڑا ذخیرہ فراہم ہوگیا ہے،

اس موقع پر اس واقعہ کا اظہار بے محل نہیں کہ خود دفاتر متعلقہ میں دس پانچ سال قبل کی مطبوعات کا کوئی زاید نسخہ بہ مشکل ہی دستیاب ہوتا ہے، کتب خانہ آصفیہ وغیرہ کے ذخیرہ میں بھی تمام سرکاری مطبوعات موجود نہیں ہیں، "حیدرآباد آفیرس" اور "حیدرآباد انڈر سر سالار جنگ" جیسی کارآمد کتابیں اب نایاب اور فی الجملہ ناپید ہوچکی ہیں،

اس امر کا اظہار نامناسب نہیں کہ ممالک محروسۂ سرکار عالی کے سارے مطبوعات کو کسی کتب خانہ میں بغرض تحفظ جمع کرنے کا کوئی انتظام اب تک نہیں کیا گیا ہے، نیز ایسی کتابیں جو سرکار یا ارباب کرم کی امداد و سرپرستی سے بیرون ممالک محروسۂ سرکار عالی طبع یا شائع ہوئی ہیں، یا جو شاہانِ آصفیہ کے اسم گرامی پر معنون ہوں کسی نہ کسی جگہ بغرض تحفظ مخزون رہنا باغراض علمی و تاریخی بہت ضروری ہے، دفتر دیوانی اس نوعیت کا ذخیرہ فراہم کرنے میں غالبًا عمارت کی تنگی کی وجہ سے مجبور رہے،

کتب خانہ زیر تذکرہ میں جو کتابیں مہیا کی گئی ہیں وہ مخطوطات اور مطبوعات دونوں پر مشتمل ہیں،

مخطوطات فراہم کرنے کا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہر رطب و یابس کتاب حاصل کرلیجائے، جو مخطوطات خریدے گئے ہیں، ان کو دیکھنے سے واضح ہوتا ہے کہ وہ ایسے ہیں جو

۱۔ مستند ہیں،

۲- تا حال طبع نہیں ہوئی ہیں،

۳- خود مؤلف نے کتاب کی تبییض کی ہے،

۴- خود مولف نے کتاب کی تصحیح کی ہے،

۵- کتاب پر مشاہیر کے مہر یا دستخط ہیں،

کسی کتاب کے ایک سے زیادہ نسخے فراہم کئے گئے ہیں تو وہ بھی اس اطمینان کے بعد کہ ان میں کوئی نہ کوئی خصوصیت ایسی ہے کہ جو طلبہ اور ارباب علم کے لئے کارآمد ہو سکیگی،

بعض مطبوعہ کتابوں کے بھی مخطوطات فراہم ہو گئے ہیں، لیکن بالعموم اس صورت میں کہ مطبوعہ نسخہ کی فراہمی بوجہ امتداد زمانہ مشکل ہو یا مطبوعہ نسخہ کے مقابل مخطوطہ نسخہ میں مطالب کا اضافہ ہو،

کتب خانہ کا جو اصلی مقصد ہے وہ صرف مخطوطات کے فراہم کرنے سے پورا نہیں ہو سکتا، آج سے نصف صدی قبل ہندوستان اور یورپ میں تاریخ ہند کے موضوع پر جو کتابیں طبع اور شائع ہوئی ہیں، ان کا حاصل ہونا اب بہت کچھ دقت طلب ہو گیا ہے، اس قسم کی کتابوں کا حصول اب خود کسی اہم مخطوطہ کے حصول سے کم مشکل نہیں ہے، کتبخانہ میں اس نوعیت کی کتابوں کی فراہمی کے لئے بھی خاص کوشش عمل میں آئی ہے، مختلف علمی اداروں کی جانب سے تصحیح و تحشی کے بعد جو خاص کتابیں شائع ہوتی ہیں ان کو فراہم کیا گیا ہے تاکہ دفتر میں جو اربابِ علم اور طلبۂ تاریخ تحت قواعد منظورہ سرکار عالی تحقیق و تالیف کی غرض سے فراہمی مواد کی خاطر رجوع کریں، ان کو کاغذات سے استفادہ کرنے میں کسی طرح دقت نہ پیش آئے،

کتب خانہ دو حصوں پر مشتمل ہے، مشرقی اور مغربی،

مشرقی حصہ عربی، فارسی، اردو اور مرہٹی السنہ کی کتابوں پر مشتمل ہے، اور مغربی

حصہ فی الحال خالص انگریزی زبان کی کتابوں پر،

مخطوطات کی فراہمی تین طرح سے ہوتی ہے،

۱- وہ جو براہِ راست خریدی جاتی ہیں،

۲- وہ جو دفتر میں نقل کرائی جاتی ہیں،

۳- وہ جو بیرون دفتر نقل کرائی جاتی ہیں،

واضح ہو کہ فراہمیِ کتب کے سلسلہ کا آغاز ہوا، تو یہ تجربہ ہوا کہ اکثر اہم کتابوں کو ان کے مالک فروخت کرنا نہیں چاہتے، اس لئے بعض ایسی کتابیں مستعار حاصل کرکے خود دفتر میں نقل کرائی جاتی ہیں، بعض وقت بیرون دفتر بھی نقل وکتابت کا انتظام عمل میں لانا پڑا ہے، مدراس سے اربابِ خاندانِ دیوان صاحب کی معرفت بہت سی کتابیں نقل ہوکر آئی ہیں،

کتب خانہ میں مخطوطات کی جملہ تعداد (۴۲۸) ہے ان کی زبان واری تقسیم یہ ہے،

فارسی، ۳۸۹

ہندوستانی، ۲۶

عربی، ۱۳

بہ لحاظ فنون مخطوطات کی تفصیل حسب ذیل ہے،

تاریخ، ۱۴۷

تذکرہ، ۳۶

سوانح، ۱۴

جغرافیہ ۱۰

سفرنامہ، ۳

ادبیات (نظم) ۱۲

ادبیات (نثر) ۲۳

انشا و مکاتیب و سیاق، ۱۰۹

لغت، ۱۸

بعض مخطوطات کے متعلق مختصر توضیح نامناسب نہ ہوگی،

۱- **نورس** جگت گرو ابراہیم عادلشاہ ثانی (۹۸۸ھ ۱۵۸۰ء تا ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۸ء) کی تالیف ہے، اس کتاب کا مقدمہ سہ نثر ظہوری میں نورس کے نام سے شامل ہے، اور رنگین نگاری کا گویا ایک شہ کار،

نورس ابراہیم عادلشاہ کی بعض ہندی نظموں کا مجموعہ ہے،

کتب خانہ کا یہ نسخہ کئی وجوہ سے بہت قابلِ امتیاز ہے،

۱- خط نہایت پاکیزہ ہے اس لحاظ سے اس نسخہ کو خطاطی کا ایک دلکش نمونہ کہنا بالکل بجا ہے،

۲- ایک شاہی کاتب عبد اللطیف مصطفےٰ نے بخط نسخ پورا نسخہ لکھا ہے،

۳- طلائی نقش و نگار ہر صفحہ پر موجود ہے،

۴- یہ نسخہ خود عادل شاہی کتب خانہ کا ہے،

۵- سب سے بڑھ کر یہ کہ نسخہ پر خود عادلشاہ کے دستخط ہیں،

ترقیمہ میں کتابت کا کوئی سنہ موجود نہیں ہے، لیکن شاہی کتاب خانہ میں داخلہ ۱۰۲۲ھ ۱۶۱۳ء میں واقع ہوا ہے،

۲- **کلیات شاہی**، علی عادلشاہ ثانی (سنہ ۱۰۶۷ھ ۱۶۵۶ء تا سنہ ۱۰۸۳ھ ۱۶۷۲ء) نے دکنی زبان میں شعر کہنے کی خاص مشق بہم پہنچائی تھی،

"شاہی" تخلص اختیار کیا تھا، یہ کلیات شاہی کے کلام کا مجموعہ ہے، ہر چند نسخہ کے اختتام پر کتابت کا کوئی سنہ نہیں لکھا ہے اور نہ ناقل نے اپنا نام لکھا ہے لیکن خط اور کاغذ دونوں سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ نسخہ زمانہ تالیف سے قریب تر زمانہ میں ہی لکھا گیا ہے، کتاب کا ہر صفحہ مطلّا ہے اور بخط نسخ لکھا گیا ہے[1]

۳- **فتح المجاہدین**، مؤلف کا نام زین العابدین شوستری ہے، مولف نے اس کتاب میں وہ سب فوجی قواعد جمع کئے ہیں جو میسور میں بہ زمانہ ٹیپو سلطان نافذ تھے، کتاب کا یہ نسخہ اس وجہ سے بہت قابل قدر ہے کہ اس پر خود ٹیپو سلطان کی تحریر موجود ہے،

۴- **انفع الاخبار**، یہ کتاب محمد امین الحسینی کی تالیف ہے، اکبر کے ۴۱ سنہ جلوس سنہ ۱۰۰۴ھ ۱۵۹۵-۹۶ء میں وہ "ولایت" سے ہندوستان آئے اور سپردار خاں، مرزا محمد صالح تبریزی سے توسل پیدا کیا، سپردار خاں زمانۂ جہانگیری میں احمد نگر کے صوبہ دار تھے، کتاب کا موضوع ممالک مشرق اور ہندوستان بزمانہ مغلیہ کی عام تاریخ ہے، ورود ہندوستان کے بعد سے زمانہ تالیف (سنہ ۱۰۳۶ھ ۱۶۲۶-۲۷ء) تک کے حالات ذاتی علم سے لکھے ہیں،

کتب خانہ کا یہ نسخہ خود مؤلف کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، کتاب کی تالیف سنہ ۱۰۳۶ھ کے اواخر میں ختم ہوئی ہے، اور یہ نسخہ ۹ محرم سنہ ۱۰۳۷ھ ۱۶۲۷-۲۸ء کو لکھا گیا ہے، ترقیمہ کی عبارت حسب ذیل ہے،

"فرغ من تسوید ہذہ الاوراق فی تاسع المحرم الحرام سنہ ۱۰۳۷ھ، کتبہ العبد الاقل محمد امین الحسینی"۔

معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف نے کتاب کا یہ نسخہ اپنے مربی مرزا محمد صالح کے نذر کیا، کتاب کے آخر

---

[1] اس کتاب پر جناب نصیر الدین صاحب ہاشمی کا ایک مضمون معارف کے کسی گذشتہ پرچہ میں شائع ہو چکا ہے،

پر جو متعدد دستخط ہیں ان میں ایک صالح محمد خاں کا بھی ہے

کتاب کا ابتدائی حصہ موجود نہیں ہے البتہ خاندان تیموری کا پورا حال اس حصہ میں محفوظ ہی،

۵- **تاریخ مظفری**، یہ کتاب ہندوستان کے زمانۂ شاہان مغلیہ کی سال واری سادہ واقعاتی تاریخ ہے، مولف کا نام محمد علی خاں انصاری ہی اور والد کا نام ہدایت اللہ خاں عزت الدولہ لطف اللہ خاں بہادر، شاہ عالم ثانی کے عہد میں پنج ہزاری ذات کے منصب سے سرفراز تھے، خود مولف داروغگی عدالت فوجداری ترہٹ اور حاجی پور پر مامور تھے،

کتاب امیر تیمور کے زمانہ سے شروع ہوئی اور ۱۲۲۵ھ تک اکبر شاہ ثانی کے زمانہ پر ختم ہو جاتی ہے، کتاب کا زمانہ تالیف ۱۲۰۲ھ (۸۸-۱۷۸۷ء) ہے، واقعات مابعد کا اضافہ بعد میں ہوا ہے،

گبن صاحب نے اپنی کتاب فال آف دی مغل امپائر (FALL OF THE MUGHAL EMPIRE) تاریخ مظفری ہی کو اصلی ماخذ قرار دے کر مرتب کی ہے، سر ہنری ایلیٹ نے لکھا ہے کہ ہندوستان کی عام تاریخ پر جو صحیح تر کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں یہ کتاب بھی شامل ہے (تاریخ ہند صفحہ ۳۱۶ جلد ۸)

کتب خانہ میں کتاب کا جو حصہ مخزون ہے وہ خود موتف کا مصحح ہے، ۱۲۱۸ھ (۴-۱۸۰۳ء) میں یہ تصحیح عمل میں آئی ہے، اور یہ دو جلدوں پر مشتمل ہے پہلی جلد محمد شاہ کے سال سوم جلوس (۱۱۳۴ھ ۱۷۲۱ء) سے شروع ہو کر زمانہ عالمگیر ثانی (۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء) پر ختم ہوتی ہے، دوسری جلد زمانہ شاہ عالم ثانی (۱۱۷۳ھ ۱۷۵۹ء) سے شروع ہوتی ہے اور اس زمانہ تک مشتمل ہے جب کہ وارن ہسٹنگز کو گورنر جنرل بنا کر ہندوستان روانہ کیا گیا تھا،

۷- **جنگ نامہ**، خلد مکان اورنگزیب کے انتقال پر جو جنگ برادراں واقع ہوئی اسکے حالات اس میں نعمت خاں عالی کے ہاتھوں ترتیب دیئے ہوئے ہیں، کتاب کا یہ نسخہ بہادر شاہ کے منشی خاص شنکر ناتھ نے سانہ جلوس بہادر شاہ (۱۱۱۹ھ ۱۷۰۷ء) میں بخط شکستہ وصلیوں پر لکھا ہے، اور

شکستہ خط کو خطاطی کا ایک بہت بہتر نمونہ بنانے کی پوری کوشش کی ہے،

۸- **سفینۃ الاولیا**۔ شہزادہ داراشکوہ نے یہ کتاب تالیف کی ہے، یہ نسخہ خود شاہزادہ کی زندگی میں خود انہی کے حکم سے ملا شہباز دہلوی نے ۱۰۶۳ھ ۱۶۵۲ء میں خوشخط نستعلیق میں لکھا ہے،

۹- **حدیقۃ السلاطین**، مرزا محمد نظام الدین شیرازی کی تالیف ہے، سلطان عبداللہ قطب شاہ کے حالات قلم بند کئے ہیں، کتاب اس زمانہ کی تالیف ہے،

کتب خانہ کا یہ نسخہ ہلکے نیلے مہین کاغذ پر طلائی جدول کے اندر بہت خوش خط نستعلیق میں لکھا گیا ہے، صفحۂ اول کا عنوان ایرانی نقش نگاری کا بہت خوبصورت نمونہ ہے، کتاب کے صفحۂ اول پر حسب ذیل مہر ہے،

"محمد ناصر فدوی بادشاہ غازی شاہ عالم ۱۱۱۹"

ایک اور عبارت حسب ذیل درج ہے،

"داخلہ روزنامچہ کتاب خانہ سرکار مرزا محمد ناصر سلمہ اللہ تعالیٰ الی یوم الآخر تحویل نخلو ملک اندرونِ محل بتاریخ ۱۲ر محرم الحرام ۱؎"

یہ نسخہ سلطان عبداللہ قطب شاہ کے سترہویں سال جلوس ۱۰۵۱ھ ۴۲-۱۶۴۱ء پر ختم ہو گیا ہے، اس کتاب کا کچھ حصہ مولوی سید علی اصغر صاحب بلگرامی نے مرتب کر کے طبع اور شائع کیا ہے،

۱۰- **زبدۃ التواریخ**۔ جمال الدین ابو القاسم عبداللہ القاشانی کی تالیف ہے، کتب خانہ میں کتاب کا جو حصہ محزون ہے اس کا موضوع تاریخ ممالک مشرق قبل از اسلام ہے، اس نسخہ پر سید مظفر سرخیل کی مہر ثبت ہے، جو سلطان عبداللہ قطب شاہ کے مدار المہام تھے، کتاب مہین کاغذ پر خوش خط نسخ میں لکھی گئی ہے،

۱۱- **تزک جہانگیری**، شہنشاہ جہانگیر کی خودنوشتہ سوانح حیات کا یہ خوشخط نسخہ ہے

جو طلائی جدول میں لکھا گیا ہے، صفحۂ اول کا عنوان منقش ہے،

نسخہ کے ٹائیٹل پر مختلف عبارتیں مرقوم ہیں اور کئی مہریں ثبت ہیں، پہلی عبارت حسب ذیل ہے

"اللہ اکبر بتاریخ ۲- ماہ امرداد سنہ ۲۲ بانعام سیف خاں جہانگیر شاہی مرحمت شد"

مآثر الامرا میں سیف خاں کے خطاب سے دو اصحاب کا تذکرہ کیا گیا ہے، ایک وہ جو حصار کے فوجدار تھے، ان کو جہانگیر کے پاس خود زمانہ شاہزادگی میں ہی تقرب حاصل تھا، لیکن انھوں نے سنہ ۱۰۲۵ھ/۱۶۱۶ء میں انتقال کیا ہے اور سنہ ۲۲ جلوس جہانگیر مطابق ہے سنہ ۱۰۳۶ھ/۲۷-۱۶۲۶ء سے، اس لحاظ سے عبارت صدر میں جن سیف خاں کا ذکر آیا ہے، ان کی شخصیت کا علحدہ ہونا لامحالہ ضروری ہے،

دوسرے سیف خاں بھی خود زمانہ جہانگیر میں گجرات کے صوبہ دار تھے، سیف خاں کے خطاب سے ان کو خود جہانگیر نے مخاطب کیا تھا، زمانہ شاہ جہاں میں بہار کے بعد ازاں الہ آباد پھر گجرات اور آخر میں اکبرآباد کی صوبہ داری کا منصب حاصل کیا تھا، سنہ ۱۰۴۹ھ/۱۶۳۹ء میں انھوں نے انتقال کیا،

غرض عبارت مرقومہ کتاب میں سیف خاں کا جو نام درج ہے وہ غالباً یہی سیف خاں ہیں عبارت کا سیاق وسباق اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ خود بادشاہ نے سیف خاں کو یہ کتاب مرحمت کی،

دوسری اور جو عبارتیں کتاب پر مرقوم ہیں وہ یہ ہیں:- (۱) بتاریخ ہشتم ماہ اردی بہشت عرض دیدہ شد، ۲ و ۳- عبارت مذکور شدہ، (۴) اللہ اکبر بتاریخ غرہ شہر ذیقعدہ سنہ یازدہ جلوس مبارک عرض دیدہ شد،

ان عبارتوں میں غالباً سنہ جلوس سے مراد سنہ جلوس شاہ جہاں ہے،

"عرض دیدہ شدہ" سے مراد "جائزہ لیا گیا" ہے،

کتاب پر جو مہریں ثبت ہیں وہ یہ ہیں،

۱- سیف خان بندہ شاہجہان بادشاہ غازی سنہ ۱۰۳۹"

یہ سیف خان غالباً وہی ہیں، جن کو غالباً کتاب مرحمت ہوئی،

۲- "ابو القاسم اسد خاں مرید شاہجہاں"

مآثر الامرا میں اسد خاں معموری کا جو تذکرہ ہے وہ غالباً یہی ہیں، ابتدائے زمانہ جہانگیر میں یہ صاحب قندھار کی بخشی گری پر مامور تھے پھر گجرات میں اس عہدہ پر مامور ہوئے، بعض اور بھی عہدوں پر کام کیا ہے ۱۰۴۱ھ سنہ ۴ جلوس شاہجہاں میں انتقال کیا،
۳۲-۱۶۳۱ء

۳- "زلطف شاہ نور الدین جہانگیر قضا فرمان خطاب بندہ شد ... افضل خاں ۱۰۲۲"

مغلیہ زمانہ کے امرا میں افضل خاں کا خطاب زمانہ جہانگیر میں دو اصحاب کو عطا ہوا تھا، ایک تو ابو الفضل کے فرزند شیخ عبد الرحمن کو اور دوسرے شاہجہانی زمانہ کے وزیر اعظم یا دیوان کل ملا شکر اللہ شیرازی کو، افضل خاں شیخ عبد الرحمن کا انتقال جہانگیر کی تخت نشینی کے آٹھویں سال ۱۰۲۲ھ میں ہو گیا، توزک جہانگیری میں جہانگیر کے ۱۸ ویں سال جلوس تک کے واقعات قلم بند کئے گئے ہیں،
۱۴-۱۶۱۳ء
اس صورت میں ظاہر ہے کہ افضل خاں شیخ عبد الرحمن کو اس کتاب پر کوئی ملکیت حاصل نہیں ہو سکتی، لامحالہ صاحب مہر افضل خاں ملا شکر اللہ کے سوا کوئی اور نہیں ہو سکتے،

اس کا ثبوت یوں بھی حاصل ہوتا ہے کہ ملا شکر اللہ کی خطاب یابی کا سنہ بہ لحاظ مہر ۱۰۲۲ھ ہے، مآثر الامرا میں لکھا ہے کہ مہم رانا میں جو خدمات پسندیدہ وقوع میں آئے اس کی وجہ سے ملا صاحب کو افضل خاں کا خطاب بارگاہ جہانگیری سے مرحمت ہوا[1]،

رانائے چتور کی مہم ۱۰۲۲ھ مطابق ۸ سنہ جلوس جہانگیری میں سر کی گئی تھی اور شاہزادہ خرم (شاہ جہاں) کو اس مہم پر مامور کیا گیا تھا[2]، اس معرکہ میں ملا شکر اللہ شاہزادہ کے منشی اور مصاحب ہمراز تھے ملا شکر اللہ شیرازی نے دار العلم شیراز میں دانش اندوزی کی اور بعد ازاں درس و تدریس کا شغل جاری رکھا، پھر ہندوستان چلے آئے، برہان پور میں اقامت اختیار کی تاآنکہ شاہجہاں سے بزمانۂ شاہزادگی توسل حاصل ہو گیا، میر عدل لشکر شاہزادہ قرار پائے، ۱۰۳۸ھ میں "دیوانی کل" پر مامور ہوئے،
۳۹-۱۶۲۸ء

[1] مآثر الامرا جلد اول صفحہ ۱۴۷ [2] ایضاً

"شد فلاطون وزیر اسکندر" مصرعۂ تاریخ ہے، ۸۰ سال کی عمر میں ۱۰۴۹ھ ۱۶۳۹-۱۶۳۸ء میں انتقال ہوا
"زخوبی بردگوے نیک نامی" سے سال انتقال برآمد ہوتا ہے[1]۔

۱۲۔ **تاج المآثر**، ہندوستان کے زمانہ خاندان غلاماں کی تاریخ، نظام الدین حسن نظامی سمرقندی کی تالیف ہے، کتاب کا یہ نسخہ ۱۰۷۱ھ ۱۶۶۰-۶۱ء میں نہایت ہلکے بادامی کاغذ پر بخط نسخ لکھا گیا ہے،

۱۳۔ **منظر الانسان**۔ ترجمہ وفیات الاعیان، اس کتاب کو یوسف بن احمد السنجری نے ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے،

سلطان ناصر الدین ابو الفتح محمود شاہ بن محمد شاہ گجراتی (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کے حکم سے ترجمہ کا آغاز ہوا، سلطان نے ۸۸۹ھ میں حکم صادر کیا، ۸۹۳ھ میں کام کا آغاز ہوا، اور ۸۹۴ھ میں ترجمہ مکمل ہوکر بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوا، ۲۵ دوسری کتابوں سے اس ترجمہ میں مطالب کا اضافہ کیا گیا ہے، ۹۰۵ھ میں نظر ثانی ختم کی گئی،

کتب خانہ کا یہ نسخہ ۱۰۳۱ھ کا مکتوبہ ہے اور کاتب کا نام علی بن حسن الالٰہی ہے،

۱۴۔ **دہیہ بدہی صوبجات دکن**، یہ زمانہ عالمگیر کے مواضعات دکن کی فہرست ہے، پوری تفصیل سے ہر ہر موضع کی تفصیل کی ہے، ہر موضع کے "جمع کامل" (زر مال گذاری) کی وضاحت بھی کی ہے، فہرست کا یہ نسخہ خود شاہی دفتر کا مرتبہ اور مکتوبہ ہے،

۱۵۔ **مجمع الغرائب**، مولف کا نام محمد ہارون عبد السلام سلامی الحسنی ہے،
کتاب کا موضوع مختلف عجائب دنیا کے حالات ہیں، ابراہیم عادل شاہ کے زمانہ کی تالیف ہے
یہ نسخہ خود مؤلف کا لکھا ہوا ہے، ۱۰۲۶ھ ۱۶۱۷ء سال کتابت ہے نسخہ مطلا اور خوش خط ہے،
کتب خانہ کے مخطوطات کی ایک فن وار جدولی فہرست مرتب ہو چکی ہے،
کتب خانہ میں ہندوستانی زبان کے مخطوطات بھی ہیں جنھیں ایک دوسرے مضمون میں روشناس کیا جا چکا ہے،

[1] مآثر الامراء صفحہ ۱۴۵

تلخیص و تبصرہ

عقل کے خلاف جدید بغاوت

عنوان بالا سے موجودہ صدی کے مشہور جرمن فلسفی رینے فولپ ملر (Rene Fülöp Miller) کا ایک پر مغز اور بصیرت افروز خطبہ پہلی بار ہبرٹ جرنل (جنوری ۳۶ء) مین شائع ہوا ہے، ناظرین معارف کے لئے ہم اس کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہین ؛ :-

ہم سب کو شروع ہی سے عقل پر عقیدہ رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، اور یہ بتایا گیا ہے کہ انسان عقل کی مدد سے کائنات کی تمام گتھیان سلجھا سکتا ہے، بالخصوص گذشتہ دو صدیوں میں سیاسی انقلابات و اصلاحات کا سب سے بڑا مقصد یہی رہا ہے، کہ سوسائٹی کی معاشرتی اور سیاسی ترکیب میں جو نامعقول عناصر داخل ہوگئے ہین، انھیں خارج کرکے معقول عناصر ان کی جگہ لائے جائیں، روشن خیالی، حریت پسندی، جمہوریت، اور اشتراکیت، ان تمام تحریکون مین سے ہر ایک کی بنیاد اس عقیدہ پر قائم تھی، کہ انسانون کے باہمی تعلقات عقل ہی سے استوار رہ سکتے ہین، تمام معاشرتی بے انصافیان اور مصیبتین معقول فہم و ادراک کی کمی سے پیدا ہوتی ہین، اور عقل ہی کے ذریعہ موجودہ معاشرتی اور سیاسی نظام کا ہر نقص دور کیا جاسکتا ہے، چند سال ہوئے ہم میں سے اکثر لوگون کو ایسا نظر آتا تھا، کہ بہت جلد ساری دنیا میں عالمگیر وفاق (فیڈریشن) معاش کے مرتب اصولوں، بین الاقوامی ثالثی عدالتون، اور معاشرتی عدل و انصاف کی سلطنت قائم ہوجائے گی، انسان کی ایک نہایت ہی دیرینہ آرزو ہماری آنکھون کے سامنے پوری ہونیوالی

تھی، ہزارون برس سے اس تمنا کا اظہار ہر بڑے تمدن میں ہوتا آیا تھا، اسکے پورا ہونے کا وقت اب قریب معلوم ہوتا تھا،

عقل پر عقیدہ اپانشد میں بھی پایا جاتا ہے، جو چھٹی صدی قبل مسیح سے پہلے کی کتاب ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ ودیا یعنی عقلی بصیرت میا یعنی فریب کی دنیا پر غالب ہوگی، علاوہ برین یونانی فلسفہ نے بھی جس کی تعلیمات سے یورپ کا ذہنی نشو و نما شروع ہوا، عقلیت کی فتح کا اعلان کیا، ہراکلیٹس (Heraclitus) نے تو یہان تک کہہ دیا، کہ فضا تمامتر عقل سے پر ہے، اور انسان برابر عقل ہی کی سانس لے رہا ہے، ایلیائی فلاسفہ (۵۰۰ قبل مسیح) اس بات پر زور دیتے تھے، کہ ہمیں ہر چیز کا فیصلہ عقل کی رو سے کرنا چاہئے، سقراط نے یہ تعلیم دی کہ انسان کو منطقی طور پر غور و فکر کرنے کی عادت ڈالنی چاہئے، اسکے نزدیک انسان کی زندگی کا مقصد واقفیت حاصل کرنا ہے، اُسے چاہئے کہ اپنے پورے وجود کو عقل کا تابع کر دے،

قدیم یونانی اور رومن فلسفہ کی عقلیت کی بنا پر سیاسی نظامون کو عقل کی روشنی میں مرتب کرنے کی بارہا کوششین ہوئین، یونانی جمہوریہ کی بنیاد ہی عقل پر رکھی گئی، اور افلاطون کی ترتیب دی ہوئی جمہوریہ میں اسی عقلیت کا عکس صاف طور پر نظر آتا ہے، پھر رومہ کی طرف دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ قدیم عقلیت کا سب سے زیادہ شاندار اور دیرپا حاصل رومن قانون ہے، جو اسوقت بھی ایک بڑی حد تک تمام دنیا کے قانونون پر حاوی ہے،

زندگی کے تمام پہلوؤن کو عقل کے تابع کر دینے کا جو کام زمانہ قدیم میں شروع کیا گیا تھا، اسے مغربی تہذیب نے عہد روشنخیالی (Enlightenment) میں از سرِ نو جاری کر دیا، مونٹسکیو (Montesquieu) ڈیڈیرو (Didero) اور والٹیر (Voltaire) جیسے لوگون نے اپنی زندگی کا مقصد یہ بنا لیا، کہ کائنات کے تاریک ترین گوشون کو بھی عقل کی روشنی

سے منور کر دیں، روشنخیالی کے علمبردار کائنات کو ایک عظیم الشان منظم کارخانہ سمجھتے تھے، جس کے قوانین عقل کی قوت سے دریافت کئے جا سکتے ہیں، ان کا خیال تھا کہ جس وقت انسان اُن قوانین کو متعین کرے گا، جو فطرت اور انسانی زندگی کے مختلف اعمال (processes) میں جاری ہیں، اسی وقت اس کے لئے ان اعمال میں دخل دینا، اور اپنی مرضی کے مطابق ان میں تصرف کرنا ممکن ہو جائیگا، روشنخیالی کے ان ایام سے لیکر ہمارے زمانہ تک عقلیت کو مسلسل فتوحات حاصل ہوتی گئیں، سائنس نے فطرت کے بے شمار معمے حل کر کے رکھ دیئے، انسان کو فطرت کی قوتوں پر روز بیش از بیش قدرت حاصل ہوتی گئی، اور یہ ترقیاں پچھلی نسلوں کی بڑی سے بڑی آرزوؤں سے بھی متجاوز ہو گئیں، عقل پر انسان کا عقیدہ اس درجہ راسخ ہو گیا، کہ اب اُسے عقل کی ہمہ گیری میں کوئی شبہہ باقی نہ رہا،

یہ تھی یورپ کی ذہنی حالت اب سے نصف پشت قبل تک لیکن اس درمیان میں ہمارے خیالات کے اندر ایک تبدیلی واقع ہو گئی ہے، آج عقل کے خلاف عام طور پر بغاوت برپا ہے، جو چیز ہمارے لئے سب سے بڑے فخر کی تھی، وہی آج مردود قرار دی جاتی ہے، عقل کی پرستش کرنے کے بجائے لوگ ہر اُس شے کی تعظیم و تکریم کرنے لگے ہیں جو نامعقول اور مخالفِ عقل ہے، خاندان، قوت، نسل، قوم، آج یہی الفاظ ہر شخص کی زبان پر ہیں، ہم سے کہا جاتا ہے کہ جدید معاشرتی اور سیاسی نظاموں کی تعمیر انہی باتوں کے لحاظ سے ہونی چاہیئے، ایسی حکومتیں قائم ہو گئی ہیں، جن کا مقصد کسی عقلی نصب العین کیلئے کوشش کرنا نہیں ہے، وہ جذبات اور ان قواے محرکہ پر اپنا عقیدہ رکھتی ہیں، جو حال تک بالاتفاق تعصبات اور مغالطات میں شمار کی جاتی تھیں،

پہلا شخص جس نے عقل کے خلاف بغاوت کا اعلان کیا فرانس کا باشندہ جارج سورل (G. Sorel) تھا، وہ فاسزم (Fascism) کا معلّم اول ہے، اُسی نے قوت کی بادشاہی کا اعلان کیا، اور اس بات پر زور دیا کہ جن قوی اثرات سے نوعِ انسانی کی تحریکیں متاثر

ہوتی ہیں، ان کو عقل یا خلاف عقل رحم یا ظلم سے کوئی تعلق نہیں، اس کے نزدیک تاریخ ایک حرکی عمل (Dynamic process) ہے جہیں عقل کے لئے کوئی جگہ نہیں، ایسا عمل جس کے مقابلہ میں وہ تمام کوششیں جو انسان کا چھوٹا سا دماغ دنیا مین نظم قائم کرنے کیلئے کرسکتا ہے، بالکل حقیر وناچیز ہیں، تقریباً اسی زمانہ اور اسی معنی میں فریڈرک نطشے (FRIEDRICH NIETZSCHE) نے بھی قوت کی فرمانروائی تسلیم کرکے عقل کے خلاف فتوی صادر کردیا،

بنیٹو مسولینی (Benito Mussolini) بانی فاسزم اپنے کو علی الاعلان سورل اور نطشے کا شاگرد بتاتا ہے، اس کا سیاسی اور فلسفیانہ پروگرام بہتیری باتوں میں ان دو مفکرین کی تعلیمات کے مطابق ہے، اُس نے بار بار کہا ہے کہ مجھے روشن خیال عقل کے اصول موضوعہ سے کوئی تعلق نہیں، اور نہ مستقبل کی اُس سلطنت سے کوئی واسطہ ہے، جو عالمگیر امن کی سلطنت سمجھی جاتی ہے، اپنے ایک موقع پر یہ بھی کہا ہے :- "فرانس نے جو ۱۷۸۹ء میں کیا تھا، اٹلی آج کر رہا ہے، اٹلی دنیا کے سامنے ایک نئے پروگرام کا اعلان کر رہا ہے" فاسستی ردمہ ان تمام چیزون کو مٹا ڈالنا چاہتا ہے جنھیں انقلاب فرانس کا پیرس دنیا میں لایا تھا، یعنی روشنخیالی، حریت پسندی، جمہوری حکومت،

جدید جرمنی میں عقل کے خلاف یہ بغاوت اس سے بھی زیادہ تیز ہے، اگر فاسستیوں نے ارادہ (Will) کی فوقیت کا اعلان کیا ہے، تو جرمنی کے قومی اشتراکیون نے بھی اتنے ہی غیر عقلی تخیل یعنی "نسل" کی فوقیت کا اعلان کیا ہے "نسل" ہی وہ جدید نصب العین ہے، جسے موجودہ جرمنی نے اتحاد نوع انسانی اور عالمگیر اخوت کے ان عقلی نصب العینوں کے مقابلہ میں رکھا ہے، جو اب تک تسلیم کئے جاتے تھے،

غرض آج ہم دیکھتے ہیں کہ عقل پر جسکی فرمانروائی میں ہمارے والدین اپنے کو بالکل محفوظ خیال کرتے تھے شدت کیساتھ حملہ جاری ہے اور ایسا نظر آتا ہے کہ وہ تمام چیزین جو ایک صدی یا اس سے زیادہ

مدت سے نوع انسانی کا قابل فخر کارنامہ سمجھی جاتی تھیں نیست ونابود ہو کر رہیں گی،

کیا اس کے معنی یہ ہیں کہ یورپ کا زوال شروع ہو گیا، اور تہذیب کا ایک پسا دور ختم ہو رہا ہے؟ یا کیا یہ بھی ان وقتی ہنگاموں میں سے ایک ہنگامہ ہے، جو وقتاً فوقتاً ترقی کی راہ میں حائل ہوتے رہتے ہیں، ؟ میرے خیال میں اس مسئلہ کو یوں پیش کرنا درست نہیں یعنی یہ مفروضہ صحیح نہیں، کہ وہ غیر عقلیت جو اسقدر دفعۃً نمودار ہو گئی ہے، اور جس کے معتقدین کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہے، کوئی ایسی چیز ہے، جو بنیادی طور پر ہماری تہذیب کے لئے اجنبی اور نامانوس ہے،

ہم جو ایسے زمانہ میں بڑھکر جوان ہوئے ہیں، جب عقلیت کا عقیدہ ہر طرف چھایا ہوا تھا اس بات کو بھول جاتے ہیں، کہ ہمارے روحانی کلچر کے قائم کرنے میں غیر عقلیت نے پچھلے دو ہزار برس میں کتنا اہم حصہ لیا ہے، کیا ہماری یہ مغربی دنیا، جو اس وقت ہمیں زوال کے خطرہ میں دکھائی دیتی ہے، قوی غیر عقلی قوتوں کے تعاون کے بغیر کبھی عالم وجود میں آسکتی تھی؟ غور کیجئے کہ ہماری تہذیب کی تعمیر میں عیسائیت نے کتنا بڑا حصہ لیا ہے، لیکن عیسائیت تھی کیا، خصوصاً اپنے ابتدائی دور میں، بجز شدید غیر عقلیت کے جو یونان و روما کے عقلی فلسفہ کے سراسر مخالف تھی،؟ جب کہ مشرک متشککین حق کی تلاش میں سرگرداں ہو کر بالآخر یہ سوال کرنے لگے تھے، کہ آیا کہیں حق کا وجود ہے بھی یا نہیں، اسوقت ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ پیدا ہو گئے، جو ایک ایسے عقیدہ کا اعلان کرتے تھے، جو عقل کے دائرہ سے بالکل خارج تھا، وہ حق جو وحی کے ذریعہ نازل ہوا تھا، دلیل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا تھا، اس پر عقیدہ رکھنا ہی لازمی تھا، تاہم ہزاروں ایسے تھے، جو سرکسوں میں شیروں کے ہاتھوں ہلاک ہو جانا کہیں بہتر سمجھتے تھے، بہ نسبت اسکے کہ ایک قطعاً غیر عقلی عقیدہ سے منحرف ہو جائیں، عقل کی مخالفت جتنی آج کل ہمارے زمانہ میں دیکھی جا رہی ہے، اس سے کہیں زیادہ سخت پیشوایان کلیسا کے بیانات سے ظاہر ہوتی ہے، مثلاً ٹرٹولین (Tertullian)

لکھتا ہے، "عیسیٰ خدا کے بیٹے مر چکے ہیں، میں اس پر عقیدہ رکھتا ہوں، اسلئے کہ یہ ایک احمقانہ اور
نامعقول بات ہے، دفن کئے جانے کے بعد وہ پھر جی اُٹھے، اس میں شبہہ نہیں کیونکہ یہ ناممکن ہے" مدتوں
تک خرافات پر عقیدہ رکھنا کلیسائے رومہ کی خصوصیات میں داخل تھا، جب قرونِ وسطیٰ میں
علمائے کلیسا نے بحث و نظر میں منطقیانہ اصولوں کو بھی کسی قدر دخل دینا شروع کیا، تو اصلاح
(Reformation) کی شکل میں غیر عقلیت کا ایک جدید اور شدید طوفان
نمودار ہوا، لوتھر (Luther) عقل کو مذہب سے بالکل خارج کر دینا چاہتا تھا، کالون
(Calvin) جو لوتھر کے بعد اصلاح کا سب سے بڑا علمبردار تھا، ایک ایسے مسلک کی تبلیغ
کرتا تھا، جو عقل کے سراسر مخالف تھا، یعنی تقدیر کا مسئلہ جس کی رو سے انسانوں کے دوزخ
یا جنت میں جانے کا فیصلہ دنیا کی پیدائش سے پہلے ہی ہو چکا ہے، خود کیتھولک کلیسا میں آج تک
غیر عقلیت کی فرمانروائی قائم ہے ۱۸۶۴ء میں پوپ پیس نہم (Pius IX) نے اس عقیدہ
کو ایک ملعون بدعت قرار دیا تھا، کہ عقل ہی حق اور باطل کے درمیان تنہا حکم ہے، اور یہ کہ عقل
کے ذریعہ تمام حقائق منکشف ہو سکتے ہیں، ۱۸۷۰ء میں کلیسا کی جو مجلس رومہ میں منعقد ہوئی تھی
اس میں تمام دنیائے مسیحیت کے آٹھ سو پیشوایانِ مذہب نے شریک ہو کر عقلیت کے خلاف شدومد
سے تقریریں کی تھیں، مسیحیت کی انہی غیر عقلی بنیادوں کی وجہ سے اٹھارہویں صدی کے فرانسیسی
فلسفیوں کا خیال تھا کہ مذہب ہی عقلیت کا آخری حصار ہے، اور انھیں یقین تھا کہ مسیحیت کے
استیصال کے بعد ہی عقل کی حکومت مستقل طور پر قائم ہو جائیگی،

لیکن ان فرانسیسی فلسفیوں کا مذہب کے خلاف معرکہ آرائی میں ناکام رہنا صاف طور پر ظاہر
کرتا ہے کہ غیر عقلیت تمام تر مذہب ہی سے وابستہ نہیں بلکہ وہ عموماً انسانی شعور اور انسانی علم کا ایک بنیادی
جزو ہے کیونکہ ہم صرف یہی نہیں دیکھتے کہ عیسائیت اپنے تمام دشمنوں کے مقابلہ میں اور ظالمانہ تعدیوں کے

بعد بھی آج بدستور قائم ہے، بلکہ اس سے بھی بڑھکر یہ دیکھتے ہین، کہ انیسوین صدی کی ابتدا سے غیر عقلیت سائنسون مین بھی داخل ہوگئی ہے، اور کچھ دنون سے سائنس کے حلقہ میں اسکا اقتدار بڑھتا جا رہا ہے،

خود زندگی کے متعلق ہمارے تصور میں ایک بنیادی تبدیلی واقع ہوگئی ہے، آج بہت کم لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ حیاتیاتی اعمال (Biological process) عقلی طور پر سمجھ میں آنیوالی میکانیت کا نتیجہ ہین، جدید علم حیاتیات نے اب یہ تسلیم کرلیا ہے کہ فطرت میں ایک غامض تشکیلی قوت کا وجود بھی ہے، جو عقلی تجزیہ سے ماوراء ہے، یہ علم جتنا ہی زیادہ ترقی کرتا جاتا ہے، اتنا ہی زیادہ علماے حیاتیات کے لئے چھوٹے سے چھوٹے پودے کی زندگی کو بھی کسی عقلی ضابطے کے تحت میں لانا غیر ممکن ہوتا جاتا ہے،

جدید تحقیق کی دوسری شاخون میں بھی ایسے ہی مظاہر رونما ہورہے ہیں، پہلے سائنسدانون کا خیال تھا کہ فطرت کا ارتقار قابل فہم اور باضابطہ طور پر مسلسل ہوا ہوگا، لیکن آج ہمین معلوم ہے، کہ نوع کی تاریخ حیات مین ایسی غیر متوقع صورتین پیش آتی رہتی ہین، جنکی توجیہ سے ہماری عقل عاجز ہے، اسی طرح ہیئت، طبیعیات اور علم کیمیا میں بھی غیر عقلیت درجہ پاتی جارہی ہے، ان علوم کے دائرہ مین بھی جہان عقلی اصول و قواعد نہایت مضبوطی کیساتھ قائم نظر آتے تھے، کچھ دنون سے عقل کی فرمانروائی ختم ہوچکی ہے، ہمارے زمانہ کے ممتاز ترین سائنسدان اور محقق ایسے خیالات کا اظہار کرنے لگے ہیں، جو عقل کے خلاف بغاوت کرنے والوں کیلئے نہایت خوش آیند ہین، ان کے نزدیک "قوانین فطرت" کا عقیدہ بہت کچھ متزلزل ہوچکا ہے، حتی کہ علیت کا بنیادی قانون بھی اب بالکل محفوظ خیال نہین کیا جاتا، جدید علم فلکی طبیعیات (Astrophysics) نے یہ بات واضح کردی ہے کہ اجرام فلکی ہمیشہ باضابطہ راہون میں حرکت نہیں کرتے، اور یہ کہ کائنات میں مسلسل ایک ناقابل فہم تبدیلی واقع ہورہی ہے، اسی بنا پر مشہور برطانوی ماہر طبیعیات اور ہیئت دان سر جیمس جینس (Sir James Jeans) کہتا ہے کہ کائنات ہمیں ایک بڑے میکانیہ (Mechanism) سے کہیں زیادہ ایک بڑا خیال (thought) نظر آرہی ہے، ہم پھر ایک ایسی روح پر عقیدہ رکھنے کیلئے مجبور

ہورہے ہین، جو تمام ہستی پر حکمران اور حساب و اندازہ کی حدود سے ماوراء ہے،

جسطرح عقل کبھی فضاء کے مطالعہ میں جس کا دائرہ غیر محدود طور پر وسیع ہے، ہمارا ساتھ چھوڑ دیتی ہے، اسی طرح چھوٹی سے چھوٹی چیزون کے دائرہ میں بھی وہ ہمارا ساتھ نہیں دیتی، چنانچہ آج یہ حقیقت واضح ہو چکی ہو کہ سالمہ (Molecules) اور جوہر فرد (Atoms) کی دنیا میں وہ قاعدے جو عقل نے تولنے ناپنے اور قوانین فطرت کو مرتب کرنے کے لئے بنائے ہین، اکثر منطبق نہین ہوتے، کچھ دنون سے ماہرین سائنس اس نتیجہ پر پہنچے ہیں، کہ ہم اب تک جس چیز کو قوانین فطرت کہتے آئے ہیں، وہ صرف نتیجہ ہین احصاء ظنی (Calculus of Probabilities) کا، اور اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں، پلانک (Planck) کے نظریہ نے سائنس کے اس مسئلہ قانون کو غلط ثابت کر دکھایا ہے، کہ تمام فطری اعمال بغیر کسی بے قاعدگی کے مسلسل جاری رہتے ہین، اس کے نزدیک یہ قانون جوہر فرد کی دنیا میں جاری نہیں، جہان عدم تسلسل کی مثالیں نمایان طور پر نظر آتی ہین، وہ کہتا ہو کہ قدیم سائنس دانون کا خیال تھا، کہ فطرت میں کوئی بے قاعدگی نہیں لیکن آج ہمارے سامنے یہ سوال ہے کہ آیا فطرت بے قاعدگی کے علاوہ کسی اور طریقہ پر بھی چلتی ہو،

فلسفہ پر سائنس سے بھی پہلے اور زیادہ نمایان طور پر عقلیت کا اثر پڑ چکا تھا، لیکن کانٹ (KANT) کی "تنقید عقل خالص" (Critique of Pure Reason) جب شائع ہوئی، تو اُس نے عقل کی فرمانروائی کا خاتمہ کر دیا، پھر جکوبی، فخٹے، شیلنگ، اور شوپن ہار کے فلسفیانہ اصول یکے بعد دیگرے سامنے آئے، جنسے معلوم ہوا کہ عقل خیال کی ایک مخصوص روش کا نام ہے، اور یہ کہ کائنات کے مطالعہ نیز اپنے اندر اور گرد وپیش کے حالات کو سمجھنے کے لئے عقل کے علاوہ دوسری چیزون کی بھی ضرورت ہو، خود ہمارے زمانہ میں ہنری برگسن (Henri Bergson) اس فلسفہ کا سب سے بڑا نمایندہ ہو، جو عقل کی ہمہ گیری سے انکار کرتا ہو، لڈویگ کلاجز (Ludwig Klages)

اپنی انتہا پسندی میں یہانتک کہہ دیتا ہی کہ عقل روح کی دشمن ہی، فرویڈ (Freud) اور جنگ (Jung) نے دکھایا ہی کہ ہماری ذہنی زندگی مین غیر عقلی اثرات کو کسقدر زیادہ دخل ہی، اور کتنی زبردست قوتین لاشعوری طور پر ہمارے ارادون اور کامون پر اثر ڈالتی رہتی ہین،

غرض آج ہم دیکھتے ہیں کہ سائنس اور فلسفہ دونون اس مفروضہ کو ترک کردینے پر مجبور ہوگئے ہین کہ دنیا اور انسانی فکر کے تمام مظاہر عقل کے ذریعہ سمجھے جاسکتے ہین، ہر جگہ ہمکو ایسے مظاہر ملتے ہیں جنکی توجیہ سے عقل قاصر ہے، اور جو ہمیں غیر عقلی حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور کرتے ہین، لہذا اب سوال یہ پیدا ہوتا ہی کہ عقل کے خلاف سیاسی بغاوت کے علمبرداروں کا یہ خیال کہانتک صحیح ہی، کہ تہذیب عقلیت غلط راہ پر چل رہی ہی، اور اس کا تباہ وبرباد ہوجانا ایک لازمی امر ہی، ان باغیوں کا خیال ہی کہ عقلیت کا دور اب ہمیشہ کیلئے فنا ہو رہا ہی، اور ہمارے سامنے جبلت اور تخلیقی قوت کے ایک نئے دور کا افتتاح ہو رہا ہی، لیکن تاریخ کے طالب علم کو اس قسم کے دعوون سے پرہیز کرنا چاہئے، کیونکہ اگر ایک طرف تاریخ وتمدن نے یہ دکھایا ہی، کہ دنیا کی رہنمائی کبھی تمامتر عقل ہی سے نہیں ہوئی، تو دوسری طرف اُسنے یہ بھی دکھایا ہی کہ ابھی تک کوئی حقیقی تہذیب وجود میں نہیں آئی جسمیں عقلی عناصر کی قوی آمیزش نہ رہی ہو،

پھر سوال یہ ہی کہ جدید سائنس کے غیر عقلی رجحانات سے کیا یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہی کہ عقل کو بالکل ترک کردیا جائیگا؟ ہرگز نہیں، جو لوگ جدید غیر عقلیت کے مبلغ ہین، وہ کوئی وہم پرست اور تاریک خیال اشخاص نہیں ہین، بلکہ ماہرین سائنس ہین فلسفی ہیں، اور محقق ہین، یعنی سب کے سب بنیادی طور پر عقلی ہین جس چیز کی وہ تعلیم دیتے ہین، وہ یہ نہیں ہی، کہ عقلی بصیرت ترک کردی جائے، بلکہ صرف یہ کہ عقل کا دائرۂ عمل محدود سمجھ لیا جائے،

میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ عقل کے خلاف جو بغاوت آج برپا ہی، وہ بالآخر عقلیت اور غیر عقلیت کی باہمی ترکیب سے ایک درمیانی عملی اصول پیدا کردیگی، اس بغاوت سے ہمیں یہ سبق ملجائیگا، کہ عقل ہی سے تمام مسائل حل نہیں ہوسکتے ہیں اُن غیر عقلی حقائق کو بھی تسلیم کرنا پڑیگا، جو فطرت اور انسانی فکر وعمل میں یکساں طور پر کارفرما ہین،

"ع ز"

نظر آئے، حواشی میں ان کی تصحیح بھی کی گئی ہے، افسوس کہ یہ کتاب انڈکس سے خالی رکھی گئی جسکی سخت ضرورت تھی،
توقع ہے کہ ہندوستانی زبان کے قدردان اس مجموعۂ خطبات سے فائدہ اٹھائین گے،

اجنتا کی نقاشی

(مع تصاویر) از جناب غلام یزدانی صاحب ایم اے، ایف اے ایس بی، ناظم محکمۂ آثارِ قدیمہ سرکارِ عالی قیمت مجلد سے رغیر مجلد عا

اجنتا کے غاروں کی نقاشی، ہندوستان کے بدھوں کے زمانہ کی مصوری کے نادر نمونون میں سے ہے، انیسوین صدی کے اوائل میں اس کا اکتشاف ہوا، اسوقت سے یورپ کے ماہرین نے اس پر توجہ کی، پھر سرکار عالی حیدرآباد کے محکمۂ آثارِ قدیمہ نے اپنی پوری توجہ مبذول کی، اور ان آثار کی حفاظت کے ذرائع اختیار کرنے کے علاوہ ویران وسنسان اجنتا کو آباد و معمور کردیا، یہ مجموعۂ تصاویر بھی اس سلسلہ کی ایک کڑی ہے، اس میں محکمۂ آثار قدیمہ سرکار عالی کے ناظم جناب غلام یزدانی نے اجنتا کی تصویرون پر بطور مقدمہ ایک فاضلانہ نظر ڈالی ہے، یہ مقدمہ دراصل موصوف کا ایک تحریری خطبہ تھا، جو اورنگ آباد کالج دکن کے طلبہ کے سامنے نواب سرحیدر نواز جنگ کی صدارت مین پڑھا گیا تھا، تصاویر کی مجموعی تعداد گیارہ ہے، مقدمہ مین اجنتا کی نقاشی پر تاریخی حیثیت سے نظر ڈالتے ہوئے ہر تصویر کے فنی کمالات اور اسکے تاریخی معلومات بیان کئے ہین، اور ان تصویرون سے ہندوستان کے عہد قدیم سے متعلق جو تاریخی نتائج اخذ ہوتے ہین، ان کی جانب اشارات کئے ہین، یہ مجموعہ شہر میونخ جرمنی میں بڑے اہتمام سے دبیز آرٹ پیپر پر عکسی طور پر چھپوایا گیا ہے، تصویرین عکسی اور رنگین ہیں، اور حتی الامکان ان مین اجنتا کی نقاشی کی ہو بہو نقل پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اس کتاب سے نہ صرف نادیدہ جماعت کے سامنے اجنتا کی نقاشی کے نمونے آتے ہیں، بلکہ اس مقدمہ سے ایک مبتدی فنِ مصوری کے سمجھنے میں بھی رہنمائی حاصل کر سکتا ہے، کتاب سرکار عالی حیدرآباد کے مطبوعات کے سلسلہ میں شائع ہوئی ہے، اور غالباً محکمۂ آثار قدیمہ، حیدرآباد دکن کے دفتر سے مل سکتی ہے،

کنز المسائل } از مولوی محمد عبد المتین صاحب بہاری مدرس مدرسہ عزیزیہ بہار شریف،
خزینۃ الفرائض } حجم بہ ترتیب ۹۳ و ۴۸ صفحے قیمت ۶ و ۵ رپتہ:- تبلیغی کتبخانہ تجارتی، محلہ سبزی باغ، بانکی پور پٹنہ،

پہلے رسالہ کنز المسائل میں نماز روزہ، زیارتِ قبور اور لباس و طعام وغیرہ کے فقہی مسائل بیان کئے گئے ہیں، اس سلسلہ میں بعض مقامات پر بعض بدعات و توہمات بھی شرعی مسئلہ کے طور پر درج کر دئے گئے ہیں، دوسرے رسالہ خزینۃ الفرائض میں عام مسائل ارث و طریق تقسیم ترکہ وغیرہ عام فہم زبان میں قلمبند کئے گئے ہیں، اور مثالوں سے صورتِ مسئلہ کی تشریح کی گئی ہے،

جذباتِ شاد، از جناب منشی للتا پرشاد صاحب شاد، میرٹھی، ولی پارلے بمبئی،
حجم ۸۰ صفحے قیمت: ۴ر

یہ مصنف کی ایک تقریر سیرت ہے، جو اجمیر کے ایک جلسۂ سیرت میں کی گئی تھی، اس میں انھوں نے اخلاص و صداقت کے ساتھ آنحضرت صلعم کی سیرت پاک و محاسن اخلاق بیان کرتے ہوئے اپنے قابل قدر خیالات ظاہر کئے ہیں، اگرچہ ان کا نقطۂ نظر بعض مقامات پر اصل حقیقت سے مختلف ہے، لیکن ان کے مزید مطالعہ سے ان کا زاویہ نگاہ بدل سکتا ہے، یہ مخلصانہ تقریر اس لائق ہے کہ اس کی خصوصاً غیر مسلم حلقوں میں اشاعت کیجائے،

اسلامی رواداری، ناشر انجمن سیرۃ النبی جبل پور، ۵۰ صفحے، تقطیع چھوٹی،

اسلام نے دوسری قوم کیساتھ رواداری برتنے کے جو احکام دیئے ہیں، انہیں اس رسالہ میں بیان کیا گیا ہے اور اسلامی تاریخ سے اسکی مثالیں دی گئی ہیں، رسالہ انجمن سے مفت ملسکتا ہے،

بچوں کی رباعیاں، از جناب محمود صاحب اسرائیلی حجم ۱۶ صفحے، قیمت: ۱ر

اس میں سہل و آسان زبان میں بچوں کے لئے رباعیاں لکھی گئی ہیں، "س"

دارالمصنفین کی نئی کتابیں

سیرۃ النبی جلد پنجم

اس جلد کا موضوع عبادات ہے، اس میں پہلے عبادت کی حقیقت اور اس کے اقسام کا بیان ہے، اس کے بعد فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، اور جہاد پر علٰحدہ علٰحدہ مفصل بحث ہے، آخر میں توکل، صبر، اخلاص، تقویٰ، اور شکر کے معنی و مفہوم قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائے گئے ہیں، تقطیع کلاں ضخامت ۳۴۰ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ صہ، قسم دوم، للعہ

مقالات شبلی جلد پنجم (تاریخی)

یہ مولانا شبلیؒ کے ان مقالات کا مجموعہ ہے، جو اکابر اسلام کے سوانح و حالات سے متعلق ہیں، اس میں علامہ ابن تیمیہ، ابن رشد، اور زیب النساء کی سوانحعمری وغیرہ جیسے اہم اور مفید مضامین ہیں، ضخامت ۱۴۰ صفحے، قیمت :۔ عہ

تاریخ صقلیہ جلد دوم

مرتبہ :۔ سید ریاست علی ندوی

اس میں سسلی کے عہد اسلامی کے تمدنی جغرافیہ، نظام حکومت، زراعت، صنعت و حرفت، تعمیر، تجارت، تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون کا تفصیلی مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں، ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت :۔ للعہ

چینی مسلمان

ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، ضخامت ۲۴۲ صفحے قیمت عہ

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں

ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابوں میں، مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان کے مدرسوں اور تعلیمگاہوں کا حال معلوم کرنا چاہیں، تو نہیں مل سکتے، مولوی ابوالحسنات صاحب مرحوم نے نہایت تلاش و تحقیق کے بعد "ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں" پر ایک مقالہ مرتب کیا، اور جس کو اہل نظر نے بے حد پسند کیا، اب دارالمصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے، کتاب مصنف کے ذوق تحقیق کی آئینہ دار ہے، اور مفید اور پراز معلومات ہے، ضخامت ۱۳۴ صفحات، قیمت :- ۱۲ار

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولوں میں ہندوستان کی جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب و لہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، مولانا ابوظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اس کا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے

ہیں، وہ طالب العلموں کو بلاتفریق مذہب وملت معلوم ہوجائیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے قیمت ۱۲ر

عرب کی موجودہ حکومتیں

عام طور پر مسلمان اسلامی حکومتوں میں سے صرف ایران، کابل اور ٹرکی کا نام جانتے ہیں، حالانکہ خود عرب میں مسلمانوں کی متعدد حکومتیں قائم ہیں، مولانا شاہ معین الدین ندوی نے عرب کی ان تمام حکومتوں کے مختصر حالات اس کتاب میں جمع کر دیئے ہیں، جس سے عرب کے تمدن، معاشرت، اخلاق اور سیاست کے متعلق مفید معلومات حاصل ہو سکتی ہیں، ضخامت ۱۷۰ صفحے، قیمت ۱۲ر

عربوں کی جہازرانی

مسلمانوں نے فن جہازرانی میں جس قدر ترقیاں کیں، جس قدر جہاز بنائے، جہازوں کے بنانے کے لئے جس قدر کارخانے قائم کئے، جس قدر بندرگاہیں قائم کیں، ان سب کے متعلق تاریخی معلومات اسلامی تاریخوں میں نہایت منتشر و پراگندہ ہیں، مولانا سید سلیمان ندوی نے ان پراگندہ معلومات کو اس رسالے میں یکجا کیا ہے، ضخامت ۱۹۹ صفحے، قیمت ۸ر

سیرۃ النبیؐ کی سابق جلدوں کے دوسرے اڈیشن

سیرۃ النبی	ولایتی کاغذ	دیسی کاغذ	سیرۃ النبی	ولایتی کاغذ	دیسی کاغذ
حصہ اول	سے ر	للعہ ر	حصہ سوم	معہ ر	صہ ر
حصہ دوم	صہ ر	ہیہ ر	حصہ چہارم	معہ ر	چہ ر

قسم دوم چاروں جلدوں کے خریدار کو عـــہ میں دیجائیگی،

دار المصنفین کا قابل فخر کارنامہ،

سیر الصحابہؓ

سیرۃ النبی کے بعد مسلمانوں کے لئے جن مقدس ہستیون کے کارنامے اور سوانح حیات مشعل راہ ہو سکتے ہیں، وہ حضرات صحابہ کرام ہیں، دار المصنفین نے پندرہ برس کی جانفشانی و کوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو میں صحابہ کرام کے حالات و سوانح اور اخلاق و حسنات کی دس ضخیم جلدیں احادیث و سیر کے ہزاروں صفحات سے چنکر مرتب کیں، اور بہ حسن و خوبی شائع کین، ضرورت ہے کہ حق طلب اور ہدایت و رہنمائی کے جویاں مسلمان ان صحیفوں کو پڑھین، اور اس شمع ہدایت کی روشنی میں چلیں، جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدوں کی علیٰحدہ علیٰحدہ قیمتیں حسب ذیل ہیں، جنکا مجموعہ ۳۳ ہوتا ہے، لیکن پورے سٹ کے خریدار کو صرف پچیس روپیہ میں یہ دس جلدیں کامل نذر کیجاتی ہیں، پیکنگ ذمہ دار المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اول ۔ خلفاے راشدینؓ	سے۸ر	جلد ششم ۔ سیر الصحابہؓ ششم،	سے٤ر
جلد دوم ۔ مہاجرینؓ اول،	للعہ ر	جلد ہفتم ۔ سیر الصحابہؓ ہفتم،	سے ر
جلد سوم ۔ مہاجرینؓ دوم،	۸ے ر	جلد ہشتم ۔ سیر الصحابیاتؓ،	عہ۸ ر
جلد چہارم ۔ سیر انصارؓ اول،	۸ے ر	جلد نہم ۔ اسوۂ صحابہؓ اوّل،	۸ے ر
جلد پنجم ۔ سیر انصارؓ دوم،	عہ۸ ر	جلد دہم ۔ اسوۂ صحابہؓ دوم،	للعہ ر

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

دارالمصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصۂ اول، جس میں قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۴۴ صفحے، قیمت، للعہ، از مولنا عبد السلام ندوی،

حصۂ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت :- للعہ

گل رعنا - اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت :- صہ، از مولنا سید عبد الحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصۂ اول - ضخامت ۴۹۴ صفحے، قیمت :- ۱۲ر

حصۂ دوم، 〃 ۲۶۱ 〃 〃 ۱۲ر

موازنۂ انیس و دبیر، (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۰۴ صفحے، قیمت : سے ر سے ر

کلیات شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے بیس سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت :- عہ

افاداتِ مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۴۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت : ہے ر حجم ۲۷۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲ ر کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (از مولنا سید ریاست علی ندوی)

دار المصنفین کی جدید فہرست

اور کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف،

سنہ ۱۹۳۵ء سے ہم نے دارالمصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کر دی ہے، مکتبۂ دارالمصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہوگئی ہے، امید ہے کہ جو لوگ اس وقت تک دارالمصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دارالمصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ ۱۸ روپیے ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت عـــہ ۲۷/۸ ہے لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیے میں دیا جائیگا لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دارالمصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جا سکتا کمیشن کی رعایت بہر صورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی   مینیجر دارالمصنفین   اعظم گڈھ

مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

جولائی ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

دار المصنفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد اول مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے، جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہو گئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۵۴۰ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت: للعہ، جلد دوم زیر طبع ہے، مرتبہ سید ریاست علی ندوی۔

تاریخ فقہ اسلامی، مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جسمیں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت: للعہ، مترجمہ مولنا عبد السلام ندوی،

رقعات عالمگیر اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں اس مجموعہ میں جمع کئے گئے ہیں اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۷۴۰ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت:- للعہ، مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی،

مقدمہ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ ضخامت ۴۸۰ صفحے، قیمت: صہ، مصنفہ سید نجیب اشرف ایم اے، ندوی،

الفاروق یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل، اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

مولنا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گراں پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیاے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت:- للعہ،

خلفائے راشدین، سیر المہاجرین کا حصہ اول، یہ چاروں خلفاء کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت: ہے، از مولنا حاجی معین الدین ندوی،

(دار المصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنفین اعظم گڈہ

جلد ۳۸ | ماہ ربیع الثانی مطابق ماہ جولائی ۱۹۳۶ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شذرات

اخبارون سے یہ معلوم ہوا ہوگا کہ ہندوؤن نے جن مین ان کے اہل قلم اور اہل سیاست دونون شامل ہین، ایک نئی مجلس کی بنیاد اس غرض سے ڈالی ہے کہ ہندی اس ملک کی مشترک زبان قرار دیجائے، چنانچہ پچھلے مہینہ اس کا جلسہ بہت دھوم دھام سے ناگپور مین ہوا اور یہ طے پایا کہ ہندوستان کی عام اور مشترک زبان "ہندی یعنی ہندوستانی" ہے،

آج تک اُس زبان کے جس کو اب غلطی سے اردو کہا جاتا ہے، دو نام تھے، ایک ہندی اور دوسرا ہندوستانی، پہلا نام مدت ہوئی کہ ناگری خط مین لکھی جانے والی بھاشا کا مشہور کیا گیا، اور اس کو یہ شہرت دی گئی کہ امتیاز کے لئے دوسری زبان کا نام اردو رکھنا پڑا، اور کبھی کبھی اُس کو ہندوستانی بھی کہا جانے لگا، اور خیال تھا کہ آہستہ آہستہ یہ نام پھیل کر اردو کے غلط نام کو مٹا دیگا، مگر ہندو مدبر یہ جانتے ہین کہ نام مین کتنی طاقت ہوتی ہے، اردو ہندوستانی بنکر ملک کی عام زبان ہونے کی سینکڑون دلیلوں کی ایک دلیل ہو جاتی، اس لئے ناگپور مین "ہندی یعنی ہندوستانی" کی عجیب و غریب تشریح سے ایک ہی حملہ مین دونون پر قبضہ جما لیا گیا،

ہم نے ہندی کے حامیون کی اس چال کو بہت پہلے سمجھ لیا تھا، اور آج سے چند سال پہلے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ مین ایک مقالہ کے ضمن مین یہ تجویز پیش کی تھی کہ ہم اپنی اس زبان کو اردو کے بجائے ہندوستانی کے نام سے یاد کرین، پھر معارف مین اس کی تحریک برابر جاری رکھی، بعض صوبون نے

اس تحریک پر عمل کرنا بھی شروع کر دیا تھا، گو بعض ناعاقبت اندیش مسلمانون نے اس کی مخالفت بھی کی، لیکن غور سے دیکھئے کہ ہندو اہل نظر ہماری اس تحریک پر کتنے چوکنے ہوئے، ان کو اسکے سوا کوئی چارہ نظر نہ آیا کہ وہ اپنی بھاشا کے لئے ہندی کے ساتھ ساتھ ہندوستانی کا لقب بھی فوراً اختیار کرین،

مولوی عبدالحق صاحب ناظم انجمن ترقی اردو نے جو اس کانفرنس مین شریک تھے، اس کانفرنس کی روداد پر اخبارون مین بہت اچھا تبصرہ لکھا ہے، اور حقیقت بات وہی ہے جو پروفیسر محیب (جامعہ ملیہ دہلی) نے خط بنام گاندھی جی مین لکھی ہے، کہ ہندوستان کی عام بننے والی زبان کا معیار رواج ہو، نہ کہ ہندی لغت، یہی بات ہم نے ناگری پرچارنی سبھا بنارس کے ایک یادگاری مجموعۂ مضامین مین لکھی تھی،

ہندی کے حامی اس بات کے درپے ہین کہ چند سو سال پہلے ہندی کے چند شاعرون نے جس زبان مین شاعری کی اسی کو ملک کی علمی ادبی اور عام زبان قرار دین، حالانکہ انصاف یہ ہے کہ آج پشاور سے کلکتہ تک جو زبان عام طور سے بولی چالی اور سمجھی جاتی ہے، وہی ملک کی عام زبان قرار دیجائے، مگر ہندی کے حامی ایک بات طے کر چکے ہین، اب دیکھنا ہے کہ ہندوستانی (اردو) کے حامی کیا طے کرتے ہین،

ایک نکتہ ہندوستان کے مسلمانون کے غور کے قابل ہے، اس ملک کے ہندوون نے خواہ وہ اپنے سیاسی مسلکوں مین کسی قدر مختلف ہون، ایک بات قطعی طور سے طے کر لی ہے، اور وہ یہ کہ ان کا قومی نصب العین یہ ہے کہ ہندوستان مین ہندو تہذیب و تمدن، کلچر اور ادب بلکہ حکومت تک کو دوبارہ قائم کیا جائے، اور "ہندوستان" کو بجا طور پر "ہندو استھان" بنایا جائے، اس مقصد پر آریہ سماجی اور سناتن دھرمی مہا سبھائی اور کانگریسی، جی حضوری اور آزاد، ملازم سرکار اور غیر ملازم سبھی متفق ہین، اور قوم کا ہر فرقہ اور ہر کارکن اپنے اپنے راستہ سے اسی منزل مقصود کی طرف برابر بڑھتا چلا جا رہا ہے، سوال یہ ہے کہ اس کے مقابلہ مین مسلمانون کا قومی نصب العین کیا ہے؟ اور وہ اس کے لئے کیا کر رہے ہین،

اگر برا نہ مانا جائے تو ہم بتائین، علمار نے یہ طے کیا ہے کہ وہ ایک دوسرے کی **تکفیر و تفسیق** کا مشغلہ جاری رکھینگے، اور عام تعلیم یافتہ سب سے پہلے نوکری، اور ان کے ممتاز افراد کونسلون کی ممبری، اور ہو سکے تو کسی نہ کسی طور سے وزارت کے حصول کی کوشش مین لگے رہین گے، اس سے آگے بڑھ کر نہ ان کا کوئی قومی نصب العین ہے اور نہ کوئی مطمح نظر ہے،

اب تو آرام سے گذرتی ہے
عاقبت کی خبر خدا جانے

انہی کونسلون کی پیچ در پیچ سیاستون نے ہمارے اس اسلامی صوبہ کا کیا حال کر رکھا ہے، جس پر ہندوستان کے تمام مسلمانون کا سارا بھروسہ ہے، یعنی پنجاب، ایک فیصدی اسلامی زیادتی کے بھی بیسیون متفرق و مختلف سیاسی فرقون مین بٹ کر بے کار ہو جانے مین کوئی شک نہین رہا، اور اس پر بھی مقصد متعین نہین، اور نصب العین ایک نہین،

ایسی صورت مین مسٹر جینا کی کوشش سے ملک مین جو مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ قائم ہوا ہے اور سب سے زیادہ یہ کہ اس نے اپنا جو منشورِ عمل (مینی فسٹو) شائع کیا ہے، اور مختلف الخیال مسلمانون کو چند دفعات پر جو متفق کیا ہے، وہ بہت کچھ حوصلہ افزا، اور مسلمانون کی پراگندگی کو ایک شیرازہ مین باندھنے والا ہے، گو ظاہر ہے کہ وزارت کے طلبگار اور حامی اس کا ساتھ نہ دینگے، کیونکہ اس منشورِ عمل کی کسی دفعہ مین یہ نہین بتایا گیا ہے کہ وزارت کس طرح مل سکیگی،

مقالات

جہانگیر کا علمی ذوق

از جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب رفیق دار المصنفین،

جہانگیر دعاؤں سے پیدا ہوا، حوصلوں اور تمناؤں میں پلا، اور ناز و نیاز کے ساتھ بڑھا، ہوش سنبھالا تو اپنے کو علم و کمال کے گہوارہ میں پایا، جب چار سال چار مہینے اور چار روز کا ہوا، تو علم پرور باپ نے اسکے رسم مکتب کی تقریب انجام دی، اور ملک الشعرا فیضی اور مولینا میر کلاں ہراتی کو اسکی تعلیم کیلئے مامور کیا، قطب الدین خان آتکہ، اور عبد الرحیم خان خانان اس کے اتالیق مقرر ہوئے، ایسے استادوں اور اتالیقوں کے فیض تعلیم کا جو خوشگوار نتیجہ ہونا چاہئے تھا، وہ ہوا، وہ علم و سخن کے آسمان پر ماہتاب بنکر چمکا،

عبد الرحیم خانخانان سے اس نے ترکی زبان سیکھی، وہ خود لکھتا ہے کہ "باوجودیکہ میں نے ہندوستان میں پرورش پائی ہے لیکن ترکی زبان کے بولنے اور لکھنے سے عاری نہیں ہوں"، تزک بابری کے آخر میں کچھ اجزا ترکی زبان میں لکھکر اضافہ کئے ہیں

فارسی زبان کا وہ ایک بے مثل انشا پرداز تسلیم کیا جاتا ہے، اس کا علمی شاہکار خود اسکی تزک ہے، جو سادگی، صفائی، بے تکلفی، بے ساختگی، اور قادر الکلامی کے لحاظ سے بے عدیل ہے، اس کتاب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ واقعات کو ایسے بے تکلف، برجستہ اور دلآویز طریقہ سے ادا کرتا ہے کہ بڑے بڑے انشا پرداز نہیں کر سکتے، وہ جب کسی جنگ کی ہنگامہ آرائیوں کی تصویر کھینچتا ہے، تو ہم میدان کارزار میں کھڑے نظر آتے ہیں، جب کسی جشن کی چہل پہل یا شبستان عیش کا نقشہ کھینچتا ہے تو

آنکھون کے سامنے اسکی ساری رنگینیاں اور سرمستیاں پھر جاتی ہین، جب وہ کسی علمی مسئلہ پر نکتہ سنجی کرتا ہی، تو مسئلہ کے ہر پہلو کو نمایاں کر دیتا ہے، جب وہ کسی مقام کا ذکر کرتا ہے، تو ایک محقق جغرافیہ دان کی طرح اس کے متعلق سارے معلومات فراہم کرتا ہے، جب وہ ایک شہر کی تاریخ، اور وہان کے لوگون کے رسوم و عادات کو تحریر کرتا ہے تو وہ ایک مورخ کی شان میں نظر آتا ہے، وہ جب پھولوں، پھلوں، پرندون اور جانورون کی جزوی تفصیلات کو بیان کرتا ہے، تو نہ صرف زبان کا لطف قائم رکھتا ہی بلکہ نباتات اور حیوانات کے ماہر ہونے کا ثبوت بھی دیتا ہے، یہان چند مثالیں ملاحظہ ہون،

سنہ ۱۶۱۲ء میں عثمان خان افغانی نے بنگالہ میں بغاوت کا علم بلند کیا، اس کے استیصال کے لئے جہانگیر نے شاہی لشکر بھیجا، اس جنگ کی جو قلمی تصویر اس نے کھینچی ہے، وہ یہ ہے:

"درکنار نالہ کہ زمین آن تمام چہلہ و دلدل بود، جائے جنگ قرار داد، روز یکشنبہ ۹ محرم شجاعت خان ساعت جنگ اختیار نمودہ افواج قاہرہ را مقرر ساخت کہ ہر یک بجا و مقام خود رفتہ آمادۂ جنگ باشند، عثمان دران روز قرار جنگ با خود نداده بود، چون شنید کہ لشکر ہائے بادشاہی مستعد گشتہ آمدہ اند، ناچار او ہم سوار شدہ بہ کنار نالہ آمد، و سوار و پیادۂ خود را در برابر افواج منصورہ باز داشت، چون ہنگامہ جنگ گرم گشت و فوج بہ فوج رو بروئے خود متوجہ گردید، دریں مرتبہ اول آن جاہل خیرہ سر فیل مست جنگی خود را پیش انداختہ بر فوج ہراول می تازد، بعد از زد و خورد بسیار از سرداران ہراول سید اعظم بارہہ و شیخ اچھے، بدرجۂ شہادت می رسند سردار برانغار افتخار خان ہم در ستیز و آویز تقصیر نہ کردہ جان خود را نثار می نماید، و جمعے کہ با او بودند، آنقدر تلاش می کنند، کہ پارہ پارہ می شوند ہمچنان گروہ جرانغار کشور خان داد مردی و مردانگی داده خود را فدائے کار صاحب می سازد، با آنکہ تیرہ بختان نیز بسیار زخمی و کشتہ شدہ بودند، آن مدبر حساب لشکریان را از روئے

دانستگی و فہمیدگی بنجا نظر می آورد و شخص خود می سازد کہ سرداران ہراول و برانغار و جرانغار کشتہ شدند،
ہمیں قول ماندہ از کشتہ شدن و زخمی گشتن جمعیت خود بہ و آنکہ خود در ہمان گرمی بر قول می تازد و درین
جانب پسر و برادران و خویشان شجاعت خان و دیگر بندہ ہا راہ بر آن گمراہان گرفتہ بر مثال شیران
و پلنگان بہ پنجہ و دندان تلاش می کردند، چنانچہ بعضے درجۂ شہادت یافتند، و جمعی کہ زندہ ماندند
زخمہاے منکر برداشتند، درین وقت فیل مستی گجپت نام کہ فیل اول او بود، بر شجاعت خان
می دواند شجاعت خان دست بہ برچھہ بردہ بر فیل میزند آن فیل مستی را از برچھہ پرواست، دست بہ شمشیر بردہ
دو شمشیر پیے درپے می زند، از آن ہم چہ محابا بعد از آن جمدھر کشید، و جمدھر می رساند، بآن ہم
برنمی گردد، و شجاعت خان را با اسپ زیر می کند، بمجرد از اسپ جدا شدن جہانگیر شاہ گفتہ
بر می جہد و جلودار او شمشیر دو دستی بر دستہاے فیل رسانیدہ و چون فیل بزانو در می آید، اتفاقاً
جلودار فیلبان را از بالاے فیل بزیر می کشد، و ہمان جمدھر کہ در دست داشت، درین پیادگی
بہ نوعے بر خرطوم و پیشانی فیل می زند، کہ فیل از الم آن فریاد زنان برمی گردد، چون زخمہا
بسیار داشت بہ فوج خود رسیدہ می افتد و اسپ شجاعت خان سالم برمی خیزد و درحینیکہ سوار
می شد، آن مخذولان فیل بر علمدار او می دوانند و علم او را با اسپ زیر می کنند و از آنجا شجاعت خان نعرۂ
مردانہ برکشیدہ علمدار را جری می سازد و می گوید کہ مردانہ باش من زندہ ام و در پاے علم درین وقت تنگ
ہرکس از بندہاے درگاہ حاضر بودند، دست بہ تیر و جمدھر و شمشیر بردہ بر فیل می دوند، و
شجاعت خان ہم خود را رسانیدہ، بہ علمدار، نہیب می دہد، کہ برخیز و اسپ دیگر بجہت علمدار
حاضر ساختہ، او را سوار می سازد و علمدار علم بر برافراختہ بر جاے خود می ایستد در اثناے این
گیرودار تفنگی بر پیشانی آں مقہور می رسد کہ زنندۂ آنرا ہرچند تفحص کردند، ظاہر نہ شد بہ مجرد
رسیدن این تفنگ از آں گرمی باز آمدہ می داند، کہ ازین زخم جان بری نیست تا دو پہر ہم

باوجود چنیں زخمی منکر مردم خود را بہ جنگ ترغیب می نمود، و معرکہ قتال و جدال گرم بود، بعد

بعد ازاں غنیم رو گردانید، و افواج قاہرہ سر در پے آنہا می نہند، و زدہ زدہ آن مخذولان

را در محلے کہ دائرہ کردہ بودند، درمی آورند، آن مخذولان بہ تیر و تفنگ مردم را نگاہ

داشتہ نمی گذارند کہ مردم بادشاہے بجا و مقام آنہا در آیند، چوں ولی برادر عثمان و ممریز پسر او

و دیگر خویشاں و نزدیکان او بر زخم عثمان مطلع می شوند، بخاطر می گزرانند کہ ازین زخم خود

او را خلاصی میسر نیست، اگر ما ہمچنیں شکستہ و ریختہ بر قلعہ خود در دیم یکس زندہ نخواہد رسید،

صلاح درنیست کہ امشب کہ درہمیں جا کہ دائرہ کردہ ایم بمانیم، و آخر شب فرصت

جستہ، خود را بہ قلعہ خود رسانیم دو پہر از شب گذشتہ عثمان بجہنم واصل می گردد...... الخ[۱]

وہ عیش و نشاط کی بزم کی تصویر بھی اسی جوش و خروش کے ساتھ کھینچتا ہے، تخت نشینی کے بعد پہلے

نوروز کے جشن کا مرقع اس طرح سج کر تیار کرتا ہے،

"شب سہ شنبہ یازدہم ذی قعدہ ۱۰۱۴ھ سنہ ہزار و چہاردہ صبح کہ محل فیضان نور رست حضرت

نیر اعظم از برج حوت بخانہ شرف و خوش حالی خود کہ برج حمل باشد، انتقال فرمود

چون اولیں نوروز از جلوس ہمایون بود، فرمودم کہ ایوانہائے دولت خانہ خاص و عام

بدستور زمان والد بزرگوارم در اقمشہ نفیسہ گرفتہ، آئینے در غایت زیب و زینت بستند و از

روز اول نوروز تا نوزدہم، در جہ حمل کہ روز شرف است خلایق داد عیش و کامرانی داد

اہل ساز و نغمہ از ہر طائفہ و ہر جماعت جمع بودند، لولیان رقاص و دلبران ہند کہ بکرشمہ

دل از فرشتہ می ربودند، ہنگامہ مجلس را گرم داشتند، فرمودم کہ ہر کس کیفیات و مسکرات

انچہ می خواستہ باشند، بخورد، منع و مانعی نباشد"

---

[۱] تزک جہانگیری صفحہ ۴-۱۰۳، نولکشور پریس،

ساقی بنور بادہ برافروز جام ما،

مطرب بگو کہ کار جہان شد بکام ما"[1]

سن جلوس کے بارہویں سال میں شعبان کی چودہویں تاریخ کو نور جہان نے ایک مجلس جشن ترتیب دی، اس کا حال جہانگیر اس طرح لکھتا ہے:۔

"آخر ہائے روز پنجشنبہ بست وششم موافق چہاردہم شہر شعبان کہ شب برات بود، در یکے از منازل وعمارات محل نور جہاں بیگم کہ درمیان تالابہاے کلاں واقع است، مجلس جشن نمودم، وامرا ومقربان را درین مجلس کہ ترتیب دادہ بیگم بود طلب داشتہ، حکم کردم کہ ہر دم پیالہ واقسام کیفیات بہ مقتضاے خواہش ہر کس بدہند، بسیارے پیالہ اختیار نمودند، فرمودم کہ ہر کس کہ پیالہ بخورد بہ مثل منصب وحالت خود نشیند، واقسام کبابہا ومیوہ ہا بطریق گزک مقرر شد کہ در پیش ہر کس بنہند، عجب مجلسے منعقد گشت، در آغاز شام بر اطراف تال وعمارات فانوسہا وچراغہا روشن ساختہ، چراغہانے بہم دست داد کہ تا این رسم را معمول ساختہ اند، شاید در ہیچ جا مثل این چراغانے نشدہ باشد، جمیع چراغہا وفانوسہا عکس در آب انداختہ بنوعے بنظر در می آمد، کہ گویا تمام صحن این تالاب یک میدان آتش است، بسیار شگفتہ مجلسے گذشت وپیالہ خواران زیادہ از حوصلہ طاقت پیالہا تناول نمودند"

دل افروز بزمے شد آراستہ	بخوبی بدانسان کہ دل خواستہ،
فگندند در پیش این سبز کاخ	بساطے چو میدان ہمت فراخ،
ز بس نکہت بزم می رفت دور،	فلک نافہ مشک بود از بخور،

[1] تزک جہانگیری صہ۲۱۳،

شدہ جلوہ گر از نیاں باغ ، رُخ افروختہ ہر یکے چون چراغ

وہ دقیق فلسفیانہ اور مذہبی مسائل کو اس سادگی، اختصار اور حسن و خوبی سے ذہن نشین کرتا ہے کہ دوسرے اہلِ قلم شاید متعدد صفحات کے سیاہ و سپید کرنے کے بعد بھی ویسی کامیابی حاصل نہین کر سکتے ، وہ ہندو پنڈتون کو بتانا چاہتا ہے، کہ حق تعالیٰ کی ذاتِ مقدس "جسم و چون و چگونگی سے منزہ" ہے ، چنانچہ لکھتا ہے ،

"روزے از پنڈتاں کہ عبارت از دانایان ہنود ست پرسیدم کہ اگر منتہاے وین شما بر فرود آمدن ذات مقدس حق تعالےٰ ست در دہ پیکر مختلف بطریق حلول آن خود نزد اربابِ عقل مردود است واین مفسدہ لازم دارد ، کہ واجب تعالیٰ کہ مجرد از جمیع تعینات ست صاحب طول و عرض و عمق بودہ باشد ، و اگر مراد ظہور نور الٰہی است درین اجسام آن خود در ہمہ موجودات مساوی است ، وباین دہ پیکر مختص نیست و اگر مراد اثبات صفتے از صفات الٰہی ست ، درین صورت ہم تخصیص درست نہ زیرا کہ در ہر دین وآئین صاحبان معجزات و کرامات ہستند کہ از دیگر مردمان زمان خود بدانش و فراست ممتاز بودہ اند ، بعد از گفت و شنود ، بسیار و رد و بدل بے شمار بخدائی خداے منزہ از جسم و چون و چگوں معترف گشتند و گفتند کہ چون اندیشہ ما در ادراک ذات مجرد ناقص است ، بے وسیلہ صورت راہ بمعرفتِ او نمی بریم واین دہ پیکر را وسیلہ شناخت و معرفت خود ساختہ ایم پس گفتم این این پیکر ہاے شما را وسیلہ مقصود بہ معبود تواند بود"[1]

وہ جب پھولون کا ذکر کرنے لگتا ہے، تو نباتات کے طالب العلم اپنی واقفیت میں نئے معلومات کا بیش قیمت اضافہ کر سکتے ہین ، آگرہ کے شاہی باغ گل افشان کے پھولوں کا ذکر اس طرح کرتا ہے

[1] تزک جہانگیری ص۱۹۱ ، نولکشور پریس ، ۵۲ ایضاً ص۱۵ ،

اوّل گل چنپہ گلی ست در نہایت خوشبوئے و لطافت بہیات گل زعفران لیکن رنگ چنپہ زرد مائل بسفید ی ست، درخت آن در غایت موزونی ست وکلان و پر برگ و شاخ وسایہ دار درایام گل یک درخت باغے را معطر دارد، وازان گذشتہ گل کیوڑہ است کہ ہیئت و اندام غیر مکرر است، بوئے او در تندی و تیزی بدرجہ ایست، کہ از بوے مشک ہیچ کمی ندارد دیگر رائے بیل کہ در بو از عالم یاسمن سفید است، غایتًا برگہا یش دو سہ طبقہ بر روئے ہم واقع شدہ، دیگر گل مولسری است، کہ درخت آن نیز بسیار خوش اندام و موزون و سایہ دار است، و بوئے گل آن در نہایت ملامیت دیگر گل سیوتی کہ از عالم گل کیوڑہ است، غایتًا کیوڑہ خار دار است، وسیوتی خار نہ دارد، رنگ آن بزردی مائل است وکیوڑہ سفید رنگ ست ازیں گلہا واز گل چنبیلی کہ یاسمن سفید ولایت ست، روغنہاے خوشبو می سازند،[1]

جانورون کی تصویر جب وہ کھینچتا ہے، تو وہ اتنی صاف اور واضح ہوتی ہے، کہ علم الحیوانات کے ماہرین اس سے بہت کچھ سیکھ سکتے ہیں ۱۰۲۱ھ میں مقرب خان کھمبائت سے ایک عجیب و غریب جانور ساتھ لایا، اوس کا بیان جہانگیر اس طرح دیتا ہے، جو انشا پردازی، اور لطافت بیان کا اعلیٰ نمونہ ہے،

"یکے از جانوران درجثہ از طاؤس مادہ کلاں تر، واز نر فی الجملہ خورد تر گاہے کہ در مستی جلوہ نماید، دُم خود را و دیگر پر ہارا طاؤس آسا پریشاں می سازد، و برقص در می آید، سر و گردن وزیر حلقوم او ہر ساعت بہ رنگے ظاہر می گردد، وقتیکہ در مستی ست سرخ سرخ است، گویا کہ تمام را بہ مرجان مرصع ساختہ اند، و بعد زمانے ہمیں جاہا سفید می شود، و بہ طریق پنبہ نظر در می آید، بوقلمون آسا ہر زمان برنگے دیگر دیدہ می شود،"

[1] تزک جہانگیری ص ۴۴

دو پارچہ گوشتی کہ بر سر دارد، بہ تاج خروس مشابہ است، غریب این است کہ در ہنگام مستی پارچہ گوشت مذکور بطریق خرطوم از بالائے سراو، تا یک وجب می آویزد و بارکہ آنرا بالا می کشد، چوں شاخ کرگدن بر سرِ او مقدار دو انگشت نمایاں می گردد، اطراف چشم او ہمیشہ فیروزہ گون ست[۵۱]"

جہانگیر جب کسی جگہ کے کیف پرور اور خمار آگین مناظر سے متاثر ہوتا تھا، تو اپنی کیفیات و جذبات کو اسی انداز سے تحریر میں لاتا تھا، کشمیر کو دیکھ کر مست ہو جاتا ہے، اور پھر لکھتا ہے،

"کشمیر باغے است ہمیشہ بہار یا قلعہ ایست آہنیں حصار بادشاہاں را گلشنے است عشرت افزا و درویشاں را خلوتکدۂ دلکشا چمنہاے خوش و آبشار ہاے دلکش از شرح و بیان افزون آبہاے رواں و چشمہ سارہاے از حساب و شمار بیرون، چندانکہ نظر کار کند سبزہ است و آب رواں گل سُرخ و بنفشہ و نرگس خود رو صحرا صحرا انواع گلہا و اقسام ریاحین ازاں بیشتر است کہ بشمار در آید، در بہار جان نگار کوہ و دشت از اقسام شگوفہ مالا مال، در و دیوار و صحن و بام خانہا از مشعل لالہ بزم افروز و گلہاے مسطح و سہ برگلہا مئے مبروج را چہ گوید،

شدہ جلوہ گر نازنینانِ باغ،	رخ آراستہ ہر یکے چون چراغ
شدہ مشک بو غنچہ در زیر پوست،	چون تعویذ مشکیں بباز و ے دوست
غزل خوانی بلبلِ صبح خیز،	تمنا ے مے خوارگان کردہ تیز،
بہر چشمہ منقار بط آب گیر،	چو مقراض زریں بقطع حریر،
بساطِ گل و سبزہ گلشن شدہ	چراغِ گل از باد روشن شدہ

[۵۱] تزک جہانگیری بحوالہ مقالات شبلی تنقیدی جلد چہارم ص ۸۴-۸۵،

بنفشہ سر زلف را خم زدہ گرہ در دل غنچہ محکم زدہ؛[1]

جب وہ سوگوار اور مغموم ہوتا ہے، تو اسی دردناک پیرایہ میں اپنے غم کا اظہار کرتا ہے، خسرو کی ماں خسرو کی باغیانہ اور ناشایستہ حرکتوں سے عاجز آکر افیون کھا لیتی ہے، اسکی موت پر جہانگیر جس طرح ماتم کرتا ہے، وہ ملاحظہ ہو:-

از خوبی ہاو نیکذاتی ہائے او چہ می نویسم عقلے بہ کمال داشت، و اخلاص او بہ من در درجہ بود کہ ہزار پسر و برادر را قربان یک موے من می کرد مکرر بہ خسرو مقدمات نوشت و او را دلالت بہ اخلاص و محبت من می کرد، چون دید کہ ہیچ فائدہ ندارد..... از غیرتے کہ لازمۂ طبیعت راجپوتانی است، خاطر بر مرگ خود قرار داد..... روز شنبہ و ششم ذی الحجہ ۱۰۱۳ھ افیون بسیار در عین سوزش دماغ خوردہ در اندک زمانے در گذشت..... از فوت او بنا بر تعلقے کہ داشتم، ایامے بر من گذشت، کہ از حیات و زندگانی خود ہیچ گونہ لذتے نہ داشتم چہار شبانہ روز کہ سی و دو پہر باشد از غایت کلفت و اندوہ از ماکول و مشروب وارد طبیعت نہ گذشت، چوں ایں قصہ بہ والد بزرگوارم رسید دلاسا نامہ در غایت شفقت و مرحمت بدیں مرید فدوی صادر گشت و خلعت و دستار مبارک کہ از سر بر داشتہ بودند، ہماں طور بستہ بجہت من فرستادند، ایں عنایت آبے بر آتش سوز و گداز من زدہ اضطراب و اضطرار مرا فی الجملہ قرارے و آرامے بخشید،"[2]

جہانگیر کی یہ قادر الکلامی صرف نثر ہی تک محدود نہیں تھی، بلکہ اسکی نکتہ سنج اور سخن شناس طبیعت میں شعر و شاعری کا بھی اعلیٰ ذوق تھا، بقول مولانا شبلی "سلسلۂ تیموریہ میں یوں تو ہر فرمانروا سخن فہم و ادا شناس گذرا ہے، لیکن جہانگیر اس فن میں اجتہاد رکھتا تھا، وہ فطرۃً محبت کیش تھا، اور ازل سے

ا تزک جہانگیری ص ۳۰۳، ۲ ص ۵۲ رر ص ۲۷

درد مند دل لیکر آیا تھا، اس کا اثر اگرچہ اوس نے آئین و نظام سلطنت میں چنداں نمایاں نہونے دیا، یہاں تک کہ تزک میں نور جہان کا جہان جہاں ذکر آیا، مطلق نہیں معلوم ہوتا کہ یہ نام اس کی زبان سے لذّت لے کر نکلتا ہے، تاہم عشق اس کا خمیر تھا، اور چونکہ فیضی کا شاگرد رشید تھا، اسلئے شعر و شاعری کا نکتہ داں اس سے بڑھکر کون ہوسکتا تھا" (شعر العجم حصہ سوم ص ۱۶۵)

وہ خود شاعر تھا، چنانچہ مندرجۂ ذیل اس کی ایک غزل ہے، جو سلاست اور رنگینیِ بیان کے لحاظ سے خوب ہے،

من چوں کنم کہ تیرِ غمت بر جگر رسد ۔۔۔ تا چشم نارسیدہ دگر بر دگر رسد

مستانہ می خرامی و مست تو عالمی ۔۔۔ اسپند می کنم کہ مبادا نظر رسد

در وصلِ دوست مستم و در ہجر بے قرار ۔۔۔ داد از چنیں غمے کہ مرا سر بسر رسد

مدہوش گشتہ ام کہ بپویم رہِ وصال ۔۔۔ فریاد ازاں زماں کہ مرا ایں خبر رسد

وقتِ نیاز و عجز جہانگیر سرِ سحر،
امید آنکہ شعلۂ نور اثر رسد[1]

مصنف مخزن الغرائب نے جہانگیر کے جو چند اشعار نقل کئے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں،

ما نامہ بہ برگِ گل نوشتیم، ۔۔۔ شاید کہ صبا باو رساند،

رباعی

ہر کس بضمیر خود صفا خواہد داد، ۔۔۔ آئینۂ خویش را جلا خواہد داد

ہر چہ کہ شکستہ بود دستش گیر ۔۔۔ بشنو کہ ہمیں کاسہ صدا خواہد داد،

رباعی

اے آنکہ غمِ زمانہ پاکت خوردہ ۔۔۔ اندوہ دل وسوسہ ناکت خوردہ

[1] تزک جہانگیری ص ۲،

مانند قطرہائے باراں بزمین، جاگرم نکردہ کہ خاکت خوردہ،

(مخزن الغرائب قلمی نسخہ مملوکہ دار المصنفین ورق ۸۵)

وہ اکثر اساتذہ کے مقابلہ میں شعر کہتا، ایک بار امیر الامرا کا یہ شعر اسکے سامنے پڑھا گیا،

بگذر مسیح از سرِ ما کشتگانِ عشق، یک زندہ کردنِ تو بصد خوں برابر است

جہانگیر نے فوراً کہا،

از من متاب رُخ کہ نیم بے تو یک نفس یک دل شکستنِ تو بصد خوں برابر است

علی احمد مہرکن نے بھی اس پر ایک شعر کہا، جو جہانگیر کو بہت پسند آیا، وہ شعر یہ تھا،

اے محتسب ز گریۂ پیرِ مغاں بترس یک خم شکستنِ تو بصد خون برابر است[1]

ایک دفعہ عبد الرحیم خان خاناں نے مولینا جامی کی اس غزل پر غزل لکھی، جس کا ایک مصرع یہ ہے،

بہر یک گل زحمتِ صد خار می باید کشید،

جہانگیر کو یہ مصرع پسند آیا، اس نے فی البدیہہ مطلع کہا،

ساغرے بر رُخِ گلزار می باید کشید ابر بسیار است مے بسیار می باید کشید[2]

ماوراء النہر کے درویش صفت بزرگ خواجہ ہاشم سے جہانگیر خاص عقیدت رکھتا تھا، ایک بار خواجہ مذکور کے یہاں اوس نے ایکہزار مہر جہانگیری، اور اسی کے ساتھ اپنی کہی ہوئی مندرجۂ ذیل رُباعی بھیجی،

اے آنکہ مرا مہر تو بیش از بیش است از دولت یاد بودت اے درویش است

چندانکہ ز مژدہ ات دلم شاد شود، شادیم ز آنکہ لطفت از حد بیش است

---

[1] تزک جہانگیری ص ۱۱۲، [2] اقبال نامۂ جہانگیری و تزک جہانگیری ص ۲۲۵،

اسی کے ساتھ جہانگیر نے دربار میں فرمایش کی، کہ اسی مضمون کی، اور رباعیان کہہ کر طبع آزمائی کی جائے، حکیم مسیح الزمان نے ایک رُباعی کہی، جو جہانگیر کو بہت پسند آئی، وہ رباعی یہ تھی،

داریم اگرچہ شغلِ شاہی در پیش،   ہر لحظہ کنیم یاد درویشان بیش

گر شاد شود ز ما دلِ یک درویش   آنرا شمریم حاصلِ شاہی خویش،

جہانگیر نے خوش ہو کر حکیم مذکور کو ایک ہزار مہر انعام میں دیا[۱]،

سنہ ۶ جلوس شاہی میں جہانگیر موضع سمونگر شکار کے لئے گیا، اسی شکارگاہ میں ایک رات اس نے یہ شعر کہا،

بود بر آسمان تا مہر را نور،   مبادا عکس او از چتر شہ دور،

اور قصہ خوانون کو تاکید کی کہ سلام وصلوٰۃ بھیجتے وقت یہ شعر بھی پڑھا جائے[۲]،

سنہ ۱۲ جلوس میں سید عبد اللہ خان بارہہ شاہزادہ خرم کی یہ عرضداشت لے کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ عادل خاں، عنبر اور دکن کے تمام سرکشوں نے اطاعت اختیار کرلی ہے، جہانگیر یہ مژدہ سنکر نہایت خوش ہوا، اور شادیانے کے نقارے بجوائے، سید عبد اللہ خان کو سیف خاں کا خطاب دیا، شہزادہ خرم کے لئے ایک لعل بے بہا بھجوایا، اور عادل خاں کے نام فرمان جاری کیا جسمیں یہ طبعزاد شعر مرقوم کیا،

شدی از التماس شاہ خرم،   بفرزندی ما مشہور عالم[۳]

اسکے دوسرے سال عادل خان نے جہانگیر کی ایک تصویر کی درخواست کی، جہانگیر نے ایک لعل گران بہا و لعل خاصہ کے ساتھ اسکو اپنی تصویر عنایت کی، اور اس پر یہ رباعی دست خاص سے لکھ دی،

---

[۱] تزک جہانگیری ص ۱۵، [۲] ایضاً ص ۱۰۱، [۳] ایضاً ص ۱۹۳،

اے سوے تو دایم نظرِ رحمتِ ما آسودہ نشیں بسایۂ دولتِ ما
سوئے تو شبیہ خویش کردیم رواں تا معنی ما بہ بینی از صورتِ ما[1]

۱۴ سنہ جلوس میں جہانگیر کلانور میں مقیم تھا کہ خان عالم جو شاہ عباس کے پاس ایران قاصد بنا کر بھیجا گیا تھا، واپس آیا، جہانگیر اسکے ساتھ بہت ہی لطف و عنایت کے ساتھ پیش آتا تھا، جب اوس کے نزدیک آنے کی خبر ہوئی، تو اوس نے اُسے مندرجۂ ذیل مطلع لکھ کر عطر جہانگیری کے ساتھ بھیجا،

بسویت فرستادہ ام بوے خویش کہ آرم ترا زود تر سوے خویش[2]

جہانگیر کے شاعرانہ ذوق کی ایک دلیل یہ بھی ہے، کہ وہ اپنے سکوں پر بھی اسکا مظاہرہ چاہتا تھا، چنانچہ سو تولے، پچاس تولے، بیس تولے اور دس تولے کی مہروں پر یہ بیت لکھی ہوئی تھی،

بخط نور بر زر کلکِ تقدیر، رقم زد شاہ نور الدین جہانگیر،

مصرعوں کے درمیان میں جگہ چھوڑ کر کلمہ اور دوسری طرف یہ بیت جس سے تاریخ بھی نکلتی ہے منقش تھی،

شد چو خور زیں سکہ نورانی جہان آفتابِ مملکت تاریخ آن،

ایک دوسرے سکہ پر یہ شعر تھا،

روے زر را ساخت نورانی برنگ مہر و ماہ شاہ نور الدین جہانگیر ابن اکبر بادشاہ

جب نور جہاں کا اقتدار جما تو سکہ پر یہ شعر ثبت کیا،

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور بنام نور جہان بادشاہ بیگم زر

[1] و [2] تزک جہانگیری ص ۲۴۶، ص ۵۲ ر ص ۲۷

جہانگیر کی سخن فہم اور ذوق شناس طبیعت کبھی یہ گوارا نہیں کرتی تھی، کہ اسکے سامنے شاعری میں کسی قسم کی بدمذاقی کی جائے، ایک دفعہ ایک شاعر نے جہانگیر کی مدح میں قصیدہ لکھکر پیش کیا مطلع کا پہلا مصرع یہ تھا،

اے تاجِ دولت برسرت از ابتدا تا انتہا،

جہانگیر نے کہا تم عروض بھی جانتے ہو، ؟ شاعر نے کہا حضور نہیں، جہانگیر نے کہا اچھا ہوا، ورنہ تمھارے قتل کا حکم ہوتا، پھر مصرع کی تقطیع کرکے بتایا کہ دوسرا رکن یوں آتا ہے "لت برسرت او" یہ سخت بے ادبی ہے،

مولینا شبلی تذکرۂ سرخوش سے شعر العجم حصہ سوم میں ایک اور واقعہ نقل کرتے ہیں، کہ اس زمانہ میں مئی تخلص کا ایک شاعر تھا، جو قوم کا کلال تھا، کلالوں کی قوم شاہی درباروں میں دربانی اور چاؤشی کے لئے مخصوص تھی، مئی نے نورجہاں بیگم کے توسل سے جہانگیر کے دربار میں شاعری کی تقریب سے رسائی پیدا کرنی چاہی، جہانگیر نے کہا کہ ان لوگوں کا کام چاؤشی اور سواری کا اہتمام ہے، ان کو شاعری سے کیا مناسبت، لیکن نورجہان کی خاطر عزیز تھی، اجازت دی، مئی نے یہ شعر پڑھا،

مئی بگر یہ سرے دار داے نصیحت گر   کنارہ گیر کہ امروز روز طوفان است

جہانگیر نے کہا دیکھا وہی اپنے پیشہ کی رعایت، دوسرے موقع پر پھر نورجہان بیگم نے تقریب کی، مئی نے مطلع پڑھا،

من می روم و برق زنان شعلۂ آہم   اے ہم نفسان دور شوید از سر راہم،

جہانگیر نے ہنسکر کہا وہ اثر کہاں جا سکتا ہے،[۱]

یہاں پر بے موقع نہ ہوگا کہ اگر ہم ان اشعار کا ذکر کریں، جن کو جہانگیر نے خاص طور پر پسند کیا،

---

[۱] تذکرۂ سرخوش و ذکر مئی، و شعر العجم حصہ سوم، ص ۹،

اور ان پر اپنی رائے ظاہر کی، تاکہ ناظرین کو اس کا صحیح مذاق معلوم ہو، مولانا شبلی لکھتے ہین، کہ "جہانگیر کا ذوقِ شاعری اسی قدر صحیح تھا، جس قدر ایک بڑے نقادِ فن کا ہو سکتا ہے، جس شاعر کی نسبت اس نے جو کچھ لکھ دیا ہے، اس سے بڑھکر اسکے متعلق ریویو نہیں کیا جاسکتا"،

۱۳ سنہ جلوس میں مانڈو (فتح پور) کے ایک تال کے قریب فروکش ہوا، تو وہاں ایک ستون پر ایک رباعی لکھی ہوئی دیکھی، اسکے بارے میں لکھتا ہے،

"درمیانِ تال نشیمنے از سنگ واقع است بر یکے از ستونہا ایں رباعی شخصے ثبت نمودہ بود بنظر در آمد و مرا از جا در آورد، الحق از شعرہائے خوب است"۔ رباعی

یاران موافق ہمہ از دست شدند | در دستِ اجل یگاں یگاں پست شدند
بودند تنک شراب در مجلسِ عمر | یک لحظہ زما بیشترک مست شدند

اسکے بعد فوراً ہی لکھتا ہے،

"دریں وقت رباعی دیگر ہم ازیں عالم شنیدہ شد، چون بسیار خوب گفتہ آن را نیز نوشتم"

رباعی

افسوس کہ اہل خرد و ہوش شدند | از خاطر ہمدمان فراموش شدند،
آناکہ بصد زبان سخن می گفتند، | آیا چہ شنیدند کہ خاموش شدند،[۱]

ایک بار سلطان قوام کے بیٹے حسینی کی ایک رباعی اسکے سامنے پڑھی گئی، اسکو پسند آگئی، جو اس نے تزک میں بھی نقل کی ہے، وہ رباعی یہ ہے،

گردے کہ تر از طرفِ داماں ریزد | آب از رخِ سرمۂ سلیماں ریزد،
گر خاک درت بامتحاں بفشارند | از وے عرقِ جبینِ شاہاں ریزد،

---

[۱] تزک جہانگیری ص ۲۶۰، نولکشور پریس

اس رباعی کو نقل کرکے وہ لکھتا ہے:۔

"معتمد خان دریں وقت رباعی خواند، مرا بغایت خوش آمد، و در بیاض خود نوشتم،"

رباعی

زہرم بفراق خود چشانی کہ چہ شد   خوں ریزی و آستیں فشانی کہ چہ شد
اے غافل ازانکہ تیغ ہجر تو چہ کرد   خاکم بفشار تا بدانی کہ چہ شد[1]

یہ رباعی بابا طالب اصفہانی کی تھی،

سلطان سنجر کے ملک الشعراء معزی کا ایک قصیدہ جو اس نے سلطان کی مدح میں لکھا تھا اسکے سامنے پڑھا گیا، جسکا مطلع یہ تھا،

اے آسماں مسخر حکم روان تو،   کیوان پیر بندۂ بخت جوان تو،

اس مطلع کو سن کر وہ بہت محظوظ ہوا، اور اس قصیدہ کی تعریف تزک میں کرتا ہے، کہ

"بغایت سلیس و ہموار گفتہ"،

سعیدائے زرگر باشی نے اس قصیدہ کے تتبع میں ایک قصیدہ کہکر جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا، جہانگیر نے پسند کیا، اسکی تعریف کرتے ہوئے کچھ اشعار تزک میں نقل کئے ہیں،[2]

ایک بار ایک ہندو شاعر نے جہانگیر کے سامنے ایک اچھوتے مضمون کی نظم پڑھی، جس کا حاصل یہ تھا، کہ اگر آفتاب کے کوئی بیٹا ہوتا، تو کبھی رات نہ ہوتی، کیونکہ جب آفتاب چھپ جاتا، تو اس کا بیٹا اسکے بجائے عالم افروزی کرتا، خدا کا شکر ہے کہ آپ کے والد کو خدا نے ایسا بیٹا دیا، کہ لوگوں نے انکے انتقال کا غم نہ کیا، آفتاب کو رشک ہے کہ آپ کے طالع کی روشنی اور عدالت کے نور سلطنت میں کہیں رات نہیں، جہانگیر اس اچھوتے خیال کو سنکر بہت محظوظ ہوا، اور ایک ہاتھی انعام میں

---

[1] تزک جہانگیری ص ۲۰۹، نولکشور پریس، [2] ایضاً ص ۲۴۲،

میں دیباچہ لکھتا ہے،

"این تازگی مضمون از شعرائے ہند کم بگوش رسیدہ، بہ جلدوی این مدح فیلے باو مرحمت کردم"

جہانگیر کے حکم سے ان اشعار کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا گیا، جو حسب ذیل ہے:-

گر پسر داشتی جہاں افروز | شب نہ گشتی ہمیشہ بودی روز
زانکہ چون او نہفتہ افسر زر | بہ نمودی کلاہ گوشہ پسر
شکر کز بعد آن چنان پدرے | جانشین گشت این چنین پسرے،
کہ ز شنقار گشتن آن شاہ | کس بہ ماتم نہ کرد جامہ سیاہ[1]

جہانگیر کو طالب آملی کے مندرجۂ ذیل اشعار بہت مرغوب تھے،

زغارت چمنت بر بہار منتہا است | کہ گل بدست تو از شاخ تازہ تر ماند
لب از گفتن چنان بستم کہ گوئے | دہان بر چہرہ زخمی بود و بہ شد
عشق در اول و آخر ہمہ ذوق است سماع | این شرابے است کہ ہم پختۂ و ہم خام خوش است
گر من بجائے جوہر آئینہ بودمے | بورونما ترا بتو کے می نمودمے،
دو لب دارم یکے در می پرستے | یکے در عذر خواہی ہائے مستے

جہانگیر کے اس انتخاب پر مولانا شبلی لکھتے ہیں، کہ "خود طالب اس سے اچھا انتخاب نہیں کر سکتا تھا"[2]

شعراو علما کی سرپرستی، شہزادگی کے زمانہ سے شعراء اسکے دربار میں ملازم رہتے تھے، تخت سلطنت پر بیٹھا تو دربار شعراء سے بھرا ہوا تھا، مگر اس نے مردم شناسی سے کام لے کر کمسن طالب آملی کو اپنے دربار کا ملک الشعراء بنایا، طالب آمل کا رہنے والا تھا، جو مازندران کا ایک شہر ہے، سولہ برس کی عمر میں اس نے

[1] تزک جہانگیری ص ۲۰۰، [2] شعر العجم حصہ سوم ص ۸۔

ہندسہ، منطق، ہیئت، فلسفہ، تصوف، اور خوشنویسی میں کمال حاصل کرلیا تھا، تیموری حکمرانوں کی فیاضیاں سن کر ہندوستان آیا، اور جہانگیر کے دربار میں ۲۰ برس کی عمر میں ملک الشعراء کے عہدہ پر ممتاز ہوا، اور آخر تک جہانگیر کی شاہانہ سرپرستی میں نہایت عزت و احترام سے زندگی بسر کی، صرف ایک موقع ایسا پیش آیا، کہ کسی بات پر جہانگیر ناراض ہوگیا، اور طالب چند روز تک شرفِ حضور سے محروم رہا، اس واقعہ کو وہ نہایت لطیف پیرایہ میں ایک قصیدہ میں ادا کرتا ہے،[۱]

نظیری نیشاپوری بھی اس کے دربار سے بسلسلۂ ملازمت منسلک تھا، ۵ھ جلوسِ شاہی میں اس کا شہرہ سنکر جہانگیر نے دربار میں طلب کیا، نظیری نے انوری کے اس قصیدہ پر،

بازایں چہ جوانی و جمال ست جہاں را

ایک قصیدہ لکھکر پیش کیا، جہانگیر نے اس کے صلہ میں ہزار روپیہ، گھوڑا، اور خلعت عطا کیا، اور اپنے دربار میں ملازم رکھ لیا[۲] جہانگیر نے ایک دفعہ اس سے ایک عمارت کے کتبہ کی فرمایش کی، اس نے ایک غزل لکھ کر پیش کی، جسکا مطلع یہ تھا،

اے خاکِ درت صندلِ سرگشتہ سراں را بادہ مژہ، جاروبِ رہت تاجوراں را

جہانگیر نے اس کے صلہ میں تین ہزار بگہہ زمین انعام میں دی[۳]،

عرفی بھی جہانگیر کی سرپرستی کا رہینِ منت رہا، جہانگیر نے اپنے ایام شاہزادگی میں قاصد بھیجکر اس کو دربار میں بلایا، اور قصیدہ لکھنے کی فرمایش کی، تمام تذکرے متفق ہیں کہ عرفی شہزادہ سلیم کا جاندادہ تھا، وہ اپنی زندگی کی ۳۶ ویں بہاریں گذار رہا تھا، کہ حاسدوں نے اسکو زہر دیدیا، بعضوں نے لکھا ہے کہ زہر دینے کی وجہ شہزادہ سلیم کیساتھ عشق کا اظہار تھا،

---

[۱] قصیدہ شعر العجم حصّہ سوم ص ۱۰۰ میں دیکھو، [۲] تزک جہانگیری ص ۹۲، [۳] سرو آزاد بحوالہ شعر العجم حصّہ سوم ص ۱۴۰،

ملا حیاتی گیلانی بھی جہانگیر کے دربار سے منسلک تھے، گیلان کے رہنے والے تھے، عراق و خراسان میں قسمت آزمائی کرنے کے بعد ہندوستان پہنچے حکیم ابوالفتح گیلانی کی وساطت سے اکبری دربار میں متعارف ہوئے، اکبر کے بعد جہانگیر کی ملازمت میں آئے، وہ ان کو ہمیشہ سفر و حضر میں ساتھ رکھتا تھا آخر عمر تک وہ جہانگیر کے جود و کرم سے فیضیاب ہوتے رہے، بہت ہی پرگو شاعر تھے، سات ہزار اشعار ان کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں، خسرو و شیریں کی بحر میں قصہ سلیمان و بلقیس لکھ کر جہانگیر کی خدمت میں پیش کیا، جہانگیر نے خوش ہو کر اس صلہ میں انھیں سونے میں تلوا کر سونا انعام دیا، مصنف میخانہ لکھتا ہے،

"مثنوی در بحر خسرو و شیریں مبنی بر قصہ سلیمان و بلقیس بنام ایں بادشاہ ستارہ سپاہ برشتۂ نظم در آورد، چون بسمع اشرف اقدس جہاں پناہ رسید، حیاتی را بصلۂ آں زر کشید تا حیاتی در حیات بود از بندگی ایں بادشاہ انجم سپاہ محروم نہ گشت، ہمہ جا در سفر و حضر خدمت آں حضرت بسری برد،"[1]

ان کے علاوہ اور جن شعراء نے جہانگیر کے جود و سخا کی زلہ ربائی کی وہ بابا طالب اصفہانی، ملا محمد صوفی، مانذرانی سیدائے گیلانی، میر معصوم کاشی، فسونی کاشی، ملا حیدر خصالی، اور رشید اتھے[2] جہانگیر کی قدردانیوں کے سبب دربار میں علماء بکثرت تھے، یہاں پر بے جانہ ہوگا، اگر ان میں سے ہم بعض کا تذکرہ کریں،

مولینا مرزا شکر اللہ شیرازی، شیراز، قزوین، عراق اور عرب سے علوم متداولہ حاصل کر کے ہندوستان آئے، نسخ تعلیق اور **علم سیاق** میں مہارت تامہ رکھتے تھے، پہلے عبدالرحیم خانخانان

---

[1] میخانہ مولفہ ملا عبدالنبی فخر الزمانی قزوینی، مرتبہ محمد شفیع ایم اے، ص ۵۳۶، [2] اقبالنامۂ جہانگیری معتمد خان بخشی، ص ۳۰۰، کلکتہ،

کی فیاضیوں کے خوشہ چیں ہوئے، پھر جہانگیر کی ملازمت میں آئے، جہانگیر نے انھیں شہزادہ خرم کی ماتحتی میں عہدۂ دیوانی پر مامور کیا، اپنے عہدہ میں بہت کامیاب رہے، پھر اودے پور کی مہم میں کچھ خدمتِ جلیلہ انجام دی، اس لئے جہانگیر نے ۱۰۲۴ھ میں انھیں افضل خاں کے خطاب سے مشرف کیا، اور اجمیر کا ناظم بنا کر بھیجا [۵۱]

مولینا تقیا ی شوستری شیراز سے تعلیم کی تکمیل کر کے ہندوستان آئے، ان کے بارے میں مآثر رحیمی کا مصنف لکھتا ہے،

"مولینا تقیا ی شوستری طالب علمے بے مثال و قرین ومنشی وشاعری سخن آفرین است در اقسام منظومات غیوری تخلص می فرماید"

جہانگیر نے انھیں صدارت کے منصب سے سرفراز کیا [۵۲]

جہانگیر کے عہد کے دوسرے علمار کے نام جو مصنف اقبال نامۂ جہانگیری نے بتائے ہیں، وہ یہ ہیں ملا روزبہان شیرازی، میر ابو القاسم گیلانی، امّی اعمری، ملا باقر کشمیری، ملا باقر ظھٹی، ملا مقصود علی تبریزی، قاضی نور اللہ، ملا فاضل کابلی، ملا عبد الحکیم سیالکوٹی، ملا عبد المطلب سلطانپوری، ملا عبد الرحمن بوہرہ گجراتی، ملا حسن فراغی گجراتی، ملا حسین گجراتی، خواجہ عثمان حصاری اور ملا محمد جونپوری [۵۳]

جہانگیر ہر مذہب وملت کے علمار سے بہت بے تکلفی کے ساتھ ملتا تھا، اور ان کے متعلق جو رائے ظاہر کرتا تھا، وہ بڑی محققانہ ہوتی تھی، شیخ عبد الحق دہلوی سے ملا، تو لکھتا ہے،:-

"مدّت ہاست کہ در گوشۂ دہلی بہ وضع توکل وتجرید بسر می برد، مرد گرامی ست صحبتش بے ذوق نیست، بہ انواع مراحم دلنوازی کردہ رخصت فرمودم"

انکی تصنیف تذکرۂ اولیاے ہند کے بارے میں رائے ظاہر کرتا ہے،:-

---

۵۱ مآثر رحیمی حصّہ سوم ص۳۰۰، ۵۲ ایضاً ص۱۰۱۲، ۵۳ اقبالنامۂ جہانگیری ص۳۰۸،

"کتابے تصنیف نمودہ بود مشتمل بر احوال مشائخ ہند بہ نظر در آمدہ خیلے زحمت کشیدہ"[۱]

میر عضد الدولہ نے جب فرہنگ جہانگیری پیش کی، تو اسکے متعلق جہانگیر لکھتا ہے

"الحق محنت بسیار کشیدہ و خوب پیروی ساختہ و جمیع لغات را از اشعار علمار قدما مستشہد آوردہ، درین فن کتابے مثل ایں نمی باشد"[۲]

مولینا شبلی جہانگیر کی اس رائے کی نسبت لکھتے ہیں، کہ "فارسی کا ایک محقق اس کتاب کی نسبت اس سے بڑھکر کیا رائے دیسکتا ہے، فارسی لغت میں جسقدر کتابیں اس وقت تک لکھی گئی تھیں کسی میں قدمار کے اشعار سے سند لانے کا التزام نہ تھا، اور فرہنگ جہانگیری کا یہی امتیازی وصف ہے"[۳]

وہ ہندو پنڈتوں اور درویشوں سے اسی فراخدلی، اور عقیدتمندی سے ملتا جسطرح علمائے اسلام سے پیش آتا تھا ۱۴ھ جلوس میں جب اوجین گیا، تو اسے معلوم ہوا کہ ایک سنیاسی مرتاض جدروپ نامی دنیا سے کنارہ کش ہو کر ایک دشوار گذار بھٹ میں رہتا ہے، جس کا طول ساڑھے پانچ گرہ اور عرض ساڑھے تین گرہ تھا، یہ اسقدر تنگ تھا کہ اس میں مشکل سے ایک شیر خوار طفل سما سکتا تھا، جہانگیر کو اس سے ملنے کا شوق پیدا ہوا، وہاں تک سواری پہنچ نہ سکتی تھی، اگر وہ تین میل پاپیادہ چلکر وہاں پہنچا، اور چھ گھڑی اس کی صحبت میں رہا، اس ملاقات کی نسبت لکھتا ہے:

"الحق کہ وجودش بغایت مغتنم است، در مجلس او محفوظ و مستفید می توان شد، علم بیدانت را کہ علم تصوف باشد، خوب ورزیدہ، تا شش گھڑی بہ او صحبت داشتم، سخناں خوب مذکور ساخت، چنانچہ خیلے در من اثر کرد"

اس ملاقات سے وہ سیر نہیں ہوا، پھر گیا، چنانچہ لکھتا ہے:۔

"باز خاطر را بملاقات گسائیں جدروپ رغبت افزود، بے تکلفانہ بکلبۂ او شتافتہ صحبت

---

۱ تزک جہانگیری ص ۲۸۴، ۲ ایضاً ص ۲۰۲، ۳ مقالات شبلی جلد چہارم ص ۱۱۳

داشتہ شد، سخنان بلند درمیان آمد حق جل وعلیٰ غریب توفیقے کرامت فرمودہ فہم عالی فطرت بلند ومدرکہ تند را با دانش خدادادجمع ودل آزاد ساختہ پشت پا برعالم ومافیہا زدہ درگوشۂ تجرید مستغنی وبے نیاز نشستہ"،

اوجین سے رخصت ہوتے وقت اس کے پاس پھر ملاقات کو گیا، الوداعی ملاقات اس پر شاق گذری، لکھتا ہے،

"باز بملاقات گسائیں رفتہ ازو وداع شدم، بے تکلف جدائی از صحبتِ او برخاطر حقیقت گزین گرانی نمود"[1]

جہانگیر اور کتبخانہ و مدارس

جہانگیر ایک شاندار کتب خانہ کا مالک تھا، مکتوب خان اس کا مہتمم تھا، جب وہ سفر میں جاتا تو بھی ایک کتبخانہ ساتھ لے جاتا تھا، چنانچہ تزک میں ہے کہ جب وہ گجرات پہنچا، تو وہاں کے مشائخ کو اپنے کتبخانہ سے تفسیر حسینی، تفسیر کاشفی، اور روضۃ الاحباب نذر کیا،

اس نے مدارس کی تعمیر کا یہ اہتمام رکھا تھا، کہ جب کوئی امیر یا متمول مسافر لا وارث مرجاتا، تو اس کے مال ومتاع سے مدارس اور خانقاہیں بنواتا تھا[2] تاریخ جان جہاں میں ہے کہ اس نے ان تمام مدارس کو ازسرنو ترتیب دیا، جو گذشتہ تیس سال سے پرندوں اور چوپایوں کے مسکن بنے ہوئے تھے،[3]

[1] تزک جہانگیری ص ۲۸۳، [2] منتخب اللباب خافی خان، [3] تاریخ جان جہان بحوالہ پروموشن آف محمڈن لرننگ ص ۱۰۵،

مقالاتِ شبلی (تنقیدی) جلد چہارم

یعنی مولیٰنا شبلی مرحوم کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ جس میں ہمایوں نامہ، مآثر رحیمی، تزک جہانگیری وغیرہ جیسی اہم کتابوں پر مفصل ریویو ہے،

ضخامت:- ۱۹۰ صفحے، قیمت:- ۱۲؎

منیجر

دیوان شمس تبریز اور مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۷)

دیوان میں حضرت شمس کی قونیہ کی واپسی پر جگہ جگہ مسرت و خوشی کا اظہار پرجوش طریقہ پر کیا گیا ہے

مسکین دل و آوارہ آن گم شدہ یکبار ۔۔۔ چوں بشنود ایں چارہ خوش رقص کناں آمد

بہار آمد بہار آمد بہار خوش عذار آمد ۔۔۔ خوش و سرسبز شد عالم اوان لالہ زار آمد

صنوبر گفت راہ سخت گیسان شد بفضل حق ۔۔۔ کہ ہر برگے کہ سر بر زد چو تیغ آبدار آمد

ز شمس الدین تبریزی رسد بادم بنوروزی ۔۔۔ کہ ہر قطرہ ازاں جرعہ چو در شاہوار آمد

بہار آمد بہار آمد بہار مشکبار آمد ۔۔۔ نگار آمد نگار آمد نگار بردبار آمد

سماع آمد سماع آمد سماع بے صداع آمد ۔۔۔ وصال آمد وصال آمد وصال پایدار آمد

صلایا ایہا العشاق کان مہر و نگار آمد ۔۔۔ میان بندید عشرت را کہ یار اندر کنار آمد

مہ دی رفت و بہمن رفت ساقی نو بہار آمد ۔۔۔ زمین سرسبز و خرم شد اوان لالہ زار آمد

الا اے شمس تبریزی تو ئی سبزی ہر بستان ۔۔۔ شقائقہا و ریحان ہا ز خوبت خوش عذار آمد

حضرت شمس کی واپسی کے بعد ایک عرصہ تک علم و عمل اور ذوق وحال کی مجلس نہایت گرم رہی

"مدتے بسیار برین سیاق از وفاق بے نفاق روز و شب در ذوق جمعیت می بودند"

"شب و روز بصحبت یک دگر مستغرق می بودند"

(سپہ سالار صفحہ ۶)

اتفاقاً پھر بعض اصحاب کو حضرت شمس کی طرف سے خلش ہوئی، ان میں علاء الدین چلپی مولینا کے فرزند متوسط بھی تھے، یہ لوگ حضرت شمس کے استخفاف پر آمادہ ہوئے، اور موجب انفعال حرکات ان سے سرزد ہوئے، حضرت شمس کمال حلم سے خاموش رہے، لیکن ایک دن سلطان ولد کو اشارۃً اس حال کی طرف توجہ دلائی، اور اسی دوران میں غائب ہوگئے،

"دران مدت ناگاہ غیبت فرمود حضرت خداوندگار رکی الصباح چون در مدرسہ آمد، و خانہ را از ایشان خالی یافت، چون ابر بگرشید و روز و شب در فراق آنحضرت غزلیات بیان می آوردند" (سپہ سالار)

دمشق کی طرف حضرت شمس کی دوبارہ واپسی، دیوان میں اوس کی شہادت، دیوان میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے،

شہ شمس تبریزی مگر چون باز آمد از سفر | یک چند بو د اندر سفر نہ چو عنقا بے نشان

آخر کار درد ہجر کی شدت سے بیتاب ہو کر حضرت شمس کی تلاش میں مولینا دمشق تشریف لے گئے، کئی اصحاب بھی ہمرکاب سعادت تھے،

"حضرت خداوندگار عظم اللہ ذکرہ جہت حکمت و مصلحت بطلب ایشان با تمامت عزیزان و مقربان بمحروسہ دمشق رفتند" (سپہ سالار ص ۶۹)

مولینا کا سفر دمشق، دیوان میں اس واقعہ کا اظہار، دیوان میں اس سفر کے متعلق یہ شعر ہے،:-

از حد چو شد درد دم در عشق سفر کردم | یارب چہ سعادتہا کز این سفرم آمد

تاریخ اور دیوان کے اس ربط سے ہمارے اس دعویٰ کی مزید تصدیق اور تائید ہوتی ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولینائے روم کے ابیات کا مجموعہ اور انہی کے جذبات کی ترجمانی ہے،

غزل را از زبان شاہ گفتم | کہ شاہم جز کہ جو یارا نخواہد،

چند مزید قطعی شہادتین

ابتک داخلی ثبوت مین جو براہین ہم نے پیش کئے ہین، ان کے اثبات کیلئے تاریخ وتذکرہ سے مقابلہ کرنا پڑا، لیکن ذیل مین ہم ایسے دلائل پیش کرتے ہین، جو اپنے آپ اس امر کے قطعی شواہد ہین، کہ دیوان شمس تبریز مولانا ے روم کے افکار کا مجموعہ ہے،

ہم نے گذشتہ بحث میں یہ بیان کیا ہے، کہ مولینا اپنے اشعار مین اپنا نام یا تخلص باندھنے کی رسم عام کے پابند نہیں ہیں، اکثر غزلیات میں تو حضرت شمس کا نام آیا ہے، لیکن یہ ثابت ہو گیا کہ اسکی نوعیت صاحبِ کلام شاعر کے تخلص کی بالکل نہیں، بلکہ وہ ہر جگہ "اسم ممدوح" کی حیثیت رکھتا ہے، اسکے برعکس جیسے مثنوی میں بھی مولینا کی عادت ہے، دیوان میں بھی کہیں کہیں کسی موقع پر اپنا تخلص ونسب (رومی یا ملائے رومی یا لقب مخفف (جلال) یا خطاب (مولینا) لکھدیا ہے، جو اس امر کی قطعی شہادت ہے کہ دیوان مولینا کا کلام ہے، کیونکہ اگرچہ ان کا نام چند مواقع پر آیا ہے، لیکن اسکی حیثیت ممدوح کی سی نہیں جیسے باوجود کثرتِ ذکر کے حضرت شمس کے اسم کی حیثیت ہے، بلکہ یہ نام اس طرح استعمال ہوا ہے جیسے کسی شاعر کا نام یا تخلص اسکے کلام میں آتا ہے،

مولینا دیوان میں اپنی طرف بلفظ مولینا اشارہ کرتے ہوئے اپنی محفلِ سماع کا ذکر اسطرح فرماتے ہین،

سماعی می رود در مجلسِ ما	کہ ذوقش می کند ہفت آسمان طے
شراب وشاہد وشمع است ومجلس	نوائے ارغنون ونالۂ نے،
درمے خانۂ باقی کشادیم،	صلا دردہ آیا ساقی مگو کے،
دریں دریاے توحیدش شدم گم	نہ بے وے می توان بودن نہ باوی
چو مولینا برقص آید زمستی	برقص آید موجودات باوے

معًا اپنے آپ کو شاعرانہ طور پر غیر فرض کرکے اور اس کا اعتراف فرماتے ہیں، کہ یہ سب کچھ ان کو حضرت ہی کے طفیل سے حاصل ہے،

نہ مولیناست این بحر در افشان حقیقت شمس تبریزی ست باوے

حضرت شمس کا نام بار بار دیوان میں کیوں آتا ہے، اس حقیقت کو بے نقاب فرماتے ہیں،

نام شمس الدین تبریزی ہمی گو ہر دمے تا بگیرد شعر و نظمت رونق و رعنائیے

اس مضمون کے دو شعر اور ہیں، :۔

برخوان تو حدیثِ شمس تبریز، خوش باش ازین و آن بہ پرہیز

مفخر تبریز جانِ شمسِ حق اے یار ما رونقِ گفتار مائی اے زینت اشعار ما

دیوان کو دیکھئے تو یہ ان دونوں صفات کا حامل ہے، جو اسکے ان دو اشعار میں بیان کئے گئے ہیں، دیوان میں جذبات محبت کی جو شدت ہے، حضرت شمس ہی کی وجہ سے ہے، جوشِ عقیدت کے جو مضامین باندھے گئے ہیں، وہ دیوان کی رونق و رعنائی میں اضافہ کرتے ہیں،

ایک خاص ثبوت، | ایک نصیحت آمیز غزل کے چند اشعار یہ ہیں:۔

ای ز اقلیم عدم آمدہ در ملکِ وجود ہیچ دانی کہ ترا آمدن از بہر چہ بود

بندۂ بادشہی ست شاہ فرستاد ترا تا تو خود را بشناسی و بدانی معبود

اس ناصحانہ کلام کے مقطع میں ارشاد ہوتا ہے،

این نصیحت کہ شنیدی سخن مولیناست گفت شمس الحق تبریز بد نسیان فرمود

اپنا حال | ایک غزل اپنے متعلق لکھی ہے، جس کا مطلع ہے،

وقت سحر گہ از درم ملائی رومی میرسد، قم گفت اے دیوانگان ملای رومی میرسد

گفتم کہ تو دیوانہ گفتا تو ہم دیوانہ شو از خویشتن دیوانہ شو ملای رومی میرسد

مقطع میں بھی حضرت شمس سے خطاب ہے،

ای باد صبح آخر بگو با شمس تبریزی خود طبل و علم بر عرش بر ملای رومی میرسد،

اپنے آپ کو مطرب شمس کی حیثیت سے ان کی مدح مین ایک غزل لکھنے کا حکم دیتے ہین،

ای مطرب شمس دین بگو این غزل از برائے ۔ تا دل و جان و دیدہ را بر سر نائی دو دف کند

شمس تبریز اور مولینا کا ربط، دیوان میں مولینا نے اپنے اور شمس تبریز کے ربط کا بکثرت مختلف پیرایہ مین اظہار فرمایا ہو، ایک موقع پر فرماتے ہیں،

شمس تبریز است مولانائے روم ۔ جملہ عالم عاشقاں را سود باد،

رومی روز بعد ہزیمت چہ دست یافت ۔ از تخت ملک زنگی شب را فرو کشید

شما ایمان نگاہ دارید محکم ای مسلمانان ۔ کہ مولانائے رومی شود مسلمان بو کافر شد

مولینا نے سلطان ولد کو بھی حضرت شمس کی عقیدت و ارادت کے سپرد کر دیا، جو ان کے محبوب ترین فرزند تھے، فرماتے ہین،

چو مولینا ولد را داد بخشش ۔ ازین پس ہیچ دنیا را نخواہد،

مولینا اکثر غلبۂ حال کے وقت اشعار اور غزلیات لکھتے تھے، ان میں انکے جوش عشق کا تو اظہار پوری طرح ہوتا ہے، لیکن حسن بیان، اور شعر کے ظاہری محاسن کی انھیں کچھ پروا نہین، اسپر خود ہی اظہار خیال فرماتے ہین،

شمس تبریز بجز عشق ز من ہیچ مجوئے ۔ زان کسے داد سخن جو کہ سخنداں باشد

ایک شعر میں مولینا رومی اپنا آپ اقرار فرماتے ہین، کہ مولینا رومی کون ہین، جس سے اس لفظ کے متعلق شک و شبہہ دور ہو جاتا ہے،

مولانۂ رومی منم سلت کن شیطان منم ۔ تازہ کن ایمان منم دم ز اللہ ہو زنم

ہم پیرم و برناستم پیراستم برناستم ۔ پنہا منم پیدا منم من میر مولا ناستم

بوئے خمش را در کوزہ فقاع کرد؟ ۔ شد ہزاران ترک رومی بندۂ ہندوئے خم

ایک غزل میں حضرت شمس کے ساتھ اپنی وابستگی کا اظہار بڑے جوش سے فرماتے ہیں،

گر بزنی بخجرم جز راہِ عشق نسپرم رومی خستہ خاطرم دست منست و دامنت

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولینا کس کے دامن کے متعلق فرما رہے ہیں یعنی "دامنت" میں کس سے خطاب ہے، جواب دوسرے شعر میں ہے،

شمس جلال من توئی صبحِ وصالِ من توئی واقفِ حالِ من توئی دست منست و دامنت

مولینا کا تخلص۔ مولینا کا کوئی تخلص خاص طور پر معین نہ تھا، کہیں مولینا کہیں رومی استعمال کرتے ہیں، کہیں اپنے لقب جلال الدین کا پہلا جزء و لفظ جلال استعمال کرتے ہیں، سپہ سالار میں ایک شعر نقل کیا گیا ہے[۵۱]

چگونہ برنپرد جان چو از جناب جلال خطاب لطف چو شکر بجاں رسد کہ تعال

دیوان میں بھی اس کا استعمال بعض مواقع پر کیا ہے،

گر تو شوی تابع مولینا جلال اظہر شمس است یقیں رہبرم

بگفت مرو آنجا کہ ناگہاں چو جلال میان فتنہ بے حد و منتہات نہند

اس غزل کی قطعیت پر ایک دلیل مزید یہ ہے، کہ مناقب العارفین میں شعر کیا تھا ساتھ اس امر کی تصریح ہو کہ مولینا نے اسے کس محل پر فرمایا،[۵۲]

ایک خاص دلیل، واقعات سے ظاہر ہوتا ہے، کہ حضرت شمس کی خاطر مولینا سخت امتحان اور آزمائش میں مبتلا ہو گئے تھے، بیٹے علاء الدین، اور دیگر عزیزوں سے تعلق منقطع کر لیا، انکی طرف دیوان میں اشارہ فرماتے ہیں،

خاموش کہ بہر شمس تبریز، در کورۂ نار امتحانم،

---

۵۱ سپہ سالار ص۵، ۵۲ سپہ سالار ص ۶۰، ۶۱ مناقب العارفین میں بھی یہ حال تفصیل سے درج ہے،

مولینا کا ایک خاص اقرار، اس بحث سے جو ہمارا مدعا ہے، مولانا نے اسے خود فرمایا ہے،

غزل را از زبان شاہ گفتم، کہ شاہم جز کہ جو یارا نخواہد،

یہ سوال ہوسکتا ہے کہ "شاہ" سے مراد کون ہے، دیوان ہی میں مولانا اس کا جواب دیتے ہیں، کیونکہ مولانا اس لفظ سے بکثرت حضرت شمس تبریز کو مخاطب فرماتے ہیں،

از شاہ عالم شمس دین بپیغام آمد نازنین، کز جان بروا نگہ نشین در مقعد صدق صمد

جان جہان فخر دین تبریز شاہ شمس دین، زان قربت عین الیقین بر جان و دل محکم زند

یہ قطعی شواہد تھے، جن سے یقین کامل ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز مولانا ہی کا نتیجۂ فکر ہے،

ان کے علاوہ کئی اور مختلف نوعیت کے شواہد ہیں، جو اثبات مدعا میں معاون ہیں،

مولینا کے معاصرین و مریدین اور ان کا تذکرہ دیوان میں حضرت صلاح الدین کی تعریف، حضرت مولانا صلاح الدین مولینا کے برادران راہ اور خاص رفقاے بزم میں ہیں، یہ بھی حضرت کے فیض یافتہ تھے حضرت شمس اور مولینا کی خلوت میں، انہی کو رفاقت کا شرف حاصل ہوا تھا، حضرت شمس کی جدائی کے بعد مولینا نے انہی کی صحبت میں سکون پایا،

"بعد از غیبت مولینا شمس الدین تسکین و آرام بحضرت شان یافتند"،

دیوان میں اس صورت حال پر ایک غزل ہے،

آفتابے تافت بر دل از حجاب کبریا، شعلۂ آن نور سکیہ طلعت شمس الضحیٰ

اے خداوند شمس دین یکدم بلطف و مرحمت، بامن سرگشتہ و مجنون و شیدائی درآ

لیکن پھر اپنے آپ کو تسلی دیتے ہیں،

آن ضیا نورست روشن از حسام الدین ما، با صلاح الدین کہ ذاتش نور بخش اولیا

ان سے تعلق نہ صرف روحانی تھا، بلکہ وہ مولانا کے رشتہ دار بھی تھے، اسلئے کہ مولینا نے سلطان ولد کا نکاح انکی صاحبزادی کیساتھ کر دیا تھا، سپہ سالار کا بیان ہے،

"حضرت خداوندگار را با شیخ تعلقی و موانستی تمام بود"،

مولینا کی نظر میں ان کی عزت و عظمت بھی بہت تھی،

"پیش از خلافت چلپی حسام الدین رجوع ہمہ مریدان بحضرت او بود"

سلطان[1] ولد نے بھی ان تعلقات اخلاص و محبت کا ذکر اپنی مثنوی میں کیا ہے، ایک دن مولینا شمس کے فراق میں بازار کی طرف نکلے، راستہ میں شیخ صلاح الدین کی دوکان پر سے گذر ہوا، وہ زرکوبی میں مشہور تھے، مولینا پر اس آواز سے حالتِ وجد طاری ہوئی، انھوں نے یہ حال دیکھکر اپنا شغل جاری رکھا، اور نقصان زر کی فکر نہ کی، مولانا ہم آغوش ہو کر جوش اور مستی میں یہ شعر پڑھنے لگے[2]

یکے گنجے پدید آمد ازیں دوکان زرکوبی ۔۔۔ زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہی خوبی

کلیات[3] میں بھی یہ شعر موجود ہے،

یکے گنجے پدید آمد ازین دوکانِ زرکوبی ۔۔۔ زہے صورت زہے معنی زہے خوبی زہی خوبی

(کلیات شمس تبریز ردیف ی)

ان کی موت کا مولینا کو بیحد رنج ہوا، چنانچہ سپہ سالار لکھتے ہیں کہ

"حضرت خداوندگار عظم اللہ ذکرہ در فوت ظاہر ایشان رقت بسیار فرمود، بعزت و تعظیم ہرچہ باتمامت اعاظم و اکابر قونیہ تشیع جنازہ کردند، و ایں غزل را در ثواب جمال ایشان انشاء فرمودند"

---

[1] مثنوی سلطان ولد نسخہ قلمی در بیان مناقب صلاح الدین زرکوب [2] سپہ سالار ذکر صلاح الدین زرکوب فیہ ما فیہ مطبع معارف۔ [3] کلیات شمس تبریز ص ۹۹، ردیف ی،

اے ز ہجرانت فراقت آسماں بگریستہ — دل میانِ خوں نشستہ عقل و جاں بگریستہ

یہ غزل کاملاً دیوان شمس تبریز میں موجود ہے، ہم چند اشعار مثالاً درج کرتے ہیں،

اے ز ہجرانت زمین و آسمان بگریستہ — دل میانِ خون نشستہ عقل و جاں بگریستہ

شہ صلاح الدین برفتی اے ہمائے گرم رو — ہم کسے باید کہ داند بر کساں بگریستہ

بر صلاح الدین چہ داند ہر کسے بگریستن — از کراہت جستہ چو تیرے دل کمان بگریستہ

رسالہ سپہ سالار میں ایک اور غزل حضرت زرکوب کی تعریف میں ہے،

مطربا اسرارِ ما را باز گو، — قصہ ہائے جانفزا را باز گو،

مادہان بر بستہ امروز ازو، — تو حدیثِ دل کشا را باز گو،

مخزنِ انا فتحنا بر کشا ،، — سرِ جانِ مصطفیٰ را باز گو،

چون صلاح الدین صلاح جانِ ماست — آن صلاحِ جانہا را باز گو،

دیوان میں بھی یہ غزل موجود ہے،

صلاح الدین کی تعریف میں یہ اشعار قطعی طور پر مولینا کے ہیں، اور دیوان شمس تبریز میں پائے جاتے ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ دیوان شمس تبریز مولینا ہی کا کلام ہے، تذکرہ نویسوں نے حضرت زرکوب کی جو تعریف و توصیف کی ہے، اس غزل میں اس کا ذکر کیا ہے، اگر حضرت شمس کے اشعار ان کی تعریف میں ہوتے، تو اس کا بھی ضرور ذکر کیا جاتا، کیونکہ سپہ سالار میں حضرت شمس اور زرکوب کے ربط و تعلق کا ذکر موجود ہے، اصل میں مدحیہ اشعار اس تعلق کا آئینہ ہیں، جو حضرت زرکوب اور مولانائے معنوی میں تھے،

ان اشعار کے علاوہ کلیات میں حضرت زرکوب کے مناقب میں کئی اور اشعار ہیں، جو اس خیال کی تائید و توثیق کرتے ہیں،

شمع دو جہان صلاح دین است | کاندر دو جہان غریب و تنہا ست
چون صلاح الدین بوجد اندر بیا مذ نزد ما | شکر گفتم کان رفیق با صفامست آمد ست

فرماتے ہیں کہ صلاح الدین کی صحبت سے فساد باطن رفع ہو جائے گا،

چون رسیدی بخدمت صلاح الدین، | گر فسادی شوی صلاح آئی
از شاہ صلاح الدین چون دیدہ شود حق بین | دل رو بصلاح آرد جان مشعلہ بر یابد
دوش در خواب بدیدم صلاح الدین را | گستردہ سایۂ دولت چو ہمائے بر سد
جان حق است شاہ صلاح الدین | کو ز اسرار کردگار بود،
لطفہائے را کہ با ما شہ صلاح الدین کند | خضر جان گر باز بیند دم بدم تحسین کند،

حضرت حسام الدین چلپی کی تعریف، حضرت صلاح الدین زرکوب کے بعد مولینا کے رفیق خصوصی حضرت حسام الدین چلپی ہوئے، بنایت صدق شعار اور ادب شناس واقع ہوئے تھے، طبع کریم اور سیرت حلیم پائی تھی، گفتگو میں جامعیت تھی، اور علم حال سے اصحاب قال کی مشکلات حل فرماتے تھے، مولینا سے مودت واخوت، عقیدت، اور ارادت کے خاص تعلقات تھے، سپہ سالار کا بیان ہے،

"بعد از شیخ صلاح الدین رحمۃ اللہ علیہ ودر حال جناب حضرت خداوندگار نہ سال تمام و بعد از ان نیز شیخ وقائم مقام وخلیفہ و امام تمام اصحاب حضرتش بود، وتمامت اصحاب ملازم ایشاں بودند و بملازمت او تقرب بحضرت خداوندگاری جستند"؎

حضرت مولینا کے صفات کے مظہر تھے، مثنوی معنوی انھی کی تحریک پر لکھی گئی تھی، مولینا نے مثنوی میں سوائے دفتر اول کے ہر دفتر کے آغاز میں خصوصیت اور تصریح کیساتھ ان سے خطاب کیا ہے، اور متعدد مقامات پر نہایت جوش اور ذوق کے ساتھ ان کی تعریف و توصیف کی ہے ان سے نہایت محبت و خلوص کا اظہار کیا ہے، جیسے کوئی مرید عقیدت مند اپنے مرشد کا ذکر کرتا ہے

؎ سپہ سالار ص ۱۲۳،

یہی حال زندگی کے تعلقات میں بھی تھا،

"حضرت خداوندگار سلوک بدیشاں بوجہی فرمود کہ کسے گمان بردی کہ مرید ایشان است"

وبحقیقت مظہر تمام حضرت خداوندگار ما بود، وتمامت مثنویات بالتماس ایشان مؤلف گشتہ

است،........ در بیان مثنویات حقایقے کہ مکتوب است اشارت بسلوک چلپی دارد،

..... دیباچہ تمامت مثنویات مزین است، بالقاب شریف او[1]

مثنوی[2] سے نمونہ کے طور پر چند مدحیہ اشعار ہم درج کرتے ہیں،

خوشتر آن باشد کہ سرِ دلبران   گفتہ آید در حدیث دیگران،

اس شعر میں اشارہ شمس تبریز کی طرف ہے، لیکن شعر حسام الدین کے اس اصرار کا جواب ہے، کہ کلام میں شمس تبریز کے حالات وضاحت سے بیان کئے جائیں،

دفتر دوم کا دیباچہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

مدتے ایں مثنوی تاخیر شد   مہلتے بائیست تا خون شیر شد

چوں ضیاء الحق حسام الدیں عناں   باز گردانید ز اوجِ آسماں

چوں بمعراجِ حقایق رفتہ بود،   بے بہارش غنچہا نشگفتہ بود،

دفتر سوم میں ہے،

اے ضیاء الحق حسام الدیں بیار   ایں سوم دفتر کہ سنت شد سہ بار

چوتھے دفتر میں یوں خطاب فرماتے ہیں،

ہمچناں مقصود من زیں مثنوی   اے ضیاء الحق حسام الدین توئی

دفتر پنجم میں فرماتے ہیں،

---

[1] سپہ سالار ص ۷۲، [2] مثنوی مولانا روم کامل مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۲۹۱ھ،

شد حسام الدین کہ نور انجم است ۔۔۔ طالب آغاز سفر پنجم است،

گر نبودی خلق محجوب و کثیف، ۔۔۔ در نبودی حلقہا تنگ وضعیف،

در مدیحت داد معنی دادمی ، ۔۔۔ غیر این منطق نہ لب کشادمی

دفتر ششم میں انہی کی توصیف بیان کی ہے،

حیات دل حسام الدین بسے ۔۔۔ میل من جوشد بقسم سادسے،

اسی طرح دیوان میں بھی ان کی تعریف و توصیف کے نغمے موجود ہیں، جس سے صاف ظاہر ہوتا ہے، کہ دیوان شمس تبریز صاحب مثنوی ہی کا کلام ہے، واقعات زندگی مثنوی اور دیوان اس بارے میں ہم آہنگ ہیں، تاریخ اور تذکرہ شاہد ہے کہ مولینا کے سوا کوئی اور شخص ایسا نہیں جس کے ساتھ حضرت حسام الدین کے تعلقات اس نوعیت کے رہے ہون،

آن ضیا نور یست روشن از حسام الدین ما ۔۔۔ با صلاح الدین کہ ز آتش نور بخش اولیا

اے شہ حسام الدین ما اے معدن نور و ضیا ۔۔۔ اے با تو جانہا آشنا متان سلامت میکنند

اے حسام الدین جان کن مدح آن سلطان عشق ۔۔۔ گرچہ منکر در ہوائے عشق او دم میزند

اے شہ حسام الدین حسن میگوئی با جان من ۔۔۔ جان را خلاف معرفت بہر حسامت میکنم

حسام الدین صلاح الدین صالح ۔۔۔ خمش کردم خموشی غمگسار است

عطار و سنائی کی تعریف، فارسی کے صوفی شعرا میں حکیم سنائی، اور حضرت عطار رح کو اولیت کا شرف حاصل ہے، سنائی اور عطار کے کلام اور معنوی پیام دونون کے اثرات مولانا پر ہوئے، تذکرہ نویس اس پر متفق ہین، کہ جب حضرت بہاء الدین بلخ سے قونیہ تشریف لے جارہے تھے، تو نیشاپور میں حضرت عطار ان سے شرف نیاز حاصل کرنے کیلئے حاضر خدمت ہوئے، مولانا رومی کو اپنی کتاب اسرار نامہ تحفۃً عنایت کی، اور مولینا کی آتش افروزی عشق کے متعلق پیشینگوئی فرمائی،

"در اثنائے آں سفر بہ نیشاپور رسید، شیخ فریدالدین عطار بدیدن مولانا بہاءالدین آمد آں

وقت مولینا جلال الدین کودک بود، شیخ عطار کتاب اسرارنامہ را ہدیہ بہ مولنا جلال الدین

و مولینا بہاءالدین گفت روزے باشد کہ ایں پسر آتش در سوختان عالم بر زند"

مولینا نے مثنوی میں حضرت عطار کا ذکر تعظیم و احترام کیساتھ کیا ہے، اور ان کے اشعار کو بعض

بعض مقامات پر اپنے اشعار میں ضم کیا ہے یہی رنگ دیوان میں بھی ہے، عطار و سنائی کی تعریف و توصیف

فرمائی ہے، انکے مرتبہ و عظمت، جلال اور مرتبت کی داد کھلے دل سے دی ہے،

گر د عطار گشت مولینا ۔۔۔ شربت از دست شمس بود نوش

ہفت شہر عشق را عطار گشت ۔۔۔ ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم،

عطار روح بود و سنائی دو چشم او ۔۔۔ ما از پئے سنائی و عطار آمدیم،

معشوق و عاشق ہر سہ یکے بود ۔۔۔ یکبار چوں سنائی سردار آمدیم،

ایک اور موقع پر فرماتے ہیں،

آں ثنا جو کش سنائی شرح کرد ۔۔۔ یافت فردیت و عطار آں فرید[۱]

دست در دامن خورشید حقیقت زدہ ایم ۔۔۔ چنگ دل نیز دراں طبلۂ عطار زنیم،

در آں طبلۂ شکر پر کرد عطار ۔۔۔ بگرد طبلۂ عطار گردیم[۲]،

یہ اس بات کی کھلی ہوئی دلیل ہے، کہ دیوان جس میں یہ اشعار پائے جاتے ہیں، عطار اور

سنائی کے کلام سے متاثر ہونے والے شاعر مولینائے روم کا کلام ہے، نہ کہ حضرت شمس کا،

سپہ سالار کی تعریف، سپہ سالار اور تذکرۂ سپہ سالار کے متعلق ہم پچھلے باب میں تصریح کر چکے ہیں، سپہ سالار

مولانا کے خاص مریدوں سے تھے، تقریباً چالیس سال تک خلوت و جلوت میں مولینا کے ساتھ رہے

۱۔ کلیات شمس تبریز صفحہ ۲۹۵، ۲۔ دیوان شمس تبریز صفحہ ۲۳۲، و ص ۴۴۲،

مولانا سے ارادت و عقیدت انھیں بے حد ہے تذکرۂ سپہ سالار جو مولینا کے حالات میں معتبر ترین تذکرہ ہے، اسکی کافی دلیل ہے،

وہ خود اپنے حال میں لکھتے ہیں :۔

"خلاصۂ عمر خود را بہ ملازمت حضرتِ او مستغرق داشتم ،..... لاجرم از محبت عشقِ او ہزار بار سوختم ، و از خودیِ خود محو گشتم " (سپہ سالار ص۴)

دیوان میں مولانا نے ان کی بھی تعریف فرمائی ہے،

چو خورشید ست یار من نمی گردد بجز تنہا سپہ سالار مہ باشد کز استارہ حشم دارد

یہ بھی ہمارے دعوے کا اک داخلی ثبوت ہے،

سلطان ولد سے خطاب، سلطان ولد مولینا کے محبوب ترین فرزند ہیں، حضرت شمس تبریز کی آپ پر خاص عنایت تھی، انھیں سے مرید ہوے، ربط ارادت نہایت قوی تھا،

مولینا دیوان میں کبھی کبھی حضرت سلطان ولد سے بھی خطاب فرماتے ہیں، حجاب خودی کے متعلق سلطان ولد کو نصیحت فرماتے ہیں :۔

اے ولد پند ار بند است و حجاب اندر رہش چو ازیں بند در گذشتی جز وصالِ یار نیست

ولدی گوئی در عشقش غزلہا ، چنانکہ گفت عطار و سنائی،

ایک اور ہدایت فرماتے ہیں،

مشو مولا سے ہر ناشستہ روئے کہ تا ایں عشق مولانا نمانے،

حضرت شہاب الدین سہروردی کا ذکر، مولانا نسباً صدیقی ہیں، سلسلۂ نسب میں حضرت شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں، آپ کے علم اور حقیقت شناسی اور شہرت کا دور دور شہرہ تھا، معاصر صوفیہ دور دور سے دریافت مسائل میں ان سے رجوع کرتے، مولینا کے معاصر

بھی تھے، مولانا ان کی وفات کے بعد بھی عرصہ تک بقید حیات رہے، مولینا نے دیوان میں ان کی ناموری کا بطور مثال تذکرہ فرمایا ہے،

شہاب آتش ما زندہ باد ۔۔۔ چو القاب شہاب سہروردی

(کلیات شمس تبریز ص ۸۴۰)

اوحد الدین کرمانی کا ذکر، تذکرہ نویس لکھتے ہیں، کہ جس زمانہ میں مولینا کا قیام دمشق میں تھا، مولینا شیخ اکبر حضرت محی الدین عربی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ سعد الدین حموی، شیخ عثمان رومی، شیخ اوحد الدین کرمانی اور شیخ صدر الدین قونوی کے ہم صحبت رہے ہیں، ان بزرگان امت میں ہر ایک اپنی آپ نظیر تھا، مولینا سے اوران اولیاے کبار سے حقایق اور اسرار دین پر گفتگو ہوتی رہتی تھی، سپہ سالار نے بھی اسکی تصریح کی ہے،

"وقتے کہ خداوندگار ما در محروسۂ دمشق بود، چند مدت با ملک العارفین موحد مدقق کامل مکمل صاحب الحال والقال شیخ محی الدین ابن عربی وسید المشائخ والمحققین الشیخ السعدالدین حموی واز سید المشائخ شیخ عثمان الرومی وموحد مدقق عارف کامل فقیر ربانی شیخ اوحدالدین الکرمانی وملک المشائخ والمحدثین شیخ صدر الدین قونوی صحبت فرمودہ اند، وحقائقے کہ تقریر آن طولی دارد، بہمدیگر بیان کردہ، رضوان اللہ علیہم اجمعین،

(سپہ سالار ص ۱۴)

مولانا نے دیوان میں بھی اوحد الدین کرمانی کے فیض روحانی کا تذکرہ فرمایا ہے، جو غالباً اسی صحبت کا اثر ہے،

ایک مکالمہ کے طور پر یہ فرماتے ہیں،

پیر چو نبض من سوختہ را تجربہ کرد، ۔۔۔ گفت ہیہات کہ آن زہرہمہ سودا بود

مطلب مقصد عشاق دریں دشت فنا | نہ علوم و نہ عقول و نہ زیانست نہ سود
این بگفت و نفس سرد برآورد و گریست | نظر او ہمہ ہستی ز دل من بربود
گفت اکنون بر و و بادہ خور و شاد بزی | دور باش از رہ سالوسی و از زرق و کبود
کہ دریں رہ ہمگان از دل خود بیخبرا ند | مومن و مشرک و ترسا و مجوسی و جہود
گفتم ای شیخ ز حالت خبری دہ تحقیق | کہ دریں دم نفست بر من مسکیں بخشود
این چنیں حال مرا پیش نیامد ہرگز | چو بیامد تو بخشائے و بکن فیض وجود
پیر حال من آشفتہ چو در حیرت دید | بجواب آئینہ جان مرا پاک نزدود
نرم گفتا کہ مرا اوحد کرمانی دان | کہ بارشاد من آید در غیبت بشہود

ایک غزل میں جو افنائے عالم پر لکھی گئی فرماتے ہیں :-

گر اوحد دہر دہر خویش باغی | ناگاہ رواں شوی چو احاد

(باقی)

بمبئی یونیورسٹی کی فہرست مخطوطات

از

پروفیسر سید نواب علی صاحب ایم اے، سابق وزیر تعلیمات ریاست جوناگڈہ،

مسلمانوں نے اپنے عروج کے زمانہ میں نہ صرف بے شمار کتب خانے مشرق و مغرب میں جمع کرکے عام و خاص کے لئے علوم و فنون کے خزانوں کا منہ کھول دیا، بلکہ سب سے پہلے فہرست نگاری کو فن کی حیثیت سے دنیا کے سامنے پیش کیا، اگر ابن خلدون فلسفۂ تاریخ کا موجد مشہور ہے، تو ابن الندیم کو فن فہرست نگاری کا معلّم اوّل کہنا چاہئے، اسکی کتاب الفہرست جسمیں ۳۷۷ھ تک علوم و فنون کی وہ تمام کتابیں جو زبان عربی میں ممالک عرب و عجم میں تصنیف ہوئیں، مع طبقات مصنفین ان کے مناقب و مثالب اور مختصر تبصرہ ان تمام علوم و فنون پر جو اسوقت تک ایجاد ہوئے، ایک شاندار علمی کارنامہ ہے جس کے متعلق مشہور مستشرق براؤن کہتا ہے:۔

زبانِ عربی کی کسی کتاب کے مطالعہ سے میرے دل میں اسکے مصنف کے تبحر علمی کی عظمت اس قدر قائم نہیں ہوئی، جتنی اس کتاب سے اور اسی اندازہ سے حسرت بھی کہ علوم کے کثیر التعداد اور بیش بہا ماخذ جو مصنف کے زمانہ تک دستیاب تھے، آج اون کا بہت کچھ حصہ برباد اور فنا ہو چکا ہے،"

(لٹریری ہسٹری آف پرشیا جلد اول صفحہ ۳۸۳)

یہ بربادی زیادہ تر ہولناک سیل تاتار کا نتیجہ ہے، جو ان انمول جواہرات کو پانی کی

طرح بہائے گئی،

ابن الندیم نے جو نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا تھا، اسکی پیروی زمانہ ما بعد میں کتبخانون کی جدولی فہرست مرتب کرتے وقت ہوتی رہی، اور اسی کیساتھ مخطوطات کے سرورق پر توضیحات بھی درج ہوتے

ہندوستان کے اسلامی عہد میں نہ صرف بادشاہوں اور امراء کے بیشمار کتب خانے ان کے ذوقِ علمی کی یادگار تھے، بلکہ ہر قصبہ اور قریہ میں متوسط الحال بھی اپنی بساط کے موافق کتابوں کا ذخیرہ جمع کرتے تھے، لیکن زمانہ کے انقلاب سے ان کتب خانوں کے لاکھوں مخطوطات آج ممالکِ یورپ کی مشہور لائبریریون کی زینت ہیں، اب ان کی فہرستوں کا پتہ بھی وہیں چلانا چاہئے،

چونکہ گل رفت و گلستاں شد خراب   بوئے گل را از کہ جوئیم از گلاب،

میسور اور اودھ کی اسلامی سلطنتون کو اگرچہ گردشِ دوراں نے صفحۂ ہستی سے مٹا دیا ہے لیکن انکے کتبخانون کا ذکرِ خیر باقی رہ گیا، ٹیپو سلطان کے شاہی کتب خانے کے دو ہزار مخطوطات کی ایک توضیحی فہرست اسٹیورٹ نے ۱۸۰۹ء میں کیمبرج سے شائع کی، پھر اسپرنگر نے سلطنت اودھ کے آخری تاجدار کے کتب خانہ کی عربی فارسی اور اردو کتابوں کی فہرست ۱۸۵۴ء میں کلکتہ سے شائع کی،

احاطۂ بمبئی میں اگرچہ عہدِ اسلامی جاہ و جلال، دولت و ثروت اور علم و ہنر کے لحاظ سے نہایت شاندار گذرا ہے، اور ایک زمانہ میں گجرات کا دارالحکومت احمد آباد اور شاہانِ دکن کے پایۂ تخت بیجاپور اور احمد نگر علم و ہنر کے مرکز تھے، جہاں بادشاہون، امرا اور فضلا کے کتبخانوں میں ہزارون کی تعداد میں مخطوطات محفوظ تھے، لیکن افسوس دستبردِ زمانہ سے ان کا شیرازہ بکھر گیا، ۱۸۵۳ء میں بیجاپور کا شاہی کتبخانہ جو آثار محل میں محفوظ تھا، لندن منتقل ہو گیا، مگر اس مشہور شہر کے دوسرے کتبخانے تباہ و برباد ہو گئے، یہی حال احمد آباد اور احمد نگر کے کتبخانون کا ہے،

پچیس سال کا عرصہ گذرا، جب بڑودہ میں میری آنکھوں کے سامنے ایک افسوسناک واقعہ

پیش آیا جس کا ذکر یہان نامناسب نہ ہوگا، ایک یوروپین سیاح قدیم نادر اشیاء کی تلاش میں بڑودہ آیا، ایک شریف زادہ جس کے بزرگون نے مخطوطات کا ایک ذخیرہ جمع کیا تھا، معاش کی تنگی سے عاجز آکر اسکو چارسو روپیہ پر اس یوروپین کے ہاتھ فروخت کرنے پر مجبور ہوگیا، سیاح وہ مخطوطات میرے پاس لایا، اور کہنے لگا کہ انکی ایک فہرست بنا دو، مین نے اس کی فرمائش پوری کردی، اس ذخیرہ میں اگرچہ ایسے مخطوطات نہ تھے، جو شائع نہ ہوچکے ہون، لیکن فارسی کی بعض درسی کتابین نہایت خوشخط اور باتصویر تھیں، ایک دن وہ سیاح میرے پاس ایک البم لیکر آیا، اور کہنے لگا، دیکھو ان مخطوطات کی تصویروں کو کس طرح قینچی سے کتر کر میں نے یکجا جمع کر دیا ہے، میں نے کہا تم نے بڑا ظلم کیا، کہنے لگا وہ مخطوطات جہان تھے، عنقریب انکو کیڑے کھا جاتے، پھر ان میں کوئی ایسی کتاب نہ تھی، جو شائع نہ ہو چکی ہو، اسلئے میں نے ان کی تصاویر کا یہ البم تیار کیا ہے، جسمیں چارسو روپیہ خرچ ہوئے ہین، ان کے عوض اب مجھے پیرس میں چارسو پونڈ سے کہیں زیادہ رقم وصول ہوگی، میرا بوجھ ہلکا ہوجائے گا مگر تھیلی بھاری؛

گورنمنٹ بمبئی نے اگرچہ مخطوطات کے تحفظ کا انتظام کیا ہے، لیکن ان کے دور حکومت میں جب قوم نے پرزور طریقہ سے اپنی آواز بلند کی، اسکی مراد برآئی، چنانچہ سنسکرت کی ۲۳ ہزار مخطوطات گورنمنٹ کی اعانت سے فراہم ہوکر پونہ کے بھنڈارکر انسٹیٹوٹ میں محفوظ ہیں، لیکن افسوس ہے کہ ہمارے سلف صالحین کی علمی یادگاریں اسی کس میرسی کی حالت میں تباہ و برباد ہو رہی ہین،

غنیمت ہے کہ سابق دکن کالج کے نامور پروفیسر خان بہادر شیخ عبد القادر صاحب ایم اے کو اس کا خیال پیدا ہوا، چنانچہ ممدوح نے ۱۹۱۷ء میں مخطوطات کی فراہمی اور تحفظ کے لئے ایک عرضداشت گورنمنٹ میں پیش کی، جو منظور ہوئی، اس طور سے شیخ صاحب نے مختلف مقامات سے ادب، تاریخ، فلسفہ، ریاضیات، الہیات، اور دیگر فنون کے ۴۱۱ مخطوطات جن میں بعض نادر اور نایاب اور اکثر غیر مطبوعہ ہیں

تین ماہ کے اندر جمع کر دیئے، یہ ذخیرہ گورنمنٹ نے بمبئی یونیورسٹی کے سپرد کیا، جس نے اپنے نسخوں کو بھی شامل کر کے کل ۳۴۴ مخطوطات کی ایک توضیحی فہرست شیخ صاحب سے انگریزی میں تیار کرا کے گذشتہ سال کے آخر میں بمبئی سے شائع کی،

ڈاکٹر ریو، ایتھے اور براؤن کی مشہور توضیحی فہرستیں دیکھنے کے بعد عام طور سے یہ خیال پیدا ہو گیا ہے، کہ فاضلانہ رنگ میں مستشرقین ہی فہرست نگاری کا حق ادا کر سکتے ہیں، لیکن شیخ صاحب جنھوں نے چراغ و بوریا والی قدیم مکتبی تعلیم کے ساتھ بمبئی یونیورسٹی کی صرف ایم اے کی ڈگری حاصل کی ہے، اور جو ہندوستان سے باہر جانا کیا معنی، مدراس اور لاہور بھی نہیں گئے ہیں، ایسی وسعتِ معلومات، تحقیق اور دقتِ نظر سے فہرست مرتب کرتے ہیں، کہ ہم ایسے پرانی لکیر کے فقیروں کو بھی حیرت ہوتی اگر لسان الغیب کا یہ شعر یاد نہ آتا، ؎

فیضِ روح القدس ار باز مدد فرماید دیگراں ہم بکنند انچہ مسیحا می کرد،

آج علماے یورپ کی علمی تحقیقاتوں کو کون غلط ثابت کرے، جب کہ بقول علامہ شبلی مرحوم حالت یہ ہے،

یورپ ار گپ زند آن نیز مسلّم باشد،

لیکن یہ شیخ صاحب کے آہنی قلم کی جنبش ہے، جس نے اس طلسم کو توڑا، اور ڈاکٹر ریو، ایتھے، براؤن وغیرہم مستشرقین کی غلطیوں کو درست کر کے تحقیق کی داد دی، ذیل میں ہم چند مثالیں پیش کرتے ہیں،:-

ا- اشجار و اثمار، (فہرست ۴۲)

یہ ایک نایاب نسخہ ہے، جو اب تک کہیں شائع نہیں ہوا، اس کا مصنف علی شاہ محمد بن قاسم الخوارزمی ہے، براؤن نے کتاب کے ایک مصرعہ "شش و ہفتاد و صد و بعد ہزار" سے سنہ تالیف ۱۱۷۶ھ

قیاس کیا، اسی سنہ کو نکلسن نے براؤن کے مخطوطات کی فہرست کیمبرج سے ۱۹۳۲ء میں شائع کرتے وقت درج کیا ہے، لیکن شیخ صاحب نے جب نسخہ کو غور سے پڑھکر مصنف کے حالات زندگی جو جستہ جستہ تحریر تھے، جمع کیے، پھر واقعات کو تاریخ کی روشنی میں دیکھا، تو معلوم ہوا، کہ ۶۸۶ھ مطابق ۱۲۸۷ء میں یہ کتاب تصنیف ہوئی کیونکہ اسوقت بخارا کے قتلِ عام کو جو ۶۷۱ھ میں آباقاخان کے حکم سے عمل میں آیا، پندرہ سال گذرے تھے، جیسا کہ مصنف نے بیان کیا ہے،

شیخ صاحب لکھتے ہین کہ اشجار و اثمار کا ذکر کشف الظنون میں موجود ہے، چونکہ کشف الظنون ۱۰۶۷ھ مطابق ۱۶۵۷ء میں تالیف ہوئی، اسلئے یہی ایک شہادت براؤن کی تردید میں کافی تھی، لیکن شیخ صاحب کی براہین طلب طبیعت کو صرف ایک شہادت سے کیا تسکین ہوتی، انھون نے فہرست کے چار صفحون میں شہادتین جمع کرکے ایسے دلچسپ انتخابات نقل کئے ہیں، جن سے ضمناً دوسرے واقعات پر بھی روشنی پڑتی ہے، مثلاً انوری کی وہ مشہور طوفان باد والی پیشین گوئی جو غلط ثابت ہوئی، اور جو شاعر کی تحقیر و ذلت کا باعث ہوئی، اسکو مؤلف اشجار و اثمار نے قرانات کے حساب سے چنگیز خان کی ولادت کا سال قرار دے کر طوفان خون سے تعبیر کیا ہے،

۲- نامۂ خیالات (فہرست ص ۳۳)

ڈاکٹر ایتھے اور آئیونو (روسی فاضل جو آج کل بمبئی میں فرقۂ اسمٰعیلیہ کے متعلق مصروفِ تحقیق ہے) دونون نے امیر خسرو دہلوی کو اس کتاب کا مصنف قرار دیا ہے، اور لکھتے ہیں کہ اس کا دوسرا نام انشاے امیر خسرو ہے، جو اعجاز خسروی کے بعد لکھی گئی، لیکن شیخ صاحب نے کتاب کی داخلی شہادتوں سے ثابت کیا ہے، کہ مصنف نے ان خطوط میں جہاں رومی، نظامی، سنائی، عطار کے اشعار نقل کئے ہین، وہان حافظ، کاتبی، شاہی، ہلالی، اور سطاتب کلیم کے اشعار بھی درج کئے ہین، حالانکہ آخر الذکر چھ شعرا، امیر خسرو سے بہت بعد گذرے ہین، پھر ابوالفضل کی کتاب عیار دانش کا ذکر بھی نامۂ خیالات میں موجود ہے، حالانکہ ابوالفضل کا انتقال

امیر خسرو سے ۲۰۶ برس بعد ہوا ہے، اسلئے نامۂ خیالات امیر خسرو کی تصنیف ہرگز نہیں ہے،

کتاب کا آغاز اس طور سے ہوتا ہے:-

"عنوان نامۂ خیالات از مثنوی صاحب کمالات صوری و معنوی امیر خسرو دہلوی بہامار ست"

اَئیوانو اپنی فہرست میں کتاب کا نام بجائے نامۂ خیالات کے عنوان نامۂ خیالات لکھتا ہے، یہ ہے مستشرقین کی سخن فہمی،!

۳- مظہر العجائب، (فہرست صفحہ ۹)

ڈاکٹر ریو، ایتھے، براؤن، اور اَئیوانو بالاتفاق کہتے ہیں، کہ یہ کتاب شیخ فرید الدین عطار کی سن کہولت کی تصنیف ہے، لیکن ۱۹۲۶ء میں اسلامیہ کالج لاہور کے مشہور پروفیسر محمود شیرانی نے رسالۂ اردو اورنگ آباد کے جنوری نمبر میں ایک فاضلانہ مضمون لکھکر کتاب کی اُنہیں داخلی شہادتوں سے ثابت کر دیا کہ شیخ عطار کی طرف اس کتاب کو منسوب کرنا ایک افترائے عظیم ہے، شیخ صاحب نے اسی مضمون کی تہاں دین کو انگریزی کا لباس پہنا کر پیش کیا ہے،

اصل یہ ہے کہ سولہویں صدی کے آغاز میں جب شاہ اسمعیل صفوی نے اثنا عشریت کو ایران کا شاہی مذہب قرار دیا، تو درپردہ یہ بھی کارروائی کی گئی، کہ مشہور شعراء اور فضلاء کی طرف ایسی تصانیف منسوب کر دی گئیں جن سے ان کا مذہب تشیع کا حامی اور خلفائے ثلثہ کے سب وشتم کا قائل ہونا ثابت کیا جا سکے، چنانچہ ایک ہی صدی کے اندر یہ حالت ہو گئی، کہ عہد جہانگیر میں قاضی نور اللہ شوستری نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں اکثر مشہور سلاطین علماء وفضلا، اور شعراء کو شیعہ اثنا عشریہ لکھدیا، اور بعض کتابیں جنمیں غلو کیساتھ تشیع کی تعلیم تھی، ان کی جانب منسوب کر دیں، مثلاً سر العالمین، امام غزالی کی طرف، اور مظہر العجائب، شیخ عطار کی طرف وغیرہ وغیرہ، حیرت ہے کہ وہ عطار جسکو عارف روم ؎

"عطار روح بود و سنائی دو چشم ما"

کے لقب سے یاد کرتے ہیں، وہ عطار جس کا توحید و عرفاں میں ڈوبا ہوا سچا مسلک تنگ نظر ظاہر بین فرقہ پرستوں سے یوں خطاب کرتا ہے :۔

توعلیؓ دانی و بوبکرؓ اے پسر | وز خدا و عقل و جانی بے خبر
یا چو ایشاں جاں فشاندن پیشہ گیر | یا خموش و ترک ایں اندیشہ گیر

(کاش ہمارے لکھنؤ کے شیعہ اور سنّی بھائی اس پر غور کرتے، !)

وہ عطار جو عشق حقیقی کے درد سے بیتاب یوں دعا کرتا ہے، ؎

کفر کافر را و دیں دیندار را | ذرۂ دردت دلِ عطار را،

وہی عطار مظہر العجائب میں آسمانِ سخن سے اتر کر عامیانہ تبرّا بازی کی خندق میں گر پڑے مستشرقین اس نکتہ کو کیا سمجھتے لیکن مرزا عبدالوہاب قزوینی جو پروفیسر براؤن کے دست راست رہے ہیں، وہ بھی حق پوشی کر گئے، اگرچہ دبی زبان سے اسقدر تو لکھنے پر مجبور ہوگئے،

"اشعار ایں کتاب بالنسبۃ بسائر اشعار عطار تفاوت واضح وار دو در پستی و سستی و قدرے رکاکت، و ہر کس منطق الطیر و الٰہی نامہ و خسرو و گل، و دیوان عطار را مطالعہ کردہ باشد برائے او قدرے مشکل است اعتقاد کند، کہ صاحب مظہر العجائب با آنہا یکے بودہ است"

(دیباچہ تذکرۃ الاولیا، مرتبہ نکلسن)

۴۔ قصیدہ مصنع (فہرست ص ۱۵)

قوامی کے مشہور قصیدہ مصنع میں حسب ذیل شعر

چیست آن دور واصل او نزدیک | چیست آن فرد و فعل او بسیار،
خام او ہر چہ علم را پختہ، | مست او ہر چہ عقل را ہوشیار،

پروفیسر براؤن سے حل نہ ہو سکا، اسی طرح صنعت مجرد بھی جو اس قصیدہ کے شعر نمبر ۶ میں

پائی جاتی ہے، ممدوح کی سمجھ میں نہیں آئی، شیخ صاحب نے دونوں کو حل کیا ہے، مذکورۂ بالا شعر سے عشق نکلتا ہے، اور صنعت مجرد سے یہ مراد کہ حروف تہجی کے کسی ایک حرف کو لیکر یہ التزام رہے کہ وہ حرف شعر میں نہ آنے پائے، چنانچہ قوامی کے قصیدہ مصنع کے شعر نمبر ۰ میں حرف الف کو خارج کیا ہے،

پروفیسر براؤن جہاں کچھ نہیں سمجھتے، عالی ظرفی سے اپنے قصور فہم کا اعتراف کر لیتے ہیں، لیکن ڈاکٹر ایتھے فارسی دانی کے اظہار میں بُری طرح ٹھوکر کھاتے ہیں، انڈیا آفس کی فہرست میں جہاں ہفت اقلیم امین رازی کا تذکرہ کیا ہے، ملاحظہ ہو،

قاضی زادہ کر ہرود موسوم بہ قاضی جہان کو حضرت علی مرتضٰی کی شان میں گستاخی کے باعث شاہ طہماسپ صفوی قید کرتا ہے، اصل عبارت یہ ہے کہ "قاضی جہان نسبت بہ شاہ اولیا استخفاف ورزید" ڈاکٹر ایتھے شاہ اولیا کو شاہ طہماسپ سمجھتے ہیں، پھر لکھتے ہیں، :- کہ قاضی جہان بادشاہ کی شان میں گستاخی کے باعث قید ہوا، حالانکہ اہلِ علم پر پوشیدہ نہیں ہے، کہ شاہ اولیا سے مراد حضرت علی مرتضٰی ہیں، شاہ طہماسپ کے عہد میں اکثر سنی شعرا، اور علماء کو جنھوں نے حضرات شیخین کی تعریف میں غلو سے کام لیکر حضرت علی مرتضٰی کا ذکر بے ادبی سے کیا سزا دیگئی ہی،

اسی طرح تبریز کے قاضی امیر عبد القادر کے قتل کی تاریخ ڈاکٹر ایتھے نے

"آہ شہید میر عبد القادر"

سے ۹۵۸ھ نکالی، پھر لکھتا ہے، یہ تاریخ غلط ہے، کیونکہ قاضی مذکور کا قتل ۹۵۹ھ میں واقع ہوا، شیخ صاحب لکھتے ہیں کہ آہ میں الف ممدود کے ۲ اور میر کو امیر پڑھنا چاہئے، تب ۲ کی کمی پوری ہو جاتی ہے، اور آہ شہید امیر عبد القادر سے ۹۵۹ھ نکل آتے ہیں، شیخ صاحب کی یہ اصلاح درست ہے، لیکن اپنی فہرست کے صفحہ ۰ میں مولینا امیدی کی تاریخ شہادت میں جو اصلاح دی ہے، وہ صحیح نہیں ہے، امیدی کے شاگرد ذنائی نے مصرعۂ ذیل :-

آه از خونِ ناحق من آه،

سے استاد کی تاریخِ قتل نکالی تھی، ڈاکٹر ایتھے لکھتے ہیں، کہ اس مصرع سے ۹۲۵ھ نکلتے ہیں، حالانکہ امیدی کا قتل ۹۳۰ھ میں واقع ہوا، اسلئے مصرعہ میں غلطی ہے، شیخ صاحب نے مصرعۂ بالا کو یوں بدلا اور ایتھے کی طرح الف ممدودہ کا ایک شمار کر کے

آه ز خونِ ناحق من آه آه

سے ۹۳۰ نکالے ہیں، لیکن شیخ صاحب کو یہ علم نہ تھا، کہ حال میں صفویون کی قدیم تاریخ کا ایک نادر نسخہ احسن التواریخ مصنفہ حسن رو ملو (ولادت ۹۳۷ھ) مسٹر سڈن نے گائیکوار سیریز میں شائع کیا ہے (اسکے پروف میں نے دیکھے ہین،) اس کتاب کے ص ۱۷۷ میں ۹۲۹ھ کے واقعات کے تحت میں مولنا امیدی طہرانی کا ذکر ہے، اور نامی کی پوری تاریخ اس طور سے درج ہے،

نادر العصر امیدی مرحوم	چو بناحق شہید شد ناگاه،
شب بخواب من آمد و میگفت	کاے ز حالِ درُونِ من آگاه
بہر تاریخ قتلِ من بنویس	آه از خونِ ناحقِ من آه،

آخری مصرعہ سے ۹۲۷ نکلتے ہیں، ۲ کا تعمیہ مصرعۂ ماقبل سے اس طور سے ۹۲۹ھ ہوتے ہیں،

شیخ صاحب نے اپنی فہرست کے چالیس صفحوں میں ہفت اقلیم کے ایک حصہ کا ملخص انگریزی میں درج کیا ہے، اور اگر یونیورسٹی کی طرف سے یہ بندش نہ ہوتی، کہ فہرست ایتھے وغیرہ مستشرقین کے اتباع میں تیار کیجائے، تو وہ دوسرے نایاب نسخون کا جو اب تک شائع نہیں ہوئے، منتخب ترجمہ داخل فہرست کرتے، پھر بھی انھون نے فردوسی کے متعلق مفید معلومات درج کئے ہین، محمود شبستری کی گلشن راز اور عرفی کے کلیات کی مختلف شرحوں کا حوالہ دیا ہے، پارسیوں کے قصۂ سنجان اور روایات پر ناقدانہ روشنی ڈالی ہے، صائب کا کلیات جس پر سنہ کتابت ۵ ر ذی حجہ ۱۰۸۵ھ درج ہے، اس کے اس صفحہ کا فوٹو دیا ہے جس پر خود صائب کے

کے قلم سے تین غزلین حاشیہ پر "لراقمہ" کے تحت میں درج ہین، (دکھیو فہرست صفحہ ۱۲۵) اسی طرح فہرست کے صفحہ ۱۰۱ مین دیوان ظہوری کے ایک صفحہ کا فوٹو دیا ہے، جس پر ظہوری کے قلم سے ایک غزل درج ہے، اس دیوان کی یہ خصوصیت ہے، کہ اسکی نظر ثانی خود ظہوری نے کی، اور اپنے قلم سے چند غزلیں بھی لکھدین، اس نسخہ میں بہت سی رباعیاں بھی ہین، جو مطبوعہ دیوان ظہوری میں حذف ہیں،

دیوان ابن یمین (دکھیو فہرست صفحہ ۵۴)

علماے مشرق و مغرب بالاتفاق کہتے ہین، کہ ابن یمین کی زندگی ہی میں ان کا دیوان سربداران کے ہنگامہ ۷۴۲ھ میں ضائع ہو گیا، یہ افسوسناک واقعہ صحیح ہے، لیکن ادب کے شائقین کو یہ معلوم کرکے خوشی ہوگی، کہ شیخ صاحب کو دوسرا دیوان جسے خود ابن یمین نے ہنگامۂ مذکورۂ بالا کے دس برس بعد جمع کیا تھا، بیجاپور سے ہاتھ آگیا، اس کے ثبوت میں رسالہ احوال ابن یمین" مولفہ رشید یاسمی مطبوعہ طہران ۱۳۰۳ھ سے ابن یمین کی حسب ذیل عبارت جو اسکے دیوان کے دیباچہ میں درج تھی نقل کی ہے،

دیریست کہ اندیشۂ آن دارم باز	گر دور فلک نہ دارد از کارم باز
کاشعار پراگندہ چو ہفت اورنگم	مانندۂ پروین بنظام آرم باز

القصہ بطولہا بیتے چند از ان کہ بیشتر گفتہ شدہ بود، از جرائد افاضل نامدار و سفائن اماثل روزگار التقاط کردہ شد، وانچہ بعد از ان اتفاق افتاد، بر ان الحاق کردہ آمد، و دیوان دیگر چنان کہ آید نہ چنان کہ باید در سلک کتاب منتظم گشت ...... وجری ذالک غرۂ شوال بسنۂ ثلث وخمسین وسبعمائۃ والحمد بریہ"

۱۸۵۲ء میں ڈورن نے سینٹ پیٹرس برگ کے کتب خانہ کے مخطوطات کی فہرست صفحہ ۳۵۵ میں لکھا تھا کہ اس نسخہ کے دیباچہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابن یمین نے خود یہ دیوان ۷۵۶ھ میں ترتیب دیا، لیکن ڈاکٹر ایتھے نے دعوی کیا کہ یہ غلط ہے، پھر کتب خانہ بانکی پور کے فہرست نگار مولوی عبد المقتدر نے ڈاکٹر

ایتھے کی تائید کی، اور لکھا کہ غالباً ابن یمین کے کسی دوست نے اسکو جمع کیا ہوگا، یہ اسلئے کہ ڈاکٹر ریو اور ایتھے کے نزدیک ابن یمین کی وفات جیسا کہ اکثر تذکروں میں درج ہے، ۷۴۵ھ لکھی ہے، شیخ صاحب کہتے ہیں کہ سب سے قدیم ماخذ فصیحی کا مجمل ہے، جسے براؤن نے نقل کیا ہے، اس میں ابن یمین کی وفات ۸ر جمادی الثانی ۷۶۹ھ درج ہے، اسی تاریخ کو اعتماد السلطنۃ نے اپنی منتظم ناصری میں نقل کیا ہے، شیخ صاحب نے اور ثبوت بھی بہم پہنچایا ہے، لکھتے ہیں کہ شعر العجم جلد دوم ص ۲۴۱ میں آزاد کی ید بیضا سے حسب ذیل تین شعر نقل ہوئے ہیں،

سرده ای دیده هردم اشک غمازِ مرا ۱ تا نسازد فاش پیش مردمان رازِ مرا

ز خود بیگانه بودن در رهِ عشق ۲ به آن معشوق طرح آشنائی ست

عشق تا در دلی آدمنه در آمد نه نمود ۳ باده پرشور نشد تا که به مستان نرسید

یہ تینوں اشعار اس نسخہ میں موجود ہیں، تیسرا شعر اس طور سے درج ہے، اور یہی صحیح ہے،

عشق تا در دل آدم نه در آمد نه نمود باده پرشور نشد تا که به مستان نرسید

ہشت بہشت (فہرست ص ۹۵)

ترکان آل عثمان کی یہ سب سے قدیم تاریخ ہے، جس کا مصنف حکیم الدین ادریس ابن حسام الدین علی بدلیسی ہے، ۹۱۲ھ میں سلطان بایزید ثانی کے حکم سے اس نے یہ تاریخ نثر فارسی میں تاریخ گزیدہ اور وصاف کے طرز پر لکھی، جس میں ۷۰۰ھ سے ۹۰۸ھ تک کے حالات قلمبند ہیں، آٹھ سلاطین کا اسمیں ذکر ہے، اس مناسبت سے ہشت بہشت نام رکھا، دوسرا نام کتاب الصفات الثمانیہ فی اخبار القیاصرۃ العثمانیہ ہے، یہ تاریخ آٹھ کتیبہ یا دفتر میں منقسم ہے، ہر کتیبہ میں ایک سلطان کا تذکرہ عثمان بیگ غازی (۶۹۹ھ تا ۷۲۶ھ) سے شروع ہو کر سلطان بایزید ثانی (۸۸۶ھ تا ۹۱۸ھ) ختم

ہوتی ہے، ترکان آل عثمان کی تاریخ کے اس قدیم ماخذ کے صرف تین کامل نسخے یورپ میں موجود ہیں،
شیخ صاحب کو کتبۂ ہفتم ملا ہے، جس میں صرف ۲۶۸ ورق ہیں، اور ہر صفحہ میں ۱۳ سطریں، حالانکہ یہ ایک
بہت ضخیم تاریخ ہے، اسکی ضخامت کا حساب عجیب طور پر ہے، عموماً قدیم نسخوں میں اوراق و صفحات کا
شمار درج ہوتا ہے، یا یا ورق میں صفحہ آئندہ کا پہلا لفظ لکھ دیتے ہیں، لیکن ہشت بہشت میں بیت
سے شمار کیا ہے، اور لکھا ہے کہ اسمیں اسی ہزار بیت ہیں، شیخ صاحب لکھتے ہیں کہ انسائیکلوپیڈیا آف
اسلام تحت لفظ بدلیسی میں کلیمنٹ ہوارٹ لکھتا ہے، کہ ہشت بہشت میں اسی ہزار اشعار (ورس) ہیں
حالانکہ یہ نثر کی کتاب ہے، مولینائے روم کی کتاب فیہ مافیہ جسے مولینا عبد الماجد نے شائع کیا، اسکے متعلق
بھی نکلسن نے لکھ دیا تھا، کہ اس میں تین ہزار ورس ہیں، حالانکہ وہ نثر ہے،

انگریزی میں اگرچہ ورس نظم اور نثر دونوں کے لئے مستعمل ہے، (دیکھو نیو اسٹینڈرڈ ڈکشنری جلد
چہارم ص ۲۶۴۵) اسی لئے قرآن مجید اور اناجیل کے آیات کو ورس لکھتے ہیں، حالانکہ وہ نثر میں ہیں،
لیکن بیت کا ترجمہ ورس کرنا خامی از اشتباہ نہیں، مستشرقین کو چاہئے تھا کہ ہشت بہشت اور فیہ مافیہ
کے "بیت" کیلئے لائن لکھتے نہ ورس،

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین عثمانیہ کے قلمرو میں قدیم نسخوں میں سطروں کا شمار کرکے ان کو
بیت لکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ ہشت بہشت میں اسی ہزار بیت ہیں، اب اگر ہر صفحہ میں مثلاً بیس سطریں لکھی
جائے تو کامل نسخہ چار ہزار صفحات کا ہوتا ہے، اسی طرح فیہ مافیہ میں تین ہزار بیت ہیں، جسکے ڈیڑھ سو صفحات ہو
ہشت بہشت کا ناتمام نسخہ شیخ صاحب کو بیجاپور سے ملا ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یوسف
عادل شاہ بانی سلطنت بیجاپور جو سلطان مراد (وفات ۸۵۴ھ) کی اولاد میں سمجھا جاتا تھا، (دیکھو فرشتہ
مقالہ سوم روضہ دوم) اور جس نے ۸۹۵ھ سے ۹۱۶ھ تک حکومت کی، اس کے زمانہ میں یہ نسخہ ہندوستان
آیا، کیونکہ ہشت بہشت کا سال اختتام ۹۱۲ھ ہے، شیخ صاحب کو ساتواں کتبہ ملا ہے جس میں سلطان

محمد ثانی (وفات [illegible]ھ) کا تذکرہ ہے، یعنی یوسف عادل شاہ کے بڑے بھائی کا،

شیخ صاحب کو بعض ایسے نایاب نسخے بھی مل گئے ہیں، جو نہ ابتک شائع ہوئے ہیں، اور نہ یورپ کے مشہور کتبخانوں کی فہرستوں میں ان کا ذکر ہے، ان میں منشآتِ شاہ نواز خان خصوصیت کیساتھ قابلِ ذکر ہے، (دیکھو فہرست ص ۱۱)

اس نسخہ کے سرورق پر "مجموعۂ خطوط" لکھا تھا، اور دیباچہ کے ابتدائی چند اوراق گم، لیکن شیخ صاحب نے خطوط کو غور سے پڑھکر تاریخی واقعات، اسماء اور مقامات سے پتہ چلایا کہ مآثر الامراء کے مشہور مصنف نواب عبد الرزاق شمس الدولہ شاہنواز خان وزیر نظام الملک آصفجاہ و ناصر جنگ کے خطوط کا یہ مجموعہ ہے، غلام علی آزاد نے دیباچۂ مآثر الامراء میں جہاں شاہ نواز خان کی سوانح حیات لکھے ہیں، لکھا ہے:-

"منشی بے بدل بود و انشاء او در خطوط نویسی طرز خاصے دارد حیف کہ منشآت او جمع نشد، اگر تدوین می یافت چشم ناظران را کحل الجواہر می کشید"

لیکن معلوم ہوتا ہے، کہ بعد کو کسی نے یہ مختصر مجموعۂ خطوط جمع کیا ہے، جیسا کہ اس نسخہ کے آغاز میں تحریر ہے،

"اگرچہ تحریرات بسیار زیادہ ازین مجموعہ مختصر بودہ، امابالفعل ہرچہ فراہم شد ثبت افتاد"

شاہ نواز خان دولت آصفیہ حیدر آباد کے وزیر تھے، برار کے دیوان بھی رہے، ولادت سنہ ۱۱۱۱ھ مطابق سنہ ۱۷۰۰ء ساٹھ برس کی عمر میں بمقام اورنگ آباد شہید ہوئے،

مجموعہ کے اکثر خطوط تاریخی اہمیت رکھتے ہیں، اور اس عہد کی چو مکھی سیاست پر جب انگریز فرانسیسی پیشوا اور نظام آپس میں لڑتے تھے، روشنی ڈالتے ہیں، یہ اس قابل ہیں، کہ ان کے شائع کرنے کی جلد کوئی سبیل نکالی جائے، ایک صورت یہ ہے کہ شاہِ دکن اعلیٰ حضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ کی سلور جبلی عنقریب ہونے والی ہے، اگر ہمارے محترم بزرگ مولٰینا نواب صدر یار جنگ بہادر کوشش فرمائیں

تو امید قوی ہے، کہ حضرت "سلطان العلوم" خلد اللہ ملکہ کے جشن سیمیں کی ایک یادگار گب موریل سیریز کے طور پر قائم ہو جائے، اور نایاب اور نادر الوجود مخطوطات کے شائع کرنے کا انتظام خواہ جوبلی فنڈ کی ایک رقم سے یا نیا فنڈ قائم کرنے سے ہو سکے، اور اسی کے ساتھ ایک فہرست اُن نادر اور نایاب مخطوطات کی جو ہندوستان کے مختلف کتب خانون میں موجود ہوں، اور اب تک کہیں شائع نہ ہوئے ہون تیار کی جائے، اس کام کے لئے شیخ صاحب نہایت موزوں ہیں،

مختصر تاریخ ہند

ہمارے اسکولوں میں ہندوستان کی جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، انکا لب ولہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قومون میں تعصب اور بغض وعناد پیدا ہو جاتا ہے، مولنا ابو ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض سے لکھی ہے کہ اسکا طرز بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے زمانے میں جو کام کئے ہیں، وہ طالب علموں کو بلا تفریق مذہب وملت معلوم ہو جائیں، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت:- ۱۲ر

ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں

ہندوستان کی قدیم تاریخی کتابوں میں مرتب طور پر ہندوستانی مسلمانوں کے تعلیمی حالات اور ان کے مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا حال معلوم کرنا چاہیں، تو نہیں مل سکتے، مولوی ابو الحسنات صاحب مرحوم نے نہایت تلاش وتحقیق کے بعد ہندوستان کی قدیم اسلامی درسگاہیں پر ایک مقالہ مرتب کیا، اور جسکو اہلِ نظر نے بے حد پسند کیا، اب دار المصنفین نے اسی مقالہ کو کتابی صورت میں نہایت اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے، کتاب مصنف مرحوم کے ذوق تحقیق کی آئینہ دار ہے، اور مفید اور پر از معلومات ہے، ضخامت ۱۴۴ صفحات، قیمت ا-۱۲ر

"منیجر"

از

جناب صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم ایم اے پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

"معارف جلد ۲۵ میں "مسلمان جغرافیہ دان" کے عنوان سے ماہ مئی ۱۹۳۰ء سے ایک سلسلۂ مضمون شائع ہونا شروع ہوا تھا جو فرانسیسی مستشرق کارادوو (Carrade Vaux) کی کتاب حکمائے اسلام (Penseurs de l'Islam) جلد دوم سے ماخوذ تھا، لیکن افسوس کہ بعض وجوہ سے اسکے صرف چند نمبر چھپ سکے تھے، اب ہمارے دوست پروفیسر صوفی غلام مصطفےٰ تبسم نے اس سلسلہ کی مزید کڑیاں ہیں فرانسیسی زبان سے ترجمہ کر کے عنایت کی ہیں جو ذیل میں درج ہیں"

"سب اڈیٹر"

عرب جغرافیہ نگار، مولف، جامع اخبار اور سیاح اوقات اہل مشاہدہ ہونیکی حیثیت سے اپنی سادہ بیانی میں ممتاز ہیں، تاہم وہ چند جغرافی نظریے رکھتے ہیں جنھیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں،

زمین کی گولائی، ان کے نظریہ کا پہلا اصول زمین کی گولائی ہے، اس عقیدہ کی ابتدا فیثا غورس سے ہوئی، اور چوتھی صدی قبل مسیح کے وسط میں یہ نظریہ تقریباً سب لوگوں میں پھیل گیا، قدما نے اسکے ثبوت میں بہت سے دلائل پیش کئے ہیں، جو آجکل بالکل عجیب معلوم ہوتے ہیں، وہ طریق استدلال استخراجی ہے، مثلاً زمین نہ تو مسطح ہو سکتی ہے اور نہ کھوکھلی، نہ مکعب ہے اور نہ مخروط اسلئے یہ گول ہے، یہ استدلال پوسی ڈونی اس (Posidonius) کا ہے، اور بطلیموس اسی کا تتبع کرتا ہے، اس کے علاوہ

بطلیموس، کلومید (Cleomede) اور ثیون (Theon) کی طرح ایک قرین قیاس دلیل بھی پیش کرتا ہے، وہ یہ ہے کہ ہم ماورائے افق اشیا مثلاً پہاڑ، جہاز کو دیکھ سکتے ہیں، لیکن یہ بات زمین کے محدب ہونے پر دلالت کرتی ہے نہ کہ مدور ہونے پر، ارسطو اس سے زیادہ قرین صحت دلیل پیش کرتا ہے، اگرچہ وہ مقبول عام نہ ہوئی، وہ یہ کہ کسوف میں زمین کا سایہ سطح ماہ پر ہمیشہ گول ہوتا ہے،

عربوں میں سے ابو الفدا زمین کے مدور ہونے کی ہیئتی دلیل پیش کرتا ہے، مشرق میں ستارے جلدی طلوع اور غروب ہوتے ہیں، جب کوئی شخص شمال کی جانب بڑھے، تو قطب اور شمالی ستارے طلوع ہوتے ہیں، اور اسی طرح اگر کوئی جنوب کی طرف بڑھے، تو جنوبی قطب اور ستارے نظر آنے لگتے ہیں اور جتنا زیادہ سفر کیا جائے اتنی ہی زیادہ یہ بات واضح ہوتی ہے، یہ عرب جغرافیہ نگار لکھتا ہے، کہ پہاڑوں اور نیچائیوں کا وجود زمین کی گولائی میں حارج نہیں ہوتا، یہ چیزیں زمین کی وسعت کے مقابلے میں کچھ حقیقت نہیں رکھتیں، ۔

"ہیئت داں ثابت کر چکے ہیں، کہ آدھ فرسنگ اونچا پہاڑ کرۂ ارض کے مقابلے میں وہی حیثیت رکھتا ہے، جو جَو کے دانے کے پچیسویں حصے کو ایک ذراع قطر والے کرہ سے ہو سکتی ہے"

قدما اور رفاصکر ثیون کا بھی یہی بیان ہے، قدما اور عرب دونوں کا یہ خیال ہے کہ زمین کرات سماوی کے مقابلے میں صرف ایک نقطہ ہے، یہ بیانات ان احساسات کا آئینہ ہیں، جو مختلف کرات کے باہمی تفاوتِ بعد و حجم کو معلوم کرنے سے پیدا ہوتے ہیں، اسی مسئلۂ تفاوت کا پورا پورا حل بعد میں حساب جزئیات (Differential calculus) سے کیا گیا، ابو الفدا کا وہ بیان جس میں وہ تین آدمیوں کے واپسی پر ایک جگہ ملنے کا ذکر کرتا ہے، بلاشبہ ایک نیا خیال ہے، ان تینوں آدمیوں میں سے دو کرۂ ارض کے سفر کیلئے روانہ ہوتے ہیں، ایک مشرق کی جانب اور دوسرا مغرب کی جانب اور تیسرا شخص اپنی جگہ پر قائم رہتا ہے، جو شخص مغرب کی جانب روانہ ہوتا ہے، وہ اپنے مکمل دورے میں

ایک دن بچا لیتا ہے، مثلاً وہ اپنے خیال میں جائے روانگی پر جمعرات کو پہنچا ہے، تو دراصل وہ جمعہ کا روز تھا، ۱۵۲۲ء میں اس امر کی تجربۃً تحقیق کی گئی ہے جب سٹین ول کینو (Sebastian del Cano) مگین (Magellan) کا ساتھی تین سال کے سفر کے بعد مغرب کی جانب سے روانہ ہو کر مشرق کی جانب سے اسپین واپس آیا، قدما کی طرح عرب بھی یہی سمجھتے تھے کہ زمین کے گرد خواہ وہ آباد ہو، یا غیر آباد، ایک سمندر محیط ہے، ان کا بلاشک یہ خیال تھا کہ یہ سمندر ایک بڑا گول دریا ہے، وہ اسکو بحر محیط کہہ کر پکارتے تھے، یعنی جو سمندر احاطہ کئے ہوئے ہو، یہ ایک قدیم خیال ہے، اور ان لوگوں کے عقیدے کے زیادہ مطابق و مناسب ہے، جو زمین کو ایک تیرتا ہوا قرص سمجھتے ہیں، بہ نسبت اس عقیدے کے جو اسکو ایک کرہ سمجھتے ہیں، ہومر سمندر کو ایک دریا سے تشبیہ دیتا ہے، جو زمین کے گرد احاطہ کئے ہوئے ہے، الحاصل یہ ایک ایسا خیال ہے جسکی بنیاد افسانوں پر ہے، اور جو ترقی یافتہ علم کے زمانہ تک قائم رہا ہے،

کرۂ ارض کی تقسیم، قدما نے کرۂ ارض کو خط سرطان، خط جدی اور دائرۂ قطبی کے ذریعہ پانچ منطقوں میں تقسیم کیا تھا، جس طرح اب بھی کیا جاتا ہے، پوسی ڈونی اس ان منطقوں کے اختراع کو پرمی نائڈ (Parmenide) کی طرف منسوب کرتا ہے،

ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمان جغرافیہ نگار اس تقسیم کی طرف زیادہ مائل نہ تھے، بلکہ وہ اقالیم کی تقسیم کو استعمال میں لاتے تھے، اقالیم کی تقسیم اروتستینس (Erotosthenes) کی کی ہوئی ہے، ان اقالیم کو عرض بلد کے ذریعہ ظاہر نہ کیا جاتا تھا، بلکہ سال کے بڑے سے بڑے دن کے طول کے ذریعہ، چنانچہ مارو (Maroe) مصر میں سب سے بڑا دن تیرہ گھنٹے کا ہوتا ہے، سین (Syene) میں ساڑھے تیرہ گھنٹے کا، اور اسکندریہ میں چودہ کا، اسلئے اقالیم کی وسعت غیر متعین ہے،

طول بلد و عرض بلد، ابو الفدا بھی اقالیم کے حدود قائم کرتا ہے، ہر اقلیم کے کنارے اور وسطی علاقہ پر سب سے بڑے دن کے طول کو، اور ساتھ ہی اسکے متعلقہ عرض بلد کو بھی ظاہر کرتا ہے، لیکن اس نے اپنی کتاب کو

اقالیم کے لحاظ سے تقسیم نہیں کیا یعقوبی نے بھی اس سے بڑھکر کچھ نہ کیا، ادریسی اسکے خلاف چلا، اور متعدد جغرافیہ نگار اسی نظام کے پابند رہے، عربون نے اقالیم کے خیال کو بطلیموس سے لیا، جس نے اروسٹنتین کی تقسیم میں کسی قدر تغیر کر لیا، (کرونومیٹر) کی ایجاد سے پہلے طول بلد کا صحیح اندازہ لگانا نہایت دشوار امر تھا، طول بلد کو معلوم کرنے کا قدیم طریقہ یہ تھا کہ دو بعید الفاصلہ مقاموں مثلاً روڈ اور اسکندریہ میں کسوف مہر و ماہ یا کسوف نجم (ستارہ) کے مشاہدہ کرنے اور اس واقعہ کے دونوں جگہ ظہور پذیر ہونے کے وقت کو لکھ لیتے، جو فرق ان دونوں وقتوں میں ہوتا، وہ دونوں مقاموں کے نصف النہار کا فرق سمجھا جاتا، اروسٹنتین کی کتاب میں یہی طریقہ پایا جاتا ہے، ہپارکس (Hipparchus) اور بطلیموس نے بھی یہی طریقہ استعمال کیا ہے، موخر الذکر نے بھی مقدم الذکر کے وقت کے متعلق مشاہدات کی مدد سے طول بلد نکالا ہے، اس کے بعد لوگ اگر کسی جگہ کے مقام کو قائم کرنا چاہتے، تو اس جگہ اور کسی دوسری جگہ سے جس کا طول البلد پہلے سے معلوم ہوتا، درمیانی راستون کے فاصلہ کا اندازہ لگا کر قائم کرتے، در اصل قدما نے براہ راست بہت کم طول بلد معلوم کئے، سڑکوں (راستوں) کے فاصلون کا تخمینہ بہت مشکوک ہوتا، بطلیموس نے عرض بلد اور طول بلد میں بڑی بھاری غلطیاں کی ہیں، قدما کا ابتدائی خط نصف النہار کے انتخاب میں اختلاف ہے، ہپارکس نے اپنے وطن روڈس کے خط نصف النہار کو ابتدائی مانا ہے، بطلیموس نے اس خط نصف النہار کو ابتدائی انتخاب کیا ہے، جو دنیا کے مغرب میں جزائر خالدات سے گذرتا ہے،

عربوں نے اس معاملہ مین کوئی نمایاں علمی ترقی نہیں کی، وہ اسی قدیم طریقے کو جو مشاہدہ کسوف پر مبنی تھا، مانتے تھے، طول بلد کو انھوں نے بطلیموس کی کتاب جغرافیہ اور ایک دوسری کتاب سے لیا ہے، جو جغرافیہ بطلیموس کی نقل معلوم ہوتی ہے، اور جس کا نام روئند ادربع مسکوں ہے، ان کے ایسے نقشوں میں جن کا ہمیں علم ہے، خطوط نصف النہار موجود نہیں، تاہم ہم دیکھتے ہیں، کہ بڑے بڑے مسلمان جغرافیہ نگار

صحیح طول بلد کے دینے کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں، گمان ہے کہ یہ خطوط اس مسطح مدوّر پر ضرور ہونگے جو ادریسی نے روجر شاہِ صقلیہ کیلئے تیار کیا تھا، ادریسی اپنے دیباچہ میں لکھتا ہے، :-

"بادشاہ قطعی طور پر یہ دریافت کرنا چاہتا تھا، کہ مختلف جگہوں کا طول بلد اور عرض بلد، اور ان کا فاصلہ کیا ہے، اس کے لئے اس نے ایک تختی سی تیار کی تھی، جس میں اوس نے مقیاس کے ذریعہ وقتاً فوقتاً ایسے خطوط ظاہر کئے تھے، جو مختلف کتابوں میں درج تھے، اور جن پر لوگوں کا اتفاق تھا، اور جو مختلف مصنفین کی آرار کا مقابلہ کر چکنے پر درست ثابت ہوئے تھے"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مقامات کو مسطح مدوّر پر ان کے درمیانی فاصلوں کا اندازہ کر کے لکھتے تھے، اس کے بعد ان کی جاے وقوع کے لحاظ سے جو نقشہ پر ظاہر کی گئی تھی، اون کا طول بلد نکالا جاتا تھا،

البیرونی کی کتاب قانون میں بڑے بڑے شہروں کے طول بلد کا نقشہ دیا ہوا ہے، وہ ان کی تصحیح کرنے پر فخر کرتا ہے، لیکن اس کے بیان کے مطابق یہ اصلاحات اس کے اپنے مشاہدات کا نتیجہ تھیں، وہ پرانے کاغذات کے مندرجہ اعداد میں باہمی مناسبت و ترتیب پیدا کرنے پر قانع نظر نہیں آتا ہے، وہ لکھتا ہے، :-

"میں نے مختلف جگہوں کے طول بلد اور عرض بلد، بڑی محنت اور جانفشانی سے اپنے مشاہدات کے ماتحت جانچ کر کے لکھے ہیں، میں نے پرانی کتابوں کا محض تتبع نہیں کیا، بلکہ ان جگہوں کا باہمی فاصلہ دریافت کر کے خود تحقیق کی ہے، کیونکہ قدیم کتابوں میں بعض غلطیاں موجود ہیں بعض مصنفین طول بلد کا آغاز جزائرِ خالدات سے کرتے ہیں، اور بعض سمندر کے مغربی ساحلِ اقصیٰ سے، اسی طرح بعض ایسے ہیں، جو مشرق سے شروع کرتے ہیں، اس موخر الذکر طریق کا نتیجہ سوائے اسکے

اور کچھ نہیں کہ وہ مغربی ساحل سے شروع کرنے والوں کے نتائج کا محض تتمہ ہوتا ہے،

ابو الفدا نے بیرونی کے نقشہ سے بہت استفادہ کیا ہے، تاہم وہ اس غلطی سے بچ نہ سکا، جسکو البیرونی نے واضح کیا تھا، یعنی وہ کبھی طول بلد کے جزائر خالدات کے خط نصف النہار کے اعتبار سے نکالتا ہے، اور کبھی افریقہ کے انتہائی مغربی ساحل سے، ابو الفدا نے چند جگہوں کا عرض بلد ایک آلہ کے ذریعہ دریافت کیا تھا جس کو وہ قیاس کے نام سے پکارتا ہے، رینو اس لفظ کا ترجمہ استقرار کرتا ہے لیکن میرے نزدیک اس کے معنی مسطر یا پرکار کے زیادہ موزوں ہیں، (ادریسی کے مذکورۂ بالا بیان میں لفظ مقیاس سے مقابلہ کرو) اس نے ایک پرانے نقشہ پر پرکار یا مسطر کے ذریعہ خطوط طول البلد کھینچے، وہ لکھتا ہے کہ اس نے ان تمام مقامات کی تحقیق کی ہے، جو اس کے وطن حماۃ کے طول بلد پر واقع تھے، اس نے فرسی (Fares) نامی ایک شخص کی تصنیف کتاب الاطوال (یعنی کتاب طول بلد اور عرض بلد) سے استفادہ کیا تھا، اور ہسپانیہ کے مشہور و معروف جغرافیہ نگار ابن سعید مغربی کی تصنیف کو بھی دیکھا تھا، (۶۱۰ھ تا ۶۷۳ھ)

دائرۂ نصف النہار کی پیمائش عرب علما نے ایک نہایت لطیف علمی مشاہدہ کیا تھا، وہ دائرۂ نصف النہار کی پیمائش تھی، وہ چاہتے تھے کہ بطلیموس کی پیمائش کی تحقیق یا تصحیح کریں،

قدیم زمانہ میں کرۂ ارض کے محیط دائرہ کی پانچ مختلف پیمائشیں کی گئی تھیں، پہلی ارسطو کی، (جو غالباً یوڈوکس (Eudoxe) کی ہوگی) وہ زمین کے دائرہ کو ۴۰۰۰۰۰ فرلانگ بتاتا ہے، دوسری ارشمیدس کی جو آری نیر (Arenaire) میں درج ہے اور ایک مصنف کے قول کے مطابق جس کا نام ارشمیدس نے لکھا، ۳۰۰۰۰۰ فرلانگ ہے، تیسری اروٹیتھس کی ۲۵۲۰۰۰ فرلانگ تقریباً ۷۰۰ فرلانگ فی ڈگری، چوتھی پیمائش پوسیڈونیس کی ۲۴۰۰۰۰ فرلانگ اور پانچویں بطلیموس کی جو اسکو اپنے جغرافیہ میں ۱۸۰۰۰۰ فرلانگ بتاتا ہے،

ان اعداد کی قدر و قیمت اسی حالت میں ہو سکتی ہے، جب کہ ہمیں فرلانگ کی پوری پیمائش

کا پتہ ہو، لیکن یہ بہت مشکل بات ہے تاہم یہ لازمی امر ہے، کہ ہم ارسطو اور ارشمیدس کی بیان کردہ پیمایش میں یونانی فرلانگ کا حساب کریں، جو ۲۰۴ فٹ یا ۱۸۵ میٹر کے برابر ہوتا ہے، چنانچہ یہ پیمایش ۴۰۰۰۰ ۷ یا ۵۵۵۰۰ کیلو میٹر کے برابر ہوتی ہے، اروٹیتینس کے مطابق ایک فرلانگ ۳۰۰ مصری شاہی کیوبٹ (ذراع) کے برابر ہے یا ۱۵۷ میٹر کے برابر، اس سے زمین کا دائرہ ۳۹۶۹۰ کیلو میٹر ہوا، بطلیموس کے مطابق فرلانگ مصری ۴۰۰ شاہی کیوبیٹ یا ۲۱۰ میٹر ہوا، اور پوسی ڈونی کا ناپ اروٹیتینس کے ناپ سے ملتا ہے، چنانچہ ان دونوں کا اندازہ یکساں ہے یعنی ۴۰۰۰۰ کیلو میٹر،

ہم دیکھتے ہیں، کہ آخری تین پیمایشیں اور بالخصوص اروٹیتینس کی پیمایش ہمارے موجودہ چالیس ہزار کیلو میٹر کے اندازے کے بہت قریب ہے، یہ پیمایش محض اتفاقی نہ تھی، بلکہ اس ذہانت کا نتیجہ تھی، جس کی مدد سے اس نے قدیم آلات مشاہدہ کا استعمال کیا، وہ طریق مشاہدہ یہ تھا، کہ ایک ہی خط نصف النہار میں دو مختلف مقاموں پر دھوپ گھڑی کے راس السرطان اور راس الجدی کے سایہ کو دیکھا جاتا، اک سایہ سے ان دونوں جگہوں کے زاویہ راس کا پتہ چل جاتا، یعنی قوس کی پیمایش معلوم ہو جاتی، خلیفہ مامون نے کرۂ ارض کے دائرے کی پیمایش کے لئے علمار کے ایک گروہ کو جمع کیا، اور انھیں حکم دیا، کہ خط نصف النہار کے درجے کی پیمایش کریں، یہ لوگ جو طریق کار عمل میں لائے، وہ قدیم طریق سے مختلف تھا،

یہ تمام علمار ایک وسیع میدان میں جمع ہوئے، اور اسکے بعد اپنے آپ کو دو گروہوں میں تقسیم کر لیا، ایک نے شمال کی طرف قطب کا رُخ کیا، یہاں تک کہ وہ ایک درجے کی بلندی پر آ گئے، دوسرا گروہ جنوب کی طرف چلا حتیٰ کی شمالی قطب ایک درجہ نیچے ہو گیا، اس کے بعد انھوں نے طے کردہ فاصلے کی پیمایش کی، اور پھر واپس آکر ایک جگہ جمع ہوئے، اور اپنی پیمایشوں کا مقابلہ کیا، ایک نے $56\frac{1}{4}$ میل کی مسافت طے کی تھی، اور دوسرے نے ۵۶ میل کی، پہلے انھوں نے ان دونوں فاصلوں کا اوسط نکالا، اس کے بعد مستقل طور پر بڑی پیمایش یعنی $56\frac{2}{3}$ کو لے لیا، زیر بحث میل کی لمبائی چار ہزار ذراع

تھی، ہر ذراع، ۲ تھی پس سارے دائرہ کا اندازہ ۴۰،۲۲۵ کیلومیٹر ہوا،

چونکہ اس طریق پیمایش کا ذکر بہ تکرار آتا ہے، اسلئے معلوم ہوتا ہے، کہ اس عمل کو بار بار دہرایا گیا ہوگا، مسعودی بھی وادی سنجار میں ایک پیمایش کا ذکر کرتا ہے، جو کوفہ اور مدینۃ السلام کے درمیان تھی، اور دوسری طلیرہ اور رقہ کے درمیان، ابن یونس ایک اور پیمایش کا ذکر کرتا ہے، جو فرات کی ریگستانی وادی میں طلیرہ اور وامیہ کے درمیان کی گئی، دائرے کے ایک درجے کی مسافت کو ۲/۳ ۶۵ میل مقرر کر لینے کی وجہ محض نظری تھی، کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ یاقوت دوسرے ثقہ مصنفوں کے قول کی بنا پر بیان کرتا ہے، کہ یہ فاصلہ ۲۵ فرسنگ تھا اور فرسنگ کو تین میل سمجھتا ہے، ادریسی ایک درجہ کا فاصلہ ۲۵ لیگ خیال کرتا ہے، ایک لیگ ۱۲۰۰۰ ذراع کا ہوتا ہے،

البیرونی نے اپنی کتاب میں جو استعمال اصطرلاب پر ہے، دائرۂ نصف النہار کے قرص کی پیمایش کا ایک نہایت عمدہ طریقہ بتایا ہے، یہ طریقہ اس نے خود دریافت کیا تھا، وہ یہ ہے کہ ایک شخص صاف چٹیل میدان میں یا سمندر کے کنارے کسی ٹیلے پر کھڑا ہو جائے، اور وہاں اصطرلاب کے ذریعے غروب آفتاب کے مقام کو مد نظر رکھے، جہاں سورج غروب ہو، وہاں سے متوازی خط کے ساتھ زاویہ انخفاض (angle of depression) کا اندازہ کرے، پھر ٹیلے کی بلندی دریافت کر کے نصف قطر دریافت کرے اور پھر نصف قطر کو ۲۲/۷ سے ضرب دیکر دائرہ کی پیمائش نکل آئے گی،

سمت قبلہ کی دریافت، مسلمانوں میں تسخیر عالم کا شوق اور حج کعبہ کی تقدیس و عظمت دو زبردست محرکات ہوئے ہیں، جن کے باعث ان میں علم جغرافیہ نے خاص مقبولیت حاصل کر لی تھی، علاوہ بریں اس علم کے قبول عام کی ایک اور بھی وجہ ہے، اور وہ یہ ہے کہ مسلمان نماز قبلہ رو ہو کر پڑھتے ہیں، اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قبلہ کی سمت کیسے دریافت کی جائے، شہروں میں تو وہاں کے اصحاب علم و فضل، جغرافیہ نگار، اور ہیئت دان اس امر کا فیصلہ کر سکتے ہیں، ساتھ ہی مسجد کی محرابیں اس سمت خاص کا پتہ دیتی ہیں، لیکن جب ایک مسافر جنگل یا صحرا میں تنہا جا رہا ہو، اور قبلہ کی سمت دریافت کرنی ہو، تو اسکے لئے چارۂ کار کیا ہوگا؟ اسکے لئے امام غزالی

اپنی تصنیف احیاء العلوم میں تین چیزیں پیش کرتے ہین، اول کیفیات ارضی، دوسرے علم کائنات الجواؔ تیسرے ستارے، زمین کے حالات کا اندازہ اس طرح کیا جاتا ہے کہ کسی بلند پہاڑ کی چوٹی کو دیکھا جائے کہ فلان حدود کے اندر یہ چوٹی کعبے کے کس طرف واقع ہے، اوراس کے مطابق قبلہ کی طرف رُخ کیا جائے، دوسرے جنوبی اور شمالی ہواؤں کا رُخ دیکھکر صحیح سمت دریافت کرلیجائے، تیسرے ستاروں کو دیکھ کر معلوم کرلیا جائے کہ قبلہ کس طرف ہے، اور اگر دن کا وقت ہو، توسفر سے پہلے اپنے علاقے میں سورج کے طلوع وغروب کے مقام ذہن نشین کرلیئے جائیں، اوراسی نسبت سے یہ اندازہ کرلیا جائے، کہ قبلہ کس طرف کو ہے، یعنی بائیں جانب ہے، یا دائیں جانب، یاکسی اور جانب، یہ چیز نگے کے شمال میں رہنے والوں کے لیۓ ہے، اسی قسم کے مشاہدات ہرنماز کے وقت دہرانے پڑتے ہین، اب ایک بات اور بھی ہے، اور وہ یہ کہ سورج کی گردش کا رُخ موسم کے اعتبار سے تبدیل ہوتا رہتا ہے، چنانچہ اس تغیر کو بھی ملحوظ رکھا جاتا ہے،

غروبِ آفتاب کے بعد قطب ستارے سے کام لیا جاتا ہے، کیونکہ وہ اپنی جگہ تبدیل نہیں کرتا، یہ اندازہ کرکے کہ قطب ستارے کا رخ کیا ہے، قبلہ کی سمت دریافت کرلیجاتی ہے،

یہ بات ظاہر ہے کہ یہ مشاہدات صرف اسی حالت میں ضروری ہیں، جب کہ مسافت محدود ہو، ورنہ دور دراز سفر میں تو مختلف شہروں میں سے گذرنے کے باعث ہر جگہ مسجدیں نظر آتی ہونگی، اگرچہ ان مشاہدات کی کوئی علمی حیثیت نہیں، لیکن اتنا ضرور ہے کہ ان سے یہ معلوم ہوتا ہے، کہ عوام میں اس بات کے سمجھنے کی صلاحیت پیدا ہوگئی تھی، کہ مشاہدہ کیا شے ہے، اور ستاروں اور مختلف مقامات کے جغرافی حالات میں کیا تعلق ہے؟

تلخیص و تبصرہ

اسلامک آرٹ پر پولش مطبوعات

اس عنوان سے پولینڈ کے ایک محقق ٹاڈیو زمان کوسکی (Tadeusz Mankowski) کا ایک فاضلانہ مقالہ رسالہ آرس اسلامیکا جلد سوم حصۂ اول میں شائع ہوا ہے، جس کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:۔

پولینڈ میں اسلامک آرٹ کے اثرات کوئی بہت طویل مدت سے نہیں جاری ہیں، کبھی یہ خیال کیا جاتا تھا، کہ ان اثرات کی ابتدار پولینڈ اور سلطنت عثمانیہ کی جنگوں سے ہوئی، اور میدان جنگ سے جو مال غنیمت پولینڈ میں آتا تھا، اسی کو دیکھ کر مشرقی آرٹ کا ذوق اور ملکی مصنوعات میں اس آرٹ کی تقلید کا شوق پیدا ہوا، لیکن پرانے دفتری کاغذات کے مطالعہ سے یہ ثابت ہوگیا ہے، کہ اس باب میں جنگوں سے بہت زیادہ وہ باہمی تجارتی تعلقات اثر انداز ہوئے، جو صلح کے زمانوں میں دونوں ملکوں کے درمیان قائم رہتے تھے، ان تجارتی تعلقات کا سلسلہ قرون وسطی تک پہنچتا ہے، اسی زمانہ سے مشرقی مصنوعات پولینڈ میں آنے لگیں جن میں زیادہ ترقیمتی کپڑے، تلواریں، اور وہ تمام سامان ہوتے تھے، جو گھوڑے سے متعلق ہیں،

جن دفتروں میں یہ کاغذات محفوظ ہیں، ان کی تعداد بہت ہے، لیکن معلومات کے لحاظ سے ان کاغذات کا سب سے وافر ذخیرہ لواؤ (Lwow) میں ہے، جس سے پولینڈ پر اسلامی

آرٹ کے اثر سے متعلق نہایت اہم تفصیلات حاصل ہوتی ہیں، ترک ایرانی، یونانی، اور آرمینی تاجر جو مشرق سے آیا کرتے تھے، اپنے قضیوں میں جو ملکی باشندوں سے یا خود آپس ہی میں پیش آجاتے تھے، لواؤ کی قانونی عدالتوں سے چارہ جوئی کرتے تھے، چنانچہ لواؤ کے عدالتی دفتروں میں چودھویں صدی کے آخر سے ایسے کاغذات ملتے ہیں، جن سے نہ صرف ان تجارتی راستوں پر روشنی پڑتی ہے، جن سے مال تجارت کریمیا کی جنیوی نوآبادی کافہ سے لواؤ اور پولینڈ کے دوسرے علاقوں سے ہوتا ہوا مغرب لیجایا جاتا تھا، بلکہ ان صنعتوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے، جن کی مختلف چیزیں اس راستہ سے مشرق سے آیا کرتی تھیں، اسی طرح فلانڈرس (Flanders) سے کپڑے اور بحر بالٹک کے ساحلی ملکوں سے کاہربا کی بنی ہوئی چیزیں لواؤ سے ہوکر مشرق کو جایا کرتی تھیں،

لواؤ اور کمینیک پوڈولسکی (Kamieniec Podolski) کے پرانے کاغذات سے اس تجارت کے مفصل حالات معلوم ہوتے ہیں، باسفورس اور جزیرہ نمائے بلقان میں ترکوں کے قیام پذیر ہونے کے بعد بھی یہ تجارت بالکل بند نہ ہوئی، بلکہ صرف چند دنوں کے لئے موقوف ہوگئی، پیہم جنگوں کے باوجود پولینڈ اور اسلامی ملکوں کے تجارتی اور صنعتی تعلقات بڑھتے ہی گئے، ان تعلقات کو تقویت دینے میں آرمینیوں نے خاص حصہ لیا، جنھوں نے پولینڈ کے جنوبی مشرقی شہروں میں متعدد نوآبادیاں قائم کرلی تھیں، آرمینیوں کے عدالتی کاغذات سے پولینڈ کے ان سرحدی شہروں کی صناعیوں کا حال بھی معلوم ہوتا ہے، جہاں مشرق اور مغرب ملتے ہیں، ان کاغذات سے ایشیائے کوچک اور ایران کے دور دراز شہروں کی صنعتی زندگی کا بھی پتہ لگتا ہے، جہاں سے تاجر اپنا مال لیکر لواؤ اور کمینیک پوڈولسکی کے میلوں میں آیا کرتے تھے،

ان عدالتی قلمی دستاویزات کے علاوہ جو مطبوعات ہیں، وہ بھی اسی قدر اہم ہیں، لیکن ان سب میں ایسے معلومات نہیں ہیں، جو آرٹ کے مورخ کے لئے اہمیت رکھتے ہوں، علاوہ بریں یہ مطبوعات

سولہویں صدی سے قبل نہیں ملتیں، اس صدی کا وہ سفرنامہ دیکھنے کے قابل ہے، جو مارسین برونیوسکی (Marcin Broniewski) نے تاتار کے دو سفروں کے حالات میں لکھا تھا، اس میں کریمیا اور پولینڈ کے درمیان تجارتی راستوں کے حالات ملتے ہیں، جن سے مشرقی سامان خصوصًا زربفت وغیرہ پولینڈ لایا جاتا تھا،

سترہویں صدی کی لکھی ہوئی متعدد کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن میں سب سے زیادہ اہم سیفر موراٹووکز (Sefer Muratowicz) کا سفرنامۂ ایران ہے، جہاں وہ ۱۶۰۲ء میں شاہ زگمنٹ سوم (Zygmunt III) کی طرف بھیجا گیا تھا، یہ سفرنامہ ۱۷۷۷ء میں وارسا میں طبع ہو کر شائع ہوا، اوس کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۰۰ء میں نکلا، اس سفرنامہ میں موراٹو وکز نے ایران اور خصوصًا اصفہان اور کاشان کے حالات بیان کئے ہیں، جہاں اس کا قیام زیادہ تر رہا، کاشان میں شاہ عباس اوّل کے پارچہ بافی کے کارخانوں کے جو معلومات اس نے تحریر کئے ہیں، وہ بہت اہم ہیں، انھی کارخانوں میں موراٹو وکز نے شاہ پولینڈ کے لئے قالین بنوائے تھے، اور اون کو بنتے ہوئے خود بھی دیکھا تھا، یہ قالین ابھی تک موجود ہیں، اور ان سے ایران کی اس صنعت کی تاریخ معلوم کرنے میں بہت کچھ مدد ملتی ہے،

سیمین (Simeon) آرمینی کا سفرنامہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں، یہ آرمینی زبان میں ایک قلمی نسخہ سے شائع کر دیا گیا ہے، جو لواؤ یونیورسٹی کے کتب خانہ میں ہے، سیمین ۱۶۰۵ء میں لواؤ سے روانہ ہوا اور ۱۶۱۵ء تک ایشیائے کوچک، فلسطین اور مصر میں چار بار سفر کیا، اوس نے بعض شہروں کے فن تعمیر سے متعلق جو مفصل حالات تحریر کئے ہیں، وہ آرٹ کے مورخ کے لئے دلچسپی کا باعث ہو سکتے ہیں،

فادر ٹاڈیوز کروسنسکی (Father Tadeusz Krusinski) نے بھی جو ایک

جیسوئٹ مشنری تھا، اور لواؤ میں پیدا ہوا تھا، اپنا سفرنامہ لکھا ہے، لیکن اوس نے خصوصیت کے ساتھ ایران کے حالات بیان کئے ہین، جہاں اس کا قیام ۱۷۱۱ء سے ۱۷۲۸ء تک تھا، اس نے ایران سے متعلق کئی کتابیں لکھی ہین، لیکن آرٹ کے مورخ کے لئے اسکی سب سے زیادہ اہم کتاب "آخری جنگ ایران کا المیہ" (Tragedy of the last Persian war) ہے، جو متعدد زبانوں میں شائع ہوچکی ہے، اس میں شاہ عباس اوّل کے عہد کے پارچہ بافی کے تمام شاہی کارخانوں کے مفصل حالات درج ہین، نیز ادن تمام مقامات کی تصریح ہے، جہاں یہ کارخانے قائم تھے، ایرانی قالین، زربفت اور دوسرے قیمتی کپڑوں کی تجارت کے حالات بھی تفصیل سے بیان کئے ہیں، اور چونکہ تمام معلومات مصنف نے ذاتی تحقیق کی بنا پر فراہم کئے ہین، اسلئے یہ کتاب غیر معمولی اہمیت رکھتی ہے،

نیکوروورکز (Nikorowicz) کی تجارتی کوٹھی کے کاغذات سے بھی جو ۱۷۵۳ء سے ۱۷۶۸ء تک کے کاروبار سے متعلق ہیں، کافی مواد ملتا ہے، بیجک سے معلوم ہوتا ہے، کہ زربفت اور دوسرے قیمتی کپڑے اور تلواریں استنبول سے پولینڈ لاکر لواؤ میں فروخت کیجاتی تھیں، اس کوٹھی کے مالک دو آرمینی باپ بیٹے تھے، جو لواؤ میں آباد ہوگئے تھے، لیکن وہ باری باری استنبول میں بھی رہتے تھے، جس قلمی نسخہ میں مال تجارت کی فہرست اور بیجک وغیرہ درج ہیں، وہ لواؤ میں کاؤنٹ زیڈیوزاکی (Dzieduszycki) کے ذاتی کتب خانہ میں محفوظ ہے، مال کی فہرستون کے علاوہ کہیں کہیں زربفت وغیرہ کے متعلق بیانات اورانکے مختلف نام بھی ملتے ہین، نیز استنبول کے ان کارخانوں کا ذکر بھی آتا ہے، جہان یہ کپڑے بنے جاتے تھے، ان کاغذات سے اس زمانہ کی پارچہ بافی کی صنعت اور خصوصًا ان مشرقی چادروں کی بابت معلومات حاصل ہوتے ہیں، جوایک کثیر تعداد میں ترکی دارالسلطنت سے پولینڈ میں لائی جاتی تھیں، اس کوٹھی کے کاغذات کے علاوہ، دوسرے تجارتی بہی کھاتوں، سامان جہیز کی فہرستوں، اور امرائے پولینڈ کے متروکات

کے تقسیم ناموں سے بھی مشرقی قالینوں، چادروں، مختلف قیمتی کپڑوں، اور مرصع تلواروں کے بہت کچھ حالات معلوم ہوتے ہیں، یہ پولینڈ، ترکی اور ایران کی تجارت کی خاص چیزیں تھیں، اور سترھویں اور اٹھارہویں صدی میں پولینڈ میں ان کا رواج کثرت سے تھا،

انہی معلومات نیز مشرقی طرز کی چیزوں کے متعدد پولش ذخیروں پر پولینڈ کے ان معدودے چند مورخین نے جنھوں نے ان مسائل پر توجہ کی ہے، اپنی تحقیق کی بنیاد رکھی ہے، انھوں نے سب سے زیادہ کوشش کلچر اور آرٹ کے اُن تعلقات کو دریافت کرنے میں صرف کی ہے، جو کسی زمانہ میں پولینڈ اور اسکی جنوبی مشرقی سرحد سے متصل ترکی علاقوں، اور پھر بعد میں ایران کے ساتھ قائم تھے، حال تک پولینڈ کے طلبائے آرٹ اسلامک آرٹ کی تحقیق میں صرف اوسی حد تک حصہ لیتے تھے، جس حد تک اوس کا تعلق پولینڈ سے تھا،

اسلامک آرٹ کی تحقیق اوّل اوّل ولاڈسلا لوزنسکی (Wladyslaw Lozinski) نے شروع کی، جس نے اپنی کتاب "لواؤ کے امرا اور عوام سولھویں اور سترہویں صدی میں،" (Patriciate and Commonality of the Citizens in Lwow during the XVI and XVII Century) میں یہ دکھایا ہے کہ مشرق اور مغرب کے درمیان آرٹ کے تبادلہ میں لواؤ نے کس قدر حصہ لیا، اور بتایا ہے، کہ لواؤ ہی نے اسلامک آرٹ کو پولینڈ کے تمام وسیع علاقوں میں پھیلایا، اپنی دوسری کتاب "لواؤ میں سونے اور چاندی کی چیزیں" (Gold and Silver in Lwow) میں لوزنسکی دکھاتا ہے، کہ لواؤ میں زرگری کی صنعت پر اسلامک آرٹ کا کسقدر زیادہ اثر پڑا، یہ اثر آرمینی زرگروں کا رہین منت تھا، لوزنسکی اسپر اپنی ایک اور کتاب "لواؤ میں صنعت زرگری کا آرمینی خاتمہ" (Armenian Epilogue to the Goldsmith's Art in Lwow) میں بھی بحث کرتا ہے،

مشرقی آرٹ کے مسئلہ کا مطالعہ سب سے پہلے لوزنسکی ہی نے کیا، وہی پہلا شخص ہے، جس نے اسلامک آرٹ کے اثر کی سائنٹفک تحقیق کی، اور اون مصنوعات کی طرف توجہ دلائی، جن مین مشرقی اور مغربی آرٹ کے عناصر باہم ملے ہوئے نظر آتے ہیں، لوزنسکی سے قبل جو کتابیں لکھی جا چکی تھیں، وہ حسب ذیل ہیں :۔

۱۔ "قدیم پولینڈ کی صنعت وحرفت" (Information Concerning Industry and Art in old Poland)

۲۔ "پولینڈ کی چادریں ان کے کارخانے اور ان کے نشانات" (Polish Scarfs their weaving-workshops, and their marks)

۳۔ "سلک میں راڈز یولز کا چادروں کا کارخانہ" (The Weaving-work-Shop of Scarfs of the Radziwills in Sluck)

ان کتابون سے پولینڈ کی قدیم پارچہ بافی کی صنعت کے متعلق بہت زیادہ معلومات حاصل ہوئے، لیکن ان میں اسلامک آرٹ کے اثر کا جو نمایاں طور پر اس صنعت پر پڑا کوئی ذکر نہیں تھا،

مقالہ نگار نے خود بھی اس موضوع پر جو کچھ لکھا ہے، اُسے مندرجۂ ذیل رپورٹوں اور کتابوں میں شائع کر دیا ہے :۔

۱۔ مشرق ومغرب اور سترہویں صدی میں پولینڈ کی صنعت پارچہ بافی East and west in the Polish weaving Industry of the XVIIth Century

یہ رپورٹ سنہ ۱۹۳۲ء میں شائع ہوئی تھی، اس میں اہل پولینڈ کے انقلاب ذوق کو دکھایا گیا ہے، جب اونھون نے پارچہ بافی کی صنعت میں اطالوی نمونوں کو ترک کر کے اسلامک آرٹ کی تقلید شروع کی،

۲۔ دوسری رپورٹ میں جو ۱۹۳۳ء میں "مشرقی چادریں اور پولش چادریں" (Eastern

کے عنوان سے شائع ہوئی، کسی حد تک براہِ راست اسلامک آرٹ سے بحث کی گئی ہے اوران چادروں کا ذکر ہے جو اٹھارہویں صدی میں پولینڈ بھیجنے کے لئے استنبول میں تیار کیجاتی تھیں، نیز اس اثر کو بیان کیا ہے جو مشرقی چادروں نے پولش چادروں کی صنعت پر ڈالا،

۳- تیسری رپورٹ "لواؤ کی دستکاری" (Lwow Manufacture) کے عنوان سے ۱۹۳۴ء میں لواؤ کی سوسائٹی آف سائنس کے سامنے پیش کی گئی، اس میں دکھایا گیا ہے کہ سترہوین صدی میں لواؤ نے تلوار اور گھوڑے کے سازوسامان کی صنعت میں کس قدر حصّہ لیا، اور اس صنعت پر اسلامک آرٹ کا کہاں تک اثر پڑا،

۴- پولش اکاڈمی آف سائنس کے سامنے جو رپورٹ ۱۹۳۴ء میں پیش کی گئی، اُس میں بتایا گیا ہے، کہ سترہویں صدی میں منقش اور زرتار کپڑوں کی صنعت پر اسلامک آرٹ کا کتنا اثر پڑا،

۵- آخری تصنیف "لواؤ میں اہلِ آرمینیا کا آرٹ" (Art of the Armenians in Lwow) ہے، جو ۱۹۳۴ء میں شائع ہوئی، اس میں دکھایا گیا ہے، کہ پولینڈ میں اسلامی آرٹ کے پھیلانے مین آرمینیوں نے کتنا حصّہ لیا،

مذکورۂ بالا رپورٹوں کو یکجا کر کے، اور ان میں چند مزید ابواب کا اضافہ کر کے ایک مستقل کتاب شائع کر دی گئی ہے، جس کا عنوان ہے "سترہویں اور اٹھارہویں صدیوں میں پولینڈ کا اسلامک آرٹ"، (Islamic Art in Poland during the XVII and XVIII Centuries) پولینڈ میں اسلامک آرٹ کے اثر پر جتنی تحقیق کی جا سکتی تھی، وہ سب اس کتاب میں جمع کر دی گئی ہے،

ان تمام کتابوں میں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے، اسلامک آرٹ سے صرف اسی حد تک بحث کی گئی ہے، جس حد تک اس کا اثر پولینڈ پر پڑا، لیکن ان کے علاوہ پولینڈ میں ایسی کتابیں بھی لکھی گئی ہیں

جس کا دعویٰ مصنف نے دیباچہ میں کیا ہے، موصوف کے نزدیک آنحضرت صلعم کے سوانح حیات پر ابتک جتنی کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ سب ایک ہی طرز پر لکھی گئی ہیں جنمیں صرف تفصیلات کی کمی اور زیادتی کا فرق ہے نتیجہ یہ ہے کہ حضورؐ کی ذات گرامی "بے معنی تفصیلات" میں کھو کر رہ گئی ہے یہ بھی فرمایا ہے کہ ابن ہشام کے بعد سے آج تک مسلمانون نے اس باب میں مطلق کوئی ترقی نہیں کی، اور سب سے بڑھکر یہ دعویٰ ہے کہ قرآن مجید اور نبی کریم صلعم نے ہماری فلاح کا جو طریقہ بتایا ہے، اسے کوئی دوسرا مصنف آجتک بیان نہ کرسکا، اور بہ استثناء ایک اور اہل قلم کے مصنف ہی تنہا وہ شخص ہے جس نے سالوں اس موضوع پر غور وفکر کیا ہے، اور اس طریقہ کو بیان کرسکتا ہے، (دیباچہ)

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے،

دی میسج آف اسلام (The Message of Islam) (پیغام اسلام)

انگریزی، از جناب فضل کریم خانصاحب درّانی، ایڈیٹر ٹروتھ، لاہور، چھوٹی تقطیع ضخامت ۸۰ صفحے قیمت ۸

یہ رسالہ تین مقالات کا مجموعہ ہے، جنمیں سے پہلا پیغام اسلام، مصنف نے انجمن مذاہب کے اجلاس میں جو ۲۲ مئی ۱۹۳۶ء کو لکھنؤ میں منعقد ہوا تھا، بطور خطبہ کے پڑھا تھا، ان میں موصوف نے اسلام کی خوبیاں مدلل طریقہ سے بیان کرکے اچھوتوں کو قبول اسلام کی دعوت دی ہے، اور دکھایا ہے کہ توحید کا عقیدہ انسان کو کسقدر بلند درجہ پر پہنچا دیتا ہے، پھر اسلام کی یہ خصوصیت بھی واضح کردی ہے کہ وہ نہ صرف خالق اور مخلوق کے تعلقات کو استوار کرتا ہے، بلکہ انسانون کے باہمی تعلقات کی نگہداشت بھی کرتا ہے، اسکے بعد اسلامی مساوات اور اسلام کی عالمگیر اخوت کا موازنہ ہندو، سکھ، بودھ اور عیسائی مذاہب کی تنگ نظری سے کرکے اچھوتوں کو متنبہ کیا ہے، کہ انکی آزادی اور فلاح صرف اسلام ہی کے ذریعہ ممکن ہے، آخر میں ہندوستان کی آزادی پر بحث کرتے ہوئے دکھایا ہے، کہ اس کا واحد اور آسان طریقہ یہی ہے، کہ ہندو قوم جس میں سکھ بھی شامل ہیں، اسلام کی حلقہ بگوش ہوجائے، یہ رسالہ اس قابل ہے، کہ غیر مسلموں میں اس کی اشاعت کثرت سے کی جائے،

اسلام اینڈ کرسچینیٹی (Islam and Christianity) از جناب محمد امیر عالم صاحب اورنٹیل پرنٹرس اینڈ پبلشرس، کلکتہ چھوٹی تقطیع ضخامت ۲۵۰ صفحے، قیمت عاِر

یہ کتاب مسیحی تبلیغ کے جواب میں لکھی گئی ہو، مصنف نے مروجہ مسیحیت کے بنیادی عقائد کا تجزیہ کرکے ان کی کمزوری کو پوری طرح واضح کردیا ہو، اور دکھایا ہو کہ انھی عقاید کی وجہ سے یورپ اور امریکہ میں دین عیسوی کے پیرووں کی تعداد روز بروز کم ہوتی جارہی ہے، پھر اسلامی عقائد کو بیان کرکے ثابت کیا ہے، کہ یہی ایک مذہب ایسا ہو، جو عقل کی روشنی میں ترقی کرسکتا ہے، اور جس میں تہذیب و تمدن کا ساتھ دینے کی صلاحیت بدرجۂ غایت موجود ہے، جو لوگ عیسائیوں میں اسلام کی تبلیغ کرنا چاہتے ہیں انکے لئے اس کتاب کا مطالعہ مفید ہوگا

رفارمس ان حیدرآباد (Administrative Reforms in Hyderabad)

از جناب فتح اللہ خانصاحب نیو حیدرآباد پریس، اسٹیشن روڈ سکندرآباد دکن، ضخامت (۱۶۰) صفحے،

قیمت ۱۔ سے ر

یہ ایک مختصر تاریخ ہے، اُن تمام اصلاحات کی جو ریاست حیدرآباد کے پہلے فرمانروا نظام الملک آصف جاہ کے وقت سے اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہ کے عہد تک حکومت کے مختلف شعبوں میں جاری کی گئی ہیں، اسے پڑھکر بیک نظر معلوم ہوجاتا ہو کہ آصف جاہ نے حکومت میں کہاں تک امن قائم کیا انگریزوں اور فرانسیسیوں نے حکومت پر اپنا اقتدار قائم کرنے کی کتنی کوششیں کیں انگریزوں کو کیونکر کامیابی ہوئی، انگریزوں سے اتحاد کرنے میں حکومت کو کسقدر فائدہ یا نقصان پہنچا، سر سالار جنگ نے کیا اصلاحات جاری کیں، میر محبوب علی خاں مرحوم کا "قانونچہ مبارک" کیا تھا، جس سے رعایا کو ایک باضابطہ دستور حاصل ہوا اور پھر موجودہ عہد میں وہ کونسی اصلاحات نافذ ہوئی ہیں، جن سے حکومت کے ہر شعبہ میں نمایاں ترقی نظر آرہی ہے، کتاب اگرچہ مختصر ہے لیکن ضروری باتیں چھوٹنے نہیں پائیں، اور حکومت حیدرآباد سے متعلق کسی دوسری کتاب میں اتنے معلومات شاید یکجا نہ مل سکیں،

"ع ز"

دارالمصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدمار کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۴۴ صفحے قیمت للعہ از مولانا عبدالسلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

گل رعنا - اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت: صہ، از مولانا سید عبدالحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ، جس میں مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصہ اول - ضخامت ۳۴۹ صفحے، قیمت:- عہ۱۲ر

حصہ دوم، " ۲۹۱ " " عہ۱۲ر

موازنۂ انیس و دبیر، (از مولانا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت: ے ر سے ر

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ترکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ۴ر

(فادات مہدی)، ملک کے نامور انشا پرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ے ر حجم ۳۰۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲ر کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (از مولانا سید ریاست علی ندوی)

دارالمصنّفین کی جدید فہرست

اور کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف،

۱۹۳۵ء سے ہم نے دارالمصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کردی ہے، مکتبۂ دارالمصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہوگئی ہے، امید ہے کہ جو لوگ اس وقت تک دارالمصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دارالمصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ روپیے ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت عـہ/۲۶/۸ ہے لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیے میں دیا جائیگا، لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دارالمصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جاسکتا، کمیشن کی رعایت بہرصورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی — منیجر دارالمصنفین — اعظم گڈھ

مطبع معارف میں محمد ادریس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا،

ے - ۷

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۰ اگست ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت :- پانچ روپیہ سالانہ (۵)

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

جلد ۳۸	ماہ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ اگست ۱۹۳۶ء	عدد ۲

مضامین

سر فضل حسین کا ماتم ملک کے گوشہ گوشہ میں برپا ہے، مرحوم کے سیاسی مسلک سے کسی کو کتنا ہی اختلاف ہو مگر ان کی قابلیت، تدبیر، بیخوفی، دلیری، ہردلعزیزی، اور قومی بہی خواہی سے شاید ہی کسی کو اختلاف ہو، وہ ان حکومت پسندوں میں نہ تھے جو اپنی شخصی ترقی کو صرف اپنی خاندانی ترقی کا زینہ بناتے ہیں، بلکہ ان میں تھے جو حکومت کا ساتھ دیکر اپنی سمجھ کے مطابق قوم اور ملک کی بھلائی کرتے ہیں، مرحوم کا سب سے بڑا کمال یہ تھا کہ وہ جس محفل میں ہوتے تھے اس پر چھا جاتے تھے، وہ فطری لیڈر تھے اور دوسرے ان کے ساتھ چلنے پر مجبور تھے، وہ وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہو کر گویا یہ کہنا چاہئے وہ صرف ممبر نہیں رہے تھے، بلکہ اپنی دانائی، عزم، حسن تدبیر اور دلائل کی قوت کی بنا پر پوری کونسل کی عنان سیاست کے تنہا مالک تھے،
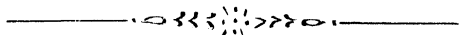
مرحوم مرض دق کے بیمار تھے، پھر بھی مجلس حکومت کی رکنیت سے علحدہ ہو کر انھوں نے آرام نہیں کیا، بلکہ سیاسیات پنجاب کی الجھی ہوئی گتھی کو اپنی شبانہ روز کی محنت سے سلجھانے میں مصروف ہوگئے، اور یہ ان کا کمال سمجھنا چاہئے کہ وہ ہندؤوں اور مسلمانوں کی ایک متحدہ سیاسی پارٹی بنانے میں کامیاب ہوگئے، اور خود اعتمادی یہ تھی کہ ہر مخالف کوشش کو بے حقیقت سمجھ کر اپنے کام میں بے خوف لگے رہے، گو ہم کو یہ معلوم ہے کہ اس متحدہ پارٹی کی پراگندہ اوراق کتاب کا شیرازہ کس نے باندھا، تاہم مرحوم کی مہارت فن کی داد دینی پڑتی ہے کہ خود شیرازہ بند کو بھی یہی محسوس ہوتا تھا کہ ان منتشر اوراق کا شیرازہ خود ان کی ذات ہے، پروردگار عالم ان پر رحمت فرمائے، اور اپنے فضل و کرم سے آخرت کی عزت سے بھی ان کو سرفراز کرے،
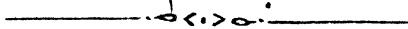
سید رشید رضا اڈیٹر المنار مصر کی وفات سے یہ ڈر تھا کہ ایسا نہ ہو کہ ان کا بین الاقوامی اسلامی رسالہ المنار بند ہو جائے، مگر ان کے عزیزوں اور دوستوں کی کوشش سے یہ خطرہ دور ہو گیا، المنار اب پھر نکلنا شروع ہو گیا ہے، انکی تفسیر کے سلسلہ کو شام کے مشہور سلفی عالم شیخ بہجت عطار نے اور رسالہ کی اڈیٹری کے فرض کو سید مرحوم کے بھتیجے سید محی الدین رضا نے اپنے ذمہ لیا ہے، اور محرم ۱۳۵۵ھ کے حساب سے اس کی اشاعت شروع کر دی ہے، امید ہے کہ رسالہ اپنی عالمگیر اسلامی حیثیت کو قائم، اور مرحوم کے روحانی فیض کو جاری رکھے گا،

اعظم گڈھ میں بمقام سرائے میر عربی کا ایک جدید طرز کا مدرسہ مولانا شبلی مرحوم کے بنائے ہوئے خاکہ کے مطابق مدرسۃ الاصلاح کے نام سے پچیس چھبیس برس سے قائم ہے، اس کے ناظم مولنا حمید الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے، مولنا حمید الدین صاحب نے مراجعت وطن کے بعد اپنی بقیہ زندگی اسی مدرسہ کی علمی و تعلیمی رہبری میں صرف فرمائی، اسی کی خاطر انھوں نے ہزار روپیے ماہوار کی نوکری چھوڑی، گھر بار چھوڑا، مدرسہ ہی میں بود و باش اختیار کی، اور وہاں کے طلبہ و مدرسین کو قرآن پاک کا درس دینا شروع کیا، اور اپنی ساری متاعِ علمی مدرسہ کے چند ہونہار طلبہ کے سپرد کر دی،

اس مدرسہ کا مقصد یہ ہے کہ عربی صرف و نحو کی دقتوں کو کم کر کے عربی علوم کی تعلیم دیجائے، قرآن پاک کو اس تعلیم کا محور بنایا جائے، دوسرے علوم کو قرآن پاک کا خادم سمجھکر سکھایا جائے، اور فلسفہ و منطق کی دور از کار کتابوں کو بہت کم کر دیا جائے، مدرسہ کا کاروانِ عمل شروع سے آج تک اسی راہ پر چل رہا ہے، اور اچھے نتیجے پیدا کر رہا ہے، اس میں کام کرنے والے چند مدرس نہایت ایثار پیشہ، بے غرض اور مخلص علما رہے ہیں، جن میں کچھ ندوۃ العلماء کے تعلیم یافتہ، اور کچھ خود اسی مدرسہ سے نکلے ہوئے ہیں، مدح و ستایش نہیں واقعہ ہے کہ ان مدرسین نے مہینوں قوت لایموت پر گذر کر کے اور سالہا سال تنخواہ نہ پاکر اس اخلاص اور ایثار کے ساتھ

کام کیا ہے، اور اب تک کر رہے ہیں کہ ہمارے موجودہ قومیات میں اس کی مثال مشکل سے ملیگی،

اس پاس میں "علماے زمانہ" کی کمی نہیں، انھوں نے اس کے مقابل دوسرا مدرسہ قائم کیا، اور اپنے مدرسہ کے چلانے کے لئے یا اپنے زعم میں نیک نیتی سے وقتاً فوقتاً مدرسۃ الاصلاح کے خلاف غلط افواہیں پھیلا کر مسلمانوں کو اس کی امداد سے روکنے کی کوشش کرتے رہے، لیکن ع دشمن اگر قوی ست نگہبان قوی تر ست، ان کی ہر کوشش ناکام ہوتی رہی، اور مدرسۃ الاصلاح کا کام بڑھتا ہی رہا، چنانچہ کئی ماہ سے مدرسۃ الاصلاح کے چند علماء نے مل کر مولٰنا حمید الدین مرحوم کی یادگار اور ان کی تصنیفات قرآنی کی اشاعت کے لئے دائرہ حمیدیہ قائم کیا ہے، اور اس کی طرف سے الاصلاح نام ایک رسالہ جاری ہوا ہے، جو ماہ بماہ کامیابی کیساتھ نکل رہا ہے،

یہ جدید ترقی مخالفوں کے سامان "ہیزم کشی" کے لئے آگ ثابت ہوئی، انھوں نے اسکی تباہی کے لئے اپنے آخری بے پناہ حربہ (کافرگری) کو استعمال کیا، اور تھانہ بھون، سہارنپور، دہلی، بمبئی اور دیوبند وغیرہ کے چند علماء کو مولٰنا شبلیؒ اور مولٰنا حمید الدینؒ کی چند بے محل عبارتیں دکھلا کر دونوں کی تکفیر کا فتویٰ لے آئے، جس پر اہل علماے کرام کی تصدیقی مہریں ثبت ہیں، پھر دہلی و میرٹھ و بچھراؤں وغیرہ سے ایک درجن ایسے علماء بلا کر لے آئے جو اپنے مخالفوں کو بہتر سے بہتر مذہبی اور اخلاقی گالیاں دے سکیں، چنانچہ مدرسہ کے قریب کی ایک زمین میں جلسہ جما کر تین روز تک پیہم ان دو مرحومین کو اور ان کے تعلق سے مدرسہ کو بدتر سے بدتر کلمات ناشائستہ سے یاد فرماتے رہے،

یہ واقعہ اپنی نوع کا جیسا بھی ہو تاہم ہم اپنے برادران و عزیزان مدرسۃ الاصلاح کو مبارکباد دیتے ہیں کہ مخالفون کے اس کل مظاہرہ میں انھوں نے صبر و سکون کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا، اور ان کے پانوں تہذیب و متانت اور وقار و تمکنت کے جادہ سے الگ نہیں ہوئے، دوسری بشارت اس میں یہ ہے کہ دشمنوں نے اپنے ترکش کا آخری تیر بھی چھوڑ لیا اور انھیں معلوم ہو گیا کہ ان کے بازؤں میں زور اور ہمارے سینوں میں مضبوطی کتنی ہے، اب وہ بھی آرام سے رہینگے اور ہم بھی آرام پائینگے،

مقالات

اسلام میں حیوانات کیساتھ سلوک

"اسلام میں جانور کو کھانے کے لئے ذبح کرنا جائز ہے، اور ساتھ ہی یہ کہ مسلمان کسی جانور کو مقدس سمجھ کر اسکی تعظیم و تکریم نہیں کرتے، نہ وہ کسی جانور کو اپنی ماتا کہتے ہیں، اسلئے بعض فرقوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ اسلام میں کسی جانور کیساتھ نیک سلوک کرنا ثواب کا کام نہیں،

ذیل کا مضمون اسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے شائع کیا جاتا ہے، یہ درحقیقت سیرۃ نبوی کی چھٹی جلد کے چند صفحے ہیں،"

"س"

اسلام دنیا میں لطف و محبت کا جو عام پیغام لیکر آیا تھا، اس کا سلسلہ حیوانات تک وسیع ہے، اس نے حیوانات کیساتھ متعدد طریقوں سے سلوک کرنے کی ہدایت کی، اہل عرب وحشت اور قساوت کی وجہ سے حیوانات پر طرح طرح کے مظالم کرتے تھے، وہ جانوروں کو اندھا دھند مار کر گرا دیتے تھے، اور لوگوں سے کہتے تھے کہ تم ان کو کھاؤ، اور اسکو فیاضی سمجھتے تھے، دو آدمی شرط باندھکر کھڑے ہو جاتے تھے، اور باری باری سے اپنا اپنا ایک اونٹ ذبح کرتا چلا جاتا تھا، جو رک جاتا وہ ہار جاتا، یہ سب جانور دوست و احباب کی دعوت میں نذر ہو جاتے تھے، یہ بھی فیاضی سمجھی جاتی تھی، ان واقعات کا ذکر اشعارِ عرب میں موجود ہے، ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرجاتا، تو اسکی سواری کے جانور کو اس کی قبر پر باندھتے تھے

اور اسکو دانہ گھاس اور پانی نہیں دیتے تھے، اور وہ اسی حالت میں سوکھکر مرجاتا، ایسے جانور کو بلیہ کہتے تھے، اسلام آیا تو اوس نے اس سنگدلی کو مٹا دیا،

عرب میں ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جانور کو کسی چیز سے باندھ کر اس پر نشانہ لگاتے تھے، آنحضرت صلعم نے اس قسم کے جانوروں کے گوشت کو ناجائز قرار دیا، اور عام حکم دیا کہ کسی ذی روح چیز کو اس طرح نشانہ نہ بنایا جائے[۵۱] ایک بار ایک لڑکا اسی طرح ایک مرغی کو باندھ کر تیر کا نشانہ بنا رہا تھا حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے مرغی کو کھول دیا، اور مرغی کیساتھ اس لڑکے کو لیکر اس کے خاندان میں آئے، اور کہا کہ اپنے لڑکے کو اس سے منع کرو، کیونکہ رسول اللہ صلعم نے اس طریقہ سے جانوریا اور کسی جاندار کے نشانہ بنانے کی ممانعت فرمائی ہے، اسی طرح کچھ اور لوگ مرغی کو باندھ کر نشانہ بنا رہے تھے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا گذر ہوا، تو وہ لوگ بھاگ گئے، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے کہا کہ ایسا کس نے کیا ہے، جو لوگ ایسا کرتے ہین، رسول اللہ صلعم نے ان کو ملعون قرار دیا ہے[۵۲]، اس سے بھی زیادہ بیرحمانہ طریقہ یہ تھا، کہ زندہ اونٹ کے کوہان، اور دنبہ کے دم کی چکتی کاٹ کر کھاتے تھے، رسول اللہ صلعم نے مدینہ میں آکر یہ حالت دیکھی، تو فرمایا کہ اس طریقہ سے زندہ جانوروں کا جو گوشت کاٹ کر کھایا جاتا ہے وہ مردار ہے[۵۳] یہ ایک خاص صورت تھی، لیکن عموماً زندہ جانوروں کے مثلہ کرنے یعنی ان کے کسی عضو کے کاٹنے کی ممانعت فرمائی، اور ایسا کرنے والے پر لعنت بھیجی[۵۴] بلا ضرورت کسی جانور کے قتل کرنے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا[۵۵]، ایک حدیث میں ہے کہ کسی نے اگر کنجشک یا اس سے بھی کسی چھوٹے جانور

ﻫ۵۱ ترمذی ابواب الصید باب ماجاء فی کراہیۃ اکل المصبورہ ص ۲۵۵، ﻫ۵۲ بخاری کتاب الذبائح والصید، باب مایکرہ من المثلۃ والمصبورۃ والمجثمۃ ﻫ۵۳ ترمذی ابواب الصید باب ماجاء ما قطع من الحی فہو میت، ﻫ۵۴ بخاری کتاب الذبائح والصید باب مایکرہ من المثلہ والمصبورۃ والمجثمۃ ﻫ۵۵ مستدرک حاکم جلد ۲، ص ۱۸۲،

کو اس کے حق کے بغیر ذبح کیا، تو خدا اس کے متعلق اس سے بازپرس کریگا، صحابہ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ!
اس کا حق کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ اسکو ذبح کرے، اور کھائے یہ نہیں، کہ اس کا سر کاٹ کے پھینک دیئے[1]
اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے، کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا نہیں جاتا، اور وہ درندہ بھی نہیں اُن کا
مارنا جائز نہیں، سُنن نسائی میں ہے کہ جو شخص کنجشک کو بلاضرورت ماریگا، وہ قیامت کے دن خدا کے یہان
فریاد کریگی، کہ فلاں نے مجھ کو بلاضرورت مارا ہے، اس سے اس کا کوئی فائدہ نہ تھا[2]، جو جانور کوئی نقصان
نہیں پہنچاتے، یا اون سے انسانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا ہے، ان کا مارنا بھی جائز نہیں، چنانچہ آپ نے خاص
طور پر چیونٹی، شہد کی مکھی، ہدہد اور صرد کے مارنے کی ممانعت فرمائی ہے[3]،

جو جانور ضرورةً مارے یا ذبح کئے جاتے ہیں، ان کے مارنے یا ذبح کرنے میں بھی ہر طرح کی
نرمی کرنے کا حکم دیا، ایک حدیث میں ہے کہ آپنے فرمایا، کہ خدا نے ہر چیز پر احسان کرنا فرض کیا ہے
اسلئے جب تم لوگ کسی جانور کو مارو، تو اچھے طریقے سے مارو، اور جب ذبح کرو تو اچھے طریقے سے ذبح
کرو، تم میں ہر شخص چھری کو تیز کرلے، اور اپنے ذبیحہ کو آرام پہنچائے[4]،

ایک حدیث میں ہے، کہ ایک صحابی نے کہا کہ یا رسول اللہ میں بکری کو ذبح کرتا ہون تو مجھے اس
پر رحم آتا ہے، یا یہ کہ مجھے اس پر رحم آتا ہے، کہ بکری کو ذبح کرون، فرمایا کہ اگر تم بکری پر رحم کرتے ہو تو
خدا تم پر رحم کرے گا[5]،

یہی وجہ ہے کہ دانت سے کاٹ کر یا ناخن سے خراش دے کر جانوروں کے ذبح کرنے
کی ممانعت فرمائی[6]، کیونکہ اس سے جانوروں کو تکلیف ہوتی ہے، کنکر، پتھر، یا غلیل چلانے کی

---

[1] مشکوٰۃ کتاب الصید والذبائح ص ۳۵۰، [2] نسائی کتاب الضحایا ص ۶۷۹، [3] مشکوٰۃ کتاب الصید والذبائح صفحہ ۳۶۲، [4] مسلم کتاب الصید والذبائح باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرۃ
[5] مسند ابن حنبل جلد ۳ ص ۴۳۶، [6] نسائی صفحہ ۲۲۴،

بھی ممانعت فرمائی، اور فرمایا کہ اس سے نہ شکار ہو سکتا، نہ دشمن شکست کھا سکتا، البتہ اس سے دانت ٹوٹ سکتا ہے، اور آنکھ پھوٹ سکتی ہے[۱] مطلب یہ کہ بلا ضرورت جانوروں اور پرندوں کو جسمانی صدمہ پہنچانا جائز نہیں،

جانوروں کے ساتھ جو بیرحمیاں کی جاتی تھیں، ان کا اصل سبب یہ تھا کہ اہل عرب کو یہ معلوم نہ تھا، کہ جانورون کو دُکھ درد پہنچانا گناہ کا کام ہے، اس لئے رسول اللہ صلعم نے اہل عرب کو بتایا کہ جسطرح انسانوں کی ایذا رسانی ایک شرعی جرم ہے، اسی طرح جانوروں کی ایذا رسانی بھی ایک مذہبی گناہ ہے، چنانچہ ایک عورت کی نسبت آپنے فرمایا کہ اُس پر صرف اسلئے عذاب ہوا کہ اس نے ایک بلی کو باندھ دیا، اور اسکو کھانا پانی کچھ نہ دیا، اور آخر وہ اسی طرح بندھی بندھی مرگئی[۲] بلکہ لوگ چونکہ انسانوں کی بہ نسبت جانورون کو زیادہ ستاتے ہیں اس لئے وہ اس معاملے میں بہت زیادہ گنہگار ہین، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ جانوروں کیساتھ جو بدسلوکیاں کرتے ہو، اگر خدا ان کو معاف کر دے تو سمجھو کہ اس نے تمھارے بہ کثرت گناہ معاف کر دیئے[۳]

ایک حدیث میں ہے کہ ایک پیغمبر کسی درخت کے نیچے اترے، تو ان کو ایک چیونٹی نے کاٹ لیا، اونھون نے پہلے اپنا سامان اس جگہ سے ہٹایا، پھر تمام چیونٹیوں کو آگ سے جلا دیا، اس پر خدا نے ان کو وحی کے ذریعہ سے متنبہ کیا کہ صرف ایک ہی چیونٹی کو کیوں نہیں جلایا[۴] یعنی قصاص کی مستحق صرف یہی چیونٹی تھی جس نے کاٹا تھا، تمام چیونٹیوں کا قصور نہ تھا، ایک حدیث میں ہے، کہ ایک سفر جہاد میں صحابۂ کرام ایک چڑیا کے دو بچے پکڑ لائے، چڑیا فرط محبت سے ان کے گرد منڈلانے لگی، رسول اللہ صلعم فضائے حاجت کے لئے گئے ہوئے تھے، واپس آکر یہ حالت دیکھی تو فرمایا کہ اسکے بچون کو پکڑ کر کس نے اسکو بیقرار کیا ہے

۱؎ بخاری کتاب الذبائح والصید باب الخذف والبندقہ، ۲؎ بخاری کتاب الانبیا صفحہ ۴۹۵، ۳؎ مسند ابن حنبل جلد ۶ صفحہ ۴۴۱، ۴؎ بخاری جلد اول کتاب بدء الخلق، ص ۴۶۷،

اُسکے بچّون کو چھوڑ دو، صحابۂ کرام نے چیونٹیوں کے ایک گھر کو بھی جلادیا تھا، دریافت کرنے پر جب معلوم ہوا، کہ یہ خود صحابہ کا فعل تھا، تو فرمایا کہ آگ کی سزا دینا صرف خدا ہی کیلئے سزاوار ہے[۵۱]،

اسی طرح اہلِ عرب کو یہ معلوم نہ تھا کہ جس طرح انسانوں کیساتھ سلوک کرنا ثواب کا کام ہے، بعینہٖ اسی طرح جانوروں اور پرندوں کیساتھ سلوک کرنا بھی موجبِ ثواب ہے، اسی عدمِ واقفیت کی بنا پر ایک صحابی نے آپ سے دریافت کیا، کہ میں نے خاص اپنے اونٹوں کیلئے پانی کے جو حوض بنائے ہین، اُن پر بھولے بھٹکے اونٹ بھی آجاتے ہین، اگر میں ان کو پانی پلادون، تو کیا مجھکو اس پر ثواب ملے گا؟ فرمایا کہ ہر پیاسے یا ہر ذی حیات کے ساتھ سلوک کرنے پر ثواب ملتا ہے[۵۲]،

ایک حدیث میں ہے، کہ ایک شخص راستے میں جا رہا تھا، کہ اسکو سخت پیاس لگ گئی اتفاق سے اسکو ایک کنواں مل گیا، اور اُس نے کنوئیں میں اتر کر پانی پی لیا، کنوئیں سے نکلا، تو دیکھا کہ کتّا پیاس سے زبان نکال رہا ہے، اور کیچڑ چاٹ رہا ہے، اوس نے اپنی پیاس کی شدت کو یاد کرکے اس پر ترس کھایا، اور کنوئیں میں اتر کر پانی لایا، اور اسکو پلایا، خدا کے نزدیک اس کا یہ عمل مقبول ہوا، اور خدا نے اسکو بخش دیا، صحابۂ کرام نے اس واقعہ کو سُنا تو بولے کہ یا رسول اللہ کیا جانوروں کے ساتھ سلوک کرنے میں بھی ثواب ملتا ہے؟ فرمایا کہ ہر ذی حیات کیساتھ سلوک کرنا موجبِ ثواب ہے[۵۳]،

اس اصول کی بنا پر رسول اللہ صلعم نے مسلمانوں کے تمام احسانات کو عام کر دیا، اور فرمایا کہ جو مسلمان درخت نصب کرتا ہے، یا کھیتی باڑی کراتا ہے، اور اسکو چڑیا یا انسان یا جانور کھاتا ہے، تو یہ ایک صدقہ یعنی ثواب کا کام ہے[۵۴]،

---

۵۱ ابو داؤد کتاب الجہاد باب فی کراھیۃ حرق العدو ۵۲ ابن ماجہ باب الادب باب فضل صدقۃ الماء ۵۳ بخاری کتاب الادب باب رحمۃ الناس والبہائم، ۵۴ بخاری ابواب الحرث والمزارعۃ باب فضل الزرع والغرس اذا اکل منہ،

اس اصول کے بتانے کے بعد عملی طور پر جانورون کیساتھ سلوک کرنے کے متعدد اصول بتائے یعنی

۱- جو جانور جس کام کے لئے پیدا کیا گیا ہے، اس سے وہی کام لینا چاہئے، چنانچہ فرمایا کہ ایک شخص ایک بیل پر سوار ہو کر جا رہا تھا، بیل نے مڑکر کہا کہ میں اس کے لئے نہیں پیدا کیا گیا ہون، صرف کھیتی باڑی کے لئے پیدا کیا گیا ہون[۱]، نیز فرمایا کہ اپنے جانوروں کی پیٹھ کو منبر نہ بناؤ، خدا نے ان کو تمہارا فرمانبردار صرف اسلئے بنایا ہے، کہ وہ تمکو ایسے مقامات میں پہنچا دیں جہان تم بڑی مشقت سے پہنچ سکتے تھے، تمھارے لئے خدا نے زمین کو پیدا کیا ہے، اپنی ضرورتین اسی پر پوری کرو[۲]، اگرچہ رسول اللہ صلعم نے بعض موقعون پر اونٹ کی پشت پر بیٹھ کر خطبہ دیا ہے، اس لئے اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بلا ضرورت سواری کے جانورون کی پشت پر بے سبب بیٹھے رہنا مناسب نہیں کہ اس سے جانور کو غیر ضروری تکلیف ہوتی ہے، صرف سفر کی حالت میں اس پر سوار ہونا چاہئے،

۲- جانورون کے آرام و آسایش کا خیال رکھنا چاہئے، چنانچہ فرمایا کہ جب تم لوگ سرسبزی اور شادابی کے زمانہ میں سفر کرو، تو اونٹوں کو زمین کی سرسبزی سے فائدہ پہنچاؤ، اور جب قحط کے زمانے میں سفر کرو تو اسکو تیزی کیساتھ چلاؤ[۳]، تاکہ قحط کی وجہ سے اسکو گھاس یا چارے کی جو تکلیف راستہ میں ہوتی ہے، اس سے وہ جلد نجات پائے، ایک بار آپ نے ایک اونٹ دیکھا جس کا پیٹ بھوک کی وجہ سے پیٹھ سے لگ گیا تھا، فرمایا، ان بے زبان جانورون کے معاملہ میں خدا سے ڈرو، ان پر سوار ہو تو اون کو اچھی حالت میں رکھ کر سوار ہو، اور اون کو کھاؤ، تو اون کو اچھی حالت میں رکھکر کھاؤ،

---

[۱] بخاری ابواب الحرث و المزارعۃ باب استعمال البقر للحراثۃ، [۲] ابو داؤد کتاب الجہاد فی الوقوف علی الدابۃ، [۳] مسلم کتاب الامارۃ باب مراعاۃ مصلحۃ الدواب فی السیر والنہی عن التعریس فی الطریق،

ایک بار آپ ایک انصاری کے باغ میں رفع حاجت کے لئے گئے، اس میں ایک اونٹ تھا، جو رسول اللہ صلعم کو دیکھکر بلبلایا، اور آب دیدہ ہوگیا، آپ اس کے پاس گئے، اور اسکی کنپٹی پر ہاتھ پھیرا، اور فرمایا کہ یہ کس کا اونٹ ہے، ؟ ایک انصاری نوجوان نے آکر کہا کہ "میرا، یا رسول اللہ" فرمایا اس جانور کے بارے میں جس کا خدا نے تمکو مالک بنایا ہے، خدا سے نہیں ڈرتے، اس نے مجھ سے شکایت کی کہ تم اسکو بھوکا رکھتے ہو، اور اس پر جبر کرتے ہو[۱]

۳- جانوروں کے منہ پر مارنے یا اس پر داغ دینے کی ممانعت فرمائی، اور ایسا کرنے والے کو ملعون قرار دیا[۲]،

۴- جانوروں کے باہم لڑانے سے بھی منع فرمایا[۳]، کہ اوس سے وہ بے فائدہ گھائل اور زخمی ہوکر تکلیف پاتے ہین،

---

[۱] ابوداؤد کتاب الجہاد باب ما یومر بہ من القیام علی الدواب والبہائم، [۲] ابوداؤد کتاب الجہاد باب وسم الدواب، [۳] ابوداؤد کتاب الجہاد باب فی التحریش بین البہائم،

سیرۃ النبیؐ جلد پنجم

اس جلد کا موضوع عبادات ہے، اس میں پہلے عبادت کی حقیقت اور اس کے اقسام کا بیان ہے، اس کے بعد فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج اور جہاد پر علٰحدہ علٰحدہ سیر حاصل بحث ہے، آخر میں، توکل، صبر، اخلاص، تقویٰ اور شکر کے معنی و مفہوم قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائے گئے ہیں، تقطیع کلان، ضخامت، ۴۳۰ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ ۵ر قسم دوم للعہ ر

"منیجر"

وقت کی ایک اہم تالیف

"اورنگزیب اور اُس کا عہد"[5]

مؤلفہ جناب ظہیر الدین صاحب فاروقی بی اے (علیگ) بیرسٹرایٹ لا بہرائچ،

از جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب رفیق دار المصنفین

"قرآن کے نظام سیاست نے ان ہندوؤں کی زندگی کو جو راسخ العقیدہ مسلمان حکمران کے زیر حکومت تھے، ناقابلِ برداشت بنا دیا تھا، اس نظامِ سیاست کا بہترین نمونہ اورنگزیب تھا، جس نے اپنی عدیم المثال اخلاقی سیرت اور مذہبی سرگرمی سے اس سیاست کو منطقیانہ تتمہ پر پہنچانا فرض سمجھا، اس نے ہندوؤں کے علوم و فنون کو منتشر کر دیا، ہندوؤں کی عبادتگاہوں کو منہدم کر دیا، ہندوؤں کے میلوں اور تہواروں کو روک دیا، ہندوؤں پر مالی بار کا اضافہ کیا گیا، انھیں ہر لحاظ سے نیچا دکھایا گیا، ان کو حکومت کی ملازمتوں سے محروم کر دیا گیا، پس اورنگزیب کے ماتحت جو ہندو تھے وہ اپنے علوم و فنون سے بے خبر ہو کر، مذہبی روایات سے بیگانہ ہو کر، معاشرتی ارتباط اور عام مسرتوں سے ناآشنا ہو کر زندگی بسر کر سکتے تھے، دولت اور خود اعتمادی سے بھی جو مواقع اور آزادی کے نتائج تھے وہ محروم تھے، غرضیکہ ان کی زندگی مستقل معاشرتی اور سیاسی مذلت ہو کر رہ گئی تھی" (اورنگزیب از جادو ناتھ سرکار جلدہ ص ۴۸۵-۴۸۶)

"اورنگزیب ایک کامیاب سپہ سالار، وزیر، مذہبی پیشوا، مکتب کا مدرس ہو سکتا تھا، لیکن قدرت کی ستم ظریفی نے اسے ایک تخت پر لاکر بٹھا دیا، نتیجہ یہ ہوا کہ اس کی زندگی ناکام ہو کر رہ گئی اور اس کی شہرت پامال ہو گئی، . . . . . وہ ایک درویش ہو سکتا تھا، گرچہ درویش کے اعلیٰ صفات سے بھی محروم تھا

---

[5] ملنے کا پتہ:- ڈی بی تاراپورے والا، ہارنبی روڈ بمبئی،

لیکن وہ حکمران کی حیثیت سے ایسا بدترین ثابت ہوا کہ اس سے زیادہ بدتر تصور نہین کیا جا سکتا ہے،"
(اسٹڈیز ان مغل انڈیا جادو ناتھ سرکار صفحہ ۶۰)

یہ الفاظ اورنگزیب کے اس سیرت نگار کے ہین جو محض اس کی سیرت نگاری کی بدولت دنیا مین ہر قسم کے جاہ و ثروت حاصل کرنے مین کامیاب ہوا ہے، عموماً ایک سیرت نگار ایک ایسی شخصیت کی سیرت نگاری کو موضوع قرار دیتا ہے جو عظیم الشان واقع ہوتی ہے لیکن یہ قدرت کی عجیب ستم ظریفی ہے کہ فاضل سیرت نگار نے بیس برس کی طویل مدت ایک ایسے حکمران کی سیرت نگاری مین گنوائی" جو ایسا بدترین ثابت ہوا کہ اس سے زیادہ برا تصور نہین کیا جا سکتا ہے، بیس برس کی کدوکاوش اور پانچ جلدون کی خامہ فرسائی کے بعد ایک سوانح نگار کا اپنے ہیرو کو نالائق، نااہل اور ناکام دکھانا سوانح نویسی کی ایک عجیب وغریب مثال ہے،

مگر ایک حقیقت شناس مورخ کو یہ زیبا نہین کہ وہ تاریخ کی کسی شخصیت کو برا محض اس لئے کہے کہ وہ اس کے قومی نقطۂ نظر سے برا ثابت ہوا، یہ تاریخ نویسی کے صفاتِ عالیہ کا نہین بلکہ ایک فرض فراموش مورخ کی جذبات پروری کا مظاہرہ ہوگا، ایک صحیح مورخ کا یہ اولین فرض ہے کہ وہ عصبیت وجذبات سے آزاد ہوکر تاریخی شخصیتون کو ان کے حالات، مشکلات اور زمانہ کے اقتضار کے مطابق دیکھنے کی کوشش کرے، پھر وہ جو نتائج مترتب کرے ان مین تاریخیت اور واقعیت ہو نہ کہ قومیت اور عصبیت کی تنگ نظری۔

اورنگزیب کے زمانہ کا صحیح مطالعہ اس وقت تک نہین کیا جا سکتا ہے، جب تک کہ تیموری خاندان کے تمام ماقبل حکمرانون کی حکمت عملی کو پیش نظر نہ رکھا جائے، کیونکہ اورنگزیب کے زمانہ کی تمام پیچیدگیان ایک سیاسی ارتقار کا نتیجہ تھین جو اس کے اسلاف کی بعض غیر مآل اندیشانہ روش کے باعث ظہور پذیر ہوئین، اور اسے ایک ناقابلِ انکار حقیقت سمجھنا چاہئے کہ عالمگیری عہد کے تمام انتشار و اختلال کا سبب اکبر تھا

ہندو اکبر کے اس احسان کو فراموش نہین کر سکتے کہ اس نے ان کو مسلمانون کے ساتھ نہ صرف مساویانہ طور پر صف آرا کیا، بلکہ مسلمانون کی ہیبت، سطوت، جبروت اور عزت و وقار کو ان کے دلون سے محو کر دیا، عام ہندو جو حاکم قوم کے تمام افراد کو فوق البشر سمجھ کر سر تسلیم خم کرنا اپنا شیوہ سمجھتے تھے اب نہ صرف ہمسری اور ہمچشمی کا دعویٰ کرنے لگے بلکہ عام طور پر ان سے کھنچنے لگے، انکا مذہبی تفوق، عقلی امتیاز اور قومی وقار جاتا رہا، انہی عناصر نے اورنگ زیب کو پیدا کیا جس نے اپنی حکمران قوم کے گم شدہ وقار اور روایات کو سنبھالنے کی ہر ممکن کوشش کی، اتفاق سے اسی زمانہ مین سیواجی ابھرا جس کی بڑھتی ہوئی قوت سے ہندو قومیت ایک جدید قالب مین آگئی، مگر یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ وہ اپنی قزاقی، غارتگری اور رہزنی کے باوجود مذہب و سیاست کا بے عدیل ہیرو قرار پایا مگر غریب اورنگزیب اپنی قوم کی تجدید و تشکیل کی مصلحانہ کوششون کی خاطر اتنا برا قرار پایا کہ اس سے زیادہ برا تصور کرنا خود تصور کی اہانت ہے،

ہندو اورنگزیب کی مخالفت محض اس لئے کرتے ہین کہ اس نے ان کی بڑھتی ہوئی قوتون کو آگے بڑھنے نہین دیا، اس نے ان کے محبوب دارا کو تہ تیغ کیا جس کی وسیع المشربی سے انہین ہندو راج قائم کرنے کی امید بندھ چلی تھی، مگر ایک غیر متعصب مورخ کیونکر اس بات کو قطع نظر کر سکتا ہے، کہ اورنگزیب ایک اسلامی حکومت کا مسلمان حکمران ہو، لیکن اسلامی مذہب کا پاسبان، اسلامی شعار کا نگہبان اور اسلامی وقار کا محافظ نہو، اس لئے اگر تمام فرقہ وارانہ ذہنیت سے آزاد ہوکر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ اورنگزیب ایک مسلمان بادشاہ تھا جس نے اسلامی حکومت کے کھوئے ہوئے وقار کو قائم کرنے کی کوشش مین تمام ذرائع استعمال کئے تو پھر اس پر کوئی الزام نہین رہجاتا،

مگر اس کو کیا کیجیے، غیر مسلم فرقہ وارانہ ذہنیت نے اورنگزیب کو ہمیشہ بدترین روشنی مین دیکھنے کی کوشش کی ہے، شروع شروع یہ کام انگریزون نے شروع کیا، اس کے بعد ان کی جگہ ہندو بنگالیون

اور مرہٹون نے لی، ان مین سب سے نمایان جگہ سرجدو ناتھ سرکار نے حاصل کی، انھون نے عالمگیر پر پانچ جلدین لکھ کر اس کی مدلل ہجو و مذمت کا ذخیرہ فراہم کر دیا، اس قسم کی غلط فہمیون اور گمراہیون کو دور کرنے کے لئے اردو کے اہلِ قلم نے برابر کوشش کی، مولانا شبلی رحمۃ اللہ علیہ نے "عالمگیر پر ایک نظر" کے عنوان سے ایک رسالہ لکھا، پھر دار المصنفین (اعظم گڈھ) کے ایک ممتاز رفیق نے (جواب اسماعیلیہ کالج بمبئی مین پروفیسر ہین) عالمگیریات پر دس سال کی تحقیق و تدقیق کے بعد "رقعاتِ عالمگیر" اور "مقدمۂ رقعات عالمگیر" لکھ کر اردو دان طبقہ کے سامنے پیش کیا، پروفیسر موصوف کی تحقیقات ابھی تک جاری ہین، جو کئی جلدون مین ظاہر ہونگی، پہلی جلد مین صرف عالمگیر کی شاہزادگی کے حالات و واقعات ہین لیکن جس نے اس کی شہزادگی کے حالات کو اچھی طرح سمجھ لیا، پھر اس کو پنجاہ سالہ حکومت کے واقعات پر کچھ بھی استعجاب نہ ہوگا،

لیکن ضرورت تھی کہ اس قسم کے تاریخی لٹریچر ان انگریزی دان غیر مسلمون کے سامنے بھی ہون جو اردو زبان سے نا آشنا ہین، الحمد للہ کہ جناب ظہیر الدین صاحب فاروقی بی۔ اے (علیگ) بیرسٹرایٹ لا بہرائچ نے اس کمی کو بہت حسن و خوبی کے ساتھ پورا کر دیا، ان کی زیرِ نظر کتاب "اورنگزیب اور اس کا عہد" برسون کی تحقیق و تدقیق کا نتیجہ ہے، فاضل مؤلف نے فارسی، عربی، اردو، ہندی، مرہٹی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی زبان کی ان تمام کتابون اور رسالون سے استفادہ کیا ہے، جو عالمگیر اور اس کے عہد کے متعلق کچھ بھی معلومات فراہم کرتے ہین، اس تلاش و جستجو کے بعد جو کتاب تیار ہوئی ہو وہ ظاہر ہے کہ کس قدر مفید اور کار آمد ہوگی، کتاب جو ۲۴ ابواب پر مشتمل ہے، لائق مؤلف نے ہر باب مین باریک بینی اور دقتِ نظر سے کام لے کر اورنگزیب کی ذات سے متعلق جو غلط فہمیان عام طور پر پھیلی ہوئی ہین، ان کو کامیابی سے دور کیا ہے، طرزِ تحریر مین جذبات و کیفیات کی لہرین موجزن نہین بلکہ واقعات کی موشگافی حقائق کی روشنی مین کی گئی ہے،

پہلا باب بہت ہی مبصرانہ اور مورخانہ انداز مین لکھا گیا ہے، ابتدا مین مسلمان حکمرانون کی جانشینی کے اصول پر مختصر طریقہ سے تبصرہ کرتے ہوئے مؤلف نے بتایا ہے کہ کس طرح ہمایون، اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کی تخت نشینی خون آشام رہی ہے، شاہجہان کے بعد پھر وہی تاریخ دہرائی جانے والی تھی، دارا حصولِ سلطنت کے لئے تمام ذرائع استعمال کرتا ہے، وہ نہ صرف ملکی مہمات، جزوی معاملات اور خانگی تعلقات مین اورنگزیب کی تذلیل اور تضحیک کرکے باپ کی نظرون سے گرانا چاہتا ہے بلکہ ہندوون کی بڑھتی ہوئی قوت دیکھ کر اپنے مذہبی اعتقادات اور تصورات کی بھی انہیں کے خیالات کے مطابق رنگ آمیزی کرتا ہے،

مؤلف نے دارا کے عقائد پر بحث کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ وہ کس طرح ہندوون کا سیاسی آلۂ کار بننے والا تھا، اکبر کے زمانہ میں اسلام کی سیاسی اور مذہبی ہیئت اجتماعیہ کا شیرازہ بکھر چکا تھا، ہندو اپنی قومیت کی تشکیل اور تکوین کے گھمنڈ مین مسلمانون کے مدمقابل ہو کر ان کے سیاسی مرکزون اور مذہبی ادارون پر ضرب کاری لگا رہے تھے، جہانگیر کی نرمی اور لینت نے انہین اور مواقع دیئے، شاہجہان کے عہد مین دارا کو دیکھ کر وہ خوش تھے کہ ایک دوسرا اکبر پیدا ہو رہا ہے جو ان کے سیاسی مقاصد کی تکمیل مین بہترین معاون ثابت ہوگا،

فاضل مؤلف ان واقعات پر محققانہ روشنی ڈالتے ہوئے لکھتا ہے کہ "سترہوین صدی کے اواخر کے ردِ عمل کے تمام جراثیم اکبر کے اس طرز عمل مین پائے جاتے ہین جو اس نے مسلمانون کی طرف سے اختیار کیا . . . . اکبر کی رواداری مسلمانون کے لئے نہ تھی، بلکہ اسے ان کے جذبات کو صدمہ پہنچانے مین لطف ملتا تھا، اس کے الحاد سے مسلمانون مین شورشین اور بغاوتین ظہور پذیر ہونے لگین، لیکن اس نے اپنے آہنی پنجون سے انہین فرو کیا، مسلمانون کے جذبات کی اشتعال انگیزی کا اندازہ اس سے ہوگا کہ اکبر ابھی بستر مرگ ہی پر تھا کہ جہانگیر سے جس کی تخت نشینی بالکل متیقن نہین تھی، بارہہ کے سادات نے حلف لیا کہ وہ ہر ممکن کوشش سے اسلام کی عزت و ناموس کا تحفظ کریگا . . . . . .

شاہجہان کے عہد مین یہ پرانا زخم دارا کے مشکوک اور مشتبہ معتقدات کی شکل مین پھر ابھر آیا، دارا نے ان تمام ذرائع کو استعمال کیا جو اس کے دادا نے کیا تھا، اس صورت حال مین راسخ العقیدہ مسلمانون نے اورنگزیب کا نجات دہندہ کی حیثیت سے خیر مقدم کیا، وہ جانتے تھے کہ دارا اکبر کے نقش قدم پر چلیگا، پس اورنگزیب کو اپنے احول کا پیداوار سمجھنا چاہیے، اور اس کی حکومت کے تمام واقعات کو انفرادی طریقہ سے نہین بلکہ اسباب کے تسلسل کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیئے، اورنگزیب کا عہد شروع سے آخر تک اکبر اور دارا کے غیر مآل اندیشانہ رویہ کے ردعمل سے بھرا ہوا (ص ۵۶۲)

انہی تاثرات کے ساتھ جانشینی کی جنگ ہوئی، اورنگ زیب چاہتا تھا کہ اگر میدان جنگ اس کے ہاتھون نہین رہا تو اس کا حشر وہی ہوگا جو ہمایون، اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے حریفون کا ہوا، مسلمان خوفزدہ تھے کہ اگر دارا فتحیاب ہوا تو معلوم نہین اس کے مذہبی اعتقادات ان کو کس قعر ذلت مین گرائین گے، حقیقت مین یہ جنگ وہ تھی جس کے نتیجہ پر دو منفرد حریفون کی قسمت کا نہین بلکہ دو قومون کی سیاسی زندگی اور ملکی وقار کا فیصلہ تھا، لیکن اورنگزیب فاتح ہوا اور دارا مفتوح اور مقتول، ہندوؤن کے تمام منصوبے خواب پریشان ہوکر رہ گئے،،

یہین سے ہندو اورنگ زیب سے بدظن ہوتے ہین، اس کے تمام افعال و اعمال کو مشکوک نگاہون سے دیکھتے ہین اور اس پر ہر قسم کے الزامات کو وضع کرنا جائز قرار دیتے ہین اس انتقامی جذبہ مین وہ نہ صرف اس کی بلکہ اس کے مذہب کی بھی بدترین تصویر کھینچتے ہین، فاروقی صاحب نے تیسرے باب مین اسلام کا اصلی مرقع پیش کرکے اورنگزیب کا رویہ ہندوؤن کے ساتھ دکھانے کی کوشش کی ہے، اورنگ زیب پر الزام ہے کہ وہ ہندوؤن کی پرستش گاہون کو منہدم کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتا تھا، مگر فاضل مؤلف نے مختلف فرامین کے ذریعہ سے ثابت کیا ہے کہ اورنگزیب ہندو معابد کے تحفظ کے لئے برابر کوشان رہا، ان فرامین کی روشنی مین جو دلائل

براہین چوتھے باب مین درج ہین، ان سے بہت سی غلط فہمیان دور ہو جاتی ہین، ایک فرمان جو اورنگزیب نے بنارس کے حاکم کے نام جاری کیا ہے وہ ملاحظہ ہو،

"ابو الحسن کو جو ہمارے احسانات اور مراعات کا مستحق ہے شاہی عنایات پر اعتماد کرنا چاہئے اور اس کو معلوم ہو کہ ہم اپنی طبیعت کی عمیق مہربانیون اور فطری فیاضیون کے سبب اپنی تمام انتھک قوتین اور مخلصانہ ارادے عوام کی بہبودی اور ہر درجہ کے اعلیٰ اور ادنیٰ لوگون کے حالات کی ترقی مین مصروف رکھتے ہین، اس لئے اپنی شریعت کے مطابق ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ پرانے منادر مسمار نہین کئے جائینگے، لیکن نئے منادر بنانے کی اجازت نہ ہوگی، ہمارے اس انصاف کے زمانہ مین ہمارے امرا، اور مقدس ترین دربار کو اطلاعات موصول ہوئی ہین کہ بعض اشخاص نے بغض اور عناد سے مغلوب ہو کر بنارس کے ہندوون اور پرانے منادر کے بعض برہمن محافظون پر مظالم کئے ہین' اور وہ آیندہ ارادہ رکھتے ہین کہ ان برہمنون کو ان کے عہدون سے نکال دین، اس ارادہ سے اس قوم مین بے چینی پھیلی ہوئی ہے، اس لئے ہمارا شاہی حکم ہے کہ اس فرمان کے پہنچنے کے بعد تم کو آیندہ ہدایت دینی چاہئے کہ کوئی شخص غیر قانونی طریقہ پر برہمنون اور دوسرے ہندو باشندون کے ساتھ بیجا مداخلت یا ان کو تنگ نہ کرے، تاکہ وہ پہلے کی طرح اپنے پیشیون پر قائم رہین، اور سکون کیساتھ عبادت مین مشغول رہ کر ہماری خداداد سلطنت کے قیام کے لئے جو برابر رہیگی دعائین کرین، اسکو ایک ضروری بات سمجھو، تاریخ ۱۵ رجمادی الثانی ۱۰۶۹ھ"

نئے مندرون کی تعمیر کے امتناعی حکم کے نفاذ کی توجیہہ مؤلف نے اس طرح کی ہے کہ

"آزادی اور رواداری دونون ہم معنی نہین، رواداری مین احتجاج اور ناراضی کا کچھ عنصر شامل ہے، مندرون اور گرجاؤن کی بلا مزاحمت تعمیر آزادی ہے، ان کا انہدام تعدی ہے، لیکن پرانے مندرون کی مرمت کی اجازت اور نئے کی تعمیر کی ممانعت مشروط رواداری ہے، ہمین اقرار ہے، کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، خلفاء راشدین اور پھر بیسیون مسلمان حکمرانون نے نئے مندرون کے بنانے کی اجازت دی، لیکن فقہاء متاخرین اس کامل آزادی کے نہین بلکہ مشروط رواداری کے حامی تھے (ص ۱۱۰)"

اورنگ زیب پر الزام ہے کہ اس نے بنارس کے کرتی باسیورا، بنی مادھو اور وشوا ناتھ نامی تین مندرون کو مسمار کرکے ان کی جگہ مسجدین بنوائین، پہلے مندر کی جگہ پر جو مسجد بنی وہ عالمگیر کے نام سے منسوب ہوئی، پھر مؤخر الذکر دو مندرون کے کھنڈرون پر جو مسجدین تیار ہوئین ان کا نام علی الترتیب "پنج گنگا" اور گیان باپی" ہے، لیکن اس سلسلہ مین مؤلف مذکور کی تحقیقات بصیرت افروز ہین، مذکورہ بالا پہلی مسجد ۱۰۷۰ھ مین تعمیر ہوئی جیسا کہ اس کے کتبہ سے ظاہر ہوتا ہے تمام ہمعصر تاریخون مین سوائے کاشی وشوا ناتھ مندر کے انہدام کے جو ۱۰۸۰ھ مین ہوا کسی اور مندر کی تخریب کا ذکر نہین آتا، اس لئے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اورنگزیب نے کرتی باسیورا کے مندر کو کیون اور کب ڈھایا، اگر اورنگ زیب نے محض تعصب کی بنا پر مندرون کو مسمار کیا تو ایک کو ۱۰۷۰ھ مین اور دوسرے کو ۱۰۸۰ھ مین کیون برباد کیا؟ بنی مادھو نامی مندر کے سلسلہ مین بھی کوئی تحریری شہادت نہین کہ یہ مندر اورنگزیب کے حکم سے گرایا گیا، گنج ارشدی بنارس کے ایک بزرگ کے ملفوظات ہین، اس کتاب مین ۱۵ رجمادی الاول ۱۰۶۹ھ کی تاریخ مین درج ہے کہ "کفار نے ایک مسجد کو شہید کیا جو زیر تعمیر تھی، اور معمارون کو زخمی کیا، جب یہ خبر شاہ یسین کو ملی تو وہ منڈیاؤن سے بنارس آئے اور مسلمانون کو جمع کرکے "بتخانہ کلان" کو مسمار کردیا" یہ واقعہ آگے چل کر بہت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، ملفوظات کے مرتب اخیر مین لکھتے ہین کہ "نور باقون اور مسلمانون نے قریب پانچسو مناور مسمار کئے، وہ بنی مادھو کے مندر کو بھی برباد کرنا چاہتے تھے، لیکن گلیان مسدود تھین اس لئے وہان پہنچ نہ سکے" "بتخانہ کلان" سے مراد وشوا ناتھ مندر ہے کیونکہ اگر یہ مندر

لہ معارف:- رسول اللہ صلعم سے اس باب مین کوئی شی نفیاً یا اثباتاً ثابت نہین صرف حضرت عمرؓ کے معاہدات مین جنکی پوری قانون کی حیثیت سے کیگئی ہو۔

اورنگ زیب کے ہاتھون مسمار کیا جاتا تو گنج ارشدی کا مرتب خوش ہوکراس واقعہ کا ضرور اندراج کرتا،

اس کے علاوہ گیانی باپی کی مسجد کے کتبہ سے پتہ چلا ہے کہ یہ مسجد ۱۰۴۸ھ مین تعمیر ہوئی "ایوان شریعت" اس کا تاریخی نام ہے، پھر یہ کہنا کہانتک درست ہے کہ وشوانا تھ مندر کو مسمار کرکے جو ۱۰۸۰ھ تک قائم تھا، گیان باپی کی مسجد تعمیر ہوئی، سجان رائے بنارس کے احوال مین کہین ذکر نہین کرتا ہے، کہ اورنگزیب نے کسی ایک مندر کو بھی مسمار کیا، کہاجاتا ہے کہ اورنگزیب نے مندرون کے مسمار کرنے کے لئے ایک عمومی حکم جاری کر رکھا تھا، لیکن یہ حکم اگر واقعی جاری ہوا تو مغلیہ سلطنت کے پایہ تخت والی آگرہ، پھر متھرا اور دکن مین جہان اورنگزیب نے جنگ و جدل مین اپنی بیشتر زندگی گذاری، ہزارون مندر کیونکر محفوظ رہے،

اس کے بعد مؤلف نے جزیہ پر بحث کی ہے، پہلے نفس جزیہ کے اصول پر مفید بحث کرکے یہ بتایا ہے کہ اورنگزیب نے یہ ٹیکس محض مالی نقطۂ نظر سے عائد کیا، منوکی اور پھر دوسرے غیرذمہ دار مورخون کا خیال ہے کہ جزیہ ہندوون کو قبولِ اسلام کی ترغیب دلانے کی خاطر عائد کیا گیا، لیکن "جزیہ ہرگز اس خیال سے عائد نہین کیا گیا، کیونکہ وہ ہندو جو حکومت کے ملازم تھے، اس ٹیکس سے بری تھے، یہ برأت اس اصول کو واضح کرتی ہے، کہ یہ ٹیکس ان کے لئے نہ تھا، جو حکومت کے ملکی اور فوجی محکمون مین رہ کر اپنے فرائض ادا کرکے سلطنت کی خدمت کرتے تھے، ایشور داس کہتا ہے کہ" بادشاہ سلامت نے ایک حکم جاری کیا، کہ سلطنت کے ملازمین کے علاوہ غیرمسلم مندرجہ ذیل شرح سے جزیہ اداکرین، امراء جن کی آمدنی ۲۵۰۰ ہو ۱۳ روپیہ، طبقۂ متوسط جن کی آمدنی ۲۵۰ ہو ۶ روپیہ ۸ آنے، غربا جواپنی ضروریات پوری کرکے ۵۲ روپیہ یا اس سے زیادہ پس انداز کرتے ہون، ۳ روپیہ ۸ آنے اداکرین"۔ . . .

جزیہ کبھی ظلم وستم کے ساتھ وصول نہین کیا گیا، غربا جب اپنی اور اپنے خاندان کی ضروریات سے فارغ ہوکر مذکورۂ بالا رقم پس انداز کرتے تو ان سے جزیہ لیا جاتا، طبقۂ متوسط کو اجازت تھی کہ وہ دو قسط

مین اور غربا چار قسط مین رقم کی ادائی کرین، وہ روپیہ کے علاوہ دوسری شکل مین بھی اس کی ادائی کر سکتے تھے، اور اگر کوئی چھ مہینے تک بیمار رہتا تو اس سے جزیہ نہ لیا جاتا، یا اگر ایک سال تک حکام کی غفلت کے علاوہ کسی اور باعث سے یہ وصول نہ ہوتا تو دوسرے سال معاف ہو جاتا" (ص ۱۵۳)

کتاب کے چھٹے باب مین ہندوون کے میلون، تہوارون، درسگاہون اور معاشرتی زندگی کے متعلقات اور پھر ان کے سلسلہ مین عالمگیری احکام کی حقیقت کا دلچسپ مطالعہ ہے، اورنگزیب پر الزام ہے کہ اس نے تعصب مذہبی مین ہندوون کے میلے ٹھیلے بند کرا دیئے، مگر یہ الزام خافی خان کی بعض عبارتون کے غلط استدلال سے عائد کیا گیا ہے، لائق مؤلف نے خافی خان کے دو متوازی اقتباسات نقل کرکے بتایا ہے کہ اورنگزیب نے مذہبی میلوں کو نہین بلکہ ان میلون کے غیر شرعی محاصل کو بند کیا، طوالت کے خیال سے ہم ان اقتباسات کو نظر انداز کر دیتے ہین، ناظرین، کتاب زیر نظر کے صفحے ۱۷۰-۷۲ ملاحظہ فرمائین، اس کے بعد سجان رائے اور ہملٹن کی شہادتین پیش کی گئی ہین، جن سے اس عہد مین تہوارون اور میلون کا کثرت سے منعقد ہونا پایۂ ثبوت تک پہنچتا ہے، سجان رائے کے حوالہ سے بعض تہوارون کے بھی کوائف بیان کئے گئے ہین، جن مین ہر قسم کی رنگینیون اور سرمستیون کا مظاہرہ ہوتا تھا، اسی طرح اورنگزیب کے اس الزام کو کہ اس نے ہندوؤن کے تمام مدرسون کو بند کر دیا یہ دکھلا کر رد کیا ہے کہ عالمگیر نے انہی مدارس کو بند کرایا، جن مین ہندو مسلمان بچون کو اپنے مذہبی علوم سکھلاتے تھے، پھر ساتوین باب مین اس کذب و افترا کو کہ اورنگزیب اسلام کی تبلیغ مین تشدد اور ظلم کرتا تھا، حقائق کی روشنی مین دکھایا ہے،

آٹھوین باب مین لائق مصنف نے طویل فہرستون کے ذریعہ سے دکھایا ہے کہ اورنگزیب اور پھر اس کے اسلاف کے زمانہ مین جو تمام نکتہ چینیون اور مسلمانون کی بیجا طرفداریون سے مادرار سمجھے جاتے ہین، ہندو عہدیدار کتنے تھے، یہ معلوم کرکے تعجب ہوگا کہ ہفت ہزاری منصب والے

ہندو اکبری عہد مین صرف ایک اور جہانگیر و شاہجہان کے زمانہ مین ایک بھی نہین، لیکن اورنگزیب کی حکومت مین دو تھے، شش ہزاری ہندو اکبر کے زمانہ مین ایک بھی نہین، لیکن اورنگزیب کے عہد مین ۲۰ تھے، کیول رام مصنف تذکرۃ الامراکی دی ہوئی فہرستون سے پتہ چلتا ہے کہ عالمگیر کے عہد مین پنجہزاری ہندو منصب دار پانچ، چار ہزاری پانچ، ۳½ ہزاری چار، تین ہزاری، تیرہ، ۲½ ہزاری پانچ، دو ہزاری سولہ، ۱½ ہزاری ستائیس، اور ایک ہزاری پندرہ تھے، ان مختلف فہرستون اور پھر دوسرے واقعات کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ اورنگ زیب ہندوون کو ان کی لیاقت اور قابلیت کے لحاظ سے ہمیشہ بڑھاتا رہا، ہندوون کو اپنی سرکار مین ملازم رکھنے کے سلسلہ مین اس کا خیال تھا، کہ "مذہب کو دنیاوی امور کے بیچ میں لانا بے معنی ہے، اور اس قسم کے معاملات مین مذہبی عصبیت کو راہ نہ دینا چاہیئے" (ص ۲۰۲)

اورنگزیب کی فرد قرارداد جرم مین ایک یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی مذہبی راسخ العقیدگی کے جوش مین راجپوتون کی ہمدردی کھودی، راجپوت تیموری حکومت کے دست راست تھے، ان کا الگ ہونا تھا کہ مغلیہ سلطنت مین تزلزل ہونے لگا، راجپوتون کی ناراضی کی وجہ جسونت سنگھ کے لڑکون کے ساتھ براسلوک قرار دیجاتی ہے، لائق مؤلف نے جسونت سنگھ کے کیرکٹر اور پھر اس کے لڑکون کی جانشینی کے تمام جزوی واقعات پر بحث کرتے ہوئے دکھایا ہے کہ راجپوتون کے منافقانہ اور غیر مآل اندیشانہ حرکات سے اورنگزیب کو کس قدر اذیت پہنچی، پھر بھی بلند حوصلہ اورنگ زیب نے بقیہ راجپوت قوم سے ویسا ہی سلوک قائم رکھا جیسا کہ ایک مدبر حکمران کو چاہیئے تھا، اگر اورنگزیب نے غدار اور منافق جسونت سنگھ کے لڑکون کو راجہ کا خطاب عطا نہین کیا تو یہی تنہا مثال ہے، لیکن انہی راجپوتون مین جب راجہ بھگوت سنگھ بندیلہ مرا اور اس نے کوئی وارث نہین چھوڑا تو اورنگزیب نے اس خاندان کے افراد کے مشورے سے راجہ ادت سنگھ کو تخت نشین کیا، جگت سنگھ ہاڈا لاولد مرا تو

اورنگ زیب نے اس کی حکومت کی باگ اس کے چچا زاد بھائی کشور سنگھ کو دی، جام نگر کا راجہ نرل مرا تو اس کا لڑکا ستر سل گدی پر بیٹھا، نرل کا بھائی کچھ کے راجہ کی مدد سے ستر سل کو قید کرکے خود تخت کا مالک بن بیٹھا، لیکن اورنگزیب نے قطب الدین خان کے نام فوراً فرمان جاری کیا کہ باغیون کو سزا دیجائے اور ستر سل کو اپنی موروثی سلطنت پر قابض کیا جائے، اورنگزیب نے صفدر خان کے منصب کو محض اس لئے کم کردیا کہ بجا ور بھدوریہ کو اس کے دشمنون کے خلاف مدد دی، انہی تعلقات کا نتیجہ تھا کہ دکن کی مہمون مین راجپوت اورنگ زیب کے ساتھ بکثرت شریک رہے، اورنگزیب کے بعد بھی راجپوت مغلون کے قوت بازو بنے رہے، اس کی اولاد مین جو جانشینی کی جنگ ہوئی رہی اس مین راجپوت برابر کے شریک تھے، اودے پور کے رانا اودے سنگھ نے بہادرشاہ سے فرمانبرداری اور اطاعت گذاری کا وعدہ کیا، مہاراجہ اجیت سنگھ والی جودھپور دست بستہ بہادرشاہ کے دربار مین حاضر ہوا، مابعد عہدون مین بھی راجپوت دولت مغلیہ سے وابستہ رہے، اجیت سنگھ اور جے سنگھ تمام کے تمام تیموری دربار مین برابر نمایان رہے، اکثر راجپوتون نے مرہٹون کے خلاف مغلون سے امداد حاصل کی، ۱۷۳۵ء مین خان دوران جب دہلی سے مرہٹون کے خلاف جنگ کرنے کے لئے روانہ ہوا تو جے سنگھ (جے پور) ابھے سنگھ (جودھپور) اور راؤ درجان سال (کوٹہ) اس کی امداد کے لئے فوج لے کر آگے بڑھے،

ان واقعات کے ہوتے ہوئے یہ کہنا کہانتک صحیح ہے کہ اورنگزیب کی حکمت عملی سے راجپوت تیموریون سے اس طرح برگشتہ ہوئے کہ ان کی برگشتگی سلطنت کے زوال کا باعث ہوئی، اس سلسلہ مین مؤلف اپنی دقت نظر سے جس نتیجہ پر پہنچے ہین، وہ قابل غور ہے، وہ لکھتے ہین کہ، اورنگزیب کی وفات کے بعد تخت طاؤس طاقتور اور مدبر بادشاہون سے محروم ہوگیا، بہادرشاہ کے جانشینون مین اتنی صلاحیت نہ تھی کہ ماتحت ریاستون کی خانہ جنگیون اور ریشہ دوانیون کا سد باب کرسکین، جنگ

راجپوتون کا محبوب پیشہ تھا، تخت دہلی کی طوائف الملوکی مین ملک گیری کیسے ممکن تھی، راجپوتون کو اپنی جنگجوئی اور نبرد آزمائی کے جوہر دکھانے کا موقع جاتا رہا، لیکن ان کی جنگجویانہ فطرت کے لئے کچھ مشغلہ چاہئے تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ انھون نے اپنی تلوارون کو اپنے ہی عزیز و اقارب کی گردنون پر تیز کرنا شروع کیا، حسب معمول وہ تیموری شہنشاہون سے امداد کے طالب ہوتے رہے، لیکن وہان بھلا ان کی شنوائی کہان ہوسکتی تھی، حالات نے انہین مجبور کیا کہ وہ اب صرف اپنے گھرون کو محفوظ رکھنے مین مشغول رہین، لہذا تیموری حکومت کی سیاست سے ان کی دلچسپی کم ہوتی گئی، یہ تیموری سلطنت کیلئے مضر ہوا، لیکن راجپوتون کے لئے اور بھی ہلاکت آفرین ثابت ہوا، راجپوت جو تین صدیون تک ہر جگہ ممتاز اور مقتدر تھے، اب اپنے کو ایک مردہ قوم محسوس کرنے لگے، یہان تک کہ وہ بالکل پس پشت پڑ گئے (ص ۵۷۵) یہ نتیجہ حقیقت اور واقعیت سے خالی نہین،

دسوان اور گیارھوان باب سکھون اور شیعون پر ہے، پھر چار باب مین گولکنڈہ اور بیجاپور کے واقعات پر فاضلانہ تبصرہ ہے، شروع مین گولکنڈہ کے ابتدائی حالات ہین جن مین اکبر، جہانگیر اور شاہجہان کے خلاف یہان کے حکمرانون کی شوریدہ سری اور شورہ پشتی اور سرکشی پر روشنی ڈالی گئی ہے، پھر شاہزادہ اور شہنشاہ اورنگ زیب کے زمانہ مین جو واقعات ظہور پذیر ہوئے ان پر مباحث ہین آخر مین مولف نے گولکنڈہ کی تسخیر کے اسباب جو بتائے ہین وہ سننے کے قابل ہین، وہ لکھتے ہین کہ

"اکتوبر ۱۶۸۵ء کی صلح اور مارچ ۱۶۸۶ء مین مادنا کے قتل کے بعد اورنگ زیب کو امید تھی کہ ابوالحسن عقل سلیم سے کام لے کر اب مرہٹون کی دوستی اور استعانت سے گریز کریگا، لیکن یہ امید عبث تھی، ہم دیکھتے ہین کہ صلح کے فوراً ہی بعد ابوالحسن نے ایک کثیر رقم سمبھاجی کو بھیجی، گولکنڈہ کے ہواخواہ ہر ممکن صورت سے ابوالحسن کو ناخوشگوار نتائج سے محفوظ رکھنا چاہتے تھے حتی کہ مغل کے شاہی وکیل نے اس خبر کو اورنگزیب سے پوشیدہ رکھا، لیکن اورنگ زیب کو بیرونی ذرائع سے آخر پتہ چل ہی گیا، ابوالحسن بہانہ

کرتا تھا کہ اس کے پاس اب روپیے نہیں ہین، اور عوام کی ہمدردی کو منعطف کرنے کی خاطر اس نے شاہی قاصد سے روپیہ کے بدلے بیگمات کے جسم پر سے زیورات اتار دینے کی درخواست کی، لیکن سمبھاجی کے پاس روپیہ بھیجنے کے لئے کافی روپیے تھے،

"حیدر آباد کی فتح کے سلسلہ مین خافی خان نے اورنگ زیب کی بیجاپور سے گلبرگہ اور پھر یہان سے گولکنڈہ کو کی روانگی کا ذکر کیا ہے، لیکن وہ اس اچانک حملہ کے اسباب کو نظر انداز کر گیا ہے، اس سے لازماً یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اورنگزیب جارحانہ طور پر صلح کے معاہدون سے دست بردار ہو گیا، لیکن شاہی قاصد سعادت خان کے تذکرے مین مصنف مذکور اتفاقی طور پر اس اچانک حملے کا سبب بتا گیا ہے، یعنی مرہٹون کے ساتھ ابوالحسن کی سازش جو قطب شاہی سلطنت کے استیصال کی حقیقی وجہ ہے،

"اورنگ زیب گولکنڈہ کی طرف بڑھا جہان وہ ۱۶۸۷ء کی اخیر جنوری مین پہنچا، گولکنڈہ کا محاصرہ طویل ہو گیا، کیونکہ مغل افسرون مین نفاق پھیلا ہوا تھا، گو ان کی وابستگی شاہی بہبودیون سے تھی، لیکن اورنگ زیب کے شیعہ امرار ایک شیعہ سلطنت کے استیصال پر بے حد مغموم تھے، ان کے جذبات فطری تھے، اور انھون نے اس مصیبت کے سدباب کی ہر ممکن کوشش کی، لیکن گولکنڈہ کے ایام پورے ہو چکے تھے، اورنگ زیب اپنے ارادون مین پختہ اور مستقل تھا، ابوالحسن نے رحم کی درخواست کی، لیکن اورنگزیب اپنے عزم سے کیون باز آنے لگا، اس نے ابوالحسن کو لکھا کہ "تمھارے جرائم ناقابل بیان ہین، تم نے اپنا نظامِ سلطنت ایک کافر (یعنی مادنا) کے سپرد کیا اور پھر اسے سادات، مشائخ اور علماء پر مظالم کرنے مین مدد پہنچائی، شب و روز تم میخواری مین مست رہتے ہو، ہر قسم کی بدمعاشیان تمھارے یہان پھیلی ہوئی ہین، تم کفر و اسلام اور ظلم و انصاف مین مطلق امتیاز نہین رکھتے ہو، تم کفار پر یعنی مرہٹون کے امداد پہنچانے پر اب تک مصر ہو۔ . . . . تمھارے پاس متعدد فرامین پہنچے، لیکن تم نے سبھون کو نظر انداز کر دیا، پھر تم نے حال ہی مین ایک لاکھ ہون (چار لاکھ روپیے) بدطینت سمبھا کے پاس بھیجا، اپنی ان نارواحرکتون

سے غافل ہو کر تم دونون جہان کی بہبودیوں کے خواہان ہو تو یہ محض سراب اور دھوکا ہے "

ان حالات مین اگر اورنگ زیب نے گولکنڈہ کو تسخیر کیا تو کیا برا کیا؟

اسی طرح عالمگیر نے بیجاپور کو فتح کر کے کیون اپنے ممالک محروسہ مین شامل کر لیا، اس کا جواب مؤلف کے الفاظ مین یہ ہے :-

"بیجاپور کی اصلی عظمت محمد عادل شاہ متوفی ۱۶۵۶ء کے بعد سے جاتی رہی، علی عادل شاہ دوم نے شروع مین انتظامی صلاحیت کا ثبوت دیا، لیکن آگے چل کر وہ زن و شراب کے مضرت رسان اثر مین آکر برباد ہو گیا، اس کی وفات (۱۶۷۲ء) تک بیجاپور کا اجتماعی وجود قائم تھا، لیکن اس کے بعد طوائف الملوکی کا دور شروع ہوا، امرار اپنے اقتدار کے لئے برسرپیکار رہنے لگے اور اپنی غیر مناسب خودغرضانہ مطلب برآری کے لئے عادل شاہی سلطنت کا شیرازہ بکھیرنے کے لئے تیار رہتے، ظلم اور رشوت ستانی کا دور شروع ہوا، انصاف کا فقدان ہو گیا، بیجاپور کا ایک مورخ لکھتا ہے کہ "کسی کو بھی خواہ وہ ایک شہزادہ ہو یا ادنیٰ کسان، ایک دن بھی اطمینان سے کھانا یا رات کو سونا نصیب نہ ہوا" اس شورانگیز حکومت کے علاوہ سلطنت کی بیرونی حکمت عملی نہایت مضر ثابت ہو رہی تھی، مرہٹے بیجاپور کے حدود سلطنت کو آزادی سے غصب کر رہے تھے، لیکن ان کو روکنے کی کوئی صورت عمل مین نہین لائی جا رہی تھی، برخلاف اس کے ان کی خدمات ہمیشہ حاصل کیجاتین، حالانکہ وہ غداری کرنے کے سوا اور کوئی فائدہ نہین پہنچاتے، اہل بیجاپور مغلون سے معاہدے کرتے اور مرہٹون کو امداد نہ پہنچانے کا وعدہ کرتے تھے، لیکن ان کے وعدون مین اصلیت مطلق نہ ہوتی تھی، انھون نے اورنگزیب کو دھوکا دینے کی کوشش کی، لیکن خود دھوکے مین آگئے"

"اہل بیجاپور کے لئے صرف دو چارۂ کار تھے، یا تو وہ علانیہ اور آزادی کے ساتھ سیواجی سے مل کر مجموعی فوجون سے مغل حکومت کو دھمکی دیتے یا پھر خلوص دل سے مغلون کے ساتھ ہو کر مرہٹون کو انکے

مقبوضات سے بے دخل کرنے کی کوشش کرتے، لیکن انھون نے ایک مہلک رویہ اختیار کیا، ظاہراً مغلون سے ملے رہے، لیکن باطناً مرہٹون کو امداد پہنچاتے رہے، مغل سلطنت خطرے مین تھی، مرہٹون کی قوت بڑھ رہی تھی، جب بیجاپور کے امرار نے مغل بادشاہ کے نصائح سے کوئی فائدہ نہین اٹھایا تو سزا ہولناک سرعت کے ساتھ نازل ہوئی اور نوجوان سکندر کو اپنے خودغرض اور بدچلن مشیرون اور رویون کی حماقتون کا خمیازہ بھگتنا پڑا" (ص ۳۴)

عالمگیر پر یہ اعتراض ہے کہ اگر وہ گولکنڈہ اور بیجاپور کو فتح نہ کرتا تو دکن کی یہ ریاستین مرہٹون کو دبائے ہوئے رہتین، مگر حقائق کی روشنی مین یہ اعتراض کس قدر بے بنیاد ہے، سچ تو یہ ہے کہ جیسا کہ مؤلف نے بھی لکھا ہے کہ حیدرآباد اور بیجاپور کے انتشار و اختلال، ان کی خانہ جنگیون اور امرار کی ریشہ دوانیون کا بس یہی نتیجہ ہوتا کہ دونون ریاستون پر مرہٹون کا علم لہراتا ہوتا، مغلون کیخلاف مل کر ایک مشترک دشمن کو شکست دینے کے بجائے سلاطین دکن نے مرہٹون کی مدد کی، ایسی حالت مین اورنگزیب ان کے استیصال کے لئے کیون آمادہ نہ ہوتا؟

ان واقعات پر تبصرہ کرتے ہوئے ایک ہونہار اور لائق مصنف نے لکھا ہے کہ "اس بدقسمتی کا کیا علاج ہوسکتا ہے کہ وہی چیز جو تمام حکومتون اور فرمانرواؤن کے لیے طرۂ امتیاز اور تمغاے افتخار ہو، وہی کارروائیان جو سلاطین اور کشورکشاؤن کے حالات مین کارنامے کہے جائین، غریب اورنگزیب کے لئے ذلت و بدنامی، رسوائی و شرمساری کا موجب ہون، رومیون نے قدیم دنیا کے تینون براعظمون کے بیشتر حصہ کو اپنے گھوڑون کی ٹاپون سے کچل دیا، لیکن یہ ان کی عظمت و شوکت کا سبب بن گیا، سکندر اعظم نے مقدونیہ سے لیکر پنجاب تک تمام متمدن ممالک کی اینٹ سے اینٹ بجادی، لیکن یہی بربریت اس کی بڑائی کا ذریعہ ہے، دور کیون جایئے خود مغلون کے سب سے زیادہ نیکدل، غیر متعصب وسیع المشرب بادشاہ اکبر نے بہار و بنگال، مالوہ و گجرات اور راجپوتانہ کو ہضم کرکے نربدہ پار کی

مسلم ریاستون پر حملہ کیا اور خاندیس، برار اور احمد نگر وغیرہ پر قبضہ کیا، اس غاصبانہ قبضہ کا صلہ کیا تھا؟ کوئی مخالفانہ تنقید، کوئی غیر منصفانہ فیصلہ نہین، بلکہ اسے اعظم کا خطاب دیا گیا، جہانگیر و شاہجہان نظام شاہی، عادل شاہی اور قطب شاہی حکومتون سے تمام عمر لڑتے رہے ہین تو مورخون کے کانون پر جون تک نہین رینگی، لیکن جب اسی نامکمل و ناتمام کام کو اورنگزیب مجبوراً پورا کرتا ہے تو اُسے ظالم، غاصب، غیر سیاست دان اور متعصب کے الفاظ سے یاد کیا جاتا ہے" (مقدمۂ رقعات عالمگیر نوشتہ سید نجیب اشرف ندوی ایم اے دار المصنفین اعظم گڈھ)

سترہوان اور اٹھارہوان باب مرہٹون پر ہے، ان دو ابواب مین تاریخی حقائق سے ثابت کیا گیا ہے کہ اورنگ زیب اور مرہٹون مین سے کون غالب اور کون مغلوب رہا، اس سلسلہ مین جو چیز زیادہ دلچسپ نظر آتی ہے وہ سیواجی کے متعلق مؤلف موصوف کی رائے ہے، وہ لکھتے ہین کہ

"اس دن سے جب کہ سیواجی نے ایک سترہ برس کے لڑکے کی حیثیت سے اپنی زندگی کا آغاز کیا، اور اپنے مرنے کے آخری روز تک جب کہ وہ ایک وسیع مملکت اور مستحکم قلعون کا بلاشرکت غیرے مالک تھا، اس نے اپنے دوست اور دشمن کے تصورات کو یکسان طور پر ورطۂ حیرت مین ڈال رکھا تھا، وہ طاقتور ہمسایون سے گھرا ہوا تھا، لیکن اس نے پہلے احتیاط اور ہوشمندی سے ایسا کام لیا کہ انہین اس کی ذات سے مطلق خطرہ کا احساس پیدا نہین ہوا، لیکن جب وہ ناقابل تسخیر قلعون کا مالک بن بیٹھا تو پھر اپنی بڑھتی ہوئی قوت کی بنا پر اپنی اہمیت دکھانے لگا، چالاکی اور ڈپلومیسی مین اپنا ثانی نہین رکھتا تھا، پھر اہم مواقع کی پیچیدگیون سے کبھی پراگندہ خاطر نہین ہوتا تھا، وہ اپنی ہر ضرورت کے لئے ایسے شاندار ذرائع پیدا کر سکتا تھا کہ غنیم بھی اس کی مداحی مین رطب اللسان ہو جاتے تھے، جب کبھی وہ کوئی تدبیر سوچتا تو اپنی حیرت انگیز چالاکی سے اس کو عملی جامہ اس خوبی سے پہنا دیتا تھا کہ اغیار کی تمام پیشقدمی یونہی مذبذب پڑی رہتی تھی، وہ بجلی کی طرح آتا اور گذر جاتا تھا، اس کی آمد و رفت مین اتنی حیرت انگیز

سرعت ہوتی کہ لوگ قبل اس کے کہ اس کی آمد کے اثرات سے سنبھلیں وہ غارتگری کا صرف منظر پیچھے چھوڑکر بیسیوں میل آگے بڑھ جاتا، اس کو اپنے دشمنوں کے کمزور پہلو سے واقفیت حاصل کرنے مین مہارتِ تامہ تھی، وہ اپنے غنیموں کی طبیعتوں اور دلچسپیوں سے اس طرح کی واقفیت بھی رکھتا تھا کہ اس کے ذریعہ سے انہیں پسپا کرنے مین اسے کچھ بھی دقت محسوس نہ ہوتی تھی، اسکو لڑائی مین نمایشی اجزار کی عملیت کا کافی احساس تھا، اس لئے اس کا شایستہ خان پر حملہ کسی اہم مقصد کی تکمیل کے لئے نہین بلکہ محض ہیبت طاری کرنے کے لئے تھا، وہ ایک TOWERING شخصیت کا آدمی تھا، ایک ابلق گھوڑے پر بیٹھکر اپنے ہاتھ مین ایک لمبی تلوار لے کر نہ صرف اپنی اطاعت تسلیم کراتا، بلکہ لوگوں سے غیر متزلزل وفاداری اور کمال نیاز حاصل کرتا، دلیری اور جوانمردی مین اس کے مدمقابل بہت کم لوگ تھے، اس کا غیر متزلزل استقلال، ناقابلِ شکست ہمت، اسکی اعلیٰ امتیازی قوت، اس کی ذہنی سرگرمی کی فوقیت اور تدابیر کی تکمیل مین ناقابلِ یقین کارنامے ہم سے خراجِ تحسین وصول کئے بغیر نہین رہ سکتے"۔

اس کی ذات کی بدولت مرہٹوں نے تمناؤں اور امیدوں کی پرورش کی، اور اپنے خواب و خیال کے اجزا تیار کئے، اس نے ہندوستان کی تاریخ مین ایک جدید عہد پیدا کیا، اور اپنی قوم کی قسمت بدلدی سیواجی کی زندگی واقعۃً ایک رزم تھی" ص ۳۶۷،

ممکن ہے کہ مؤلف کی اس رائے سے بعض اہل نظر متفق نہ ہوں، لیکن ایک مورخ کا فرض ہے کہ وہ تاریخ کی ایک شخصیت کے روشن پہلو کو نظر انداز نہ کرے خواہ اس کی زندگی ناخوشگوار واقعات سے کیوں نہ مملو ہو

اگلے چار بابوں میں ملکی نظام اور سیاسی و معاشرتی حالات کا دلچسپ، مفید اور پر از معلومات مطالعہ ہے تیئیسواں (۲۳) باب اورنگ زیب کے ذاتی حالات پر ہے، جس میں اس کی ایام شاہزادگی، تعلیم و تربیت، متاہل زندگی، سیرت، انفرادیت، ہمت، استقلال، احساسِ فرائض، انصاف، افتادِ طبیعت اور عمالِ حکومت

کے ساتھ اس کے برتاؤ پر تبصرہ ہے، ان تمام باتون پر ناقدانہ نظر ڈال کر فاضل موصوف جس نتیجہ پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ دیرینہ کامیابیوں اور ناکامیوں کی صدائے بازگشت مفقود ہوگئی ہے، اور ایک نئی دنیا ظہور مین آگئی ہے، لیکن اورنگ زیب کی یاد مسلمانون کے دلوں میں اب تک قائم ہے، اور ایک جلیل القدر انسان کی حیثیت سے وہ غیر فانی ہے "

اقبال نے خوب کہا ہے،

کور ذوقاں داستانہا ساختند — وسعتِ ادراکِ او نشناختند

درصفِ شاہنشہاں یکتا ستے — فقرِ او از تربتش پیدا ستے

تتمہ میں مؤلف نے اورنگزیب کے عہد کے تمام واقعات پر سرسری نظر ڈالتے ہوئے تیموری سلطنت کے زوال کے اصلی اور حقیقی اسباب پر روشنی ڈالی ہے، جن بلیغ سطرون پر کتاب ختم کی گئی ہے، وہ قابلِ مطالعہ ہیں،

"مغل اب باقی نہیں رہے، ان کے پرچم دہلی کے لال قلعہ کے برجوں پر اب نہین لہرائین گے تختِ طاؤس کی درخشانی سے دیوان عام کا شاندار کمرہ حسین نظر نہیں آئیگا، اس کی مرصع دیوارون میں جن سے اب صرف خالی الذہن منظر بیں سیاحوں کی آوازیں بلند ہوتی ہیں، بادشاہوں کی صدائیں نہیں گونجینگی، دنیا عظیم الشان مغلوں کی شان وشکوہ اور جاہ وجلال کو نہیں دیکھیگی، لیکن آیندہ نسلین جب ان کے تمدنی اثرات، ان کے قوانین کی یکسانی، ان کی بدولت علم وادب کی ترقی، ان کے عہد کی اقتصادی بے نیازی پر غور کریگی تو معلوم ہوگا کہ ان کے قبل ہندوستان کے غربا کے تحفظ، تجارت وزراعت کے فروغ، امن وامان کے قرار، اور عوام کے آرام وآسائش کی خاطر ایسی منظم اور سرگرم کوششین نہیں کی گئین مغل حکومت کے آثار صرف دفترِ پارینہ میں محفوظ نہیں، بلکہ موجودہ عہد کے فرہنگ میں واضح طور پر پائے جاتے ہین، ہمارے مالی اور عدالتی محکموں میں ایسے بکثرت اصطلاحات مروج ہیں، جو پرانے نظام کے اثرات کی یاد تازہ کرتے ہیں، اگرچہ یہ باقیات الصالحات خواہ کچھ بھی ہوں، لیکن گذشتہ عہد کی فراوانی اور تنوع کی تعمیر کوئی از سرِنو

کیونکر کرسکتا ہے، ہم نے اپنی آنکھوں پر زور دیا کہ ہم مغلوں کے جہاز کو مع اس کے سردار اور جہاز رانوں کے بحری موجوں سے گذرتے ہوئے دیکھیں اور اپنے ناظرین کو اس کا منظر دکھائیں، لیکن یہ کام ہمارے بس سے باہر ثابت ہوا، ساحل پر جب وقت کا جہاز اپنے تباہ شدہ اجزا چھوڑ جاتا ہے، تو ہم ٹوٹے پھوٹے تختوں اور لکڑیوں کو جمع کر لیتے ہیں، جن پر بحثیں کی جاسکتی ہیں، مگر ان میں زیادہ تر قیاس آرائیاں ہوتی ہیں لیکن وہ عظیم جہاز جو عمق میں غرق ہوگیا تھا، اس کو ہم پھر کبھی نہیں دیکھیں گے"

آخر میں ایک بار پھر ہم یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مؤلف نے جس وسعتِ نظر، تلاش و جستجو اور تفحص و تجسس سے کام لے کر ایک دیرینہ ضرورت کو پورا کیا ہے، وہ ہر لحاظ سے مدح وستایش کے قابل ہے، سچ تو یہ ہے کہ اورنگزیب کی ذات پر جادو ناتھ سرکار کی زہر چکانیوں کے بعد ظہیر الدین فاروقی صاحب کی یہ کتاب تریاق کا کام کرے گی، اس لئے ہندوستان کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے اہل ذوق اور طلبہ کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے،

مقدمۂ رقعات عالمگیر

اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ ہندوستان کے صیغۂ انشاء کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے مآخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات وسوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے،

لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ ضخامت ۴۰۷ صفحے، قیمت: للعہ

"منیجر"

عربون کا علمِ کائنات

از

جناب صوفی غلام مصطفےٰ صاحب تبسم ایم اے، پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

(۲)

عربی علم ادب مین عرب جغرافیہ نگارون کے ساتھ ساتھ ماہرین علم کائنات ہوئے ہیں جنھیں حقیقت مین تشریحی جغرافیہ کا ماہر کہنا بجا ہوگا، یہ لوگ ایسے مخزن العلوم تھے، کہ وہ نہ صرف زمین کی حالت اور اوراس کے ممالک کا ذکر کرتے ہیں، بلکہ تمام کائنات اور اسکی مختلف النوع حالتوں کو بھی بیان کرتے ہین، وہ علم کلام، فلسفہ اور فطرت کے ماہر بھی ہین، اور جغرافیہ نگار بھی، انھیں ہر شے سے انس ہے، اور وہ اس کی جستجو میں رہتے ہین، اور بالآخر حاصل کر لیتے ہین، ان کی تصانیف کیا ہین، مجموعۂ عجائب ہیں، شاید اس سے یہ خیال پیدا ہو کہ ان کتابوں کی علمی حیثیت بہت کمزور ہے نہیں یہ بات ان پر ہمیشہ صادق نہیں آتی، انکی تصانیف میں ان تمام افسانون اور حکایات کے ساتھ ساتھ ایسا مفید علمی مواد بھی ہے، جو ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہے، اور کبھی کبھی ایسا بھی دیکھا جاتا ہے کہ یہ عجائب ایسے واقعات پر مبنی ہوتے ہین، جنکے یا تو مشاہدے کی تکمیل نہ ہوسکی ہو، یا ان کے بیان کرنے میں کچھ فرق پڑ گیا ہو، علاوہ بریں یہ تمام کتابیں عام دلچسپیون کا مجموعہ ہین،

قزوینی، علم کائنات پر لکھنے والوں میں سب سے مشہور قزوینی اور دمشقی ہیں، قزوینی واسطا اور حلّہ کا قاضی تھا، اوس نے ۶۸۲ھ میں وفات پائی، اس کی کتاب کو وسٹنفلڈ نے شائع کیا ہے، اس کے

دو بڑے حصے ہیں، ایک میں اس نے کائنات کے عجائب کا ذکر کیا ہے، اور اس میں مشہور ستاروں، آسمان کے نگران فرشتوں کا ذکر اور ان میں سے بعض کا حال تفصیل سے لکھا ہے، علاوہ بریں اس حصے میں دنوں، مہینوں اور دوسری مشہور چیزوں کا ذکر ہے، اس کے بعد وہ حصہ ہے، جسے صحیح مفہوم میں علم الارض کہنا چاہئے، اس میں سمندروں کا بیان بھی شامل ہے، سمندروں کے ذکر کیساتھ جزائر اور وہاں کے حیوانات کے حالات بھی درج کئے ہیں، سمندروں کے بعد پہاڑوں کا بیان ہے، جسے وہ ترتیب ابجد کے لحاظ سے لیتا ہے، پھر دریاؤں، چشموں اور دیگر ذرائع آب کا حال اسی ترتیب سے لکھا ہے، کتاب کے اس جغرافی حصے کے بعد معدنیات کا بیان ہے، جس میں ارسطو کا ذکر بار بار آیا ہے، بعد ازیں نباتات کو لیا ہے، جکی تفصیل بہت وسیع ہے، پھر علم تشریح الاعضاء کی باری آتی ہے، جس میں انسان کے جسم کے ہر عضو پر علیحدہ علیحدہ مقالہ تحریر کیا ہے، ازاں بعد نفس انسانی اور اوسکی مختلف کیفیات و واردات کی توضیح فلسفیانہ رنگ میں کی ہے، آخر میں حیوانات کا بیان ہے، اور اسی پر پہلے حصے کا خاتمہ ہو جاتا ہے،

دوسرا حصہ بھی پہلے حصہ کی طرح ضخیم ہے، اس میں مختلف ممالک کا حال آب و ہوا کے اعتبار سے ترتیب ابجد میں ہو جو ہر بحیثیت مجموعی یہ کتاب اپنے وقت میں نہایت قابل قدر ہے، اور اس عہد میں جب کہ یہ لکھی گئی، مغرب کی کوئی کتاب اس موضوع پر اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، پڑھنے میں نہایت دلچسپ ہے، اس نے مشرق میں خاصی کامیابی حاصل کر لی ہے، اسکے تراجم، فارسی، عثمانی، اور ترکی زبانوں میں ہو گئے ہیں، جو بہت مشہور ہیں،

دمشقی، | اس موضوع پر دمشقی کی کتاب اگرچہ کم اہمیت رکھتی ہے، تاہم دلچسپ ضرور ہے، اس کتاب کو مہرن نے شائع کیا ہے، اس کی ابتدا میں علم الارض کے متعلق عام خیالات کا اظہار ہے، پھر معدنیات اور قدیم مندروں، دریاؤں، چشموں، پہاڑوں اور سمندروں کا ذکر ہے، اسکے بعد مختلف ممالک کا حال درج

کیا ہے، معدنیات کا حصہ بالخصوص قابلِ قدر ہے،

دمشقی ربوہ کا امام تھا، جو دمشق کے گرد و نواح میں ایک گاؤں ہے، اس کی وفات ۳۲۷ھ[1] میں کوہ تابور کے قریب صفاد میں ہوئی، قمری سال کے حساب سے اسکی عمر ۷۳[1] سال کی تھی،

ریت اور پہاڑوں کی تولید و تکوین، اس کتاب کے دونوں حصوں کے اقتباسات ذیل میں درج کئے جاتے ہیں، جن میں اس نے ریت اور پہاڑوں کی تولید و تکوین پر بحث کی ہے، وہ لکھتا ہے، :-

علمائے اس بارے میں لکھا ہے، کہ سطحِ ارض پر چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور ٹیلوں کے ہونے کی وجہ وہ زلزلے ہیں، جو وقتاً فوقتاً آتے رہتے ہیں، ان زلزلوں کا باعث یہ ہوتا ہے، کہ زمین کے نیچے جو ہوا ہوتی ہے، جب تموج میں آتی ہے، تو زمین کے بعض حصوں کو بلند اور بعض کو پست کر دیتی ہے، اس کی شہادت میں ایک واقعہ پیش کیا جا سکتا ہے، جو ۲۲۳ھ میں وقوع پذیر ہوا، اس سال دمشق میں بارش کم ہوئی، اور چشمے سوکھنے لگے، یہان تک گرمی کے موسم میں خدائے عز و جل نے زلزلہ بھیجا، جس سے چشمے جاری ہوگئے، اور نہروں میں تگنا اور چوگنا پانی بہنے لگا، اور اس بات کا ثبوت کہ تیز ہوا جب زمین پر چلتی ہے، تو اس سے روئے زمین پر بعض حصوں کی خاک اڑا اڑا کر ان کو تبدیل کر دیتی ہے، یہ ہے کہ ۶۱۹ھ ہجری میں ہوا کے زور سے جبل عقرع پر سے زیتون کا ایک مضبوط درخت اس تودۂ خاک کے ساتھ جہاں وہ اُگا تھا، نکل کر دور فاصلے پر جا ٹھہرا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا، کہ اسکی جڑیں ایک عرصہ دراز سے اس جگہ مستحکم ہو چکی ہیں، اور پہاڑ پر کبھی کوئی درخت موجود نہ تھا،"

چند سطروں کے بعد دمشقی پھر ایک جگہ ایک مغارہ کا ذکر کرتا ہے، :-

"اور عجائب میں سے شام کے علاقہ میں ایک مغارہ ہے، جس میں سے پانی کی ایک ندی

[1] معارف :- یہ صحیح نہیں۔ دمشقی کی تاریخ ولادت ۱۳ شوال ۶۵۴ھ اور وفات ۹ ذی الحجہ ۷۲۷ھ ہے،

بہتی ہے، اس میں عورت داخل نہیں ہوسکتی جب مرد اندر جاتا ہے تو اُسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ زمین کے اندر چار ہزار فٹ تک پھیلا ہوا ہے، اور اسکے سر چہار جانب اور اوپر سے پانی نکل رہا ہے، اور جہاں پانی گر رہا ہے، وہاں بہت سے پتھر مختلف صورت اور رنگ کے پڑے ہیں، ان میں سے بعض کی ہیئت پھلوں کی سی بعض کی انسانی اعضاء کی سی ہے بعض حبوب کی شکل کے ہیں، ان کے صاف شفاف رنگ سُرخ سیاہ وغیرہ وغیرہ ہیں"

زلزلے، دمشقی کے انداز تحریر میں خاص سادہ پن پایا جاتا ہے، اور اس سے صحت واقعات میں فرق بھی نہیں آتا، قزوینی کا رنگ جداگانہ ہے، دیکھئے وہ زلزلوں کا حال کیسے بیان کرتا ہے، اسکی عبارت میں زمین کی اندرونی حرارت اور بخارات کے تموج اور شدت کا ذکر نہایت واضح الفاظ میں موجود ہے،

وہ لکھتا ہے کہ یہ بخارات زمین کے اندر کثرت سے جمع ہوتے رہتے ہیں، جب اوپر کی زمین سخت ہو اور وہ آسانی سے باہر نہ آسکتے ہوں، تو اُن کے اُبھرنے سے زمین میں لرزش پیدا ہوتی ہے، اور اس ارتعاش کا نتیجہ زلزلہ ہوتا ہے، اس کی یہ وجہ ہوتی ہے، کہ حرارت کے باعث گرم اجسام مرتعش ہو جاتے ہیں،

اصل حقیقت یہ ہے کہ ان بخارات میں جو نمی ہوتی ہے، وہ حرارت کے باعث اجسام کے مختلف مساموں سے خارج ہوتی ہے، اور اس سے اجسام میں لرزش پیدا ہو جاتی ہے، جبتک یہ تمام بخارات خارج نہ ہو جائیں، یہ ارتعاش جاری رہتا ہے، اسکے خارج ہو جانے کے بعد اجسام سکون پذیر ہو جاتے ہیں، زلزلے میں زمین کے ارتعاش کی یہی وجہ ہے، کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ زمین کا وہ حصہ جہاں یہ بخارات جمع ہو گئے ہوں، پھٹ جاتا ہے، اور بخارات باہر نکل پڑتے ہیں، کبھی ایسا اتفاق ہوتا ہے کہ یہ بخارات ایسی جگہ پھوٹ پڑتے ہیں، جہاں آبادی ہو، تو اس حالت میں یہ اُس آبادی کو احاطہ کر لیتے ہیں،

بعض اوقات زمین کے اندر کچھ گڑھے ہوتے ہیں، اور جب زمین پھٹتی ہے تو خدا کی قدرت سے دوبارہ ان گڑھوں میں جا پڑتی ہے، زلزلوں کا ایک باعث یہ بھی سمجھا جاتا ہے، کہ پہاڑون کے کچھ حصے زمین پر گرتے ہین، اور اُسوقت اس زور کا دھما کا ہوتا ہے جس سے گرد و نواح میں میلوں تک کی زمین کانپ اٹھتی ہے، باقی اللہ بہتر جاننے والا ہے، (واللہ اعلم)

چٹانون کی تکوین، اس موضوع کا بقیہ حصہ بھی بہت دلچسپ ہے، اس میں پہاڑون کے پھٹنے، دوبارہ بننے کا ذکر بڑی خوش اسلوبی سے کیا ہے، اور ساتھ ہی ہموار وادیوں کی قدرتی ساخت پر اظہار خیالات کیا ہے، پھر دکھایا ہے کہ ہموار وادیاں کیسے پہاڑوں براعظمون اور سمندروں میں تبدیل ہو جاتی ہیں، اور اسی طرح اُس کے برعکس کیسے عمل ہوتا ہے، اسی سلسلہ میں چٹانوں کی تکوین کے متعلق کہتا ہے:۔

"کہا جاتا ہے کہ آب و گل کی آمیزش کے بعد جب اس پر دیر تک سورج کی گرمی پڑتی رہتی ہے، تو وہ پتھر بن جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آگ کی حرارت سے انٹیں بنا لیتے ہین، خشت بھی ایک قسم کا پتھر ہے، اگرچہ اس میں اتنی پختگی نہیں آتی، جسقدر حرارت کا اثر زیادہ ہوگا اتنا ہی وہ پتھر کے قریب تر ہوتی جائے گی، چنانچہ اسی عمل کے ماتحت چٹانین معرض وجود میں آتی ہیں، اب رہا یہ سوال کہ ان میں نشیب و فراز کیسے پیدا ہو جاتا ہی، تو اسکی وجہ یہی زلزلہ ہے جس سے زمین کے بعض حصے دب جاتے ہیں، اور بعض اُبھر آتے ہین، اسی سلسلہ میں یہ بلند حصہ زمین سورج کی پیہم حرارت سے سخت ہو کر پتھر کی صورت اختیار کر لیتا ہے، اس نشیب و فراز کی ایک وجہ شدید ہوا کا عمل بھی ہو سکتا ہے، جو زمین کے مختلف طبقوں کو ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ پھینک آتی ہی، اور جگہ کو ناہموار کر دیتی ہے، اسکے بعد زمین کے بلند طبقے سخت ہو کر چٹانوں میں تبدیل ہو جاتے ہین،

اعتدال لیل ونہار، اس موقع پر قزوینی اعتدال لیل ونہار، اور اُس کے اثرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"بطلیموس کا خیال ہے کہ ہر ۰۰۰،۳۶ سال کے بعد سیارے منطقۃ بروج کو طے کر لیتے ہیں جب اس نظام میں فرق آجائے، تو ستارے بھی اپنا رُخ بدل دیتے ہیں، اور ان کی شعاعیں ایک دوسری ہی انداز سے زمین پر پڑتی ہیں، دن اور رات کی طوالت میں فرق آجاتا ہے، اور موسم میں تغیر پیدا ہو جاتا ہے، آبادیاں ویرانے اور ویرانے آبادیوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں"

ستاروں کا اثر ہیئت ارض پر، قزوینی کا یہ بھی خیال ہے کہ ستارے سطح ارض کی ہیئت کو متغیر کر سکتے ہیں، چنانچہ وہ لکھتا ہے:۔

"پہاڑوں کی سطح اس واسطے صاف اور ہموار ہو جاتی ہے کہ سورج، چاند، اور ستاروں کی شعاعیں پیہم ان پر پڑتی رہتی ہیں، ان شعاعوں کے اثر سے پہاڑوں کی نمی بخارات کی صورت میں خارج ہوتی رہتی ہے، اور پہاڑ خشک ہو جاتے ہیں، ان کی چوٹیاں اوپر سے پھٹ جاتی ہیں، اور پتھروں اور ریتوں میں ظاہر ہوتی ہیں، پانی ان پتھروں اور ریت کو بہا کر اور دامن کوہ میں لاکر وادیوں اور دریاؤں کی تہ میں ڈال دیتا ہے، پانی کا بہاؤ ان چیزوں کو وہاں سے بہا کر جھیلوں میں ڈال آتا ہے، وہاں جاکر یہ چیزیں تہ میں بیٹھ جاتی ہیں، یہاں تک کہ ایک طبق کے اوپر دوسرا طبق قائم ہو جاتا ہے، بالآخر ان کی صورت بھی وہی ہو جاتی ہے، جو ہوا سے بنے ہوئے ریت کے ٹیلوں کی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ جب ہم پتھروں کو توڑ کر دیکھیں تو ان کے اندر مونگے، ہڈیاں پائی جاتی ہیں کیونکہ جس مٹی سے وہ بنے تھے، اُن میں یہ چیزیں موجود تھیں، پہاڑوں میں بھی جو طبقات

نظر آتے ہیں، اُنکی وجہ بھی یہی ہے"

علم ارض کے ان ماہرین کے یہاں بعض ایسی باتیں موجود ہیں، کہ وہ تاریخ علوم کیلئے بے حد مفید ہیں، شہروں اور ملکوں کے حالات لکھتے وقت وہ بعض ایسی دلچسپ تفصیلات بیان کرجاتے ہیں، جو تاریخی نقطۂ نظر سے بہت اہم ہیں،

دیوان شمس تبریز اور مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۸)

مولانائے روم کی غزلیات کی خصوصیات

محاسن و معائب

چو غلام آفتابم ہمہ ز آفتاب گویم   نہ شبم نہ شب پرستم کہ حدیث خواب گویم

(رومی)

ایران میں شاعری کا آغاز قصیدہ گوئی سے ہوا، اسکے قدردان "اہل دل" نہیں بلکہ اہل زر اور "صاحب امارت" تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ قصیدہ گوئی ذریعۂ معاش بن گئی، اس میں جوش دل، صداقت احساس اور جذبات کی ترجمانی کو بہت کم دخل تھا،

قصیدہ کا لازمی جزو تشبیب ہے، اور یہی غزل کی بنیاد ثابت ہوئی، ادھر توجہ ہوئی، تو بعض باکمال قصیدہ گو شعراء نے غزل سرائی کی لیکن وہ عندلیب گلشن نہ ثابت ہو سکے، ان کے دلوں پر عشق کی چوٹ نہ تھی، ان کے جگر میں زخم محبت نہ تھا، انوری، خاقانی، اور ظہیر فاریابی وغیرہ کی غزلیات اثر دل آویزی اور گرمی جذبات سے خالی ہیں، زمانہ کا رنگ بدلا، مغلوں کے حملے نے قصیدہ کے ان قدردان درباروں کا خاتمہ کر دیا، قصیدہ گوئی کا بازار سرد ہو گیا، اور فطری شعراء جوش طبیعت کے تقاضے سے اپنے جذبات کی بے لوث ترجمانی کی طرف متوجہ ہوئے، تو اصناف سخن میں سے "غزل" زبان حال" قرار پا گئی،

غزل کی خوش قسمتی ہے، کہ شیخ سعدی نے یہ نغمہ کچھ ایسی دلآویزی سے چھیڑا، کہ ہر زندہ دل اس سے مسحور ہوگیا، خسرو اور حسن دہلوی نے تو اوسے بوتا جادو بنا دیا، لیکن یہ حقیقت پیش نظر رہے، کہ جن اہلِ دل اور اہلِ زبان بزرگون نے فارسی غزل کو غزل بنایا، ان میں عارف رومی کا خاص مرتبہ ہے، اور وہ ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے، غزل کی معنوی بلندی بادۂ تصوف ہی کی منت پذیر ہے، مولنا نے غزل کو نغمۂ حقیقت بنانے میں بڑا کام کیا ہے، بیشک غزل گوئی میں حسنِ ادا، پیرایۂ بیان، جدتِ اسلوب اور رنگینیٔ کلام کے اعتبار سے مولینا سعدی، عراقی، خسرؔو اور حسن دہلوی کے ہم پایہ نہیں، لیکن تخیل کی بلندی جوشِ بیان اور حقائق کی ترجمانی کے لحاظ سے ان کا مرتبہ زیادہ بلند ہے، اگر ان کے کلام کے صرف بہترین حصہ پر نظر کی جائے، تو ان کی جگہ صفِ اول ہی میں ہوگی،

جذباتِ نگاری اور اصلیت

شعر کا اصلی سرمایہ احساسِ قلب اور جذبۂ باطن ہے، یہی جذباتِ نگاری اور کلام کی اصلیت ہے،

گرمیٔ افکارِ ما از نارِ اوست آفریدن جاں دمیدن کارِ اوست

یہ نہ ہو تو اشعار منافق کی مدح سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے، شیخ سعدی سے پہلے جن شعرا نے غزلیں کہیں، تقریباً ان کا کلام "زبانِ بے دل" ہے

وہ عشق کے زخم خوردہ نہیں ہیں، انکے سینوں کے اندر آتشِ الفت کا پتہ نہیں، صرف حسنِ سخن کیلئے انھوں نے عشق کی ترجمانی شروع کی،

لیکن جب دردِ دل رکھنے والے شعرا نے غزل سرائی کی، تو وہ تاثیر اور سوزِ دل کا سرمایہ بن گئی،

صوفی شعرا میں شدتِ اخلاص اور صداقتِ احساس کے باعث اس جذبہ کی گرمی اور اس آگ کی تیزی ناقابلِ بیان ہوگئی، اسی لئے سعدی، خسرو، حسن، عراقی، اور حافظ کے کلام کا سرمایۂ ناز

"جذباتِ نگاری" ہے،

مولینا روم کا دل فطرةً امینِ عشق واقع ہوا تھا، وہ فطری شاعر تھے، اگرچہ ایک مدت تک مولینا مذہبیت اور وطن کے ماحول کے باعث شعرگوئی سے پرہیز کرتے رہے، لیکن جب شمس تبریز سے ملاقات ہوئی، تو ایک ہی نظر میں مولینا نے عقل و ہوش کو خیرباد کہا، انکی حکمت اورنکتہ دانی "جنونِ عشق" سے بدل گئی، آخرکار یہ حال ہوا، ع

"دلِ خود کام را از عشق خوں کرد"

آزمودم عقلِ دوراندیش را بعد ازان دیوانہ سازم خویش را،

مولینا کی دل کی چھپی اور دبی ہوئی چنگاریاں کچھ ایسی بے پناہ آتش شوق کی صورت میں بھڑک اٹھیں، کہ بجھائے نہ بجھتی تھیں، جذباتِ محبت نے طوفان کی صورت اختیار کی، مولینا نے جان و دل کے تقاضے سے مجلسِ سماع آراستہ کی، اس میں دوسروں کی نظمیں کماحقہ ترجمانی حال کا کام نہ دے سکتی تھیں، محفلِ سماع کے لئے مولینا خود غزل لکھنے لگے، یہی وجہ ہے کہ ان کا کلام اصلیت سے معمور ہے، اور سراپا جذباتِ دل کی سچی تصویر ہے، اسی لئے جذبات نگاری جو محاسن شاعری کا جزوِ اعظم ہے، مولینا کے کلام کی اولین اور اہم ترین خصوصیت ہے، ان کے اشعار بہانہ جوکے آنسو نہیں ہیں، بلکہ ان کا سینہ سوزِ باطن سے معمور ہے، ان کے دل پرعشق کے داغ ہیں، جو کچھ کہتے ہیں، آپ بیتی ہے، ان کی غزل دل کی زبان ہے، ان کے کلام میں ذوقِ سخن نے گفتارِ محبت کا پیرایہ اختیار کیا ہے،

صاحب مناقب العارفین نے جذبات نگاری کے متعلق مولینا کا ایک قول نقل کیا ہے،

" مجرائے سخن سہ گونہ است، یکم از نفس روان می شود، دویم از عقل، سیوم، از عشق،

ہمانا کہ سخن نفس مکدر است وبے مزہ کہ نہ گوئندہ را ذوق است نہ شنوندہ را فائدہ،

دوم سخن عقل است و آن مقبول عقل است، و بنیوع فوائد که ہم شنونده را بر ذوق کند و ہم گوینده را، سیوم سخن عشق است که ہم گوینده را مست کند و شنونده را سرخوش گرداند وبطرب آرد"

جذبات نگاری، مولینا کا کلام سخن عشق ہے، اسلیے وہ دلی جذبات کا آئینہ ہے، ان کا کلام اور زندگی ہم آہنگ ہیں، وہ شعرا کی جماعت "یقولون مالا یفعلون" سے علٰحدہ ہین، اور اس خصوصیت میں مولینا فارسی کے دیگر نامور صوفی غزل گو شعرار کے شریک ہین،

سوزِ دل کے متعلق فرماتے ہین:-

عشق شد مہمانِ ہر دل سوختہ　　　جان و دل از بہرِ او قربان کنم

ایک مست الست کی حیثیت سے اپنے انجام کا نقشہ کھینچتے ہیں،

بہ پیش پیرِ مے خانہ بمیرم　　　زہے مرگ و زہے برگ و سرانجام

مطلوب اور محبوب کیساتھ وابستگی، اور وارفتگی کا بیان ہے،

ہر کہ بیند رُخِ تو جانبِ گلشن نرود　　　ہر کہ داند لبِ تو قصۂ ساغر نہ کند

مولینا بادۂ محبت سے مخمور ہیں،

مخمور توام بدست من دہ　　　آن جامِ شراب کوثرے را

عاشق میدانِ طلب میں رفیقِ راہ کا طالب ہے،

طبیب درد بے درمان کدام ست　　　رفیق راہ بے پایاں کدام است!

شبِ وصال کی لاجواب تصویر ایک ہی مصرعہ میں کھینچ دی ہے،

ع گل چیدن است امشب مے خوردن است امشب

اضطراب عشق اور انتظار کے جذبات کی کسقدر کامیاب ترجمانی ہو،

قرارے نہ دارد دل و جانِ ما　　　کنارے نہ دارد بیابانِ ما

عشق نے شاعر کے دل و جان میں گھر کر لیا ہے، اس حالت کو کس خوبی سے بیان کیا ہے،

در دل و جاں خانہ کردی عاقبت　　　ہر دو را دیوانہ کردی عاقبت

دلِ عاشق ہر وقت حضورِ یار کا متمنی ہے،

یک لحظہ ز کوئی دوست دوری　　　در مذہبِ عاشقاں حرام است

عاشقِ بے تاب شب و روز کوچۂ یار میں چکر لگاتا ہے، لیکن اوس کی یہ آرزو ہے، کہ کسی دن "دلدار" بھی اسکی گلی میں آجائے، اور اس کوچۂ ویران کو اپنے قدم سے رشکِ بہشت بنا دے،

مخمور و مست گرداں امروز چشم مارا　　　رشکِ بہشت گرداں امروز کوے مارا

مولانا پر مستی اور جذب طاری ہے، ایک دیوانگی کی سی حالت ہے، فرماتے ہین،

اے عاشقاں اے عاشقاں امروز من دیوانہ ام　　　مست و خراب و بے خبر زان جام و زاں پیمانہ ام

باد عشق سے درخواست فرماتے ہیں، کہ اس طرف سے بھی ہو گذرے،

اے باد خوش کہ بر چمنِ عشق می وزی　　　بر من گذر کہ مژدۂ ریحانم آرزوست

عاشق شرابِ الفت سے مست و بے خود ہے، اسے سارا عالم مست نظر آتا ہے، اس خوبی سے اسکو بیان کیا ہے، کہ مستی کی ہمہ گیری کا منظر پیشِ نظر ہو جاتا ہے،

رعد مطرب، برق مشعل، ابر ساقی آب مے　　　باغ مست و راغ مست و غنچہ مست و خار مست

باوجود اس مستی کے عاشقِ بے خود کی تمنا ہے کہ

یکدست جام بادہ و یکدست زلفِ یار　　　رقص چنیں میانۂ میدانم آرزوست

آئینہ میں عکسِ یار دیکھ چکے ہیں، لیکن ذوقِ دیدار کا یہ عالم ہے کہ محبوب کا جمالِ جہان آرا بے پردہ دیکھنا چاہتے ہین،

عکس در آئینہ اگرچہ نکوست ، لیک ہماں صورتِ زیبا خوش است

جب یہ آرزو خوش بختی سے پوری ہوتی ہے، تو ذوقِ عشق ایسا ہے کہ جان نذر کردیتے ہیں،

دیدہ از خلق بہ مستم چو جمالش دیدم منتِ بخشایشِ او گشتم و جاں بخشیدم

دیکھئے مسرتِ وصال کا اظہار کس انداز میں ہوتا ہے،

چو گل شگفتہ شوم در وصالِ گلرویم رسد نسیم بہارم چہ خوش بود بخدا،

محبوب کے حسن و جمال کا مرتبہ بیان ہوتا ہے،

زرویت ماہ اختر می تواں کرد، ز زلفت مشک و عنبر می تواں کرد

یہ سب ایک سچے عاشق کے دلی جذبات اور احساسات کی ترجمانی ہے، ان شعلوں کی علتِ غائی آتشِ عشق ہے جو کسی پانی سے نہیں بجھائی جاسکتی،

باز آمد آں مے کہ ندیدہ فلک بخواب آورد آتشے کہ نمیرد بہیچ آب ،

میرِ شراب خانہ چو شد با دلم حریف خونم شراب گشت زعشق و جگر کباب

حقایق کی ترجمانی، مولینا کے کلام کی اصلیت کا دوسرا پہلو حقایق کی ترجمانی ہے، مولینا نے اپنے کلام میں بے شمار انفسی اور آفاقی حقایق کی تعبیر اور تفسیر فرمائی ہے، جس سے افراد اور اقوام اپنی زندگی اور تخیل کی تعمیر اور باطنی تربیت میں نہایت گرانمایہ رہنمائی حاصل کر سکتی ہیں،

ایک حقیقت بیں نظر کے لئے اس میں رمز شناسی اور راز دانی کا ایک غیر محدود ذخیرہ ہے، یہی بات مولینا کے کلام کی معنوی خصوصیت اور حقیقی قدر و قیمت ہے، شعر گوئی سے مولنا کا منشا بھی یہی تھا کہ حقایق پیرایۂ شعر میں بیان ہو جائیں، سپہ سالار کا بیان ہے،

"حضرت خداوندگار قدس سرہ میخواست کہ حقایق ہمہ مشائخ و مقصود ہمہ عالمانرا در ہر بیتے بیان فرماید، کما قال قدس اللہ سرہٗ"

خواہم کہ کفک خونیں از دیگ جاں برآرم گفتار دو جہان را از یک دہاں برآرم

یہ شعر تو مولینا کا ہے، جس سے اس خصوصیت کے متعلق خود صاحب دیوان کے نقطۂ نظر کا اظہار ہوتا ہے، یہ صفت پورے عروج و کمال پر مثنوی میں ملتی ہے، لیکن دیوان میں بھی نمایاں ہے، مثلاً "ستر انا" کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں،

از کنار خویش یابم ہر زماں من بوے یار چوں نگیریم ہر شبے مر خویش را اندر کنار

عشق اور بندگی کے متعلق اظہار خیال یوں ہوتا ہے،

دیگران آزاد سازند بندہ را عشق بندہ می کند آزاد را،

ڈاکٹر اقبال کا ایک شعر ہے، جو اس مطلب و مفہوم کا حامل ہے، کہ عاشقانہ بندگی ہی میں ماسوے آزادی نصیب ہو سکتی ہے،:،

عقل گوید شاد شو آزاد شو، عشق گوید بندہ شو آزاد شو،

(رموز بے خودی)

تخلق باخلاق الٰہیہ کا راز بیان کیا ہے،

درون دل سفرے کن اگر خدا طلبی زخوئی خود گذرے کن بجوئی خوے خدا

طلب و حصول کا ربط ظاہر کیا ہے،

روزی ز طلبگاری مطلوب بدست آید گر زاں کہ ترا در دل عشق و طلبی باشد

شادی وصال جاں روزی رسد از جاناں آنرا کہ درون دل از عشق غمی باشد

بے رنج دریں ویراں آں گنج مجو ایجاں کاں گنج گراں مایہ بے رنج نمی باشد

ترک کبر اور عجز عبدیت کا کیا حاصل ہے، جواب ملتا ہے،

کبر و تکبر بگذار و بگیر، در عوض کبر چنیں کبریا،

حقیقت تخلیق پر روشنی ڈالی ہے،

× ہزار صورت بے چون با مرکن موجود شدست و میشود اے دل وُ ویڈرا یکتا

سلوک الی اللہ کا طریقہ بتایا ہے،

یک حملۂ مستانہ مردانہ بکر دیم، تا علم بدادیم و بہ معلوم رسیدیم،

با آیت کرسی بسر عرش پریدیم، تا حی بدویدیم و بقیوم رسیدیم،

عاشق علم لدنی سے کس طرح فیضیاب ہوتا ہے،؟

خمش کوتہ کن اے خاطر کہ علم اول و آخر بیان کردہ بود عاشق چو پیش شاہ لالا باشد

غافل کو جگاتے ہین،

چناں بنہ تو دوحشیت کہ ذرّہ را بینی میان روزنہ بینی تو شمس کبریٰ را

مثنوی میں بھی حق سے غفلت کو موت سے تعبیر فرمایا ہے،:-

مرگ حاضر غائب از حق بودن است

غرض یہ کہ مولینا کا کلام حقایق کا ایک دریاے بے پایاں ہے،

جوش خیال اور بیان

بیا کہ من ز خم پیر رُوم آورده م

مے سخن کہ جواں تر ز بادہ عنبی است (اقبال)

مولنا کے خیالات میں جو ہنگامہ و جوش اور بیان میں جو زور اور وجد پایا جاتا ہے،

اوس کی نظیر کسی اور غزل گو صوفی شاعر کے کلام میں نہیں، یہ صفت مولینا کی غزلیات میں

خاص طور پر نمایاں ہے،

تخیل کی پرواز کا یہ عالم ہے کہ آن کی آن میں عالم معنی کی سیر برق رفتاری کیساتھ ہوتی ہے،

قلب میں عشق کی گرمی اور جذبات کا طوفان برپا ہے، اس سے خیالات میں یہ جوش ہی پھر زبان دل کی

ہم آہنگ ہے، جس شدت سے خیال پیدا ہوتا ہے، اسی شدت سے بیان کرتے ہیں،

غزل بانگِ اسرافیل معلوم ہوتی ہی کہ محشر انگیزی پر آمادہ ہے، جوشِ تخیل اور بیان کے اعتبار سے مولنا

کا کلام شعر کے اس معیار پر پورا پورا اترتا ہی،

نغمہ باید تند رو مانند سیل، تا برد از دل غمان را خیل خیل،

اصل بات یہ ہے کہ مقاماتِ تصوف کا تعلق قلب اور جذبات سے ہے، مولنا کا قلب اسی عالم کی سیر میں مصروف تھا، نتیجہ یہ ہوا کہ ایک طرف تو تخیل کا زور معنی آفرینی میں کمال دکھاتا ہے، تو دوسری طرف بیان مواج سمندر کے مانند لہریں لے رہا ہے، اس سے کلام میں بے حد زور اور اثر پیدا ہوگیا ہی جو پڑھتا ہے اس طوفان انگیز سمندر کی موجوں کے ساتھ ہو کر بہنے لگتا ہے، جوش کا یہ عالم ہے کہ جس قوت سے وہ کسی خیال کو ادا کرتے ہیں، اسی قوت سے اسے قبول کرنا بھی آسان نہیں، یہ جوش کسی خاص خیال یا موقع سے مخصوص نہیں جس خیال کو ظاہر کرتے ہیں، تو ان کا طبعی جوش اس سے نمایاں ہوتا ہی مسرت وصال کا ذکر کریں تو دل مارے خوشی کے اچھلنے لگتا ہے، غم ہجراں کا بیان ہو تو احساس اضطراب تیز ہوجاتا ہے، بقا کا رنگ اس جوش اور زور سے دکھاتے ہیں، کہ آدمی اپنے آپ کو غیر فانی محسوس کرنے لگتا ہے، فنا کا عالم دکھانے میں یہ انداز ہے کہ عالم کی ایک ویران کدہ اور فانوس خیال کے ایک مجموعہ سے زیادہ حقیقت نہیں معلوم ہوتی، جوشِ خیال اور بیان کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں جس سے یہ حقیقت آئینہ ہوجائے گی،

اے نوبہار عاشقاں داری خبر از یار ما، ای ز تو آبستن چمن وے از تو خنداں باغہا

اگر افلاک نہ باشد بخدا باک نہ باشد، دلِ غمناک نہ باشد چہ کنی گفت علالا

عاشق کو کس جوش سے مخاطب فرماتے ہیں :-

چوں چشم بجوش از دلِ سنگ، بشکن تو سبوئے جسم و جاں را،

مردِ خدا کی ہمت و غیرت کا بیان ہے،

مردِ خدا مست بود بے شراب — مردِ خدا سیر بود بے کباب

مردِ خدا بحر بود بیکراں — مردِ خدا قطرہ بود بے سحاب

اے چنگ پردہا ہے سپاہانم آرزوست — وے نائے نالۂ خوش و سوزانم آرزوست

این ہمرہان سست عناصر دلم گرفت — شیرِ خدا و رستمِ دستانم آرزوست

آخری شعر سے مولنا کے رنگِ طبیعت اور جوشِ خیال کا خاص اندازہ ہوتا ہے،

جوشِ عزم ملاحظہ ہو،

ہر نفس آوازِ عشق میرسد از چپ و راست — ما بفلک می رویم عزمِ تماشا کراست

جوشِ عشق کی تصویر کھینچتے ہیں،

گفتم کہ چند خوانی گفتا کہ تا نخوانی — گفتا کہ چند جوشی گفتم کہ تا قیامت

مولینا کی ہمت عالی اور قوتِ تسخیر پر نظر کیجئے،

ہمت عالیت در سر ہائے ما — از ثرے تا عرشِ اعلیٰ می رویم

دہانِ اژدہا را بردریدم — جہانِ عیش را آباد کردم،

عہدِ حاضر کے فارسی شعرا میں ڈاکٹر اقبال اس خصوصیت اور مناسبت میں اس پرجوش عارف رومی کے ہمرنگ ہیں، اون کے تخیل میں بھی زور اور بیان میں بھی جوش ہے، خود ان ہی کا بیان ہے

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور — تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزی

مثالاً کلام ملاحظہ ہو،

تا کجا در تہ بالِ دگراں می باشی — در ہوائے چمن آزادہ پریدن آموز

بشاخ زندگی مانمی ز تشنہ لبی است — تلاشِ چشمۂ حیوان دلیلِ کم طلبی است

خاص مضامین، ہر شاعر اپنی اپنی طبیعت اور بلندی مزاج کے مطابق خاص خاص خیالات اور مضامین کا دلدادہ ہوتا ہے، یہ مضامین اس کے خصوصیات میں گنے جاتے ہیں، اور مہمات مضامین کہلاتے ہیں

مولنا میں یہ خصوصیت پائی جاتی ہے، اور کلام کی معنوی خصوصیات میں بے حد نمایاں ہے، وہ چند احساسات اور خیالات کے خاص طور پر دلدادہ ہیں، ان کے کلام میں ایسے مضامین مختلف پیرایہ اور اسلوب میں کثرت سے پائے جاتے ہیں، مثلاً عشق کی اہمیت اس کے نتائج انسان کی عظمت اور عروج جانی کی راہ عقل و عشق کا مقابلہ دل کی تربیت اور اس کے طریقے وغیرہ یہ چند خاص خیالات ہیں، جن کو مولنا نے سینکڑوں بلکہ ہزاروں طرح بیان کیا ہے، ہم ایک تسلسل سے ان جملہ مضامین کو بیان کریں گے تاکہ خصوصیات کلام واضح ہو جائیں،

از صدائے سخن عشق ندیدم خوشتر
یادگاری کہ دریں گنبد دوار بماند (حافظ)

عشق اور اسکے تعلقات، مولنا نے عشق اسکے متعلقات اور اسکے مختلف پہلوؤں پر اس کثرت سے اشعار لکھے ہیں، کہ اگر ان کے دیوان کو "ترانۂ عشق" سے تعبیر کریں تو بیجا نہ ہوگا، ان کی یہ خصوصیت مثنوی میں بھی بیحد نمایاں ہے، پہ سچ یہ ہے کہ عشق زندگی کی بنیادی حقیقت ہے، اس کا ترانہ زندگی کا سب سے عظیم الشان نغمہ ہے، عشق ہی سے قربانی پیدا ہوتی ہے، عشق کے محل مختلف ہو سکتے ہیں، کوئی کسی کے حسن عارض کا شیدا ہوتا ہے، ورڈزورتھ کا سا مزاج رکھنے والا شاعر رنگین وادی پر اپنی جان فریفتہ کرتا ہے، کوئی کسی کی تصویر کا عاشق ہوتا ہے، لیکن کسی کا قلب اسقدر وسیع اور نظر اتنی بلند ہوتی ہے کہ وہ اپنی نگاہ محبت کے لئے "حسن ازل" کو تاکتا ہے، کیونکہ عشق کی شان اس کے مقصد کی وسعت و بلندی سے ہے، کامل طور پر وہ عشق کا لذت آشنا ہے، اسلئے اپنے عشق کو ابدیت بخشنا چاہتا ہے، اور یہ ممکن نہیں جبتک اس کا محبوب ابدی نہ ہو،

عشق زندہ در روان و در بصر، ہر دمی باشد ز غنچہ تازہ تر،

عشق آن زندہ گزین کو باقیست از شراب جانفزایت ساقیست

(مثنوی معنوی)

عشق اور مذہب مین ربط کا یہی محل ہے، جب تک مذہب صحیح معنون میں ہوتا ہی یہ اتحاد قائم رہتا ہی، جب ذوق صحیح فنا ہو جاتا ہے، تو ان دونوں میں افتراق ہو جاتا ہی

در غلامی عشق و مذہب را فراق انگبین زندگانی بد مذاق،

مولینا اسی حلقۂ عشاق میں داخل ہیں، اسلئے انھوں نے عشق پر بے حد زور دیا ہے، اس کی وکالت کا حق ادا کیا ہے، ان کے نزدیک عشق سے مراد "عشق خدائے احسن" ہے،

ہرچہ جز عشق خدائے احسن است گر شکر خوردن بود جاں کندن است

انھون نے عشق کی اہمیت، اثرات اور نتائج کو اسی روشنی میں بیان کیا ہے، عشق کی اہمیت کے متعلق لکھتے ہیں،

عشق معراج است سوئے بام سلطان ازل از رخ عاشق فرو خواں قصۂ معراج را

عشق ابدی زندگی ہے،

عشق است و عاشق است کہ باقیست تا بہ حشر دل بر جز این منہ کہ بجز مستعار نیست

عشق جز دولت و ہدایت نیست جز کشادِ دل و عنایت نیست،

عشق ہی خوش نصیبی ہے:-

گر ترا بخت یار خواہد بود عشق را با تو کار خواہد بود

عمر بے عشق لاحاصل ہے،

عمر کہ بے عشق رفت ہیچ حیاتش مگیر آب حیاتست عشق در دل و جانش پذیر

دگر بیکار گردد چرخ گردون، جہانِ عاشقاں برکار باشد

ہر کہ در وے نیست ازیں عشق رنگ نزد خدا نیست بجز چوب و سنگ

عشق کے بغیر دولت وجاہ سب ہیچ ہے، اور عشق سے مولینا کی اصل مراد کیا ہے،

منصب و ملک از دل بے عشق راست جز کفن اطلس وجز گور نیست،

آن روح را کہ عشق حقیقی شعار نیست نابودہ بہ کہ بودن او غیر عار نیست،

عشق ہی قلب کو مطمئن رکھتا ہے،

ہر کہ زعشاق گریزان شود، عاقبت الامر پریشاں شود،

خانۂ عشق کی بڑی فضیلت ہے،

فی الجملہ ہر آنکس کہ دریں خانہ رہے یافت سلطانِ جہان است و سلیمانِ زمانست

بنی آدم کی بزرگی عشق ہی کے تاجِ کرامت سے ہے،

کہ عشق خلوت جانست طوق کرمنا برائے ملک وصال و برائے رفعِ حجاب

عشق کے نتائج کیا ہوں گے، مولینا نے کئی اشعار میں مختلف طریقہ سے اس کا جواب دیا ہے،

غمزۂ عشقت بدان آرد یکے محتاج را کو بیک کہ بر نسنجد ہیچ صاحب تاج را

گلزار کند عشقت آن شورۂ خاکی را دربار کند موجت این چشم سحابے را

کیمیائے کیمیا ساز است عشق، خاک را گنجِ معانی می کند

عاشق کا دل عرش سے فزوں تر ہے،

بر سر چہ ہمی ارزی میدان کہ ہمی ارزی زیں روے و دل عاشق از عرش فزون باشد

عشق کی ترقی و تکمیل استقامت میں ہے،

ہم بذوق این درد را درمان کنم ہم بصیر این قصہ را پایان کنم،

(باقی)

تبصرہ و نقد

شکایت

"معارف مئی سنہ ۱۹۳۶ء میں تاریخ الحدیث پر جو اظہار خیال کیا گیا تھا، اسکو پڑھکر مصنف کو بجا طور سے ناخوشی ہوئی، اونھون نے اس ناخوشی کا اظہار ذیل کی تحریر میں کیا ہے، اس تحریر کا کوئی جواب شائع نہیں کیا جاتا، اور نہ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا اصل مصنف کون ہے، قاضی ظہور الحسن صاحب یا قاضی عبد الصمد صاحب تاکہ الفاظ کی مزید گرمی طرفین کی سرد مہری کا سبب نہ ہو، رفقائے دار المصنفین کی تصانیف کے متعلق جو کچھ کہا گیا ہے اسکا جواب "زبان خلق" دیگی، "معارف"

معارف مئی سنہ ۳۶ء میں تاریخ الحدیث پر جو تبصرہ کیا گیا ہے، اس میں یہ سعی کی گئی ہے، کہ کتاب مذکور از اوّل تا آخر دوسروں کی تالیفات سے ماخوذ ہے،

مصنف کی دیانت اسی سے ثابت ہے کہ اس نے اردو میں تاریخ حدیث کے متعلق جسقدر کتابیں مطالعہ کیں، ان کا بتفصیل دیباچہ میں ذکر کر دیا، ان کتب میں سیرۃ النبی وخطبات مدراس، یہ دو کتابیں دار المصنفین کی ہین، دو مضمونوں میں معارف سے مدد لی گئی ہے، ان سب کا حوالہ موقع بموقع موجود ہے، لیکن تبصرہ نگار نے اپنی طرف سے لکھدیا کہ اُسوۂ صحابہ وغیرہ سے بھی مدد لی گئی ہے، صاحب موصوف کے اس علم کا ذریعہ سوائے الہام کے اور کیا ہو سکتا ہے، اگر مصنف نے اسوۂ صحابہ سے مدد لی ہوتی، تو مثل دیگر کتب کے اسکے تذکرہ سے کون امر مانع تھا، ایک دلیل انھوں نے اس کتاب سے اخذ کرنے کے متعلق یہ قائم کی ہے، کہ بعض سرخیاں ان کی کتابون سے ملتی ہین، یہ درست ہوگا، لیکن یہ سرخیاں اور فقرات وہ ہیں، جو یہ فقیر اسوقت اپنی تصانیف میں لکھ چکا ہے، جب کہ دار المصنفین کے وجود کا کہیں وہم و گمان بھی نہ

تھا خاکسار کے اسلاف ... علم اور حدیث کی خدمت کرتے چلے آئے ہیں، ان کی ... کا
کثیر ذخیرہ موجود ہے ... سے اس فقیر نے علم حدیث و فقہ اور حالاتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم و
بزرگانِ دین میں مضامین و کتب تصنیف کرنی شروع کیں، ہندوستان کے تمام کتب ... بلکہ
ہندوستان سے باہر بھی کسی قدر کتب بھیجی گئی، تو کیا اسقدر جد و جہد کے بعد بھی یہ سرخیاں اور یہ فقرات لکھنے پر
قدرت نہیں ہو سکتی، یا وہ کتابیں جنسے تصنیفاتِ دار المصنفین مرتب کی گئی ہیں، ممبرانِ دار المصنفین کے سوا
کسی دوسرے کو میسر نہیں، یا کوئی ان کو پڑھنے اور سمجھنے کی قابلیت نہیں رکھتا، یا ممبرانِ دار المصنفین کا تعلق براہِ راست
حدیث جبرئیل سے ہے، اسلئے ان کے فقرات والفاظ سے توارد بھی ممکن نہیں،

سیرۃ النبی و دیگر تصانیف دار المصنفین میں اس فقیر کے مضامین سابقہ اور علامہ کی تصانیف
اور مسٹر سراج الدین کی کتاب الفاروق اور مسٹر محمد علی قادیانی کی تالیفات اور سرسید کی تصانیف کے
مسلسل فقرات آئے ہیں[1]، تو کیا ممبران دار المصنفین نے یہ فقرات ان مصنفین کے سرقہ کئے ہیں یا خود لکھے ہیں

اور اگر در حقیقت ایسا ہی ہے، جیسا کہ تبصرہ نگار صاحب کا خیال ہے، تب بھی ایک صاحب
ظرف اور عالم کے قلم سے ایسا تبصرہ نکلنا قابلِ افسوس ہے،

تمام اسلامی عقائد و مسائل و تاریخی واقعات کے متعلق عربی میں کافی سے زیادہ ذخیرہ
موجود ہے، سب وہیں سے اخذ کرتے ہیں، اور جو جس مسئلہ پر کوئی تصنیف کرتا ہے، وہ مختلف
کتب سے مواد فراہم کرکے جمع کرتا ہے، الہام کسی کو نہیں ہوتا، پس اس فقیر کو بھی تاریخ حدیث
کے متعلق یہی شرف حاصل ہے، کہ سب سے پہلے بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک لڑی میں پرو کر مسلمان
بھائیوں کی خدمت میں پیش کیا ہے، اور اس شرفِ اولیت کو جناب مولینا سید سلیمان صاحب و
دیگر مقتدر علمار نے تسلیم فرمایا ہے، اور تبصرہ نگار صاحب نے بھی دبی زبان سے اسکا اقرار کیا ہے،

راقم:- قاضی ظہور الحسن ناظم سیوہاروی،

معارف:- ہمارے ذاتی افادہ کے لئے اس قسم کی چند مثالیں بھیجکر ممنون فرمائیے،

تصحیح

مقالہ "عربوں کی جہاز رانی پر استدراک"

عربوں کی جہاز رانی پر استدراک کے عنوان سے معارف کے نمبر [illegible] سنہ ۳۶ء میں جو مقالہ شائع

ہوا ہے، وہ افسوس ہے کہ راقم سطور کی عدم موجودگی میں مصحح معارف اور بعض کارکنوں کی مسامحت سے ایک سے

زیادہ مقام پر غلط چھپ گیا ہے، فاضل مقالہ نگار نے ان غلطیوں کی تصحیح بھیجی ہے، جو ذیل میں شکریہ

کیساتھ درج کی جاتی ہے، سب اڈیٹر"

صفحہ ۳۲۰ سطر ۱۱ و ما بعد بجائے مطبوعہ عبارت کے یوں پڑھئے "مرکوس اپنے ہلکے پن کے باعث پانی لیجانے کیلئے مناسب ہے، اور اس میں ایک سو اردب سے کچھ کم پانی سما سکتا ہے"

ص ۳۲۵ سطر ۱۶ صحیح یوں ہے:- بوعظی گوش ایدن عربا ندن اللی بیگ آدم"

ص ۴۰۶ سطر ۹ یوں پڑھئے:- "اور ہجر کے اسباب کی خریداری کرتے ہیں"

" " سطر ۱۳، ۱۵ صحیح یوں ہے" جو بحرین میں ہے، بازار جمادی الآخرہ کے پہلے دن سے مہینے کے آخر دن تک لگا رہتا ہے، اور ایرانی لوگ اپنا سامان تجارت لے کر ....."

ص ۴۰۷ سطر ۱۱، ۱۲ میں یوں اصلاح ہو:- اور عطر خلق کو اہل عرب کے سوا کوئی دوسرا عمدہ نہیں بنا سکتا"

ص ۴۰۹ حاشیے کی سطر دوم یوں پڑھئے:- "جس کا بعد میں ایک ناقص ترجمہ ترکی زبان میں بھی ہوا"

ص ۴۱۱ سطر ۹ و ۱۳ کی غلطیاں سخت ہیں، یہ عبارت اصل میں یوں ہے:- "انکو چھوڑ دو گے تو تم پر ہمیشہ مسلط رہیں گے، ---- اور ابنار کی بھی مدد نہیں کی، بلکہ غیر جانبدار رہے"

اخبار علمیہ

تاریخ بنگال

امرت بازار پتر کا کا نامہ نگار لکھتا ہی، کہ ڈھاکہ یونیورسٹی کی طرف سے تاریخ بنگال کی تالیف کا جو کام شروع کیا گیا تھا، وہ تیزی کیساتھ جاری ہی، پہلی جلد کے مختلف ابواب جو ہندو عہد پر مشتمل ہو گی مختلف اشخاص کے سپرد کر دیے گئے ہیں، اس جلد کی ادارت، پروفیسر آر، سی، ماز مدار، ڈھاکہ یونیورسٹی نے قبول کی ہی، لکھنے والون میں بعض اشخاص کے نام حسب ذیل ہیں، جو ابواب انکے سپرد کیے گئے ہیں، ان کے ناموں کے سامنے قوسین میں درج ہیں، (۱) ڈاکٹر گوہا زوالوجیکل سروے آف انڈیا، (بنگال کی مختلف نسلیں) (۲) ڈاکٹر رائے چودھری کلکتہ یونیورسٹی (قدیم تاریخی عہد) (۳) ڈاکٹر باسک، پریزیڈنسی کالج کلکتہ، (سلطنت گپت سے قوم پالا تک قانون اور نظام حکومت) (۴) ڈاکٹر ماز مدار (قوم پالا، قوم سینا، اقتصادی تاریخ، اور بنگالۂ عظمیٰ) (۵) ڈاکٹر رائے کلکتہ یونیورسٹی، (چندر ابرمن اور دوسرے چھوٹے چھوٹے خاندان (۶) مسٹر ان جی ماز مدار محکمۂ آثار قدیمہ، (فنون وصنعت،) (۷) ڈاکٹر ڈے ڈھاکہ یونیورسٹی، (سنسکرت لٹریچر) (۸) ڈاکٹر چیٹرجی، کلکتہ یونیورسٹی، (ملکی لٹریچر)

دوسری جلد میں بنگال پر مسلمانون کے پہلے حملہ سے لیکر بنگال کے آخری پٹھان فرمانروا داؤد تک کی تاریخ ہوگی، تیسری جلد عہد مغلیہ پر مشتمل ہو گی جسمیں داؤد سے لیکر جنگ پلاسی تک کے حالات ہونگے، ان دو جلدون کی ادارت سر جادو ناتھ سرکار کے ہاتھ میں ہو، مختلف ابواب مندرجۂ ذیل اشخاص کو دیے

گئے ہیں،"۔(۱) ڈاکٹر قانونگو ڈھاکہ یونیورسٹی، (مسلمانوں کی فتح سے عہدِ بلبن تک، افغانوں کا عروج، قانون اور نظامِ حکومت،) (۲) پروفیسر شرف الدین، راج شاہی کالج (اہل حبش) (۳) سر جادوناتھ سرکار (مغلوں کی فتح، معاشرتی، اور اقتصادی تاریخ، قانون اور نظامِ حکومت اسیاسی تاریخ، شایستہ خان سے سراج الدولہ تک جسمیں مرہٹوں کے حملے بھی شامل ہوں گے) (۴) حکیم حبیب الرحمٰن، (اشاعتِ اسلام اور بنگال میں اسلامی تہذیب وتمدن (۵) پروفیسر سین، شانتی نکیتن (مذہب اور مذہبی حالت)، (۶) پرنسپل داس گپتا، سنسکرت کالج، بشمول پروفیسر دینیش بھٹاچاریا و پروفیسر چنتاہرن چکرورتی، (سنسکرت لٹریچر)، (۷) ڈاکٹر چیٹرجی، کلکتہ یونیورسٹی، (ملکی لٹریچر اور دیسی کہانیاں) (۸) ڈاکٹر انعام الحق، (ہندی اسلامی لٹریچر اور لٹریچر میں مسلمانوں کا حصہ) (۹) پروفیسر سین، کلکتہ یونیورسٹی، (بنگال میں پرتگالی (۱۰) پروفیسر کالی کنکر دت، پٹنہ کالج (علی وردی خان) (۱۱) پروفیسر نرودھ بھوشن رائے، (سلاطین تغلق) (۱۲) پروفیسر سین، کلکتہ یونیورسٹی، (ملکی لٹریچر) (۱۳) پروفیسر باسو ملک، میرٹھ کالج، (عہدِ مغلیہ سے قبل کا مذہب،)

اس تاریخ کے ابتدائی اخراجات کے لئے ڈھاکہ یونیورسٹی ایک ہزار روپئے دے چکی ہے، اسکے علاوہ مسٹر اے، ایف، رحمان وائس چانسلر، ڈھاکہ یونیورسٹی نے جیب خاص سے ایک ہزار کی رقم اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا ہے، ڈاکٹر قانون گو نے، قانونگو پارلائبریری چٹاگانگ کی طرف سے پچاس روپیوں کا وعدہ فرمایا ہے، امید کیجاتی ہے کہ اس تاریخ کی پہلی اور تیسری جلدیں جولائی ۱۹۳۶ء کے آخر تک چھپنے کے لئے پریس پہنچ جائیں گی،

دانتوں کی صحت کے لئے مناسب غذا کی تجویز

دانت کے امراض کی شکایت آج تمام مہذب ملکوں میں عام ہے، لٹریری ڈائجسٹ کی تازہ اشاعت سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسوقت امریکہ میں ساٹھ ہزار دندان ساز ڈاکٹر چھ لاکھ آدمیوں کے

علاج میں مصروف ہیں، اس عام شکایت کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ لوگون نے دودھ اور دوسری غذاؤں کو جنسے دانتوں کو قوت پہنچتی ہو، ترک کر دیا ہو، وسط جون ۱۹۳۶ء میں انجمن ترقی سائنس امریکہ کے ایک جلسہ میں اس وبا کی جو روئداد پیش کی گئی، اُس سے ظاہر ہوتا ہو کہ بہتیرے امراض جنکا تعلق بظاہر دانتوں سے معلوم نہیں ہوتا، دراصل انہی کی خرابی سے پیدا ہوتے، اور بڑھتے رہتے ہیں، چنانچہ ڈاکٹر میکال (MECALL) نے اپنا تجربہ بیان کیا، کہ اسکے پاس پانچ سال کا ایک لڑکا لایا گیا، جس کے قلب کا فعل نہایت خراب ہو چکا تھا، اور اسکی کمزوری اتنی بڑھ گئی تھی، کہ اُس کے والدین اُسے کرسی میں اُٹھا کر لائے تھے، معائنہ کرنے پر معلوم ہوا، کہ اُس کا ایک دانت بھی مرض سے پاک نہ تھا، لہذا سب دانت نکال ڈالے گئے، دو ہی ماہ کے بعد اُسکے قلب کی حالت بالکل درست ہو گئی، اتنا ہی نہیں، بلکہ اس کے بعد مناسب غذا پر رکھنے سے نئے دانت ایسے عمدہ نکلے کہ انکے علاج کی ضرورت ڈاکٹر موصوف کی رائے میں آیندہ غالباً کبھی پیش نہ آئیگی، یہ مناسب غذا ڈاکٹر چارلس ڈرین (CHARLES DRAIN) اور ڈاکٹر جولین بوائڈ (JULIAN BOYD) کی تجویز کردہ ہو، اور انھیں بھی بالکل اتفاقیہ طور پر معلوم ہو گئی، بعض ذیابیطس کے مریض بچوں کیلئے وہ مختلف غذاؤں کا تجربہ کر رہے تھے، انھون نے دیکھا کہ جو مناسب غذا ذیابیطس کی رعایت سے تجویز کی گئی تھی، اُس سے غیر متوقعہ طور پر ان بچون کے دانتوں کی خرابی بھی رُک گئی، یہ دیکھ کر انھون نے اس غذا کا تجربہ ان بچوں پر بھی کیا، جنکو ذیابطس کی شکایت نہ تھی، تجربہ سے معلوم ہوا کہ خرابی اگر شروع ہو چکی ہو، تو اس غذا کے استعمال سے رُک جاتی ہو، اور مرض بڑھنے نہیں پاتا، یہ غذا حسب ذیل اجزا پر مشتمل ہو:- دودھ ایک سیر، انڈا، ایک عدد، مچھلی کا تیل ایک چمچہ، (چائے کے چمچہ سے) مکھن نصف چھٹانک، سنترا ایک عدد، ترکاری یا کوئی اور پھل تھوڑی مقدار میں، تین سال سے پانچ سال کی عمر والوں کیلئے گوشت کا اضافہ بھی کر دیا گیا ہو، سات سال سے سولہ سال والوں کیلئے یہ چیزیں تجویز کی گئی ہیں بھی سولہ سال سے زیادہ کے لوگوں کے لئے

بھی ہیں، دودھ ایک سیر، انڈے دو عدد، بکری کا گوشت، مچھلی، مرغ، یا کلجی، سنترا ایک عدد، ٹوماٹو، مچھلی کا تیل ایک چمچہ، مکھن، چھ چمچے، سنترے کے علاوہ کوئی ایک پھل اور، روٹی اور آلو کی بھی اجازت ہے، مصالحے، کافی، چائے، خشک گوشت، اور اچار سے پرہیز کرنا چاہئے، ڈاکٹر میکال کا خیال ہے کہ اگر مائیں بچوں کی ولادت سے قبل ہی مذکورۂ بالا غذا کا استعمال شروع کر دیں اور ولادت کے بعد بچوں کی پرورش اسی غذا سے کریں، تو دانتوں کے امراض ایک پشت کے اندر ہی تقریباً بالکل دور ہو جائیں گے،

سورج گرہن

۱۹ رجون ۱۹۳۶ء کا سورج گرہن بحر روم سے بحر الکاہل تک کے خط میں پوری طرح نمایاں تھا، لیکن سب سے زیادہ نمایاں سائبریا اور شمالی جاپان میں تھا، چنانچہ روس میں اسکے متعلق تیاریاں بہت پہلے سے ہو رہی تھیں، تقریروں اور تحریروں کے ذریعہ عوام کو گرہن کے حالات بتائے جا رہے تھے، رصد خانوں کی طرف سے اس موضوع پر سائنٹفک مقالات آسان زبان میں شائع ہو رہے تھے، حکومت نے بھی تین کتابیں اور بہت سے رسالے شائع کر کے لوگوں کو آنے والے واقعہ کی نسبت مفید معلومات بہم پہنچانے کی کوشش کی، اس گرہن کا انتظار سختی سے کیا جا رہا تھا، کیونکہ پچھلا گرہن جو فروری ۱۹۳۴ء میں لگا تھا، صرف بورنیو کے گھنے جنگلوں سے دکھائی دیا تھا، جتنا بہتر موقعہ جون ۳۶ء کے گرہن کا مطالعہ کرنے کے لئے ملا اتنا اب تک کسی گرہن کے لئے میسر نہیں آیا، اسی لئے ایک سال قبل ہی ہیئت دانوں کی بین الاقوامی انجمن نے پیرس میں اجلاس کر کے اس گرہن کے مختلف حصوں کے مطالعہ کیلئے مختلف جماعتیں متعین کر دی تھیں تاکہ کوئی حصہ مطالعہ سے رہ نہ جائے اور کسی ایک حصہ کے مطالعہ میں ایک سے زیادہ جماعتیں وقت صرف نہ کریں، چنانچہ منجملہ اور ممالک کے امریکہ، جاپان، انگلستان، فرانس، بلجیم اور پولینڈ کے وفود اس وسیع خط میں پھیلے ہوئے تھے، جہاں گرہن پوری طرح نمایاں تھا، پورا سورج گرہن اب آئندہ ۸ رجون ۱۹۳۷ء کو واقع ہوگا، لیکن صرف بحر الکاہل سے دیکھا جا سکے گا، یکم اکتوبر ۱۹۴۰ء کو دوسرا پورا گرہن جنوبی نصف کرہ کے ایک حصہ سے نظر آئیگا، شمالی امریکہ میں پورا سورج گرہن ۳۰ رجون ۱۹۵۴ء کو دکھائی دیگا، یہ کناڈا میں واقع ہوگا، ریاستہائے متحدہ امریکہ کی باری ۱۰ رجولائی ۱۹۷۲ء میں آئیگی جب پورا گرہن نیو انگلینڈ کی ریاست سے نظر آئیگا۔

"ع ز"

باب التقریظ والانتقاد

تتمۃ صوان الحکمۃ

مصححہ پرنسپل محمد شفیع ایم اے، پروفیسر عربی پنجاب یونیورسٹی، پتہ:- موتی لال بنارسی داس، پنجاب سنسکرت بک ڈپو سید مٹھا، لاہور، قیمت ہر سہ جلد:- لعہ

عربی زبان میں ہر قسم کے علوم و فنون کے ماہرین پر الگ الگ کتابیں لکھی گئی ہیں، من جملہ ان کے علوم فلسفہ، وحکمت کے ماہرین کے حالات و سوانح پر بھی چند کتابیں لکھی گئی ہین، گو تصریح پتہ نہیں چلتا کہ اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب کونسی لکھی گئی ہے، لیکن ہمارا خیال ہے کہ عربی میں اس موضوع پر سب سے پہلی کتاب یحییٰ نحوی کی تاریخ ہے، خواہ اس کا ترجمہ ہو، (فہرست ابن ندیم صہ ۲۹۰ وصہ ۲۰۷ مصر) اس کے بعد تاریخ اسحاق الراہب (ایضاً ص ۲۴۳) وتاریخ الاطبا، اسحاق بن حنین (ایضاً صہ ۲۹۷ وصہ ۲۹۰، وصہ ۴۱۵) لکھی گئی، چونکہ اکثر اطبا، حکما ہوتے تھے، اور اکثر حکیم طبیب اس لئے ان دونوں کے حالات ایک دوسرے کے تذکرے میں ملا جلا کر لکھے جاتے تھے، ان کتابوں کا بھی یہی حال تھا، ان میں زیادہ تر یونانی حکیمون کے حالات اور سوانح تھے،

ابن ندیم بغدادی نے ۳۷۷ھ میں جو فہرست لکھی اس کا ایک باب حکما اور فلاسفہ کے حالات مین ہے، شاید یہ پہلا موقع ہے، کہ دوسرے حکما، کے پہلو بہ پہلو مسلمان حکما، کو بھی جگہ دی گئی، ابن ندیم کا ایک استاد مشہور حکیم ابو سلیمان محمد بن طاہر سجستانی منطقی تھا، جو بقول شہرزوری ۳۷۰ھ میں

بغداد میں موجود تھا، اس نے صوان الحکمۃ کے نام سے حکمار کے اقوال وسوانح میں ایک کتاب لکھی تھی اس کتاب کی تالیف کا زمانہ چوتھی صدی کا وسط قرار دینا چاہیئے، پانچوین صدی میں قاضی صاعد اندلسی کی طبقات الامم کو بھی اسی سلسلہ کی کڑی سمجھنا چاہیئے،

اس زمانہ میں کتاب پر تتمہ اور تتمہ پر تتمہ لکھنے کا رواج تھا، ظہیر الدین علی بن زید بہیقی المتوفی ۵۶۵ھ نے ۵۴۹ھ سے پہلے صوان الحکمۃ پر تتمہ لکھا جس کا نام تتمہ صوان الحکمۃ ہے، اور یہی کتاب اسوقت زیر تبصرہ ہے، چھٹی صدی کے نصف میں ایک اور مصنف نے اس کا اتمام لکھا، جس کا نام اتمام تتمۃ صوان الحکمۃ ہے، ساتوین صدی کے آغاز میں شہرزوری نے ان سب معلومات کو نزہتہ الارواح میں کسیقدر اضافہ کیساتھ کھپادیا، ساتویں صدی کے وسط میں جمال الدین قفطی المتوفی ۶۴۶ھ نے اخبار العلما باخبار الحکمار کے نام سے اس فن میں ایک عمدہ کتاب لکھی، آٹھویں صدی کے وسط میں تتمۃ صوان الحکمۃ کا ترجمہ فارسی میں درۃ الاخبار ولمعۃ الانوار کے نام سے ہوا اکبر کے عہد میں شہزادہ سلیم (جہانگیر) کیلئے ۱۰۱۱ھ میں شہرزوری کی کتاب کا فارسی میں ترجمہ ہوا، مترجم کا نام مقصود علی تبریزی ہے، اس ترجمہ کا خلاصہ میر سید صدر الدین بن میر محمد صادق نے بہت بعد میں کیا، تبریزی کی کتاب ہندوستان کے اندر دار المصنفین اور دفتر مال حیدرآباد کے کتبخانہ میں اور خلاصہ بانکی پور لائبریری میں ہے،

اس پورے سلسلۂ تواریخ حکما، میں سے کتاب الفہرست کو چھوڑکر صرف ایک کتاب مختصر اخبار العلما باخبار الحکما قفطی یورپ اور مصر میں چھپی تھی، لیکن چند سال ہوئے کہ پنجاب یونیورسٹی کے صیغۂ علوم مشرقی کی طرف سے پروفیسر محمد شفیع صاحب نے درۃ الاخبار کو تصحیح وتحشیہ کیساتھ چھاپا تھا، اور اب انھیں نے درۃ الاخبار کی عربی اصل تتمہ صوان الحکمۃ کو چھاپ کر شائع کیا ہے، اس کتاب کے ایک نسخہ کی نقل حیدرآباد کے ایک اور فاضل بھی یورپ سے لائے تھے، اور وہ اسکی تصحیح و طبع کی فکر میں تھے، مگر یہ سعادت پروفیسر محمد شفیع کی قسمت میں تھی، انھوں نے یورپ اور قسطنطنیہ کے مختلف کتب خانوں کے نسخوں کے

مقابلہ سے ایک صحیح نسخہ تیار کیا، اور اوس پر محققانہ حواشی لکھے، اور پنجاب یونیورسٹی نے اوس کو چھاپ کر شائع کیا،

تواریخ حکما کے باب میں دو بڑی دقتیں ہیں، ایک یہ کہ ان کتابون میں ان کے حالات نہایت ہی مختصر ہیں، بلکہ کہین کہیں تو ان کے ناموں پر اکتفاء کی گئی ہے،

دوسری یہ کہ ان کی ولادت اور وفات کے سنین بہت کم ملتے ہیں،

محشی موصوف نے اپنے امکان بھران دونوں دقتوں کو حل کرنے کی کوشش کی ہے، حواشی میں دوسرے ذرائع سے مترجم لہٗ کا اگر کوئی حال معلوم ہو سکا ہے تو اس کا حوالہ دیا ہے، اور اون کی زندگی اور وفات کی تاریخ و سنہ کا اگر پتہ لگ سکا ہے، تو اسکو ذکر کیا ہے، ساتھ ہی دوسرے متعلقہ اشخاص کے سوانح کی تشریح بھی کی ہے، کتاب کے مختلف نسخوں کی مختلف قراتوں میں سے صحیح قرأت کی تعیین متن میں کی ہے، اور دوسری قراتوں کو حاشیہ میں درج کر دیا ہے، کتاب کے شروع میں فہرست کتاب ہے، اور اخیر میں مزید تشریحی حواشی لکھے ہیں، اور ناموں اور کتابوں کا انڈکس بنا کر شامل کیا ہے، سب سے آخر میں غلطنامہ ہے،

کتاب کی تصحیح اور تحشیہ میں پروفیسر موصوف نے پوری محنت کی ہے، اور حکما، کی جو تصانیف موجود ہین، اور جن کتبخانوں میں ہین اونکا پتہ دیا ہے، ارباب نظر جانتے ہیں، کہ اس قسم کے کاموں میں کس دیدہ وری اور دیدہ ریزی کی ضرورت ہے، مصحح محشی نے ان دونوں باتوں کا پوری طرح ثبوت دیا ہے،

کتاب میں کل ۱۱۱ حکیموں کا تذکرہ ہے، حنین بن اسحاق کے حال سے وہ شروع اور زین الدین جرجانی کے حال پر ختم ہوئی ہے، یعنی وہ چھٹی صدی ہجری کے وسط تک کے حکما کے احوال پر مشتمل ہے، مصنف نے حتی المقدور تاریخی ترتیب پیش نظر رکھی ہے، گو اسکی پوری رعایت نہیں کی ہے،

کتاب کی تصحیح اور تحشیہ میں جو محنت کی گئی ہے، اسکی بنا پر وثوق کیساتھ کہا جا سکتا ہو کہ وہ

کسی یوروپین مستشرق کی محنت سے کم نہیں ہے، حالانکہ کتابوں کے ملنے کی جو آسانیاں یورپ میں ہیں وہ ہندوستان میں کہاں اور کس کو میسر ہیں؟

بعض مقامات کی نسبت ہمکو کچھ کہنا بھی ہے:۔

صنا۱۱ پر جس علاء الدولہ فرامرز بن علی کا ذکر ہے، تاریخ بیہق کے ضمنی تذکرہ کے علاوہ جس کا حاشیہ میں حوالہ دیا گیا ہے، کامل ابن اثیر کے حوادث ۵۱۵ھ میں اس کا ذکر ہے کہ اس نے اس سال مشہد کے گرد چہار دیواری (سُور) بنوائی تھی، کسی قدر اس کا مفصل حال علامہ شوستری نے مجالس (ص۳۹۶) میں لکھا ہے، اور ۵۳۶ھ اسکی تاریخ وفات بتائی ہے، محشی نے فائت حواشی میں (ص۲۲۲) اس علاء الدولہ پر جو حاشیہ لکھا ہے، وہ بے محل معلوم ہوتا ہے، کہ وہ علاء الدولہ فرامرز کا حال نہیں، بلکہ اس کے بھائی علاؤ الدولہ گرشاسپ کا ہے،

مصنف کو یعقوب کندی کے یہودی یا نصرانی ہونیکا شبہ ہے (ص۲۵) محشی نے چہار مقالہ کا حوالہ دیا ہے، کہ اس نے مصنف نے بھی اس کو یہودی لکھا ہے، حالانکہ قاضی صاعد اور قفطی نے اسکے مسلمان ہونے اور مہدی و رشید کے زمانہ میں اس کے باپ کے امیر کوفہ ہونے، اور اسکے دادا اشعث بن قیس کے صحابی ہونے کی تصریح کی ہے، اصابہ فی تمییز الصحابہ میں ان کا پورا حال مذکور ہے،

یعقوب کندی کے ایک رسالہ کے رامپور میں ہونے کا ذکر محشی نے کیا ہے، (ص۱۶۶) حالانکہ اس کا ایک اور رسالہ، رسالۃ فی الشعاع بانکی پور کے مشرقی کتب خانہ میں بھی موجود ہے[1]، اسکا تیسرا رسالہ تصحیح قول[2] ابسقلاوس فی المطالع بدایون میں چھپا ہے،

تعجب ہے کہ محشی نے طبقات الامم کے مصنف کو فہرست ماخذ میں (ک) اور حواشی میں (ص۱۹ و ۲۵) جا بجا ابن صاعد لکھا ہے، حالانکہ صاعد خود اس کا نام ہے، اس کے باپ کا نہیں، اس لئے ہر جگہ صاعد لکھنا چاہئے تھا،

[1] مفتاح الکنوز الخفیہ ج ۱ ص۲۳۶، [2] ابن ندیم ص۳۶۱ مصر،

بعض الفاظ کی صحیح قرأت نہیں ہوسکی ہے، مثلاً ص ۱۱۱ میں ہے، "ما واك عبد غيرك"

حالانکہ یہ فقرہ بعید المعنی ہے، محشی نے نسخۂ غ کے مطابق یہ الفاظ متن میں رکھے ہیں، حالانکہ ك اور نب

میں عبد کے بجائے صحیح طور پر عند تھا، اس کی صحیح قرأت نل میں ہے، اور وہ یہ ہے، ماذاك عند

غيرك یعنی تم یہ کہتے ہو، مگر تمھارے سوا دوسرے آدمی کے نزدیک یہ بات یوں نہیں ہے"

ص ۱۳۶ میں ایک شعر ہے، جسکو متن میں اسطرح بقید اعراب لکھا گیا ہے،

لقد دفنوا منه سقى الله قبره فتىً عيشةً معروفةً بعد موته

عیشةً معروفةً پڑھنے سے شعر بے معنی ہو جاتا ہے، بلکہ اس کو عیشه معروفه

پڑھنا چاہیئے، شعر کا مطلب یہ ہے کہ ایسے جوان مرد کو دفن کر دیا جسکی زندگی اوس کے مرنے کے

بعد اوسکی نیکی کے کارنامے ہیں،

ص ۸۲ میں نریحا الذی غلط معلوم ہوتا ہے، الزيح الذی له ہوگا، یا نریحه ہو، جیسا کہ اختلاف

قرأت کے حواشی ص ۲۰۸ میں ہے،

ص ۱۹ کے حاشیہ میں راغب اصفہانی کی تصانیف میں سے تفصیل النشأتین کا چھپ جانا

لکھا گیا ہے، حالانکہ ان کی دوسری کتاب الذریعة الی مکارم الشریعہ بھی ۱۳۲۴ھ میں مصر میں چھپ گئی ہے لیکن

اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے،

ابو حاتم مظفر اسفزاری کی تاریخ وفات ۵۰۶ھ (چہار مقالہ) اور ۵۱۵ھ (میزان الحکمۃ خازنی)

کے درمیان متعین کی گئی ہے، مگر خود تتمۂ صوان الحکمہ میں ہے کہ اس نے جو سائنٹفک ترازو بنائی تھی

اور شاہی خزانہ میں پیش کی تھی، اسکو جب سلطان سنجر کے خزانچی نے توڑ ڈالا، تو حکیم مذکور (ابو حاتم مظفر)

اس غم میں مر گیا، سلطان سنجر ۵۱۱ھ میں تخت پر بیٹھا، اس بنا پر ابو حاتم مظفر کی تاریخ وفات ۵۱۱ھ

اور ۵۱۵ھ کے درمیان مقرر کرنی چاہیئے،

ص ۹۳ میں کوشیار کی مجمل کا پورا نام چہار مقالہ کے حوالہ سے مجمل الاصول بتایا گیا، اور رامپور لائبریری میں اس کا ہونا لکھا ہے، اس کا دوسرا نسخہ نواب سالار جنگ بہادر کے کتبخانہ (حیدر آباد دکن) میں بھی ہے، اور وہاں اوس کا نام مجمل الاحکام فی اصول الاحکام ہے،

ص ۱۳۰، س ۵ میں عشرین مجلدات کا لفظ متن میں رکھا گیا ہے، حالانکہ صحیح نسخہ وہ ہے، جو حاشیہ میں بحوالہ نب، ب لکھا گیا ہے، یعنی مجلدۃ،

تتمہ کا فارسی اڈیشن درۃ الاخبار پروفیسر شفیع صاحب پہلے لیتھو میں شائع کر چکے تھے، اب اوس کو اس سلسلہ کی دوسری کڑی بنا کر دوبارہ ٹائپ میں چھاپا ہے، حواشی وہی ہیں جو طبع اول میں تھے کہیں کہیں مزید تصحیح اور تبدیل کی ہے، مگر تعجب ہے کہ نصیر طوسی کے حال میں تاریخ گزیدہ کے حوالہ سے جو بیان "و عمرش بقول صاحب گزیدہ ۵، سال و ۷، ماہ و ۷، روز بود" پہلے لکھا گیا تھا، اس میں تغیر نہیں کیا گیا ہے، مطبوعہ گزیدہ میں جہاں تک میں نے تلاش کیا یہ بیان نہیں ملا، البتہ ہفت اقلیم رازی میں ہے کہ "و مدت عمرش ہفتاد و ہفت سال و ہفت ماہ و ہفت روز بود" جو حساب سے غلط ہے، اور صحیح ۵، سال، ۰ ماہ، ۰ روز ہے،

حکمائے اسلام کی تاریخ میں غالباً قدماء نے کوئی محققانہ کتاب نہیں لکھی، حالات بہت کم لکھے ہیں، سنین سے غفلت برتی ہے، تصانیف کا استقصا نہیں کیا ہے، پھر یہ جو کچھ ہے چھٹی صدی تک ہے، اسکے بعد کی چھ صدیوں میں یہ ادھورا کام بھی نہیں کیا گیا، اور اس دوسرے دور کے اشخاص بالکل زاویۂ خمول میں ہیں، ضرورت ہے کہ پرانے ماخذوں کی جدید تحقیقات سے ایک نئی کتاب اس موضوع پر لکھی جائے، اور اس بڑی کمی کو پورا کیا جائے، معلوم نہیں کس خوش قسمت کی قسمت میں یہ خدمت مقدر ہے،

کتاب کا تیسرا حصہ جو انگریزی دیباچہ و تبصرہ ہوگا زیر طبع ہے،

"س"

ہندوستانی کے چند نئے رسالے

سالِ رواں میں ماہ فروری سے ماہ جولائی ۳۶ء تک ہندوستانی زبان میں حسب ذیل نئے رسالے شائع ہوئے،

تحقیقِ حق ۔ لکھنؤ، مدیر جناب سید علی صفدر صاحب ایم اے ال ال بی ۴۰ صفحے قیمت سالانہ للعہ، ہر پرچہ ۵ر پتہ :۔ امپیریل بکڈپو نمبر ۱۹، امین الدولہ پارک، لکھنؤ،

یہ علوم فلسفہ وکلام کا ماہوار رسالہ ہے، جس میں عقلی دلائل سے ادیان و مذاہب کی تحقیق کی جاتی ہے، اس کے کارکن قدیم اسلامی فلسفہ وعلم کلام کے مباحث کو دورِ حاضر کے نئے تعلیم یافتہ طبقوں کے فہم و مذاق کے مطابق پیش کرتے ہیں، اور اس طریقہ سے دیگر مذاہب کے مقابلہ میں دین اسلام کی برتری عقلی دلائل سے دکھاتے ہیں، اگرچہ نفس واقعہ کے لحاظ سے احقاقِ حق کے لئے ان متکلمانہ مباحث و نظریات کو اساس حق قرار دینا ایک ذوقی مسئلہ ہے، لیکن جن لوگوں کی ذہنیت کے مقابلہ میں انھیں پیش کیا جاتا ہے، ان کی تشفی کا پورا سامان ان میں بہم پہنچایا جاتا ہے، اور اس حیثیت سے ایک قابلِ قدر خدمت انجام پارہی ہے، رسالہ کے مضامین انگریزی وہندوستانی دونوں زبانوں میں ضرورت ومحل کے لحاظ سے چھاپے جاتے ہیں، "تحقیق مذہب" کے عنوان سے مدیر کا ایک مضمون دونوں زبانوں میں چھپ رہا ہے، جس میں عیسائی، آریہ اور ملحد وغیرہ فرقوں کے درمیان وجودِ باری تعالیٰ پر دلائل قائم کئے گئے ہیں، رسالہ کے کاغذ اور لکھائی چھپائی پر مزید توجہ کی ضرورت ہے،

شمیم، پٹنہ، اڈیٹر جناب تمنائی، حجم ۴۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت سالانہ سے ر ہر پرچہ ۴ر پتہ :۔ یونس منزل، اکزبیشن روڈ، پٹنہ،

یہ ادبی ماہنامہ ہے، جو پٹنہ کے ایک ہونہار نوجوان اہل قلم کے جذبۂ خدمت ادب سے نکلا ہے، ادبی مضامین اور افسانے خاصے ہوتے ہیں، نیز انگریزی کے علمی مضامین اور کتابوں کے ترجمے چھپتے ہیں، رسالہ کے دائرۂ عمل میں

سیاسیات داخل ہیں، ہرماہ بین الاقوامی و ہندوستانی سیاسیات پر رائے زنی کی جاتی ہے، مضامین اور افسانوں میں سوشلزم کی حمایت کی جھلک نظر آتی ہے، اس سلسلہ میں اگر گرم فقرے بھی قلم سے ٹپک پڑیں تو اسے نوجوان ادیب کی نوجوانی کے قلم کی تیزی سمجھنا چاہئے، توقع ہے کہ یہ رسالہ صوبہ کے نوجوانوں میں ادبی مذاق پیدا کریگا، اور رفتہ رفتہ ادارت کا تجربہ بھی آجائے گا،

حیات - مدراس، مدیر جناب محمد عبدالحمید صاحب حمید، ۱۶ صفحے، قیمت ار پتہ :- بھینی پیس ترلکھیڑی ہائی روڈ، مدراس، صوبہ مدراس سے ہندوستانی زبان کے خاصے رسالے نکل رہے ہیں

صوبہ مدراس سے ہندوستانی زبان کے خاصے رسالے نکل رہے ہیں، یہاں کے مفکروں میں اس زبان کی خدمت اور مسلمانوں کو سیاسی و تعلیمی اصلاح و ترقی کے لئے ابھارنے کا جذبہ پیدا ہو چکا ہے، چنانچہ یہ نیا ماہنامہ "حیات" بھی انہی مقاصد کے ساتھ ماہ محرم سے جاری ہوا ہے، دارالمصنفین کے سابق رفیق مولانا ابوالجلال ندوی اور چند دوسرے اہل علم اس رسالہ کے نگراں ہیں، اور پہلے نمبر میں ان کے مضامین نثر و نظم درج ہیں،

شباب مشرق کلکتہ اڈیٹر جناب شمس شیدائی و ڈاکٹر محمد یوسف صاحب خیال، ۳۲ صفحے، قیمت عام ہر پرچہ ۲ر پتہ :- نمبر ۳۶، سنٹرل ایونیو، روم ۱۸، کلکتہ،

یہ رسالہ بنگال میں ہندوستانی زبان و ادب کی خدمت اور "حق کی اشاعت" کے لئے جاری ہوا ہے، جس میں معمولی اور اوسط درجہ کے ادبی مضامین چھپتے ہیں،

اتحاد اسلامی، رامپور اڈیٹر جناب دائم جلالی، ۵۲ صفحے، قیمت سالانہ عہ ہر پرچہ ۲ر پتہ :- بازار صفدر گنج رامپور،

اس میں عام فہم مذہبی، اصلاحی مضامین تراجم اور تاریخی قصص و حکایات شایع ہوتے ہیں،

"ر"

مطبوعاتِ جدیدہ

انقلابِ روس، از جناب پنڈت کشن پرشاد صاحب کول ناشر ہندوستانی اکیڈیمی

الہ آباد، ملنے کا پتہ:۔ سول ایجنٹ کتابستان الہ آباد، حجم ۵۰ ۲ صفحات، قیمت:۔ عار

روس کا جدید انقلاب، دنیا کی تاریخ میں صرف سیاسی اہمیت نہیں رکھتا، اسکے علمبردار ایک جدید تمدن، نئی معاشرت، اور اعجوبۂ روزگار نظام اخلاق کی نئی طرح ڈالنے کے بھی دعویدار ہیں، چند دنون پہلے تک روس کے صحیح حالات سے واقفیت حاصل کرنے کے ذرائع ہمارے پاس مفقود تھے، اس کے متعلق تصنیفات، مضامین اور سفرنامے زیادہ تر ذاتی رجحانات کے ماتحت سیاسی اغراض کے لئے لکھے جاتے تھے، ابھی زیادہ زمانہ نہیں گذرا کہ حکومتِ روس کے تعلقات، دولِ یورپ سے نئے سرے سے استوار ہوئے، پروپیگنڈے کا دور ختم ہوا، اور واقعات اپنے اصلی رنگ میں ظاہر کئے جانے لگے، لیکن اسوقت تک ہندوستانی زبان میں اس کے عصر جدید پر کوئی قابلِ اعتماد تصنیف موجود نہ تھی، جناب پنڈت کشن پرشاد صاحب کول شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھون نے یہ ضرورت پوری کی،

موصوف نے اس کتاب میں بالشویک نظامِ حکومت، آئین و قوانین، ملکیت، صنعت و حرفت اور زراعت کے متعلق بالشویک اصول و عقائد اور ان کی عملی سرگرمیون، روس کی موجودہ تعلیمی جد وجہد اور مذہب، نظامِ معاشرت اور اخلاق کے متعلق بالشویک عقائد، اور عملی تجربے، ان کی حمایت و مخالفت دونون سے قطع نظر کرکے دکھائے ہیں، اس کتاب میں مصنف کی حیثیت ایسے مورخ کی ہے، جو ذاتی رجحان سے علحدہ رہ کر جو واقعہ جس طور پر پیش آیا، اوسے سادہ طریقے سے بیان کر دے، اور

وہ اپنے اس مقصد میں کامیاب ہوئے ہین،

پنڈت جی کی اس تصنیف میں ایک بات اور بھی قابلِ ذکر ہے، ادھر پچھلے چند سالوں میں ان کی جو کتابیں شائع ہوئیں، ان میں اونھوں نے ہندی کے نو پیدا نامانوس الفاظ بہ کثرت استعمال کیے تھے، چونکہ پنڈت جی ہندوستانی زبان کے کہنہ مشق اہلِ قلم تھے اسلئے معارف نے پچھلے موقعوں پر ایک سے زیادہ مرتبہ اُن کو ٹوکا، اور موصوف نے بعض تحریرون میں اپنا طرزِ عمل حق بجانب دکھانے کے لئے ہماری گذارشوں کے جواب بھی دیئے، لیکن موصوف کی یہ تازہ تصنیف دیکھ کر خوشی ہوئی، کہ انھوں نے یہ کتاب اپنی اسی پُرانی صاف، شُستہ، اور رواں زبان میں لکھی ہے، جس کے وہ قادر الکلام اہلِ قلم ہین، اگرچہ ٹائپ میں چھپنے کے باوجود چھپائی کی بعض قابلِ افسوس غلطیاں باقی رہ گئی ہیں،

سفرنامۂ مغرب اقصیٰ، از جناب قاضی میر ولی محمد صاحب بھوپال، حجم ۱۶۶ صفحات، قیمت درج نہیں،

یہ اقصائے مغرب کا عبرت انگیز سفرنامہ ہے، اسلامی اندلس کے دور میں مغرب و اندلس باہم قلب و جگر کی حیثیت رکھتے تھے، اور مغرب میں بھی بعض بڑی جلیل القدر اسلامی سلطنتیں قائم تھیں، پھر اندلس کے اجڑنے کے بعد بے خانمان اندلسی خاندانوں نے اسی سرزمین میں آکر پناہ لی، اور آج بھی یہان مسلمانون کی بڑی آبادی موجود ہے، جو اگرچہ فرانس و اسپین کے پنجۂ استعمار میں گرفتار ہے، لیکن ان کے وجود سے اسلامی عہد کی یاد باقی ہے، اسلئے اسلامی تاریخ سے وابستہ دلوں میں اس سرزمین کی طرف غیر معمولی کشش پائی جاتی ہے، میر ولی محمد صاحب نے جنھیں اندلس، افریقہ، مغرب اور سسلی کی تاریخ سے عشق سا ہے، جہان دوسرے اجڑے دیاروں کی زیارت کی، وہان وہ کشاں کشاں صحرائے مغرب میں بھی جا پہنچے، اور یہان کے ایک ایک تاریخی مقام کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالا، اور سلاطین علماء و اکابر کی قبریں تلاش کیں، اور اپنے سفرنامہ میں ان کے نشانات بتائے، اسی تلاش و جستجو میں وہ عہدِ اسلامی

کے مغرب کے مشہور شہر اور دور حاضر کی گمنام آبادی اغمات میں بھی بہ ہزار دشواری وارد ہوئے، یہاں اندلس کا مشہور عبادی تاجدار المعتمد آسودۂ خواب تھا، اس جلیل القدر فرمانروا نے اندلس کے اسلامی دور کے اخیر میں اسے نئے سرے سے زندہ کیا تھا، اور اس کے نام سے یورپ کی سلطنتیں کانپ اٹھتی تھیں لیکن افسوس کہ آج اغمات میں اسکی قبر کا بھی نام و نشان باقی نہیں رہا، زائر نے تاریخ کے دفتر کھولے اسکی قبر کی جائے وقوع کے متعلق تاریخ کا بتایا ہوا ایک ایک نشان دیکھا، قدیم تاریخی اور موجودہ نقشوں سے سرزمین کو ملایا، لیکن اس جلیل القدر فرمانروا کی آخری خوابگاہ کا پتہ نہ چل سکا، زائر سیاحِ عالم ابن بطوطہ کی قبر کی زیارت کے شوق میں بھی روانہ ہوا، اسکی قبر ایک سکونتی مکان کے ایک بوسیدہ حجرے میں بتائی گئی، زائر نے وہاں پہنچکر دیکھا، کہ اس کی قبر کی خام زمین مسطح ہو چکی ہے، اور چند اشخاص اس پر چٹائی بچھا کر بیٹھے ہوئے ہیں،

فاضل مصنف نے مغرب کی آبادیوں کے موجودہ تمدنی حالات اور یہاں کے مسلمانوں کے تمدنی، سیاسی اور معاشرتی حالات کا نقشہ بھی تفصیل سے کھینچا ہے، جو اپنی جگہ کچھ کم عبرت آموز نہیں، یہ پورا سفرنامہ گویا ایک حساس دردمند مسلم دل کے جذبات و مشاہدات کا آئینہ دار ہے،

الدّین (عربی) از مولانا عبد القدیر صاحب، بدایونی، پتہ نمبر مکان نمبر ۴۴۴، محلہ رکاب گنج، عقب ڈیوڑھی، غالب گنج حیدرآباد، دکن، حجم ۲۳۱ صفحے، قیمت :- عار

یہ سُنی عقائد و ایمانیات و حنفی مسائل عبادات و مشرب صوفیۂ کرام کے متعلق کتاب و سُنت کے متون و مآخذ کے اقتباسات کا ایک قابلِ قدر مجموعہ ہے، کتاب چار ابواب کتاب العلم، کتاب الایمان کتاب الاسلام اور کتاب الاحسان میں تقسیم ہے، جن میں محنت و عرق ریزی کے ساتھ سنی، حنفی و صوفی مذہب و مشرب کے متعلق آیات و احادیث کے متون، بغیر کسی تمہید و شرح و توضیح کے ترتیب جمع کئے گئے ہیں، جن مسائل میں مؤلف موصوف کو کتبِ صحاح میں احادیث دستیاب نہ ہو سکی ہیں، ان

میں دیگر مسانید کی طرف رجوع کرکے ذوق وحال کی تسکین کا سامان بہم پہنچایا گیا ہے،

دو خدائی خدمتگار، مترجمہ جناب محمود علی خانصاحب حجم ۹۹ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۱۲ر

پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ، دہلی،

اس میں صوبہ سرحد کے مشہور محب وطن بھائیون جناب ڈاکٹر خانصاحب (ایم آرسی ایس لندن) اور "سرحدی گاندھی" خان عبد الغفار خان کے مختصر سوانح حیات گاندھی جی کے سکریٹری جناب مہادیو دیسائی نے اخلاص ومحبت سے لکھے ہین، جس میں ان کے خاندانی وتعلیمی حالات سے لیکر ان کے دولر حاضر تک کی سرگرمیان دلچسپ انداز میں بیان کی ہین، جن میں ان کے ایثار وقربانی اور وطنی تحریک کے سلسلہ میں صوبہ سرحد میں ان کے کارنامے خاص طور پر نمایان کئے گئے ہین، نیز ان الزامات کی تردید وزنی دلائل سے کی گئی ہے، جنکو حکومت نے وقتاً فوقتاً اپنے بیانون میں ان بھائیوں کے سر عائد کیا تھا، رسالہ میں گاندھی جی کی ایک مختصر تقریب بھی چھپی ہے، ترجمہ سلیس اور روان ہے،

زوال الامت، از جناب سید جمیل صاحب حجم ۶۴ صفحے تقطیع چھوٹی قیمت ۴ر

پتہ:- جناب حکیم سید عبد الجلیل صاحب، ڈاکخانہ جرول، ضلع بہرائچ، (یوپی)،

اس رسالہ میں مسلمانون کے عہد اول میں ترقی کرنے کے اسباب دکھائے گئے ہین، کہ وہ قرآن مجید کی تعلیمات پر عمل پیرا تھے، اس سلسلہ میں قرآنی تعلیمات کو علیحدہ عنوانوں سے بیان کرکے ان سے موجودہ زمانہ میں مسلمانون کی دوری دکھائی گئی ہے، اور پھر بتایا گیا ہے کہ مسلمان قرنِ اول کے جذبۂ ایمانی، جوش سرفروشی، اور حقیقی مساوات کا جذبہ پیدا کرنے، فرقہ دارانہ اختلافات سے علیحدہ ہونے مسلمانون اور غیر مسلمون کے لئے نمونہ اخلاق بننے، اسلامی تہذیب وشائستگی اختیار کرنے، اور صنعت اور تجارت کو ترقی دینے سے حقیقی ترقی کا عہدِ زرین واپس لوٹا سکتے ہین اس لئے مسلمانون کا یہ دورِ زوال دراصل دوسری قومون کے برخلاف اپنے پچھلے شاندار ماضی ہی

کی طرف واپس جانے سے بدل سکتا ہے،

مکتوبات امجد، مرتبہ جناب نصیرالدین صاحب ہاشمی، پتہ شمس المطابع، عثمان گنج، حیدرآباد، ۵۹ صفحے، قیمت ۸/ر

یہ حکیم الشعرا حضرت امجد حیدرآبادی کے چند خطوط کا مجموعہ ہے، ان میں بھی موصوف کا وہی خاص رنگ نمایاں ہے، جو ان کی تصنیفات و رباعیات میں نظر آتا ہے،

احکام اسلام، از مولوی کفیل احمد صاحب کرتپوری ناشر رائل ایجوکیشنل بک ڈپو جامع مسجد دہلی، حجم ۲۰۰ صفحے، تقطیع چھوٹی، قیمت عہ/ر

اس میں اسلام کے عقائد و ایمانیات کے معلومات کسی قدر تفصیل سے اور عبادات کے مسائل اجمال کیساتھ درج کئے گئے ہیں، رسالہ کا طریقۂ ادا عام فہم اور پیرایۂ بیان دلنشیں ہے،

قوت القرآن از جناب واحدہ خانم مسلم ویلوروی پتہ نمبر ۱۲۵ جدید ممبو بازار بنگلور سٹی، ۹۴ صفحے، قیمت ۶/ر

اس میں آنحضرت صلعم کی سیرت پاک، اور قرآن مجید کی تعلیمات سے دکھایا گیا ہے، کہ انہی کی پیروی کر کے مسلمان "قوت" حاصل کر سکتے ہیں جس سے سربلندی حاصل ہوگی،

اساس القرآن، از جناب واحدہ خانم مسلم ویلوروی پتہ نمبر ۱۲۵، جدید ممبو بازار بنگلور سٹی، حجم ۱۲۶ صفحے، قیمت ۱۰/ر

اس میں سورۂ فاتحہ کی آیات کے معانی و مطالب بیان کئے گئے ہیں،

دوزخ کا کھٹکا، از مولینا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ علماے ہند، ناشر منیجر دینی بک ڈپو، کوچہ ناہر خان، دہلی، حجم ۱۳۶ صفحات قیمت ۱۲/ر

اس رسالہ میں منہیات شرعی سے متعلق تقریباً نو سو سے زائد حدیثیں بہ ترتیب عنوان جمع کی گئی

ہیں اکثر مقامون پر ان کی تشریح بھی درج کی گئی ہے، حدیثوں کے متن و شرح کی عبارتوں میں امتیاز رکھا جاتا تو بہتر ہوتا، یہ مسلمانوں کی تہذیب کی ضروریات کے لئے کارآمد رسالہ ہے، جو مقبول ہو چکا ہے اور اس کا دوسرا اڈیشن شائع کیا گیا ہے،

پاک زندگی، از مولینا احمد سعید صاحب، ناشر مینجر دینی بک ڈپو کوچہ ناہر خان، دہلی، ۸۴ صفحے، قیمت :- ۴ر

یہ مولینا احمد سعید صاحب دہلوی کے تین مضامین "فطرۃ سلیمہ" (یعنی حضرت ابراہیمؑ کے سوانح پر ایک نظر) "حیات طیبہ" (سیرت پاک کا بیان) اور "رسالہ فضائل درود" کا مجموعہ ہے،

ہادی عالم، از جناب حاجی نبی احمد کرتپوری، ناشر سکریٹری سیرت کمیٹی، بریلی،

اس رسالہ میں آنحضرت صلعم کی سیرت پاک بیان کی گئی ہے، رسالہ مفت تقسیم کیا گیا ہے،

آئینہ حق نما، از مولوی محمد امین صاحب خوشابی، پتہ قومی کتب خانہ ریلوے روڈ، لاہور، قیمت :- ۴ر

اس میں اسمائے حسنیٰ کی منظوم شرح کی گئی ہے، اور ہر اسم سے متعلق مختلف معلومات درج کی گئی ہیں،

روح جذبات، از جناب خادم اجمیری، پتہ منتظم محی الاوقاف معینی گدڑی شاہی انجمن جہاں اجمیر، ۶۰ صفحے، کاغذ اور لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت درج نہیں،

یہ جناب خادم اجمیری کے تازہ کلام کا مجموعہ ہے، جو دو عنوانوں "عقیدت" و "محبت" کے نام سے مرتب کیا گیا ہے، پہلا حصہ حمد و نعت اور منقبت خواجگان چشت کی منقبت میں ہے، دوسرا حصہ غزلیات پر مشتمل ہے، کلام میں روانی و پختگی ہے،

تسخیر یاس، ناشر مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی، ۳۲ صفحے، قیمت :- ۵ر

یہ مولوی اشرف الدین صاحب یاس ٹونکی کے ابتدائی دور شاعری کے کلام کا مجموعہ ہے، جسے نفاست کیساتھ چھاپا گیا ہے،

"ر"

دارالمصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصۂ اوّل، جس میں قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ ومقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۵۴۴ صفحے، قیمت للعہ، از مولنا عبدالسلام ندوی،

حصۂ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

گل رعنا - اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت:- صہ، از مولنا سید عبدالحئی صاحب مرحوم،

مکاتیبِ شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصۂ اوّل - ضخامت ۴۹۳ صفحے، قیمت:- ۱۲؍
حصۂ دوم، ۲۶۱ ۱۲؍

موازنۂ انیس و دبیر، (از مولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو اور دونوں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت: ہے، سے

کلیاتِ شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جدوجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

(افاداتِ مہدی)، ملک کے نامور انشاپرداز مرحوم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۴۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ہے، حجم ۲۷۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲ ر کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (از مولنا سید ریاست علی ندوی)

دار المصنفین کی سِت جدید فہرست

اور کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف

۱۹۳۵ء سے ہم نے دار المصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کر دی ہی، مکتبۂ دار المصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہو گئی ہی، امید ہی کہ جو لوگ اس وقت تک دار المصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دار المصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ ۱۸ روپیے ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت ۲۷ عـــ ۸ ہی لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیے میں دیا جائیگا لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دار المصنفین سے براہِ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جاسکتا کمیشن کی رعایت بہر صورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی — منیجر دار المصنفین — اعظم گڈھ

مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا،

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس دار المصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سیّد سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر دار المصنّفین اعظم گڑھ

جلد ۳۸ | ماہ جمادی الثانی سنہ ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ ستمبر سنہ ۱۹۳۶ء | عدد ۳

مضامین

ہمارے حیدرآبادی فاضل دوست ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ابھی اسی جون میں افغانستان کے سفر سے واپس آئے ہیں، وہاں کے نوجوان اہل علم و ادب کے روز افزوں ذوق و شوق و انہماک کو دیکھکر وہ بیحد متاثر ہوئے، لکھتے ہیں، :-

انجمن ادبی کے ارکان کا جوش عمل دیکھ کر میں بے حد متاثر ہوا . . . . . ہر رکن اس کوشش میں مسابقت کر رہا تھا کہ وہ کسی نئی چیز کا ترجمہ کر ڈالے، باوجود بے سامانی کے ان کی کارکردگی حیرت انگیز ہے . . . . . انہماک پر حیرت اور رشک ہے، اور جی چاہتا ہو کہ کاش ان لوگوں کو چرالینا ممکن ہوتا۔

لیکن ہمارے نوجوان فاضل دوست کو دیکھکر کابل کے نوجوان اہل قلم طبقہ پر کیا اثر پڑا، وہ افغان ادیب فاضل جناب سرور خاں گویا کے عنایت نامہ کے ان الفاظ سے ظاہر ہے،

"چند روز قبل پروفیسر حمید اللہ خاں تشریف آوردہ بودند، نامۂ مبارک شمار از یارت کردم، تا اندازۂ کہ مقدور عاجزانہ بود با یشاں مساعدت نمودہ از ہیچگونہ یاوری دریغ نہ کردم، زیرا شخص نامبردہ مردے بود فاضل و کریم النفس و دارای خلق نیکو و اطوار جمیل و خجستہ، در حقیقت تمثال اخلاق و مثال زندہ روشنی از تتبع و تفحص در راہ علم و دانش بشری، برائے تمام جوانان سرمشق خوبے است، خداوند امثال ایشاں را در دنیاے اسلام بیشتر کند و زحمات شان را پاداش جمیل بدہد . . . . ."

ہمارے افغان دوست کو ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کی اس اندرونی تجویز کی کہ وہ وہاں کے چند افغان

نوجوان اہل قلم کو چرا کر ہندوستان لانا چاہتے ہیں، بروقت خبر نہ ہوسکی، ورنہ وہ بہت آسانی سے وہیں چرالئے جاتے اور حیدرآباد کی ریاست کو اپنے ایک منجی پروفیسر کے چوری جانے پر خسارۂ عظیم برداشت کرنا پڑتا،

ادیب فاضل سرور خاں گویا کے خط سے یہ معلوم کرکے بیحد خوشی ہوئی کہ انھوں نے حکیم سنائی کے کلام کا ایک نہایت قدیم و نادر مجموعہ دریافت کیا ہے، جس کی کتابت حکیم سنائی کی وفات کے پچاس برس بعد ہوئی ہے، اس مجموعہ میں حکیم ممدوح کی حسب ذیل تصانیف ہیں، کارنامۂ بلخ، عشق نامہ، عقل نامہ، بہرام و بہروز، عفو نامہ اور غریب نامہ، ہمارے دوست اس مجموعہ کو جشن فردوسی کے موقع پر ایران لے گئے تھے، وہاں کے فضلاء اس کو دیکھ کر بیحد محظوظ ہوئے، اس کا کوئی نسخہ ایران میں نہ تھا، امید ہے کہ ہندوستان کے فضلاء بھی اس "گنج مخفی" کے ظہور پر بیحد خوش ہونگے۔

جاپان سے پروفیسر برلاس اپنے ایک عنایت نامہ میں لکھتے ہیں:-

"معارف کے مارچ نمبر میں ساقی پر تبصرہ کرتے ہوئے، ادارت سے ایک غلطی ہوئی ہے، میں نے دو جاپانی پروفیسروں سے اور دو طلبہ سے اس نمبر کے لئے مضمون لکھوائے تھے، ان صاحبان نے خود ہندوستانی میں لکھے تھے، میں نے ترجمہ نہیں کیا، نیز میں کالج میں استاد اردو نہیں، بلکہ استاد ہندوستانی ہوں"

ہندوستانی کے حامی یہ سنکر کیسے خوش ہونگے، کہ ان کی زبان مشرق اقصیٰ کے گوشوں تک پہنچ چکی ہے، اور نیز یہ لفظ اردو کی تنگی اور اسکی جگہ لفظ ہندستانی کی وسعت ہندوستان کے باہر بھی اب تسلیم کی جانے لگی، اور سمجھا جانے لگا کہ ہندوستان کی مشترک زبان کا صحیح نام ہندستانی ہے نہ کہ اردو!

اسی خط میں پروفیسر برلاس نے جاپان میں اسلام کی اشاعت کی نسبت چند فقرے لکھے ہیں، اور بتایا ہے کہ یہاں بعض لوگ کس طرح غلط پروپگنڈے سے دنیائے اسلام میں غلط خبریں پھیلاتے ہیں، اور مسلمانوں کو حقیقت سے بیخبر رکھتے ہیں، جاپان میں درحقیقت صحیح اسلامی خدمت کی توقع اگر کسی سے کیجا سکتی ہے، تو وہ کوبے کی مسجد

اور اس کے مخلص کارکن ہیں،

مولنا شبلی اور مولنا حمید الدین صاحب کی تکفیر کے فتویٰ پر جن لوگوں نے دستخط کئے تھے ان میں سب سے ممتاز شخصیت حضرت مولنا اشرف علی صاحب تھانوی کی تھی، مولوی عبد الماجد صاحب دریا بادی اور دوسرے دوستوں کے خطوط اور اخبار صدق لکھنؤ سے یہ معلوم کرکے خوشی ہوئی کہ حضرت مولنا نے فتویٰ کے بعض جوابی تشریحی مضامین پڑھنے کے بعد اپنے مسلک توسع کی بنا پر ان دونوں بزرگوں کی تکفیر کے فتویٰ سے رجوع فرمایا،

اس زمانہ میں جب کہ اعترافِ حق کبریت احمر ہے، حضرت مولانا تھانوی کی یہ حق پسندی بید قابلِ قدر ہے،
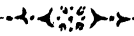
ہمارے عزیز بدر الدین چینی صاحب نے مصر سے ہم کو ہمارے چینی بھائیوں کی حمیت دینی کی ایک تازہ مثال لکھی ہے مشہور انگریز مؤلف ویلز نے اپنی کتاب "دی اوٹ لائن آف دی ورلڈ ہسٹری" میں اسلام اور پیغمبر اسلام علیہ السّلام کے خلاف بہت کچھ لکھا تھا، اسکا ترجمہ چینی زبان میں بھی شائع ہوا جب مسلمانوں کو یہ معلوم ہوا تو انھوں نے کمرشل پریس کے مالک کو جسکا پریس چین میں سب سے بڑا ہے اور جو خود بھی بڑا عالم ہے لکھا کہ اس حصہ کو جس میں رسول اللہ صلعم کی شان میں بے ادبی ہے نکال ڈالا جائے، اور واقعات کے مطابق وہاں ایک مبسوط حاشیہ لکھدیا جائے مسلمان اس احتجاج میں نہ صرف کامیاب ہوئے بلکہ اس پریس سے اور جتنی تاریخی کتابیں نکلی تھیں ان کی بھی نظر ثانی ہونے لگی، اور صاحب مطبع نے اپنے اثر سے شنگھائی پریس کی کمیٹی جنرل کو بھی آمادہ کر دیا کہ اہل مطبع کو متنبہ کر دیا جائے کہ اسلام کے متعلق جب کوئی مضمون یا کتاب لکھی جائے تو چھپنے سے پہلے انجمن علوم اسلام (شنگھائی) کے پاس بھیجدی جائے، اور اسکی منظوری اور تصدیق کے بعد اس کے چھاپنے کی اجازت دیجائے، ہم بھی اپنے چینی بھائیوں کو ان کی اس حمیّتِ دینی پر مبارکباد دیتے ہیں،

مقالات

سفرِ گجرات کی چند یادگاریں

جولائی ۱۹۳۳ء میں بڑودہ کی مجلس سیرت کے سلسلہ میں مجھے گجرات کے سفر کا اتفاق ہوا، اس خطّہ کو ہندوستان کے تمام دوسرے صوبوں کے مقابلہ میں چند خصوصیتیں حاصل ہیں، اوّل یہ کہ عرب اور ہندوستان کے باہمی تعلّقات کا آغاز اسی سرزمین سے ہوا، دوسرے یہ کہ عرب سے جو علماء دریا کے راستہ سے ہندوستان میں وارد ہوتے تھے وہ پہلے یہیں اُترتے تھے، موقع ملتا تو آگے بڑھتے ورنہ یہیں سے لوٹ جاتے تھے ہندوستان سے جو علماء عرب جانا چاہتے تھے، وہ اسی راستہ سے سفر کرتے تھے، اس صوبہ کے سینکڑوں دیہات حرمین محترمین کے مصارف کے لئے وقف تھے، دوسرے ملکوں سے جو نادر اور تحفہ چیزیں یہاں آتی تھیں وہ پہلے یہیں پہنچتی تھیں، حج کے لئے ہر سال ہزاروں علماء، امراء، اور عام مسلمان اسی راہ سے منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوتے تھے،

اخیر زمانہ میں سلطان عالمگیر اور سیواجی کی سیاسی کشمکش کا میدانِ جنگ یہی خطّہ تھا، اور اسلئے سلطانی لشکر کا پڑاؤ اکثر یہاں رہتا تھا، اور اس تعلّق سے یہ صوبہ کبھی پورے ہندوستان کا دارالسلطنۃ بنجاتا تھا، اور ہر قسم کے اہل کمال ادھر کا رخ کرتے تھے،

دکن و گجرات کے علاقہ میں مسلمانوں کی آبادی بہت کم ہے، اور جو ہے وہ ہندوؤں کی کثرت

زور و قوت اور سیلاب تمدن میں غرق ہے، اور سب سے بڑھ کر یہ ہے کہ ہندوستان کے علمی و مذہبی و سیاسی مرکز یعنی ہندوستان خاص سے وہ بہت دور ہے، اس لئے یہاں کے دیہاتوں اور قصبوں میں مسلمانوں کی حالت قابل رحم تھی، سلطان عالمگیر کی دور بین نگاہوں سے ان وجوہ و اسباب کا نتیجہ چھپا نہ تھا، سلطان نے اس پورے علاقہ میں علماء، صوفیہ، اور مذہبی معلمین کی قطار در قطار آبادی کر دی، مؤذن، خطیب، امام اور ملّا، (جو جانور شرعی طور سے ذبح کرتے تھے) موروثی مقرر کر دیئے، اور ان سب کے لئے وظائف اور سرکاری اوقاف معین کئے، جو آج تک ان کے اخلاف کے قبضہ میں ہیں، وہاں کے دیہاتوں میں آج تک اونھیں ملاؤں کی اولاد اپنے اس فرض کو ادا کر رہی ہے، یہانتک کہ کوئی ہندو بھی اگر جانور ذبح کرانا چاہتا ہے، تو یہ خون انھیں کے ہاتھوں سے کراتا ہے، یہاں اب بھی ایسے سینکڑوں ہزاروں شریف خاندان آباد ہیں، جو انھیں مذہبی فرائض کے لئے یہاں آباد کئے گئے تھے، اور ان کو اس کے لئے سرکاری اوقاف دیئے گئے، جن پر وہ آج تک قابض ہیں اور انھیں کے بدولت آج انگریزی سرکار میں بھی ان کو عزت اور وقار حاصل ہے، اور مسلمانوں کی کچھ ممتاز صورتیں وہاں نظر آتی ہیں،

بھڑوچ بھڑوچ جس کے کنارے دریائے نربدا بہتا ہے، اور جو آگے چل کر بحر عرب میں مل جاتا ہے، عربوں کے جنگی و تجارتی آمد و رفت کا مرکز تھا، عرب اس کو بروص کہتے ہیں، ۱۴ھ میں حضرت عثمان ذو النورینؓ کے عہد میں جب اسلام کے ملکی فتوحات کا شباب تھا، ان کے جنگی جہاز اس کے ساحل پر آکر لگے تھے، سفر کے اثناء میں جب میں بھروچ پہنچا اور نربدا کے کنارے آکر کھڑا ہوا تو تخیل کی آنکھوں نے تیرہ سو چھتیس برس پہلے کی تصویریں نگاہوں کے سامنے کر دیں، اور گو میں شاعر نہیں، تاہم جذبات کے تلاطم نے موزوں ترانہ کی شکل اختیار کر لی،

نربدا اے نربدا! اے جادۂ بحر عرب — گرچہ تو ہندی ہے لیکن زادۂ بحر عرب

جانتا ہے تو مری تاریخ کا پوشیدہ راز — تیرے دروازہ پہ ٹھہرا تھا مرا پہلا جہاز

تو گذشتہ کاروانوں کا نشانِ راہ ہے
ہند میں اسلام کی تاریخ سے آگاہ ہے

رشتۂ ہند و عرب تجھ سے ہوا تھا استوار
تیرے ساحل کا ہر اک ذرہ ہے اسکی یادگار

ہند میں اسلام کے انجام کا آغاز تو
چار صدیوں تک رہا اسلام کا دمساز تو

آج کس کو یاد ہے وہ داستانِ باستاں
تیرے ساحل پر جب اترا تھا عرب کا کارواں

تو ہے دریائی پری یا شاہدِ عالم ہے تو
اس سمندر کے گلے کی شہ رگِ اعظم ہے تو

تیرا ہر قطرہ حیاتِ نو کا اک سرشار جام
اس تنِ آبی میں تیرا خون دوڑانا ہے کام

اے بھڑوچ! اے خاتمِ انگشتِ رودِ نربدا
عہدِ ماضی کی تری عزت رہے باقی سدا

توتیائے چشمِ ظاہر آج تیری خاک ہے
ذرہ ذرہ پر توِ خورشیدِ ذی لولاک ہے

یادگارِ عہدِ خیر القرن ہے تیری زمیں
مطلعِ انوارِ ذی النورین ہے تیری جبیں

چشمِ عبرت کی نگاہیں جب تری جانب اٹھیں
تیری موجیں کہنہ افسانوں کی سطریں بن گئیں

یہ ترانہ تال سُر اور زیر و بم سے خالی ہے، اس لئے اہلِ وجد و سماع اس پر کان نہ دھریں،

بھڑوچ کا ایک پرانا خاندان بھڑوچ میں عہد عالمگیری کی یادگار ایک خاندان ہے جو یہاں مسندِ قضا پر متمکن تھا، اس خاندان کے موجودہ چشم و چراغ جناب قاضی نور الدین شیرازی صاحب ہیں، لبِ دریا اُن کا فضیلت کدہ یادگارِ زمانہ ہے، ایک موروثی کتب خانہ ان کے اسبابِ زینت میں ہے، افسوس ہے کہ اس وقت قاضی صاحب موجود نہ تھے، اس لئے میں خود کتب خانہ کی سیر نہ کر سکا، مگر میرے ایک عزیز نے ان کا کتب خانہ دیکھا ہے، اس کے حسب ذیل چند نوادر کا حال مجھ سے بیان کیا،

اس خاندان کے چند نوادر کتب (۱) شرح مثنوی مولانا روم (؟) جلد پنجم، آخر میں ہے،

"ذوالقعدہ ۱۰۹۰ھ میں بسنت رائے نے قصبہ مچھرہٹہ سرکار خیرآباد میں تحریر کیا"

(۲) حدائق السحر فی دقائق الشعر[1]، مولفہ محمد بن محمد بن عبد الجلیل العمری المعروف برشید وطواط

[1] یہ کتاب ایران میں چھپی ہے اور ملتی ہے،

آخر میں ہے :-

تم الکتاب بعون الملک الوھّاب وحسن توفیقہ علی ید العبد الضعیف
محمد الحافظ الھروی، تحریرًا فی یوم الاثنین، ثانی عشر من ربیع الاوّل
سنۃ ۸۶۲ اثنین وستین وثمانمائۃ الھجریۃ النبویۃ بدار السلطنۃ شیراز بزبان تبین

(۳) المحیط للسرخسی، جلد ثانی، جمع الامام الھمام مولانا رضی الدین محمد بن محمد بن محمد سرخسی الحنفی، آخر میں ہے:
کان الفراغ من کتابتہ فی یوم الرابع ذوالقعدۃ سنہ ۹۰۹ھ، کاتب علی بن علی
بن رمضان العبادی الشافعی الازھری،

(۴) گلستاں، متوسط تقطیع اور معمولی خط نسخ،
مصنف کے اصل نسخہ سے یاقوت مستعصمی نے اور اس نسخہ سے بحکم جہانگیر سید جلال الدین بخاری نے
اور اس سے سید محمد بن سید زین العابدین، بن سید احمد حسن رضوی نے ۱۲۱۹ھ میں نقل کیا،

(۵) مخازن المعروف جلد ثانی شرح مشکوٰۃ فارسی، از کتاب الزکوٰۃ، تا کتاب البیوع، دوسری
تیسری اور چوتھی جلد ہے،
صفحہ اول مطلا ہے، تقطیع کلاں، اس پر خواص خاں غلام فرخ سیر بادشاہ غازی کی مہر سنہ ۱۱۲۵ھ ہے،
ابو معروف حبین سنہ ۱۱۱۲ھ بھی تحریر ہے،
مدرسہ دار الارشاد احمد آباد میں بھی رہ چکی ہے،

(۶) کتاب الخلاصہ (خلاصۃ الفتاویٰ) مؤلفہ طاہر بن احمد بن عبدالرشید البخاری، ناقص از وسط
تقطیع کلاں، مختلف مسخ شدہ مہریں ہیں، آخر میں ہے،
تم کتاب الخلاصۃ من املاء الشیخ محمد بن محمد بن نصر المدعو بحافظ
البخاری علی ید افقر عبیدہ محمد المدعو اصفی الدین بن محمد الخلیلی

ولد ابن حسین بن علی بن محمد بن احمد، فی دولۃ الملک محمد بن مراد ابن سلیم بن سلیمان، بن سلیم بن بایزید، من شھور سنۃ ثلاث بعد الالف سنہ ۱۰۰۳ھ نقل من نسخۃ تاریخہا یوم الجمعۃ العشرین من شھر ربیع الاول سنۃ ثلاث وتسعین وستہ مائۃ، ۶۹۳ھ

(۷) مجمع البحرین ترجمہ "اپنکھت پرم ہنس" از اتھرین وید، فارسی، شاہ سرمد نے ۱۱۳۶ھ میں سنسکرت سے ترجمہ کیا، کاتب نند رام ولد اننت رام خط فارسی نستعلیق، ۱۲×۸ تقطیع صفحات ۸۲،

ہندوستان کی سب سے پرانی مسجد میں قاضی صاحب کے عزیز خاص جن کو حکومت برطانیہ سے سردار صاحب کا خطاب حاصل ہے، وہ موجود تھے، ان کا دولتکدہ بھی گذشتہ جاہ وجلال کا کہنہ مرقع تھا، موصوف نے اپنے خاندان کے پرانے ہتھیاروں کی سیر کرائی، ان کی عمارت کے سلسلہ میں ایک چھوٹی سی معمولی مسجد ہے جس پر ۳۰۲ھ کا یہ کتبہ لگا ہے؛ "ھذہ العمارۃ القدیمۃ فی شھور سنۃ ۳۰۲ھ" اس کتبہ کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ یہ بعد کو لگایا گیا ہے، بہرحال اس کی کوئی تاریخی سند اگر موجود ہو تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس صوبہ کے اسلامی فتوحات سے پہلے کی یادگار ہے، یا یوں کہئے کہ محمود غزنوی کے حملۂ گجرات سے چند سال بعد کی ہے جو بہرحال کوئی مستقل فتح نہ تھی،

اس کے بعد اس شہر میں اسلام کی ایک اور قدیم یادگار وہاں کی سنگی جامع مسجد ہے، اس جامع مسجد کی اصل تعمیر کا کتبہ ۵۸۵ھ ہے، بعد کو محمد تغلق کے عہد میں ۷۲۱ھ میں دروازہ کے اوپر ایک گنبد کا اضافہ کیا گیا ہے، یہ گنبد سنگ خارا سے بنایا گیا ہے، اور اس پر حسب ذیل کتبہ لگا ہے۔

"در عہد دولت سلطان عالم غیاث الدین والدنیا محمد تغلق ہفتصد وبست ویک"

غالباً ان مسجدوں سے زیادہ پرانی کوئی دوسری مسجد ہندوستان میں نہ ہوگی،

انکلشور کا ایک خاندان بھڑوچ سے قریب ہی ایک پرانا قصبہ انکلشور نام ہے، جو سورت کے سفر میں بھی

بیچ کی ایک منزل تھا، یہاں بھی عہد شاہی کی یادگار ایک خاندان آباد ہے، خاندان کے بانی شاہ عبد العلیم صاحب ہیں، جو اکبر کے معاصر تھے، ۱۰۰۵ھ میں انھوں نے وفات پائی ہے، ان کی خانقاہ و مسجد یہیں واقع ہے، خاندان کے موجودہ جانشین کا نام سید حیدر علی غلام علی انعامدار ہے، موصوف کے پاس خاندان کی پرانی آبرو کی سند پرانی کتابوں کی ایک الماری ہے، اس میں چند عربی کی اور باقی فارسی تصوف کی کتابیں ہیں، گجراتی اردو مین بھی بعض کتابیں نظر آئیں،

اس خاندان کے چند نوادر کتب، عربی کتابوں میں سب سے نادر چیز یہاں قدیم طب کی ایک کتاب تقویم الادویہ ہے، اس کا سال کتابت ۵۸۸ھ ہے، نسخہ بخط عرب شیرۂ خرما سے لکھا ہوا ہے، اور اب تک اچھی حالت میں ہے،

حقہ کی تاریخ یہاں ایک مجموعہ مین ایک صفحہ پر چند واقعات کی تاریخیں لکھی ہوئی نظر پڑیں، جن میں سب سے اہم ہندوستان میں حقّہ کے رواج کی تاریخ ہے، یہ تاریخ "ناخوشیِ نبی" کے الفاظ سے نکالی گئی، جس سے ۱۰۲۹ھ نکلتے ہیں، چونکہ یہ چیز گجرات ہی کے راستہ سے ہندوستان میں وارد ہوئی ہے، اس لئے عجب نہیں کہ تاریخی بیان صحیح ہو، ۱۰۲۹ھ جہانگیر کا عہد ہے،

بناے سورت کی تاریخ گجرات کا دوسرا مشہور دریا جو بحرِ عرب سے جا کر ملتا ہے، دریاے تاپتی ہے، اس کے ایک کنارہ پر شہر سورت آباد ہے اور دوسرے کنارہ پر راندھیر، پہلے بحرِ عرب میں جانے والے جہازوں کا بندرگاہ رانذھیر تھا، مغلوں کے شروع عہد میں اس کے بجائے سورت کی آبادی بڑھی اور وہ ہندوستان کا سب سے بڑا بندرگاہ بنا، اس قلمی یادداشت میں اس بندرگاہ کی آبادی کی تاریخ ۹۳۷ھ نظر آئی تاریخ کا مصرع یہ تھا، ع

بادآباد بندرِ سورت،

رانذھیر جس کو پہلے رانیر کہتے تھے، اسلام کے قدیم فتوحات میں ہے، اس یادداشت میں اس فتح کی تاریخ ایک قدیم مسجد کے کتبہ سے حسب ذیل بتائی گئی تھی،

بنا کرد مسجد بجائے کنشت بر ایوانش اِنّا فتحنا نوشت
سنہ ۹۹۱ھ

راندھیر کی پرانی مسجد | چند دوستوں کی دعوت پر راندھیر جانے کا بھی اتفاق ہوا، یہ دولتمند دیندار مسلمان تاجروں کا مسکن ہے، اور دعویٰ کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اس قصبہ میں جس قدر خوبصورت، اور عمدہ اہتمام کے ساتھ مسجدیں دیکھنے میں آئیں پورے ہندوستان میں کہیں نہیں آئیں، ان مسجدوں میں سے ایک قدیم مسجد چونا دوارہ ہے، یادداشتِ مذکور میں اس مسجد کی بنا کی تاریخ یہ لکھی تھی،

گر کسے پرسد زتو نافع ازیں معبد شریف
گو مسمّٰی مسجدِ اعلیٰ و درباب شریف
سنہ ۹۵۵ھ

گجراتی ہندوی کی بعض کتابیں بھی اس خاندان کے ذخیرہ میں دکھائی دیں، جن میں سے درج ذیل کتابیں ذکر کے قابل ہیں،

لغتِ عربی وہندی | عربی اور ہندی یا ہندوستانی کا ایک لغت ملا جس کے شروع کے چند شعر یہ ہیں،

اللہ خدا ہے کرتار	الخالق آفرید سرجنہار
الدنیا گیتی سنسار	الاحمق نادان گنوار
الجنت بہشت سرگ	السقر دوزخ مرگ
الیوم روز دیس	الشعر موئی کیس
اللیل شب رات	القول گفت بات
السبیل راہ باٹ	السبع ہفت سات
الاسم نام ناؤں	الموضع دیہ گاؤں
الظل سایہ چھاؤں	المقام جائیگہ ٹھاؤں
الراس سر سیس	العشرین بست بیس

العین	چشم	آنکھ	اللحیہ	ریش	پانکھ
الاذن	گوش	کان	الورق	برگ	پان
الطعام	خوردن	کھان	السھم	تیر	بان
الفرح	خوشی	بلاس	القنوط	نا امید	نراس
الفخذ	ران	تھی جانگ	الجسم	تن	ہے آنگ
المورد	آبخورا	درارہا	السمر	افسانہ	پواڑا
الکدر	تیرہ	گدلا	النقیم	نابینا	اندلا

آخری حصہ:-

مصنف اور تصنیف کا زمانہ مذکور نہ تھا،

اسی قسم کا ایک عربی لغت برادر عزیز سید نجیب اشرف صاحب ندوی کی ملکیت میں ہے، مگر وہ اس کے علاوہ ہے، اس کے ابتدائی شعر یہ ہیں،

الالٰہ	پرستیدہ	پوجیا	المعلوم	دانستہ	بوجھیا
المحمد	ستودہ	بکھانیا	المعروف	شناختہ	پچھانیا
الرسول	فرستادہ	بھیجیا	الواضح	روشن	سنجیا
الآل	دودمان	کنبہ	العنقود	خوشہ	لونیا

معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ گجرات میں عرب اور ایرانی کثرت سے آیا کرتے تھے، اس لئے ان کو ہندی سے آشنا کرنے کے لئے اس قسم کے لغت یہاں لکھے گئے ہیں،

رسالہ فقیری چار پیر چودہ خانوادہ

اس رسالہ کا آغاز ان لفظوں سے ہے،

"بدانکہ بوجھ توں یہ رسالہ فقیری حضرت امام جعفر صادق نے فرمایا ہے، باید پوچھے وسیکھے وگرنہ تو فقیری نہ کرے،

سوال۔ اگر تیرے پوچھے کہ اوّل فقیری کیا ہے وآخر فقیری کیا ہے، اور خانہ یعنی گھر فقیری کیا ہے، اور کیلی فقیری کیا ہے، اور لقمہ فقیری کیا ہے،

اسی قسم کے سوال و جواب پر رسالہ کے اکیس صفحے ختم ہوئے ہیں، تصنیف و مصنف کے ذکر سے پوری خاموشی ہے،

رسالہ فقہ ہندی | یہ فقہی مسئلوں کے بیان میں ایک نظم ہے، آغاز کے اشعار یہ ہیں،

حمد وثنا سب رب کوں خالق کل جہاں — لائق حمد ثنا ای کے اور نکو نہ جان

علم شریعت نال دی بھیجا پاک رسول — جو کچھ بھیجا رب نے سب ہم کیا قبول

یا رب اپنے کرم سوں بید بھیج درود — نبی محمد مصطفٰے تسوں ہوں خوشنود

پیچھو اُن کی آل پر اور اصحاب تمام — تس پیچھو احباب پر بہت درود سلام

کیتنے مسئلے دین کے عہد رکھے امین — فقہ ہندی زبان سے بوجھ کرو یقین

مطلب مسئلے پوچھنا، جو کچھ ہوئے زبان — عربی ترکی فارسی ہندی یا افغان

اس کے بعد فقہی ابواب ہیں اور ان کے تحت میں ہر قسم کے مسائل ہیں، خاتمہ میں تصنیف کا سال ۱۰۷۵ھ بعہد اورنگزیب عالمگیر صاف بتایا گیا ہے، خاتمہ میں ہے،

فقہ ہندی کوں مومناں کرو زباں یاد — مسائل آویں دین کے کبھو نہ ہوے فساد

سنہ ہزار پچھتر پیچھے ماہ رمضان تمام — اورنگ شاہ کے دور میں نسخہ ہوا تمام

اس فقہی نظم میں خاص چیز نظم کا وزن ہے، جو عربی و فارسی کے بجائے ہندی وزن کی پیروی میں ہے، اس نظم سے یہ بھی معلوم ہوگا کہ پرانے لوگوں کے زمانہ میں ہندی کس کو کہتے تھے،

داستان حضرت ماہ رمضان | اس نظم میں ماہ رمضان کی فضیلتوں کا ذکر ہے، مصنف کا نام بدیع الدین ہے، شروع کے شعر حسب ذیل ہیں:-

سر نامہ از نام سبحان لکھوں — کہ دل کی ورق پہ سجل کر رکھوں
زباں کو ہے جوہر اسی کی ثنا — اسی کی سو قدرت ہے جگ میں عیاں
کریم و رحیم و وہ غفّار ہے — کرم عاصیاں پہ کرنہار ہے
ز ہر چیز اس کی صنعت کا بیاں — کہ پیدا کیا جن نے ارض و سما

آخر میں لکھا ہے،

کرو اس کی سب نعمتوں پہ شکر — مصیبت کے اوپر حکم ہے صبر
کہ تا عاقبت تیری ہووے بھلی — کہ شادی و غم جگ میں جائے چلی
بدیع الدین تعریف عمل کی کرو — کہ چھوٹک کی جس میں توقع دھرو

اس نظم کی خصوصیت خاص فارسی آمیز ترکیبیں، اور قافیوں میں صرف صوتی ہمرنگی ہے عربی الفاظ حکم اور صبر وغیرہ کو اس طرح باندھا ہے، جس طرح ہندی میں بولے جاتے ہیں،

داستانِ قیامت اس نظم کا شروع ان اشعار سے ہے،

سخن ہے مرا جوں گلِ بوستاں — نصیحت کی باتاں سنو دوستاں
لباسی مسلمان کہاتے ہیں دوست — کہ کھاتے ہیں سب گاے بکری کا گوشت
لباسِ شریعت کریں تن منیں — شریعت کی باتاں نہ کچھ من منیں
بڑی ریش تسبیح خوش پیرہن — بھری دل میں کئیں بھات کے مکر و فن

آخری شعر میں اس نظم کا سال ۱۰۷۰ھ (؟) بتایا گیا ہے،

سنہ ایک ہزار و ستو ترنے سو — لکھی یہ حکایت کتابوں کی رو
بتاریخ غرّہ دریں ماہ پیر — باتمام آں شد، مدد دستگیر

فقہ مبین یہ نظم فقہ کے مسائل میں ہے، آغاز اس طرح ہوتا ہے،

بنام پاک رب العلمین سوں   شروع کرتا ہوں میں فقہ مبیں سوں

بحق مفخر و مقبول مرسل   سبھی عقدہ فقہ کے مجھ پہ کر حل

مسائل فقہ کے ہیں اصلِ ایماں   جو نیں بوجھے سو وہ کیوں ہو مسلماں

اس کے بعد اپنے تمام ۴۰ ماخذوں کا نظم میں ذکر کیا ہے، پہلے ایمان کے مسائل، پھر طہارت، وضو، غسل وغیرہ اس کے آخر میں بدعت کا رد اور جوئے کی برائی ہے، آخر میں ہے،

یقیں فقہ المبیں کوں کرتے مختوم   بحقِ دیں پناہ و آل معصوم

صد و ہشتاد و دو و الف ہجرۃ   بتاریخ ہمایوں گشت تمت

اگھیارا سو میں اسی اوپر دو   سنہ ہجری نبیوں کے بتا یو

رسالہ کے آخر میں خاتمہ کی عبارت ہے،

"نسخہ قوت دین فقہ المبین تصنیف حضرت شاہ یقین رحمۃ اللہ علیہ"

اس سے مصنف کا نام شاہ یقین، کتاب کا نام قوت دین فقہ المبین، اور تصنیف کا سال ۱۱۸۲ھ معلوم ہوتا ہے،

مثنوی کتخدائی | کسی رسم شادی کی تعریف و توصیف میں ہے، رسالہ اس طرح شروع ہوتا ہے،

ثنا و حمد ہو درگاہِ یزداں   وو خالق سب کا ہے کیا جن و انساں

ثنا و حمد کے لائق سدا ہو   سزاوار او خدائی کا خدا ہے

. . . .

محمدؐ اشرفِ اولادِ آدمؑ   حبیب و سرور و سردارِ عالم

شہِ آدمؑ محمدؐ سرورِ دیں   کہ ختم الانبیاء ہیں رہبرِ دیں

ہوا جس شان میں لولاک وارد   دیکھو محبوب کا رتبہ ہے شاہد

اس کے بعد خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی مدح اور امامین علیہما السلام کی تعریف میں چند شعر

ہیں، اس کے بعد نکاح کا قصہ شروع ہوتا ہے،

شروع کرتا ہوں اب شادی کی تعریف نزاکت سیں لکھوں میں اس کی توصیف

مہیا سب کیا سامانِ اظہر لباس و زیور و لولو و گوہر

اس کے بعد ان سرخیوں کے ماتحت چند باب ہیں: در وصف الطعام، در وصف المحل، در وصف بردن برات، در وصف شہر گشت، در وصف نکاح خوانی، در بیان خلوت، خاتمہ اس پر ہوتا ہے،

سخن کو مختصر کاں تک لکھے گا، یہ ہے طومار آخر کوں تھکے گا

بعشرت عیش با داسانہ واری مری یو مثنوی ہے یادگاری

شب بست و دوم از ماہ رجب کہ شادی ہور شہر گشت ہے شب

سنہ ہجری دراں وقت بود موجود ہزار و یکصد و تسعین و یک بود

آخر شعر سے تصنیف کا سال ۱۱۹۱ھ معلوم ہوتا ہے، وزن سے حرفوں کا گرنا، اس وقت معیوب نہ ہوگا

وفات نامہ حضرت نبیؐ آغاز:-

بنا اوّل کروں حمدِ خدا میں زباں اوپر ایس کی ابتدا میں

کیا قدرت سوں ظاہر اپنی قدرت بنا کر جگ دکھایا اپنی حکمت

بیچ کا ایک شعر ہے جس میں زبان کا نام دکھنی بتایا گیا ہے،

مجھے توفیق دے یا رب کہ بولوں بنا ہجر نبی دکھنی میں کھولوں

تصنیف کا سال معلوم نہیں، کتابت کا سال ۱۲۵۱ھ ہجری ہے،

قصہ بانو اس مثنوی میں ایک قصہ بیان ہوا ہے، جس کے متعلق شاعر کا دعویٰ ہے کہ یہ قصہ پہلے فارسی میں تھا، اور اب دکھنی میں اس کو نظم کیا جاتا ہے،

عزیزاں روایت سنو کان دھر اوّل فارسی تھی یہ دکھنی دگر

اتھا گوڈرہ ایک شہر کا جو نام ہمیشہ فتح کا اتھا واں مقام
بٹھے ایک دن اس جمعہ مسجد منے اتھے خرد و بزرگ او سارے جنے
وُتے میں مسافر نیا آن کر سلام علیک کہہ کے بیٹھا گر
پوچھے سب نے اسکو توں کاں تے آیا شہر ہے دور ہے نام محمد حیا
لگا بولنے کوں او یوں سُنکے بات زلیخا کا قصہ اونوں کے سنگات
مگر ساری مجلس نے سُنکر کلام لگے بولنے آفریں سب تمام

فتح شاعر کا تخلص ہے، آخر میں ہے،

فتح مختصر کر تو اپنی زباں کہاں تک تو لکھے گا اس کا بیاں

زمانہ معلوم نہیں، تاہم اس کے بعض الفاظ، خاص لحاظ کے قابل ہیں، "تھا" اور "تھے" کی جگہ "اتھا" اور "اتھے" اور "ر" کی جگہ "ڑ" "او" "میں" کی جگہ "منے"، "کہاں" کی جگہ "کاں"، "وہ" کی جگہ "او"۔

قصۂ سوداگر عجم یہ نظم حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کرامت کے بیان میں ہے آغاز اس طرح ہے:۔

ثنا اور حمد مولا کی صبح و شام کرتا ہوں درود اں مصطفیٰ اوپر دل و جاںسیں ہمیشہ پڑھتا ہوں
درود اں حمد کے پیچھوں حکایت اک کہوں نادر عزیزاں تم سنوں سکوں کھوؤ دل کوں تیں حاضر

آخر میں تاریخ ہے،

اگیارہ سو او پر چھپن برس گذرے تھے ہجرت کے ۱۱۵۶ھ تبھی تصنیف میں لائے خوارق پیر حضرت کے
توجہ رحمۃ اللہ پر کرو تم اے شہ پیراں صفائی باطنی ہووے اسے لے حضرت میراں

خالق باری ہمارے فارسی و ہندی ادبیات میں خالق باری کی تاریخ ایک معما ہے، اس کی تصنیف کی نسبت امیر خسرو کی طرف مشہور ہے، لیکن محققین کو ہمیشہ سے اس میں شک ہے، تعجب کی بات ہے

کہ اس کا کوئی قدیم نسخہ اب تک نہیں ملا ہے، اس کتب خانہ میں اس کا ایک نسخہ نظر آیا، لیکن وہ بھی قدیم نہیں رسالہ تاریخ سے گو معرّا ہے، مگر اس کے نستعلیق خط سے معلوم ہوتا ہے کہ سواسو برس سے زیادہ عمر کا نہیں

خالق باری کے پہلے شعر کے دوسرے مصرع میں ایک لفظ ملتا ہے جو "بدا" یا "بڑا" پڑھا جاتا ہے،

ع واحد ایک، بڑا کرتار، مسلم یونیورسٹی کے سلسلۂ تصنیفات خسرو میں جو نسخہ چھپا ہے، اس میں یہ لفظ "بدا" چھاپا گیا ہے، اور اس کے نیچے "ع" لکھا گیا ہے، لیکن عربی میں "بدا" کرتار کے معنی میں میرے پندار میں نہیں آیا ہے، معلوم نہیں فاضل محشی کے پاس جو عربی اور سنسکرت دونوں کے فاضل ہیں، اس کی سند کیا ہے، موجودہ نسخہ میں یہ لفظ بڑا لکھا گیا، لیکن یہ بھی مہمل ہے، بعض مطبوعہ نسخوں میں "خدا" چھپا ہے، اور شاید یہی صحیح ہو،

زیر بیان نسخہ میں اوّل تو کچھ اشعار زیادہ معلوم ہوئے، دوسرے یہ کہ افعال اور ضمائر میں قدامت زبان کی جھلک دکھائی دی، یہ تین شعر نئے معلوم ہوئے جو مطبوعہ نسخہ میں مجھے نہیں ملے،

چوں بہ پرسی خسر پورہ کیست، جو کا بھائی ہے   در خسر پرسی جو کا باپ جن دی جائی ہے
ریخت اندر گوش خود سیماب وی بورا بھیا   پنبہ پیچک روئی گالا (کذا)، جسم تن آمد - کیا
داں نہالی بستر و بالیں تکیہ اے جواں   غلط بالا - لیٹ اوپر - اُس بچھاو، گستراں

حسب ذیل شعر ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے قلمی نسخہ سے مطبوعہ کے تتمہ ۱۸۴ میں اس طرح چھپا ہے

عطسہ چھینک شاخ سینگ کفش گرہ کفش دوز   گازرو خیاط ہے دھوبی و درزی جامہ دوز

پہلے مصرع کا وزن صحیح نہیں معلوم ہوتا، فاعلاتن کا دوسرا اور تیسرا رکن کم ہے، پیش نظر نسخہ میں یہ غلطی نہیں پھر دوسرے مصرع میں قافیہ دوز مکرر ہے، جو درست بھی نہیں، اور جامہ دوز، تو خیاط اور درزی کے تقابل کے بعد بے معنی سا ہے، پیش نظر نسخہ میں یہ شعر یوں ہے،

عطسہ چھینک و شاخ سینگ و کفش گرہ کفش دوز   گازرو خیاط ہے دھوبی و درزی، دیس روز

اسی کے بعد تتمۂ نسخہ مطبوعہ ۱۸۰۵ء میں ہے،

وانکہ بے بخت ست ابھاگ بخت بھاگ فارسی آمد سرود و ہندوی گو بیند راگ

اس کا پہلا مصرع شروع میں غلط ہے، دوسرا رکن ٹوٹتا ہے، اور تیسرا رکن غائب ہے، چار بار فاعلاتن کے بجائے تین ہی بار رہے، پیش نظر نسخہ میں یہ غلطیاں نہیں،

واں کہ بدبخت است ابھاگا، بخت در فرست ابھاگ فارسی آمد سرود و ہندوی گو بیند راگ

مطبوعہ نسخہ میں ہے ع طُعم سواد، وطعام خورش، جو کئے کھانا، پیش نظر نسخہ میں طُعم کی جگہ "مزہ" ہے جو زیادہ بامزہ ہے،

مطبوعہ میں ہے،

دُرّ و مروارید موتی جانئے ہم صدف سیپی، سمندر آنئے

پیش نظر قلمی میں دوسرا مصرع یوں ہے ع ہم شبد، رانی گلے پیچھا نئے، اس قسم کے اختلافات اور بھی ملیں گے، لیکن اہم چیز ضمیر کا معاملہ ہے، مطبوعہ نسخوں میں لوگوں نے زمانۂ مابعد کی ضمیریں کردی ہیں، مثلاً قدیم "توں" کی جگہ جدید "تو" بہت پرانی زبان میں متکلم "ہوں" تھا جو اب بھی ہونا سے واحد متکلم کا صیغہ ہے، حضرت خواجہ فرید شکر گنج ۵۸۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۶۶۴ھ میں وفات پائی، اور امیر خسرو نے جنکی طرف یہ خالق باری منسوب ہے ۷۲۵ھ میں وفات پائی ہے، غرض دونوں کا زمانہ کچھ ہی آگے پیچھے ہے، حضرت خواجہ شکر گنج کا جو فقرہ میں نے اپنے مضمون "ہندوستان میں ہندوستانی" کے عنوان سے شائع کیا ہے اس میں واحد متکلم اور واحد مخاطب کی ضمیریں "ہوں" اور "توں" استعمال ہوئی ہیں، بعینہٖ یہی دونوں ضمیریں پیش نظر نسخہ میں ہیں مثلاً

خواہم گفت کہونگا ہوں خواہم کرد کرونگا ہوں خواہی آمد آویگا توں خواہی نشست بیٹھیگا توں

خواہم دید دیکھونگا ہوں خواہی دید دیکھیگا توں خواہم داد دہونگا ہوں خواہی داد دیویگا توں

خواہم دوید دوڑیگا ہوں خواہی دوید دوڑیگا توں

مطبوعہ نسخہ میں "ہوں" کی جگہ "میں" اور "توں" کی جگہ "تیں" ہے،

سفر گجرات کی کچھ اور باتیں بھی بیان کرنی تھیں، مگر دیکھتا ہوں کہ یہ قلمی سفر بھی خاصہ طویل ہو گیا ہے، ہمسفر ناظرین کے ملال کا اندیشہ ہے، اس لئے قلم کی باگ یہیں روک لی جاتی ہے،

دیوانِ شمس تبریز اور مولنا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدر آباد دکن

(۹)

بجز درعشق مطلق جاں نیاریم فسونہاے خرد را ما نہ خوانیم

عقل و عشق کا مقابلہ | حقیقت شناسی اور یافتِ حق کے دو راستے ہیں ایک عقلی راہ ہے، اور ایک ایمانی راہ ہے مصرع

مومن از عشقست و عشق از مومن است

پہلی راہ فلسفہ ہے اور دوسری مذہب،

مذہب کی بنیاد چونکہ غیبی حقائق پر ہے، اس لئے فلسفہ یا عقل کی راہ اس منزل تک نہیں پہنچ سکتی، اس لئے کہ عقل حواس کے تابع ہے اور حواس عالمِ شہود کے سوا غیر شہود عالم کا علم حاصل نہیں کر سکتے، اور بظاہر ہمارے علم کے ذرائع حواس ہی ہیں یافت اور معرفت کی ان دو راہوں میں ایک کا سرمایہ قیل و قال اور شک ہے، اور دوسری راہ کا سرمایہ "علم الیقین" "عین الیقین" اور "حق الیقین" رموزِ بیخودی میں بڑی خوبی سے ان کے فرقِ نوعیت کو ظاہر کیا گیا ہے،

عقل را سرمایہ از بیم و شک است عشق را عزم و یقیں لاینفک است

عقل محکم از اساسِ چون و چند عشق عریاں از لباسِ چون و چند

عقل در پیچاکِ اسباب و علل عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل

عقل می گوید کہ خود را پیش کن عشق گوید امتحانِ خویش کن

مولنا کے کلام میں بھی خاص طور پر ان دو راہوں کا مقابلہ اور موازنہ پایا جاتا ہے، اور مولنا نے اس پر بڑا زور دیا ہے، اسلام میں اعتزال وغیرہ کے عقلیہ فرقے پیدا ہوئے، مولانا نے ان کو فتنۂ عظیم سے تعبیر کیا ہے،

سوے مدرس خرد آیند در سوال — کیں فتنۂ عظیم در اسلام شد چرا

اس مقابلہ اور موازنہ کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں،

عاقلاں را اندراں غفلت بماں — عاشقاں را چشم معنی بر کشا

از سینہ پاک کردم افکارِ فلسفی را — در دیدہ جاے کردم اشکالِ یوسفی را

مثنوی میں ارشاد ہوتا ہے،

عقل جزوی عشق را منکر بود — گرچہ بنماید کہ صاحب سر بود

آفتابِ عقل را در سوز دار — چشم را چوں ابر اشک افروز دار

داند آں کو نیک بخت و محرم است — زیرکی ز ابلیس و عشق از آدم است

درمیانِ پردۂ خون عشق را گلزارہا — عاشقاں را با جمالِ عشق بیچوں کارہا

عقل گوید شش جہت حد است و بیروں راہ نیست — عشق گوید ہست راہ و رفتہ ام من بارہا

عاشقانِ خستہ دل را در درونہ ذوقہا — عاقلانِ تیرہ جاں را در درون انکارہا

عقل گوید پا منہ کاندر فنا جز خار نیست — عشق گوید ہست در تو مایۂ آں خارہا

عشقِ تو چوں درآمد اندیشہ مرد پیشش — عشقِ تو صبحِ صادق اندیشہ صبحِ کاذب

شمعِ گیتی بود عقلِ چارہ گر — شمع را پروانہ کردی عاقبت

آتش دریں عالم زنیم این چرخ را برہم زنیم — ایں عقل پا برجائے را از عشق سرگرداں کنیم

بجز در عشقِ مطلق جاں نیاریم — فسونہاے خرد را ما نہ خوانیم

دل بدست آور کہ حج اکبر است

وز ہزاراں کعبہ یک دل بہتر است (مثنوی رومی)

دل کی عظمت و اہمیت | عشق، یقین اور ایمان کا تعلق قلب سے ہے، قرآن مجید میں ابراہیم حنیف کے

کمالِ باطن کی تعریف پر ان کے "قلبِ سلیم" کو نشانِ عظمت ظاہر کیا گیا ہے، حدیث میں ہے، کہ دل ہی انسانی صلاح اور بگاڑ کی کنجی ہے، انسان کی عظمت اس کی قلبی وسعت وکیفیت کی نوعیت پر مبنی ہے، یہ ایک واقعہ ہے کہ انسانی علم وعمل کی طاقت قلبی توجہ پر منحصر ہے، جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کہ مولانا اس کی اہمیت اور اس کے اعلیٰ مقاصد اور نتائج پر اپنے کلام وپیام میں بیحد زور دیتے ہیں، اس لئے تزکیۂ دل اور تصفیۂ قلب پر بھی بے حد اصرار کرتے ہیں اور اسکی اہمیت کو طرح طرح سے ظاہر کرتے ہیں، تاکہ کثرت ذکر اور تکرار تہدید سے سامع اس عظیم الشان حقیقت کی طرف متوجہ ہو جائے، مثنوی میں فرماتے ہیں،

کان جانِ دل جانِ باقیست ‏ ‏ دو لتش از آب حیواں ساقیست

گفت پیغمبر کہ حق فرمودہ است ‏ ‏ من نہ گنجم ہیچ در بالا و پست

در دلِ مومن بگنجم اے عجب ‏ ‏ گر مرا جوئی دراں دلہا طلب

مولانا کی یہ معنوی خصوصیت دیوان میں بھی قائم ہے، دل کو منظرگاہِ حق قرار دیا ہے اور فرماتے ہیں،

در آور دل کہ منظرگاہِ حق است ‏ ‏ اگرہم نیست منظر می تواں کرد

دلِ آہن زشوقش نرم گردد ‏ ‏ دل ار سنگ است جوہر می تواں کرد

دل کا تیر راست ہونا چاہئے،

گرقاب قوس جوئی دل راست کن چو تیرے ‏ ‏ در قوسِ او در آید ہر کو چو تیر باشد

دلِ عاشق کی پرواز دکھائی ہے،

سیمرغ دلِ عاشق در دام کجا گنجد ‏ ‏ پرواز چنیں مرغے از کون بروں باشد

آئینۂ قلب میں صفا، ہو تو آفتابِ حقیقت اس میں منعکس ہوگا،

چوں کاہ جفت گل بود آئینہ کے مقبل بود ‏ ‏ چوں کہ جدا گردد زگل آئینہ گردد با صفا

دل را تو صیقلے کن تا نقشِ او پذیرد | زاں نقشِ بے جہت ایں شش سو منقش آمد

مثنوی میں بھی یہی ہدایت ہے،

آئینہ کز زنگ و آلایش جدا ست | پر شعاعِ نورِ خورشیدِ خدا ست

ولایت اس طرح حاصل ہوتی ہے کہ اہلِ دل کی صحبت اختیار کیجائے،

گر اولیائے حق را از حق جدا شمردہ | گر ظنِ نیک داری بر اولیا چہ باشد

اہلِ دل کی صحبت سے مقصود تک رسائی ممکن ہے،

دلا نزدِ کسے بنشیں کہ او از دل خبر دارد | بزیر آں درختے رو کہ از گلہائے تر دارد

مثنوی میں بھی اہلِ دل کی صحبت کے فیض کا ذکر جگہ جگہ ہے،

یک زمانہ صحبتے با اولیاء | بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

دل سے متعلق ایسے اشعار سینکڑوں کی تعداد میں ہیں،

صد آہ شرر ریزے اک شعر دلآویزے (رومی)

جذباتِ عشق شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ جن احساسات اور قلبی حالات اور کیفیات کو بیان کرنا چاہے اس خوبی سے ان کو ادا کرے کہ پڑھنے والے کی آنکھوں کے سامنے اس حالت کی تصویر کھنچ جائے اور وہ شاعر کے اس احساس میں شریکِ حال ہو جائے، مولانا کے کلام کی اصل خصوصیت یہی ہے، لذتِ دید کی کیفیت بیان کی ہے،

دل پیشِ رخش چہ رقص می کرد | وز آتشِ عشق جان چہ می شد

"چہ رقص می کرد" اور "جاں چہ می شد" میں لذتِ دید اور بے تابیٔ شوق کا نقشہ کھینچ دیا ہے،

عشق میں غم سہتے سہتے عاشق کی یہ حالت ہوتی ہے کہ اسے اس میں لطف آنے لگتا ہے، اس حال میں اس کی نظر درد و غم پر پڑتی ہی نہیں، صرف لطفِ محبت ہی کا خیال رہتا ہے، ہر غم کو مسرت سمجھتا ہے، اور

آسانی سے برداشت کرلیتا ہے، اس حالت کو بیان کرتے ہیں،

منگر رنج و بلا را بنگر عشق و ولا را — غم او لطف لقب کن زغم و درد طرب کن

رندانِ قدح خوار کا کبھی یہ عالم ہوتا ہے کہ جب وہ خوب پی لیتے ہیں تو پھر انھیں پستی اور بلندی کی خبر نہیں رہتی، حالتِ سرور میں رقصاں ہوتے ہیں، مستی کی اس حالت کا نقشہ مولانا نے اس طرح کھینچا ہے؛

باز رسیدیم زمیخانہ مست — باز رھیدیم ز بالا و پست

جملہ مستاں خوش و رقصاں شدند — دست زنید اے صنم و دست دست

ایک اور شعر ہے،

ز شوقت من ز تن بے گانہ گردم — شرابِ عشق را پیمانہ گردم

دوسرا مصرع بے خودی اور خود فراموشی کی بہترین تعبیر اور تصویر ہے،

عاشق انتظار میں ہے، دیر بے حد ہوگئی، کچھ مایوسی سی دل پر چھاگئی، لیکن یکایک محبوب دلنواز سامنے آگیا، عاشق کی آنکھیں "بتِ بے وفا" کو دیکھتی ہیں، لیکن دل کو اس خوش نصیبی کا یقین نہیں آتا، پھر بار بار نظر کرنے سے یہ شک رفع ہوجاتا ہے، اور جوشِ مسرت سے عاشق اچھل پڑتا اور پکار اٹھتا ہے؛

یار آمد ز درِ خلوتیان دوست دوست — دیدہ غلط می کند نیست غلط اوست اوست

معشوق پری رخ کو دیکھکر اس کی لطافت و رنگینی کا جو نازک احساس دل میں پیدا ہوتا ہے اس حالت کو الفاظ کے مرقع میں پیش کیا ہے، جس سے آنکھوں کے آگے ایک سماں بندھ جاتا ہے،

روے تو چو نو بہار دیدم — گل را ز تو شرمسار دیدم

دعا مغزِ عبادت ہے، عبدیت کی یہ کیفیت مولانا پر طاری ہوگئی ہے، اور دعا کا یہ عالم ہوگیا ہے کہ جو دیکھتا ہے وہ بھی دعا گوئی ہی کی درخواست کرتا ہے، عجز عبدیت کی اس حالت کو کس خوبی سے بیان کیا ہے؛

ہمہ دعا شدہ ام من زبس دعا کردن — کہ ہر کہ دید مرا از من او دعا خواہد

عاشقِ خستہ جان مسلسل محبوبِ سنگدل کی بے توجہی کا شکار رہے، اسے خیال ہوتا ہے کہ محبوب ہمیشہ
ناز میں ہے وہ ہمارے نیاز کی حالت کو کیا محسوس کریگا، اسے ہماری جگر کاوی اور دلسوزی کا کیا احساس
ہوگا، وہ متمنی ہے کہ خدا کرے خود محبوب بھی کسی کو اپنا مطلوب بنائے اور کسی پر جان دے، تاکہ وہ عاشق
کے حالِ زار کو محسوس کر سکے،ع کبھی جلوہ گر ہو خدا کرے ترا ناز میرے نیاز میں" اس حالت کو اس
طرح بیان کرتے ہیں،

اے خداوند یکے یارِ جفا کارش دہ — دلبرِ عشوہ گر و سرکش و خونخوارش دہ

چند روزے زپئے تجربہ بیمارش کن — با طبیبانِ دغا پیشہ سروکارش دہ

تا بداند کہ شبِ ماہ چساں می گذرد — دردِ عشقش دہ و عشقش دہ بسیارش دہ

کبھی طلب اس قدر شدید ہوتی ہے کہ باوجود کافی سامان ہونے کے دل سیراب نہیں ہوتا اور
تشنگی رفع نہیں ہوتی، بےچینی ہنوز باقی رہتی ہے، اس کیفیت کی تصویر اس طرح کھینچی ہے،

شمس تبریزی ہمہ دریائے فضل و رحمت ست — لیک جانِ تشنہ زاں دریائے سیراب نیست

ما نورِ خدائیم دریں خانہ فتادہ

(رومی)

ما آبِ حیاتیم دریں جوے روانیم

شرفِ نفسِ انسانی | بنی آدم کی کرامت مسلم ہے، روحانی جماعت انسان کو "آئینۂ ذاتِ حق" سمجھتی ہے،ع

ذاتِ ما آئینۂ ذاتِ حق است

لیکن مادہ پرست گروہ بھی بہرحال اس کو سلسلۂ حوادث میں افضل ترین کڑی خیال کرتا ہے، اور کائنات
میں مادی ارتقاء کی آخری کڑی انسان ہی قرار دیا گیا ہے حقیقت کو بے نقاب کرنے والوں کے سردار
صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اعلان فرمایا ہے کہ انسان خدائی سانچہ پر ڈھلا ہے، ان اللّٰہ خلق آدم علی صورتہ
خود خالقِ عالم کا ارشاد ہے، لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویمہ و کرمنا بنی آدمہ

مولانا نے انسان کی عظمت و بزرگی پر اپنے کلام میں بے حد زور دیا ہے، یہ شے مولانا کے کلام کے ان خصوصیات میں ہے جو مولنا کو فارسی کے دیگر غزل گو صوفی شعرار سے ممتاز کرتی ہے، میرا یہ مطلب نہیں کہ اور لوگوں نے انسان کے شرف اور بزرگی کو بیان نہیں کیا، بلکہ یہ مولنا کے خاص مضامین شعر میں سے ہے، اور انھوں نے اس زور اور کثرت سے اس نقطۂ نظر پر بحث کی ہے کہ دوسروں کے کلام میں اسکی نظیر نہیں ملتی، ان کا دیوان انسانی شرف اور تعظیم کا ایک نغمۂ دل افزا ہے، کہین انسان پر اسکی قدر و قیمت کا اظہار کرتے ہیں، کہیں اس کی عظمت اور بلندی کی تصویر پیش کرتے ہیں، اسے غیرت دلاتے ہیں اور نصیحت کرتے ہیں کہ تو "دولت بے بہا ہے اپنا اصل محل اور موقف حاصل کر" ع

تو گوہری کہ کسے رابکف بہائے تونیست

یہ صفت مولنا کی معنوی خصوصیات میں سے ایک ہے، انسان کی حقیقت اور عظمت کا بیان ہے،

ما نور خدائیم دریں خانہ فتادیم	ما آب حیاتیم دریں جوئے روانیم
ما نور خدائیم دریں خانہ نہانیم	ما مرغ شکرفیم دریں دام نہانیم
ما نور سمائیم ازاں فضل سمائیم	ما شاہِ زمینیم و سلیمانِ زمانیم

"زبورِ عجم" میں اسی بحر میں ایک مؤثر نظم ہے، جس کا ایک بند یہ ہے،

ناموسِ ازل را تو امینی تو امینی	دارائے جہاں را تو یساری تو یمینی
اے بندۂ خاکی تو زمینی تو زمانی	صہبائے یقیں درکش و از دیرِ گماں خیز

از خوابِ گراں، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

مولانا فرماتے ہیں:۔

ما مہرِ سپہر لا مکانیم،	برتر ز زمین و آسمانیم
ما برزخِ جامعیم و فاصل	نے نے کہ بروں زاین و آنیم

ما محرمِ بارگاہِ اُنسیم در جامِ جہان چو جانیم

ایک اور غزل کے اشعار ہیں،

ما گوہرِ کن فکانیم ما مردمِ دیدۂ عیانیم
ما شاہد حضرتِ جلالیم ما چشم و چراغِ انس و جانیم
ما نقطۂ مرکزِ زمینیم ما نکتۂ سرِ آسمانیم

انسان مسجودِ ملائک ہے،

اوست مسجودِ ملائک زانکہ بے ہمتاست او بارگاہِ رفعتش بیرون چرخ چنبری

مولانا حکم فرماتے ہیں کہ انسان کو ذلت کی نگاہ سے مت دیکھو،

وجود قابل انسان چو مظہر حق است مکرمست بدیں واسطہ مبیں خوارش

اس مضمون پر مثنوی میں بھی بہت زور دیا گیا ہے،

وجہ آدم آئینہ اسماء کند عکسِ خود در صورتش پیدا کند
از رہِ صورت نماید غیرِ دوست چوں نظر کردی بمعنی جملہ اوست

مولنا کے خیال میں انسان ابد کے لئے بنایا گیا ہے،

طمع مدار کہ عمر ترا کراں باشد صفاتِ حقی وحق راحد و کراں زکجا

انسان کی منزل ذات کبریا ہے،

ما ز فلک برتریم و ز ملک افزوں تریم زیں دو چرا نگذریم منزلِ ما کبریاست

اسی پر ڈاکٹر اقبال نے کہا ہے،

شعلۂ درگیر زد بر خس و خاشاکِ من مرشد رومی کہ گفت منزلِ ما کبریاست
(پیام مشرق)

انسان کی منزل نہایت بلند ہے، اس کو کبھی پستی کی طرف مائل نہ ہونا چاہئے،

نہی بر فرقِ جان تاجے بری دل را بمعراجے — چو خورشیدش بر آرائی کہ سبحان الذی اسریٰ

انسان میں بے شمار کمالات چھپے ہوئے ہیں،

دلا زیں تنگ زندانہا رہے داری بمیدانہا — مگر خفتست پائے تو تو پنداری نداری پا

بانگ درا میں ایک شعر ہے جو اس مفہوم کو ادا کرتا ہے،

توہی ناداں چند کلیوں پر قناعت کر گیا — ورنہ گلشن میں علاجِ تنگیٔ داماں بھی ہے

انسان جب اس قدر با عظمت مخلوق ہے تو مولانا کے نزدیک اس کا نصب العین بھی نہایت بلند ہونا چاہئے، اس کی عظمت اس کے مقاصد کی بلندی ہی سے قائم رہ سکتی ہے،

مناقب العارفین میں لکھا ہے، مولانا نے ایک دن انسان کے بلند نصب العین کے متعلق یہ حدیث سنائی، ان اللہ یحب المعالی الامور،

دیوان میں انسانی نصب العین متعین فرماتے ہیں،

ہمائی قاف قربی اے برادر — ہما را جز ہمائے مصلحت نیست

ز آفتاب و ز مہتاب بگذرد نورم — چو روئے خود بہ شہنشاہِ دلنواز کنم

عہد حاضر کے پیام بر شاعر اقبال نے انسان کو یہی پیام دیا ہے،

در دشتِ جنون من جبریل زبوں صیدے — یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

مولانا کے نزدیک زندہ دلی کا یہی شعار ہے،

شعارِ زندہ دلاں در طریق گرم رویست — اگر فسردہ نہ گرم دار بازارش

مثنوی معنوی میں ایک شعر ہے،

جملہ عالم ہست حاجتمند تو — تو گدا یا نہ چہ گردی کو بکو

اسی منشاء اور مفہوم کی ایک غزل دیوان میں ہے، جس میں مولانا کی یہ خصوصیتِ سخن کامل

طور پر عیاں ہے،

منگر بہر گدائے کہ تو خاص ازان پاکی	مفروش خویش ارزاں کہ تو بس گرانبہائی
بعصا شگاف دریا کہ تو موسی زمانی	بدر آں قبائے مہ را کہ تو نورِ مصطفائی
بخراش دستِ خوباں کہ تو یوسفِ جمالی	چو مسیح دم فرودم کہ تو نیز ازان ہوائی
بصف اندر آئی تنہا کہ سفندیار وقتی	درِ خیبرست برکن کہ علیِ مرتضائی
بستاں ز دیو خاتم کہ توئی بجاں سلیماں	بشکن سپاہ اختر کہ تو آفتاب رائی
چو خلیل رو در آتش کہ تو خالصی و دلکش	چو خضر ز آب حیواں کہ تو جوہرِ بقائی
بگسل ز بے اصولاں مشنو فریبِ غولاں	تو ز فیضِ ذوالجلالی تو ز پرتو خدائی
تو ہنوز نا پدیدی کہ جمالِ خود ندیدی	سحرے چو آفتابی ز درونِ خود برآئی
شدۂ غلام صورت بمثالِ بت پرستاں	تو چو یوسفی ولیکن سوئے خود نظر نداری
بخدا جمالِ خود را چو در آئینہ بہ بینی	بتِ خویش ہم تو باشی بکسے گذر نداری

من کان للہ فکان اللہ لہٗ

رنگ بقا، سرخودی اور رمز بے خودی

حضرات صوفیاے کرام کے نزدیک سلوک الی اللہ کی دو حالتیں ہیں، ایک حالت کو فنا فی اللہ اور دوسری کیفیت کو بقا باللہ کہتے ہیں، جب بندہ عبد کامل بنجاتا ہے اور اپنا سب کچھ خدا کی راہ میں کمالِ عجز کے ساتھ پیش کرتا ہے، یعنی

لن تنالوا البر حتی تنفقوا   ہر چہ داری صرف کن در راہ او

پر عمل کرتا ہے تو اسے حالتِ فنا کہتے ہیں، اس منزل میں سالک پر مسکینی عجز اور شکستگی طاری رہتی ہے، اس نسبت کی طرف اس کی توجہ رہتی ہے،

لیکن جب بندہ فانی بنکر خدائے شکور وغیور کی بارگاہ میں پیش ہوتا ہے، تو ادھر سے کمالات

کی تجلی ہوتی ہے،

چوں ازو گشتی ہمہ چیز از تو گشت   چوں ازو گشتی ہمہ چیز از تو گشت

فانی پر بقا کا پرتو پڑتا ہے، اس مرتبہ میں سالک کا حال مختلف ہوتا ہے، اس پر عظمت و جلال کا وہ دبدبہ چھایا ہوتا ہے کہ وہ اپنی اس نسبت کے آگے دنیائے دوں کی بڑی سے بڑی قوت اور شوکت کو ہیچ سمجھتا ہے، بڑے بڑے صاحبانِ شوکت لرزہ براندام ہو جاتے ہیں، ع

بے نیازی نازہا دارد بسے

جب اس نسبت کا استحکام ہو جائے تو کائنات کی ظاہری اور باطنی قوتیں تابع ہو جاتی ہیں، اسی حالت کو دوسرے الفاظ میں خودی اور بے خودی سے تعبیر کرتے ہیں، اور عالمِ فراق اور حالتِ وصال بھی کہتے ہیں،

افلاکی کا بیان ہے کہ

"روزے در تفسیر ایں آیت معنی غریب بیان کرد کہ حق تعالیٰ کل شئی ہالک الا وجہہ فرمودہ است نہ آنست کہ مدح خود می کند و بر بندگانش از قدم بقا تفاخر می آرد کہ من باقیم شما فانی بلکہ دعوت رحمت می کند کہ بکلی در من مستہلک شوید تا در وجہ کریم ما کہ "الا وجہہ" باقی و ابدی شوید،

کل شیئی ہالک الا وجہہ   چوں نہ در وجہ او ہستی مجو

ہر کہ اندر وجہ او باشد فنا   کل شئی ہالک نبود جزا

زانکہ در الا ست او از لا گذشت   ہر کہ در الا ست او فانی نگشت

مولانا نے "کل شئی ہالک الا وجہہ" کی یہی تفسیر فرمائی ہے،

بعض سالکانِ راہ پر ایک آن میں دونوں تجلیات ہوتے ہیں، مولانا کا یہی قول ہے،

گہ جانبِ شہرِ بقا گہ جانبِ دشتِ فنا

حضرت شمس کے متعلق فرماتے ہیں،

شمس گر گشت فانی بالذات　　　　در فنا ہا بقاست تا دانی

مولنا پر نسبت بقار کا غلبہ رہتا تھا، چونکہ ان کا کلام ان کے وجدان اور حال کا آئینہ ہے، اسلئے اس میں وہ جلال، بلند آہنگی، زور اور دبدبہ ہے کہ یہ محسوس ہوتا ہے کہ بجلیاں ہیں کہ چمک رہی ہیں، بادل ہیں کہ گرج رہے ہیں اور جھوم جھوم کر برس رہے ہیں، مولنا کی غزلیات کی یہ خاص صفت ہے، یہ کیفیت اس رنگ میں شعرا میں سے کسی کے کلام میں نہیں پائی جاتی، نہ خسرو کی غزل میں یہ رنگ ہے نہ حسن کے کلام میں، نہ بلبل شیراز کے نغموں میں یہ زور ہے، نہ عراقی کے ساز میں یہ بلند آہنگی ہے، نہ سعدی کے بیان کا یہ طرز ہے، مولنا اس خصوص میں سارے صوفی شعرار سے ممتاز ہیں،

یہ انکے کلام کی ایسی خصوصیت ہے کہ خود مولانا نے بہ نفس نفیس اس کا اظہار فرمایا ہے،

مناقب میں ہے کہ حضرت مولانا نے سراج الدین تبرزی سے فرمایا کہ

"حکیم الٰہی خواجہ سنائی و خدمت فریدالدین عطار قدس اللہ سرہما، بس بزرگان دین بودند، لیکن اغلب سخن از فراق گفتند اما ہمہ از وصال گفتیم" (مناقب العارفین ص۱۴۱)

کلام پڑھ کر اس کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ اس میں لذت امروز اور جوش فردا دونوں ہیں، بزبان ربانی رمز بقا کا اظہار فرمایا ہے،

چون خلیل من شدی ز آتش مترس　　　　کہ من از آتش گلستانت کنم

بر گلویت تیغہا را دست نیست　　　　گرچو اسمٰعیلؑ قربانت کنم

ان اشعار میں من کان للہ فکان اللہ لہ کی تفسیر فرمائی ہے،

چو جان زار بلا دیدہ با خدا گوید　　　　کہ کس بجز تو ندارم چہ خوش بود بخدا

جوابش آید آزان سو کہ من ترا زین پیش　　　　بہیچ کس نہ گذارم چہ خوش بود بخدا

عبدیت کی چند روزہ "چاکری" سے باقی رہنے والی شاہی نصیب ہوتی ہے،

دوسہ روز شاہیت را چو شدم بصدق چاکر　　بجہاں نماند شاہے کہ او چاکرم نیامد

رہ فنا ہی سے در بقا تک رسائی ہوتی ہے،

خمش کن و بشنو از قائلانِ روحانی　　رہ فنا جو بہ بندی در بقا بکشاد

نسبت بقا کا جوش ملاحظہ ہو، ع

چو در کفِ سلطاں شدم یک ذرہ بودم کاں شدم

نیست کردم ننگِ ہستی را تمام　　تا کہ بر زینِ بقا محکم شدم

کاسہ پر زہر بودم دست در عیسیٰ زدم　　خام دیدم خویش را در پختہ آویختم

چو مہ پیئے آفتاب رفتم　　گہ کاستم و گہے فزودم

خاموش کہ عاقبت مرا کار　　محمود بود چو من ایازم

دولت عشق ہی سے انسان دولت پایندہ اور مردہ سے ابدی زندہ بنجاتا ہے،

مردہ بدم زندہ شدم گریہ بدم خندہ شدم　　دولت عشق آمد و من دولت پایندہ شدم

ز شمس الدین تبریزی نگارا　　دلے کو مست شد ہشیار باشد

طبیعت کا جوش اور نسبت بقا کا زور ملاحظہ ہو،

گفتند یافت نیست کہ بس جستہ ایم ما　　گفت آنکہ یافت می نشود آنم آرزوست

باز از پستی سوئے بالا شدیم　　طالب آں دلبر زیبا شدیم

ما دل اندر راہِ جاں انداختیم　　غلغلے اندر جہاں انداختیم

مرزا غالب مولانا کے ایک شعر پر جس میں جوشِ بقا کا اظہار ہے سر دھنا کرتے تھے،

بزیر کنگرۂ کبریاش مردانند　　فرشتہ صید و پیمبر شکار و یزداں گیر

گر تو خواہی وطن پر از دلدار
خانہ را رو تہی کن از اغیار (رومی)

توحید | مولانا نے مثنوی میں تصوف کے مسائل اور معارف تفصیل سے بیان کئے ہیں، کیونکہ وہ دورِ تمکین کی تصنیف ہے، لیکن دیوان میں صوفیانہ مسائل، معارف اور علوم کی نہیں بلکہ صوفیانہ جذبات اور احساسات کی پرجوش ترجمانی ہے، تصوف کی بنیاد مسئلۂ توحید پر ہے، صوفی کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ وہ ہر طرح ایک کا ہو رہے، توحید کے معنی یہی ہیں کہ انسان ماسوائے اللہ سے آزاد ہوجائے، سوائے حق کے نہ کوئی اسکا معبود ہو نہ مقصود ہو، موجود[1] ہو نہ مشہود ہو،

ہر کہ پیماں با ہوا لموجود بست | گردنش از بند ہر معبود رست

اس کی زندگی اور موت صلوٰۃ و قربانی صرف ذات واحد کے لئے ہو، باطنی ترقی اور مذہب کا نصب العین یہی ہے، زندگی کے اسی رنگ کو صبغۃ اللہ کہتے ہیں، قُلْ اِنَّ صَلوٰتی ونسکی ومحیای ومماتی لِلّٰہِ رَبِّ العٰلمین، ابراہیم اسی توحیدی مسلک کے باعث "حنیف" کہلاتے ہیں، سارے روحانی امراض اور اخلاقی خبائث کا واحد علاج توحید ہی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مسلک کی پیروی اور تکمیل کا منصب عطا ہوا،

اہلِ حق را رمزِ توحید از براست | در اتی الرحمٰن عبداً مضمر است
دیں ازو حکمت ازو آئیں ازو | زور ازو قوت ازو تمکیں ازو
عالماں را جلوہ اش حیرت دہد | عاشقاں را بر عمل قدرت دہد
ملتِ بیضا تن و جاں لا الٰہ | سازِ ما را پردہ گرداں لا الٰہ

[1] اس کا یہ مطلب نہیں کہ مخلوق (محسوسات) کی نفی قطعی کی جائے، بلکہ یہ کہ سوائے حق تعالیٰ کے کوئی وجود ذاتی خارجی نہیں رکھتا، ساری مخلوق صورِ علمیہ الٰہیہ ہے اور غیر حق ہے، اور وہ موجود موجودِ حق ہوئے ہیں ھو الاول والاخر والظاھر والباطن وھو بکل شئ علیم،

لا الٰہ سرمایۂ اسرارِ ما رشتہ اش شیرازۂ افکارِ ما

ما مسلمانیم و اولادِ خلیل از "ابیکم" گیر اگر خواہی دلیل

تیر خوش پیکانِ یک کیشیم ما یک نما، یک بیں، یک اندیشیم ما

(رموز بیخودی)

مثنوی معنوی میں مسائلِ تصوّف کی روحِ اعظم یہی مسئلہ ہے،

چیست توحید خدا آموختن پیش واحد خویشتن را سوختن

گر ہمی خواہی کہ بفروزی چو روز ہستیِ ہمچون شبِ خود را بسوز

دو مگو و دو مداں و دو مخواں بندہ را در خواجۂ خود محو داں

دیوان میں مسئلۂ توحید یعنی ایک کے ہو رہنے پر مولنا نے بیحد زور دیا ہے اور اس میں جوش اور غیرت دلانے کا ان کا جو خاص انداز ہے، وہ ہر جگہ نمایاں ہے،

صوفی شعراء میں اگرچہ ہر ایک نے اصولاً اسی مسئلہ کو بنیاد ٹھہرایا ہے، لیکن ان جذبات کا اظہار ان کے کلام اور ان کے بیان کا جزو اعظم نہیں ہے، مثلاً جامی کا رنگ زیادہ تر نعتیہ ہے، سعدی، خسرو اور حافظ نے پیرایۂ مجاز اختیار کیا ہے، خواجہ حافظ فرماتے ہیں،

از دل و جاں شرفِ صحبتِ جاناں غرض است ہمہ این ست و گرنہ دل و جاں ایں ہمہ نیست

ان کے کلام میں یہ مضمون بکثرت نہیں آتا، جیسے اور مضامین آتے ہیں،

البتہ عراقی اس خصوص میں ایک حد تک مولانا کے ہمرنگ ہیں،

مرا جز عشقِ تو جانے نمی بینم نمی بینم دلم را جز تو جانانے نمی بینم نمی بینم

لیکن دونوں کا اسلوبِ ادا بالکل جداگانہ ہے،

مولانا کے دیوان میں خیال اور بیان کے زور اور جوش کی روح یہی مسئلہ ہے، اس گلزارِ توحید کے چند پھول ملاحظہ ہوں،

ایک کا ہو رہنا،

ازبہر خدا عشق دگر یار مدارید   درمجلس جاں فکرِ دگرکار مدارید

یار دگر وکار دگر کفر محاست   درمذہبِ حق مذہبِ کفار مدارید

مولانا کے نزدیک ظہورِ کثرت کا مقصد ہی حصول توحید ہے،

اے ازجمالِ حسنِ تو عالم نشانۂ   مقصودِ حسنِ تست دگرہا بہانہ

اگرعکس غیرآب حیات میں بھی ہو تو مولنا کے نزدیک ہیچ ہے،

ہرآن آبے کہ دروے عکس غیراست

اگرآبِ حیات است آں نشاید

بے گانگی خارِ عشق ہے،

ہرچہ غیرِ خیال معشوق است   خارِ عشق است اگر بود گلزار

خارِ بے گانہ را تو یکسو کن،   خارِ گل را بجاے دل می دار

گر تو خواہی وطن پر از دلدار   خانہ را روتہی کن ازاغیار

مولنا کو صرف جمالِ حق منظور ہے، اور وہی مشہود ہے،

مراغیر تماشاے جمالت   نباشد درجہاں خود کارِ دیگر

کائنات کے سارے مشاغل سے عشق حق اپنے لئے انتخاب کیا ہے،

ازجملہ جہان و عیش عالم   من عشقِ تو اختیار کردم

اس اعلیٰ نسبت کے بعد ادنیٰ نسبت کی طرف توجہ نہیں ہوسکتی،

چونکہ کمربستہ ام بہر خیاں ہے بجد

ازپئے ہر ستارۂ ترکِ قمرچرا کنم

ترکِ شہودِ حق

تو ئی آفتاب چشمم بجمالِ تست روشن،

اگر از تو باز گردم بکہ چشم باز دارم،

ہمہ جمالِ تو بینم چو چشم باز کنم ہمہ شراب تو نوشم چو لب فراز کنم

باین بہانہ درین بزم محرمے جوئیم، غزل سرائیم و پیغام آشناگوئیم

پیغام گوئی عہدِ جدید میں پیغام گوئی شاعری کی ایک خاص نوع سمجھی جاتی ہی، اور اسکی آجکل علمی و ادبی حلقوں میں اہمیت بھی بہت زیادہ ہی، جب شاعر کا کلام سامنے آتا ہے، تو اس کے دفترِ معنی مین یہ تلاش کیا جاتا ہی کہ آیا اس نے زندگی کے متعلق کوئی خاص نصب العین اور کوئی خاص تصور پیش کیا ہے، یا نہیں، اس کے پاس بنی نوع کے لئے کوئی خاص پیغام بھی ہے یا نہیں، جس کسی شاعر کے کلام میں یہ صفت پائی جاتی ہی، اسے پیغام گو اور اس شاعری کو پیغام گوئی کے نام سے موسوم کیا جاتا ہی،

اردو مین اکبر اور اقبال دو زبردست پیغام گو شاعر ہین، اسی بنا پر ایک کو ترجمانِ حقیقت اور دوسرے کو لسان العصر کہتے ہین، چونکہ اس دور میں شاعری کے اس رنگ کی قدر ہے، اس لئے اس رنگ کی اہمیت محسوس کیجا رہی ہی، سوال یہ ہی کہ پیغام گوئی کی تعریف کیا ہی،

کہا یہ جاتا ہے کہ جب کوئی شاعر زندگی کے بنیادی حقائق، اور عروجِ انسانی کے اساسی اصول کو موزون اور پراثر کلام کی صورت میں بطور پیام پیش کرے، اور مخاطب کے لئے خیال اور عمل کی ایک مخصوص راہ منتخب کرے، تو اس قسم کی شاعری کو پیام گوئی سے موسوم کیا جاتا، اور شاعر اسی روشنی میں پیغامبر کہا جاتا ہے، اسی نقطۂ نظر سے گرامی مرحوم نے علامۂ اقبال کے متعلق لکھا ہی،

در دیدۂ معنی نگہان حضرتِ اقبال پیغمبری کرد و پیمبر نتوان گفت،

لیکن اس سے اخلاقی پند و نصائح کی وہ صورت خارج ہے، جو بوستان وغیرہ مین پائی جاتی ہی، یا اردو میں مولوی اسمٰعیل صاحب میرٹھی کی نظمون میں ہی،

سنجیدہ مضامین میں "اردو کے ماخذ کے متعلق بعض اہم غلط فہمیاں" ڈاکٹر سید محی الدین صاحب زور قادری "جدید اردو شاعری کی خصوصیات" پروفیسر اعجاز صاحب "محاورہ میں تبدیلی" حکیم عیش امروہوی "عطار کی غزلیات" سید حسن صاحب برنی مفید اور لائق ذکر مضامین ہیں، حکیم صاحب کا مضمون تشنہ اور مزید وضاحت کا طالب ہے، ابو العلا صاحب ناطق کی کوشش کوہ کندن و کاہ برآوردن سے کم نہیں، نظم کا حصہ بھی خوشرنگ ہے، حسرت موہانی فانی، جلیل، آرزو، جوش، سیماب وغیرہ مشاہیر شعراء کی غزلوں سے رسالہ مرصع ہے، ظاہری حسن کے لئے چند تصاویر زیب رسالہ ہیں،

عالمگیر کا سالنامہ، مرتبہ حافظ محمد عالم صاحب حجم ۲۰۱ صفحات تقطیع ۲۶×۲۰/۸ کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ سالانہ قیمت للعہ علاوہ محصولڈاک، پتہ دفتر رسالہ عالمگیر، بازار سید مٹھا لاہور،

عالمگیر نہایت پابندی کیساتھ اپنا سالانہ نمبر نکالتا ہے، چنانچہ حسب معمول اس نے ۱۹۳۶ء کا سالنامہ بھی اہتمام کے ساتھ نکالا ہے، اور اپنے ناظرین کی دلچسپی کے لئے رنگ برنگ کے مضامین فراہم کئے ہیں، بڑا حصہ افسانوں کا ہے، دوسری زبانوں کے ترجمہ شدہ افسانے زیادہ دلچسپ اور نتیجہ خیز ہیں، "ملکہ جنوب" مترجمہ قاضی محمد شفیع صاحب سامی عہد عتیق کی یادگار ہے، "بوڑھا غازی"، مرزا عاشق بیگ صاحب جو فارسی ڈرامے کا ترجمہ ہے سرفروشی و وطن پرستی اور "درس یگانگی" اتحاد قومی کا بہترین سبق ہے، "سندری اور شنکر" کسی بنگالی افسانے کا ترجمہ یا اس سے ماخوذ معلوم ہوتا ہے، اور ان لوگوں کے لئے عبرت آموز ہے، جو ذات پات کی بیجا بندشوں میں جکڑے ہوئے ہیں، خواجہ عبد الرؤف عشرت نے بھی اپنے مخصوص رنگ میں قدیم لکھنؤ کے بعض مناظر دکھائے ہیں،

سنجیدہ مضامین میں "شاہان سلف کی ادب نوازی"، "ولی دکنی کا نظریہ محبت"، "مہدی سوڈانی"، "اردو غزل کا جدید اسکول"، لائق مطالعہ ہیں، نثر کے مقابلہ میں نظم کا وزن ذرا ہلکا ہے، مجموعی حیثیت سے سالنامہ کامیاب ہے،

ساقی کا افسانہ نمبر مرتبہ شاہد احمد صاحب بی اے حجم ۲۰۰ صفحات تقطیع ۲۰ × ۳۰ کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت عہ سالانہ قیمت للعہ پتہ دفتر ساقی دہلی،

ساقی دہلی کے اچھے رسائل مین ہے، اس کے صفحات پر اکثر وہان کے ممتاز ادیب واہل قلم نظر آتے ہین، شاہد صاحب سال مین ساقی کے کئی خاص نمبر نکالتے ہین، جولائی ۳۶ء کا خاص نمبر اونھون نے افسانہ نمبر کے نام سے نکالا ہے، افسوس ہے کہ ہر مفید شئی کی طرح آج کل افسانون کا حقیقی مقصد بھی فوت ہوکر رہ گیا ہے، جس شئے سے مفید نتائج پیدا کئے جاسکتے تھے وہ محض حسن وعشق کی کہانی بن گئی ہے، منشی پریم چند کا جو ہندوستان کے نامور افسانہ نویس ہین کوئی افسانہ کسی مفید نتیجہ اور مقصد سے خالی نہین ہوتا، لیکن ہمارے نوجوان ادیبون کے افسانون کا عموماً بے معنی افسانوی" رومانیت" کے سوا کچھ مقصد نہین ہوتا اور نوخیز اڈیٹر ساقی کا قلم خصوصیت کے ساتھ اس باب مین زیادہ غیر معتدل واقع ہوا ہے، اسکی تازہ مثال ان کا افسانہ" دیور" ہے جس کو اونھون نے غالبًا اپنے ماحول کی فضا سے متاثر ہوکر ارقام فرمایا ہے، کیا وہ یہ رنگین کھیل کسی شریف گھرانے مین پسند کرین گے؟

اس پہلو کو قطع نظر کرکے محض افسانون کی حیثیت سے یہ نمبر نہایت کامیاب ہے، بیشتر افسانے دلچسپ اور بعض مفید اور نتیجہ خیز بھی ہین، ان مین مشہور فرانسیسی اہل قلم گستو فلابیر کا افسانہ" ہیرودیاس" جسے مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی کے شگفتہ نگار قلم نے ہندوستانی زبان کا جامہ پہنایا ہے، خاص طور سے لائق ذکر ہے، جو قدیم سامی تاریخ اور روایات کا حامل ہے، اس کے علاوہ "ایثار" ل احمد صاحب "سچی کہانی" "پریم پجاری" "لندن کی ایک رات" سجاد ظہیر صاحب" نجومی کی وصیت" وغیرہ دلچسپ افسانے ہین، پروفیسر برلاس کے شذرات" مین ہندوستانی ہون" "ان شایستہ" ہندوستانیون کے لئے جو بیرونی ممالک مین اپنے" اعمال حسنہ" سے ہندوستان کا نام روشن کرتے ہین عبرت آموز ہین،

ادب لطیف افسانہ نمبر مرتبہ چودھری برکت علی صاحب و مرزا ادیب صاحب

حجم ۱۰۰ صفحات کاغذ سپید کتابت وطباعت صاف و روشن قیمت ۱۲ رسالانہ قیمت تین روپیے،

پتہ:- پنجاب بکڈپو لاہور،

ادب لطیف کی عمر ابھی کوئی ایسی بڑی نہین، لیکن اتنے ہی دنون مین اس نے خاصی ترقی کرلی ہے جس کا ثبوت اس کا افسانہ نمبر ہے، اس نمبر مین ہر رنگ و مذاق کے اچھے افسانے فراہم کیے گئے ہین" یونانی رقاصہ"" ایلچی"،"بوڑھی ایکٹرس" اور "دختر صحرا" دلچسپ اور پڑھنے کے لائق افسانے ہین، مفید اور نتیجہ خیز افسانون کی بھی خاصی تعداد ہے، ان مین" دلہن کا سلام"" خانہ خدا"" جواری"، اور "دوسری بیوی" خاص طور سے سبق آموز ہین، نظم کا حصہ بھی غنیمت ہے، ظاہری زینت کے لیے چند تصاویر بھی زیب رسالہ ہین، مجموعی حیثیت سے یہ نمبر نہایت کامیاب ہو،

ادب محمود آباد نمبر، مرتبہ جناب ناصر لکھنوی حجم ۹۰ صفحات کاغذ صاف و دبیز کتابت وطباعت بہتر قیمت درج نہین، غالباً ایک روپیہ تک ہو گی، پتہ دار الاشاعت نظامی پریس لکھنؤ،

ادب لکھنؤ کے وقیع اور سنجیدہ رسالون مین ہے، والی ریاست محمود آباد کی گدی نشینی کی تقریب کی یادگار مین اس نے "محمود آباد نمبر" نکالا ہے، جسمین علمی ادبی، تاریخی، اور افسانے ہر مذاق کے مضامین ہین، محمود آباد نمبر کی مناسبت سے ریاست محمود آباد کی مختصر تاریخ اور اوس کے امراء کے حالات ہین، علمی مضامین مین مولوی سید ظفر الحسن کا تنقیدی مضمون "خواب نوشین یا نغمۂ غم"، مفید اور فارسی زبان سے ذوق رکھنے والون کے پڑھنے کے لائق ہو،

موجودہ دور کی تنگ نظری نے جسے خوش مذاقی اور سلامت ذوق سے تعبیر کیا جاتا ہو داغ کی شاعری پر بڑا ظلم کیا ہو، اور اوس کے بانکپن اور اوس کی دلکش شوخیون کو اخلاقی نقطۂ نظر سے نشانہ ملامت بنایا جاتا ہے، لیکن سلیم المذاق ناقدین یہ نہین سمجھتے کہ وہ کوئی واعظ نہین، مصلح نہین،

بلکہ صرف مصور جذبات شاعر ہے، اس لئے اس کی شاعری سے اخلاقی سبق حاصل کرنے کی توقع کرنا خود اپنی غلطی ہے، ہماری زبان کے مشہور کہنہ مشق ادیب مرزا عسکری صاحب نے "داغ کی شاعری پر ایک بسیط نظر" مین داغ کی خصوصیات دکھائی ہین، اور مثالون سے ثابت کیا ہے کہ معاملہ بندی جو داغ کی شاعری کا ذمہ شمار کی جاتی ہے، ہمیشہ سے شعراء کا موضوعِ سخن رہی ہے، فرق صرف اس قدر ہے کہ داغ کے یہان یہ رنگ زیادہ ہے، پھر بھی اوھنون نے جس شائستگی سے اس کو نباہا ہے وہ دوسرون کے بس سے باہر تھا، "مسدس حالی کے معرفین کی بے اعتدالیان" کے عنوان سے مسدس اور اوس کے تقریب نگارون کی تحریرون پر جو تبصرہ کیا گیا ہے، اگر وہ محض انیس پر حملے کے جواب کی حد تک محدود رہتا تو قابلِ اعتراض نہ تھا، لیکن اس لپیٹ مین غریب مسدس کو لے لینا کون سا اصولِ نقد اور کہان کا انصاف ہے، ان کے علاوہ اور متعدد مضامین اور افسانے اور امرائے محمود آباد اور تقریب جشن کے متعدد فوٹو ہین،

عصمت راشد الخیری نمبر،

مرتبہ رازق الخیری صاحب حجم ۲۹۰ صفحات تقطیع ۲۰×۳۰، کاغذ سپید کتابت و طباعت معمولی قیمت عہ سالانہ للعہ، پتہ دفتر عصمت کوچہ چیلان دہلی،

مولانا راشد الخیری مرحوم کے لائق فرزند اور جانشین رازق الخیری صاحب نے اپنے والد مرحوم کی یادگار مین ان کے محبوب رسالہ عصمت کا خاص نمبر نکالا ہے، مولانا مرحوم جیسی جامع اور ہمہ گیر شخصیت رکھتے تھے، اور اوھنون نے زبان و ادب اور نسوانی دنیا کی جیسی گران قدر خدمات انجام دی ہین اسکے لحاظ سے اسکی ضرورت تھی کہ اون کی زندگی کے ہر پہلو کو دکھایا جائے، اس نمبر نے اس ضرورت کو پورا کر دیا، اور مولانا مرحوم کے اعزہ، احباب، قدردانون اور ہندوستان کے بہت سے مشاہیر اور اہلِ قلم نے انکی خانگی، معاشرتی زندگی، انکی علمی اور قومی خدمات، ان کے کارنامون، غرض اون کی زندگی کے ہر پہلو پر معلومات کا کافی ذخیرہ فراہم کر دیا ہے، مولانا کی علمی اور قومی خدمات سے تو کم و بیش تعلیم یافتہ طبقہ واقف تھا، لیکن انکی خانگی زندگی کے واقعات اور اون کے محاسنِ اخلاق اس آئینہ کے علاوہ اور کہین نظر نہ آ سکتے تھے، مضامین کے علاوہ

اس نمبر مین متعدد نظمین جو مولانا کی وفات پر لکھی گئی ہین، مرثیہ خوان مین مختلف ماتون کی چند تصاویر بھی ہین،

کنول آگرہ کا خاص نمبر، مرتبہ منظر صاحب صدیقی اکبرآبادی حجم ۱۴۴ صفحات تقطیع اوسط کاغذ کتابت و طباعت صاف اور عمدہ قیمت ۱۲ رسالانہ چندہ ہے، پتہ ہینگ کی منڈی آگرہ،

آج کل ہر رسالہ اپنی ترقی کے ثبوت مین کوئی نہ کوئی خاص نمبر ضرور پیش کرتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ابھی کنول کو کھلے زیادہ زمانہ نہین گذرا لیکن اوسکو خاص نمبر نکالنا پڑا، ظاہر ہے کہ ایک نونہال سے اس باب مین وہ اہتمام ممکن نہین ہے، جو ایک جہاندیدہ سے ہوسکتا ہے، اسلئے معنوی اعتبار سے دوسرے سالنامون کے مقابلہ مین اس کا پلہ کچھ ہلکا نظر آتا ہے، پھر بھی اسکی عمر کو دیکھتے ہوئے بہت غنیمت ہے، سنجیدہ مضامین مین سلطنت آصفیہ کا نامور بانی"، "شاعر و ناظم کی سرحد امتیازات" اور "وکٹر ہیگو" خاصے مضامین ہین، افسانون مین "بدنصیب"، ظاہرین اور ظاہر پرست دنیا کے لئے عبرت آموز ہے، اناطول فرانس کے مشہور ناول تائیس" کا ترجمہ عرصہ ہوا نامور ادیب مولوی عنایت اللہ صاحب دہلوی کے قلم سے شائع ہوچکا ہے، پھر ل احمد صاحب کی اس سعیِ رائگان سے کیا حاصل ہے، "کنول" "ارض سخن" اکبرآباد کا رسالہ ہے، اسلئے قدرۃً نثر کے مقابلہ مین نظم کا پایہ زیادہ بلند ہے، مشاہیر شعراء کی اچھی اچھی غزلین اور نظمین ہین، قدامت کے لحاظ سے "مثنوی سحر معنی" لائق ذکر ہے،

مساوات کا سالانہ نمبر، مرتبہ محمد منیرالدین صاحب حجم ۱۴۴ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت عمدہ اور صاف قیمت ۱۲ رسالانہ قیمت ۶ر پتہ دفتر مساوات، پھلواری شریف پٹنہ،

اس لحاظ سے مساوات کو ایک گونہ امتیاز حاصل ہے کہ وہ ایک خاص مقصد اپنے پیش نظر رکھتا ہے، یعنی مساوات اسلامی کی تعلیم اور اسکی تبلیغ و اشاعت، اسلئے سالنامہ مین خاص طور سے اس موضوع اور اس کے متعلقات پر اچھے مضامین فراہم کئے گئے ہین، لیکن ان مین بعض بحثین غیر متعلق آگئی ہین، اور کہین کہین لہجہ اور الفاظ مین درشتی اور تلخی پیدا ہوگئی ہے، جو ممکن ہے بعض جماعتون کی دل آزاری کا باعث ہو، یہ طرز تبلیغ اصولی حیثیت سے نہ مناسب ہے اور نہ مفید، بغیر ان مباحث کے بھی مساوات اپنا مقصد حاصل کر سکتا تھا،

شاہ محمد جعفر صاحب خطیب جامع کپورتھلہ کا مضمون "اسلام اور طلاق" مفید اور پر از معلومات ہے، "تاثیر القرآن فی حیات الانسان"، "صوفی اقبال"، "اچھوتون اور ملت اسلامیہ کا نصب العین"، "مسلمان بادشاہون کی انصاف پسندی" اچھے مضامین ہین، مولانا شاہ سلیمان قدس سرہ کے بعض ملفوظات تبرکاً شامل رسالہ ہین، نظم کا حصہ بھی خاصہ ہے، جماعت مومنین کے چند ممتاز افراد کی تصویرین زیب رسالہ ہین،

سفیر سخن کا اردو ہندی سرکلر نمبر

مرتبہ ابو الکیف صاحب سرحدی، حجم ۱۲۰ صفحات، تقطیع ۲۰×۳۰، کاغذ کتابت وطباعت معمولی قیمت ۸ رسالانہ قیمت ؎ پتہ منیجر مجلہ سفیر سخن پشاور سرحد،

سفیر سخن کئی سال سے پشاور جیسے دور و دراز مقام سے نہایت کامیابی کے ساتھ نکل رہا ہے ۱۹۳۶ کا خاص نمبر اس نے "اردو ہندی سرکلر نمبر" کے نام سے نکالا ہے، اردو ہندی کا جھگڑا اتنا عالمگیر ہو گیا ہے کہ صوبہ سرحد بھی اس سے نہ بچ سکا، چنانچہ وہان بھی کئی سال سے یہی کشمکش جاری ہے، کچھ عرصہ ہوا وہان کے شعبۂ تعلیم نے بعض مالی دقتون اور صوبہ سرحد کی اکثریت دجسے کلیت کہنا زیادہ موزون ہے) کے جذبات کو مدنظر رکھکر ایک سرکلر جاری کیا تھا جس کی رو سے پانچ سال کے لیے تجربۃً صوبہ کی عام اور مشترک زبان ہندوستانی ذریعۂ تعلیم قرار دیگئی تھی، اس سرکلر مین بھی پہلی دو جماعتین اس حکم سے مستثنیٰ رکھی گئی ہین، اور ان مین ہندی گورمکھی اور پشتو زبان مین تعلیم دینے کی آزادی حاصل تھی،

اس سرکلر کو بھی حسب معمول ہندوؤن نے فرقہ دارانہ آنکھ سے دیکھا، اور پشاور سے لیکر پنجاب بلکہ دوسرے صوبون تک ایک شور مچ گیا، اخبارات مین اسکے خلاف بڑے بڑے مضامین نکلے، جلسون مین پرزور تقریرین ہوئین، کونسل مین سوالات ہوئے، غرض ہر سمت ایک غل مچ گیا، جس کی تفصیلات اخبارات مین آچکی ہین،

سفیر سخن کے اس خاص نمبر مین اس سرکلر کے اسباب و نتائج کے متعلق تفصیلی معلومات و مضامین جمع کیے گئے ہین، ان کے دیکھنے سے صوبہ سرحد کے ساتھ ہندوؤن کے اس دیرینہ عناد کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے جس کا ثبوت وہ ہمیشہ سے دیتے چلے آئے ہین، اس سلسلہ مین بہت سے دلچسپ اور حیرت انگیز

معلومات جو اس موضوع سے متعلق ہین سامنے آگئے ہین، یہ معلوم کرکے حیرت ہوئی کہ صوبہ سرحد مین بھی جہان پچانوے فیصدی مسلمان اور صرف پانچ فیصدی سکھ اور ہندو ہین ستر فیصدی سکھون اور ہندوؤن کی تعلیم پر صرف ہوتا ہے، اور صرف تیس فیصدی جاہل مسلمانون پر اور سرکاری و غیر سرکاری تمام محکمون مین بڑے بڑے عہدون پر ہندو ہی قابض ہین، اس خاص موضوع کے متعلقہ مضامین کے علاوہ عام دلچسپی کے لئے متعدد سنجیدہ مضامین اور افسانے بھی ہین،

طلبہ کا سالگرہ نمبر، مرتبہ محمد ابراہیم صاحب صدیقی و محبوب الرحمٰن صاحب

حجم ۱۰۶ صفحات تقطیع (۲۰ × ۳۰) کاغذ سپید، کتابت و طباعت اچھی، قیمت آٹھ آنے، سالانہ قیمت ۶؍، پتہ دفتر طلبہ عیدگاہ مجگوان بارا عیدگاہ، پورنیہ،

جیساکہ اس رسالہ کے نام سے ظاہر ہے، یہ خاص طلبہ کا رسالہ ہے، جو ان مین تحریر و مضمون نگاری کا شوق پیدا کرنے کے لئے نکلتا ہے، لیکن مضامین مین طلبہ کی تخصیص نہین ہے، طلبہ کو دیکھتے ہوئے سالنامہ خاصہ ہے، سنجیدہ، مزاحیہ، افسانے ہر قسم کے مضامین ہین، افسانون کا حصہ زیادہ ہے، لیکن طلبہ کے مفاد کے مضامین سے سالنامہ بالکل خالی ہے حالانکہ یہ موضوع اس رسالہ کا خاص مقصد ہونا چاہئے، چند نظمین بھی ہین، بہر حال مجموعی حیثیت سے طلبہ کی یہ کامیاب کوشش لایق ستایش ہے،

ہمدرد صحت دہلی کا عورت نمبر، مرتبہ حکیم حاجی عبد الحمید صاحب دہلوی،

حجم ۲۰۶ صفحات، تقطیع (۲۲ × ۲۹) کاغذ سپید کتابت و طباعت عمدہ، قیمت سالانہ ایک روپیہ خاص نمبر کی قیمت باختلاف کاغذ ۱۲؍ و ۸؍، پتہ ہمدرد منزل لال کنوان دہلی،

طبی رسالون مین ہمدرد صحت نہایت مفید رسالہ ہے، جو اپنی ادویہ کے اشتہار کے ساتھ صحت و علاج کے متعلق مفید مضامین پیش کرتا ہے، حال مین اوس نے ایک خاص نمبر

"عورت نمبر" کے نام سے نکالا ہے، عموماً اس قسم کے نمبرون مین ترغیباتِ جنسی کے مضامین کے علاوہ کچھ نہین ہوتا لیکن ہمدردِ صحت کا یہ نمبر خالص طبی نقطۂ نظر سے شائع کیا گیا ہے، اس مین نسوانی اعضاء، اون کے وظائف، امراض، علاج، حمل، اوس کے مدارج، اسکی احتیاطین، وضع حمل، ان کے معالجات اور عام صحت و تندرستی وغیرہ عورت کے جملہ متعلقات پر طب جدید و قدیم دونون کے نہایت مفید اور پر از معلومات مضامین ہین، اسلئے یہ نمبر نہ صرف عام لوگون کے لیے بلکہ خواص اور اطباء کے لئے بھی معالجاتِ نسوانی کا ایک اچھا نصاب ہے، رسالہ مین نفس موضوع کے متعلق اور بعض مقالہ نگارون کی متعدد تصاویر ہین،

صدائے نسوان سالانہ نمبر، مرتبہ انور بزمی و سعید الرحمٰن صاحب، حجم ۱۲۰ صفحات، تقطیع ۲۰ × ۳۰ کاغذ سپید، کتابت و طباعت اچھی، سالانہ قیمت ؎ رسالنامہ کی قیمت معلوم نہین، پتہ صدائے نسوان ترکمان گیٹ دہلی،

سالنامون کی کچھ ایسی ہوا چل گئی ہے کہ نومولود رسائل ابھی اپنے پیرون پر کھڑے بھی نہین ہونے پاتے کہ اون کو سالنامے کے لئے دوا دوش کرنی پڑتی ہے، جس کا بار ان کی طاقت سے باہر ہوتا ہے، صدائے نسوان معمولی اشاعتون مین اوسط درجہ کا خاصہ نسوانی رسالہ ہے لیکن سالنامے کا بار وہ نہ اوٹھا سکا، اس لئے اوس کے بیشتر اچھے مضامین "مذہب اسلام"، "غازیۂ اسلام"، "نظام اخلاق" اور "صحت و تندرستی"، پورے کے پورے کتابون سے منقول ہین، چند نئے اور مفید مضامین بھی ہین، "اخبار و افکار" کے ماتحت عورتون کے لئے مفید معلومات جمع کئے گئے ہین، "ترکی خواتین کے حالات" "روسی خواتین کی آزادی" اور "اسلام اور طبقۂ نسوان" عورتون کے پڑھنے کے لائق ہین، لیکن پھر بھی خالص نسوانی مذاق کے مضامین کی جو اس رسالہ کی اصل غرض و غایت ہے، بڑی کمی ہے،

"م"

مطبوعاتِ جدیدہ

کسان (اس کے افلاس کے اسباب اور ان کا علاج) مصنفہ چودھری مختار سنگھ سابق ایم ال لے ایم ال سی، و ممبر سنٹرل بنکنگ انکوائری کمیٹی، مترجمہ محمود علی خانصاحب جامعی تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۰۵ صفحات، کاغذ، کتابت و طباعت صاف و روشن قیمت عہ مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی سے ملتی ہے۔

یہ مفید اور ضروری کتاب جو ہندوستان کے سب سے اہم طبقہ کسان کی صلاح و فلاح سے متعلق ہے، چار حصوں میں تقسیم ہے، پہلے میں ان مغالطہ آمیز خیالات کی جو عام طور پر کسان کے افلاس اور زبون حالی کا سبب بیان کئے جاتے ہیں یعنی اوسط پیداوار کی کمی، زراعت کے جدید ترقی یافتہ وسائل سے ناواقفیت، اور ان کے استعمال سے بے خبری، کھیتوں کا منتشر ہونا، اضافہ آبادی، بارش کی قلت، کسانوں کی فضول خرچی، مہاجنی قرضوں کا بار وغیرہ بدلائل تردید کی گئی ہے، اور دوسرے ملکوں کا موازنہ کرکے ان خیالات کی غلطی واضح کی گئی ہے،

دوسرے حصہ میں ہندوستان کے قدیم اور مفید دیہی نظام کو جو عہد مغلیہ تک علی حالہ قائم تھا، دکھایا گیا ہے کہ اس زمانہ میں ہر دیہات ایک مستقل حیثیت رکھتا تھا، اور اپنی ضروریات میں کسی بیرونی امداد کا محتاج نہ تھا، زراعت اجتماعی تھی، ہر گاؤں میں غلہ کے ذخائر رہتے تھے جس میں بقدر خدمت و استحقاق گاؤں کا ہر فرد حصہ دار تھا، سادہ زندگی کی جملہ ضروریات ہر گاؤں میں موجود تھیں، معاملات کے تصفیے کے لئے پنچایتیں موجود تھیں جو بغیر کورٹ فیس کے بڑے بڑے معاملات کا عادلانہ فیصلہ کرتی تھیں، بقدر ضرورت تعلیم و صفائی کا بھی انتظام تھا، غرض ہر گاؤں معاشرتی زندگی کی ضروریات میں بیرونی دنیا کا محتاج نہ تھا، موجودہ نظامِ حکومت نے اس مفید نظام کو تباہ کر دیا، پھر اس عام خیال کی تردید کی گئی ہے، کہ ہندوستان محض ایک زرعی ملک ہے اور

پرانی سرکاری رپورٹوں اور تاریخوں سے اس کے مصنوعات کے شواہد پیش کرکے دکھایا ہو کہ صنعتوں کے جبریہ خاتمہ کے بعد جب آبادی کا ایک بڑا حصہ بے کار ہوگیا، اسوقت اس نے مجبور ہوکر زراعت کا پیشہ اختیار کیا،

تیسرے حصہ میں زراعت کے خصوصیات اور اسکی کامیابی کے اصول و اسرار پر بحث ہو، پہلے موجودہ زمینداری سسٹم میں زمین پر کسانوں کی ملکیت نہ ہونے کے نقائص دکھائے ہیں، پھر ہندوستان کی مالی تنظیم پر جو شرح تبادلہ، شرح بنک، سرکاری قرضہ جات، کرنسی نوٹ وغیرہ کے اقتصادی مسائل پر مشتمل ہو، بحث ہے، اور کسان و زراعت پر اس کے اثرات و نتائج دکھائے گئے ہیں، پھر ہندوستان میں وسائل حمل و نقل (ریلوے) کے بیجا اور ناقابل برداشت محاصل اور زراعت پر اس کے نتائج کو دکھایا گیا ہو، آخر میں ہندوستان کی عام تعلیمی حالت اور اس کے نقائص کا نقشہ پیش کرکے زرعی تعلیم و تحقیقات، اس کی اقتصادی تنظیم کو اپریٹیو سوسائٹیوں کی عام ترویج، مویشیوں اور فصلوں کی اصلاح، چراگاہوں کے انتظام، زراعت کو آفاتِ ارضی و سماوی سے بچانے کے وسائل، اور ان کے لئے منظم اداروں کے قیام، دیسی صنعتوں کے احیاء اور سارِ حمل و نقل کے محصولات میں کمی پر زور دیا گیا ہو، ان کے علاوہ بہت سے جزوی مباحث ہیں، کوئی پہلو تشنہ نہیں چھوڑا ہے، اور ہر بحث سرکاری اعداد و شمار، تاریخی شواہد، اور دوسرے ملکوں کے موازنہ سے مدلل ہو، چوتھے حصہ میں چند مفید مشورے ہیں،

محمود علی خانصاحب نے اس مفید اور ضروری کتاب کا ترجمہ کرکے بڑی مفید خدمت انجام دی ہے، ترجمہ اتنا صاف سلیس اور روان ہے، کہ ترجمہ نہیں معلوم ہوتا،

جاپان مصنفہ مسٹر چمن لال تقطیع اوسط حجم ۲۱۱ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت روشن، قیمت غیر مجلد عہ اور مجلد عاؔر ترجمہ محمود علی خانصاحب، مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

آج سے چوتھائی صدی پیشتر ہندوستانی زبان میں مشرق کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ملک جاپان کے متعلق کوئی سرمایہ معلومات نہ تھا، ادھر چند برسوں میں جو چند کتابیں تالیف و ترجمہ ہوئیں، انکی تعداد بھی

نہ ہونے کے برابر ہے، ان میں سب سے زیادہ مفصل، جامع اور پر از معلومات شیخ بدر الاسلام فضلی کی کتاب "حقیقتِ جاپان" ہے، جس پر ان اوراق میں ریویو ہو چکا ہے، زیر تبصرہ کتاب اس موضوع پر ایک مفید اضافہ ہے،

مسٹر چمن لال نے تقریباً دو سال ہوئے، ساری دنیا کی سیاحت کی تھی، اس سلسلہ میں انھوں نے جاپان کو بھی دیکھا، زیر نظر کتاب اسی سفر کا نتیجہ ہے، چونکہ مصنف قوم پرور جماعت سے تعلق رکھتا ہے، اسلئے اس نے زیادہ تر اسی نقطۂ نگاہ سے جاپان کو دیکھا ہے، جس کی جھلک کتاب کے ہر صفحہ پر نظر آتی ہے، چنانچہ اس کتاب میں جاپان کی صنعتی ترقیوں کی تفصیلات اور ان کے اعداد و شمار سے زیادہ اس کے اسباب و علل اور بنیادی امور دکھائے ہیں، مثلاً جاپانیوں کے خصائص، انکی قومیت و وطن پرستی، اور ان جذبات کی وسعت اور ہمہ گیری، ان کی اعلیٰ سیرت، استقلال، محنت و سادگی، ضبط و نظام شہنشاہ سے عقیدت، ملکی صنعت و حرفت کی ترقی میں حکومت کی امداد، جاپانیوں کا اصول تجارت و صنعت، مزدوروں کا نظام، ان سے ہمدردی، معاشرت کی سادگی، اخبارات کی کثرت، عوام کا ذوقِ مطالعہ، تعلیم کی عمومیت و ہمہ گیری، صنعتی تعلیم کی اہمیت و وسعت، جاپانی صنعت کی معاون قدرت کی فیاضیاں، جنگلات، معدنیات اور پیداوار وغیرہ، اور ان سب کے نتائج،

ان بنیادی اور اصولی امور کے ساتھ ساتھ عام واقفیت کے لئے وہاں کے صنعتی، حرفتی، تعلیمی، تمدنی ترقیوں، اور جاپانی معاشرت کے مختلف پہلوؤں، ان کے عقائد و مراسم، ملک کی سرسبزی و شادابی، اور قدرتی مناظر کے حالات بھی ہیں، معاشرت میں ہندوستان کے ساتھ جابجا موازنہ بھی کیا گیا ہے، چند تصویریں بھی ہیں، غرض مجموعی حیثیت سے یہ کتاب نہایت مفید و کار آمد اور ہندوستانیوں کے لئے سبق آموز ہے، محمود علی خاں صاحب شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھوں نے اس کتاب کو ہندوستانی زبان کا جامہ پہنا کر عام لوگوں کو بھی اس سے استفادہ کا موقع دیا،

رسالۂ دینیات حصہ اول، دوم، سوم، چہارم

مرتبہ مجلس نصاب کتب شعبۂ دینیات، اخلاقیات سلسلۂ کتب درسیۂ سررشتۂ تعلیمات سرکار عالی، کاغذ، کتابت و طباعت و تقطیع متوسط، مجمع علی الترتیب

۶۶، ۲، ۵۰، ۲، قیمت ۲/ ۲/ ۴/ ۲/ پتہ مولوی سید عبد القادر صاحب و مولوی غلام دستگیر صاحب تاجران کتب چار کمان حیدرآباد دکن،

یہ سالے ابتدائی جماعتون کیلئے لکھے گئے ہیں، پہلے حصہ میں اللہ اسکے رسول اور دین اسلام کو سمجھایا گیا ہی پھر ساتھیوں سے میل، استاد کا ادب، سچائی اور دیانت وغیرہ کی خوبیاں دکھائی گئی ہین، دوسرے حصہ میں ایمان، اللہ تعالیٰ کے متعلق اسلامی عقائد، فرشتے، اللہ تعالیٰ کی کتابیں، اسکے انبیاء و رسل، قیامت، حشر و نشر اور تقدیر، پھر صفائی و طہارت، سچائی، رشتہ دارون اور پڑوسیون کے حقوق کی اخلاقی تعلیمات ہین، تیسرے حصہ میں بڑے بڑے پیغمبروں کے نام اور آنحضرت صلعم کے مختصر حالات ہیں، پھر وضو، تیمم، نماز کے طریقے اور انکے متعلق ضروری مسائل بتائے گئے ہین، انکے بعد اتفاق، محنت، اخوت، نیتِ عبادت، ہمدردی، سخاوت اور غرور کے مفید اور اخلاقی اسباق ہین، آخر میں اذان، اقامت اور نماز کی دعائین ہین چوتھے حصہ میں جمعہ، عیدین اور جنازہ کی نمازیں، زکوٰۃ، صدقۂ فطر، قربانی، عقیقہ، حج اور جہاد کے ضروری اور ابتدائی مسائل ہین پھر عام فہم زبان میں آنحضرت صلعم حضرت خدیجۃ الکبریٰ اور عائشہ صدیقہ کی مختصر سیر پاک اور بقیہ ازواجِ مطہرات کے اسمای گرامی ہین اہلِ بیت نبوی میں فاطمہ زہرا اور حسنین علیہما السلام کے مختصر حالات اور عشرہ مبشرہ کے نام گنائے گئے ہین، آخر میں ایفاے عہد، امانت و دیانت، راست بازی، ایثار، حسد سے احتراز، سادہ زندگی اور استقلال اور عفو کی اخلاقی تعلیمات ہین، ضمیمہ میں جمعہ، اذان، اقامت، اذکار نماز، اور افطار، جنازہ اور قربانی وغیرہ کی دعائیں ہیں، نصابی کتابون کے طرز پر ہر سبق کے آخر مین اسکے متعلق سوالات ہیں، کتاب بچونکی ابتدائی تعلیم کے لئے نہایت مفید ہے،

گردشِ ایام از جناب حکیم شرافت حسین صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۹۲ صفحات کاغذ سپید کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸/ پتہ حکیم شرافت حسین صاحب مکان شیخ اقبال علی صاحب ایڈوکیٹ بھوپال ہاوس گھسیاری منڈی لکھنؤ

اس کتاب میں قصہ کے پیرایہ میں مسلمانون کے بیجا رسوم اور اسراف کے تباہکن نتائج دکھائے گئے ہین، ایک شریف زمیندار رسوم کے بیجا مصارف کیوجہ سے اپنی جائداد پر اتنا بار چھوڑ جاتا ہی کہ اسکا لڑکا کفایت شعاری کے باوجود اسکو ادا نہین کر سکتا، اور اسی غم میں مرجاتا ہے، ساری جائداد نیلام ہو جاتی ہی اور گھر برباد ہو جاتا ہی، اس کا کمسن مگر غیور لڑکا اپنی محنت سے ترقی کرکے پھر خاندان کی عزت بحال کرتا ہے، یہ حقیقت آمیز افسانہ مفید اور سبق آموز ہے،

(م)

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۵۵ صفحے قیمت للعہ ازمولنا عبد السلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ و کتابت عمدہ ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

گل رعنا - اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت:- صہ ازمولنا سید عبد الحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصہ اول - ضخامت ۴۴۹ صفحے، قیمت:- ۱۲ر

حصہ دوم، ۲۶۱ ۱۱ر

موازنہ انیس و دبیر (ازمولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو اور اس میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۰۴ صفحے، قیمت: ہے رسے ر

کلیات شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے بیس سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

افاداتِ مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز مرحوم مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ہے حجم ۳۰۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲ر کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (ازمولنا سید ریاست علی ندوی)

دار المصنفین کی جدید فہرست

کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف

۱۹۳۵ء سے ہم نے دار المصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کر دی ہی، مکتبۂ دار المصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہو گئی ہی، امید ہی کہ جو لوگ اس وقت تک دار المصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دار المصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ روپیہ ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت ۲۶؏ ۸ ہی لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیے میں دیا جائیگا لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دار المصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جا سکتا، کمیشن کی رعایت بہر صورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی　　منیجر دار المصنفین　　اعظم گڈھ

(مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شایع کیا،)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۷

اکتوبر سنہ ۱۹۳۶ء

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ (۵) روپیہ سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

دار المصنفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد اول۔ مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے، جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی اہلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب، جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۵۴۴ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت: للعہ ر جلد دوم زیر طبع ہے، مرتبہ سید ریاست علی ندوی،

تاریخ فقہ اسلامی، مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جسمیں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت للعہ ر مترجمہ مولانا عبد السلام ندوی،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۳۹۷ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت:- للعہ ر مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی

مقدمہ رقعات عالمگیر، اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغہ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ ضخامت ۴۸۰ صفحے، قیمت: صہ مصنفہ سید نجیب اشرف ایم اے، ندوی،

الفاروق یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت صحابہ کے فتوحات، طریقہ حکومت، عراق و شام مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل، اور اسلام کی علمی تعلیم کا شاندار منظر،

مولانا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گراں پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت:- للعہ

خلفائے راشدین، سیر المہاجرین کا حصہ اول، یہ چاروں خلفاء کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۴۸۰ صفحے قیمت: ہے، از مولانا حاجی معین الدین ندوی

(دار المصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنفین اعظم گڈہ

جلد ۳۸ | ماہ رجب المرجب ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۳۶ء | عدد ۴

مضامین

دار المصنفین میں ایک مفصل و مبسوط تاریخ اسلام کی تالیف کا خیال شروع سے تھا، پانچ چھ برس ہوئے کہ مختلف رفقا، کو اس تاریخ کی مختلف جلدیں حوالہ کی گئیں، انھون نے اس مدت مین اپنے اپنے دور کی تاریخ کا مطالعہ کیا، واقعات کی تلاش و تحقیق کی، اور بڑی بڑی سلطنتون سے لیکر چھوٹی چھوٹی ریاستون تک کا پتہ لگایا، اور دُو دُو جلدون مین مشرقی، مغربی اور ترکی سلطنتون کی تاریخیں مرتب کیں، اوراب موجودہ اندازہ کے مطابق یہ تاریخ چھ ضخیم جلدوں میں تمام ہو گی، اس کی چھپائی کا کام امید ہے کہ آیندہ سال سے شروع ہو جائے،

ہمارے حکیم شاعر ڈاکٹر سر محمد اقبال کا ایک نیا ادبی معجزہ ضربِ کلیم[1] کے نام سے ظاہر ہوا ہے، اس مین موصوف کی وہ تازہ اردو نظمین ہیں جن میں اسلام کے نقطۂ نظر سے زمانۂ موجودہ کے خیالات پر تبصرہ کیا گیا ہے، لیکن معلوم نہین کہ یہ حضرت کلیم کی وہ ضرب ہے جو بحرِ احمر پر پڑی تھی جس سے دریا پھٹ گیا تھا، اور اس سے ایک قوم آزاد اور دوسری برباد ہوئی تھی، یا وہ ضرب ہے جو وادیِ تیہ کی ایک چٹان پر پڑی تھی جس سے پانی کی بارہ دھاریں بنی اسرائیل کے پیاسون کے لئے پھوٹی تھین، بہرحال ان دُو مین سے جو ہو وہ ہمارے لئے فالِ نیک ہی ہے،

حضرت اقبال کی شاعری، اب شاعری کے حدود سے نکل کر خالص حکمت کے سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچ چکی ہے اور اِنّ مِنَ الشِّعرِ لحکمۃً کے خلعتِ نبوی سے سرفراز ہو چکی ہے، اب ان کی شاعری مین جذبات کا سراب نہین، بلکہ عقل و حکمت کا چشمۂ حیات ہے، اب وہ لطف و لذت نہین، بلکہ بصیرت اور موعظت ہے، وہ مسلمانون کو اب ان کے بزرگون کا تاریخی پیغام سنانے کے لئے نہیں، بلکہ ان کو قومون کے عروج و زوال کا فلسفہ سمجھانے کیلئے ہے، وہ اب میدانِ جنگ کا رجز یا مسافرانِ راہ کے لئے بانگِ درا نہین، بلکہ وہ غور و فکر کے غارِ حرا سے ناموسِ اکبر کی آواز، اور جبریلِ امین کا پیام ہے،

[1] دفتر طلوع اسلام ۲۵ میکلوڈ روڈ لاہور، قیمت:- عہ

آج کل یورپ سے چند نئی کتابیں چھپ کر شائع ہوئی ہیں، مثلاً رومہ سے ابو حاتم رازی کی منتخب اعلام النبوۃ، پیرس سے بیرونی کا رسالہ محمد بن زکریا رازی کی فہرست کتب میں، اور شیخ شہاب الدین سہروردی کا فارسی رسالہ آواز پر جبریل، اسی طرح برلن سے متکلمین کے جز لا یتجزیٰ پر جرمن میں ڈاکٹر پینس (PENES) کا مقالہ اور پیرس سے شہر کوفہ کے نقشہ اور تشریحات پر پروفیسر میسینون کا مقالہ فرنچ میں،

امسال مرحوم مارمڈیوک پکتھال کے علاوہ جن کو ہم سب جانتے تھے، کئی نامور مستشرقین نے وفات پائی، اٹلی کے پرنس کائتانی اور پروفیسر گویدی اور لائڈن کے پروفیسر اسنوک ہرخرونئے نے امسال ہماری دنیا کو الوداع کہا، پرنس کائتانی تاریخ اسلام کے عالم، اور گویدی عربون کے ریاضیات اور جغرافیہ کے ماہر اور اسنوک ہرخرونئے "محمڈنزم" نامی کتاب کے مصنف ہیں، جس کو انھوں نے خطبہ کی صورت میں امریکہ کی "مجلس تاریخ مذاہب" میں پیش کیا تھا، اور بھی دوسری کتابیں اور مضامین ان کے قلم سے نکلے تھے،

مصر میں جب سے شیخ مصطفےٰ مراغی نے ازہر کی عنان مشیخت اپنے ہاتھ میں لی ہے، وہان بہت سی اصلاحات وجود میں آئی ہیں، اب ازہر پرانا مدرسہ نہیں رہا، بلکہ یورپ کے طرز کی یونیورسٹی بن رہا ہے، اس وقت وہان کی اعلیٰ تعلیم تین کالجون پر منقسم ہے، عربی زباندانی کا کالج (کلیۃ اللغۃ العربیۃ) مذہبی عقائد کا کالج (کلیۃ اصول الدین) اور فقہی علوم کا کالج (کلیۃ الشریعہ) ہر ایک کی تعلیم کی مدت چار سال ہے، اس کے بعد تخصص، یعنی خاص خاص علوم میں تکمیل کے درجے ہیں، پہلے کالج میں تکمیل کے دو شعبے ہیں، نحو و قواعد، اور بلاغت، دوسرے کالج میں اس کے چار شعبے ہیں، دعوت و تبلیغ وارشاد، توحید و کلام، علوم قرآن و حدیث اور تاریخ اسلام، تیسرے کالج کے دو تکمیلی شعبے ہیں، قضاء شرعی، اور فقہ و اصول، معلوم نہیں اس نئے قالب میں دینداری کی پرانی روح بھی رہی یا نہیں،

آجکل مصر میں قرآن پاک کے ترجمہ پر بڑے جھگڑے برپا ہیں، ایک فریق اس کو ناجائز کہتا ہے، اور دوسرا اسکو واجب بتاتا ہے، اس پر فریقین نے رسائل اور مضامین لکھے ہیں، خدا رحمت بھیجے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے خاندان پر کہ انھون نے فارسی اور ہندستانی میں قرآن پاک کا ترجمہ فرما کر ہندوستان کے مولویوں کو اس جھگڑے سے بچا لیا

ورنہ عجب نہین کہ یہان جواز وعدم جواز سے بڑھکر شاید کفر و اسلام کا معیار قرار پاجاتا،

مولنا شبلیؒ و مولانا حمید الدینؒ کے فتواے تکفیر پر دستخط کرنے والون مین دوسری اہم شخصیت جناب مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی تھی، موصوف نے حقیقتِ حال سننے اور مولانا شبلی کی آخری تحریر دیکھنے کے بعد اپنے فتوے سے رجوع فرمایا، مولانا حمید الدین صاحب کے دونون فقرون کے متعلق فرماتے ہین کہ ان کو زیادہ سے زیادہ نقص تعبیر، یا سماجتِ بیان کہہ سکتے ہین، ان سے کفر لازم نہین آتا، ان کی پوری تحریر اخبار صدق لکھنؤ مین چھپی ہے، مولوی محمد طیب صاحب دیوبندی نے بھی رجوع کیا، انھون نے اپنا خط مدینہ بجنور مین چھپوایا ہے، اسی طرح مولوی لطف اللہ صاحب شاہجہانپوری مدرس زکریا مسجد بمبئی نے بھی رجوع فرمایا، اُن کا خط الاصلاح سرائے میر مین چھپا ہے، فالحمد للہ،

افسوس کہ اس مہینہ مولوی نور الحسن صاحب نیر (بی اے ال ال بی) خلف حضرت محسن کاکوروی نے ایک مدت کی علالت کے بعد وفات پائی، وہ انگریزی کیساتھ عربی کے بھی عالم تھے، ندوۃ العلمار کے ممتاز رکن، اور دار العلوم کے سابق معتمد تھے، وہ سخنور، سخن سنج، سخن شناس، سخندان سب کچھ تھے، ان کی زندگی کا سب سے اہم کارنامہ اردو لغت نور اللغات کی تالیف ہے، خدا ہمارے اس ادیب شاعر کو اپنی رحمت کے انعام واکرام وصلہ سے سرفراز فرمائے،

ہمارے دوست کشن پرشاد کول نے ہندوستانی میں ہندی اردو پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، وہ چاہتے ہین کہ ہندی اور اردو دونون کے لئے الگ الگ ترقی کی راہین کھلی رہین، اور ملک کی سرکاری تعلیمی اور عام صوبجاتی زبان انگریزی قائم رہے، پہلی تجویز تو وہی ہے جس کا زمانہ اپنے اصول کے مطابق پہلے ہی فیصلہ کر چکا ہے کہ نہ اردو ہندی کو مٹا سکتی ہے، نہ ہندی اُردو کو، اور دونوں اپنی اپنی راہ چلتی رہینگی، لیکن دوسری تجویز ایک سیاسی اہل الرائے کی دور بینی سے بہت دور ہے، اس عارضی زبان کی عالمگیری تو اسی وقت تک ہے جبتک اسکی شہنشاہی کا چتر آپکے سر پر سایہ فگن ہے، کیا آج اکبر اور عالمگیر کی فارسی شہنشاہی قائم ہے؟ تو پھر کل کیلئے انگریزی کی شہنشاہی کا تصور آپ کیونکر کر سکتے ہین، حکمران قوم کی زبانی حکمرانی، انکی شاہی حکمرانی کیساتھ ہے، امریکہ کی مثال نہ پیش کیجئے کہ وہ پنج میل قوم پہلے سے نہ اپنا کوئی تمدن رکھتی تھی، نہ قومیت، نہ جنسیت، نہ زبان،

مقالات

تابعینؒ

اور اُن کے علمی اور مذہبی کارنامے،

از شاہ معین الدین احمد ندوی

تم دنیا کے کسی مذہب کی تاریخ پر نظر ڈالو تم کو اس کے ابتدائی ابواب عملی نمونون سے خالی نظر آئین گے، تمام مذاہب عالم مین یہ امتیاز صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے اپنے دور تاسیس ہی میں اپنے پیروون کی ایسی جماعت پیدا کر دی تھی، جو اسلامی تعلیمات کا مجسم پیکر تھی، جس کے آئینۂ عمل مین اس کے ایک ایک خط و خال نمایاں تھے، یہ جماعت صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی تھی، جو آنحضرت صلعم کے بعد تعلیمات اسلامی کی حامل اور دینی علوم کی وارث ہوئی،

پھر یہ سلسلہ صحابہ پر تمام نہین ہوگیا، بلکہ اسلام کی سحر آفرین روحانیت کے اثر سے کئی پشتون تک اسی زور و قوت کے ساتھ قائم رہا، جنھین ہم اصطلاح مین "تابعین" اور "تبع تابعین" کے نام سے تعبیر کرتے ہین، قرآن نے برسوں پہلے اس مقدس طبقہ کا تعارف کرا دیا تھا، کہ وہ مہاجرین و انصار کے نقش قدم پر ہوگی، اور رضوان الٰہی کے طغراے امتیاز سے سرفراز ہوگی،

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ	اور مہاجرین و انصار میں جن لوگوں نے قبول اسلام میں
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ	سبقت کی اور سب سے پہلے ایمان لائے اور جو لوگ

رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتِ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ (توبہ)

خوبی کے ساتھ ان کے پیچھے ہوئے، خدا اُن سے خوش اور وہ خدا سے خوش ہیں، خدا نے ان کیلئے باغ تیار کر رکھے ہیں جن کے نیچے نہریں رواں ہیں،

احادیث میں اس سے زیادہ اور صریح الفاظ میں ان کو "خیر" کے لفظ سے یاد فرمایا گیا ہے،

خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم،

زمانوں میں سب سے اچھا میرا زمانہ ہے، پھر وہ لوگ جو ان کے بعد ہونگے، پھر وہ لوگ جو اُنکے بعد ہونگے،

یعنی اسلام کے تین طبقات یا تین عہد زریں ہیں، جنہیں مسلمانوں کے عملی قوی پورے شباب پر ہونگے، ان میں ہمارا موضوعِ بحث تابعین کا طبقہ ہے، جس نے صحابۂ کرام سے علمی اور روحانی فیض حاصل کرکے اس کو سارے عالم میں پھیلایا،

تابعی کی تعریف صحابہ کی طرح تابعین کی تعریف میں بھی علماء کا اختلاف ہے، بعضوں کے نزدیک تابعی وہ ہے جس نے کسی صحابی کی صحبت اٹھائی ہو، بعض صحبت اور ہم نشینی کو بھی ضروری نہیں سمجھتے، بلکہ صرف صحابی کی رویت کو کافی سمجھتے ہیں، لیکن درحقیقت تابعی وہ ہے جو کسی صحابی کی صحبت اور اس کے کمالات سے فیضیاب ہوا ہو، اور اسی میں کمی یا زیادتی اور زمانۂ نبوت سے قرب و بعد کے اعتبار سے تابعین کے طبقات قائم کئے گئے ہیں،

جماعتِ تابعین اور عہد تابعین میں فرق تابعین صحابۂ کرام کے دامن فیض کے تربیت یافتہ تھے، اس لئے علمی و اخلاقی کمالات میں ان کا عکس و پرتو تھے، لیکن اس موقع پر ایک فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے، وہ یہ کہ جماعتِ تابعین اور عہد تابعین دونوں میں بڑا فرق ہے، شرفِ صحبت اور اس کے آثار کو چھوڑ کر مذہبی روح کے اعتبار سے تابعین اور صحابہ میں بہت کم فرق تھا، جو فرق تھا بھی وہ تابعیت کے نقص و کمال کے اعتبار سے تھا، اور یہ فرق وہ ہے جس سے جماعتِ صحابہ بھی مستثنیٰ نہ تھی، مہاجرینؓ و انصارؓ اور فتحِ مکہ

کے بعد مؤلفۃ القلوب صحابہ مین علانیہ فرق نظر آتا ہے، اس کے مقابلہ مین دورِ تابعین مین عہدِ رسالت کے بُعد، دولت کی فراوانی، غیر اسلامی تمدن کی اشاعت اور غیر قومون کے میل جول سے یہ دور بہت کچھ بدل گیا تھا، اور بیرونی اقوام کے اثرات سے عہدِ صحابہ کی سادگی ختم ہوگئی تھی، لیکن تابعین کی جماعت اس سے اثر پذیر نہ ہوئی، بلکہ اسلام کی امانتون کو محفوظ رکھکر اسکو ساری دنیا مین تقسیم کیا،

جہانتک خالص دین اسلام کا تعلق ہے، عہد نبوی مین مکمل ہوچکا تھا، آنحضرت صلعم نے اس کی ایک ایک تعلیم کو برت کر دکھا دیا تھا، اور صحابہ نے اُسے جان لیا تھا، پہچان لیا تھا، اور عمل کرکے دکھا دیا تھا، اور الیوم اکملت لکم دینکم کی مہر تکمیل کے بعد اس مین کسی ترمیم و اضافہ کی گنجایش نہ تھی، لیکن اس کے جزئیات، تفصیلات اور متعلقات مین ترقی کی بڑی وسعت تھی جو تابعین کے ہاتھون مکمل ہوئی، انھون نے جزئیاتِ مسائل کا استقصار کیا، علوم دینیہ کی بنیاد رکھی، نئے علوم پیدا کئے، اسلام کی اشاعت کی، مذہبی علوم کو پھیلایا اور اس قبیل کے بہت سے کام کئے جو عہد صحابہ مین تشنۂ تکمیل رہ گئے تھے،

ان کا سب سے بڑا کارنامہ دینی علوم کی خدمت، اس کی حفاظت و اشاعت ہے، اس لئے سب سے اوّل ہم اسی کو پیش کرتے ہین، انھون نے بڑی جانکاہ مشقتین اٹھا کر دنیاے اسلام کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چُنکر علم کا خرمن جمع کیا، اگر وہ اس راہ مین بڑی بڑی قربانیان کرکے علم کو محفوظ نہ کرتے تو دینی علوم کا بڑا حصہ برباد ہوجاتا، آج ہمارے پاس ان کا جو کچھ ذخیرہ ہے، وہ سب تابعین ہی جانکاہیون کا طفیل ہے، اس مختصر مضمون مین اس پر تفصیلی بحث کی گنجایش نہین، اس لئے صرف اجمال اور سرسری تبصرہ پر اکتفا کیجاتی ہے،

عہد تابعین مین حصول تعلیم کی دشواریاں

جب ہم اس عہد کے تعلیمی نظام اور حصولِ تعلیم کی دشواریون پر نظر ڈالتے ہین تو تابعین کے خدمات کی قدر و قیمت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، اس زمانہ مین آجکل کی طرح تعلیم و تعلم کا کوئی باقاعدہ نظام نہ تھا، نہ یہ سہولتین میسر تھین اور نہ تعلیم کے لئے کوئی خاص مقام مخصوص

تھا مکہ مدینہ، کوفہ اور بصرہ وغیرہ علمی مرکز ضرور تھے، لیکن ان مین سے کوئی مقام ایسا نہ تھا جو علم کے حقیقی جویا کو دوسرے مقامات سے بالکل مستغنی کر دیتا، بلکہ اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ دینی علوم کے سرچشمے ساری دنیاے اسلام مین پھیل گئے تھے، اس لئے ایک شائق علم کو خراسان سے لیکر مصر و مغرب تک کی خاک چھاننی پڑتی تھی، دنیاے اسلام مین کوئی مرکزی مقام ایسا نہ تھا جہان صحابہ کی مسند علم وارشاد نہ بچھی ہو، مثلاً حضرت علیؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، سعید بن زیدؓ، عبد اللہ بن مسعودؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، سلمانؓ فارسی، ابو مسعود انصاریؓ، براء بن عازبؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عمار بن یاسرؓ، خبابؓ بن ارت وغیرہ اکابر صحابہ زیادہ تر کوفہ مین مقیم تھے، عتبہ بن غزوانؓ، بریدہ بن حصیبؓ، ابو برزہ اسلمیؓ، عمران بن حصینؓ، انسؓ ابن مالک، ثابت بن زیدؓ، ابو بکرہؓ، معقل بن یسارؓ وغیرہ کا مستقر بصرہ تھا، ابو درداء انصاریؓ، بلال حبشیؓ، امیر معاویہ وغیرہ صحابہ کی ایک معتد بہ تعداد شام مین تھی، عمرو بن العاصؓ، عبد اللہ بن عمرو بن العاص وغیرہ مصر مین تھے، ابن سعد نے ہر ہر ملک کے صحابہ کے علحدہ علحدہ طبقات لکھے ہین، جن کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مفتوحہ ممالک میں سے کوئی ایسا ملک نہ تھا جہان صحابۂ کرام کے قدم نہ پہنچے ہون، تابعین کے عہد مین اس کا دائرہ اور زیادہ وسیع ہو گیا تھا، صحابہ عموماً مرکزی مقامات پر رہتے تھے اور تابعین تو قریہ قریہ مین پھیل گئے تھے، ایسی حالت میں ایک طالب علم کو مشرق سے لیکر مغرب تک کا دورہ کرنا پڑتا تھا، لیکن یہ دشواریان تابعین کے ذوق طلب مین حارج نہ ہو سکین، اور انھون نے دینی علوم کی تحصیل کے لئے ساری دنیا کی خاک چھان ڈالی،

حصولِ تعلیم کی راہ میں تابعین کی مشقتین مکحول دمشقی نے جو بڑے جلیل القدر تابعی ہین تحصیل علم کے لئے ساری دنیاے اسلام کا سفر کیا، سب سے پہلے انھون نے مصر مین جو ان کا ابتدائی مستقر تھا علم حاصل کیا، جب یہان کا سارا علم اپنے دامن مین سمیٹ چکے تو مدینہ گئے، یہان سے لعل و گہر لینے کے بعد عراق پہنچے، پھر شام کا سفر کیا، غرض انھون نے دنیاے اسلام کا چپہ چپہ چھان مارا، ان کا خود بیان ہے کہ

میں نے علم کی تلاش میں ساری دنیا کی خاک چھانی[1] علم کی تحصیل میں بڑی جانکاہ مشقتیں اٹھاتے تھے، امام شعبی سے جو بڑے جلیل القدر امام تھے، ایک شخص نے پوچھا آپ نے اتنا علم کہاں سے حاصل کیا، انھوں نے جواب دیا غم واندوہ کو بھلا کر، ملک ملک کی خاک چھان کر، گدھوں کی قوت برداشت اور کووں کی سحر خیزی پیدا کرکے[2] پھر تحصیل علم کے لئے کسی عمر کی قید نہ تھی، بلکہ بچپن سے لیکر بڑھاپے تک اس کا سلسلہ جاری رہتا تھا، صالح بن کیسان نے سن کہولت میں تحصیل علم کی[3] حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے نامور غلام عکرمہ نے کامل چالیس سال طالب علمی کی[4] قتادہ بچپن سے لیکر مرتے دم تک طالب علم رہے[5] نافع نے تیس برس حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی خدمت میں بسر کر دی[6]،

طلب علم کا ذوق ان کے رگ وریشہ میں سرایت تھا، امام شعبی کا جنھوں نے خود بڑی محنت سے تحصیل علم کی تھی، مسروق بن اجدع کے متعلق بیان ہے کہ میں نے ان سے زیادہ علم کا طالب نہیں دیکھا[7] بحیر خالد بن معدان کے بارہ میں کہتے تھے کہ میں نے ان سے زیادہ علم سے چمٹنے والا نہیں دیکھا[8] امام ذہبی کثیر بن مرہ کے حالات میں لکھتے ہیں کہ وہ امام عالم اور بڑے طالب علم تھے[9] ابن شہاب زہری ہر وقت کتابوں کے ڈھیر میں گھرے رہتے تھے، ان کی بیوی تنگ آکر کہتی تھیں کہ یہ کتابیں میرے لئے تین سوتوں کے جلاپے سے زیادہ ہیں، (ابن خلکان ج اول ص ۴۵۱)

ذوق علم کی وسعت وہمہ گیری	تابعین کا یہ ذوق کسی ایک فن کے ساتھ مخصوص نہ تھا، بلکہ جملہ علوم کے ساتھ یکساں شغف تھا جس کا اندازہ ان کی جامعیت سے ہوتا ہے، ائمہ تابعین بہ یک وقت

تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ جملہ علوم کے امام تھے، سعید بن جبیر عبداللہ بن عباسؓ کے حلقۂ درس میں شرکت

---

[1] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۵، [2] ایضاً ص ۱، [3] ایضاً صفحہ ۱۳۳، [4] ایضاً صفحہ ۸۴،
[5] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۰، [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول صفحہ ۸۸ [7] ایضاً صفحہ ۴۳،
[8] تذکرۃ الحفاظ ج ا صفحہ [9] ایضاً صفحہ ۴۴

ہوتے تھے جس میں قرآن و حدیث، تفسیر، فقہ، ادب و انشا، شاعری اور جملہ فنون کا دریا بہتا تھا[۱]، اس حلقہ میں ہر علم و فن کے سائلین آتے تھے ابن عباسؓ انھیں جو جوابات دیتے تھے ابن جبیر سب کو قلمبند کر لیتے تھے، بعض بعض دن سائلین کی اتنی کثرت ہوتی تھی کہ ابن جبیر کی بیاض پر ہو جاتی تھی اور کپڑون اور ہتھیلیوں پر لکھنے کی نوبت آجاتی تھی[۲]،

ابن شہاب زہری کا ذوق اتنا ہمہ گیر تھا کہ جو کچھ سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے، ابو الزناد کا بیان ہے کہ ہم لوگ صرف حلال و حرام کے مسائل قلمبند کرتے تھے اور زہری جو کچھ سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے[۳]، یہی وجہ ہے کہ ان کو جملہ فنون پر یکسان کمال حاصل تھا، جس فن پر وہ گفتگو کرتے تھے وہ ان کا خاص موضوع معلوم ہوتا تھا[۴]،

تابعین کا علمی درجہ | اس ذوق و طلب نے تابعین کو جملہ فنون مین صاحبِ کمال بنا دیا تھا، تفسیر، حدیث، فقہ، فرائض، مغازی، سیرت کوئی فن ایسا نہ تھا جس مین بڑے بڑے ائمہ موجود نہ رہے ہون،

تفسیر مین | تفسیر میں سب سے زیادہ ممتاز مجاہد بن جبیر کی شخصیت تھی، انھون نے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے جو صحابہ میں قرآن کے سب سے بڑے مفسر تھے، تیس مرتبہ قرآن کا دورہ کیا تھا[۵]، اور اس محنت و تحقیق کیساتھ کہ ہر ایک آیت کے جملہ متعلقات اور ما لہ و ما علیہ کا پورا استقصا کرتے جاتے تھے[۶]، دوسرے ممتاز مفسر ابن عباسؓ کے غلام عکرمہ تھے جن کی انھون نے بڑے اہتمام کے ساتھ تعلیم و تربیت کی تھی، خصوصاً تفسیر بڑی محنت سے پڑھائی تھی[۷]، تفسیر مین ان کا کوئی حریف نہ تھا، عباس بن مصعب مروزی کا بیان ہے کہ ابن عباسؓ کے تلامذہ مین عکرمہ تفسیر کے سب سے بڑے عالم تھے[۸]، امام شعبی کہتے تھے کہ عکرمہ سے بڑا تفسیر کا جاننے والا کوئی باقی نہین ہے[۹]، قتادہ جو خود بہت بڑے مفسر تھے ان کے کمال علم کے معترف تھے[۱۰]، اس

---

۱ مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۳۸ ۲ ابن سعد ج ۶ ص ۱۷۹ ۳ تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۸، ۴ تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۱۰۹ ۵ ابن سعد ج ۵ ص ۹ ۶ تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۴۳ ۷ ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۲، ۸ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۰ ۹ ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۲ ۱۰ تہذیب التہذیب ج ۷ ص ۲۶۶،

عہد کے بڑے بڑے فضلاء نے ان سے تفسیر حاصل کی ہے، چنانچہ مجاہد اور ابن جبیر ان سے استفادہ کرتے تھے، تیسرے مفسر سعید بن جبیر تھے، یہ بھی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ کے خرمنِ کمال کے خوشہ چین تھے[۱]، یہ تفسیر کا درس بھی دیتے تھے[۲]،

چوتھے بزرگ جابر بن زید تھے، یہ بھی حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے تلمیذ رشید تھے، اور شاگرد کے متعلق استاد کی یہ رائے تھی کہ اگر ان کے ہم وطن (بصری) کتاب اللہ کے بارہ میں جابر کا قول اختیار کریں تو قرآن میں ان کا علم نہایت وسیع ہو جائے[۳]، پانچویں عالمِ قرآن قتادہ بن دعامہ سدوسی تھے، تفسیر قرآن پر ان کی نظر اتنی وسیع تھی کہ کوئی آیت ایسی نہ تھی جس کے متعلق ان کے کچھ نہ کچھ معلومات نہ رہے ہوں[۴]، امام احمد بن حنبل فرماتے تھے کہ قتادہ تفسیر قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے[۵]، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ قرآن کے سب سے بڑے جاننے والے تھے[۶]، چھٹے بزرگ حضرت حسن بصری تھے انھوں نے بارہ سال کی عمر میں قرآن کی تعلیم حاصل کر لی تھی، اور اس محنت اور تلاش و تحقیق کے ساتھ تفسیر پڑھی تھی کہ جب تک ایک سورہ کی تفسیر و تاویل اور شانِ نزول وغیرہ جملہ معلومات کا پورا احاطہ نہ کر لیتے اس وقت تک آگے نہ بڑھتے[۷]، صاحبِ درس بھی تھے ان بزرگوں کے علاوہ اور بہت سے مفسرین تھے، لیکن یہ لوگ امتیازی پایہ رکھتے تھے،

تفسیر کی اشاعت حفاظت اور تدوین

ان بزرگون کے تفسیری کمال سے زیادہ ان کا کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے تفسیر کی حفاظت و اشاعت کی، ان مین ایک آدھ کے علاوہ باقی تمام صاحب درس تھے، ان کے حلقۂ درس سے سیکڑون مفسرین پیدا ہوئے، اس سے بھی بڑی خدمت یہ ہے کہ ان میں سے بعض نے تفسیر قرآن پر مستقل کتابین لکھین جنکا اگرچہ آج کہین پتہ نہین ہے لیکن کتابون

[۱] ابن خلکان ج ۱ ص ۲۰۴ [۲] ابن سعد ج ۶ ص ۱۸۶ [۳] تہذیب التہذیب ج ۲ ص ۳۸ [۴] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۹ [۵] ایضاً [۶] تہذیب التہذیب ج ۸ ص ۳۵۵ [۷] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۳۷،

میں ان کا ذکر ملتا ہے، ابن ندیم نے مجاہد، حسن بصری، سعید بن جبیر، امام باقر، عکرمہ اور حضرت علیؓ کے ایک رفیق ابو حمزہ کی تفسیروں کا ذکر کیا ہے[1] گو آج یہ ناپید ہیں، لیکن انہی بنیادوں پر تفسیر کی عمارت قائم ہوئی

حدیث

تفسیر سے زیادہ تابعین کو حدیث کے ساتھ ذوق بلکہ شغف و انہاک تھا، اس فن شریف کو انھوں نے جس ذروۂ کمال تک پہنچایا اس کی تفصیل کیلئے مستقل کتاب چاہئے، تحصیلِ علم کے سلسلہ میں اوپر تابعین کی جن مشقتوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ زیادہ تر حدیث ہی کی طلب میں تھیں،

حدیث کا ذوق اور اسکی طلب میں شغف و انہاک

سعید بن جبیر ایک ایک حدیث کی تلاش میں کئی کئی دن اور کئی کئی رات کا سفر کرتے تھے[2]، ابو قلابہ جرمی محض ایک حدیث سننے کے لئے کئی کئی دن تک مدینہ میں مقیم رہتے تھے[3]، ابن شہاب زہری احادیث کی تلاش میں مدینہ کی گلی گلی کا چکر لگاتے تھے، کمسن من، پیر و جوان اور زن و مرد مدینہ کے ہر فرد سے استفادہ کرتے تھے[4] مکحول نے ساری دنیائے اسلام چھان ڈالی، حدیث میں تابعین کی تلاش و جستجو کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک نہیں سیکڑوں تابعین ایسے ہیں جو دنیائے اسلام کے مختلف گوشوں کے محدثین سے روایت کرتے ہیں،

اخذ حدیث میں احتیاط

لیکن اس ذوق و شوق اور تلاش و جستجو میں آنحضرت صلعم کا یہ فرمان ہمیشہ پیش نظر رہتا تھا کہ "جو شخص عمداً میری طرف جھوٹ کی نسبت کرے گا، اس کا ٹھکانا دوزخ ہے" اس لئے وہ اخذ حدیث اور روایتِ حدیث دونوں میں بڑے محتاط تھے، اور بغیر پوری چھان بین کے مدیثیں قبول نہ کرتے تھے، عامر بن شراحیل نے یہ اصول بنا دیا تھا کہ علم حدیث اسی شخص سے حاصل کرنا چاہئے جس میں زہد و تقویٰ اور عقل و دانش دونوں اوصاف کا اجتماع ہو، ان میں سے محض ایک وصف رکھنے والا اس علم کی حقیقت کو نہیں پا سکتا[5]، بہت سے تابعین جب تک اصل راوی سے روایت نہ سن لیتے اس وقت تک دوسرے کے بیان پر اعتماد نہ کرتے ابو العالیہ

[1] ابن ندیم ص ۰۰ [2] تذکرة الحفاظ ج اوّل ص ۲۴ [3] مسند دارمی ص ۷۴، [4] تہذیب الاسماء ج اول ق ۱ ۵ [5] تذکرة الحفاظ ج اوّل ص ۷۴،

رباحی کا بیان ہے کہ ہم اہل بصرہ بصرہ میں رسول اللہ کی روایات سنتے تھے، مگر اس وقت تک ان پر اعتماد نہ کرتے تھے، جب تک مدینہ جاکر خود ان کی زبان سے اس کی تصدیق نہ کر لیتے[1] محمد بن سیرین کا قول تھا کہ علم حدیث دین ہے اس لئے اُسے حاصل کرنے سے پہلے اس شخص کو خوب پرکھ لینا چاہئے،[2]

حفظ حدیث میں تابعین کا درجہ ان احتیاطون کا مقصد صرف احادیث کی صحت تھی ورنہ اس کے حصول اور حفظ کی راہ میں تابعین نے جو جو مشقتیں اٹھائی ہیں اس کا تذکرہ اوپر ہو چکا ہے، انھون نے اپنی انتھک کوششون اور جانکاہ محنتون سے تمام دنیاے اسلام کی حدیثین اپنے حافظہ میں محفوظ کر لین حسن بصری، ابن جبیر، ابن مسیب سالم بن عبد اللہ، طاؤس، عامر الشعبی، عبد الرحمن بن ابی لیلیٰ، عروہ بن زبیر، عطار بن ابی رباح، عکرمہ، نافع، علقمہ قتادہ، مجاہد، محمد بن سیرین، محمد بن مسلم زہری، محمد بن منکدر اور مکحول شامی وغیرہ احادیث کے بحر بے کران تھے، اس میں ان کے علم کی وسعت کا اندازہ ارباب فن کی ان رایون سے ہوگا،

حسن بصری کو علامہ ذہبی علم کا سمندر لکھتے ہین[3] سالم حضرت عبد اللہ بن عمر کے جو صحابہ مین حدیث کے رکن اعظم تھے، خلف الصدق تھے، علامہ نووی ابن جبیر کو سرگروہ محدثین کے لقب سے ملقب کرتے ہین[4] ابن مسیب اس پایہ کے محدث تھے کہ مکحول شامی جنھون نے ساری دنیاے اسلام کے محدثین سے استفادہ کیا تھا کہتے تھے کہ مین نے ابن مسیب کے جیسا عالم نہین پایا[5] امام زین العابدین فرماتے تھے کہ ابن مسیب گذشتہ آثار کے سب سے بڑے عالم تھے[6] طاؤس کا علم سارے ارباب علم مین مسلم تھا[7] امام شعبی نے حجاز، کوفہ، بصرہ، تینون مرکز احادیث کی حدیثین اپنے دامن مین سمیٹ لی تھین[8] ان کے وسعت علم کا یہ حال تھا کہ کوئی حدیث ان کے حافظہ سے باہر نہ تھی، ان کا خود بیان تھا کہ مین نے بیس سال کے عرصہ مین کوئی ایسی حدیث نہین سنی جس سے مین بیان کرنے والے سے زیادہ واقف نہ رہا ہون[9] مکحول کہتے تھے کہ مین نے شعبی سے زیادہ سنت ماضیہ کا عالم نہین دیکھا[10]

---

[1] ابن سعد ج ۷، ق اول ص ۱۴۲ [2] ایضاً ص ۱۴۱ [3] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۶۲ [4] تہذیب الاسماء ج ۱ ق اول ص ۲۱۶ [5] ایضاً ص ۲۲۰ [6] ابن سعد ج ۵ ص ۹ [7] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۲۵۱ [8] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۷۶ [9] ایضاً ص ۷۹ [10] ابن سعد ج ۶ ص ۱۰۰،

عروہ حضرت عائشہ صدیقہ کے بھانجے تھے، حدیث مین حضرت عائشہؓ کا جو پایہ تھا وہ ارباب علم سے مخفی نہین ہے، ان کا سارا ذخیرۂ حدیث عروہ نے اپنے سینہ مین محفوظ کر لیا تھا[1]، امام زہری انھیں حدیث کا بحر بیکران کہتے تھے[2]، عطار کے حفظ کے ائمہ اہلبیت تک، حدیث جن کے گھر کی دولت تھی قائل تھے، امام باقر لوگون کو انسے احادیث سننے کی ہدایت کرتے تھے[3]، عکرمہ حبر الامۃ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کے ساختہ و پرداختہ تھے اور ان کی تمام حدیثین انھون نے محفوظ کر لی تھین ابن عباسؓ کی مرویات کی تعداد ہزارون تک پہنچتی ہے انکا بڑا حصہ عکرمہ ہی سے مروی ہے، اس بے پایان علم نے ان کو حدیث کا دریا بنا دیا تھا[4]، علقمہ دوسرے حبر صحابی حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے تربیت یافتہ تھے، اور ان کی مرویات کا بڑا حصہ ان کے حافظہ میں محفوظ تھا، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ خود فرمایا کرتے تھے کہ جو کچھ میں جانتا ہون وہ سب علقمہ جانتے ہین[5]، قتادہ کو حافظ ذہبی حافظ العلامہ لکھتے ہین[6]، ابن مسیب انھین عراق کا سب سے بڑا محدث مانتے تھے، سفیان ثوری ان کو دنیا مین بے مثل سمجھتے تھے[7]، محدث ابن حبان انھین ان کے عہد کا سب سے بڑا حافظ حدیث لکھتے ہین[8]، مجاہد کو امام نووی امام الحدیث لکھتے ہین[9]، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ جیسے بزرگ ان کے حفظ پر رشک کرتے تھے اور فرماتے تھے، کاش عکرمہ کا حفظ بھی تمھارے جیسا ہوتا[10]،

محمد بن سیرین کو امام ذہبی، امام نووی حافظ ابن حجر وغیرہ تمام علمائے فن بالاتفاق امام حدیث لکھتے ہیں، امام زہری کو تلاش حدیث مین جو شغف و انہاک تھا، اس کا ذکر اوپر گذر چکا، پھر ان کا حافظہ اس غضب کا تھا کہ ایک مرتبہ جو چیز سن لیتے تھے وہ ہمیشہ کے لئے نقش کالحجر ہو جاتی تھی[11]، اس ذوق اور حافظہ نے حجاز کے ثقات کا سارا علم ان کے سینہ مین محفوظ کر دیا تھا[12]، بعض روایات کے مطابق ان کے مرویات کی

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۷، ص ۱۸۲ [2] ایضاً [3] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۱ ص ۳۳۴ [4] ابن سعد ج ۵ ص ۲۱۶ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۴۱ [6] ایضاً ص ۱۰۹ [7] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۲ ص ۵۷ و ۵۸ [8] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۱۰، [9] تہذیب الاسماء ج ۱ ق ۲ ص ۸۳ [10] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۲۵ [11] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۸ [12] ایضاً

تعداد دو ہزار تک پہنچتی ہے[1]، محمد بن منکدر فن حدیث مین اپنے عہد کے امام تھے[2]، مکحول کے ذوق علم اور اسکی تلاش و جستجو کا حال اوپر گذر چکا ہے کہ انھون نے دنیاے اسلام کا کوئی گوشہ باقی نہین چھوڑا تھا، اور جو کچھ حاصل کیا تھا وہ سب ان کے حافظہ مین محفوظ تھا[3]، جس طرح عکرمہ حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے تربیت یافتہ تھے اسی طرح نافع ابن عمرؓ کے ساختہ وپرداختہ تھے، انھون نے بڑی توجہ سے ان کی تعلیم و تربیت کی تھی، اور اپنا سارا علم ان کے سینہ مین منتقل کر دیا تھا، چنانچہ ابن عمرؓ کی مرویات کا بڑا حصہ جن کا شمار ہزارون تک پہنچتا ہے، ان کے سینہ مین محفوظ تھا[4]، اور انہی سے مروی ہے جس کا ثبوت موطا امام مالک ہے، جس کی بیشتر مرویات مالک عن نافع عن ابن عمرؓ پر مشتمل ہین، حافظ ذہبی نافع کو امام العلم لکھتے ہین[5]

روایت حدیث میں احتیاط

لیکن اس وسعت علم کے باوجود تابعین کرام اخذ حدیث کی طرح روایت حدیث میں بھی بڑے محتاط تھے کہ روایت کی ذمہ داری اخذ حدیث کی ذمہ داری سے بھی بڑھ کر ہے، اس مین غلطی کا نتیجہ صرف ایک شخص کی ذات تک محدود رہتا ہے اور روایت مین غلطی اور بے احتیاطی کا نتیجہ عالمگیر ہو جاتا ہے، اس لئے بڑے بڑے ائمہ حدیثین بیان کرنے میں بڑی ذمہ داری محسوس کرتے تھے بلکہ گھبراتے تھے، محمد بن سیرین جب حدیث بیان کرتے تھے تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چیز صاف کر رہے ہین یا ان پر خوف طاری ہے[6]، مسعر بن کدام جو بڑے محدث تھے، روایت حدیث کی ذمہ داری اور عظمت کو خیال کرکے فرماتے تھے کہ کاش حدیثین میرے سر پر شیشے کا بار ہوتین اور گر کر چور چور ہو جاتین[7] یعنی میرے حافظہ سے محو ہو جاتین، علقمہ کی علالت کے زمانہ مین ایک شخص نے خواہش کی کہ آپ اس وقت تھوڑی دیر ہم کو سنت کی تعلیم دیتے، آپ نے فرمایا کیا تم لوگ چاہتے ہو کہ میری پیٹھ روندی جائے[8]، سلیمان بن طرخان تیمی اتنے محتاط تھے کہ حدیث بیان کرتے وقت ان کا رنگ متغیر ہو جاتا تھا[9]، ابراہیم نخعی روایت میں آنحضرت صلعم

---

[1] شذرات الذہب ج ۱ ص ۱۲۲ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳ [3] ایضاً ص ۹۵ [4] ابن خلکان ج ۲ ص ۱۵۱ [5] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۸۰ [6] ابن سعد ج ۷ ق ۱ ص ۱۴۱ [7] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۷۰ [8] ابن سعد ج ۶ ص ۶۰ [9] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۱۳۵

کی طرف نسبت نہیں کرتے تھے، ایک شخص نے ان سے پوچھا کیا آپ کو رسول اللہ صلعم سے کوئی حدیث نہین پہنچی ہے جسے آپ بیان کریں، جواب دیا پہنچی کیون نہین ہے، لیکن عمرؓ، عبداللہؓ، علقمہ اور اسود سے روایت کرنا میرے لئے آسان ہے[۱]، امام شعبی اشاعت حدیث کے خیال سے ایک زمانہ میں بے تکلف حدیثین بیان کیا کرتے تھے، لیکن پھر زمانہ کا رنگ دیکھ کر انھین کہنا پڑا، کہ گذشتہ صلحا کثرت روایت کو برا سمجھتے تھے، جو حقیقت مجھ پر بعد کو کھلی اگر پہلے منکشف ہوجاتی تو مین صرف محدثین کی متفقہ حدیثین بیان کرتا[۲]، عبداللہ بن عون روایت کرنے سے اتنا گھبراتے تھے کہ اس کے خوف سے گھر سے نکلنا بند کر دیا تھا[۳]، اسی احتیاط کی بنا پر بہت سے تابعین احادیث کو بالفاظہا روایت کرنا ضروری سمجھتے تھے، بعض ردوبدل کے خیال سے حدیثون کو قلمبند کر لیتے تھے، بعض کا عمل اس کے خلاف تھا کہ غلط روایت کے قلمبند ہوجانے سے اسکی غلطی اور زیادہ متعدی اور پائدار ہوجاتی تھی، غرض تابعین نے حدیث مین احتیاط اور اس کی صحت کا کوئی دقیقہ اٹھا نہین رکھا،

اشاعت وحفاظت حدیث لیکن ان احتیاطون کے ساتھ حدیثون کی اشاعت بھی ایک ضروری فرض تھا، ورنہ مسلمان بہت سے مسائل اور دینی احکام سے بے خبر رہجاتے اور حدیث رسول کا بڑا حصہ محض سینون مین محفوظ رہکر رہ جاتا، تابعین کا ایک اہم باشان کارنامہ یہ ہے کہ انھون نے احادیث کی صحت کے پورے اہتمام کے ساتھ انکو ساری دنیاے اسلام مین پھیلایا، سعید بن جبیر کا قول تھا کہ مجھے تم لوگون کو حدیثین سنانا اس کے مقابلہ مین زیادہ پسند ہے کہ انھیں اپنے ساتھ قبر مین لیجاؤن[۴]،

پہلا طریقہ درس حدیث انھون نے اس کی اشاعت اور حفاظت مختلف طریقون سے کی، سب سے عام اور متعارف طریقہ درس کا تھا، اکثر بڑے بڑے علماء محدثین کے حلقہاے درس ہوتے تھے، جس میں ساری دنیاے اسلام کے طلبہ استفادہ کرتے تھے، اگرچہ ان حلقون مین زیادہ تر حدیث ہی کا درس ہوتا تھا، لیکن چونکہ وہ تنہا حدیث کے لئے مخصوص نہ تھے، بلکہ ان مین دوسرے علوم کی بھی تعلیم ہوتی تھی، اس لئے ہم آیندہ ان کے

---

[۱] ابن سعد ج ۶ ص ۱۹۰، [۲] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۲، [۳] ابن سعد ج ۷ ق ۲ ص ۲۵، [۴] ایضاً ج ۶ ص ۱۸۰،

مستقل حالات لکھیں گے،

دوسرا طریقہ کتابتِ حدیث دوسرا طریقہ کتابت کا تھا، اس سے ہمیشہ کے لئے حدیثیں محفوظ ہوجاتی تھیں، اگرچہ اس عہد کے علماء عموماً کتابت پسند نہ کرتے تھے، پھر بھی تابعین کی ایک معتدبہ تعداد حدیثیں قلمبند کرتی تھی،

سعید بن جبیر جو بڑے محتاط تھے حدیثیں قلمبند کرتے تھے[1] ابو قلابہ اپنے جملہ معلومات (جس میں احادیث بھی داخل تھیں) قلمبند کرتے تھے[2] امام زہری کو لکھنے سے بڑا شغف تھا، وہ جو کچھ سنتے تھے سب لکھ لیتے تھے ابوالزناد کا بیان ہے کہ ہم زہری کے ساتھ علماء کے آستانوں کا چکر لگاتے تھے، زہری کے ساتھ تختیاں اور بیاضیں ہوتی تھیں، وہ جو کچھ سنتے تھے سب کو قلمبند کر لیتے تھے[3] ان کے دوسرے ساتھی صالح بن کیسان کا بیان ہے کہ زہری نے ایک مرتبہ کہا کہ ہم کو سننِ رسول قلمبند کر لینا چاہئے، ان کے کہنے پر ہم لوگوں نے اس کو لکھ لیا اس کے بعد انھوں نے کہا اب سننِ صحابہ کو بھی لکھ لینا چاہئے، لیکن اسے ہم لوگوں نے نہیں لکھا، مگر انھوں نے لکھ لیا[4]، بشیر بن نہیک حضرت ابوہریرہؓ سے جو حدیثیں سنتے تھے ان کو لکھ لیتے تھے، نافع اپنے تلامذہ کو حدیثیں لکھواتے تھے[5]، رجاء بن حیوۃ حدیثیں قلمبند کرتے تھے اسکے علاوہ اور بہت سے تابعین حدیثیں قلمبند کرتے تھے جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے،

حدیثوں کے مجموعے ان کے ذوقِ کتابت سے اسی زمانہ میں حدیثوں کے بہت سے مجموعے مرتب ہوگئے تھے، ان میں سے بعض مجموعوں کا تذکرہ کتابوں میں ملتا ہے،

خالد بن معدان کے پاس ان کے معلومات کا ایک صحیفہ تھا[1] خلاس بن عمرو الہجری کے پاس ایک صحیفہ تھا اسی کو دیکھ کر وہ حدیثیں بیان کیا کرتے تھے[2]، عطاء بن ابی رباح نے صحابہ سے جو حدیثیں سنی تھیں ان کو ایک صحیفہ میں قلمبند کر لیا تھا[3] عبداللہ بن مسعودؓ کے پرپوتے عبدالرحمن کے پاس حدیثوں کا ایک مجموعہ

[1] مسند دارمی باب من رخص فی کتابۃ العلم [2] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۲ [3] ایضاً ص ۹۶ [4] تہذیب التہذیب ج ۹ ص ۴۴۸ [5] مسند دارمی باب من رخص فی کتابۃ العلم [6] تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۸۱ [7] ابن سعد ج ۷ ق اول ص ۱۶۲ [8] تہذیب التہذیب ج ۳ ص ۳۲۶،

تھا، جس سے وہ بھول چوک میں مدد لیا کرتے تھے[1] سلیمان بن قیس الیشکری نے جابر بن عبد اللہ کا صحیفہ نقل کیا تھا[2] سمرہ بن جندب فزاری کے پاس حدیثوں کا ایک مجموعہ تھا جو ان کے لڑکے سلیمان سے مروی ہے[3] وہب بن منبہ کے پاس حدیثون کی کتابین تھین[4] خلیفہ ہشام نے اپنے ایک لڑکے کے لئے امام زہری سے چار سو حدیثون کا ایک مجموعہ لکھوایا تھا، (تذکرۃ الحفاظ ج اول ص ۹۷)

یہ سیکڑون میں سے صرف چند ہیں، رجال کی کتابوں کی ورق گردانی سے اس سے کہین زیادہ کا اور پتہ چل سکتا ہے، اگرچہ ان مین سے کسی کا پتہ نہین ہے، لیکن ایک زمانہ مین یہ محدثین کا سب سے بڑا ماخذ رہے ہون گے اور ممکن ہے وہ موجودہ حدیث کی کتابون کا جزو بن گئے ہون،

احادیث کے مجموعون کی اشاعت حضرت عمر بن عبد العزیز نے جو بڑے جلیل القدر تابعی تھے فرمان جاری کر کے دنیاے اسلام کے سارے علمی مرکزون کی حدیثین جمع کرائین[5] اور ان کی نقلین تمام ممالک محروسہ مین شائع کین[6] اگرچہ یہ عمر بن عبد العزیز کا تنہا فعل تھا لیکن اس مین یقیناً اس عہد کے اکثر علماے تابعین کی کوششین شامل رہی ہونگی، اس لئے کہ ان کے عہد مین صحابہ کرامؓ بہت کم رہگئے تھے، علماے حدیث مین زیادہ تعداد تابعین کی تھی، جنھون نے اپنی حدیثین قلمبند کی ہونگی،

(باقی)

---

[1] تہذیب التہذیب ج ۶ ص ۲۱۳ [2] ایضاً ج ۴ ص ۲۱۵ [3] ایضاً ص ۱۹۸ [4] ایضاً ج ۱۱ ص ۶۶ [5] فتح الباری ج ۱ ص ۱۵ [6] جامع العلم بیان العلم وفضلہ ص ۳۸،

دیوان شمس تبریزی و مولانا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد دکن

(۱۰)

حزن و یاس ام الخبائث ہیں، مولینا اسلئے حزن و یاس کے بڑے دشمن ہیں کہ یہ دونوں جذبات زندگی کو ختم کردیتے ہیں اسلئے وہ حکم دیتے ہیں

سوے شورستاں روان کن شاخ از آب حیات
چون گل و سوسن بخندان خار غم فرسود را

بگر دا اے مرغ دل پیرامن غم
کہ در غم بال و پر محکم نہ گردد

ملول اسرار را محرم نہ گردد

عالی ہمتی، مولینا کے کلام میں انسان کے لئے بلند نظری، عالی ہمتی اور اظہار عزم کے لئے پیامات ہیں،

چون چشمہ بجوش از دل سنگ ،
بشکن تو سبوے جسم و جاں را،

بر بند دو چشم عیب بیں را ،
بکشاے دو چشم غیب داں را،

چون عنکبوت چناں صید ہاے زفت گرفت
ببیں چہ صید کند دام ربی الاعلیٰ

گفتم کہ نہ یافت میشود جستہ ایم ما،
گفت آنکہ یافت من نشود آنم آرزوست

میان حلقۂ عشاق چون نگیں میباش
علم بزن چو دلیران میانۂ صحرا

مولینا جمود و شک اور تذبذب کے سخت مخالف ہیں انکا پیغام جد جہد، ایمان اور یقین کے جذبات کا حامل ہے،

دامن جد و جہد را بکشاے،
کز فلک دُر نثار خواہد بود،

آزادی عشق در گلستاں چو سرو آزاد باش
در کشادِ دل چو عشق استاد باش،

وہ عشق کے پیغامبر و مبلغ ہیں،

گرنہ دیوانۂ رو خویش را دیوانہ ساز

دوزخِ عشق نگر تا بصفت مرد شوی پیشِ مردان منشین کز دمِ شان سرد شوی

قلب انسان کو محرمِ اسرارِ غیب ہونا ضروری ہے، اون کا پیغام یہ ہے کہ انسان عرشِ مجید کو اپنا مقام بنائے،

مارا نبیذ و بادہ از چشم غیب باید، مارا مقام و قبلہ عرشِ مجید باید،

وہ منادی کرتے ہیں کہ رسالت سے ربط رکھو، علم و عمل کی تصحیح انسانیت اسی روشنی میں کرے، ملاحظہ ہو،

نیش بکشتیِ نوح دگیر دامنِ روح بہ بحرِ عشق کہ ہر لحظہ جزر و مد باشد

مشکوٰۃ رسالت کی آخری شمع حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، انکے متعلق فرماتے ہیں،

رو اے احمدِ مرسل بگیر اے عاشق صلائے عشق شنو ہر دمے ز روحِ بلال

مجو سعادت و دولت دریں جہان کہ نیاب زبند گیش طلب کن سعادتِ دوجہانی

بعض بعض غزلین کا ملاً پیغام ہی کی صورت میں ہیں،

ہم رنگِ جماعت شو تا لذتِ جان بینی در کوئے خرابات آ تا دردکشان بینی،

بشکن بتِ خاکی را تا روئے بتان بینی، بربند دو چشم سر تا چشمِ نہان بینی،

با وسعت ارض اللہ در حبس چہ چسپیدی ز اندیشہ گرہ کم زن تا شرحِ جنان بینی

خاموش شو از گفتن تا گفت بری باشے

از جان و جہان بگذر تا جانِ جہان بینی

تو یار خلوت نازی مقیم پردۂ رازی قرارگاہ چہ سازی درین نشیمنِ فانی

تو مرغ عالمِ قدسی ندیمِ مجلسِ انسی ازیں حظیرہ بروں پر کہ مرغِ عالمِ جانی

بحال خود نظرے کن برو بر و سفرے کن

زحبس عالم صورت بہ گلزار معانی

پیر روشن ضمیر کی تعریف، مولینا کے مہمات مضامین سے ایک خاص مضمون اپنے پیر روشن ضمیر حضرت شمس کی مدح کا ہے، انھوں نے سینکڑوں اسلوب سے اس مضمون کو ادا کیا ہے، یہ ان کے دیوان کی ایسی خصوصیت ہے جو کسی صوفی شاعر کے دیوان میں نہیں پائی جاتی، اس موضوع سے متعلق ہم نے داخلی شہادت میں طول طویل بحث کی ہے، اسلئے اب یہان نہایت اختصار سے کام لیا جاتا ہے، اگرچہ یہ شمس تبریزی کی مدح ہے، لیکن درحقیقت انسان کامل کا تصور پیش کیا ہے،

بشنو این رمز عشاق از نوائے بربط جانم
کہ شمس الدین تبریزی ہمی گوید بافسانہ

بیا اے شمس تبریزی کہ در رفعت سلیمانی
زہے بزم خدایانہ زہے سیمائے شاہانہ

اے قاصد باد صبا از راہ لطفت عرض کن
بر شمس تبریزی ز ما ہر دم ہزاران آفرین

دل خود را ز شمس الدین تبریزا
ہمیشہ روشن و معمور خواہم

شمس الدین تبریزی در آئینہ صفایت
گر غیر خدا بینم باشم بتر از کافر

اے شمس دین ای شمس دین مفتاح علم گنج دین
عشق تو در ہر دو جہان ماہمگنان در کار شد

استدلال تمثیلی، مسلمہ حقائق یا ذاتی خیالات اور نظریات کو ظاہر کرنے اور اون پر زور دینے کا ایک دلچسپ اور پر اثر طریقہ یہ ہے، کہ انھیں تمثیلی پیرایہ میں بیان کیا جائے، یہ طریق استدلال بعض موقع پر صحیح ہوتا ہے، اور بعض موقع پر غلط بھی ہو سکتا ہے، بعض لوگ اس میں زبردست منطقی دھوکا دیتے ہیں، اچھی اور صحیح بات کو اچھی مثال کے پیرایہ میں پیش کرکے اسے قوی کر سکتے ہیں، اور بری مثال اور غلط تمثیل سے مخاطب کو غلط تخیلات میں مبتلا کیا جا سکتا ہے یا کسی غلط تصور یا خیال کو نہایت لطیف تشبیہ اور مثال کی صورت میں پیش کیا جا سکتا ہے، گو یا سوفسطائت سے کام لیتے ہیں لیکن

جب کوئی خیال حقیقت کا بھی حامل ہو، اور اسے عمدہ تمثیلی پیرایہ میں پیش کیا جائے تو اس سے اسکی قوت بڑھجاتی ہے، یہ استدلال عام فہم ہوتا ہے، مولینا تمثیلی استدلال میں بڑا کمال رکھتے ہیں، مثنوی میں ہزاروں مواقع پر اس کمال کا بڑی خوبی سے اظہار فرمایا ہے، جس سے مثنوی کے دقیق مطالب واضح اور روشن ہوگئے ہیں، دیوان میں بھی ان کا یہ رنگ قائم ہے، عمر خیام وغیرہ جیسے شعراء یا حکمائے اپنے ذاتی خیالات اور عیش پسندانہ جذبات کو تمثیلی پیرایہ میں ظاہر کیا ہے، اور ان پر خطابی یعنی شاعرانہ دلائل قائم کئے ہیں،

مولینا اس کے جواب میں دینی حقائق اور غیبی معارف اور اخلاقی مسلمات کو اس پیرایہ میں بیان کرتے ہیں، اور جواباً نہایت خوبی سے خطابی دلائل لاتے ہیں،

مثلاً معاد کے انکار میں عمر خیام نے لکھا ہے، کہ آدمی کوئی گھاس نہیں ہے، کہ ایک بار کاٹ لیں، اور وہ دوبارہ زمین سے پیدا ہو،

مولینا اس خیال کی تردید اسی پیرایہ میں فرماتے ہیں،

کدام دانہ فرورفت در زمیں کہ نہ رست ۔۔۔ چرا بہ دانۂ انسانت این گمان باشد

اور کئی مسائل مولینا نے اسی پیرایہ میں لکھے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں:-

شمع جاں را گرد ایں لگن تن چہ کنی ۔۔۔ این لگن گر نہ بود شمع ترا صد لگن است

چنانکہ آب حکایت کند ز اختر و ماہ ۔۔۔ زعقل و روح حکایت کنند قالبہا

کائنات میں ایک چیز مختلف مراتب ترقی سے گذر رہی ہے، مولینا فرماتے ہیں تو ایک درجہ پر پہنچکر مایوس مت ہو، کہ تجھے اس سے آگے کا درجہ ملے گا،

ہزار مرغ عجیب از گل تو بر سازند ۔۔۔ چو ز آب و گل گذری تا دگر جہات کنند

ذمہ داری کے نقطۂ نظر سے اپنی حیثیت واضح فرماتے ہیں،

من نہ خود آمدم اینجا کہ بخود باز روم
ہر کہ آورد مرا باز برد در وطنم

عربیت مہمات مضامین کی بحث ختم ہو چکی، لیکن ابھی بعض اور خصوصیات توضیح اور تشریح کی محتاج ہیں،
مولینا نے بچپن ہی میں اپنے والد بزرگوار کی نگرانی میں علوم ظاہر کی تحصیل شروع کر دی تھی اور
لغت، ادب، فقہ، معقولات، حدیث، و تفسیر میں ایسا کمال پیدا کیا، کہ بہت جلد مستند علماء میں شمار ہونے لگے،
سپہ سالار کا بیان ہے،

"در علوم رسمی چوں اقسام لغات و عربیت و فقہ و حدیث و تفسیر و معقولات و منقولات
بہ غایتے رسیدہ بود کہ در آن عصر سرآمد ہمہ علماء دھر شدہ بود"

(سپہ سالار ص ۱۶)

اس سے مقصود یہ بتانا ہے، کہ عربی ادب اور لغت میں بھی مولینا کو پورا کمال حاصل تھا، دیوان
میں بھی ان کا یہ کمال مختلف صورتوں میں نمایاں ہے،
کہیں کسی غزل میں بعض اشعار عربی کے ہیں، کہیں صرف بعض مصرعے عربی کے ہیں، کہیں پوری
کی پوری غزل اسی جوش و روانی کے ساتھ جو فارسی غزلیات میں ہے، عربی میں لکھی ہے، اس طرح
دیوان میں عربی کی کئی غزلیات ہیں،
عربی غزل میں بھی حضرت شمس کی مدح و تعریف اپنی عام عادت کے مطابق کرتے ہیں،

یا منیر النجد یا درج البقا
یا مجیر البدر فی کبد السماء

انما التبریز عرش منیر
حبذا تبریز ارضا حبذا

قمر سار الینا وجب الحب علینا
سطع العشق لدینا طرد العشق منامی

سلب العشق فوادی حصل الیوم مرادی
بزن ای مطرب عارف ہمہ دولت زہی شادی

قرآن مجید کی آیات کے مختلف ٹکڑے اپنے اشعار میں داخل کرتے ہیں جن سے بعض اوقات

معنی کی پوری خوبی اور کلام کا منشا اور مفہوم کامل طور پر واضح ہو جاتا ہے،

نوبت ہجر در انتظار گذشت ۔۔۔ فادخلوا الدار یا اولی الالباب

گر شما محرم ضمیر نئید، ۔۔۔ فاسئلوھن من وراء حجاب

بعثر ما فی القبور حصل ما فی الصدور ۔۔۔ آمدہ آواز صور روح بمقصد رسید،

برگہا چون نامہا بروی نوشتہ خط سبز ۔۔۔ شرح آن خطہا بخوں از عندہ ام الکتاب

تسلسل مضامین، جب سے مغربی تعلیم مشرق میں پھیلی ہے، اور مغربی ادب کا اثر مشرقی ادبیات پر پڑا ہے، بعض لوگ عموماً مشرقی شعراء، اور خاصکر اردو اور فارسی غزل پر یہ اعتراض کرتے ہیں، کہ یہ تو شعر کی ایک مہمل صورت ہے، اس میں نہ خیالات کا کوئی تسلسل ہوتا ہے، نہ جذبات کی یکرنگی ظاہر ہوتی ہے، اصولاً یہ اعتراض غلط ہے، کیونکہ یہ کیا ضروری ہے کہ ہر شاعر کے جذبات میں یکرنگی ہو، اور جذبات و خیالات کا اظہار ایک علمی مضمون کی طرح شعر میں بھی منطقی تسلسل کے ساتھ کیا جائے، یہ تو شاعر کے شخصی رجحان پر ہے، جیسا طبیعت کا رنگ ہوگا، جذبات کی جو نوعیت ہوگی، اسی طور پر خیالات اور جذبات کی ترجمانی ہوگی،

اس بحث کے قطع نظر بھی یہ اعتراض غلط ہے، فارسی میں متعدد ایسے شعرا ہیں جن کی غزلیات میں مضامین کا تسلسل پایا جاتا ہے، مثلاً عراقی، مغربی، مولانا روم وغیرہ، مولینا غزل گوئی میں تسلسل مضامین کے موجد ہیں، کیونکہ مولینا کے ہمعصر مجتہد غزل گو شاعر سعدی ہیں، ان کی غزلیات میں یہ خصوصیت نہیں ہے، ہاں مولینا کے معاصرین میں عراقی کی غزلیات میں بھی مضمون کا تسلسل ایک حد تک پایا جاتا ہے،

مولینا کے دیوان میں بکثرت ایسی غزلیں ہیں، جن پر نہایت آسانی کے ساتھ کوئی عنوان لکھدیا جا سکتا ہے، جس سے وہ صاف مسلسل نظمیں معلوم ہوں گی، اسکی وجہ یہ ہے کہ ان کی غزلین

کسی خاص حالت کے تحت میں لکھی گئی ہیں، اسلئے ہر غزل میں کسی نہ کسی خاص حالت یا جذبے کا مسلسل بیان ہے، ان کا کلام جذبات کا آئینہ ہے، مثلاً ایک غزل میں شادی وصال کا اظہار کیا ہے،

معشوقہ بہ سامان شد تا باد چنیں بادا، کفرش ہمہ ایمان شد تا باد چنیں بادا

زان طلعت شاہانہ زان مشعلۂ خانہ، ہر گوشہ چو بستان شد تا باد چنیں بادا

غم رفت و فتوح آمد شب رفت و صبوح آمد خورشید درخشاں شد تا باد چنیں بادا

ایک غزل ہے جس میں مسلسل بے نیازی عشق کو بیان کیا ہے،

مرد خدا مست بود بے شراب مرد خدا سیر بود بے کباب،

مرد خدا شاہ بود زیر دلق مرد خدا گنج بود در خراب،

مرد خدا بحر بود بے کران مرد خدا قطرہ بود بے سحاب،

یار مطلوب ہے، اور ربط یار کی اہمیت و لذت کا احساس قلب پر طاری ہے، فرماتے ہیں،

مرا عقیق تو باید شکر چہ سود کند مرا جمال تو باید قمر چہ سود کند

چو چشم مست تو نبود شراب را چہ طرب چو ہمرہم تو نباشی سفر چہ سود کند

یہ خیال آتا ہے کہ بے یار سب عیش و عشرت بے معنی ہے، بس اسی خیال کو ظاہر فرماتے ہیں،

اے بے تو حرام زندگانی، خود بے تو کدام زندگانی،

اے وصل تو آب زندگانی تدبیر خلوص ما تو دانی،

از دیدہ بروں مشو کہ نوری، از سینہ جدا مشو کہ جانی،

مولینا ایک محرم راز کی تلاش میں ہیں، اس تمنا کا اظہار مسلسل ایک غزل میں فرماتے ہیں،

چہ بودے کہ یک گوش پیدا شدے شنیدے زبانہاے مرغان ما

چہ بودے کہ یک چشم پیدا شدے کہ دیدے درختان بستان ما

چہ بودے کہ موجے پدید آمدے گہر بار از ان بحرِ عمانِ ما

کہیں کہیں مسلسل غزلیں پر لطف مکالمہ کی صورت میں ہیں،

گفتم شہا بس قطرہا در ہجر تو باریدہ ام گفتا چہ غم ہر قطرہ را من لولوِ مکنون کنم

گفتم شہا بسیار شب دیدہ نیالودم بخواب گفتا شبے را صد شبے در عمر تو افزون کنم

کبھی حال کی شدت ہوتی تھی تو اسکو نہ صرف ایک غزل میں بلکہ مسلسل کئی غزلوں میں ظاہر کرتے ہیں بعض اوقات یہ غزلیں ایک ہی بحر اور ردیف و قافیہ میں ہوتی ہیں، ایک غزل جس کا مطلع یہ ہے،

وال ربابیے را بگو مرداں سلامت میکنند وال مرغ آبے را بگو مردان سلامت میکنند

مسلسل چار غزلین اسی مضمون اور اسی بحر ردیف اور قافیہ میں لکھی ہیں، ابتدا میں وجد اور مستی طاری رہتی تھی کئی ایسی غزلیں مسلسل ہین جنکی ردیف "مست" ہے جس سے شدتِ حال کا پتہ بھی چلتا ہے، ہم مثالاً چند مطلعے درج کرتے ہیں،

آمد آن ساقی کہ مارا کرد از دیدار مست وز شرابِ لعلِ او شد زاہد و خمار مست

از سقہم ربہم بین جملۂ ابرار مست وز شرابِ لایزالی ہفت و پنج و چار مست

اے سرِ من در ہوائے احمدِ مختار مست وے دلِ من در ہوای حیدرِ کرار مست

شاعرانہ بیان کی خوبیان یعنی شعر کے صوری محاسن ہم نے ابتک مولینا کی غزلیات کی معنوی خوبیان یا شاعرانہ خیال کے محاسن بیان کئے، اب ہم ان کے کلام میں شاعرانہ بیان کی جو خوبیان پائی جاتی ہین، انکی طرف متوجہ ہوتے ہیں،

مولینا کے کلام میں شاعرانہ طرزِ ادا کی بہت سی خوبیان ہین،

سادگی ان میں سے ایک سادگیٔ بیان ہے یعنی مولینا اشعار میں اپنا مطلب اس طرح ادا کرتے ہیں

کہ سمجھنے میں مطلق دقت نہیں ہوتی، جیسے فارسی کے نامی غزل گو شاعر بیدل کے کلام کے سمجھنے میں ہوتی ہے، مولانا بالعموم ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہیں جن سے زبان مانوس اور کان آشنا ہیں، ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ خود ان کے خیالات میں سادگی ہے یعنی ان کے تصورات اور خیالات پیچیدہ اور الجھے ہوئے نہیں ہیں، جس خیال پر وہ شعر کی بنا رکھتے ہیں، وہ ان کے سامنے واضح ہوتا ہے، وہ کوئی ایسی بات دوسروں کو نہیں سمجھانا چاہتے، جسکو خود انھوں نے بخوبی نہ سمجھا ہو اور کسی ایسی کیفیت کی ترجمانی نہیں کرتے، جو ان پر گذری نہ ہو، لفظوں کی ترکیب اکثر جگہ قواعد زبان اور اصول بیان کے مطابق ہوتی ہے، ان کے اشعار میں مضمون کے ضروری اجزاء ترک نہیں کر دیئے جاتے جس سے شعر کا سمجھنا معمہ کا حل کرنا ہو جائے، یہ ساری چیزیں ایسی ہیں، جن کے باعث ان کے کلام میں سادگی اور سلاست پیدا ہو گئی ہے،

بر چرخ سحر گاہ یکے ماہ عیاں شد ۔ تا سر تجلی ازل جملہ بیان شد

چنان آمیختم با وے کہ دل با من نیامیزد ۔ نخست از عشق او زادم بآخر دل بدو دادم

من از عالم ترا تنہا گزینم ۔ روا داری کہ من غمگیں نشینم،

مکانم لامکان باشد نشانم بے نشاں باشد ۔ نہ تن باشد نہ جان باشد کہ من از جان جانانم

عشق است در آسماں پریدن ۔ صد پردہ بہر نفس دریدن

ہر کہ بہر تو انتظار کند ۔ بخت و اقبال را شکار کند

ہاں اتنا ضرور ہے کہ یہ سلاست کمال کی اس حد تک نہیں پائی جاتی، جسے سہل ممتنع کہتے ہیں، غزل گو شعراء میں یہ صفت شیخ سعدی کا خاص کمال ہے،

جدت و حسن تشبیہ شاعر کا فرض جذبات کی ترجمانی ہے، جذبات کی ترجمانی ہر موقع پر بلا استعارہ و تشبیہ کے ممکن نہیں، ناقابل بیان جذبات کو الفاظ کا جامہ پہنایا، اور محسوس کو مشہود بنانے کے لئے تشبیہ اور استعارے

سے کام لیا جاتا ہے، اس کا منشاء یہ ہوتا ہے، کہ مطلب واضح ہو جائے، مولینا اپنے کلام کے مقصود اور منشا کے مطابق نہ صرف تشبیہ کا استعمال کرتے ہیں، بلکہ وہ تشبیہ کے موجدین میں ہیں، یہ اسلئے کہ وہ غزل کے دور اول کے شعراء میں ہیں، انھوں نے سیکڑوں تشبیہات کو غزل میں استعمال کیا ہے، ان کا کلام کثیر ہے، اسلئے ان کا شمار مقلدین میں نہیں بلکہ موجدین اور مجتہدین میں ہے،

وہ اپنے کلام میں ایسی تشبیہیں اور استعارے نہیں لاتے جن تک ذہن کی رسائی مشکل ہو، اور کلام ایک حل طلب معمہ بنجائے، بلکہ انھون نے کلام مین تشبیہ اور استعارے کا استعمال اس طریقہ سے کیا ہے، کہ اگر ایک طرف اعلیٰ مطالب اور بلند خیالات واضح تر ہو گئے ہیں تو دوسری طرف ان سے ان کے حسن بیان میں اضافہ ہو گیا ہے، حسن بیان اور حسن تشبیہ کی مثالیں ملاحظہ ہوں،

در شہر کہ دیداست چنیں شہرہ بتے را ۔۔۔ در بر کہ کشید است سہیل و قمرے را

شب قدر است موے تو کزو یابند دولتہا ۔۔۔ مہ بدر ست روے تو کزو رفتند ظلمتہا،

گیریم دامن گل و ہمراہ گل شویم، ۔۔۔ رقصان ہمی شویم چو شاخ نہال گل

ز زندان زہرہ را آزاد کردم، ۔۔۔ روان عاشقان را شاد کردم،

بحر کی موزونیت اور کلام کی روانی

شاعرانہ بیان یا طرز ادا کے محاسن میں ایک اہم جزو بحر کا انتخاب ہے، یہ شاعر کے ذوق سلیم پر منحصر ہوتا ہے کہ وہ جذبات اور خیالات کی مناسبت سے بحر کا انتخاب کرے، پرجوش اور مسرت انگیز جذبات کے لئے ایسی بحریں استعمال نہ کرے، جس سے ادائے مطلب میں سستی ظاہر ہو، عشق کے لطیف اور نازک احساسات کے لئے ایسی بحر منتخب کرنی چاہئے جو رزمیہ نظم کے لئے موزون ہو، مثلاً فردوسی نے اپنی مثنوی یوسف وزلیخا میں یہی غلطی کی تھی، جس سے اس کی نظم شاہنامہ کے مقابلے میں ناکام رہی،

مولینا کے کلام میں یہ خصوصیت ہے کہ وہ اپنے خیالات ان کی قوت اور جوش کے مطابق

بحریں استعمال کرتے ہیں، نہ صرف بحر، بلکہ ردیف اور قافیے تک اکثر جگہ نہایت مناسب اور برمحل ہیں، یہ خصوصیت خسرو میں بھی حد کمال تک پہنچ گئی ہے، اگر ان خیالات کو حافظ یا خسرو کی بحروں میں ادا کیا جائے، تو ان کے کلام کا زور اور اسکی روانی باقی نہ رہے گی، اسی طرح حسن دہلوی اور خسرو نے جن خیالات کو چھوٹی چھوٹی پاکیزہ بحروں میں ادا کیا ہے، اگر انکے لئے مولینا کی غزلوں کی بحریں استعمال کیجائیں، تو کلام بدمزہ ہو جائے گا،

مولینا کے اس حسن انتخاب کے باعث ان کے کلام میں بڑی روانی پیدا ہو گئی ہے، اکثر بحریں شدت حال، جوش دل اور زور وارفتگی کے مناسب ہیں، چند مثالوں سے ان کی اس خصوصیت کا اندازہ ہو جائے گا،

جوش بہار:-

بہار آمد بہار آمد سلام آورد مستاں را   ازاں شاہنشہ خوباں پیام آورد مستاں را

چو خسرو زلف شیریں را اگر قتم   اگر قصد سر فرہاد کردم،

اپنی حقیقت:-

نہ از دنیا نہ از عقبی نہ از جنت نہ از دوزخ   نہ از آدم نہ از حوا نہ از فردوس رضوانم

ربط پیر:-

بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز   نے ماہ تواں دیدن نے بحر تواں شد

فخر نسبت:-

بخت جوان یار ما دادن جان کار ما   قافلہ سالار ما فخر جہاں مصطفےٰ است

لطیف اور نازک مضامین کے لئے پھول سی شگفتہ اور چھوٹی بحریں استعمال کرتے ہیں،

آن دلبر گلعذار آمد،   آن یوسف روزگار آمد،

پیغام ز نفخ صور داری، بکشائے لب پیمبری را،
بگستر سایہ خود بر سر ما، کہ ظل حق تعالیٰ داری از وے

پرگوئی، مولینا نہایت پرگو شاعر ہیں، یہ وصف مثنوی اور دیوان غزلیات دونون سے ظاہر ہے، لیکن دیوان میں زیادہ نمایان ہے، کیونکہ یہ ضخیم تر ہے، اس میں ذوق کلام سے زیادہ غلبۂ حال کو دخل ہے، البتہ اثر کے اعتبار سے مثنوی کا درجہ بلند ہے لیکن دیوان میں بھی ایک ایک لفظ سے ولولہ جوش اور مستی ٹپکتی ہے، دیوان میں کثرت کلام یا پرگوئی کی وجہ یہی ہے، کہ اس دور سرمستی میں میلان طبیعت سخن کی طرف زیادہ تھا، کیونکہ اس زمانہ میں محفل سماع کی بھی کثرت تھی، مثنوی "صاحب مقام" ہونے کے بعد لکھی ہے، اس دور میں وہ ولولہ اور ہنگامہ کہان، جب کہ وہ صاحب حال تھے، اس دور میں حقیقت حال کو خود بے نقاب فرماتے ہین،

"فرمود کہ اول شعر می گفتیم داعیۂ عظیم بود، کہ موجب گفتن بود"

(فیہ مافیہ صنہ ۲)

مدح گوئی سے احتراز، باوجود اس پرگوئی کے مولینا کا دامن کسی بادشاہ یا امیر کی مدح گوئی کے داغ سے داغدار نہیں ہوا خصوصاً اس دور مین جب کہ نظامی سعدی اور خسرو جیسے اہل دل بھی اس سے نہ بچ سکے،

عیب مکن گر غزل ابتر بماند، نیست وفا خاطر پرندہ را،

(شمس)

شاعرانہ بیان یا طرز ادا کے نقائص، مولینا کے کلام میں ایک طرف شاعرانہ نقطۂ نگاہ سے اگر مختلف محاسن ہین، تو بعض نقائص اور کمزوریان بھی اس حد تک نمایان ہین کہ ہم انھیں انکی خصوصیات کلام کے دائرہ سے خارج نہیں کر سکتے، اسکا سبب تو ہم آگے عرض کرین گے، پہلے فرض تنقید کی ادائی کے لئے اس نوع کی چند نقائص کا بھی ذکر کرتے ہین،

زبان صنف غزل کے مناسب نہیں،

ہر صنفِ سخن میں زبان کا رنگ خاص ہوتا ہے، جو زبان انوری خاقانی ظہیر اور سلمان وغیرہ کے قصائد کی ہے، وہ کبھی خسرو سعدی اور حافظ کی غزل کی نہیں ہوسکتی؛

لیکن مولینا اس اصول کے پابند نہیں، درحقیقت غزل کا منشا، ومفہوم ہی اصطلاحی حدود سے وسیع ہے، اس لئے مولینا کو نہ الفاظ کی کچھ پروا ہے، اور نہ خاص ترکیبوں کی طرف ان کی کچھ توجہ ہے، اس سے اون کی غزلیات میں وہ لطافت پیدا نہ ہوسکی، جو سعدی حافظ یا حسن دہلوی کے کلام کا طرۂ امتیاز ہے،

تعقید لفظی پیچیدہ ترکیبین

مولانا اپنی دھن اور رو میں بعض بعض جگہ غریب، نامانوس اور ثقیل الفاظ بھی بے تکلف استعمال کر جاتے ہین، جنھین غزل تو غزل قصیدے میں بھی استعمال کرنا مناسب نہین سمجھا جاتا، مثلاً:-

غلط گفتم کہ مسجد ہاے مارا، برون در بود خورشید تواب،

اے آفتاب رُخ بنما از نقاب ابر کان چہرۂ مشعشع تابانم آرزوست

بندے بدہ وبصلح آور، آن چشم خمار عبہری را،

انکے کلام میں لفظی تعقید، پیچیدہ اور غیر شگفتہ ترکیبیں بھی ہین،

این مجمع ملامت وآن محشر قیامت گشتست پیش حسنت مستغرق عجائب

ماے خبر کم اینجا بر بند در خانہ، پرندہ وچرندہ لنگ اندرین حضرت

عجب نباشد اگر مردہ بجوید جان دیا کہ سینۂ تفسیدۂ صبا خواہد،

فک اضافت،

نظم ونثر میں عموماً اور فارسی زبان میں خصوصاً اضافت، اختصار و ایجاز کا حسن اور اُس کی جان ہے، فک اضافت سے جملہ یا شعر نہایت، غیر فصیح ہو جاتا ہے، بقول مولینا شبلی "یہ شریعتِ شعر میں ابغض المباحات ہے"، لیکن مولینا جہان چاہتے ہیں، اس کی پروا کئے بغیر

تک اضافت کرتے ہین،

عاشقان را شمع و شاہد نیست از بیرون خویش | آب انگوری بخور د بادہ شان از خون خویش

آب یار نور آمد در صفا و روشنی، | ہر دو غماز ند صورت را ولیکن از عتاب

ہیچ می دانی چہ می گوید رباب | ز اشک چشم و ز جگر ہاے کباب

نقص تشبیہ | مولانا نے چونکہ کثرت سے تشبیہیں ایجاد اور استعمال کی ہین، اسلئے ان میں ایسی تشبیہیں بھی آگئی ہیں، جو نہایت غیر لطیف اور نامناسب ہین،

شمس الحق تبریزی ما چوجہ و تو مرغی | این چوجہ دریں بیضہ ماند است چو دو در خم

اے دار و سے فربہی وصحت | از بہر تن نزار عاشق،

زباد او چون افیون فضل او خوردیم | بروں شدیم زعقل و بر آمدیم از کار

پیرایۂ مجاز | اگرچہ غزل شعر کی ابتدا بھی ہے، اور انتہا بھی، لیکن اس کی زبان سادہ اور سہل ہوتی ہے، اسی لئے وہ عوام اور خواص دونون طبقوں میں مقبول ہی، جو قبولیت اس صنف سخن کو حاصل ہے، وہ کسی اور صنعت کو نصیب نہین،

ہر چند غزل کی خوبی کے لئے یہ لازم نہین کہ وہ پیرایہ مجاز ہی میں ہو، لیکن یہ بالکل صحیح ہے کہ قبولیت عام اس غزل کو زیادہ حاصل ہوتی ہے، جس میں بلند خیالات اور روحانی حقائق بھی پیرایہ مجاز میں ادا کئے جائیں، سعدی، خسرو، اور حافظ کے تغزل کی قبولیت کا سبب یہی ہو کہ وہ مشاہدۂ حق کی گفتگو بھی تقریبًا بلکہ تمامتر بادہ و ساغر ہی کے پیرایہ مجاز میں کرتے ہین، مولینا کے کلام میں یہ بات اس حد تک نہیں ہی، انھون نے اسرار و حقائق کو اکثر بے پردہ ظاہر کیا ہے، اور دیوان میں اپنے ہی اصول

خوشتر آن باشد کہ سرِّ دلبران | گفتہ آید در حدیثِ دیگران

پر عمل نہیں کیا،

(باقی)

نطشے

(۲)

از جناب پروفیسر مقتصد ولی الرحمن صاحب ایم اے جامعہ عثمانیہ

(۹)

کیا "طاقت" کا ڈاروینی تصور نطشے کا اتنی ہی آسانی کیساتھ خاتمہ کر دیتا ہے جتنا کہ تھرے سی مارکس کا؟ کیونکہ نطشے ایک زیادہ عینی اور ٹھوس سلسلۂ استدلال بھی رکھتا ہے، وہ بعض اوقات یہ دکھانے کی کوشش کرتا ہے کہ جن اخلاقی صفات کو وہ ناپسند کرتا ہے یعنی انکسار، رحم اور ہمدردی، وغیرہ، وہ مفروضہ اجتماعی طاقت کے سرچشے نہیں، یا یہ کہ ان کی نگہداشت اور پرداخت اس حد تک کی گئی ہے، کہ یہ حیاتیاتی نقطۂ نظر سے خطرناک ہو گئے ہیں، اور یہ "انحطاط" کے مظاہر ہو سکتے ہیں، اور نطشے نہایت بلند آہنگی کیساتھ تمام تہذیب و تمدن میں اس "انحطاط" کے وسیع وجود کا اعلان کرتا ہے۔

یہ ایسا دعوی ہے جسکو سائنس سرسری طور پر اور آسانی کیساتھ رد نہیں کر سکتی، کیونکہ اس خیال میں انواع اقوام اور معاشروں کے انحطاط پذیر ہو سکنے میں کوئی استحالہ نہیں، زمانہ گذشتہ میں وہ انحطاط پذیر بلکہ مردہ ہو چکے ہیں، اسکے علاوہ تطابق کی ایک چھوٹی سی ناکامی سے بھی انحطاط پذیری کا یہ عمل شروع ہو سکتا ہے، اور بارہا ایسا ہوا ہے کہ یہ ناکامی عین اُن صفات کی بہت زیادہ ترقی کا نتیجہ ہوئی ہے، جو ابتداءً کامیابی کی طرف لیجاتی ہیں، یہ کبھی نہ بھولنا چاہئے کہ اگر کوئی سحرخیز پرندہ صبح کے وقت کوئی کیڑا پکڑ لیتا ہے، تو وہ اپنے ذخیرۂ خوراک کو کم کر دیتا ہے، اسلئے فاقوں مرتا ہے، لہذا سائنس نہایت احتیاط کیساتھ مطالعہ کرنا چاہئے، کہ کہیں ہم حقیقی حیاتیاتی معنوں میں انحطاط کی طرف تو نہیں جا رہے ہیں یعنی کہیں کسی اہم اور شاید لازمی حیثیتوں سے بقا کی قابلیت ہم میں کم تو نہیں ہو رہی ہے،

اس قسم کے مطالعے کے نتائج بہت زیادہ اذعان بخش نہیں، یہ تسکین دینے والا عقیدہ کہ کسی مہربان قدرت کی عنایت سے نسلِ انسانی برابر بہتر ہو رہی ہے، کوئی سائنٹفک سند نہیں رکھتا، کوئی اذعان بخش شہادت اس امر کی موجود نہیں کہ جسمًا یا ذہنًا ہم اسلاف سے بہتر ہین، اسکے برعکس یہ ماننا پڑتا ہو کہ قدیم ترین عہدِ حجری کی کھوپڑی میں بالکل اتنی ہی گنجایش تھی، جتنی کہ آجکل کے انسان کی کھوپڑی میں ہو، یہ ممکن ہے کہ ہم بعض جراثیم کے حملوں سے اپنے آپ کو بچا لین، لیکن جسمانی عیوب و نقائص مثلًا کوتاہ نظری وغیرہ روز افزون ہیں، کیونکہ اب یہ بقا کے لئے مہلک نہیں رہے، فتورِ عقل برابر تیزی کیساتھ بڑھ رہا ہے، اور زمانۂ جدیدہ کے حالات نالائقی، اور سخافتِ عقل کے خاص درجے کو برداشت کر لیتے ہین، بلکہ اُنکی پرورش کرتے ہین، حالانکہ قدیم زمانے میں ان ہی سے زندگی کا خاتمہ ہو سکتا تھا، لہذا یہ فرض کیا جا سکتا ہے، کہ جس طرح ہم بعض حیثیتون سے حقیقتًہ انحطاط کی طرف جا رہے ہین، اسی طرح ہم من حیث الکل بھی انحطاط کی طرف مائل ہین، لیکن مایوسی کی بہرحال ضرورت نہیں، بہ شرطے کہ ہم اس علاج کو اختیار کر لیں، جو نطشے نے اپنے مخصوص استبعادی انداز میں تجویز کیا ہو،

(۱۰)

فوق الانسان سے نطشے انسان کی وہ نصب العینی صنف مراد لیتا ہو، جو اسوقت متحقق ہوتی ہو جب انسان خود اپنے ارتقار کی رہنمائی کی جانب سائنٹفک اور باقاعدہ توجہ کرتا ہے، ہم اس اصول سے اتفاق کر سکتے ہیں، خواہ اُس صنفِ فوق الانسان سے ہمین اختلاف ہو، جس کی ہمین ضرورت ہے، اس وقت تو ہم یہ بھی نہیں جانتے، کہ نسلِ انسانی کی اصلاح کیونکر ہو سکتی ہے، یا اسکو انحطاط سے کیونکر بچایا جا سکتا ہے، لیکن علمِ توریث روز بروز سائنٹفک تحقیق کا موضوع بنتا جاتا ہے، اور جسقدر ہم اس پر بحث کرتے ہین اس سے کہین زیادہ ہم اس کے متعلق جانتے ہین، ہمین اتنا تو بہرکیف معلوم ہے کہ تمام مہذب و متمدن معاشرے بعض غلط اور اکثر عمرانی اوالے بے ڈھنگے طریقے سے کام رہے ہیں، ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ اشرافیت (Aristocracy)

کو جو ترجیح نطشے نے دی ہے، وہ حیاتیاتی نقطۂ نظر سے جائز ہے، کیونکہ ہر جگہ ترقی کا انحصار چند ایسے افراد پر ہوتا ہے، جو نئی چیزیں اور باتیں پیدا کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جتنی اشترا کیتیں ابتک وجود میں آچکی ہیں، وہ سب کی سب درست تھیں، اور نہ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کہ سیاسی نقطۂ نظر سے تمام عوامی (Democratic) اداروں کو توڑ دینا چاہئے، اس سے مراد صرف اسقدر ہے کہ کہ انسان بہت سی حیثیتوں سے غیر مساوی ہیں، اور یہ کہ حقیقت کو نظر انداز کر دینا، اور ان کی صلاحیتوں کو ایک سطح پر لانے کی کوشش کرنا نسلِ انسانی کے لئے مہلک ہو سکتا ہے،

(۱۱)

لیکن کیا نسلِ انسانی کے مستقبل کے متعلق یہ اندیشہ وتشویش ایک نئی، اور ایسی بات نہیں جس کے اظہار کی توقع نہ صرف غیر مفکرین، بلکہ قنوطی سے بھی نہیں کیجا سکتی، ؟ اور نطشے شوپنہائر کو کیا جواب دیتا ہے، ؟ اس کا جواب اس لئے اور بھی زیادہ سبق آموز ہے، کہ بادی النظر میں یہ جواب معلوم ہی نہیں ہوتا وہ "زندہ رہنے کے ارادے" سے انکار نہیں کرتا، اگرچہ اس نے اسکو فتح کرنے اور حکومت کرنے کے ارادے کی شکل میں پھیلا دیا ہے، اسی طرح وہ زندگی کی الم ناکیوں کا بھی منکر نہیں، لیکن وہ اس سے وہ نتیجہ نہیں نکالتا جو شوپنہائر نے نکالا ہے، اور وہ زندگی کی نفی نہیں کرتا، بلکہ اس کے برعکس وہ اس کا اثبات کرتا ہے، کیونکہ یہ المناک ہے، اور قنوطیت کے ساتھ استدلال کرنے کے بجائے زندگی کی نفی کرنے والے میلانات کو انحطاط کے ثبوت کے طور پر پیش کرتا ہے، لیکن اس سے قنوطیت کی عقلی تردید کیونکر ہوتی ہے، ؟

جواب ظاہر ہے کہ اس سے تردید نہیں ہوتی، لیکن یہ استدلال اسی لئے بہتر ہے، نطشے نے قنوطیت اور زندگی کی ماہیت کو ان فلاسفہ کی بہ نسبت کہیں بہتر سمجھا تھا، جو نہائی طور و طریق اور ہمارے تمام ثبوتوں کے "عقلی ثبوتوں" کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں، اس نے معلوم کر لیا تھا، کہ زندگی

کا اذعان یقینی طور پر ایک جبلت اور زندہ رہنے کے ایسے ارادی کی پیداوار ہوگا، جو موروثی اور خلقی ہے، اور یہ کہ رجائیت ذہن میں ماہیت اشیار کا منصفانہ او رسچا محض عکس نہیں، بلکہ ارادے کا ایک طرز وطریقہ ہے، لہذا اسکے نزدیک قنوطیت اولاً اس جبلت کی کمزوری کے ہم معنی اور اسلئے انحطاط کی علامت ہی، اس کا مقابلہ کرنے کا صحیح طریقہ یہ ہی، کہ زندہ رہنے کے اس ارادہ کو اور مضبوط کیا جائے جس کی مدد سے نسل انسانی نے زمانہ گذشتہ کی تمام ہولناکیون کا مقابلہ کیا ہی،

اس علاج کی صحت میں شبہہ کیا جا سکتا ہے، اور یہ یقینی ہے کہ اس سے ایک قنوطی کی تشفی نہ ہوگی، لیکن اس مین عقلیت کی خالص ترین صورت کی جدید تنقید کا اظہار ہوا ہے، حیاتیات نے اس حقیقت کو بے نقاب کر دیا ہے، کہ زندگی کی دنیا میں عقل نووارد ہے، اور یہ اس سے قبل جبلت کی محکوم تھی، واقعہ یہ ہے کہ ہم اب بھی اپنی جبلتون کی مدد سے زندگی بسر کرتے ہین، اور اگر ان جبلتون میں خرابی واقع ہوتی ہے، تو ہم فنا ہو جاتے ہین، جس عقل پر ہمین فخر ہے، وہ محض ایک آلہ ہے جس سے ہم اپنی غایات کے وسائل کی پیمایش اور اصلاح کرتے ہین، ہمارے تمام قوار کی طرح یہ بھی قانون طبعی انتخاب کے تابع ہے، اگر یہ تنازع للحیات کے لئے مفید اور قوی آلہ نہ ہوتا، تو اس میں کبھی بھی ترقی نہ ہوتی، عقل کسی طرح بھی زندگی کو قابل مذمت قرار نہیں دے سکتی کیونکہ اگر یہ ایسا کرتی ہے تو پھر اس کا خاتمہ ہو جاتا ہے، اس حالت مین فطرت پھر ان لوگوں کا انتخاب کرے گی، جو یا تو اتنے احمق ہیں کہ قنوطیت کے دلائل کو معلوم نہیں کر سکتے یا زندہ رہنے کے ارادے کے اتنے زیر اثر ہیں، کہ ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، اس طرح فکر اپنے آپ کو بے عقلی کے اندھیرے گڑھے کی طرف جاتی ہوئی پاتی ہے، اور معلوم ایسا ہوتا ہے، کہ یہ گڈھا تمام عقلی قیمتون کو گھیر لینے اور تمام عقلی "اصولون" کو الٹ دینے کی دھمکی دے رہا ہے، اور سائنس ہیوم کے اس قول کی تائید کرتی نظر آتی ہے، "کہ عقل جذبے کی غلام ہے، اور اس کو ایسا ہونا ہی چاہئے" اکثر فلاسفہ نے اس قول کو ازالۂ حیثیت عرفی کے برابر سمجھا ہی، لیکن واقعہ یہ ہی کہ اس کی نازک خیالی پر کبھی غور ہی

نہیں کیا، یہ فلسفۂ جدیدہ کی بہت بڑی ترقیون کا نقطۂ آغاز ہے، ان ہی ترقیون میں نقشے کا نظریۂ علم بھی ایک معین اور اہم مقام رکھتا ہے، لیکن اسکی اہمیت پوری طرح سمجھی نہیں گئی، اس کو واضح کرنے کے لئے ہیوم کے وقت سے تاریخِ فلسفہ کے خاکے کی ضرورت ہے، اس خاکے مین ان مقامات پر زور دیا جائے گا، جن پر بالعموم زور نہین دیا جاتا،

(۱۲)

ہیوم نے وہ کمال کیا جو فلسفے میں بہت نادر ہے یعنی اسنے ایک حقیقی اور بڑا انکشاف کیا، وہ یہ ہے کہ علاقۂ علّی کا تصور مظاہر کے تعاقب میں ہم کو حاصل نہیں ہوتا، اسکو ہم اس تعاقب پر ایک توجیہ طلب طریقے سے اضافہ کرتے ہین لیکن اس انکشاف کی اہمیت نہ یہ تھی کہ اگر اضافہ کرنے کا یہ حق ہم سے چھین لیا جائے، تو ارتیابیت پیدا ہوتی ہے، اور نہ یہ تھی کہ اگر اسکو صحیح خیال کیا جائے تو "حضوری" (APYiOYi) کی ایک نئی صورت کا اثبات ہوتا ہے، اس کی اہمیت اس واقعے میں تھی، کہ تاریخ فلسفہ میں پہلی مرتبہ اس افتراض پر شبہہ کیا گیا، کہ علم مین ذہن کا وظیفہ یہ ہے کہ وہ حقیقت کا عکس دیکھے،

علّی استدلال کے جس واقعے کا ہیوم نے مشاہدہ کیا، اسکی بہت سی تاویلیں ہو سکتی ہین، اور فلاسفہ نے اسکی وسعت کو بہ تدریج معلوم کیا ہے، کانٹ کی تاویل یہ ہے، کہ لہذا علّت ایک "حضوری مقولہ" (ARIORi CATEGORY) ہے، ظاہر ہے کہ اس سے ہیوم کے شبہات رفع نہ ہو سکتے تھے، بلکہ یہ معلوم کرنے سے کہ معطیاتِ تجربہ کو صورت دینے، اور ان کو سائنٹفک واقعات میں بدلنے کے لئے حضوری مشینون کی کتنی تعداد درکار ہوتی ہے، علم انسانی پر اسکے شبہات کی اور زیادہ تائید ہوتی، اسکی وجہ یہ ہے کہ جب تک یہ فرض کیا جاتا ہے، کہ فکر کو حقیقت کی شبیہ ہونا چاہیے، اسوقت تک جس قدر زیادہ اضافے اور جس قدر زیادہ ردوبدل ہم کریں، اسی قدر ہماری فکر کے نتائج کم قابلِ اعتبار ہوتے جاتے ہین، اور اسی قدر زیادہ یقین کے ساتھ ہم علم کو سائنٹفک تکذیب کہ کر عیب ناک کر سکتے ہین، لہذا اگر یہ تسلیم

بھی کر لیا جائے، کہ کانٹ نے ثابت کیا تھا کہ علاقہ علّی اس لحاظ سے اکیلا نہیں، اور یہ کہ ایسے "واقعات" کہیں بھی دستیاب نہیں ہوتے، جو ہمارے "حضوری" اضافون سے "گھڑے" نہ گئے ہون، یا جو بقول اسکے "بنائے" نہ گئے ہون، تب بھی جو شخص ہمارے معطیات میں اس مداخلت کا منکر ہے، وہ مجبوراً نتیجہ نکالے گا کہ جس چیز کو "صداقت" کہا جاتا ہے، وہ حقیقت میں وہم ہے، خود کانٹ نے یہ دکھا کر اس خیال کی تصدیق وتائید کی، کہ بعض صورتون میں عقلی "اصول" ارادے کے "مفروضات" سے پیدا ہوتے ہین، اور یہ کہ تمام ساینسین شعوری وہمون پر مبنی کیجا سکتی ہین، مختصر یہ کہ بجائے اسکے کہ کانٹ اُن شبہات کو رفع کرتا، جو ہیوم کے انکشاف سے پیدا ہوئے تھے، اس نے ان کی وسعت اور زیادہ کر دی، نطشے نے صحیح کہا ہے کہ جو لوگ اپنے تفکر کو کانٹ سے شروع کرتے ہیں، ان کے لئے "صداقت" ایک ایسا مسئلہ بن گئی ہے، جس پر شبہہ کیا جاتا ہے،

نطشے نے اپنے اس ادراک کو غلطی سے شوپنہاءر کی طرف منسوب کیا ہے، شوپنہاءر تو باقی ماندہ کانٹی متفکرین کی طرح مابعد الطبیعیات کا ادعا پسند ماہر ہے، اگرچہ اس کے غیر معقول ارادۂ زندگی کو حقیقت کے جوہر کی حیثیت سے اختیار کرنے کو ہیوم کے اس انکشاف کے مابعدی اثرات کا نتیجہ ثابت کیا جا سکتا ہے، جو اُس نے "جبلت" کے متعلق کیا،

(۱۳)

لیکن اس میں کلام نہیں کہ نطشے مسئلۂ صداقت کے روبرو آگیا تھا، اور اس کو انتقادیت کے اس درجے کی اصلاح کی ضرورت محسوس ہوگئی تھی جس پر کانٹ نے اسکو چھوڑا تھا، اس نے جلدی ہی معلوم کر لیا کہ عقلی قیمتیں اتنی ہی محلِ اعتراض ہو سکتی ہین، جتنی کہ اخلاقی، اسکو اپنے اس الہام کے نقل کرنے کا بہت شوق تھا، کہ "کوئی چیز سچی نہیں، ہر چیز جائز ہے،" اپنی کتاب "شوپنہاءر بہ حیثیت ماہر تعلیم" لکھنے کے زمانہ (۱۸۷۴ء) تک اس نے کالج اور یونیورسٹی میں پڑھائے جانے والے فلسفے کی عدم حقیقت اور بے ثمری کو بھی محسوس

کر لیا تھا، تا آنکہ وہ یہ کہنے کے قابل ہو گیا تھا، کہ "فلسفے پر تنقید کا واحد طریقہ جس سے کچھ ثابت ہو سکتا ہی، یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے، کہ آیا یہ قابل عمل بھی ہے، یا نہیں، یونیورسٹیوں میں اس طریقہ کی تعلیم کبھی بھی نہ ہوئی، ان میں محض الفاظ کی تنقید سکھائی جاتی ہے" لیکن ایک واضح اور متعین نظریۂ علم جا کر "ارادہ طاقت" میں صورت پذیر ہوا، یہ نظریہ ان دو ادراکات کا نتیجہ تھا، کہ اولاً صداقت "تدبر" سے زیادہ "وہم" سے تعلق رکھتی ہے، اور دوسرے یہ کہ اسکو زندگی سے ضرور کچھ نہ کچھ تعلق ہونا چاہئے، لیکن یہ نظریہ تکمیل طلب ہی رہا، اسکی ترقی میں دو ممیز بلکہ متباین پہلو معلوم کئے جا سکتے ہیں، ایک تو بہ حیثیت اس کے کہ زندگی کو باقی رکھنے والے عقائد "جھوٹے" ہیں، اور دوسرے بہ حیثیت اس کے کہ "سچے" ہیں،

ان میں سے پہلا پہلو قدیم تر اور بدیہی تر ہے، اسکی طرف نہ صرف کانٹ کے نظریۂ علم کے رجحان سے، بلکہ اس مشاہدے سے بھی اشارہ ہوتا ہے کہ معاشرہ صرف ان عقائد کی باقاعدہ تلقین کرتا ہے جو سچے نہیں، بلکہ (استادوں، حاکموں، وغیرہ کے لئے) مفید اور عمرانی نقطۂ نظر سے مستحسن سمجھے جاتے ہین، ظاہر ہے کہ صورت حالات کا یہ اندازہ منطقی نتیجہ ہے اس افتراض کا کہ "صداقت" لازماً "حقیقت" کا عکس ہونی چاہئے، اگر ہم لفظ "حضوری" کو بہ صورت اسکے تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہین، کہ یہ منطقی گناہون کی بڑی سے بڑی تعداد کو چھپانے کا ایک ذریعہ ہے، تو ہمارے علم مین مفروضات واوہام کا بہ ظاہر بے قاعدہ استعمال "تکذیب" کہلانا چاہئے، لیکن کانٹ اور حیاتیات دونون متفق ہین، کہ ان عمدی طرق عمل میں سے کم سے کم بعض طریقے زندگی کی عملی ضروریات میں سے ہین، کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہم انکی مدد سے زندگی بسر کرتے ہین، اور یہ کہ سائنس کی جنت کو انسان نے مستحسن التباسات سے بنایا ہے،؟

اپنے نظریۂ علم کے پہلے درجے کو نٹشے نے اس طرح بیان کیا ہے "نفس صداقت کذب ہی، واقعات من گھڑت چیزین ہین، تمام وہ چیزیں جن کا عقل احترام کرتی ہے، التباسات ہین، چنانچہ نٹشے لکھتا ہے، "صداقت غیر موجود ہے، صداقت غلطی کی وہ قسم ہے جس کے بغیر جاندار مخلوق کی ایک خاص نوع زندہ

نہین رہ سکتی"، "زندگی کے لئے اسکی قیمت بالآخر فیصلہ کن ہوتی ہے" یا یہ ایقان و ایمان کی ایک صورت ہے،
جو وجود کی شرط بن چکی ہے"، "ایسی کوئی چیز موجود نہیں جسے ذہن، عقل، فکر، شعور، روح و ارادہ یا
صداقت کہتے ہین، یہ سب اوہام ہین"۔ فلسفے کی گمراہیان، اس واقعہ کا نتیجہ ہین، کہ منطق اور معقولات
عقل کو افادی غایات کے لئے دنیا کے تطابق (بہ الفاظ دیگر بالخصوص ایک مفید تکذیب کے) محض وسائل سمجھنے
کے بجائے ان کو صداقت اور خصوصاً حقیقت کا معیار سمجھ لیا گیا، حال آن کہ دراصل اس قسم کی باقاعدہ
تکذیب کا حیاتیاتی افادہ "معیار صداقت" تھا، وغیر ذلک" واقعات" غیر موجود ہین، وجود صرف ان تاویلات
کا ہے، جو ہماری ضروریات کا نتیجہ ہوتی ہیں"۔ "ذات" غیر موجود ہے، یہ محض وہم ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے
کہ ایک عقیدہ زندگی کو باقی رکھنے والا ہو، اور پھر بھی "کاذب" ہو، علّت کا کوئی وجود نہیں، یہ کچھ پیدا کرنے
کی قوت ہے، جو خیالاً اس چیز پر اضافہ کیجاتی ہے، جو وقوع پذیر ہورہی ہے، منطق کا کوئی وجود
نہیں کیونکہ منطقی فکر "کلیۃً" ایسا وہم ہے، جو حقیقت میں کبھی واقع نہیں ہوتا، اس کے اصول یعنی،
"قانون عینیت" اور "قانون اجتماع نقیضین" اوہام" اور "احکام" ہیں جن کا اطلاق صرف اختراعات پر
ہوتا ہے، اور جو حقیقت کے لئے موزون نہیں، اس وجہ سے کہ بعینہ ایک ہی قسم کی مثالین نہایت "کثیف"
وہم ہیں، جسکو ایک ارادۂ طاقت نے اس شکل میں پیدا کیا ہے، مختصر یہ کہ ریاضی کی طرح منطق بھی ایسے
مفروضہ وجودون کے لئے صحیح ہے، جنکو خود ہم نے پیدا کیا ہے، یہ ہماری کوشش ہے کہ دنیا ہمارے
مقاصد کے لئے زیادہ قابلِ مساحت اور ضابطے کی صورت میں بیان کرنے کے زیادہ قابل ہوجائے"

(۱۴)

یہ صحیح ہے کہ عقلِ انسانی کے کمالات کا یہ اندازہ پوری طرح ثابت شدہ نہیں، معمولی اور عام
فلسفی اس سے دہشت زدہ ہوگا، اس سے اس کی تشفی نہ ہوگی، لیکن یہ خیالات صرف نتشے ہی کے
نہیں، اسکے نتائج کی اعلی طبقے کے اصطلاحی فلاسفہ نے بھی تائید کی ہے، برگسان کا یہ عقیدہ کہ سائنس

حقیقت کے عملی ضروریات کیسا تھ تطابق کا دوسرا نام ہے، اسی فیصلے کا نرم الفاظ میں اظہار ہے، اس سے بھی زیادہ مشابہت نتشے اور اوہام کے اس سائنٹفک وظیفے کا یادگار زمانہ مطالعے میں ہے جو پروفیسر نے ہنگر نے کیا ہے، یہ کتاب اگرچہ ۱۹۱۱ء میں "THE PHILOSOPHY OF AS IF" کے نام سے شائع ہوئی، لیکن اس کا زمانہ تصنیف ۱۸۷۵ء ہے، پروفیسر نے ہنگر انتقاد عقل نظری کی ایک جید شرح کا مصنف ہے، کانٹ کے فلسفے کے عمیق مطالعے کے بعد وہ بھی انہی نتائج پر پہنچا جن پر نتشے پہنچا، ان کے علاوہ افادیت صداقت کی جو مختلف صورتیں امریکہ و انگلستان میں پیدا ہوئیں وہ اگرچہ الگ الگ اور براہِ راست نفسیات، حیاتیات اور منطق کے واقعات سے شروع ہوئیں لیکن ان سب کا ارتقا ایک ہی سمت میں ہوا،

واقعات کے متعلق مستند مصنفین کا روز افزوں اور اہم اجماع ان سب پر مستزاد ہے، علم صداقت منطق، یہانتک کہ ادراک دراصل حقیقی اشیاء کی شبہیں نہیں، بلکہ مصنوعات ہیں، اور ان اشیاء پر مختلف اعمال کا نتیجہ ہین، اس صنعت اور عمل کی وجہ سے یہ حقیقی اشیاء مختلف اور حیرت انگیز طریقون سے بدل جاتی ہین، لیکن اس واقعہ کی تخمین کیا ہوگی، ؟ کیا یہ نتیجہ نکالنا ضروری ہے کہ "صداقت" کذب ہے، اور "علم" تکذیب ؟ کیا نفس یہ انتاج تخمین نہیں، ؟ اس سے بھی بڑھکر یہ کہ کیا یہ تخمین صادق و کاذب کے فرق کو مٹا کر خود نہیں مٹ جاتی، ؟ اگر "صداقت" "وہم" ہے، اور بغیر بناوٹ کے کوئی علم ہمکو حاصل نہیں ہوسکتا، تو وہم کے برے معنوں کا خاتمہ ہوجاتا ہے، اسکے علاوہ علم کی تحلیل کی حیثیت سے اس استعمال پر اعتراض وارد ہوسکتا ہے، کہ یہ بہت زیادہ تکلیف دہ ہے، کیونکہ یہ واقعہ ہے کہ صادق و کاذب میں ہم فی الواقع تمیز کرتے ہین، اور یہ بھی یقینی ہے کہ اس تمیز کا ایک وظیفہ ہے، اور اسکے ایک خاص معنی ہین،

(۱۵)

تو پھر کیا اس کے علاوہ کوئی اور تاویل نہیں، ؟ نتشے کی تصانیف میں چند باتین ایسی ہیں جن سے

اشارہ ہوتا ہے کہ وہ کسی نہ کسی اور تاویل کی تلاش میں ہے، یہ باتیں خصوصیت کیساتھ اس کی کتاب "WILL TO POWER" کے اس مسودے میں ملتی ہیں، جو اسکے سلسلۂ مصنفات کی انیسویں جلد ہے اور جس کا بدقسمتی سے انگریزی ترجمہ نہیں ہوا، لیکن یہ بتانا آسان نہیں، کہ یہ منفرد و مختصر بیانات ہیں، یا "ذہن کے کام" کی بہ حیثیت صادق یا کاذب، بازتمثین کی ابتدا، نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ نیتشے کس حد تک ان کے اور اپنے عام تمثینات کے تباین سے واقف تھا۱،

لیکن ہم کو اس اعتراض کا امتحان کرنا چاہیے، کہ انسانی فعلیت صداقت کا سرچشمہ ہو سکتی ہے، نہ کہ کذب کا، ہم تھوڑی دیر کے لئے تسلیم کئے لیتے ہیں، کہ ہر علم میں انسان کی دست درازی شامل ہوتی ہے، صداقت جوہراً ایک تمثین ہے، احساسات واقع نہیں ہوتے، اور ادراکات پہلے ہی سے تمثینات سے پر ہوتے ہیں، کیونکہ اصلی معطیات بحالت فساد تھے۲، اور صرف وہ تصورات باقی رہ سکتے ہیں، جو مفید تھے، اور یہ کہ تمام کے تمام وقوفی آلون کا رُخ اشیا پر غلبہ پانے کی سمت ہے، نہ کہ "علم" کی طرف، لیکن ان سب سے یہ نتیجہ کیوں نکالا جائے کہ جس دنیا سے ہمیں تعلق ہے، وہ کاذب ہے، ؟ اس کو کاذب کہنے کا آخر مطلب کیا ہے؟

۱ے نیتشے نے اپنے اس عقیدے کو کہ سائنس ایک وہم ہے، غیر متناقض طور پر استعمال نہیں کیا، چنانچہ وہ "ابدی اعادے" کے عقیدے کو بقائے توانائی کے سائنٹفک اصول پر مبنی کرتا ہے، اور یہ نہیں دیکھتا کہ سائنس کی وہمی نوعیت کی وجہ سے اس کا عقیدہ بیکار ہوا جاتا ہے، (مصنف)

۲ے لیکن یہ خیال رکھنا چاہیے کہ ہمیس سے قبل اور بعد کے اکثر فلاسفہ اور کانٹ کی طرح نیتشے اس خیال میں ہیوم سے متفق ہے کہ یہ "فساد" ذروی (ATOMIC) "تمثالات" یا "تصورات" کے سلسلے سے مرکب ہے، نہ کہ ایک مسلسل تغیر سے، لہذا وہ یہ نہیں معلوم کر سکتا کہ چونکہ مسئلۂ علم ترکیب کا نہیں، بلکہ تحلیل کا مسئلہ ہے، اور یہ کہ بحیثیت سلسلہ اس کی ان گنت طریقوں سے تحلیل کی جا سکتی ہے، لہذا اس فساد میں نظام و ترتیب پیدا کرنے کا ہر طریقہ لازماً من گھڑت لہذا کاذب ہو گا، بہ شرطیکہ ہماری مداخلت تکذیب کا باعث ہو، (مصنف)

کیا یہ نتیجہ نکالنا بہتر نہیں کہ ایک "حقیقی" دنیا جس سے ہمیں کوئی تعلق نہیں "کاذب" ہے؟ یہ مسلّم ہے کہ دنیا کی تمام قیمت کا انحصار اسکی اس تاویل پر ہے، جو کیجاتی ہے"، تو پھر کیون نہ ہم اپنے تعصبات کی تردید کے متعلق اپنے خیال کو کلیتہً بدل دین، اور "واقعات" زندگی کے خطرات اور فکر کی جراتوں کو خوش آمدید کہین، ؟ واقعات کی طرف سے اغماض کرنے یا ان کو برُا کہنے کی بجائے یہ کیون نہ کہا جائے کہ "مسرت یقین میں نہین بلکہ عدم یقین .... اور مسلسل خلاقیت میں ملتی" ہے، آیندہ سے اس عاجزانہ جملے کے بجائے کہ "یہ محض موضوعی ہے" کیون نہ یہ کہا جائے کہ "یہ سب ہمارا کام ہے، ہم کو اس پر فخر ہونا چاہئے" خصوصًا اس وقت جب ہم یہ معلوم کرلین، کہ تجربے کو "موضوعی" یا "معروضی" کہنا بہ ذات خود قیمت کی ایک تصدیق کا نتیجہ ہے، ؟

(۱۶)

ہیوم کے اس انکشاف پر کہ ہم اپنے معطیاتِ حواس پر اپنی طرف سے اضافہ کرتے ہین، اس آخری تجاوز عن القیمت کے عمل کرنے کی خواہش افادیت صداقت کی اس صورت کا نام ہے جسکو "انسانیت" کہتے ہین، اور اس حد تک یہ اس خاص اہم طریقِ فکر کے ارتقاء کی آخری کڑی ہے، تاہم یہ تخمین کا بہت آسان اور سادہ تغیر ہے، یہی تغیر فلسفے کو ان مشکلات سے نجات دلاتا ہے، جو صدیوں سے اسکو درپیش تھیں، اور یہی ارتیابیت کے التباس کا خاتمہ کرتا ہے، اس کے لئے ضرورت صرف یہ کہنے کی ہے، کہ "صداقت بلاشبہہ انسانی ہے، علم فعال ہے، اور زندگی اور طاقت کی شرط ہے نہ کہ ارتسامات کا انفعالی وصول، اور ایک اجنبی حقیقت کا عکس، یہ سب ٹھیک ہے، اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے، ہم کو اس پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہئے، کیونکہ کیا اس طرح حقیقت ہمارے لئے امید افزا طور پر انسانی نہین بنجاتی، ؟ آؤ ہم اس تعصب کو کہ صداقت کو "دی ہوئی چیز" کا عکس شبیہ یا نقل ہونا چاہئے، بے کار اور بلاسند کہہ کر مسترد کردین کیونکہ صداقت نہ ایسی ہے، اور نہ ہو سکتی ہے، اگر ہماری صداقت انسانی ہے؟

تو کیون نہ ہم یہ بھی تسلیم کرلین، کہ حقیقت بھی ایسی ہی ہے، اسلئے ہماری صداقت اس کے لئے موزون ہوسکتی ہے،؟ ہم یہ کیون فرض کرین کہ ہمارے تجربات کی دنیا ہماری عقل کے مساوی ہے،؟ اوس کو اور اس "اطلاقی" حقیقت کو بعینہٖ ایک ہی ثابت کرنے کی تکلیف کیوں گوارا کی جائے، جو ہمیشہ ہم کو دھوکا دیتی ہے' اور ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی ہے،؟ صداقت کو بلا سبب و بلا سند ایسی صورت میں پیش کرکے جس کو کسی انسان کا ذہن حاصل نہیں کرسکتا، ہمین اپنے آپ کو مایوس کن ارتیابیت کے حوالے نہ کرنا چاہئے' بصداقت کو ان تمام اعمال پر حاوی ہونے دو، جو ہماری علمی فعلیتون کے لئے ضروری اور سب سے زیادہ کارآمد ہین، اس سے بھی زیادہ یہ کہ صداقت کو اس کے مقابل کذب سے تمیز کرنے کے لئے جو مختلف آزمائشیں ہم کرتے ہین، ان مین کامیاب ہونے کے لئے اس کے وظیفے اور قیمت کی طرف اشارے کو بھی اسکے معنون کا حصہ بنا لینا چاہئے،

یہ تو نہیں کہا جاسکتا کہ نتشے اس حد تک پہنچ گیا تھا، پھر بھی یہ دکھایا جاچکا ہے، کہ بعض اوقات وہ اس کے بہت قریب آجاتا ہے، صداقت کے دعودن کی آزمایشوں کے لئے افادیتِ صداقت کا معیار ان کے نتائج کی کامیابی کی تدوین کرتا ہے، اکثر تو وہ اپنے آپ کو اس تعقب سے نجات نہیں دلاسکتا کہ، اگر یہ ہماری فعلیت کا نتیجہ ہے، تو یہ لازمًا کاذب ہے" اسی وجہ سے انسانیت کی طرف میلان کے باوجود اسکو حقیقی معنون میں افادیت صداقت کا قائل نہیں کہا جاسکتا، وہ صداقت کی افادی نوعیت کو دریافت تو کرلیتا ہی لیکن اس کو صادق نہیں، بلکہ کاذب کہتا ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہ فرق اسقدر باریک ہے کہ افادیت صداقت کے ناقدین کو دکھائی نہیں دیا، واقعہ یہ ہے، کہ وہ اسکو نہ صرف افادیتِ صداقت کا قائل کہتے ہین، بلکہ اسکے عقیدے کو غلطی سے حقیقی افادیتِ صداقت کی طرف منسوب کرتے ہین، کیون کہ اس طرح وہ یہ ظاہر کرسکتے ہین، کہ افادیتِ صداقت کے قائین اسقدر غیر محتاط ہین، کہ وہ ہر اس "جھوٹ" کو "سچ" کہدیتے ہین، جو ان کے مفید مطلب ہوتا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ افادیتِ صداقت جو ہر اً

یہ واضح کرنے کی کوشش کرتی ہے، کہ جب کوئی مزعومہ صداقت یا صداقت کا مفروضہ دعویٰ ٹھیک ٹھیک کام کرتا ہے، تو کوئی شخص بھی اسکو کاذب کہنے کا حق نہیں رکھتا، یہ معلوم نہیں کیا جاتا کہ ایک ہی بیان ایک ہی شخص کے لئے ایک ہی وقت میں "جھوٹا" اور "سچا" نہیں ہو سکتا، اور یہ کہ ہر شخص کے عقائد اس خاص وقت کے لئے اسکے نزدیک ہمیشہ سچ ہی ہوتے ہیں، اس سے جیسا کہ نٹشے نے معلوم کیا، نتیجہ یہ ہے کہ واقعۃً صداقت واحد نہیں جمع ہے، اگرچہ اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا، کہ "لہٰذا صداقت غیر موجود ہے" یہ نتیجہ البتہ نکلتا ہے کہ یہ ابھی معرض تکوین میں ہے،

مختصر یہ کہ نٹشے کے نظریۂ علم میں عبوری صورت کی تمام سبق آموزی پائی جاتی ہے، وہ ابھی تک اسی خیال کی گرفت میں ہے، کہ یہ ہمارے علم کی غلطی ہے، کہ وہ اپنے معطیات کی نقل کی کوشش نہیں کرتا، لیکن وہ اپنے اس تعصب کو اسقدر صفائی کیساتھ بیان کرتا ہے، اور اس سے پیدا ہونے والے استبعادات کا اسقدر جرأت کے ساتھ کھوج لگاتا ہے، کہ ہر شخص نہایت آسانی کیساتھ دعویٰ کر سکتا ہے، کہ وہ اپنے اس مخصوص استدلال کی وجہ سے ایسے مقام پر پہنچ گیا ہے، جو بالکل قیاسی اور ناقابل حمایت ہے، یہی اس تمام بحث کا نتیجہ معلوم ہوتا ہے، اپنے نظریۂ اخلاق کی طرح اپنے نظریۂ علم میں بھی نٹشے بہت زیادہ نکتہ آفرین ہے، اور خود اپنی غلطیوں کی وجہ سے آیندہ ترقی کی تحریک کرتا ہے، اس کا کام ہر جگہ نامکمل، اور بعض اوقات خام مگر شاندار اور جاندار ہے، جس زمانے میں اس کے قوائے ذہنی اور ملکاتِ نفسانی میں پختگی پیدا ہو رہی تھی، عین اس وقت جنون کے حملے نے اس کی فلسفیانہ زندگی کا خاتمہ کر دیا،

نٹشے

مشہور جرمن فلاسفر فریڈریک نٹشے کی سوانحعمری اور اسکے افکار و خیالات اور تصانیف پر بحث و تبصرہ ہے، مصنفہ پروفیسر مظفر الدین ندوی ایم اے، حجم ۱۰۲ صفحے، قیمت :- ۱۲ر

منظر الانسان کا مصنّف

از

از جناب مولوی عبداللہ صاحب چغتائی

معارف جون ۱۹۳۶ء میں مکرمی محمد غوث صاحب کا ایک مقالہ بعنوان "کتبخانہ دفتر دیوانی حیدرآباد دکن" شائع ہوا تھا، فاضل دوست نے علمی نوادر کا ذکر کرتے ہوئے نمبر ۳ میں منظر الانسان ترجمہ وفیات الاعیان کے متعلق لکھتے ہیں:

"۱۳۔ منظر الانسان ترجمہ وفیات الاعیان، اس کتاب کو یوسف بن احمد السنجری نے ابن خلکان کی کتاب وفیات الاعیان سے فارسی میں ترجمہ کیا ہے، سلطان ناصر الدین ابوالفتح محمود شاہ بن محمد شاہ گجراتی (۸۶۳ھ تا ۹۱۷ھ) کے حکم سے ترجمہ کا آغاز ہوا، سلطان نے ۸۹۱ھ میں حکم صادر کیا، ۸۹۲ھ میں کام کا آغاز ہوا، اور ۸۹۴ھ میں ترجمہ مکمل ہو کر بادشاہ کے ملاحظہ میں پیش ہوا، ۲۵۔ دوسری کتابوں سے اس ترجمہ میں مطالبات کا اضافہ کیا گیا، ۸۹۵ھ میں نظر ثانی ہوئی"۔

محمد غوث صاحب نے غالباً یہ تمام اطلاع اس کے مقدمہ سے حاصل کی ہے، جہاں تک میری

لہ شاید کم لوگوں کو یہ علم ہے کہ دفترِ دیوانی کے کتب خانے کا قیام علم دوست سید خورشید علی صاحب ناظم دفتر دیوانی کا مرہونِ منت ہے، اللہ تعالیٰ اُن کو مزید توفیق دے کہ اس سے بھی زیادہ علمی نوادر جمع کریں،

معلومات کو دخل ہے، محض گجرات ہی ایک ایسا خطہ ہے، جہاں کی صحیح تاریخ ہم کو عربی زبان
میں ملتی ہے، ورنہ ہندوستان کی سب تاریخی کتب فارسی میں ہیں، میری مراد

ظفر الوالہ بمظفر وآلہ لعبد اللہ محمد بن عمر الشہیر بالحاج الدبیر
الآصفی الملکی الغخانی،

سے ہے کاش یہ تاریخ مکمل دستیاب ہوجاتی، تو کم سے کم گجرات کے صحیح حالات، اور وہاں کی بہت سی تاریخی اور اسلامی ثقافت کی مشکلات کو حل کرنے میں مدد ملتی، حاجی دبیر نے خصوصیت سے صحیح واقعات اور ثقافتی پہلو پر بہت زور دیا ہے، یہی وجہ ہے کہ منظر الانسان کا ذکر بھی ہم کو محض اسی تاریخ گجرات میں مفصل ملتا ہے، جیسا کہ حاجی دبیر کے الفاظ ذیل سے عیاں ہے:-

"ابن خلکان کے ترجمہ منظر الانسان کے خطبہ میں جسے مولینا یوسف بن احمد بن محمد بن عثمان نے سلطان محمود بن محمد کے نام پر ترجمہ کیا تھا، کوہ چانپانیر کی فتح کی تاریخ ملتی ہے، جو ۹۰۸ھ میں ہوئی تھی، اسکا پتہ لفظ "فتح" سے چلتا ہے، اور خطبہ میں اس کے تذکرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے، کہ یہ تالیف (ترجمہ) اسی سنہ میں ہوئی، ترجمہ کی خوبی دونوں زبانوں میں مترجم رحمۃ اللہ علیہ کی مہارت اور ان کے کمال پر دونوں فریق کی شہادت کا ثبوت ہوا سید عثمان بلا واسطہ مولینا برہان الدین قطب عالم کے خلفائے کبار میں تھے، اور ان کی جانب سے ان کو شمع برہانی کا لقب ملا تھا، انہی نے قریہ عثمان پور آباد کیا تھا، اور وہیں سکونت اختیار کی تھی، ان کا مرقد بھی وہیں ہے، اس قریہ اور حصار احمد آباد کے درمیان دریائے سابرمتی ہے، یہ دریا اس کے شمال مغرب کے درمیان ہے، یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ سلطان محمود بن محمد ان کا مرید تھا، اور یہ ارادت ان کے ساتھ اس کے اعتقاد اور حسن ظن کا نتیجہ تھی، اور کبھی ان سے وہ علم (؟) حاصل بھی کرتا تھا، اور اکثر ان کے پاس آیا جایا

کرتا تھا، اور سلطان اور اس کے اسلاف کی جانب سے ان کے، ان کے اہل وعیال، ان کے خاندان
اور ان کے اتباع کے بڑے بڑے وظائف مقرر تھے، اور سلطان کی اکثر کتابیں ان کے
قبضہ میں اور ان کے مدرسہ میں تھیں، ان کی وفات جمادی الاول ۹۶۲ھ میں ہوئی،
خدا ہم کو ان سے فائدہ پہنچائے[1]؛

محمود بیگرہ نے چانپانیر کو ۸۸۹ھ میں فتح کیا تھا، اور اسی فتح کی یادگار میں اس نے ابن
خلکان کے ترجمہ کا حکم دیا، جیسا کہ مقدمہ کے الفاظ سے ظاہر ہے، اور اس فتح کی مزید تصدیق اس
سے ہوتی ہے، کہ محمود بیگرہ نے چانپانیر کا نام محمد آباد رکھا، اور وہاں قلعہ تعمیر کرکے اس کے دونوں
دروازوں ہالول اور گودرہ پر ذیل کا کتبہ جلی خط نسخ میں کندہ کرا کے لگایا،

"الواثق باللہ المنان ناصر الدنیا والدین ابو الفتح محمود شاہ بن محمد شاہ بن
احمد شاہ بن محمد شاہ بن مظفر شاہ السلطان خلد اللہ تعالی ملکہ و سلطنتہ
و افاض علی العالمین برہ و احسانہ یوم الاحد فی ثانی شہر ذی القعدہ
سنہ تسع و ثمانین و ثمانمایتہ. کتبہ شیخ احمد بن محمد السلطانی[2]"

افسوس کہ قلعہ محمد آباد اور بیرون قلعہ کی اسلامی عمارتوں کے تمام کتبات ضائع ہو چکے ہیں،
ورنہ ان سے محمد آباد کے حالات پر خاصی روشنی پڑتی، ہالول نامی گاؤں میں ایک قدیم شکستہ مسجد کا
ایک کتبہ دستیاب ہوا ہے، جو ۹۳۰ھ مظفر ثانی کے زمانہ کا ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
چانپانیر کو چھوڑ دینے کے بعد بھی وہاں آبادی رہی،

سید عثمان سے محمود بیگرہ کو بہت عقیدت تھی، اس کا ثبوت ان کے مزار اور مسجد کی پرشکوہ

---

[1] عربی تاریخ گجرات ص ۲۲، یہ کتاب مسٹر ڈینین راس نے ۱۹۲۸ء میں نہایت آب و تاب سے تین جلدوں میں شائع کرکے اہل علم پر بہت بڑا احسان کیا ہے، [2] فہرست کتبات ادارۂ معارف اسلامیہ،

ایسی چیزوں پر کیا ہو، جنکو بظاہر ان داغون سے کوئی تعلق معلوم نہیں ہوتا، مثلاً بالدار جانوروں کے اون کی زیادتی اور کمی، دریاؤں اور جھیلوں کی سطح کا اتار چڑھاؤ، درختوں کی نشوونما، وہ بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے ہر ایک پر آفتاب کے داغوں کا اثر نمایاں طور پر پڑتا ہو، ان کا خیال ہے کہ ان داغوں کا اثر انسانی کاروبار پر بھی مختلف طریقوں سے پڑ سکتا ہے، مثلاً :-

۱- جب داغ زیادہ ہوتے ہیں، تو آفتاب سے گرمی زیادہ حاصل ہوتی ہے، لہذا سمندروں سے بخارات زیادہ اٹھتے ہین، بارش زیادہ ہوتی ہے، اور پیداوار کثرت سے ہوتی ہے، خوشحال کاشتکار اسوقت موٹرین، ریڈیو سٹ اور تعیشات کی چیزین خریدتے ہیں، ملک کی دولت بڑھ جاتی ہے، اور خوشحالی پھیلنے لگتی ہو،

۲- داغون کی کثرت کے زمانہ میں ہوا میں بجلی اور روانات (JONS) کی مقدار زیادہ ہو جاتی ہے، اس سے انسانوں کی صحت پر مفید اثر پڑتا ہو، اور ان میں امنگ پیدا ہوتی ہو، جب داغ کم ہوتے ہیں، تو ہوا میں بجلی بھی کم پیدا ہوتی ہو، اور صحت پر خراب اثر پڑتا ہے، اس طرح کاروبار پر بھی مختلف اثرات پڑتے رہتے ہیں،

ڈاکٹر کالڈول (Dr. Caldwell) نے آفتاب کے داغون اور کاروبار کے سالانہ نقشون کا مقابلہ کرکے معلوم کیا ہو کہ ۱۸۳۲ء کے بعد سے ابتک برابر یہ ہوتا آیا ہے کہ جس زمانہ میں ان داغوں کی تعداد سب سے زیادہ رہی ہو، کاروبار کی حالت بھی بہت اچھی رہی ہے، اور پھر جب وہ کم ہونا شروع ہوئے ہیں تو تیس مہینوں کے اندر کساد بازاری کا دور آگیا ہے، ڈاکٹر موصوف لکھتے ہین کہ آفتاب کے داغ اسوقت بڑھ رہے ہیں، اور ۱۹۳۸ء یا ۱۹۳۹ء میں اپنی بڑی سے بڑی تعداد تک پہنچ جائین گے، اگر اس نظریہ مین کوئی اصلیت ہے تو کاروبار تین سال تک اور ترقی کریگا، لہذا ۱۹۳۹ء یا ۱۹۴۰ء میں کساد بازاری کے لئے تیار ہو جانا چاہئے،

(ل - ڈ)
"ع ز"
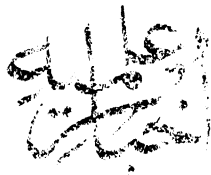
ذہنی خلاء

آپ محنت سے کوئی دماغی کام کرتے رہتے ہیں کہ ایک لمحہ کے لئے آپ کا دماغ خالی ہو جاتا ہے، آپ تقریر کرتے ہوتے ہیں، اور دفعتہً آپ کو محسوس ہونے لگتا ہے، کہ آپ اپنے خیالات مجتمع نہیں کر سکتے، ان لمحات میں آپ کو یہ خیال ہوتا ہے، کہ آپ کا دماغ جواب دے رہا ہے، حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ وہ صرف آرام کرنے لگتا ہے، گذشتہ اگست میں پروفیسر آرتھر بلس (Arthur Bills) ماہر نفسیات شکاگو یونیورسٹی نے اپنی یہ تحقیق بیان کی ہے، کہ ہر شخص کو اس "ذہنی خلاء" (Mental blank) کی شکایت ہوتی ہے، اور یہ ایک بالکل فطری چیز ہے، ان کا تجربہ ہے، کہ ایک دماغی کام کرنے والا شخص جو جسمانی طور پر تھکا ہوا نہیں ہے گھنٹوں بغیر تکان محسوس کئے ہوئے کام کر سکتا ہے، کیونکہ اس کا دماغ اس درمیان میں وقفوں کیساتھ غیر شعوری طور پر آرام کرتا رہتا ہے، دماغ کیلئے آرام کے یہ وقفے ایک منٹ میں تین سے پانچ مرتبہ تک آتے ہیں، یہ کامل ذہنی خلا جب کہ انتہائی کوشش سے بھی خیال کی گاڑی آگے نہیں بڑھ سکتی، عموماً بہت مختصر ہوتے ہیں یعنی ایک سکنڈ یا اس سے بھی کم لیکن ایک تھکا ہوا آدمی ایک منٹ میں آٹھ دس بار رکتا ہے، اور یہ وقفے دو تین سکنڈ کے ہو سکتے ہیں، ہر شخص کوئی نہ کوئی فقرہ یا الفاظ ان خلاؤں کو پُر کرنے کے لئے عادتاً استعمال کرتا ہے، مثلاً امریکہ کا صدر روز ولٹ (Roosevelt) تقریر کے دوران میں اکثر "میرے دوستو" (My frien-n-nds) بہت کھینچ کر کہا کرتا ہے،

قلب کی حرکت بھی یکساں رفتار کیساتھ جاری نہیں رہتی قلب چند لمحات کے لئے اپنی رفتار کم کرکے چوبیس گھنٹوں میں دس گھنٹے آرام کر لیتا ہے، لیکن دماغ اپنی مصروفیت کے اوقات میں سے اس سے کم وقت چراتا ہے، یہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے لئے غافل ہوکر کام کے اوقات کا ⅕ حصہ آرام میں صرف کر دیتا ہے، اگر کوئی شخص روز آٹھ گھنٹے دماغی کام کرتا ہے، تو اس کا دماغ حقیقۃً صرف چھ گھنٹے چالیس منٹ کا کام کرتا ہے، اور ایک گھنٹہ بیس منٹ آرام کرتا ہے،

اس دماغی عادت کے مطالعہ کے لئے پروفیسر بلس نے اپنے معمل میں ایک عجیب و غریب مشین لگا رکھی ہے، یہ مشین ایک ٹائپ رائٹر کی طرح ہے جس کے بٹنوں (Keys) پر حروف کے بجائے سُرخ سبز نیلے پیلے اور سفید رنگ ہیں، پروفیسر بلس کے معمول جو سب فارغ التحصیل طلبہ ہیں یکے بعد دیگرے تجربہ کے لئے بٹھائے جاتے ہیں، مشین کے سامنے ایک فیتہ ہوتا ہے، جو ایک روشن شگاف کے بیچ سے حرکت کرتا رہتا ہے، فیتہ پر یہی پانچ رنگ غیر مرتب طور پر لگے ہوتے ہیں، اور ایک وقت میں صرف ایک ہی رنگ نظر کے سامنے رہتا ہے، بٹن دبانے والے کو معلوم نہیں ہوتا، کہ کونسا رنگ اس کے بعد آنے والا ہے، جونہی وہ کسی رنگ کو دیکھتا ہے، اس رنگ کے بٹن کو دباتا ہے، اور اس کا یہ فعل مشین کے ایک حصے میں درج ہو جاتا ہے، یہ بھی درج ہو جاتا ہے کہ اس میں کتنا وقت صرف ہوا، ساتھ ہی ساتھ فیتہ آگے بڑھتا ہے، اور دوسرا رنگ سامنے آتا ہے، جب معمول کا دماغ خالی ہوتا ہے، تو وہ رنگ کی تمیز نہیں کرسکتا، اور اس کا تامل نقشہ پر جو مشین میں لگا ہوتا ہے درج ہو جاتا ہے،

ایٹن پبلک اسکول

ایٹن انگلستان کا سب سے بڑا پبلک اسکول ہے، اسے شاہ ہنری ششم نے غریب بچوں کے لئے ۱۴۴۰ء میں قائم کیا تھا، لیکن کچھ دنوں کے بعد اس میں دولت مند لوگوں کے بچے بھی داخل ہونے لگے

اور کئی سو برس سے تو یہ شہزادوں اور طبقۂ امراء کے بچوں کے لئے مخصوص ہوگیا ہے، اس کی تعلیم و تربیت کا معیار اسقدر بلند ہے، کہ برطانیہ کا ہر امیر سب سے پہلے اپنے بچوں کو اس میں داخل کرانے کی کوشش کرتا ہے، اور تعلیم شروع ہونے سے برسوں پہلے داخلہ کرا لیتا ہے، امیدواروں کی کثرت کی وجہ سے شاہی خاندان کے بچوں کے لئے بھی یہ احتیاط برتنی پڑتی ہے، چنانچہ ڈیوک آف کنٹ کا بچہ شہزادہ ایڈورڈ جس کی عمر صرف آٹھ مہینے ہے، ابھی حال میں اس کا نام ایٹن کے رجسٹر میں درج کرا دیا گیا ہے تاکہ آیندہ وہیں تعلیم حاصل کر سکے، شہنشاہ ایڈورڈ ہشتم کا بھانجا بھی تقریباً دو سال سے ایٹن ہی میں تعلیم پا رہا ہے، داخلہ کے لئے درخواستوں کی کثرت کا یہ حال ہے، کہ اس وقت ۱۹۴۵ء تک کے لئے تمام جگہیں پُر ہیں، اب والدین عموماً بچہ کی ولادت کے بعد ہی اس کا نام اسکول کے رجسٹر میں درج کرانے کی کوشش کرتے ہیں، تاہم ایٹن کے طلبہ کی تعداد انگلستان کے دوسرے پبلک اسکولوں کے مقابلہ میں زیادہ نہیں، اسوقت صرف ۱۱۲۰ طلبہ ہیں جن میں سے ۱۰۵۰ شہر ایٹن میں رہتے ہیں، اور صرف ۷۰ اسکول اور کالج کے دار الاقامہ میں، ایٹن میں قرونِ وسطیٰ کا ماحول ابتک نظر آتا ہے اور تبدیلیاں بہت کم دکھائی دیتی ہیں، انگلستان کے اکثر ممتاز ترین سیاست دان اور وزرا نے ایٹن ہی میں تعلیم پائی ہے، بہت کم برطانوی سفرا ایسے ہیں، جو ایٹن کے تعلیم یافتہ نہیں ہیں، اس وقت تک چھ ہزار سے زیادہ ممتاز اور شہرہ آفاق مدبرین وہاں کے طالب علم رہ چکے ہیں، گذشتہ صدی میں انگلستان کے پانچ وزیر اعظم ایٹن ہی کے تعلیم یافتہ تھے،

صحت کے آسان طریقے

انیسویں صدی کے مشہور امریکن ڈاکٹر اینڈریو ٹیلر اسٹل (Andrew Taylor Still) نے طب کے مسلّمہ اصولوں سے اختلاف کرکے یہ دعویٰ کیا تھا کہ اگر اعصاب و عضلات ریڑھ اور ہڈیوں

کو مالش، اور اسی قسم کے دوسرے طریقوں سے قوت پہنچائی جائے، تو جسم خود بخود صحت حاصل کرلیگا، اور دوا کی ضرورت باقی نہ رہے گی، اس دعوی کے ثبوت میں اُس نے اوسٹیو پیتھی (OSTEOPATH)
یعنی تشریح العظام کا ایک مستقل فن ہی قائم کردیا جسکی کامیابی روز بروز زیادہ نمایاں ہوتی جاتی ہے چنانچہ گذشتہ جولائی کے آخری ہفتہ میں امرکن اسٹیوتھیک ایسوسی ایشن کا سالانہ اجلاس جو نیویارک میں ہوا تھا، اس کی روئداد سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسوقت امریکہ میں نو ہزار اوسٹیو پیتھ ڈاکٹر کام کر رہے ہیں، جن کے زیر علاج دس لاکھ مریض ہیں، اس فن کی بنیاد حسب ذیل اصولوں پر ہے:-

۱۔ جسم اپنی معمولی حالت میں امراض سے اپنا تحفظ خود کرسکتا ہے، اور کرتا رہتا ہے،

۲۔ مرض اسی وقت قابو پاتا ہے، جب پہلے سے کوئی چیز اس حفاظت کرنے والی مشین کے پُرزے خراب کر دیتی ہے،

۳۔ لہذا امراض کے علاج کا طریقہ یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو اس مشین ہی کو درست کر دیا جائے، اور جسم میں امراض کے دفع کرنے کی قوت از سر نو پیدا کر دی جائے،

انہی اصولوں کی بنا پر ایسوسی ایشن مذکور کے سکریٹری ڈاکٹر میک کاگن (R.MC CAN GHAN) نے صحت کے چند آسان قاعدے تجویز کئے ہیں، جو عموماً مفید ثابت ہوں گے، وہ یہ ہیں:-

۱۔ رات کو آٹھ گھنٹے سوؤ، (۲) روز دو ڈھائی سیر کوئی رقیق چیز پیو، (۳) کھانے میں مختلف اقسام کی چیزیں ہوں، تھوڑی سی بھوک رکھ کے کھاؤ، آہستہ آہستہ اور سکون کیساتھ کھاؤ، اگر سکون کیساتھ کھانے کا وقت میسر نہیں ہے، تو بہتر یہی ہو کہ مطلق نہ کھاؤ، (۴) کھیل کود میں امتیاز اور کمال حاصل کرنے کی کوشش نہ کرو، یہ حوصلہ پیشہ ور لوگوں اور نوجوان کے لئے رہنے دو، (۵) چلو زیادہ، (۶) فکر و تردد اور عجلت سے بچتے رہو،

"ع ز"

حقیقتِ دل

از جناب عبد السمیع صاحب پال اثر صہبائی ایم اے ال ال بی

وہ دل کہ جور و جفا پر خوشی سے رقصاں ہے
وہ دل کہ رنج و الم میں بھی شاد و فرحاں ہے

وہ دل کہ تیغِ ستم سے لپٹ کے پیار کرے
وہ دل کہ بحرِ الم کو خوشی سے پار کرے

وہ دل کہ تمکنتِ کوہسار ہے جس میں
وہ دل کہ جوشِ یم بے قرار ہے جس میں

وہ دل کہ سیلِ حوادث پہ مسکراتا ہے
وہ دل کہ جنگ کے نعروں پہ جھوم جاتا ہے

وہ دل کہ ظلمتِ زنداں میں بھی درخشاں ہے
وہ دل کہ دار و رسن پر بھی زمزمہ خواں ہے

وہ دل کہاں ہے؟ فقط اہلِ حق کے سینے میں

وہ دل جو قیصر و کسریٰ کے سامنے نہ جھکے
وہ دل جو شوکتِ دنیا کے سامنے نہ جھکے

وہ دل جو سدرہ و طوبیٰ سے بھی بلند رہے
پر آستانۂ حق پر نیاز مند رہے

وہ دل جو خنجرِ قاتل ہے اہرمن کیلئے
وہ دل جو شمع ہے یزداں کی انجمن کیلئے

جو بے قرار ہے ہر دردمند کے غم پہ
جو اشکبار ہے ہر ایک چشم پرنم پر

وہ دل کہ شام و سحر ایک آہ ہے گویا
بہارِ عشق کی اک جلوہ گاہ ہے گویا

وہ دل کہ ہے غم و سوز و گداز کی دنیا
سرور و مستی و ذوقِ نیاز کی دنیا

وہ دل کہاں ہے؟ فقط اہلِ حق کے سینے میں

وہ دل کہ جس میں درخشاں ہو آفتابِ وفا ۔ وہ دل کہ جس میں فروزاں ہو ماہتابِ صفا

وہ دل کہ گوہرِ غلطاں سے بھی ہو تاباں تر ۔ وہ دل کہ صبحِ بہاراں سے بھی ہو خنداں تر

خیالِ شاعرِ رنگیں بیان سے رنگیں تر ۔ تبسّمِ لبِ حورِ جناں سے شیریں تر

وہ دل کہ جسمیں محبت کے پھول کھلتے ہیں ۔ وہ دل کہ جس میں بہم سوز و ساز ملتے ہیں

وہ دل کہ شمعِ محبت کا نور ہے جس میں ۔ وہ دل کہ بادۂ حق کا سرور ہے جس میں

وہ دل کہ حضرتِ یزداں بھی جسکو پیار کرے ۔ وفورِ شوق و محبت سے ہمکنار کرے

وہ دل کہاں ہے؟ فقط اہلِ حق کے سینے میں

غزل

جناب مولینا عبد السلام صاحب ندوی،

پوچھ لو میری آرزو مجھ سے ۔ آخری ہے یہ گفتگو مجھ سے،

کر دے بیخود دسنگھا کے زلف کی بو ۔ چھین لے آج مجھکو تو مجھ سے،

گم کرو خود کو تب اُسے پاؤ ۔ کہتی ہے اس کی جستجو مجھ سے،

یاد اُس چشمِ مست کی آئی ۔ چھین لو ساغر و سبو مجھ سے،

انکی تصویر بھی ہے انکی شریک ۔ کس مزے کی ہو گفتگو مجھ سے،

میں جو تھک جاؤں ڈھونڈ لائے آئے ۔ بڑھ کے کچھ شوقِ جستجو مجھ سے،

رُخِ رنگیں کا ہے گلوں سے خطاب ۔ کون لیتا ہے رنگ و بو مجھ سے،

اُٹھ رہے ہیں بگولے صحرا میں ۔ سیکھنے طرزِ جستجو مجھ سے،

ہیں اشارے یہ موجِ مے کے تبسّم ۔ کر بھی لو آج تم وضو مجھ سے،

رنگِ تغزل

از جناب احسان دانش صاحب

وہ میری بزم تصور پہ چھائے جاتے ہیں
نظر سے چھپتے ہیں دل میں سمائے جاتے ہیں

ترے نثار میری جاں مصورِ فطرت،
کس اہتمام سے گلشن سجائے جاتے ہیں

مرے نیاز سے پیدا ہیں نازکے تیور،
وہ سر بسر میری ہستی پہ چھائے جاتے ہیں

خدا کی شان وہ آنسو ہیں اور مرادِ من
جن آنسوؤں سے ستارے بنائے جاتے ہیں

خوشا کہ عاجزیِ عشق کی اداؤں مین
غرورِ حسن کے انداز پائے جاتے ہیں

میں اس مقام پہ گم ہون کہ جس جگہ ہر دم
مسیح و خضر کو رستے بتائے جاتے ہیں

مری وفا پہ نہ جا حسن کی شکست کو دیکھ
تری جفا کے قدم ڈگمگائے جاتے ہیں

وصالِ ہجر کے پردے میں رات دن احساں
حیات و موت کے خاکے بنائے جاتے ہیں،

کلیاتِ شبلی اردو

مولینا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور ٹرکی، طرابلس بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کی چہل سالہ جد وجہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۲۰ صفحے، قیمت :- عہ

"منیجر"

صاحب قاسمی، تقطیع ۲۲×۱۸، حجم ۸ صفحات کاغذ سپید، کتابت وطباعت اچھی، قیمت سالانہ سے ر، ششماہی عار، طلبہ کے لئے سالانہ و ششماہی ۱۲ار اور ۱۲ر، پتہ دفتر استقلال دیوبند ضلع سہارنپور یوپی،

یہ اخبار تقریباً ایک سال سے دیوبند سے نکل رہا ہے، ابنائے دیوبند کی ترجمانی اس کا مقصد ہے چونکہ وہ ہندوستان کی ایک علمی و مذہبی جماعت کا ترجمان ہے، اس لئے علمی پہلو غالب ہے اور اسمین علمی و مذہبی معلومات کا کافی ذخیرہ ہوتا ہے، اور ان مباحث پر التزام کے ساتھ مفید اور پر از معلومات مضامین نکلتے ہین، عام معلومات کے لئے ہفتہ بھر کی خبروں کا خلاصہ اور اہم مسائل پر تبصرہ ہوتا ہے، اس اخبار سے سنجیدہ اخبارات کی صف میں ایک مفید اضافہ ہوا ہے،

دور جدید (ہفتہ وار) مرتبہ ملک احسن صاحب تقطیع ۲۲×۱۸، حجم ۱۶ صفحات کاغذ سپید، کتابت وطباعت صاف وروشن قیمت معلوم نہیں، پتہ نمبر ۹۴، کشمیر بلڈنگ میکلوڈ اسٹریٹ لاہور،

یہ اخبار عرصہ سے ملک خدا بخش کی نگرانی مین نکل رہا ہے، ہمیں حال میں ریویو کے لئے موصول ہوا ہے، اسوقت اسکی ادارت ملک احسن صاحب کے ہاتھون میں ہے، لاہور کے ہفتہ وار اخبارون میں دور جدید ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اس مین مذہبی سیاسی علمی تاریخی ہر قسم کے مفید اور پر از معلومات مضامین ہوتے ہیں، ہفتہ بھر کی اہم خبروں کا خلاصہ اور قابلِ توجہ واقعات پر تبصرہ ہوتا ہے، سر صفحہ پر پابندی کیساتھ ایک نظم ہوتی ہے، مجموعی حیثیت سے یہ اخبار دلچسپ اور مفید ہے،

پیکار (ہفتہ وار) مرتبہ ملک برکت علی صاحب تقطیع ۲۲×۱۸، حجم ۱۰ صفحات کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت سالانہ للعہ ششماہی عہ فی پرچہ ار ماہوار اڈیشن ۲ر میلنگ روڈ لاہور،

یہ اخبار تھوڑے دنوں سے نکلنا شروع ہوا ہے، اس کا خاص مقصد ہندوستانی زبان کی خدمت و اشاعت ہے، اسی لئے اس کے بیشتر مضامین ماہانہ ادبی رسائل کی طرح ادب اور افسانون پر مشتمل ہوتے ہین، ایک آدھ سنجیدہ اور مفید مضمون بھی ہوتا ہے، حوادثِ روزگار کے ماتحت ہفتہ بھر کی اہم خبریں بھی دیجاتی ہین

مجموعی حیثیت سے اخبار دلچسپ ہے،

تاج (ہفتہ وار) مرتبہ نشتر صاحب جالندھری و قربان علی صاحب تقطیع ۲۲×۲۹/۴ حجم ۱۶ صفحات کاغذ سپید کتابت وطباعت صاف و روشن، قیمت سالانہ سے ششماہی ۲ فی پرچہ ار

پتہ :- دفتر تاج کمپنی لمیٹڈ ریلوے روڈ لاہور،

لاہور کی مشہور تاج کمپنی کی جانب سے ایک ماہانہ رسالہ تاج نکلا کرتا تھا، اب اسکو ہفتہ وار کر دیا گیا ہے، اس تغیر کیساتھ اس کے مقاصد میں اتنی وسعت پیدا ہو گئی ہے، کہ ان کا احاطہ دشوار ہے، مثلاً قوم کی مذہبی تمدنی، اقتصادی اصلاح و ترقی، آزادی ملک و ملت، علوم جدیدہ ادب و شعر کا مذاق پیدا کرنا ہندوستانی زبان کی توسیع و اشاعت، فرقۂ نسوان کی ترقی، اسلام کا پیام دنیا کے گوشوں میں پہنچانا وغیرہ ان مقاصد کی مناسبت سے وقتاً فوقتاً مضامین کا رنگ و ذائقہ بدلتا رہتا ہے، خدا ان وسیع ذمہ داریوں کی تکمیل میں اعانت فرمائے،

پاکستان (ہفتہ وار) مرتبہ سید غلام حسین شاہ صاحب کاظمی تقطیع ۱۸×۲۲/۲ حجم ۱۲ صفحات کاغذ، کتابت، وطباعت معمولی، عام سالانہ قیمت :- ع۴ ششماہی سے پتہ دفتر پاکستان خواجہ بلڈنگ ایبٹ آباد،

صوبہ سرحد اپنی بساط کے موافق ہندوستانی زبان کی خدمت مین کسی صوبہ سے پیچھے نہیں ہے، چنانچہ اس وقت یہان سے کئی رسائل و اخبار نکلتے ہین، چند مہینوں سے ایک نیا ہفتہ وار اخبار پاکستان نکلا ہے جس کا مسلک مذہب کے تحفظ کے ساتھ ملک و قوم کی خدمت ہے، اس میں ہفتہ بھر کی سیاسی خبرین اور اہم واقعات پر تبصرہ ہوتا ہے، کبھی کبھی عام معلومات کے لئے بعض مستقل مضامین بھی ہوتے ہیں، امید ہے کہ صوبہ سرحد کا یہ نقیب وہاں کے مسلمانون کی مفید خدمت انجام دیگا،

سہیل (ہفتہ وار) مرتبہ مولنیا ابو الجلال صاحب ندوی حجم ۸ صفحات تقطیع ۱۸×۲۲/۲

کاغذ سپید کتابت وطباعت غنیمت قیمت سالانہ مقامی خریداروں کے لئے ۶ع، باہر والوں

کے لئے سے رنی پرچہ ۲، پتہ:- ۱۲ سیڈن ہام روڈ پارک ٹون مدراس،

ہمارے پرانے رفیق مولانا ابو الجلال صاحب ندوی کئی سال سے مدراس میں مقیم ہیں، اور وہاں

مختلف علمی خدمات انجام دے رہے ہیں، حال میں انھوں نے ایک ہفتہ وار اخبار سہیل نکالا ہے، مدراس سے

وقتاً فوقتاً ہندوستانی زبان کے متعدد اخبارات نکلتے رہتے ہیں، اور اب بھی نکل رہے ہیں، لیکن سہیل

اپنی ظاہری اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے ان سب میں بلند ہے، مولانا نہایت پرانے قوم پرست ہیں

یہی مسلک ان کے اخبار کا بھی ہے، سیاسی خبروں اور مضامین کے علاوہ سہیل میں بالالتزام اسلامی اور

علمی مباحث پر بھی نہایت مفید مقالات ہوتے ہیں، امید ہے کہ یہ اخبار مدراس میں ہندوستانی

زبان کی مفید خدمت انجام دیگا، اور وہاں کے اخبارات کا معیار بلند کر دے گا، لیکن ہم کو مولینا کے

استقلال سے خطرہ ہے کہ یہ بھی اسکا شکار نہ ہو جائے،

سرکار، (ہفتہ وار) مرتبہ ایس گوپال صاحب، ایم ایس سی، تقطیع ۲۰×۲۶/۴

حجم ۱۴ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت سالانہ سے ششماہی :- ۱ع،

پتہ لاٹوش روڈ لکھنؤ،

یہ اخبار دو تین مہینوں سے لکھنؤ سے نکل رہا ہے، اس کے ابتدائی نمبر ہماری نظر سے نہیں گذرے

اس لئے ہم اس کے مقصد کو صحیح طور سے متعین نہیں کر سکتے، لیکن اس میں دیہاتوں اور پسماندہ

طبقوں کی اصلاح و ترقی کے لئے بالالتزام مضامین اور افسانے ہوتے ہیں، اس سے قیاس ہوتا

ہے کہ شاید دیہات کی اصلاح و ترقی اس کا مقصد ہو، ہفتہ بھر کی اہم خبروں کا خلاصہ بھی ہوتا ہے،

عام دلچسپی کے لئے ایک آدھ افسانہ بھی نظر آتا ہے،

(م)

ایک انگریزی اخبار **ٹروتھ** (ہفتہ وار) مرتبہ جناب فضل کریم خانصاحب درانی، تقطیع چھوٹی، حجم آٹھ صفحات، کاغذ، ٹائپ اور چھپائی نہایت عمدہ، قیمت سالانہ للعہ، پتہ نمبر ۲۶، ریلوے روڈ، لاہور،

انگریزی کا یہ اسلامی ہفتہ وار اخبار ملک میں اب اس حد تک مشہور ہوچکا ہے، کہ کسی جدید تعارف کی ضرورت نہیں، ڈیڑھ سال سے جناب فضل کریم خاں صاحب درانی کے زیرادارت پابندی کے ساتھ جاری ہے، اور اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے مسلمانوں کے معدودے چند انگریزی اخباروں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ مسلمانوں پر جو مظالم غیروں کے ہاتھوں آئے دن ہوتے رہتے ہیں، انھیں پوری طرح محسوس کرتا ہے، اور ان کے خلاف احتجاج کرنے میں مطلق تامل نہیں کرتا، حال میں فلسطین کے مظالم پر جو افتتاحیہ اُس نے لکھا ہے، وہ باوجود مختصر ہونے کے اپنی صداقت میں استدبیباک اور تلخ ہے، کہ مولینا محمد علی مرحوم کے بعد اس کی توقع کسی دوسرے قلم سے مشکل سے کی جاسکتی تھی، مسلمانوں کے معاشی اور اقتصادی مسائل پر بھی اس کی رائیں سنجیدہ اور صائب ہوتی ہیں، انگریزی ایسی عمدہ ہوتی ہے کہ مدیر پر اہل زبان ہونے کا شبہہ ہوتا ہو، اخبار بلاشبہہ اس قابل ہو کہ مسلمان اسکی قدردانی میں بخل نہ کریں، (ع ز)

رسالہ الاصلاح ماھوار

دائرۂ حمیدیہ، مدرستہ الاصلاح، سرائے میر، اعظم گڈھ (یوپی)

یہ رسالہ قرآنی مطالب و مباحث کے لئے مخصوص ہے، اس میں استاذ امام مولینا حمید الدین فراہیؒ کے قرآنی معارف بالالتزام شائع ہوتے ہیں، مولینا کے تلامذہ جو ان کے اصول پر قرآن مجید میں تدبر کررہے ہیں، انکے مضامین بھی ماہ بماہ اسمیں شائع ہوتے رہتے ہیں، عام ضیافت ذوق کے لئے سنجیدہ علمی وادبی مضامین اور موقر علمی رسائل کے اقتباسات بھی شائع ہوتے ہین، کتابت، طباعت، کاغذ، عمدہ، صفحات ۴۸،

قیمت سالانہ للعہ، ششماہی عہ، **منیجر**:۔ رسالہ الاصلاح

مطبوعات جدیدہ

قادیانی مذہب، مرتبہ پروفیسر حاجی محمد الیاس صاحب برنی ام اے، استاذ معاشیات جامعہ عثمانیہ تقطیع ۲۰×۲۶ حجم ۹۹۶ صفحات، کاغذ سپید، کتابت وطباعت بہتر، قیمت، ۳ ر

پتہ کمال احمد صاحب فاروقی بیت السلام حیدرآباد دکن،

یہ کتاب برنی صاحب کی کوئی تصنیف نہیں ہے، بلکہ ان کی پرانی تالیف "قادیانی مذہب" کی جو پہلی مرتبہ ۱۳۵۳ھ میں شائع ہوئی تھی مکمل تر اور شاید آخری شکل ہے، برنی صاحب محض ایک پروفیسر معاشیات نہیں ہیں، بلکہ اس سے زیادہ وہ مذہب و ملت کا درد رکھنے والے خادم اسلام ہیں، اس سلسلہ میں انھوں نے نہایت مفید اور قابلِ قدر خدمات انجام دی ہیں، ادھر چند برسوں سے ان کی دینی حمیت نے انھیں وقت کی ایک اہم ترین ضرورت اور مذہب کی ایک بڑی خدمت یعنی قادیانی مذہب کے احتساب کی طرف متوجہ کر دیا ہے، چنانچہ انھوں نے آج سے چار سال پہلے ایک مختصر کتاب "قادیانی مذہب" لکھی جس میں مرزا غلام احمد اور ان کی امت کے اکابر کے قلم سے ان کی اور ان کے مذہب کی تصویر دکھائی تھی، اس کتاب کو اتنا حسنِ قبول حاصل ہوا کہ چار سال کے اندر اس کے چار اڈیشن شائع ہوئے، جن میں سے ہر ایک جامعیت و تکمیل میں پہلے سے بڑھکر تھا، موجودہ چوتھا اڈیشن سب میں جامع تر اور مکمل تر ہے، اسکی جامعیت کا اندازہ کتاب کی ضخامت اور اس کے فصول و مباحث کی کثرت سے ہو سکتا ہے، پوری کتاب میں بیس فصلیں اور چند ضمیمے ہیں، ہر فصل میں بکثرت مباحث ہیں، بعض بعض فصلوں کے مباحث کی تعداد سو سے اوپر ہے، پوری کتاب کے مباحث

ایک ہزار سے بھی زیادہ ہین، استیعاب کی یہ شان ہے کہ مرزا غلام احمد کے خاندانی حالات اور انکی پیدایش سے لیکر ان کی وفات تک کا کوئی واقعہ اور قادیانی مذہب کا کوئی رُخ اور کوئی پہلو چھوٹنے نہیں پایا ہے، عجب نہیں کہ اس کتاب کو دیکھکر قادیانی امت پکار اٹھی ہو، ما لھذا الکتاب لایغادر صغیرۃ ولا کبیرۃ الا احصٰہا،

اس کتاب کی تالیف میں برنی صاحب نے قادیانی مذہب کا سارا لٹریچر کھنگھال ڈالا ہے، اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے، کہ بعض ضروری تشریحات اور حواشی کے علاوہ مصنف نے خود اپنی طرف سے کچھ نہیں لکھا ہے، بلکہ خود مرزا صاحب اور قادیانی مذہب کے اکابر کے قلم و زبان سے بنیِ قادیان اور ان کے مذہب کی تصویر کھینچدی ہے، گویا مصنف نے قادیانیوں ہی کا بنایا ہوا آئینہ لاکر ان کے سامنے کھڑا کر دیا ہے، جس میں ان کے تمام خط و خال صاف نظر آتے ہین، اور بہ یک نظر انکی پوری تاریخ نگاہون کے سامنے آجاتی ہے، جہان خود کچھ لکھنے کی ضرورت پڑی ہے، وہاں بھی تہذیب و متانت کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا ہے، جو مناظرانہ تحریروں میں عنقا ہے، اس موضوع پر بلکہ شاید مناظرے کی تاریخ میں اس نوعیت کی یہ پہلی کتاب ہے، یہ طریقہ نہ صرف متین و سنجیدہ بلکہ سب سے زیادہ موثر اور کامیاب بھی ہے، آج کل بہت سے ناواقف اور سادہ لوح مسلمان بلکہ بعض کوتاہ نظر تعلیم یافتہ تک قادیانی مذہب کی حقیقت سے بےخبر ہین، اور کم از کم انکے تبلیغی ڈھونگ سے متاثر نظر آتے ہین، ایسے لوگون کے لئے اس کتاب کا مطالعہ نہایت ضروری ہے، اسکو پڑھنے کے بعد قادیانی مذہب کی حقیقت بالکل آئینہ ہو جاتی ہے، خدا مصنف کو اس عمل حسنہ کی جزاے خیر دے،

فلسفہ جمال، مرتبہ ریاض الحسن صاحب ایم اے تقطیع بڑی ضخامت ۸۶ صفحات، کاغذ سپید خط ٹائپ روشن و جلی، قیمت عہ/، پتہ کتابستان نمبر ۱۷، اے سٹی روڈ الہ آباد،

موجودہ علمی ترقیون نے دنیا کی ہر شے کو فنی حیثیت دیدی ہے، حتی کہ "جمالیات" جیسی لطیف

حقیقت بھی جو محض ایک ذوقی اور وجدانی شے ہے طلسم خانۂ علم میں اسیر ہے، جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے، اس میں لائق مصنف نے فلسفۂ جمال کی وضاحت بلکہ تجزیہ و تحلیل کی ہے، اس میں جمال اپنے وسیع معنوں میں استعمال کیا گیا ہے، یعنی خط و خال کے حسن سے لیکر مصوری، صنمگری، موسیقی شاعری وغیرہ تک تمام فنون لطیفہ داخل ہیں، پہلے اس کتاب میں نفس جمال پر بحث ہے، کہ حسن کیا ہے تخیل سے اس کا کیا تعلق ہے، احساس حسن کے کتنے اجزا ہیں، حسن و آرٹ میں کیا تعلق اور ان میں کیا فرق ہے، پھر حسن کے حامل یا اس کے مظہر آرٹسٹ و شاعر کے کیفیات اور جذبات پر گفتگو ہے، کہ وہ باطنی تاثرات سے متاثر یا ملہم ہوتا ہے، اور یہ تاثرات مختلف رنگوں میں پھوٹتے ہیں، انہی کے ماتحت وہ اپنے تاثرات کو متشکل کرتا ہے، اس طرح گویا حسن کا ظہور ہوتا ہے، پھر آرٹ کے اجزا ترکیبی ان کے امتزاج اور ہم آہنگی پر بحث ہے، پھر حسن و بدصورتی کا تعلق دکھایا گیا ہے، کہ بسا اوقات ان کے تقابل سے جمال نمایاں ہوتا ہے، پھر صاحب فن کی عظمت و بزرگی، اور اس کے کمال پر اظہار خیال ہے، آخر میں آرٹ و اخلاق اور اس کے مختلف پہلوؤں پر بحث ہے، اور آرٹ و اخلاص پر اس لطیف حکایت کا خاتمہ ہے،

کتاب مجموعی حیثیت سے دلچسپ ہے، جمالیات کی مناسبت سے حسن بیان کا خاص اہتمام رکھا گیا ہے، جابجا دلچسپ اشعار کی آمیزش سے جو تشریح و وضاحت کے لئے لائے گئے ہیں، اس میں اور اضافہ ہو گیا ہے، اور کتاب میں فلسفہ کی خشکی کے بجائے ادب کی تری پیدا ہو گئی ہے، اب یہ اہل جمال جانیں، کہ اس سے فن کو کہاں تک فائدہ پہنچا،

افسانہ نگاری مصنفہ سید وقار عظیم صاحب ایم اے تقطیع چھوٹی، حجم ۱۸۶ صفحے کاغذ سپید، کتابت و طباعت صاف قیمت ۱۲؎ پتہ سرسوتی، پبلشنگ ہاوس الہ آباد،

ہندوستانی زبان میں مختصر افسانہ نگاری کا مذاق روز بروز بڑھتا جاتا ہے، افسانوں کی مقبولیت

اتنی عام ہوتی جاتی ہے، کہ بیشتر رسائل اسی "جنس لطیف" سے معمور رہتے ہیں، ہر نوجوان کی پہلی قلمی کوشش کا جولانگاہ افسانون ہی کا میدان ہوتا ہے، لیکن افسانون کی اس مقبولیت اور ارزانی کے باوجود ہندوستانی زبان میں فن افسانہ نگاری پر دوچار مختصر مضامین اور دوایک ابتدائی تصانیف کے علاوہ کوئی مستقل کتاب نہ تھی، سید وقار عظیم صاحب نے "افسانہ نگاری" لکھ کر ایک حد تک اس کمی کو پوری کر دیا ہے، اس کتاب میں فنی حیثیت سے افسانہ نگاری کے اصول ضوابط، اس کے اجزاء، مثلاً افسانہ کی حقیقت، اس کی سرخی، اسکی ترتیب، ابتدا، وخاتمہ، افسانہ وکردار نگاری، افسانہ وحقیقت، افسانہ ومحبت، اور اتحاد اثر وغیرہ افسانے کے تمام اجزاء اور اس کے لوازم وشرائط پر تفصیلی بحث ہے، یہ کتاب نومشق افسانہ نویسون کے لئے مفید اور لائق مطالعہ ہے،

ہماری افسانے، مصنفہ سید وقار عظیم صاحب ایم اے، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۴۴ صفحات، کاغذ سپید کتابت وطباعت اچھی، قیمت عہ، پتہ سرسوتی پبلشنگ ہاؤس، الہ آباد،

یہ کتاب گویا پہلی کتاب "افسانہ نگاری" کا تتمہ اور تکملہ ہے، اس میں فنی حیثیت سے پہلی کتاب کے مباحث پر کوئی جدید اضافہ نہیں ہے، بلکہ ابتدا میں افسانہ نگاری کی مختصر تاریخ ہے، پھر افسانون کے اقسام، مقامی رنگ کے افسانے، اصلاحی افسانے، تراجم، رومانی، جاسوسی اور ہیبت ناک افسانے وغیرہ پر بحث ہے، اور جابجا "افسانہ نگاری" میں بتائے ہوئے اصول وضوابط کی روشنی میں اون کی وضاحت وتشریح کی گئی ہے، آخر میں ہندوستان کے مشاہیر افسانہ نگارون کی خصوصیات اور فنی نقطۂ نظر سے ان پر تبصرہ کیا گیا، جس سے افسانہ نگاری کے اصول وضوابط ذہن نشین ہوجاتے ہین، غالباً یہ کتابین مصنف کی پہلی قلمی کوشش کا ثمر ہیں، اس لئے زبان میں خامی اور ناہمواری ہے، جو امید ہو کہ مشق ومہارت سے دور ہو جائیگی،

(ض)

دار المصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصۂ اول، جس میں قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۴۵ صفحے قیمت، للعہ

از مولانا عبد السلام ندوی،

حصۂ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

گل رعنا- اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۸ صفحے، قیمت:- صہ ر از مولانا سید عبد الحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولانا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولانا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصۂ اول- ضخامت ۳۴۹ صفحے، قیمت:- ۱۲ر

حصۂ دوم، " ۲۶۱ " " ۱۲ر

موازنۂ انیس و دبیر (از مولانا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میر انیس کی شاعری پر ریویو، اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میر انیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے، ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت: ے ر سے ر

کلیات شبلی اردو، مولانا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

افادات مہدی، ملک کے نامور انشا پرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈہ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ے ر حجم ۳۰۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر اجمالی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲ر کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (از مولانا سید ریاست علی ندوی)

دار المصنفین کی سیٹ جدید فہرست

اور کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف،

سنہ ۱۹۳۵ء سے ہم نے دار المصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کر دی ہے، مکتبۂ دار المصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہو گئی ہے، امید ہے کہ جو لوگ اس وقت تک دار المصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دار المصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبی کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ ۱۸ روپیہ ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت ۲۷ ہے، لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیے میں دیا جائیگا، لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دار المصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جا سکتا، کمیشن کی رعایت بہرصورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی   منیجر دار المصنفین   اعظم گڈھ

(مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا)

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۸۰۷

سنہ ۱۹۳۶ء

مجلس دار المصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت :- پانچ روپیہ (۵) سالانہ

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

دار المصنفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد اول مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے، جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب جلا وطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۵۴۶ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت: للعہ، جلد دوم زیر طبع ہے، مرتبہ سید ریاست علی ندوی،

تاریخ فقہ اسلامی، مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جسمیں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت: للعہ، مترجمہ مولنا عبد السلام ندوی،

رقعات عالمگیر، اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۴۹۷ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت: للعہ، مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی،

مقدمہ رقعات عالمگیر اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط و رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ، ضخامت ۴۸۷ صفحے، قیمت: صہ، مصنفہ سید نجیب اشرف ایم اے، ندوی،

الفاروق یعنی حضرت فاروق اعظم کی لائف اور طرز حکومت صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل، اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

مولنا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گراں پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اعلیٰ اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت: للعہ

خلفائے راشدین، سیر المہاجرین کا حصہ اول، یہ چاروں خلفاء کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۴۸۰ صفحے، قیمت: ہے، از مولنا حاجی معین الدین ندوی،

(دار المصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست دفتر دار المصنفین اعظم گڈھ سے طلب کیجئے)

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ

جلد ۳۸ | ماہ شعبان المعظم ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ نومبر ۱۹۳۶ء | عدد ۵

مضامین

شذرات

ہندوستانی زبان کی ترقی و تحفظ کے مسئلہ پر غور کرنے کیلئے ۲۴-۲۵- اکتوبر ۱۹۳۶ء کو علیگڈہ مین اردو کانفرنس کے دو عام اجلاس اور ایک خاص مشاورتی جلسہ منعقد ہوا، بنگال بہار، مدراس اور پنجاب کے متعدد اور صوبہائے متحدہ کے اکثر اہل قلم و اہل ادب و اہل الرائے موجود تھے، پہلے عام اجلاس مین صدر استقبالی ڈاکٹر ضیاء الدین صاحب کی طرف سے کہ وہ بیمار تھے، نواب صدر یار جنگ بہادر نے خطبۂ استقبال پڑھا، پھر صدر منتخب جناب راجہ صاحب محمود آباد نے جن کو شاید پہلی دفعہ اس قسم کے مجمعون مین شرکت کا اتفاق ہوا ہوگا، اپنا خطبۂ صدارت پڑھا، ان خطبون مین کوئی بات نہ تھی لیکن بہرحال ان سے اجلاس کا رسمی افتتاح ہوگیا، اور کل کی تجاویز پر غور کرنے کے لئے ایک سب کمیٹی بنادی گئی،

ان سب کمیٹی نے ۲۵ کی صبح سے لیکر دوپہر تک اپنا کام کیا، اور ہندوستانی زبان کو پورے ملک مین پھیلانے بڑھانے اور ترقی دینے کی تجویزون پر غور کیا، اور ایک ایسا خاکہ تیار کیا کہ جس پر چند سال بھی اگر مستعدی و گرمجوشی کیساتھ کام کیا گیا، تو یقین ہے کہ ہماری زبان کی جغرافی اور معنوی وسعت اب سے دوچند ہو جائیگی، یہ بھی طے پایا کہ انجمن ترقی اردو کا مرکز دلی قرار دیا جائے، اور سارے صوبون اور دیسی ریاستون مین اسکی شاخین قائم ہون، اور ان کے ماتحت ذیلی انجمنین قائم کیجائین، اور کوشش کیجائے کہ ہر صوبہ کے سرکاری دفترون اور درسگاہون مین ہندوستانی کو وہ حیثیت دیجائے جس کی وہ مستحق ہے، یہ بھی طے پایا کہ دہلی مین ہندوستانی کا ایک مکمل اشاعت خانہ اور ایک کتبخانہ قائم کیا جائے، انجمن کے لئے تین کمیٹیان بنائی گئین جنمین سے ایک اصلاح زبان و خط و رسم الخط کے مسئلون پر غور کریگی، دوسری ادبی مجلس ہوگی جس کے ارکان انجمن کے سلسلۂ تصنیف و تالیف و ترجمہ کے متعلق رائین دینگے، اور تیسری کمیٹی انجمن کے مطبع اور اشاعت خانہ کے متعلق تجاویز پیش کرے گی،

دوسرے عام اجلاس مین سب کمیٹی کے مجوزۂ لائحۂ عمل کو پڑھ کر سنایا گیا، اور حاضرین نے بالاتفاق اسکو منظور کیا، اس اجلاس کی صدارت نواب مہدی یار جنگ بہادر وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن نے فرمائی، موصوف نے ہندوستانی زبان اور اس زبان مین تعلیم کے مسئلہ پر ایک مختصر لیکن پرمغز تقریر فرمائی جس کو حاضرین نے توجہ کے ساتھ سنا، آخر مین نواب صدر یار جنگ بہادر نے صدر کے اور مولوی عبد الحق صاحب سکریٹری نے حاضرین اور منتظمین کے شکریہ کا فرض ادا کیا، اور جلسہ ختم ہو گیا،

یہ کانفرنس اپنی نوعیت کی گویا پہلی کانفرنس تھی، نہ اس مین پرجوش تقریرین ہوئین، نہ ہنگامہ آرا تجویزین پیش ہوئین، نہ مجوزین اور مؤیدین کے نامون کی نمایش ہوئی، نہ تجویزون کی مخالفت اور ترمیم کا شور بلند ہوا، اسکو اور اطمینانِ خاطر کے ساتھ چند کام کرنے والے جمع ہوئے، اور اتفاق و اتحاد کے ساتھ سب نے مل کر کچھ تجویزین پیش کین اور منظور کین، اور آیندہ مستعدی کے ساتھ کام کرنے کا تہیہ کیا،
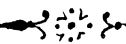
اس کانفرنس کی دوسری خصوصیت اسکی نمایندہ حیثیت تھی، شاید یہ پہلا موقع ہو جب سیاسیات کے پرشور تماشون کے بغیر کچھ سوچنے والے اور کام کرنے والے لوگ ملک کے مختلف حصون سے اکٹھے ہوئے، اور انکی ایک ایسی اچھی خاصی تعداد جمع ہو گئی جس کو دیکھکر یہ ماننا پڑا کہ اہل ملک مین اپنی زبان کی ترقی وتحفظ کا خیال پہلے سے بہت زیادہ ہے، ہمارے لئے یہ بھی تسکین کا باعث تھا کہ جلسہ مین ہندوستانی زبان کے ہندو اہل قلم و اہل ادب بھی شریک تھے،

افسوس ہے کہ اس جلسہ مین ہندی اور ہندوستانی کا وہ ادیب موجود نہ تھا جس کا قلم ان دونون دریاؤن کا سنگم تھا، یعنی منشی پریم چند، ماسوف علیہ نے اسی مہینہ اپنے دوستون کو آخری الوداع کہا، اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے، ان کے قلم نے کم از کم پچیس برس تک اپنے دیہاتی بھائیون کی کہانی اپنے شہری بھائیون کو سنائی، وہ زبان کے پرجوش فصیح و بلیغ نہ تھے، ان کی عبارت تکلف اور بناوٹ سے پاک اور حد درجہ سادی تھی، ان کی کہانیون

کا اثران کی زبان مین نہ تھا، بلکہ ان کے بیان مین تھا، انھون نے ہمارے دیہاتی تمدن، ہندوستانی وضع و آداب، اور ہندی اخلاقی آن بان کی جو تصویرین کھینچی ہین، وہ ہمارے ادبی مرقع کی زندۂ جاوید یادگارین ہین،

دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن جو ہمارے ملک مین نادر عربی کتابون کا واحد اشاعت خانہ ہے، اب وہ اپنی ترقی کے نئے دور مین قدم رکھ رہا ہے، اب اس کے لائق مہتمم ہمارے عزیز مولانا سید ہاشم صاحب ندوی رکن دائرۃ المعارف مقرر ہوئے ہین، وہ دن رات اس کی ترقی اور دست برد انقلاب سے اس کے بچانے کی فکر مین مصروف رہتے ہین، چند نئی کتابین چھپکر شائع ہوئی ہین، اور کچھ زیر تصحیح اور زیر طبع ہین،

تازہ اشاعت پذیر کتابون مین سنن کبریٰ بیہقی کی آٹھوین جلد ہے جس مین نفقات و حدود و اشربہ کے ابواب ہین، اور دو نادر کتابین جوامع کتاب اصلاح المنطق، اور کتاب احکام الوقف ہین، اول الذکر کتاب تیسری صدی ہجری کے مشہور ادیب و لغوی ابن سکیت کی مشہور تصنیف اصلاح المنطق کی تہذیب ہے، جس کو چوتھی صدی ہجری کے ایک بغدادی ادیب زید بن رفاعہ نے انجام دیا ہے، دوسری کتاب قاضی ابو یوسفؒ کے شاگرد ہلال بن یحیی الرائی البصری المتوفی ۲۴۵ھ کی تصنیف ہے، اس مین وقف کے مسائل کی تفصیل و تشریح کی گئی ہے، اس مین بیان کا طریقہ بالکل نیا اختیار کیا گیا ہے، یعنی سوال و جواب اور مکالمہ کی صورت مین، اور ایک دلچسپ رسالہ امام رازی کے مناظرات پر شائع ہوا ہے، امام موصوف کو ماوراء النہر کے مختلف شہرون مین علماے وقت سے متعدد مناظرے کرنے پڑے، انہین مناظرون کو امام نے اس رسالہ مین جمع کیا ہے،
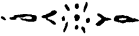
خدا کا شکر ہے کہ **سیرت نبویؐ** کی چھٹی جلد جو اخلاق پر مشتمل ہے، اس مہینہ مطبع مین دے دی گئی، پوری کتاب شاید تین سو صفحون مین تمام ہو، اور ۱۹۳۶ء کے آخر مین چھپکر شائع ہو،

---
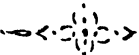
(۲)

از شاہ معین الدین احمد ندوی ،

فقہ میں تابعین کا درجہ، فقہ یعنی حلال و حرام کے مسائل کا علم، اور اصول سے مسائل کا استخراج و استنباط، یہ علم بھی تابعین کی علمی موشگافیوں کا مرہون منت ہے، انہی نے اسکو فن بنایا، بلکہ یہ دعوی غلط نہ ہوگا، کہ انہی کے فیض سے فقہ کے مذاہب قائم ہوئے، اس لئے کہ ائمۂ مذاہب سب کے سب انہی کے حلقۂ درس کے تربیت یافتہ تھے، تابعین کی جماعت میں علمائے فقہ کی بہت بڑی تعداد تھی' ان میں سے بعض کے نام یہ ہین،

ابراہیم نخعی اپنے وقت کے امام فقہ تھے، امام شعبی انھیں دنیائے اسلام کا سب سے بڑا فقیہ مانتے تھے،[۱] سعید بن جبیر جو خود بڑے فقیہ تھے، ان کی موجودگی میں فتوی کا جواب نہ دیتے تھے، اور فرماتے تھے، کہ ابراہیم کی موجودگی میں مجھ سے پوچھتے ہو،[۲] اہل بیت میں امام جعفر صادق کا تفقہ مشہور تھا، ان کے تفقہ کی یہ سند کافی ہی کہ امام ابوحنیفہ ان کے خرمن فقہ کے خوشہ چیں تھے، اور فرماتے تھے کہ میں نے ان سے بڑا فقیہ نہیں دیکھا،[۳] حسن بصری مسائل حلال و حرام کے سب سے بڑے عالم تھے،[۴] ربیع بن انس کا بیان ہے، کہ میں کامل دس سال تک حسن بصری کے پاس آتا جاتا رہا، اور روزانہ ان سے نئے نئے مسائل معلوم ہوتے تھے،[۵] بعض روایتون سے

۱؎ تہذیب الاسماء جلد اول ق اول ص ۱۰۴، ۲؎ ؍؍ ؍؍ ۳؎ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۵۱، ۴؎ ابن سعد جلد ۶ ق اول ص ۱۱۱، ۵؎ تہذیب التہذیب جلد ۲ ص ۲۶۵

معلوم ہوتا ہے، کہ فقہ میں ان کا ایک خاص مذہب تھا، جس کے بہت سے پیرو تھے، لیکن زیادہ دنوں تک نہ چل سکا

ربیعہ رائی مدینہ کے فقیہ اعظم تھے، اجتہاد اور تفریع و استنباط مسائل میں انکو اتنی بصیرت حاصل تھی، کہ "رائی" ان کا

لقب ہوگیا تھا[۱] صاحب مذہب ائمہ میں امام مالک اور امام ابوحنیفہ ان کے فیضیافتہ تھے، امام مالک ان کے خاص

تلامذہ میں تھے، ان کی موت کے وقت ان کی زبان پر تھا کہ آج فقہ کا مزا جاتا رہا[۲] امام ابوحنیفہ ان کی خدمت

میں استفادہ کے لئے حاضر ہوتے تھے، اور ان کے اقوال و آراء کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے[۳] سعید بن جبیر کا تفقہ

اکابر صحابہ میں مسلم تھا، حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی خدمت میں اگر کوئی کوفی استفتے کے لئے آتا، تو فرماتے کیا سعید بن

جبیر تمھارے یہاں نہیں ہیں[۴] سعید بن مسیب مدینہ کے سات مشہور عالم فقہاء میں سے ایک تھے، پھر ان ساتوں

میں وہ امتیازی حیثیت رکھتے تھے، قتادہ کہتے تھے، کہ سعید بن مسیب سے زیادہ حلال وحرام کا واقفکار میں نے نہیں

دیکھا، سلیمان بن موسیٰ ان کو افقہ التابعین کہتے تھے، ابن حبان کا بیان ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں اہل مدینہ کے

سردار اور فقہ و فتاویٰ میں سب پر فائق تھے، اون کو فقیہ الفقہاء کہا جاتا تھا[۵] ان کے تفقہ کا ایک بڑا سبب یہ

تھا، کہ وہ آنحضرت صلعم اور شیخینؓ کے فیصلوں کے سب سے بڑے عالم تھے، حضرت عمرؓ کے فیصلوں کے خصوصیت کیساتھ

بڑے حافظ تھے، اور "روایہ عمر" کہلاتے تھے[۶] حضرت عبد اللہ بن عمرؓ جیسے جلیل القدر صحابی ان کے تفقہ کے معترف

تھے[۷] اور اکثر مسائل پوچھنے والوں کو ان کے پاس بھیجدیتے تھے[۸] امام شعبی اپنے عہد کے سب سے بڑے فقیہ مانے

جاتے تھے، بعض علماء انھیں سعید بن مسیب، طاؤس، عطاء، حسن بصری، اور ابن سیرین سے بھی بڑا فقیہ مانتے

تھے[۹] ابراہیم نخعی جن کے تفقہ کا تذکرہ اوپر ہوچکا ہے، جب خود کسی مسئلہ کا جواب نہ دے سکتے تھے، تو سائل کو

شعبی کے پاس بھیجدیتے تھے[۱۰] اس تفقہ کی بنا پر وہ صحابہ کرام کی موجودگی ہی میں مسند افتاء پر بیٹھ گئے تھے[۱۱]

---

۱ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۴۱، ۲ تاریخ خطیب جلد ۸ ص ۴۲۳، ۳ ر ص ۴۲۲، ۴ تہذیب الاسماء جلد اول ق اول ص ۱۱۶

۵ ر ص ۲۲، ۶ ابن سعد جلد ۵ ص ۹۰، ۷ ر ر، ۸ ابن خلکان جلد اول ص ۲۰۶، ۹ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۰،

۱۰ ابن سعد جلد ۶ ص ۱۷۴، ۱۱ تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۲

عطاء بن ابی رباح سادات فقہاء میں شمار ہوتے تھے[۱] عطاء کا مستقر مکہ تھا، یہاں کے بعض سائلین اکثر مسائل کو مدنی صحابہ کی آمد کے لئے اُٹھا رکھتے تھے، چنانچہ جب عبد اللہ بن عمرؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ حج کے سلسلہ میں مکہ آتے، تو وہ لوگ ان سے پوچھتے، یہ دونوں بزرگ جواب دیتے، کہ عطاء کی موجودگی میں تم لوگ مجھ سے پوچھتے ہو، اور میرے لئے مسائل اٹھا رکھتے ہو[۲] امام اعظم فرماتے تھے، کہ میں نے عطاء سے افضل کسی کو نہیں پایا[۳] عمرو بن دینار مجتہد فقہاء میں تھے[۴] ابن عیینہ انھیں اس عہد کا سب سے بڑا فقیہ مانتے تھے[۵] عکرمہ کا خاص فن اگرچہ حدیث تھا، لیکن فقہ کے بھی وہ بڑے عالم تھے[۶] حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے ان کو اپنی زندگی ہی میں فتوی دینے کا مجاز بنا دیا تھا[۷] عکرمہ جتنے دنوں تک بصرہ میں رہتے تھے، اتنے دنوں تک حسن بصری فتوی نہ دیتے تھے[۸] ان کی موت کے وقت ہر شخص کی زبان پر تھا کہ آج "افقہ الناس" دنیا سے اٹھ گیا[۹] ابن سیرین باتفاق علماء وارباب فن فقہ میں امامت کا درجہ رکھتے تھے[۱۰] امام زہری نے اس عہد کے اکثر اکابر فقہاء کا علم اپنے دامن میں سمیٹ لیا تھا[۱۱] مسلم بن یسار کا شمار ائمہ فقہا میں تھا[۱۲] مسروق بن اجدع فقیہ الامت عبد اللہ بن مسعودؓ کے ارشد تلامذہ میں تھے، اور ان کا شغل درس وافتاء تھا[۱۳] مکحول شام کے سب سے بڑے فقیہ تھے[۱۴] ابو سلمہ بن عبد الرحمن کو بعض علماء مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں شمار کرتے تھے[۱۵] مدینہ مرکز فقہاء تھا، اس لئے یہاں ائمہ فقہاء کی ایک جماعت ایسی تھی، جو ساری دنیائے اسلام میں فرد مانی جاتی تھی، باختلاف علماء ان کی تعداد سات سے دس تک ہے، ان میں سے بعضوں کے نام اوپر گذر چکے ہیں، کسی شاعر نے ان کے نام ایک قطعہ میں نظم کئے ہیں،

---

[۱] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۰۳، [۲] " و تہذیب الاسماء جلد اول ق اول ص ۳۳۴، [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۹۰، [۴] تہذیب الاسماء جلد اول ق اول ص ۲۰، [۵] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۰۰، [۶] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۷۱، [۷] تہذیب جلد اول ص ۲۶۵، [۸] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۴، [۹] ابن سعد جلد ۵ ص ۲۱۶، [۱۰] دیکھو تہذیب و تذکرۃ الحفاظ وغیرہ ترجمہ ابن سیرین [۱۱] تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴۸، [۱۲] " جلد ۱۰ ص ۱۴۱، [۱۳] تہذیب الاسماء جلد اول ق ۲ ص ۱۱۴، [۱۴] " ص ۲۴۱،

اذا قیل من فی العلم سبعۃ ابحر — روایتھم لیست عن العلم خارجہ

فقل ھم عبید اللہ عروۃ قاسم — سعید ابوبکر سلیمان خارجہ

ان کے علاوہ ممتاز فقہا، کی بہت بڑی جماعت تھی، جن کے نام ہم طوالت کے خیال سے قلم انداز کرتے ہیں،

رائے میں احتیاط فقہ کی بنیاد درحقیقت قرآن وحدیث ہی پر ہے، اور اسی اصول سے تمام مسائل مستنبط ہیں،

لیکن نئے مسائل میں صاحب نظر مجتہد کو عقل ورائے سے کام لینا ناگزیر ہے، ورنہ فقہ کا دروازہ بند ہو جائے،

لیکن تابعین کرام اس باب میں اتنے محتاط تھے، کہ مجتہدانہ نظر اور قیاس ورائے کی باوجود بغیر سند کے اپنی رائے کو

دخل نہ دیتے تھے، بلکہ ان مسائل میں بھی جن کی سند موجود ہوتی، شدت احتیاط کی بنا پر جواب سے گریز کرتے تھے،

ایوب بن ابی تمیمہ جو سید الفقہا کہلاتے تھے، اکثر مسائل کے جواب میں لاعلمی ظاہر کرتے تھے، جن مسائل کا جواب بھی دیتے

تھے ان میں پہلے سائل کے فہم اور حافظہ کا پورا اطمینان کر لیتے تھے، بغیر سند کے اپنی رائے سے جواب نہ دیتے

تھے[1] ربیعہ جیسے مجتہد جو اپنی قوت استنباط کی وجہ سے "رائی" کہلاتے تھے، اظہار رائے میں بڑے محتاط تھے، اور

بغیر سند کے محض رائے سے جواب دینے کے مقابلہ میں جاہل مرجانے کو ترجیح دیتے تھے[2]، امام شعبی اپنی جلالت شان

کے باوجود فتوؤں کے جواب میں عموماً لاعلمی ظاہر کرتے تھے[3] اور بغیر سند کے کبھی جواب نہ دیتے تھے[4] عبدالرحمن

ابن ابی لیلی بھی عموماً جواب دینے سے گریز کرتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلعم کے بیس

انصاری اصحاب کو دیکھا ہے کہ ان میں سے ہر شخص جواب سے پہلو بچاتا تھا، اور چاہتا تھا کہ دوسرا شخص

جواب دیدے، اور آج یہ حال ہے کہ لوگ ایک دوسرے پر ٹوٹے پڑتے ہیں[5]

عطا بن ابی رباح کے پاس اگر کوئی سند نہ ہوتی، تو صاف جواب دیدیتے، کہ مجھے نہیں معلوم، ایک مرتبہ

کسی مسئلہ کے جواب میں لاعلمی ظاہر کی، لوگوں نے کہا اپنی رائے سے جواب دیدیجئے، فرمایا مجھے خدا سے

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۱۱، [2] تاریخ خطیب جلد ۸ ترجمہ ربیعہ رائی [3] ابن سعد جلد ۶ ص ۱۷۴، [4] رر [5] رر ص ۷۶،

سے شرم معلوم ہوتی ہو، کہ روئے زمین پر میری رائے کی اطاعت کیجائے[۱] قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ جو مدینہ کے مشہور فقہائے سبعہ میں سے تھے، بغیر علم کے جواب نہ دیتے تھے، جو مسئلہ معلوم نہ ہوتا، بلاتکلف لاعلمی ظاہر کر دیتے[۲] قتادہ کسی مسئلہ میں رائے کو دخل نہ دیتے تھے، ایک مرتبہ کسی مسئلہ میں لاعلمی ظاہر کی، سائل نے کہا اپنی رائے بتا دیجئے، انھوں نے کہا کہ میں نے چالیس سال سے اپنی رائے سے کوئی جواب نہیں دیا ہے[۳] ابن سیرین جو فقہ کے امام تھے، جواب سے اسقدر گھبراتے تھے کہ جب ان سے کوئی مسئلہ پوچھا جاتا، تو ان کے چہرہ کا رنگ متغیر ہو جاتا[۴]، اور یہ معلوم ہی نہ ہوتا تھا، کہ تھوڑی دیر پہلے ہنس بول رہے تھے،

رائے اور قیاس، اشخاص کی ذاتی احتیاط علحدہ ایک شے ہے، لیکن اگر اصولی حیثیت سے رائے اور قیاس کا کوئی درجہ نہ رکھا جائے، تو پھر نئے پیش آمدہ مسائل کے حل کی کوئی صورت باقی نہیں رہ جاتی اس لئے عہد صحابہ میں بھی رائے و قیاس سے کام لیا جاتا ہے، خود آنحضرت صلعم نے اسکی تحسین فرمائی ہے، گو تابعین کی بڑی جماعت رائے کو احتیاط کے خلاف سمجھتی تھی، لیکن بہت سے تابعین ایسے تھے، جو رائے اور قیاس سے کام لیتے، حضرت حسن بصری جن کی احتیاط اور جن کا زہد و ورع مسلّم ہے، رائے سے کام لیتے تھے، اور اسکی نہایت معقول توجیہ فرماتے تھے، ابوسلمہ بن عبد الرحمٰن نے ایک مرتبہ ان سے پوچھا، کہ آپ جن جن مسئلوں کا جواب دیتے ہیں، کیا ان سب میں آپ کے پاس سماعی سند ہوتی ہے، فرمایا نہیں لیکن ہماری رائے سائلوں کی رائے سے زیادہ ان کے لئے بہتر ہوتی ہے[۵] عطا بن ابی رباح بھی رائے سے کام لیتے تھے، اگر کسی سند پر کوئی مسئلہ بیان کرتے تو کہدیتے کہ اثر ہے، اور اگر رائے ہوتی تو ظاہر کر دیتے کہ رائے ہے[۶] قاسم بن محمد بن ابی بکر اگرچہ بڑے محتاط تھے اور بغیر سند کے کسی مسئلہ کا جواب نہ دیتے تھے تاہم کبھی کبھی انھیں بھی رائے سے کام لینا پڑتا تھا، ایسے موقع پر وہ جواب دیکر یہ ظاہر کر دیتے کہ "یہ میری رائے ہے یہ نہیں کہتا کہ حق ہے"،

---

[۱] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۲۰۲، [۲] ابن سعد جلد ۵ ص ۱۳۹ [۳] ایضاً جلد ۷ ق ۲ ص ۱، [۴] ایضاً جلد ۷ ق اول ص ۱۴۲ [۵] ایضاً جلد ۷ ق اول ص ۱۲۱، [۶] ایضاً جلد ۵ ص ۳۴۵، [۷] ایضاً ص ۱۳۹،

قضاء کی استعداد و مہارت اگرچہ قضاء فقہ ہی کا ایک شعبہ ہے، لیکن اس میں فقہ کے علم کیساتھ بعض اور لوازم و شرائط کی ضرورت اور فطری صلاحیت و استعداد کو بھی دخل ہے، اس لئے ہر فقیہ میں قضاء کا ملکہ ہونا ضروری نہیں ہے، تابعین کرام کی ایک معتد بہ جماعت اس فن میں بھی بصیرت رکھتی تھی،

جیسا کہ اوپر فقہ کے ذکر میں گذر چکا ہے، سعید بن مسیب رسول اللہ صلعم اور حضرت ابو بکرؓ و عمرؓ کے فیصلوں کے بہت بڑے عالم اور واقفکار تھے، اسلئے قدرۃً ان میں قضاء کی مہارت زیادہ تھی، عبد الرحمن بن ابی لیلی فقہاء قضاۃ میں تھے، حجاج نے انھیں قاضی بنایا تھا[1]، محمد بن سیرین قضاء میں اپنے عہد کے سبے بڑے عالم تھے[2]، امام زہری میں بھی قضاء کا بڑا ملکہ تھا، عبد الملک نے انھیں دمشق کے عہدۂ قضاء پر ممتاز کیا تھا[3]، یحییٰ بن سعید ابتداء میں مدینۃ الرسول کے قاضی تھے، پھر عباسی دور میں خلیفہ منصور نے انھیں بغداد کا قاضی القضاۃ بنایا[4]، ابوبردہ بن ابو موسی کوفہ کی مسند قضاء پر تھے[5]، ابو قلابہ جرمی کو قضاء میں خاص بصیرت تھی، ایوب کہا کرتے تھے کہ بصرہ میں ابو قلابہ سے زیادہ فیصلہ کی استعداد رکھنے والا کوئی نہ تھا، مسلم بن یسار کہتے تھے کہ اگر وہ عجم میں ہوتے، تو قاضی القضاۃ ہوتے[6]، مسروق بن اجدع اموی دور میں کچھ دنوں قاضی رہے[7]، ابوسلمہ بن عبد الرحمن نے بھی تھوڑے عرصہ تک مدینۃ الرسول میں قضاءت کی[8]، سعید بن جبیر قضاء میں بڑی بصیرت رکھتے تھے، اور کچھ دنوں تک کوفہ کے عہدۂ قضاء پر رہے، لیکن پھر بعض کوفیوں کی مخالفت کی وجہ سے انکی جگہ ابوبردہ کا تقرر عمل میں آیا، اور ابن جبیر انکے مشیر بنا دیئے گئے[9]،

جماعت تابعین میں سبے نامور قاضی شریح اور ایاس بن معاویہ تھے، انھوں نے اس شعبہ کو بڑی ترقی دی، قضاء میں قانون کے علم کے ساتھ بہت کچھ فہم و فراست کو دخل ہے، ایاس اور شریح دونوں اپنے زمانہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۵۰، [2] ابن سعد جلد ۷ ق اول ص ۱۴۳، [3] ابن خلکان جلد اول ص ۴۵۱، [4] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۲۲، [5] ابن سعد جلد ۶ ص ۱۸۱، [6] ” جلد ۷ ق اول ص ۱۳۴، [7] ” جلد ۶ ص ۵۵، [8] ” جلد ۵ ص ۱۱۶، [9] ابن خلکان جلد اول ص ۲۰۴،

کے عاقل ترین انسانون میں تھے، ایاس کے معاصرین کہتے تھے کہ ہر صدی میں ایک عاقل پیدا ہوتا ہے، اس صدی کے عاقل ایاس تھے[1] ابن سیرین انکو فہم و فراست کا پیکر کہتے تھے[2] انکی قضائی فراست کے بہت سے واقعات ہیں لیکن ہم طوالت کے خیال سے ان کو قلم انداز کرتے ہیں۔

قاضی شریح کا پایہ ان سے بھی بلند ہے، وہ تاریخِ اسلام کے نامور قاضیون میں ہیں، انہیں قضاء کی صلاحیت و استعداد فطری تھی، حضرت علیؓ نے انھیں زبانِ رسالت سے اقضاھم علی کا لقب ملا تھا، شریح کو "اقضی العرب" عرب کا سب سے بڑا قاضی فرماتے تھے[3] ان کی اس صلاحیت کیوجہ سے لوگ انھیں شروع ہی سے مختلف فیہ معاملات میں حکم بناتے تھے، ان کے ایک فیصلہ کو دیکھ کر حضرت عمرؓ کی جوہر شناس نگاہ نے انھیں قاضی بنا دیا[4]، انھون نے اپنی اہلیت کا ایسا ثبوت دیا کہ بڑے بڑے انقلابات میں بھی اپنی جگہ سے نہ ہٹے، اور حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لیکر عبد الملک کے عہد تک مسلسل ساٹھ برس قاضی رہے[5]

ان کے فیصلے علما کے لئے فقہ اور قضاء کا درس ہوتے تھے، اور بڑے بڑے علماء ان سے استفادہ کرنے کے لئے ان کی عدالت کی درسگاہ میں آتے تھے، عکرمہ کا بیان ہے، کہ میں معلومات حاصل کرنے کے لئے چھ مہینے تک شریح کی عدالت میں جاتا رہا، ان کے فیصلے میرے معلومات کے لئے کافی ہوتے تھے[6]

انھون نے شعبۂ قضا میں اپنے فطری ذوق و استعداد کی وجہ سے بڑی مفید ایجادیں اور اصلاحیں کین، جو فن قضاء کے اصول میں داخل ہو گئیں، فنِ قضاء میں ان کے آئین اصول اور اختراعات کا موضوع نہایت دلچسپ ہے، لیکن اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں ہے،

فقہ کی تدوین اور فقہی مصنفات، اگرچہ فقہ کی باقاعدہ تدوین ائمۂ اربعہ کے زمانہ میں ہوئی لیکن اس کا آغاز عہدِ تابعین ہی سے ہو گیا تھا، اور ہم کو تابعین کی متعدد فقہی مصنفات کا پتہ چلتا ہے،

---

[1] تہذیب التہذیب جلد اول ص ۳۹۰، [2] ر ر [3] تہذیب الاسماء جلد اول ق اول ص ۲۴۳، [4] ابن سعد جلد ۶ ص ۱۹۱، [5] ابن خلکان جلد اول ص ۲۹۴، [6] ابن سعد جلد ۶ ص ۹۵

عروہ بن زبیر نے جو مدینہ کے سات مشہور فقہاء میں سے ایک تھے، فقہ میں کئی کتابیں لکھی تھیں، لیکن پھر محض شدتِ احتیاط کی وجہ سے جلا ڈالیں[1] جسکا انہیں ہمیشہ افسوس رہا، چنانچہ فرمایا کرتے تھے، کہ کتاب اللہ کی موجودگی میں ہم لوگ دوسری کتاب نہیں لکھتے تھے، اس لئے میں نے اپنی کتابیں ضائع کردیں، لیکن اب میری یہ خواہش ہے کہ کاش وہ میرے پاس ہوتیں، اور خدا کی کتاب اپنی جگہ پر قائم و دائم رہتی،[2] مکحول دمشقی نے مستقل دو کتابیں کتاب السنن اور کتاب المسائل لکھیں تھیں[3]، امام زہری کے فتاوی تین ضخیم مجلدات میں جمع کئے گئے تھے،[4] ان کے علاوہ اور متعدد تابعین نے کتابیں لکھیں تھیں لیکن انکے متعلق یہ تصریح نہیں ملتی کہ یہ کس فن کے متعلق تھیں، اس لئے ان کا تذکرہ آخر میں آئے گا،

علمِ فرائض، فرائض کو بھی فقہ ہی کی ایک شاخ سمجھنا چاہئے، اس میں بھی متعدد تابعین کمال رکھتے تھے اعمش اس کے بڑے عالم تھے[5]، سعید بن جبیر فرائض کے اتنے بڑے ماہر تھے، کہ صحابہ تک فرائض کے سائلین کو ان کے پاس بھیج دیتے تھے،[6] جب وہ مدینہ جاتے تھے، تو یہاں کے علما ان سے فرائض سیکھتے تھے[7] حضرت زید بن ثابتؓ فرائض کے بڑے عالم تھے، ان کے صاحبزادے خارجہ تابعی کو باپ کی اس وراثت سے وافر حصہ ملا تھا، چنانچہ مدینہ میں وہ اور طلحہ بن عبد اللہ تقسیمِ میراث کا کام کرتے تھے، اور اسکے وثیقے لکھتے تھے، اور اس میں ان کا قول سند مانا جاتا تھا،[8]

مغازی اور سیرت کے ائمہ اور اس فن کی تصانیف مغازی و سیرت (یعنی آنحضرت صلعم کی سیرۃ پاک اور آغاز اسلام کی لڑائیاں) یہ دونوں فنون تاریخی بھی ہیں، اور مذہبی بھی ابتدا میں ان فنون کی مستقل حیثیت نہ تھی، بلکہ حدیث کا ایک جزو تھے، لیکن تابعین نے اسکو مستقل فن بنا دیا، تابعین میں ابن شہاب

---

[1] ابن سعد جلد ۵ ص ۱۳۳، [2] تہذیب التہذیب جلد ۷ ص ۱۸۳، [3] فہرست ابن ندیم ص ۳۱۸، [4] اعلام الموقعین جلد اول ص ۲۶، [5] تاریخ خطیب جلد ۹ ص ۱۲، [6] ابن سعد جلد ۶ ص ۱۸۱، [7] ایضاً، [8] تہذیب الاسماء جلد اول ق اول ص ۱۷۲،

زہری سے پہلے اس فن کی مستقل حیثیت نہ تھی، سب سے پہلے انھی نے اسکی طرف توجہ کی، اور اسکو اتنی ترقی دی کہ مستقل فن بنادیا، اور اس پر مستقل کتاب لکھی، سہیلی کے بیان کے مطابق یہ اس فن کی پہلی کتاب تھی[۱] ابن شہاب کے تلامذہ مین یعقوب بن ابراہیم، محمد بن صالح، عبد الرحمن بن عبد العزیز، موسی بن عقبہ اور محمد بن اسحاق نے اس میں بڑا کمال پیدا کیا، آخر الذکر دونوں آدمیون نے خصوصیت کے ساتھ بڑا نام پیدا کیا یہ دونوں تابعی ہین، اور اپنے عہد میں مغازی اور سیرت کے امام مانے جاتے تھے[۲] خطیب بغدادی کا بیان ہے، کہ ابن اسحاق پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس فن کی طرف توجہ کی، اور اسکو اتنی ترقی دی، کہ اس پر کوئی دوسرا اضافہ نہ کرسکا، انھون نے سلاطین اور امراء کی توجہ بے نتیجہ اور لایعنی قصص وحکایات سے تاریخ کی جانب پھیردی، اس طرح گویا انھون نے سب سے پہلے تاریخ کا مذاق پیدا کیا[۳]

ابن عدی کا بیان ہے کہ اگر اس فضیلت کے علاوہ ابن اسحاق کی کوئی اور فضیلت نہ ہوتی، کہ انھون نے سلاطین کا مذاق بدل دیا، اور انکی توجہ لاحاصل کتابون سے رسول اللہ صلعم کے مغازی اور آغاز عالم کی تاریخ کی جانب پھیردی تو بھی یہ تنہا فضیلت کافی تھی، ان کے بعد بہت سے لوگوں نے اس فن پر کتابیں لکھیں، لیکن کوئی ان کے درجہ کو نہ پہنچ سکا[۴]

سیرت پر سب سے قدیم کتاب ابن اسحاق ہی کی سیرت تھی، یہ کتاب صدیوں سے ناپید ہے، لیکن اس لحاظ سے اسکی روایات ابتک محفوظ ہیں، کہ ابن ہشام کی سیرت کا ماخذ یہی تھی، اس لیے اسکی تمام روایتیں اس میں محفوظ ہوگئی ہیں، جو ہمارے سامنے موجود ہے،

موسیٰ بن عقبہ مدینہ میں مغازی کے سب سے بڑے عالم تھے، انھون نے بھی مغازی پر کتاب لکھی تھی، جو کتاب المغازی موسیٰ بن عقبہ کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب اس زمانہ میں اس فن پر صحیح ترین کتاب مانی جاتی تھی[۵]

---

[۱] روض الانف [۲] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۱۵۶ [۳] تاریخ خطیب جلد اول،

[۴] تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۴۴، [۵] ایضاً جلد ۱۰ ص ۳۶۱ و ۳۶۲،

یہ بھی ناپید ہے، اس نام کی ایک کتاب برلن کے کتب خانہ میں ہے، جسکا ایک ٹکڑا ۱۹۰۴ء میں چھپا تھا، عکرمہ نے کوئی قلمی یادگار نہیں چھوڑی، لیکن وہ بھی اس فن کے امام مانے جاتے تھے، جب مغازی بیان کرتے تھے تو اپنی قوتِ گویائی سے میدانِ جنگ کا سمان باندھ دیتے تھے[۱] امام شعبی کی بھی کوئی قلمی یادگار نہیں ہے، لیکن یہ بھی اپنے زمانہ میں مغازی کے امام تھے، اور صحابہ ان کے مغازی کے معترف تھے، حضرت عبداللہ ابن عمرؓ نے ایک موقع پر فرمایا کہ اگرچہ میں خود مغازی میں شریک تھا، لیکن جہاں تک علم کا تعلق ہے، شعبی مجھ سے زیادہ مغازی سے واقف ہیں، (تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۶۶)

تاریخ کی کتابیں، اگرچہ مغازی وسیرت بھی تاریخ ہی کی ایک قسم ہے، گو وہ مذہبی سہی، لیکن ان کے علاوہ تابعین کرام تاریخ عام اور خالص تاریخ کے بھی عالم تھے، اور اس پر مستقل کتابیں لکھیں، خود ابن اسحاق تاریخ عام یعنی لڑائیوں کی تاریخ آغاز خلق کے حالات اور قصص انبیا کے عالم تھے[۲] مہدی کی فرمایش پر انھوں نے اس کے لڑکے لئے ایک کتاب (خطیب کے بیان کے مطابق یہ سیرت تھی،) لکھی تھی، جس میں آغاز خلق سے لیکر ان کے زمانہ تک کے حالات تھے[۳] ابن ندیم کے بیان سے معلوم ہوتا ہے، کہ انھوں نے تاریخ پر اور بھی کتابیں لکھی تھیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں، ولہ من الکتب کتاب الخلفاء رواہ عن الاموی کتاب السیرۃ والمبتداء والمغازی[۴] ایک اور تابعی وہب بن منبہ نے سلاطینِ حمیر کے حالات میں ایک کتاب لکھی تھی جس میں ان کے اخبار وقصص، ان کے قبور کے حالات اور انکے اشعار جمع کئے تھے، ابن خلکان نے یہ کتاب دیکھی تھی، اور اسکو مفید بتایا ہے[۵]، امیر معاویہ نے ایک تابعی عبید بن شریہ سے قدماء کی تاریخ اخبار الماضین لکھائی تھی[۶]

علم نحو، نحو ادب کی ایک شاخ ہے، اس کا مقصد زبان عربی کے تلفظ اور اس کے اعراب کی صحت ہے، اسلئے ادب کی کتابوں کی تدوین سے برسوں پہلے نحو کا فن عالم وجود میں آگیا تھا، اس کا آغاز اس

---

[۱] تاریخ ادب لغۃ عربیہ جرجی زیدان جلد ۲ ص ۱۵۱، [۲] تہذیب التہذیب جلد ۰، ص ۲۶۵، [۳] تاریخ خطیب جلد اول ص ۲۱۹، [۴] ۔۔ ص ۲۲۱، [۵] فہرست ابن ندیم ص ۱۳۶، [۶] ابن خلکان جلد ۲ ص ۱۸۰، [۷] ابن ندیم ص ۱۳۲،

طرح ہوا کہ عہدِ صحابہ میں عجمی اقوام بکثرت دائرۂ اسلام میں داخل ہوئیں، جو صحیح عربی نہیں پڑھ سکتی تھیں اسلئے انھیں عربی سکھانے کے لئے ایسے قواعد بنانے کی ضرورت پیش آئی جنھیں سیکھنے کے بعد غیر عرب عربی زبان صحیح پڑھ سکیں، چنانچہ اس کام کو ایک تابعی ابوالاسود دؤلی نے انجام دیا، یہ حضرت علیؓ کے تلامذہ میں تھے، انھوں نے ابتدا میں چند نحوی مسائل قلمبند کئے، اس طرح فنِ نحو کی بنیاد پڑی، پھر ان سے عنبسہ بن معدان، میمون بن اقرن یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم متعدد آدمیوں نے یہ فن سیکھا[1]

غیر مذاہب اور ان کے صحیفوں کا علم، | صحابہ کرام کی توجہ تمامتر قرآن کی جانب تھی، اس لئے وہ غیر مذاہب کے صحیفوں کیطرف زیادہ متوجہ نہ ہوئے، تابعین کے زمانہ میں جب علمی ذوق نے وسعت حاصل کی تو ان کی توجہ ادھر بھی ہوئی چنانچہ متعدد تابعین غیر مذاہب کے صحیفوں کے عالم تھے، ان میں وہب بن منبہ خصوصیت کیساتھ لائق ذکر ہیں، غیر مذاہب کے صحیفوں پر ان کی نظر نہایت وسیع تھی، امام نووی لکھتے ہیں، کہ وہ گذشتہ کتابوں کے علم و معرفت میں مشہور ہیں،[2] حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ وہ بڑے وسیع العلم تھے، اور اپنے زمانہ میں کعب احبار کی نظیر مانے جاتے تھے،[3] انھوں نے بانوے ۹۲ الہامی کتابوں کا مطالعہ کیا تھا، جن میں سے بعض بہت کمیاب تھیں، انکا خود بیان ہے کہ بانوے ۹۲ آسمانی کتابیں پڑھیں، ان میں سے ۷۲ کنیسوں اور لوگوں کے پاس موجود ہیں، اور بیس کا علم بہت کم لوگوں کو ہے[4]، اگرچہ کعب احبار یہودی نومسلم تھے، لیکن تھے وہ بھی تابعی، وہ اپنے مذہب کے بہت بڑے عالم تھے، حافظ ذہبی لکھتے ہیں، کہ وہ علم کا ظرف اور اہل کتاب کے علمار کبار میں تھے،[5] حضرت ابو دردا انصاریؓ جن کا حمص میں کعب احبار کا ساتھ رہا تھا، فرماتے تھے، کہ ابن حمیریہ (کعب احبار) کے پاس بڑا علم ہے،[6] تابعین میں ان کی بڑی علمی منزلت تھی، امام نووی لکھتے ہیں، کہ ان کے وفور علم اور توثیق پر سب کا اتفاق ہے، وہ اپنے وسعتِ علم کی وجہ سے "کعب الاحبار" اور "کعب حبر" کہلاتے تھے، اون کے مناقب بکثرت ہیں، اور ان کے

---

[1] فہرست ابن ندیم ص۶۰، [2] تہذیب الاسماء جلد اول ق ۲ ص۱۴۹، [3] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص۹۰، [4] ابن سعد جلد ۵ ص۲۹۵، [5] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص۴۵، [6] ابن سعد جلد ۷ ق ۲ ص۱۵۶،

اقوال اور حکیمانہ مقولے مشہور ہیں[۱]،

ان سے بعض صحابہ اور بہت سے تابعین نے یہودی مذہب کے متعلق معلومات حاصل کئے، تابعین میں مالک ابن ابی عامر، عطاء بن ابی رباح، عبد اللہ بن رباح انصاری، عبد اللہ بن ضمرہ ابو رافع صائغ عبد الرحمن ابن مغیث وغیرہ ایک بڑی جماعت ان سے مستفید ہوئی تھی[۲]، اگر یہ بھی شمار کر لیے جائیں، تو غیر مذاہب سے واقف تابعین کی تعداد بہت بڑھ جاتی ہے،

حلقہائے درس اور انکے علمی فیوض و برکات، تابعین نے جس ذوق اور محنت سے علم کی تحصیل کی اوسی شوق اور فیاضی سے اسکو پھیلایا، اگرچہ اس زمانہ میں آجکل کی طرح کوئی باقاعدہ نظام تعلیم نہ تھا، لیکن ہر شہر میں اکابر علماء کے حلقہائے درس ہوتے تھے، جن میں مذہبی اور غیر مذہبی جملہ علوم کی تعلیم ہوتی تھی، اور دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ کے تشنگان علم ان سرچشموں سے سیراب ہوتے تھے، اس دور کے جلیل القدر ائمہ اور اکابر علماء انہی حلقہائے درس کے فیضیافتہ تھے، ان میں سے ہم بعض کا تذکرہ کرتے ہیں،

مدینہ مدینۃ العلم تھا، اسلئے یہاں متعدد حلقۂ درس تھے، "ربیعہ رائی" کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، اس میں طلبہ کا ہجوم لگا رہتا تھا، عام طلبہ کے علاوہ مدینہ کے علماء عمائد اور بڑے بڑے شرفا شریک ہوتے تھے، اس حلقہ میں بیک وقت چالیس عمامہ پوش علماء کا شمار کیا گیا ہے[۳]، امام مالک امام اوزاعی یحیی بن سعید انصاری اور شعبہ وغیرہ اکابر علماء اسی حلقۂ درس کے فیضیافتہ تھے،

حضرت عمرؓ کے غلام زید بن اسلم کا حلقۂ درس بھی نہایت وسیع تھا، ایک وقت میں چالیس چالیس فقہاء اس سے استفادہ کرتے تھے[۴]، امام زین العابدین جیسے بزرگ اس حلقہ میں شریک ہوتے تھے، ایک مرتبہ نافع بن جبیر نے ان پر اعتراض کیا کہ آپ اپنی خاندانی مجلس کو چھوڑ کر ابن خطاب کے غلام

---

[۱] تہذیب الاسماء، جلد اول ق ۲ ص ۶۹، [۲] تہذیب التہذیب جلد ۵ ص ۳۲۵، [۳] تاریخ خطیب جلد ۸ ترجمہ ربیعہ رائی، [۴] تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۹۶،

کے حلقہ میں شریک ہوتے ہیں آپنے جواب یا آدمی اسی جگہ جاتا ہی جہان اسکو فائدہ پہنچتا ہے[1] اس سے دو باتین ضمناً معلوم ہوتی ہین، ایک یہ کہ مدینہ میں بنی ہاشم یا قریش کا کوئی خاص حلقۂ درس بھی تھا، دوسرے یہ کہ اکابر اور شرفا غلام سے استفادہ میں عار نہ کرتے تھے،

اس موقع پر ایک دلچسپ واقعہ نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، ایک زمانہ میں اہل مدینہ شان شرافت میں لونڈیوں کو ام ولد بنانا برا سمجھتے تھے لیکن یہ عجیب اتفاق ہوا، کہ انہی لونڈیون کے بطن سے پیدا شدہ اشخاص علی بن حسین، قاسم بن محمد اور سالم بن عبد اللہ علم و تقوی اور زہد و عبادت میں بڑے بڑے بجابر پر بازی لے گئے، اسوقت سے یہ عار جاتا رہا[2] عبد اللہ بن ذکوان کا حلقۂ درس اپنی شان و شوکت کے اعتبار سے بادشاہون کے دربار سے بڑھ کر تھا، اس میں مختلف علوم و فنون کے سیکڑوں طلبہ شریک ہوتے تھے عبدربہ بن سعید کا بیان ہے کہ میں نے ابو الزناد کو اس شان سے مسجد نبوی میں دیکھا ہے کہ ان کے ساتھ اتنا ہجوم تھا کہ بادشاہوں کو بھی نصیب نہ تھا، اس ہجوم میں فرائض، حساب، شعر، حدیث اور مختلف مشکلات اور علوم کے طلبہ اور سائلین تھے[3] لیث بن سعد کا بیان ہے کہ میں نے ابو الزناد (عبد اللہ بن ذکوان) کے پیچھے مختلف علوم و فنون کے تین تین سو طالب علم دیکھے ہیں[4]

قاسم بن محمد بن ابی بکر اور سالم بن عبد اللہ بن عمر کا حلقۂ درس بھی تھا، طلوعِ آفتاب کے بعد قاسم اس میں بیٹھتے تھے[5] محمد بن عجلان کا حلقۂ درس مسجد نبوی میں تھا، اس میں بڑے بڑے تابعین شریک ہوتے تھے[6]

مدینہ کے علاوہ دنیا سے اسلام کے اور علمی مرکزون میں بھی حلقہا سے درس تھے، کوفہ میں عبد الرحمن ابن ابی لیلیٰ کا حلقۂ درس نہایت ممتاز تھا جس میں صحابہ شریک ہو کر سماعِ حدیث کرتے تھے[7]

۱؎ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص۲۹۶، ۲؎ ؍؍ ص۲۰۳، ۳؎ تہذیب الاسماء جلد اول ق ۲ ص۲۳۳، ۴؎ تذکرة الحفاظ جلد اول ص۱۲۰، ۵؎ ابن سعد جلد ۵ ص۱۴۱، ۶؎ تذکرة الحفاظ جلد اول ص۱۴۹، ۷؎ تہذیب التہذیب جلد ۹ ص۲۶۰،

امام شعبی کا حلقۂ درس صحابۂ کرام کی موجودگی ہی میں قائم ہوگیا تھا،[۱] دوسرا حلقۂ درس مصعب بن سعد کا تھا، اس میں وہ معمولات عبادت کے بعد بیٹھتے تھے، اور شائقین حدیث حلقہ باندھکر استفادہ کرتے تھے،[۲] حمص میں خالد بن معدان کا حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، یہ شہرت سے بہت گھبراتے تھے، اس لئے جب حلقہ زیادہ بڑھا، تو اٹھ گئے،[۳] یہ وہ حلقہائے درس ہیں جو سرسری مطالعہ سے نظر پڑگئے، ورنہ زیادہ تلاش سے ایک ایک مقام پر متعدد حلقوں کا پتہ چل سکتا ہے،

ذخیرۂ کتب، اوپر جن کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ تابعین کی اور کتابوں بلکہ ذخیرۂ کتب کا پتہ چلتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ ان میں کن کن فنون کی کتابیں تھیں، قیاس ہے کہ مذہبی علوم کے متعلق رہی ہوں گی حسن بصری کے پاس کتابوں کا ایک ذخیرہ تھا، جسے انھوں نے اپنی وفات کے وقت نذر آتش کرادیا تھا،[۴]

ابو قلابہ جرمی کے پاس ایک بار شتر کتابیں تھیں، ان کو انھوں نے اپنے مرض الموت میں ایوب سختیانی کو دیئے جانے کی وصیت کی تھی،[۵] ابن شہاب زہری کے پاس بھی کتابوں کا ذخیرہ تھا، ان کا علمی شغف و انہماک اتنا بڑھا ہوا تھا کہ جب وہ گھر میں بیٹھتے تھے، تو ان کے اردگرد کتابیں ہوتی تھیں، اور وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوجاتے تھے، ان کی بیوی کے لئے ان کا یہ انہماک سخت تکلیف دہ تھا، ایک مرتبہ انھوں نے جل کر کہا کہ ان کتابوں کا جلاپا تین سوتوں سے بڑھ کر ہے،[۶] اس سے قیاس ہوتا ہے، کہ اس زمانہ میں اور علماء کے پاس بھی کتابوں کے ذخیرے ہوں گے،

---

[۱] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۷۰، [۲] ابن سعد جلد ۶ ص ۱۵۳، [۳] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۱، [۴] ابن سعد جلد ۷ ق اول ص ۱۲۷، [۵] تذکرۃ الحفاظ جلد اول ص ۸۸، [۶] ابن خلکان جلد اول ص ۴۵۱،

دیوان شمس تبریز اور مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاذ فارسی نظام کالج حیدرآباد

(۱۱)

روزمرہ اور محاورہ کی کمی، ہرچند اشعار کا حسن لفظی روزمرہ اور محاورہ پر منحصر نہیں لیکن ان سے اکثر موقعوں پر شعر کے لفظی محاسن میں اضافہ ہو جاتا ہے، مولینا کے کلام میں یہ عنصر بھی غیر نمایاں ہے، سعدی اور حافظ کے ہاں اسکی کثرت ہے جس سے ان کے کلام کا لفظی حسن بڑھ گیا ہے، نظیری نے بھی اپنے کلام میں کثرت سے روزمرہ اور محاورات باندھے ہیں، تغزل ظہوری بھی اس خصوص میں ممتاز ہے،

جدت اسلوب کی کمی، پیرایۂ ادا کی تکرار اور ان کے اسباب اسکے علاوہ مولنا کے کلام میں بدیع الاسلوبی یا جدت اسلوب کی کمی ہے، اسلیے پیرایۂ ادا کی تکرار پائی جاتی ہے، اسکے برعکس سعدی اور خسرو اور حافظ جدت اسلوب کے مالک ہیں،

اسمیں کوئی شک نہیں کہ مولینا کے کلام میں شاعرانہ طرز ادا یا شاعرانہ بیان کے یہ نقائص پائے جاتے ہیں لیکن ہمیں یہ دیکھنا چاہیئے کہ اسکی وجہ کیا ہے،

سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ کبھی مولینا کو محض شاعری مقصود نہ تھی، بلکہ ان کا مقصود دین کی آواز پہنچانا تھا، اور چونکہ اس زمانہ میں لوگ شعر کے بہت دلدادہ تھے، شاعری کا گھر گھر چرچا تھا، اس لئے انھوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے شعر کا پیرایہ اختیار کیا،

دیوان غزلیات میں آرٹ کے نقائص کی ایک اور خاص وجہ یہ ہے کہ مولانا نے اکثر غزلیات وجد اور مستی کی حالت میں لکھی ہیں، اور اپنے احوال کو الفاظ کی صورت دیدی ہے، ایسی حالت میں اشعا

میں زبان اور بیان پر غور کرنے کا کوئی موقع محل بلکہ امکان ہی نہ تھا، چنانچہ وہ خود فرماتے ہیں کہ جوشِ طبیعت اور محویتِ حال و خیال سے فرصت پانا ان کے لئے ممکن نہ تھا،

عیب مکن گر غزل ابتر بماند نیست وفا خاطر پرندہ را،

اسلئے کثیر معنوی فضائل اور دیگر صوری محاسن کے مقابلہ میں یہ خفیف نقائص نظر انداز کر دینے چاہئیں، مولینا کی شاعری کے لئے کسی محفلِ مشاعرہ کی ضرورت نہیں، بلکہ انسان کی ضرورت ہی، کہ ان کا کلام تفریحی عناصر سے خالی ہی،

عطار اور سنائی کا اثر، مولینا اور ان کی شاعری پر حضرت عطارؒ اور حکیم سنائیؒ کے کلام کا اثر ہے، مولینا نے خود مثنوی اور دیوان میں اس کا تذکرہ کیا ہی، جسے ہم اوپر داخلی شہادت کے سلسلے میں درج کر چکے ہیں، علاوہ اس کے اس موضوع کے متعلق مناقب العارفین میں مولنا کا ایک ارشاد درج ہی جس سے عطار اور سنائی کے کلام سے ان کے تاثر کا اندازہ ہوتا ہے،

"فرمود ہر کہ سخنان عطار را بجد خواند، اسرار سنائی را فہم کند و باعتقاد تمام مطالعہ نماید کلامِ مارا ادراک کند و برخوردار شود و برخورد"[۵۱]

اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ مولنا اور عطار و سنائی کے کلام میں ایک معنوی ربط ہی،

مولینا کے کلام پر خود انکی رائے مولینا کی ضخیم مثنوی (جس میں تقریباً ساڑھے چھبیس ہزار اشعار ہیں،) اور ضخیم تر دیوان (جو تقریباً ۵۰ ہزار اشعار پر مشتمل ہے،) کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مولنا شعر گوئی کی طرف بید مائل تھے، لیکن واقعہ اس کے خلاف ہے، اس کے ثبوت میں ہم بعض اہم ترین شہادتین درج کرتے ہیں، جس سے معلوم ہو جائے گا، کہ ان کے منشار اور سخن میں کیا ربط ہے، فیہ ما فیہ کی عبارت ہی،

"آخر من تا این حد دل دارم کہ این یاران کہ نزدیک من می آیند، از بیم آنکہ ملول

---

۵۱ مناقب العارفین صفحہ ۲۶۰، مطبوعہ آگرہ،

مول نہ شوند شعری گویم تا بدان مشغول شوند و گرنہ من کجا شعر از کجا، واللہ کہ من از شعر بیزارم وپیش من ازین بتر چیزے نیست، ہمچنان ست کہ یکے دست در شکنبہ کردہ است و می شوید براے آرزوے مہمان، چون اشتہاے مہمان بدانست مرا لازم شد، آخر آدمی بنگرد کہ خلق را در فلان شہر چہ کالا می باید آن خرد و آن فروشد اگرچہ دون ترین متاعہا باشد من تحصیلہا کردم در علوم و رنجہا بردم کہ نزد من فضلا و محققان و زیرکان آیند تا براے ایشان چیزے غریب و نفیس و دقیق عرض کنم، حق تعالیٰ خود چنین خواست آن ہمہ علمہا را اینجا جمع کرد و آن سعیہا را اینجا آورد کہ من باین کار مشغول شوم چہ توانم کرد در ولایت ما از شاعری ننگتر کارے نبود، اما اگر در آن ولایت می ماندیم موافق طبع ایشان می زیستیم آن می ورزیدیم کہ ایشان خواستندے مثل درس گفتن و تصانیف کتب و تذکیر و زہد و عمل ظاہر ورزیدن[۱]"

مناقب میں مولینا کا ایک اور بیان درج ہے۔

"مردم این ملک از عالم عشق مالک الملک و ذوق درون قومی بے خبر بودند... چنان مشاہدہ کردیم کہ بہیچ نوع بطرف حق مائل نبودند و از اسرار الٰہی محروم می ماندند بطریق لطافت سماع و شعر موزون کہ طبائع مردم را موافق افتادہ است، آن معانی را درخور ایشان دادیم چہ مردم روم اہل طرب و زہرہ بیان بودند، مثلاً طفلے رنجور شود و از شربت طبیب نفرت نماید و البتہ فقاع خواہد طبیب حاذق دارو چنان نماید کہ دارو را در کوزہ فقاع کردہ بدو دہد تا بوہم آن کہ فقاعست شربت برغبت نوشیدہ از خلل علل صافی گشتہ حلل صحت در پوشیدہ مزاج سقیم مستقیم کند[۲]"

---

[۱] مقدمہ فیہ ما فیہ ص ۳ [۲] مناقب العارفین،

اپنے دیوان کی معنوی قدر و قیمت کے متعلق ان کا یہ خیال ہے،

آب حیات آمد سخن کا بد زعلم من لدن — جان را ازو خالی مکن تا بر دہد اقبالہا

خموش شو کہ بسے گفتی و کس نشنود — کہ این دہل زچہ بام است و این بیان کجا

ع

گہر سفتم درین دیوان کہ تا تو رستی از دیوان

اپنے کلام کے صوری نقائص کا ان کو پورا علم و احساس تھا، اس کے متعلق بے لاگ رائے اور صحیح وجہ ان کے پاس تھی، ان میں سے ایک شعر اوپر ہم نے عیوبِ شعر کی بحث میں درج کیا ہے، یہاں اسکے علاوہ دوسرے اشعار درج کرتے ہیں،

توز لوح دل فرو خوان بتمامی این غزلہا — منگر تو از زبانم کہ لب و زبان نماند

حضرت شمس سے مخاطب ہو کر فرماتے ہیں،

شمس تبریز بجز عشق زمن ہیچ مجو — زان کسے داد سخن جو کہ سخندان باشد

شیخ سعدیؒ کی قدرشناسی، شیخ سعدی غزل کے بادشاہ ہیں، ان کے کلام میں شاعرانہ حسن خیال اور حسن بیان دونوں کی خوبیاں کما حقہ موجود ہیں لیکن مولینا روم کی ذات عالی صفات اور انکے کلام کی معنوی قدر و قیمت کا انھیں بہت احساس تھا، چنانچہ ملک شمس الدین حاکم شیراز کی ایک درخواست پر انھوں نے مولنا کی ایک غزل بھیجی، اوراس کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہیں، اس سے ان کے دل میں مولینا کی عظمت اور ان کی شاعری کی قدرشناسی کا پورا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ مناقب میں ہے،

"اصحاب عظام روایت کردند کہ ملک شمس الدین ہندی کہ ملک ملک شیراز بود[۱]، رقعہ بخدمت اعذب الکلام الطف الانام شیخ سعدی علیہ الرحمہ والغفران اصدار کردہ استدعا نمودہ کہ غزلی غریب کہ محتوی بر معانی عجیب باشد ازان ہر یک کہ باشد بفرستی تا غذای جان خود سازم"

[۱] والی یا حاکم تھا،

شیخ سعدی غزلِ نواز ان حضرت مولینا کہ دران ایام بشیراز بردہ بودند وخلق بکلی ربودہ آن شدہ نوشت وارسال کرد وآن غزل اینست،

ہر نفس آواز عشق میرسد از چپ و راست ما بفلک می رویم عزم تماشا کراست

در آخر رقعہ اعلام کرد کہ در اقلیم روم بادشاہے مبارک ظہور کردہ است واین از نفحات سراوست کہ ازین بہتر سخنے نہ گفتہ اند و نہ خواہند گفتن ومرا ہوس آنست کہ بزیارت سلطان بریار روم روم وروئیم را بر خاک پائے او مالم"

حضرت جامیؒ کی رائے، حضرت مولینا جامی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنے مشہور اشعار میں مولانا کے کلام کی معنوی قدر وقیمت کا اعتراف فرمایا ہے، اگرچہ اس میں خاص طور پر ذکر مثنوی کا ہے لیکن یہ دیوان پر بھی صادق آتا ہے،

من چہ گویم وصفِ آن عالیجناب نیست پیغمبر ولے دارد کتاب،

دولت شاہ اپنے مشہور تذکرہ میں مولینا کے کمال اوران کے کلام کے متعلق لکھتا ہے،

"در تحصیلِ علوم یقینی عالم ربانی و در مراتبِ توحید وتحقیق سالک صمدانی است و رموز و اشاراتِ عالم غیب را بشیوۂ سخن گستری بیان کردہ وطریق عین الیقین را بواسطہ علم الیقین بعیان رسانیدہ"،

موج چون بر اوج زد آن بحر زخار از شرف

لولوئی منظوم بر ساحل فگند از ہر طرف،

علامہ شبلی نعمانی کی رائے، علامہ شبلی جو سخن فہمی میں خداداد ملکہ رکھتے تھے، مولانا کے کلام کے متعلق انکی رائے یہ ہے،

"مولانا کا فن شاعری نہ تھا، اس بنا پر ان کے کلام میں وہ روانی، برجستگی، نشست الفاظ،

حسن ترکیب نہیں پائی جاتی، جو اساتذہ شعراء کا خاص انداز ہے، اکثر جگہ غریب اور نامانوس الفاظ آجاتے ہیں، فک اضافت جو مذہب شعر میں کم از کم گناہ صغیرہ ہے، مولینا کے ہاں اس کثرت سے ہے، کہ طبیعت کو وحشت ہوتی ہے، تعقیدِ لفظی کی مثالیں بھی اکثر ملتی ہیں، تاہم سینکڑوں بلکہ ہزاروں شعر ایسے بھی انکے قلم سے ٹپک پڑے ہیں، جن کی صفائی اور برجستگی اور دلآویزی کا جواب نہیں"

پروفیسر براؤن اور ڈاکٹر نکلسن کی رائے

پروفیسر براؤن آنجہانی جنھوں نے مدت العمر فارسی ادبیات کی گراں قدر خدمات انجام دی ہیں اور صاحب ذوق بھی تھے، مولینا کے دیوان کے سلسلہ میں ڈاکٹر نکلسن کی رائے سے اتفاق کیا ہے، جسے ہم آگے درج کریں گے،

ڈاکٹر نکلسن کو فارسی کے صوفیانہ ادب سے خاص دلچسپی ہے، خصوصاً مولینا روم کی تصانیف سے انکو بیحد لگاؤ ہے، مثنوی کے صحیح نسخہ کی ترتیب اور ترجمہ کے اہم فرائض بڑی خوش اسلوبی سے برابر انجام دے رہے ہیں، دیوان اور مثنوی کے فرق اور مشابہت پر ان کا یہ خیال ہے،

"ہم نے دیکھا ہے کہ فلسفۂ تصوف مولینا کی آمد طبع کا سرچشمہ ہے، اس سرچشمہ سے مثنوی اور دیوان دو نہریں الگ الگ جاری ہوئی ہیں، ایک کی شان بے پایاں دریا کی طرح ہے، ساکت وعمیق نہایت زرخیز، اور گوناگوں مرغزاروں سے گذرتی ہوئی اس سمندر میں جاگرتی ہے جس کی کوئی حد نہیں، دوسری نہر گویا ایک جوش مارتی ہوئی طوفان خیز موج ہے، جو اچھلتی کودتی ہوئی آبادی سے دور کہساروں میں جاکر جنگی لطافت عالم بالا سے چشمک زنی کرتی ہوئی غائب ہوجاتی ہے"،

(دیوان شمس تبریز مقدمہ از ڈاکٹر نکلسن)

مثنوی میں اخلاقی عنصر زیادہ ہے، دیوان میں صوفیانہ خیالات کے اظہار میں دلی کامل

کا نقطۂ نظر یا نصب العین پیش نظر ہے،

(مکتوب ڈاکٹر نکلسن بنام جناب ڈاکٹر نظام الدین صاحب صدر شعبۂ فارسی جامعۂ عثمانیہ)

علامہ اقبال کی رائے، اس عہد کے مشہور اور معروف فلسفیوں اور شعرا میں ڈاکٹر اقبال مولانائے روم کے قدرشناس ہیں، یہ واقعہ ہے، کہ ان کی طبیعت اور ذوق کو مولنا سے بیحد مناسبت ہے، انہی کا قول ہے،

مرا بنگر کہ در ہندوستان دیگر نمی بینی　　برہمن زادۂ رمز آشنائے روم و تبریز است

ان کے پیام اور کلام میں رومی کا اثر نمایاں ہے اپنے تازہ ترین شاہکار جاوید نامہ میں ڈاکٹر اقبال نے عالم معنی کی سیر و سیاحت میں مولنا ہی کو راہنما بنایا ہے، اور اپنی تصانیف میں انھوں نے مولینا کے مسلک اور شاعری کے متعلق مختلف پیرایوں میں اظہار رائے کیا ہے، ہم ان اشعار کو یہان نقل کرتے ہین، تاکہ مولنا کی شاعری کے متعلق ان کے نقطۂ نظر کا اندازہ ہوجائے،

مولینا کے کلام کی معنوی قدر و قیمت کے متعلق انکی رائے یہ ہے،

مرشد رومی حکیم پاک زاد　　سرّ مرگ و زندگی برما کشاد

معنی از حرف او همی روید　　صفت لالہ ہائے نعمانی،

نکتہ دان المنی را در ارم　　صحبتے افتاد با پیر عجم

شاعرے کو ہمچو آن عالی جناب　　نیست پیغمبر ولے دارد کتاب

بوعلی اندر غبار ناقہ ماند،　　دست رومی پردۂ محمل گرفت

راز معنی مرشد رومی کشود　　فکر من بر آستانش در سجود

اگرچہ زادۂ ہندم فروغ چشم من است　　ز خاک پاک بخارا و کابل و تبریز

باز برخوانم ز فیضِ پیرِ روم دفترِ سربستہ اسرارِ علوم،

جانِ او از شعلہ ہا سرمایہ دار من فروغِ یک نفس مثلِ شرار

پیرِ رومی خاک را اکسیر کرد از غبارم جلوہ ہا تعمیر کرد

موجم و در بحرِ او منزل کنم تا دُرِ تابندۂ حاصل کنم

من کہ مستیہا ز صہبایش کنم
زندگانی از نفسہایش کنم

خود ز خود بمود پیرِ حق سرشت کو بحرفِ پہلوی قرآن نوشت

مولینا کے کلام کے حیات آفرین اثر کے متعلق ان کا بیان یہ ہے،

مطرب غزلے بیتے از مرشدِ روم آور تا غوطہ زند جانم در آتشِ تبریزے

بیا کہ من زخمِ پیرِ روم آوردم مئے سخن کہ جوان تر ز بادۂ عنبی است

شرارے جستہ گیر از درونم کہ من مانند رومی گرم خونم

شعلہ درگیر و زد برخس و خاشاکِ من مرشدِ رومی کہ گفت منزلِ ما کبریاست

جاوید نامہ ان کی جدید ترین تصنیف ہے، عوالمِ علویہ کی سیر میں مولینا روم کو انھوں نے اپنا راہنما قرار دیا ہے، اس کتاب میں مختلف جگہ پر حضرت رومی کی شخصیت اور ان کے پیام کے مختلف پہلوؤں پر نظرِ غائر ڈالی ہے،

روحِ رومی پردہ ہا را بر درید، از پسِ کہ پارۂ آمد پدید،

بر لبِ او سرِّ پنہانِ وجود، بندہائے حرف صوت از خود کشود،

حرفِ او آئینۂ آویختہ علم با سوزِ درون آویختہ

اجمالی ریویو، | الحاصل مولینا کی شاعری متعدد خصوصیات خصوصًا معنوی قدر و قیمت کے نقطۂ نظر سے خاص حیثیت

رکھتی ہے، مولینا نے اپنی قوتِ فکر و شعر، زباں کاری کو سود مندی اور مذموم کو محمود بنانے میں نہیں صرف کی،

انکی شاعری کا مقصد بت پرستی یا بت گری نہیں، ان کا یہ منشا نہیں کہ لوگوں پر افسردگی اور خستگی طاری ہو، اور حسنِ صداقت سے انکا ربط ٹوٹ جائے، لوگ غلط اندیشہ و فکر میں مبتلا ہو کر ذوقِ عمل سے محروم ہو جائیں، ان کے کلام سے غفلت میں اضافہ نہیں ہوتا، بلکہ روحانی جمود دور ہوتا ہے، ان کی فریاد و نالہ سے "عشقِ مجبور" رسوا نہیں ہوتا، بلکہ "عشقِ غیور" کو سرخروئی حاصل ہوتی ہے، ان کے کلام کے مطالعہ سے یقین محکم اور عمل پیہم کا ذوق پیدا ہوتا ہے، ان کی شاعری افراد اور اقوام کی تعمیر خودی میں ممد و معاون ہے، ڈاکٹر اقبال نے اسرارِ خودی میں فکر و شعر کا جو معیار پیش کیا ہے، اس پر مولینا کی شاعری پوری اترتی ہے،

ہر شاعر کا کلام رطب و یابس کا مجموعہ ہوتا ہے، بقول ہیرسن (Harrison) کسی شاعر کی عظمت کا اندازہ کرنے کا ایک طریقہ یہ ہے کہ اس کے کلام کے بہترین حصہ کی قدر و قیمت کا اندازہ کیا جائے، اس نقطۂ نظر سے مولینا دنیا کے مشہور ترین شعراء کی صفِ اول میں ہیں، انکے فکر و شعر کی عظمت زمان و مکان کی قیود سے بلند تر ہے، انکی شاعری پر یہ قول صادق آتا ہے،

اہلِ دل را سینۂ سینا دہد

با ہنرمندان یدِ بیضا دہد،

مولانا کا مسلک تصوف یا فلسفۂ حیات

(دیوان کی روشنی مین)

لا اله اے جان رہ الا اللہ است

ماھم از لا تا بہ الا میسر و یم،

مسلک[1] تصوف اسکی بنیاد اور حقیقت کے متعلق مختلف طبقات میں مختلف قسم کی غلط فہمیاں اور غلط بیانیاں امتداد زمانہ سے پیدا ہوئین، مستند اصحاب طریقت اور ارباب معرفت اس امر پر متفق ہیں، کہ تصوف اس سے زیادہ کچھ اور نہیں، کہ اپنے دین کو اللہ کے لئے خالص کیا جائے یعنی آپ کو ظاہر و باطن میں آیۂ کریمہ اخلصوا دینھم للہ کا مصداق بنایا جائے، خدا کی محبت میں محبوب خدا کی اتباع کیجائے تاکہ بارگاہ ربانی میں محبوب اور مقبول بندوں میں شمار ہو، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ قربانی اور نماز، زندگی اور موت خدا ہی کے لئے ہو، از آدم تا بہ خاتم الانبیا سارے انبیاء کی زندگی کا نصب العین یہی رہا ہے (قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین،) مخلص تبعین اسی راہ پر چلتے رہے، اور چلتے ہیں، ہان ایسا ہوا ہے کہ زمانہ کے اقتضا، اور ماحول کی ضرورت کے باعث تعلیمات اور اصول مختلف پیرایئے میں پیش کئے گئے، مثلاً جب مسلمانوں میں فلسفہ کا زور ہوا، اور اس مذاق نے اہل علم و فن کو گرویدہ کر لیا، تو حضرت شیخ اکبر نے عقائد و اعمال کو فلسفیانہ تفکر کے انداز مین پیش کیا

[1] نفس تصوف کی حقیقت اور اس کا تاریخی انقلاب میرا اصل موضوع بحث نہیں، نہ یہ میری علمی تحقیق کے حدود میں ہے، میرا اصل موضوع بحث مولانا کے مسلک کے اصول ہیں، یہان میں نے تمہیداً سرسری طور پر چند خیالات کا اظہار کیا ہے،

اور مختلف اصحاب نے اسکی پیروی کی فصوص الحکم سے حجۃ اللہ البالغہ تک اسی کی مختلف صورتیں ہیں، اور جب شاعری کا ذوق عام ہوا، تو بعض اہل عرفان نے پیغام حقیقت پہنچانے کے لئے شاعری کو اپنا ذریعہ بنایا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس سے مختلف پیچیدگیاں ضرور پیدا ہوئیں، لیکن حقیقت کبھی تبدیل نہیں ہوئی، حقائق اور معارف، اصول اور عقائد میں تبدیلی نہیں ہوئی، سنائی سے جامی تک یہی رنگ ہے شیخ سعدی نے باوجود اسکے کہ عشق حقیقی کا بیان پیرایۂ مجاز میں کیا ہے، فرماتے ہیں، ؎

میندار سعدی کہ راہ صفا، توان رفت جز در پئے مصطفےؐ

جب مسلمانوں میں زوال کے آثار غالب ہوئے، تو بقول مولینا عبد الماجد ان کے دل و دماغ پر ایرانی تخیلات، یونانی توہمات اور ہندی مراسم کا اثر ہوا، انھوں نے ان چیزوں کو اپنے علم وعمل کا جزو لازم بنا لیا، غلط خیالات اور غلط کاری عام ہوئی، کثرت سے لوگ غلط فہیوں کا شکار ہوئے، ایمان گرفتار رسوم ہوگیا، شیوہ ہاے کافری کو وسعت مشرب سے تعبیر کیا گیا، قوالی اور پشمینہ پوشی اہل کمال کے لوازم قرار دیئے گئے،

قوم ما از سکر ایں مسموم گشت خفت واز ذوق عمل محروم گشت،

ابتدا میں امام غزالی اور آخر میں حضرت مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب نے تجدید و اصلاح کا صور بڑے زور سے پھونکا، قلب سلیم رکھنے والے تو چونک گئے، لیکن غلط فہمی اور غفلت کا بالکلیہ ازالہ نہ ہوا، اس دور میں مستشرقین نے غلط فہیوں میں اور اضافہ کیا، ایک تو وہ خود ان حقائق سے کما حقہ واقف نہ تھے دوسرے ہماری غلط نگاری اور غلط کاری نے انھیں بھی دھوکہ میں ڈالدیا، بعض نے بہت کچھ جاننے پہچاننے پڑھنے لکھنے کے بعد بھی غلط بیانی کی، انھوں نے کہا کہ دین اسلام تمام تر تقشف اور خوف کا مذہب ہے، تصوف سے جو مسلک محبت مراد ہے، اسکے عناصر دین اسلام میں نہیں ہیں، یہ عناصر اسلام میں عیسائیت سے داخل ہوئے ہیں، اسلام کا خدا توریت کا جبار و قہار خداوند تو ہو سکتا ہے لیکن

انجیل کا مہربان باپ وہ کبھی نہیں، یہی وہ مقام ہے، جہاں مستشرقین کے کمالِ علم اور تعصب کی حقیقت کھلتی ہے، تعصب نے انکی چشمِ بصیرت کو اندھا کر دیا ہے، غالباً وہ قرآن اور حدیث کو غلط بیانی کی نیت سے پڑھتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انھیں کوئی خاص حجاب اصل حقیقت پر نظر ڈالنے سے مانع ہوتا ہے، اور کتاب و سنت کے غالب حصہ کی تعلیمات پر انکی نظر ہی نہیں پڑتی، قرآن میں انھیں اسماء الٰہیہ میں سے قہار منتقم وغیرہ اسمارِ جلالیہ تو نظر آتے ہیں لیکن رؤف، رحیم، ودود اور غفور وغیرہ جیسے اسمارِ جمالیہ اور ان اعتبارات کی آیات نظر ہی نہیں آتیں، انکو قرآن میں یہ کہیں نہیں دکھائی دیتا کہ خدا سے شدتِ محبت ہی کا نام ایمان ہے۔ الذین آمنوا اشد حبا للّٰہ، اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ دینِ اسلام اتباع رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا نام ہے، یہاں خدا کی محبت ہی شرط اتباع ہے، اسی کا نتیجہ ہے کہ بندہ محبوب خدا ہوتا ہے قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ، اس کے علاوہ قرآن مجید میں محبت کے یہ اعتبارات بے شمار مواقع پر بیان کئے گئے ہیں، کہیں ان اللّٰہ یحب المحسنین ہے کہیں ان اللّٰہ یحب الصابرین ہے، اسکے مقابل ان اللّٰہ لا یحب الظالمین، وغیرہ بھی ہے، اسلام میں اعمالِ خیر کی بنیاد بھی خدا کی محبت ہی ہے، یطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما و اسیرا، اکثر جدید تعلیمیافتہ حضرات پر جو نہ اپنے دین کے اسرار سے واقف ہیں، نہ غیروں کے دجل و مکر سے مستشرقین کا یہ جادو چل گیا ہے، اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ تصوف کو فی الحقیقت اسلام سے کوئی تعلق نہیں، نہ معلوم تصوف سے ان کی کیا مراد ہوتی ہے، درانحالیکہ اصل تصوف ہی اسلام کی خالص اور پاکیزہ ترین تعبیر ہے،

غلط فہمیوں کے ان ظلمات سے نکلنے اور صداقت سے مستفید ہونیکا واحد طریقہ یہی ہے کہ کتاب و سنت کا بنظر غایر مطالعہ کیا جائے، اسکے بعد سارے اکابر صوفیہ مثلاً شیخ ابو نصر سراج، شیخ علی بن عثمان ہجویری، حضرت ابو القاسم قشیری، خواجہ نظام الدین محبوب الٰہی وغیرہ خصوصاً بانیان سلاسل صوفیا مثلاً محبوب ربانی حضرت شیخ جیلانی بانی سلسلۂ عالیہ قادریہ، حضرت خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی بانی سلسلۂ عالیہ چشتیہ، حضرت شیخ شہاب الدین

بانی سلسلۂ عالیہ سہروردیہ اور شیخ بہاء الدین نقشبند کے تصانیف ملفوظات اور تعلیمات کا مطالعہ کیا جائے جس سے صاف معلوم ہو جائے گا، کہ تصوف کی حقیقت کیا ہی، اصل تصوف کسے کہتے ہیں، مرد صوفی کون ہی، راہِ صفا کے کیا شرائط ہیں، سب سے بڑھکر یہ کہ تصوف اور کتاب و سنت میں کیا ربط ہی،

صوفیائے کرام اور اکابر اہلِ عرفان میں عارف رومی کو خاص اہمیت ہے انکا قول اس بارے میں مستند اور انکا بیان حجت ہے، اگر کوئی اس کا کامل اندازہ کرنا چاہے، کہ مولانا کے نزدیک تصوف کسے کہتے ہیں، اور صوفی کون ہے، اور مولنیا کا مسلک کیا ہے، تو مثنوی معنوی اور فیہ ما فیہ یعنی حضرت کے ملفوظات کا مطالعہ کرے، حقیقتِ حال سے کاملًا باخبر ہو جائے گا،

لیکن ان کی تصانیف میں ایک دیوان بھی ہے، بقول مولنیا عبد الماجد دریابادی ہر چند دیوان کسی ایک وقت کی مسلسل تصنیف نہیں، سالہا سال کی متفرق غزلوں کا مجموعہ ہے، اس سے کسی ایک متعین مسلک کا استنباط ممکن نہیں، کوئی غزل کسی حال کی شارح ہی اور کوئی کسی کیف کی، کیونکہ دیوان دورِ تلوین کی تصنیف ہی، دورِ تمکین کی نہیں، غزلیات مولنیا نے اسوقت لکھے ہیں، جبکہ وہ صاحبِ حال تھے، صاحبِ مقام نہیں، دیوان میں زیادہ تر صوفیانہ جذبات اور متفرق احوال کی ترجمانی ہی، تعلیم و ارشاد اصول اور معارف مثنوی میں توضیح اور تصریح کیساتھ ہیں، یہ تصنیف دورِ تمکین کی ہی، یہ مولنیا نے اسوقت لکھی ہی جب وہ صاحب مقام ہو گئے اور سالک نہیں بلکہ راہبر ٹھہرے اور تبلیغ و ہدایت پر مامور ہوئے،

لیکن پھر بھی دیوان اسی گلشن کا ایک پھول ہی، اور اسی بہار کا رنگ ہی، اس لئے اختلافِ حال کے باوجود ان میں وحدت کا ایک رشتہ ضرور ہی، چنانچہ انکے مسلک پر اجمالًا دیوان سے بھی روشنی پڑتی ہی، اور معلوم ہوتا ہے کہ مثنوی اور ملفوظات سے اسکا اصولی اور معنوی اتحاد ہی، اسلئے یہ بیان مختصر ہوگا، صفحاتِ آیندہ میں ہمارا موضوعِ تحریر یہی ہی، اختصار کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہی کہ بعض مسائل جنکا مولنیا کے مسلک اور فلسفۂ حیات سے گہرا تعلق ہے، باب سوم کے مہمات مضامین کے تحت زیر بحث آچکے ہین، ذیل میں انکو ہم اشارۃً اور کنایۃً بیان کرین گے،

(باقی)

کلامِ لطفؔ

یعنیؔ استاذ العلما مولنا مفتی محمد لطف اللہ صاحبؒ کا کلام

از

جناب مولوی محمد بدر الدین صاحب علوی استاذ ادبیات عربی مسلم یونیورسٹی علیگڈھ

اُستاذ العلماء کے عنوان سے ایک بسیط مقالہ معارف اپریل ۱۹۲۳ء میں نواب صدر یار جنگ مولینا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی کے قلم سے نکلا تھا، جو بعد میں بصورتِ رسالہ علحدہ بھی شائع ہوا، مولینا ممدوح مستحقِ شکریہ ہیں، کہ انھون نے اس مقالہ کے ذریعہ سے ایک بڑی علمی خدمت انجام دی، فجزاھمُ اللہ تعالیٰ خیرا،

استاذ العلماء کی سوانحعمری نہایت بسیط مضمون ہے، جسپر بڑی ضخیم کتاب لکھی جاسکتی ہے، اس کتاب کا ہر باب اخلاف کے لئے فیض رسان اور قابلِ تقلید ہوگا، اس وقت اس کا صرف ایک باب ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے، جو ان کی شاعری سے متعلق ہے، اگر خدا کو منظور ہے، تو ان کے مخصوص علمی کارنامو نکا باب بھی عنقریب پیش خدمت کیا جائے گا،

تمہید | اصل مضمون پر قلم اٹھانے سے قبل اپنے شفیق استاذ رحمۃ اللہ علیہ کی محبت میں سرشار ہوکر بعض جذبات کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتا، کہ

لابدّ للمصدور من اَن ینفثا

حضرت کے انتقال کو بیس سال ہوگئے، جو واقعات کے بھول جانے کے لئے کافی مدت ہے، مگر اسوقت

تک ان کی تقریرین اور کلمات کانوں میں گونج رہے ہیں، اور صورتِ مبارک نظروں کے سامنے ہے،

میرا زمانۂ تعلیم وہ تھا کہ جب حضرت نابینا اور معذور ہو کر درس باضابطہ بند فرما چکے تھے، میری انتہائی خوش قسمتی تھی کہ ایسے وقت میں مجھ کو نعمتِ غیر مترقبہ حاصل ہوئی، اور شرفِ تلمذ سے بہرہ ور ہوا، مجھسے اکثر فرمایا کرتے تھے، پڑھانا تو میری غذاے روح تھا،

اسی ذوق کا نتیجہ تھا کہ مولوی کرم الٰہی صاحب مرحوم جو فارسی اور تجوید کے استاذ تھے، باضابطہ درس کے زمانہ سے برابر پڑھتے چلے آتے تھے، ان کے درس کا سلسلہ حالتِ معذوری میں بھی جاری تھا، اور وہ اپنی پیرانہ سالی میں بھی شوق کی وجہ سے طالب علم بنے ہوئے تھے، ان کے دو سبق اس شان سے ہوتے تھے، کہ منگل اور جمعہ کو بھی تعطیل نہ ہوتی تھی،

میرے حاضرِ خدمت ہونے کی صورت یہ ہوئی کہ مجھ کو مولوی اخلاق احمد صاحب مرحوم سہسوانی پڑھایا کرتے تھے، جب وہ علی گڑھ چھوڑ کر وطن جانے لگے۔ تو میرے اسباق کا انتظام زیر غور ہوا، بالآخر ان کی رائے ہوئی کہ میرے والد ماجد استاذ العلما کی خدمت میں حاضر ہو کر التماس کریں، کہ ایک سبق مجھکو حضرت پڑھا دیا کریں، والد مرحوم مولوی حافظ محمد عبد الرحیم صاحب وکیل علی گڑھ خود فارغ التحصیل عالم اور اپنے زمانہ کے مشاہیر اساتذہ مولینا فاروق صاحب چریا کوٹی۔ مولینا ہدایت اللہ خانصاحب رامپوری، مفتی یوسف صاحب فرنگی محلی اور مولانا معین الدین صاحب کڑوی کے شاگرد و ستھے فرماتے تھے، میری طالبعلمی کے زمانہ میں استاذ العلماء کا علم شہرت لہرا رہا تھا، اور ان کے کمالات کے چرچون نے غائبانہ عقیدت ان کے ساتھ میرے دل میں قائم کر دی تھی، علی گڑھ آنے کے بعد یہ عقیدت نمایان ہو گئی، اور والد مرحوم استاذ العلما کی خدمت میں شاگردون کی طرح حاضر ہونا اپنی سعادت سمجھتے رہے مولوی اخلاق احمد صاحب کی تجویز سنکر فرمایا کہ ایسی معذوری کی حالت میں مجکو التماس کرنیکی ہمت نہیں ہوتی ڈرتے ڈرتے مولوی صاحب مرحوم نے خود مجکو ساتھ لیجا کر التماس پیش کی، جو بہت کشادہ پیشانی کے ساتھ منظور ہوئی، اور حضرت نے مجھکو اپنی علمی آغوش

مین لے لیا، یہ سعادت خود ہی کیا کم تھی، اس پر سے یہ سند قبول بھی عطا ہوئی، کہ حضرت نے میرے بارہ میں یہ کلمات فرمائے ،،:-

"میاں مولوی بدر الدین جب پڑھنے آجاتے ہیں، تو میں اپنی تکلیفیں بھول جاتا ہوں اور جبتک انکو پڑھاتا رہتا ہوں ہائے ہائے سے نجات ملتی ہے" (ملاحظہ ہو رسالہ استاذ العلماء ص[1])

یہ کلمات میرے لئے جسقدر بھی مایۂ ناز ہوں، بجا ہے، خوشا نصیب و زہے قسمت کہ مجھ حقیر او ر ناچیز کے سبق کو حضرت نے اپنی تکلیفوں کے بھول جانے کا باعث اور ہائے ہائے سے نجات دینے کا سبب تصوّر فرمایا، فالحمد للہ علی ذلک۔ یہ سلسلۂ سعادت سات برس تک جاری رہا، شروع سے آخر تک جو شفقت مجھ پر فرماتے رہے، اس کا اظہار غیر ممکن ہے، اگر کسی وقت مجھ کو حاضر ہونے مین ذرا دیر ہو جاتی، تو فوراً خادم میرے دروازہ پر ہوتا، کہ میاں خیریت پوچھتے ہیں، اکثر اعزہ اور شاگردون کے نام مجھ سے خطوط لکھواتے اور فرماتے کہ ہمارے حضرت مفتی (عنایت احمد) صاحب مجھسے خطوط لکھوایا کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے، کہ تم تو ہمارے نور چشم ہو"

استاذ العلماء کی شاعری اور نقد سخن، حضرت کے والد مولوی اسد اللہ صاحب اچھے شاعر تھے مضطر تخلص تھا، اخیر میں ضیق النفس کا عارضہ ہو گیا تھا، لیکن دورون کی شدید تکلیف میں بھی اشعار موزوں کیا کرتے، اون کے اشعار کبھی کبھی حضرت مجکو سنایا کرتے تھے، ایک واقعہ خود حضرت کا بیان فرمایا ہوا یاد آگیا، مولوی صاحب نے ایک غزل لکھی تھی، جسکے صرف تین شعر محفوظ رہگئے ہین،:-

لے اڑی طرز فغاں بلبل نالاں ہم سے ۔۔۔ گل نے سیکھی روش چاک گریباں ہم سے

لاکھ روکا نہ رکا دیدۂ گریاں ہم سے ۔۔۔ ہو ہوا چاہتا ہے نوح کا طوفاں ہم سے

پاؤن پھیلائے تو ہی رہنا یہاں اے بلبل ۔۔۔ چھوٹتا ہے کوئی دم میں یہ گلستاں ہم سے

یہ غزل کسی نے مرزا غالب کو سنائی، بہت پسند آئی، پوچھا کس کی ہے، سنانے والے نے کہا کہ کول

ہیں ایک مولوی اسد اللہ ہیں، مرزا نے کہا کیوں نہ ہو یہ نام کا کمال ہی (مرزا کا نام بھی اسد اللہ تھا)

استاذ العلماء کی شاعری میرے نزدیک میراثِ پدری تھی، اوائل عمر ہی میں شعر گوئی کا ذوق ہوا ہوگا، لیکن خدا نے ان کو پیدا تو دوسرے کام کے لئے کیا تھا اس لئے دولتِ علم سے مالا مال ہو کر دریائے فیض جاری کیا، اور اخیر تک اسی کے اجرا میں مصروف رہے، ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ حضرت کی شاعری کوئی باضابطہ شاعری نہ تھی، اگر کسی وقت طبیعت شگفتہ ہوئی، تو کچھ اشعار موزوں ہو گئے تاریخیں کبھی خود نظم فرمائیں کبھی کسی کی درخواست پر، کسی وقت دل چاہا، تو کسی شاگرد کو منظوم خط لکھدیا، یہ کیفیت اسوقت کی ہے، جب درس میں انہماک تھا، اس سے قبل یعنی اوائل عمر کا یا محض فارسی کی تکمیل کے بعد کا کلام بھی ہے،

کلام زیادہ تر فارسی ہے، کچھ اردو میں بھی ہے، عربی میں بجز ایک تاریخ کے کوئی اور چیز نہیں ملی، غالباً اسکی وجہ یہ ہوگی، کہ فارسی تعلیم کے بعد ذوق کا میلان فارسی میں راسخ ہوگیا، اور پھر رخ نہ بدلا، فارسی اور اردو دونوں میں کہیں ذرّہ اور کہیں لطف تخلص فرماتے تھے،

شعر گوئی کے مذاق کے ساتھ حضرت بڑے نقادِ سخن تھے، اور شاعری کا پورا ذوق تھا، مولٰینا شروانی نے بالکل صحیح لکھا ہے، (میں نے اپنے زمانہ میں بھی یہی مشاہدہ کیا)

"خاص صحبتوں میں اشعار کا ذکر چھڑ جاتا تو گھڑیوں جاری رہتا، اشعار لطیف پڑھتے، لطف وخوبی ظاہر فرماتے، ایک ہی قافیہ یا مضمون پر متعدد اساتذہ کا کلام سناتے، عربی فارسی اردو ادب سے یکساں ذوق تھا" (رسالہ استاذ العلماء ص ۱۹)

ایسے نقادِ سخن کے کلام میں جتنی خصوصیات اور خوبیاں ہو سکتی ہیں، وہ سب حضرت کے کلام میں موجود ہیں، جو فصاحت و بلاغت، سلاست وروانی اور بے تکلفی اور آمد ہے، وہ ناظرین کو آئندہ نمونوں سے خود معلوم ہو جائے گی، سارے کلام میں استادانہ انداز نمایاں ہی،

فارسی کلام

اس زمانہ کے عام دستور کے مطابق حضرت مرحوم کا اصل ذوقِ سخن فارسی میں تھا، آپ نے فارسی کے بیشتر اصنافِ سخن پر طبع آزمائی فرمائی ہے اور ہر صنف کے نمونے آپ کے کلام میں موجود ہیں، جو بلاتامل اہلِ زبان کے کلام کے پہلو بہ پہلو رکھے جا سکتے ہیں، ہر صنف کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں،

مناجات باری تعالی،

بجنابِ تو خداوندِ دو عالم نالم ... زان کہ جز تو نرسد ہیچ بداوِ عالم

برمنِ زار بجنشائی کہ از جورِ سپہر ... سخت شوریدہ سر و طرفہ کسیر البالم

مگر این چرخِ جفا پیشہ بے جہت دنیا نیت ... از پئے مشقِ ستم جز تنِ من در عالم

رحم کن رحم خداوند کہ از غایتِ غم ... می رود از کفِ من دامنِ استقلالم

بطفیلِ شہِ کونین رسولِ عربیؐ ... آنکہ باشد بفدائش دل و جانؐ مالم

آنکہ وصفش شدہ بیرون زحد وہم قیاس ... زانکہ در مدحتِ او الکن و گنگؐ لالم

وارہانم زغم و غصہ چنانم کہ بقہر ... چرخ رالت زنم و گوشِ عدو را مالم

نعت رسول صلعم،

حبیبے راکہ احمد نام کردند، ... شرابِ عشقِ او در جام کردند

کسے کوگشت زاں صہبا سیہ مست ... مقامش برتر از اوہام کردند،

زگیسوہائے عنبر بوئے جانان ... برائے صید دلہا دام کردند

سوادِ جانفزو زلیلۃ القدر ... زچشم سرمہ سائش وام کردند

زجود حق مشو اے لطف نومید ... کہ نامش مفضل و منعام کردند،

رنگِ تغزل:-

اے صبا راست بگو آن بتِ گلفام کجاست
آن پری چہرہ کہ ملی بودش نام کجاست

آن چناں رفتہ ام از خویش بعشقِ آن ماہ
کہ نہ دانم کہ سحر ہست کجا شام کجاست

من بیادِ رخِ او سوختم وحیف کہ گاہ
او نہ پرسید کہ آں عاشقِ ناکام کجاست

وقفِ صد رنج و غم تا بوجود آمدہ ام
من نہ دانم چہ طرب باشد و آرام کجاست

ساقیا ما ز مئے عشقِ صنم مدہوشیم
ماچہ دانیم کہ مِنا ست کجا جام کجاست

ذرّہ از سادگیِ خویش درافتاد بہ بند
این نہ دانست کہ صیاد کجا دام کجاست

من عاشقِ روئے توام شیدائے گیسوئے توام
افتادہ در کوئے توام بنگر بسویم از کرم

دلدادہ و دیوانہ ام حسنِ ترا پروانہ ام
از خویشتم بیگانہ ام رحمی بحالم اے صنم

اے جانِ من جانانِ من اے نازنیں نازک بدن
اے دلبرِ سیمیں ذقن از دوریت جان بر لبم

در عشقِ تو اے مہ لقا ہستم گرفتارِ بلا،
رفت است خواب از دیدہا ہمسایہ "از یا ربم"

اے من بلا گردانِ تو جان و دلم قربانِ تو
تاچند از ہجرانِ تو باشم اسیرِ رنج و غم

جان در ہوایت باختم دل صیدِ نازت ساختم
ہم شمع ساں بگداختم از آتشِ حسنت صنم

بیا جاناں بیا اے آنکہ جانِ من فدائے تو
بحالِ زارِ من بنگر کہ چونم در ہوائے تو

چہ خوش باشد اگر باشی تو اے جاناں برائے من
زہے قسمت اگر من اے صنم باشم برائے تو

بگوشم ایں صدا می آید از ہمسایگان ہر دم
کہ اے ذرّہ بجاں ہستیم ما از ہائے ہائے تو

سرت گردم دمے شادم ز وصلت کن کہ ہستم من
اسیرِ دامِ زلفت بسملِ تیغِ ادائے تو

کہاں جاؤں کہوں کس سے جو کچھ دل پہ گذرتا ہے مگر پیش تو نالم اے صنم از جورہا ے تو

مضی عمری و یمضی ما بقی فی فرقۃ سلمی

رضینا بالقضا یارب اگر ہست این رضا ے تو

عالمے بہر تماشاے تو گرد آمدہ است دہ چہ روے عجبے قابلِ دیدن داری

ہیچگاہے نتوانی کہ روی از دل من اے کہ از دیدۂ من قصدِ رمیدن داری

قصۂ بے سروسامانیِ خود شرح دہم بحضورِ تو اگر تابِ شنیدن داری

اے صبا گر گذری سوے صنم فاش بگو،

عاشقے بر سرِ رہ گرمِ تپیدن داری

قطعات ورباعیات:-

اے گوہرِ درجِ خوبروئی زود آ وے شمعِ شبستانِ نکوئی زود آ،

جانم زفراقِ تو رسیدست بلب اے آنکہ مرا تو آرزوئی زود آ،

بکوے دوست بردا اضطرابِ دل مارا کہ تا ز دور بہ بینم جمالِ سلمی را،

محبتش بمن و باز دوریش عجب ست نہ کرد ہیچ کسے حل مرا این معمارا،

این خانۂ دل کہ خانۂ بس عالی ست اے عشق بیا کہ از برایت خالی ست

آب از چشم و کباب از سینہ بجوے، وز آہ ہوا کہ شمر خوش حالی ست،

من شیفتہ روے نکویت ہستم، دلدادۂ زلفِ مشکبویت ہستم

ہرچند بظاہر از تو دوری دارم اما بخیال روبرویت ہستم،

قطعات تاریخ:-

تاریخ تولد دختر محمد ابراہیم خان رامپوری،

خدا بخشید ابراہیم خان را نکو دختر بوقتِ نیک و مسعود،

سروشے از پئے سالِ ولادت نکو بخت و نکو طالع بفرمود،
۱۲۷۰

تاریخ ولادت عبد الرشید خان پسر نواب[۵۱] عبد العزیز خان بریلوی،

حق بعبد العزیز خان بخشید، پسر نیک صورت و سیرت،

ہاتفے گفت از پئے تاریخ، مہر اوج سعادت و عشرت،
۱۲۷۳

مفتی عنایت احمد صاحبؒ جب جزیرہ شور سے رہائی پاکر واپس آئے تو استاذ العلما ان سے ملنے کاکوری تشریف لے گئے، اور وہاں یہ تاریخ پیش خدمت کی،

چون بفضل خالق ارض و سمار اوستادم شد ز قید غم رہا،

بہر تاریخ خلاص آنجناب برنوشتم اِنَّ استاذی نجا
۱۲۷۷

تاریخ وفات حافظ[۵۲] عبد الرشید کولوی،

رفت عبد الرشید ازیں عالم، باد از حق ورا ہبیا خلد،

ہاتفے گفت سالِ رحلتِ او. جاے عبد الرشید باد اخلد،
۱۲۷۷

تاریخ وفات حکیم احمد بخش پلکھنوی،

---

۵۱ نواب عبد العزیز خان والی روہیلکھنڈ نواب حافظ الملک کے پوتے تھے، مفتی عنایت احمد صاحب کے قیام بریلی کے زمانہ میں ان کی شاگردی میں داخل ہوئے، استاذ العلما سے اوسی زمانہ میں ملاقات اور دوستی ہوئی، نواب عبد العزیز خاں اردو کے شاعر بھی تھے، ان کا دیوان عزیزی طبع ہو چکا ہے، عبد الرشید خان نے (جن کی یہ تاریخ ولادت ہے) ۱۳۴۷ھ میں انتقال کیا، ملاحظہ ہو حیات حافظ رحمت خاں مطبوعہ بدایون صفحہ ۳۲۵،

۵۲ حافظ عبد الرشید کاکوری سے کیا تعلق تھا، اسکا کچھ پتہ نہیں چلا،

چون حکیم حاذق احمد بخش نام
رخت بستہ زین جہان تنگنائے،

بہر تاریخ وفاتش ہاتفے
گفت واویلا دریغا ہائے ہائے

۱۳۰۱ھ

مراثی:-

مرثیہ حکیم اکرام اللہ صاحب[1]

اے عم مکرم کجائی،
پنہان ز نگاہ من چرائی،

آن صورت انور تو اے عم
یکدم نرود ز چشم پر نم،

اے عم ز غم تو زار و نالم
بنگر کہ کجا رسید حالم

اے وائے ز ما چہان بریدی
در دہرہ تو خوابگہ گزیدی

از پلکنہ تا بدہرہ دون آہ،
صد مرحلہ ہست درمیاں راہ

چون بہر زیارت تو آیم،
چوں گام بسوئے تو کشایم

ارضاک اللہ بالنعیم

والفضل الدائم الجسیم

اردو کلام

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے، آپ کا اصل میدان فارسی تھا، لیکن کبھی کبھی تفنن طبع کے طور پر اردو میں بھی فکر فرماتے تھے، اسی لئے اردو کا کلام مختصر ہے، تاہم جس قدر ہے، وہ لطف سے خالی نہیں، نمونے ملاحظہ ہوں،

نعت رسول صلعم:-

ہو تیرا بھلا ساقی اک جام ہمیں بھر دے
یہ تجھ ہی سے ہووے گا ہر کار سے وہر مردے

[1] حکیم صاحب موصوف استاذ العلماء کے حقیقی چچا تھے، دہرہ دون میں کسی انگریز کے ملازم تھے، وہیں ۱۱ر جولائی ۱۸۶۸ء کو انتقال کیا،

ہو دور پریشانی جاتی رہے حیرانی میری بھی طرف گر وہ رحمت کی نظر کردے

وہ سب بہادر ہے، جو شوقِ شہادت میں سر اپنا تہ تیغِ ابروے بتاں دھردے

کون اس سے عیاں تر ہے ہر جا وہی ظاہر ہے سب حال یہ کھل جائے اٹھ جائیں اگر پردے

یا ختمِ رسل رحمے کز جور فلک دارم ہم دیدہ پر از آتش ہم سینہ پر از درد

فرقت میں مدینہ کی اے لطف تڑپتا ہوں اک آن میں اڑ جاؤں خالق جو مجھے پر دے

رنگِ تغزل:-

کبھی ہم پر وہ مہرباں نہ ہوا کبھی دل اپنا شادماں نہ ہوا،

کس لئے مجھ سے بدگماں ہو تم میں کبھی تم سے بدگماں نہ ہوا،

اندر اندر رہی سینہ کے دلِ زار جل گیا پر کبھی دھواں نہ ہوا،

عاشقی میں ہوا ہوں افسانہ ذکر میرا کہاں کہاں نہ ہوا،

فکر کیا کیا نہ کی چھپانے کی حالِ دل کا مگر نہاں نہ ہوا،

دیکھتا میری بے قراری کو آہ اس وقت وہ یہاں نہ ہوا،

یہی حسرت ہے مجکو اے ذرّہ کہ میرے گھر وہ میہمان نہ ہوا،

غمِ عشقِ بتاں ہے اور میں ہوں دلِ ناشادماں ہے، اور میں ہوں

نہیں تھمتے شبِ فرقت میں آنسو یہ دریاے رواں ہے اور میں ہون

شبِ تارِ فراقِ دل ربا میں، قلق ہے اور فغاں ہے اور میں ہوں

کہاں قسمت کہ پہونچوں اسکے در تک فراقِ جانِ جاں ہے اور میں ہون

فلک سے کب توقع ہے وفا کی جفاے آسماں ہے اور میں ہون

کوئی قصہ نہیں مجکو خوش آتا صنم کی داستاں ہے اور میں ہون

چو دیدم آن چشمِ سرمہ گینش روان شدہ سیلِ خون ز دیدہ
سجن کی آنکھوں نے مجکو مارا دہائی ساری خدائی کی ہے،

نہ نامۂ سوے من فرستد نہ پرسد از من چہ حال دارد
کوئی یہ پیارے سے جاکے پوچھے کہ ایسی کیا میں[۱] برائی کی ہے

ز اہلِ عالم بحالِ زارم کسے ترحم نہ کرد با آن کہ،
پھرا ہوں روتا گلی گلی میں نگر نگر میں دہائی کی ہے،

حدیث دلبر رود بہر جا باستماعش شوم ہمہ گوش،
سنوں نہ کیونکر میں اس کی بتیاں کہ جسنے من میں سمائی کی ہے

قطعات و رباعیات :-

مرے دل سے جاتی نہیں یاد تیری خبر جلد لے آکے اے یار میری
مصیبت ہے اے یار تیری جدائی مجھے کھائے جاتی ہیں راتیں اندھیری

پوچھتے ہو کیا ہو حال کیسا ہے، صاف ظاہر ہے حال جیسا ہے،
چشم سے اشک ہیں رواں ہر دم لب پہ نالہ ہے، حال ایسا ہے،

اے گوہر درج خوبروئی شمعِ کاشانۂ نکوئی
فرقت میں ترے نزار ہوں میں بیخواب و بیقرار ہوں میں
ہوتی ہے بری وہ آشنائی ہو جس سے ملی ہوئی جدائی
دل لگتا نہیں ہر گھر میں میرا جنگل میں کرونگا جا بسیرا

---

[۱] یہ قطعہ بھی نو عمری کا معلوم ہوتا ہے، "میں نے برائی کی ہے" کے بجاے میں برائی کی ہے استعمال کیا، اس قسم کے محاورے قدیم اردو میں مستعمل تھے،

قطعات تاریخ :-

جب مفتی عنایت احمد صاحبؒ جزیرہ شور سے واپس ہو کر کاکوری تشریف لائے، تو استاذ العلیٰ کو اپنے استاد کی قدمبوسی کا اشتیاق پیدا ہوا، اور ذیل کی رباعی لکھکر ان کی خدمت میں بھیجی،

بہلاؤں کہاں تک دلِ ناشاد کو مین کب تک کروں ضبط آہ و فریاد کو مین

انشاء اللہ ایک ہفتہ کے بعد، آتا ہوں قدمبوسیٔ استاد کو مین

۱۲۷۷

تاریخ تولد فرزند،

ہوا پیدا جو یہ فرزند دلبند خوشی کی پھر گئی ہر سو منادی

مجھے تھی فکر تاریخِ ولادت نکو اختر ہے ہاتف نے ندا دی

۱۲۹۲

تاریخ وفات مولانا عبد الحئی صاحب فرنگی محلی،

فاضلِ بے نظیر عبد الحئی مہر اوج علا چراغ ہند

ذات سے جن کی تھا یہ ہند کو فخر عرش اعلی پہ تھا دماغ ہند

آہ دنیا سے کر گئے وہ سفر چلی باد خزان بباغِ ہند

تیرگی چھا گئی نگاہوں مین، غم سے پر ہو گیا ایاغِ ہند

فکر تاریخ تھی کہ ہاتف نے دی ندا بجھ گیا چراغ ہند

۱۳۰۴

مدرسہ فیض عام کانپور کے جلسۂ تکمیل علوم کی تاریخ،

جلسۂ تکمیل میں طالبون کا ازدحام دیکھ کہا عقل نے مدرسہ فیض عام

۱۳۱۰ھ

اپنے ہم زلف قاضی فضل علی کو برجستہ یہ مصرعہ خط میں لکھا جو واقعہ ہونے کیساتھ تاریخ پر بھی مشتمل ہے

خوب بارش ہوئی ہے اب کی سال

۱۲۷۱

عربی کلام کانمونہ

جیسا کہ ہم نے اوپر لکھا ہے کہ عربی شاعری کی جانب آپ کا میلان نہ تھا تاہم اس پر پوری قدرت تھی، نمونہ کے لئے مولوی جمیل الدین فرخ آبادی متخلص بجمیل کی تاریخ وفات پیش کیجاتی ہی،

علام العصر عارف الدہر ذو الفضل الکامل العظیم

اعنی شمس الہدی جمیلا مداح نبینا الکریم

ان الرحمن قد توفاہ بالرفق الناعم الجسیم

ارخت وفاتہ بقولی ارضاہ اللہ بالنعیم

۱۲۷۶

شعر العجم

فارسی شاعری کی تاریخ جس میں شاعری کی ابتدا، عہد بعہد کی ترقیون اوران کے خصوصیات اور اسباب سے مفصل بحث کی گئی ہی، اور اسی کیساتھ تمام مشہور شعراء کے تذکرے اوران کے کلام پر تنقید و تبصرہ ہے، مطبوعہ معارف پریس،

حصۂ اول	(عباسی مروزی سے نظامی تک،)	ضخامت ۳۵۰ صفحے	قیمت عہ
حصۂ دوم	(خواجہ فریدالدین عطار سے حافظ اور ابن یمین تک)	۳۰۲ "	" عہ
حصۂ سوم	(فغانی سے ابو طالب کلیم تک،)	۲۳۰ "	" عہ
حصۂ چہارم	(شاعری کے تمام انواع و اقسام میں سے مثنوی پر تبصرہ)	۲۳۶ "	" عہ
حصۂ پنجم	(قصیدہ غزل اور اخلاقی شاعری پر تبصرہ)	۲۲۸ "	" عہ

قیمت پورے سٹ کی، عـہ

"منیجر"

مذاہبِ اربعہ میں فطرت کا لگاؤ

از

جناب ہوش بلگرامی (حیدرآباد دکن)

یہ وہ دعویٰ ہے، جسے وائی ایم، سی، اے (حیدرآباد دکن) کے ایک جلسہ میں بعض محترم اور قابل بزرگوں نے مذاہبِ عالم کے متعلق (غالباً اپنے روادارانہ نقطۂ نظر کا اظہار فرمانے کے لئے) پیش کیا ہے، اور اسی کوشش کی ہے کہ ان مذاہبِ اربعہ (برہمنزم، بودھ مت، عیسائیت اور اسلام) کے مابین (فاضل مقرر کی رائے میں) جو فطری یگانگت قائم ہے، اس سے ایسے دلوں کو روشناس کرایا جائے، جو ادیان و ملل کے بنیادی اصول سے ناواقف ہوں،

مذہب کے بارہ میں ہر انسان کا نقطۂ نظر ہمیشہ سے جداگانہ رہا ہے، اور ہر شخص نے اپنی اپنی عقل کی رہبری میں مذہب کو سمجھنے کی کوشش کی ہے، باایں ہمہ حقیقت اپنی جگہ ایک ہی رہی ہے، اور غالباً اسی کو حاصل کرنے کی کوششیں کیجارہی ہیں، جو اسلئے اکثر ناکام اور ناتمام ثابت ہوئی ہیں، کہ کسی نے بھی اپنے اپنے ایقان و عقائد سے ہٹ کر کبھی غور کرنے کی زحمت نہیں کی ہے، اسلئے جو کچھ میں عرض کرونگا، وہ میرے ایسے خیالات ہیں جنھیں میں نے مذہب کے ہر زاویہ سے دور رہ کر صرف ایک انسان ہونے کی حیثیت سے سوچا اور سمجھا ہے،

مذاہب کا مسئلہ نازک بھی ہے، اور آسان بھی، لیکن جب کبھی فلسفیانہ نکتہ سرائیون سے کام لیا گیا ہے تو مذہب کے عام فہم اصول بھی ایک چیتیاں بنکر رہ گئے ہین، ایسی چیستان جسے بوجھنے کے لئے

ذہنِ انسانی کو نہ جانے کن کن بھول بھلیون سے گذرنے کی ضرورت پیش آتی ہے،

سب جانتے اور مانتے ہین، کہ مذاہبِ عالم کی بنیاد نیکی و نیکوکرداری پر رکھی گئی ہے لیکن یہ تعلق فطری آویزش کے لئے کیونکر کافی ہو سکتا ہے، جب کہ مذہب کا فرض صرف عمران و تمدن پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ مذہب، کائنات یا تخلیقِ کائنات کے سلسلہ کی وہ کڑی ہے، جو بندہ کو خدا سے ملاتی، اس پر نیکیون کے دروازے کھولتی اور اس کے دل کی گندگیون کو دور کرتی ہے، اس لئے مذہب کا اصول اساسی اصل میں معرفت یزدانی ہے، جو صحتِ اخلاق کی ذمہ دار بھی ہے تاکہ نفس کی پاکیزگی غالب ہو، ارادوں میں لطافت کا عنصر قوی ہو، اور روح میں بلندی کا احساس اور وہ پرواز پیدا ہو، جو اس آب و گل کی دنیا کو معرفتِ ربانی کی تجلی گاہ سے قریب تر کر دے،

خدا کی رحمت ہو ان پر جنھون نے ابن آدم کو جہل و باطل کی تاریکیوں سے نکالا جنھون نے گم کردۂ راہ دنیا کو حقیقت و صداقت کا راستہ دکھایا، مذہب اگر نہ ہوتا، تو نیکی و نیکوکاری، اور راستی و راستبازی کی تعلیم کون دیتا، یہ مذہب ہی کا احساس ہے، جس نے انسان کی روح میں بے چینی پیدا کر دی جس نے انسان کے دل میں تحقیق و جستجو کی آگ بھڑکا دی، یہ حقیقت ہے، کہ مذہب ہی نے سب سے پہلے اُس خدا کو پہچنوایا، جو مادی آنکھوں سے نظر تو نہیں آتا لیکن روح کی گہرائیوں میں محسوس کیا جاتا ہے، جو رسالت کے پنہاں خد و خال سے نقاب اٹھاتا، اور جو صداقت کے راستہ میں بڑی سے بڑی قربانی کو بازیچۂ اطفال سمجھتا ہے،

خلیل اللہؑ کا آتشِ نمرود سے کھیلنا، ذبیح اللہؑ کا قربانی کے لئے سر جھکا دینا، روح اللہؑ کی کا صلیب کی سختیاں[1] اٹھانا، رسول اللہؐ کا توحید کے لئے دنیا بھر کا غم سہنا، خلیفۃ الرسول کا ابن ملجم کی پیاس بجھانا، اور سید الشہداء کا حق کے لئے جان دیدینا، دنیا کے حافظہ میں اب بھی باقی ہے، اور کیوں نہ

[1] معارف :- بقول نصاریٰ

باقی ہو جب کہ یہ سب کچھ مذہب ہی کے احساسِ حقانیت کے مظاہر ہیں،

جان اس کائنات میں جیسی کچھ قیمتی شے ہے، اسکو جینے والوں سے پوچھئے، اس کی قربانی ہر کس و ناکس کے بس کی بات نہیں، اسکو وہی دے سکتا ہے، جس کے قلبی تاثرات کسی ایسی حقیقتِ پنہان سے آشنا ہوں جو جان سے زیادہ عزیز و برتر ہو، اسی کو جانتے ہوئے انھوں نے دنیا کی فانی عشرتوں کو ٹھکرا دیا، وہ اگر چاہتے، تو بحکم خدا آسمانوں کی بلندیاں ان کے قدموں پر جھک جاتیں، شجر و حجر ان کے اشاروں پر چلتے، دشت وجبل ان کی عظمت سے لرز جاتے، لیکن وہ تو زندگی کی حقیقت کو سمجھ چکے تھے، ان کی دل کی آنکھیں اس ہستیِ واجب الوجود کی تجلیات سے سرشار تھیں، جو ایسی بے شمار کائنات کا تنہا خالق و مختار ہے،

غرض جب مذہب کی بنیاد خدا کی معرفت اور خدا و بندہ کے رشتہ کے مضبوط کرنے پر ٹھہری، تو پھر تمام مذاہب کو ایک سطح پر رکھنا، اور اس طرح ان پر غور کرنا کہ گویا وہ ایک ہی سانچے میں ڈھلے ہیں شاید احقاقِ حق کے مشرب میں جائز نہ ہو، جب کہ یہ طے ہو چکا ہے کہ اس کائنات کا حکمراں اور خالق ایک ہی ہو سکتا ہے، اور وہ بسیط اور لامحدود ہے، تو پھر دیکھنا یہ ہے کہ الوہیت کے اظہار میں کس مذہب نے کن دلائل سے کام لیا ہے، اور خدا کی واحدانیت اور یکتائی کی توجیہ کس طرح کی ہے، اور خدا شناسی و خدا رسی کے لئے کون سے ایسے ذرائع متعین کئے ہیں جنھیں عقلِ سلیم آسانی سے تسلیم اور کسی حجت کے بغیر اختیار کر سکے، مذاہب کی حقانیت کو سمجھنے کا یہی ایک ذریعہ ہے، اور اسی سے ہم مختلف مذاہب کے مابین حق و باطل کا امتیاز کر سکتے ہیں،

ہستی باری تعالیٰ کا عقیدہ مذہب کا اولین عقیدہ ہے، اس میں دوسرے مذاہب نے کس قدر غلطیاں کی ہیں، اور اہلِ مذہب کے قدموں کو کیسی کیسی لغزشیں ہوئی ہیں، وہ اس سے ظاہر ہے، کہ کسی نے اینٹ و پتھر کو خدا سمجھا، کسی نے بارش، ہوا، آگ اور سورج کو اپنا معبود بنایا، کسی نے ذات ربانی سے جسمانی اور انسانی خواص منسوب کر دیئے، کسی نے باپ اور بیٹے کے رشتوں کا جوڑ لگا دیا، غرض یہ کہ

معرفت ناقص اور ایمان فاسد رہا،

یہ حقیقت روز روشن کی طرح آشکارا ہوچکی ہے، کہ دنیا کا آخری مذہب اگر کوئی ہوسکتا ہے، تو وہ اسلام ہے، جو اپنی حقانیت اور خدا شناسی کے لحاظ سے خدا کا بالکل آخری پیغام ہے، اور معرفت الٰہی حاصل کرنے کا سب سے آسان اور قابل عمل طریقہ ہے، اسلئے اسلام کے ان خدائی خصوصیات کی موجودگی میں دوسرے مذاہب کے اصول سے اس کا مقابلہ کچھ دل لگتی بات نہیں معلوم ہوتی، ان میں اور اس میں جو بنیادی فرق ہے، اسکو صرف حقائق آگاہ نظریں ہی دیکھ سکتی ہیں،

مذاہب کے درمیان اختلافات کی صحت و عدم صحت کو جانچنے کا اگر کوئی معیار ہے، تو وہ صرف مسئلہ توحید ہے، وحدانیت ہی پر ہم اس مسئلہ کا فیصلہ کرسکتے ہیں، کہ کس مذہب کا درجہ کتنا بلند ہے میری نظر میں "فطری لگاؤ" اگر کسی مذہب سے کسی مذہب کو ہوسکتا ہے، تو اس کی پہلی شرط وحدانیت ہے، اور وحدانیت ہی فطرت الٰہی ہے آئیے، ہم ذرا دنیا کے ان مذاہب کی تاریخ پر ایک نظر ڈالین،

مجھے کسی خاص مذہب سے نہ کوئی پرخاش ہے، اور نہ میرے یہ خیالات تعصب و تنگ نظری پر مبنی ہیں، کیونکہ میری فطرت کی تشنگی تو ایک ایسے عالمگیر اخوت کے سرچشمہ کی متلاشی ہے، جو ساری کائنات کو ایک نقطہ پر جمع کرے، جہان انسانیت کا احترام ساری بندشون سے بلند اور برتر تسلیم کیا جائے اور میرے نزدیک یہ صلاحیت صرف اسلام میں ہے، جہان نہ رنگ و نسل کا اختلاف ہے، اور نہ حالت وحیثیت کا امتیاز، اسکی یہ صلائے عام ساڑھے تیرہ سو سال سے بلا کسی وقفہ کے کائنات مین گونج رہی ہے،

ویدمت نے اپنی مذہبی تعلیمات کا خاکہ اس وقت کھینچا ہے، جب انسان نے تمدن کے ابتدائی مراحل بھی طے نہیں کئے تھے، ظاہر ہے کہ اس زمانہ کا انسان رموز و اسرار الٰہی کو سمجھنے کی کیونکر اہلیت رکھ سکتا تھا، اور نہ اس کے دماغ میں یہ صلاحیت پیدا ہوئی تھی، کہ وہ عیب وصواب کو پہچان سکتا، برے بھلے

میں امتیاز کر سکتا، اس کی معصومانہ عقل نے فطرت کے مظاہر کو خدا سمجھ لیا، اور بجائے اس کے کہ "رب الارباب" کی عبادت کرتا، خاکی اور فانی موجودات کو معبود جاننے لگا، وہ تو مقلدانہ دماغ لیکر پیدا ہوا تھا، جس نے جو راستہ بتایا، اس پر بلا سوچے سمجھے چل کھڑا ہوا، اس کی عقل و فہم کے نزدیک کسی اور رب الارباب کا وجود اسوقت تھا ہی نہیں، اس کو یقین تھا کہ اسکی زندگی کا عروج و زوال اور فتح و شکست سب کچھ انہی مظاہر کے رحم و کرم اور قہر و غضب پر ہے،

اس کے بعد جب دنیا نے ایک اور کروٹ لی، اور تمدن کی ترقی کیساتھ ساتھ مذہبی رسوم کی ادائی میں طوالت اور پیچیدگی ہونے لگی، تو ان کو ورکرنیکی ذمہ داری ایک خاص گروہ کے سپرد کیگئی جو برہمن کہلائے، نتیجہ یہ ہوا کہ مذہبی تقدس اس گروہ کی ذات میں ہمیشہ کے لئے منتقل ہوگیا، اور یہیں سے برہمنزم کی ابتداء ہوئی، غرض برہمن مت پر مختلف دور آتے رہے ہیں، ایسے دور جو ایک دوسرے سے کوئی بنیادی تعلق نہ رکھتے تھے، میں اگر غلطی نہیں کرتا، تو عہدِ حاضر میں مورتی پوجا کی رسم اب سوائے ہندوستان کے اور کسی ملک میں نہیں پائی جاتی، اور یہ بھی اسی مت کی باقیات سے ہے، جہاں تک میں نے غور کیا ہے، فلسفۂ ویدانت میں وحدانیت بہ حیثیت ایک مرکزی عقیدہ کے شروع ہی سے موجود نہیں ہے، قدیم ہندو فلسفہ کا ایک شعبہ "سانکھیہ" تھا، جس میں تکوینِ عالم کے نظام سے بحث کی گئی ہے، جس میں یہ موجود ہے کہ مادہ ہی دنیا کی علت ہے، اور پرماتما یا ایشور کا کوئی وجود نہیں، اس فرقہ کے لوگ ۲۵ عناصر کے قائل ہیں، نویں صدی عیسوی میں شنکراچاریہ کے مت نے قدیم مت کی اصلاح میں ایک قدم آگے بڑھایا ہے، انھوں نے برہم کی ہستی واحد کو لائق پرستش قرار دیا، لیکن اس کے ساتھ ہی دیویوں اور دیوتاؤں کو پوجا کو بھی جائز رکھا، ہندو مذہب کا اساس اب ان تین کتابوں پر قائم کرلیا گیا ہے،

(۱) چاروں وید، (۲) گیتا، (۳) منوسمرتی یہ تینوں کتابیں تاریخی حیثیت سے تین مختلف دوروں سے تعلق رکھتی ہیں، اور یہ ہرسہ کتب قصے کہانیوں، فلسفۂ زندگی، اور قانونِ حیات کو اپنے اوراق میں

سمیٹے ہوئے ہیں، کہا جاتا ہے کہ ویدون نے انسانون کو کوئی ایسا تخیل بھی دیا ہے جو ان ظاہری دیوتاؤن سے بلند کسی واحد خالقِ کائنات کی ہستی سے متعلق ہے، ممکن ہے کہ یہ قول صداقت پر مبنی ہو، لیکن یہ ایک ایسا خواب ہے، جس کی تعبیر عملی دنیا میں نہیں ملتی، رہ گیا بدھ مت سو وہ ایک "اہنسائی" مذہب ہے جس کے احکام عشرہ میں سے سب سے پہلا یہ تاکیدی حکم ملتا ہے کہ کسی جاندار کو ہلاک نہ کرو، بودھ نے انسان کی زندگی کا مطالعہ جس نقطۂ نظر سے کیا ہے، وہ دنیا کے دوسرے حکما اور بانیانِ مذاہب کے نقطۂ نظر سے بالکل مختلف ہے، انھون نے یہ سمجھنے کی سرے سے کوئی کوشش ہی نہیں کی کہ انسان دنیا میں کیون پیدا ہوا ہے، اور اس کی زندگی کا مقصد کیا ہے، ان کے تمام گیان اور دھیان کا یہ نتیجہ نکلا کہ زندگی فی نفسہٖ ایک مصیبت ہے، اس چکر سے نجات پانے کی کیا شکل ہے، اس کو بودھ نے صرف ایک لفظ "نروان" سے حل کیا ہے، اس عقیدہ میں کسی خالق اور مالکِ کائنات کا وجود شامل نہیں ہے، صرف اس تخیل میں تناسخ کا چکر ضرور ہے، گوتم بدھ کی مت کوئی مذہب نہ تھا، بلکہ ایک اخلاقی فلسفہ تھا، اس کے معتقدات کا سلسلہ کسی خالقِ کائنات سے نہ ملتا تھا، درحقیقت بودھ کے سلسلہ میں خدا کوئی چیز ہی نہ تھا، ان کے بعد بودھ کے پیروؤن نے خود بودھ کے وجود کو خدا مان لیا، اور عقیدہ یہ قرار پایا کہ بودھ ایک اوتار کی شکل میں بار بار پیدا ہوتا ہے، اور اہلِ دنیا کے لئے نروان کا راستہ کھولتا ہے،

انجیل کے متعلق مسلمانون کا ایمان ہے کہ وہ نزول کے وقت خدائی کتاب تھی، حضرت عیسیٰ ؑ کی پیغمبرانہ شخصیت بھی اُن کو تسلیم ہے، لیکن یہ کہے بغیر میں آگے نہیں بڑھ سکتا، کہ توحید کے صحیح اصول کا فقدان یہان بھی ہے، توحید کسی نجات دہندہ بیٹے کے وجود اور کسی روح القدس کی شرکت عمل سے بے نیاز ہے، توحید تو وہ رازِ عرفان ہے، جو بجاے خود نجات دہندہ بھی ہے، تجلیِ ربانی بھی ہے اور معرفتِ الٰہی کا سیدھا راستہ بھی،

اسی لئے اسلام نام ہے صرف توحید کا، دعوتِ توحید کا اور دنیا کو معبودانِ باطل کی پرستش

سے چھڑانے اور ایک نقطۂ نظر پر جمع کر دینے کا جبھی تو اس کو تمام ادیان سابقہ کا نچوڑ کہا جاتا ہے، اور دنیا میں صرف یہی مذہب ہے جس میں حشو و زوائد کا نام نہیں ہے، اور اوہام و قیاسات سے اسے کوئی کام نہیں ہے، اور جو یہ دعویٰ کرنے میں اپنے حقائق کے اعتبار سے بالکل حق بجانب ہے کہ وہ ہر زمانے اور ہر تہذیب کی رہنمائی کے لئے خلق ہوا ہے، یہی سبب ہے کہ ہر شخص اس پر آسانی سے عمل کر سکتا ہے، اور اس کی تعلیمات کو اختیار کر کے دنیا کے کاروباری ہجوم میں معرفتِ الٰہی حاصل کر سکتا ہے،

اسلام کی تعلیم ترکِ دنیا کو برا سمجھتی، اور ایسی ریاضتوں کو غیر ضروری ٹھہراتی ہے جس کو کمزور انسان برداشت نہ کر سکے، نہ وہ کسی کی قربانی کو ذریعۂ نجات تسلیم کرتی ہے، نہ وہ بنی نوعِ انسان میں کسی اختلاف کو جائز سمجھتی ہے، وہ تو تمام انسانوں کو خدا کا بندہ سمجھنے کی توفیق دیتی ہے، اور تعصب و تنگ نظری کے تمام نظریوں کو انسانیت کی انتہائی توہین جانتی ہے، اور یہی اُس کے اصلی جوہر ہیں،

اسلام نے کہیں بھی تجلیاتِ الٰہی کو خدا کا اوتار یا نجات دہندہ ظاہر نہیں کیا، وہ تو پیغمبر ہوں یا امام، اصفیا ہوں یا اولیا سب کو خدا کا بندہ قرار دیتا ہے، اور حق تو یہ ہے کہ خدا کے بعد اگر کسی کا مرتبہ ہو سکتا ہے تو وہ خدا کے بندہ ہی کا ہو سکتا ہے،

کاش انسان کو بندہ ہونا نصیب ہو جائے،!!"

غرض اسلام میں نہ کوئی خدا کا بیٹا (نجات دہندہ) ہے، نہ کوئی اوتار برگزیدۂ کائنات ہے، نہ کوئی ایسا خدا ہے، جو دنیا کی اصلاح کے لئے مختلف زمانوں میں مختلف چولے بدلتا رہتا ہے، نہ اسلام کا خدا کسی کا سہارا چاہتا ہے،

وہ خالق ہے اور مخلوق کی تمام صفات سے بلند اور منزہ، وہ واحد ہے، اپنی ذات اور صفات کے لحاظ سے، وہ واحد ہے اپنے افعال اور اعمال کے لحاظ سے، وہ واحد ہے اپنے وجود اور مقصود کے لحاظ سے،!

یہ ہے اسلام اور اس کی خصوصی تعلیم جس کا نہ دوسرے مذہب سے کوئی فطری لگاؤ ہو سکتا ہو اور نہ وہ اپنی تعلیمات کی ان بدیہیات کے لحاظ سے فطری کہلانے کے مستحق ہیں، اسی پر انسانیت کو صحیح معنوں میں زندہ رہنا چاہئے، یہی عقل کا بھی اقتضار ہے، اور یہی فہم کا بھی ارشاد،

میں نے مختصراً ان مذاہب اربعہ کا دھندلا سا خاکہ اسلئے پیش کیا ہے، تاکہ معلوم ہو جائے کہ کیا دنیا بغیر فطری مذہب کے صحیح معنوں میں زندہ رہ سکتی ہے، اس سے اندازہ ہو جائے گا، کہ مذہب کو کن حقائق و معارف کا سرچشمہ ہونا چاہئے، اور عہد جدید میں جس مذہب کی پیروی انسان کے بڑھتے ہوئے ولولوں کا ساتھ دے سکتی ہے، وہ صرف اسلام ہی ہو سکتا ہے، اب اگر صرف وحدانیت کے معیار پر ان متذکرہ مذاہب کو جانچا جائے، جس کی نسبت بعض یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اسلام کیساتھ "فطری لگاؤ" رکھتے ہیں، تو ان مذاہب کے محولہ تاریخی واقعات لگاؤ پیدا کرنے سے ساکت پائے جاتے ہیں،

اصلی بحث تو یہاں ختم ہو جاتی ہے، مگر چونکہ عبادت مذہب کا رکن رکین ہے، اور نواب مرزا یار جنگ بہادر نے اس پر ایک ایسے انداز میں اظہار خیال فرمایا ہو جسے سمجھنا ضروری ہے، اسلئے چلتے چلتے چند سطریں اس پر بھی ملاحظہ فرما لیجئے، نواب صاحب کا خیال ہے کہ عبادت کے لئے کسی خاص طریقہ عبادت کی ضرورت نہیں ہے، مجھے نواب صاحب کی بلند نگاہی میں شک نہیں ہے، لیکن اس اکتشاف جدید کو سمجھنا میری محدود عقل سے باہر ہے، کیونکہ میں تو آجتک یہی سنتا آیا ہوں کہ جس مذہب نے آنکھ کھولی خواہ وہ باطل ہو، یا کامل، خدا کی عبادت کا ایک مخصوص طریقہ اپنے ساتھ لایا جسے بانیان مذاہب نے اپنے عمل سے سمجھایا، اور بتایا، اسلئے ارکان عبادت سے انکار میرے لئے تو یقیناً ایک اکتشاف جدید کی حیثیت رکھتا ہے،

بہر نوع اسقدر معلوم ہے کہ اس مادی دنیا میں بھی مختلف قوانین کی پابندی کئے بغیر زندگی کے دشوار گذار منازل کا طے کرنا دشوار ہے، اسی طرح روحانی عالم کے لئے بھی چند پابندیاں ضروری ہیں، جن کے بغیر قلب و دماغ اور نفس و روح کے مطلوبہ افعال صادر نہیں ہو سکتے، یہ تو علم النفس کا معمولی

مسئلہ ہے، کہ ہر کام کی تکمیل کے لئے ایک خاص ماحول کی ضرورت ہے جبتک وہ ماحول پیدا نہ کیا جائے، کامیابی نہیں ہوسکتی، اسلام نے بھی ارکانِ عبادت متعین کئے ہیں، اور جہاں تک میری نظر پہنچ سکی ہے یہ کوئی فلسفیانہ موشگافی اور صوفیانہ نکتہ پروری نہیں ہے، عبادت میں قیام وقعود اور رکوع و سجود کی جو قید عائد کی گئی ہے، اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان جب معبود حقیقی کی بارگاہ میں حاضر ہو تو عرض و التجا اور تذلل و عاجزی کی تصویر بن جائے، یہ جذبۂ عبودیت کے فطری طریقے ہیں جنھیں مرتب کرنے کی مصلحت یہ بھی ہے، کہ عبادت کے موقع پر یکسانیت کیساتھ خدا کی تحمید و تسبیح کیجا سکے، پھر یہ اعمال صرف انسانی دماغ کی اختراع نہیں ہیں، بلکہ قرآن پاک میں بھی جابجا رکوع اور سجود کی ہدایت پائی جاتی ہے:-

یاایھا الذین اٰمنوا ارکعوا واسجدوا واعبدوا، جس شخص کا ایمان و ایقان یہ ہو کہ قرآن مجید کلام ربانی ہے، وہ کسی طرح عبادت کے ان مقررہ طریقوں سے قطع نظر نہیں کرسکتا، فطرتِ الٰہی کے جو رموز عبادت کے ان قواعد و ضوابط میں مرکوز ہیں، وہ ہم ایسے انسانوں کے فلسفہ کے دسترس سے بالاتر ہیں، اگر پوری تقریر ہمارے سامنے ہوتی، تو ہم اس سے زیادہ فاضل مقرر کا منشا، اور مفہوم سمجھ سکتے تھے، بہر نوع خدا کی موجودگی شرح سے بے نیاز و مذہب کی حقانیت ثبوت سے مبرا ہی لیکن وہ مذہب جو تاریکیوں کو دور کردے جو اوہام کو مٹادے اور جو حقیقت و صداقت کو ضمیر انسانی پر آشکارا کردے، ایسا مذہب قدیم روایات کے سایہ میں نہیں ملتا، بلکہ آزادانہ غور و فکر سے حاصل ہوسکتا ہے، اس لحاظ سے حضرت بندگانِ عالی کا یہ ارشاد حرزِ جان بنانے کے قابل ہے، کہ

"ایک طرف مسئلہ مذہب کو کماحقہ سمجھنا جیسا کچھ دشوار نظر آتا ہے، تو دوسری طرف یقیناً وہ بہت آسان ہوجاتا ہے جبکہ تعصب کی عینک سے اس کے خط و خال نہ دیکھے جائیں، بلکہ عقل کی صحیح رہبری کی روشنی میں اس کی تہ کو معلوم کرلیا جائے مگر مشکل یہ ہے کہ یہ کام ہر کس و ناکس کا نہیں ہے، الا ماشاء اللہ، (صبح دکن مورخہ ۱۵ رجمادی اول ۱۳۵۵ھ)

یہ مذاہب اربعہ کے متعلق وہ سطور اربعہ ہیں، جنکو وہی سمجھ سکتے ہیں، جن کی نظر میں اتنی بلندی ہو اور جن کی فطرت ایسی عالی ہو، ایک طرف یہ سطرین پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ ہم اس مجتہدانہ دماغ کی پیداوار ہیں، جس نے صحیح عقل کی رہبری میں مذاہب عالم کو جانچا، اور سمجھا ہے اور اس پختہ کارانہ انداز میں سمجھا ہے کہ دنیا کی کم سواد عقلیں اس گہرے نقش کو دھندلا بھی نہیں کر سکتیں، اور دوسری طرف یہ راز ہے کہ اس بصیرت کا، جسے دنیا مدت ہوئی حافظون سے محو کر چکی ہے، اس میں تعصب سے بچنے، اور حقیقت کو مبصرانہ نظر سے دیکھنے کی ایک حکیمانہ ہدایت کی گئی ہے، کیونکہ نباض فطرت دماغ سلطانی اس سے واقف ہے، کہ زمانہ مذہب سے ناآشنا ہو چکا ہے، اس پر سلامت ذوق اور فطری استعداد کا بھی فقدان ہو چکا ہے، اسلئے "اس مشکل" کا بھی اظہار فرما دیا گیا ہے، کہ

"یہ کام ہر کس و ناکس کا نہیں ہے"،

معارف:- حیدرآباد دکن کے ینگ مین کرسچین ایسوسی ایشن کے ایک جلسہ میں ہمارے محترم فاضل فلسفی بزرگ نواب سر امین جنگ بہادر نے "مذاہب اربعہ (یعنی برہمنیت، بودھ مت، عیسائیت، اور اسلام) میں فطرت کا لگاؤ" کے عنوان پر تقریر فرمائی تھی، جس سے غالباً مقصود یہ ہوگا، کہ ان چارون مذہبون کی متفقہ نظریوں کو بیان کیا جائے، ہمارے ادیب دوست جناب ہوش صاحب بلگرامی، (نائب معتمد افواج سرکار عالی) نے اس پر اس حیثیت سے تبصرہ کیا ہے، کہ اسلام کا نقطۂ نظر باقی ہر سہ مذاہب سے بدرجہا بلند، بہتر اور کامل تر ہے، ہمارے خیال میں ان دونوں میں صداقت ہے، یعنی ان چارون مذاہب بلکہ دنیا کے سارے متمدن مذاہب میں کچھ اتحاد کے عناصر بھی ہیں، اور کچھ امتیاز کے بھی، چونکہ نواب صاحب ممدوح کی ساری تقریر ہمارے سامنے نہیں اسلئے نہیں کہا جا سکتا کہ ان کا مقصد کیا تھا، مگر بظاہر یہی سمجھ میں آتا ہے کہ انھون نے مذاہب اربعہ کے کسی متحدہ خیال پر گفتگو کی ہوگی، اور وہ صحیح ہوگی، مگر ایسے موقعوں پر صلح پسند اشخاص سے ہمیشہ یہ غلطی ہو جاتی ہے، کہ وہ اتحادی نظریوں کے ساتھ

ساتھ اپنے امتیازی نظریون کو نظر انداز کرجاتے ہیں جس سے اکثروں کو غلط فہمی ہو جاتی ہے،

نواب مرزا یار جنگ بہادر جن کی قانونی قابلیت کا اعتراف ہر شخص کو ہے، انکی نسبت جو خیال منسوب کیا گیا ہے، اگر وہ صحیح ہے تو ان کا مقصد یہ ہوگا، کہ ایک مذہب کے طریقۂ عبادت کو دوسرے مذہب کے طریقۂ عبادت پر عقلاً کوئی ترجیح نہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ آریائی مذاہب کو چھوڑ کر جس میں خدائے واحد کی پرستش کا کوئی تخیل نہیں ہے یہودیت، عیسائیت اور اسلام کا طریقۂ عبادت بالکل یکساں ہے، اس وقت ان میں جو فرق ہے بھی وہ اسلئے ہے، کہ یہودیت اور عیسائیت نے اپنے انبیاء کے عملی طریقوں کو بھلا دیا ہے، یا بتدریج بمرور زمانہ اس میں ترمیم کردی ہے،

اسلام میں دونوں قسموں کی عبادتین مشروع ہیں، اس عبادت کی تعلیم بھی ہے جسمیں کسی طریقہ کی پابندی کی ضرورت نہیں، فرمایا:-

يَذْكُرُونَ اللَّهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِهِمْ، (آل عمران - ۲۰) وہ خدا کو کھڑے، بیٹھے، اور پہلو پر لیٹے یاد کرتے ہیں،

اور وہ عبادت بھی ہے جسکا ایک خاص طریقہ بھی مقرر کر دیا گیا ہے، جو ہمارے ہر سوچے ہوئے طریقِ عبادت سے زیادہ بہتر اور زیادہ مفید ہے، فرمایا:-

وَقُومُوا لِلَّهِ قَانِتِينَ (بقرہ - ۴۰) اور خدا کے سامنے ادب سے کھڑے ہو،

ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا (حج) رکوع کرو، اور سجدہ کرو، اور عبادت کرو،

اسی لئے اسلام کا طریقِ عبادت دونوں قسموں کو محیط ہے، اور اسلئے سب سے زیادہ کامل ہے، غیر مخصوص طریقۂ عبادت، ہر وقت، ہر موقع پر کسی پابندی کے بغیر انجام پاتا ہے، اور مخصوص طریقۂ عبادت خاص شرائط کیساتھ خاص اوقات میں فرض ہے،

"س"

ڈچ جنوبی افریقہ میں مسلمانوں کی حالت

"ایک پرجوش مسلمان عالم و تاجر محمد اسمٰعیل۔ گا چھیلا صاحب جنھون نے مدرسہ دیوبند میں تعلیم پائی ہی، جانسبرگ سے ایک مفصل خط ہم کو بھیجا ہے، جس کا حسب ذیل اقتباس ہندوستان کے مسلمانون کی عبرت کے لئے مفید ہوگا"

"س"

یہان جنوبی افریقہ میں جو ڈچ لوگوں کی عملداری میں ہے، ہندی قوم بھی آباد ہے جس میں ہندو مسلمان دونوں قومیں ہیں، اب نئے ہندی کو یہان داخلے کی اجازت نہیں، نیز قانون سکونت پذیری کی وجہ سے تقریبًا تمام ہندی اپنی عورتیں اور بچے یہان بلوا لینے پر مجبور ہوئے، اسوقت ۸۰ فی صدی ہندی نو آباد ہین، اس دیس میں پیدا شدہ جوانوں کو ہندوستان سے کوئی نسبت نہیں ہی، اگر یوں کہا جائے کہ یہ اپنی اصل چھوڑ رہے ہیں، تو بالکل بجا ہے، اور مستقبل قریب میں یہیں کے ہو کر رہیں گے،

سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ یہاں کی گورنمنٹ نے ہمارے حقوق اور آزادی کو بالکل محدود کر دیا ہے، دوسرے الفاظ میں اگر یوں کہا جائے کہ ہماری آزادی سلب کر لی ہے تو زیادہ مناسب ہوگا،

یوروپین اور یہاں کے اصلی باشندے حبشی سے جو اولاد پیدا ہوتی ہے، جسے کلرڈ (Coloured) سے موسوم کیا جاتا ہے، جو درجہ اس کلرڈ قوم کو دیا گیا ہے، وہی درجہ ہمارا شمار کیا جاتا ہی، پارلامنٹری قوانین میں ہمیں بھی لفظ کلرڈ ہی سے یاد کیا جاتا ہے، اگر ریل گاڑی میں سفر کیا جائے، تو ہمارے لیئے یعنی کالی قوم کے لئے ایک کوچ مخصوص ہوگا، پوسٹ آفس (Post Office)

ہیں جہاں سے یورپین کو Serve ہوتا ہے، وہاں ہمیں اجازت نہ ہوگی، بلکہ ہم نان یورپین (non European) کے لئے ایک کونہ میں کوئی جگہ مخصوص کردی جاتی ہے، اسی طرح رہنے کے لئے ہمارے لئے محلے الگ ہوں گے، پبلک لائبریری میں جانے کا اور کتب بینی کا حق نہ ہوگا، ہوٹلوں اور سنیما میں ہم لوگوں کو جانے کی اجازت نہ ہوگی، مختصر یہ کہ ہمارا یہاں وہی درجہ ہے، جو ہندوستان میں ہندوؤں کے ہاں اچھوت قوم کا درجہ ہے،

مگر اس بےبسی اور کس مپرسی کی حالت میں اگر کوئی فرقہ ہمارا ہمدرد نظر آتا ہے، تو وہ پادریوں کا فرقہ ہے،

یہاں کی تہذیب و تمدن مغربی تہذیب و تمدن ہے، ہمارے نوجوان اس سے بہت جلد مرعوب ہو جاتے ہیں، اس کی کورانہ تقلید اور نقالی کرتے رہتے ہیں، ان جوانوں کے دلوں سے حرارت اسلامی زائل ہوتی جاتی ہے، وہ اپنے آپ کو پورا مغربی دیکھنا چاہتے ہیں،

ہماری کچھ مسجدیں بھی ہیں، چھوٹے چھوٹے مدرسے بھی ہیں، ان مدرسوں میں قرآن شریف پڑھایا جاتا ہے، اس کے بعد اردو کی کچھ کتابیں پڑھائی جاتی ہین، جس میں نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ کے مسائل ہوتے ہیں، خصوصاً حضرت مفتی ہند کی تالیف کردہ تعلیم الاسلام، بہشتی زیور، انجمن حمایت اسلام لاہور کی اردو کی پہلی دوسری کتابیں وغیرہ پڑھائی جاتی ہیں، اور کبھی موقع مل گیا تو کوئی لڑکا فارسی کی بھی دو تین کتابیں دیکھ لیتا ہے، اب اس زمانہ میں جب یہ بچے مدرسے جاتے ہیں تو ساتھ ہی ساتھ ان اسکولوں میں داخل کئے جاتے ہیں، جہاں انگریزی اور ڈچ پڑھائی جاتی ہے، چونکہ یہاں کا تمدن مغربی تمدن ہے، اسلئے انگریزی اسکولون سے یہ بچے کچھ نہ کچھ حاصل کر لیتے ہیں، لیکن مدرسہ کی تعلیم رائگان جاتی ہے، یہاں تک کہ سارے مسائل پڑھ لینے کے بعد بھی وہ ٹھیک نماز کے ارکان سے واقف نہیں رہتے،

اس وقت عموماً بچے چھٹے کلاس (Standard VI) تک اسکولوں مین انگریزی

تعلیم حاصل کرتی ہیں جس سے ان بچوں کی استعداد اتنی ضرور ہو جاتی ہے، کہ انگریزی کتابوں کا مطالعہ کر سکیں، اب ایسی حالت میں جب ان مسلم نوجوانوں کو اسلامی لٹریچر کا شوق ہوتا ہے، تو انھیں لامحالہ قادیانیوں جیسے فرقۂ باطلہ کی لکھی ہوئی کتابوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا ہے،

ہمارے ہندوستان سے جو لوگ یہاں آئے تھے، وہ کمانے کی غرض سے آئے تھے، اور ان میں سے اچھے خاصے تجارت وبیوپار کرتے ہیں، باقی ان تاجروں کے یہاں نوکری کرتے ہیں، ہندی تجار میں اور قوموں سے سب سے زیادہ مسلمان بڑھے ہوئے ہیں، اور ان مسلمان تاجروں کی مالی حالت بفضلہ بہت اچھی ہے، مگر یہاں بھی ہمیں اپنی بدقسمتی پر رونا پڑتا ہے، زکوٰۃ ادا کرنے میں بڑے سست اور بڑی بخل سے کام لیتے ہیں، اس بخل اور حرص کی وجہ سے آپس میں محبت کم ہے اور مسلمانوں کی اس وقت کوئی خاص متفقہ جماعت بھی نہیں ہے، اس کا جو برا نتیجہ مرتب ہو رہا ہے اس کا اندازہ ذیل کی سطروں سے ہو سکے گا،

صوبہ ٹرانسوال میں جانسبرگ (Johannesburg) اور پریٹوریہ (Pretoria) جیسے عظیم الشان شہروں میں ہماری نہ کوئی علمی مجلس ہے، نہ کلب اور نہ لائبریری ہیں، شام کو نوجوان لڑکے کاروبار سے فارغ ہونے کے بعد سڑکوں پر نکل پڑتے ہیں، اور یا تو مذکورہ کلرڈ قوم کی لڑکیوں کے ساتھ اِدھر اُدھر آوارہ گردی کرتے نظر آتے ہوں، یا مخصوص کلرڈ سینما میں جاتے ہیں، یا انہی کلرڈ لڑکیوں کے ساتھ ناچ ہال (Dance hall) میں جاکر ناچتے ہیں، اور بس

سیاسی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو یہاں کے لوگوں کے خیالات دو قسم پر منقسم ہو گئے ہیں، ایک گروہ اس بات کا انتظار کر رہا ہے کہ ہندوستان کو جلد آزادی حاصل ہو جائے، تاکہ امن و سلامتی کی زندگی نصیب ہو، اور ہمارے تمام حقوق کی نگہبانی "آزاد ہند" کی حفاظت میں دیجائے، دوسرے گروہ کا خیال ہے، کہ اسی قوم (نن یوروپین) میں مدغم ہو کر افریقی بنجانا چاہئے،

جیسا کہ میں اوپر بتا چکا ہوں کہ اگر ہندی قوم کا کوئی ہمدرد نظر آتا ہے تو پادریوں کا فرقہ ہے، ان پادریوں کی حمایت کا اثر یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ صوبہ مدراس کی جو مزدور قوم یہاں آکر آباد ہوئی تھی، ان میں سے اچھے خاصے عیسائی نظر آتے ہیں، اگرچہ مسلمانوں پر ان لوگوں کا ابتک کوئی اثر مذہباً نہیں پڑا ہے، مگر تا کے،

ہمارے ہندی مسلمانوں کے علاوہ یہاں ملایا کے مسلمان بھی ہیں، جو ہالینڈ کے لوگوں کیساتھ جو ملایا میں تجارت کرتے تھے، کیپ پراونس میں آبسے تھے یہ عموماً غریب اور مزدور پیشہ ہیں، اسوقت انھیں ملایا سے کوئی واسطہ نہیں رہا، وہ صرف اتنا جانتے ہیں، کہ ہمارے باپ دادا ملایا سے یہاں آئے تھے اوراب ان کی اولاد در اولاد یہاں آباد ہے، کچھ ٹرانسوال اور نٹال میں بھی ہیں، چونکہ میں خود کیپ پراونس نہیں گیا ہوں، اسلئے ان کے متعلق زیادہ معلومات نہیں لکھ سکتا، مگر یہاں بھی کچھ ملائی ہیں، اسلئے اتنا ضرور عرض کر سکتا ہوں کہ وہ اپنے بزرگوں، اور باپ دادا کے سکھائے ہوئے مذہب کے اب تک پابند ہیں،

اب مسلمانوں کا فرض یہ ہے، کہ اپنی غفلت چھوڑ کر ان نوجوان مسلمانانِ جنوبی افریقہ کے سامنے اسلام کی صحیح تعلیم پیش کریں، تاکہ وہ آیندہ خطرات سے محفوظ رہیں، لیکن اگر یہاں کے مسلمانوں کی حفاظت اور تعلیم و تربیت کا خاطر خواہ سامان نہ ہوا، اور مسلمانوں کی غفلت بدستور باقی رہی، تو یہ (۱) نوجوان یا عیسائی تمدن میں گرفتار ہو جائیں گے (۲) یا قادیانیت اون پر غالب آجائے گی، (۳) اور بہت ممکن ہے، کہ یہاں کی کلر وقوم میں مل کر اپنی اصلیت کھو بیٹھیں، اور پھر شاید ایک زمانہ کے بعد یہ مسلمان برباد بھی ہو جائیں،

تلخیص و تبصرہ

رومن کیتھولک چرچ اور اسلام

اس عنوان سے لیوکولم (Leo Cullum) کا ایک مضمون مسیحی رسالہ مسلم ورلڈ (جولائی ۱۹۳۶ء) میں شائع ہوا ہے، جس میں دکھایا گیا ہے کہ رومن کیتھولک کلیسا کی تبلیغی سرگرمیاں مسلمانوں میں کہاں تک کامیاب ثابت ہوئیں، اور کن وجوہ سے ابتک خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہو سکی، اس کے بعد وہ تجویزیں بیان کی گئی ہیں، جن سے آیندہ بہت کچھ توقعات ہیں، عیسائی مبلغین کے زیر اثر مسلمانوں میں جو اصلاحات دکھائی گئی ہیں، ان میں طلاقون کی تخفیف کا ذکر مسلم ورلڈ ہی کے جری مقالہ نگار سے ممکن تھا، مضمون کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

جنگ عظیم کے وقت سے رومن کیتھولک کلیسا کی تبلیغی سرگرمیاں زیادہ ہوگئی ہیں، یہ جوش پوپ بنیڈکٹ پانزدہم (Benedict XV) کے دور (۱۹۱۴ء تا ۱۹۲۲ء) میں بھی زیادہ تھا، اور پھر اس سے زیادہ موجودہ پوپ پئیس پانزدہم (Pius XI) کے زمانہ میں دیکھا جارہا ہے، ان تبلیغی سرگرمیوں میں یہ امر تعجب خیز نہیں کہ اب مسلمانوں کی طرف بہ نسبت پہلے کے زیادہ توجہ کیجانے لگی ہے، موجودہ پوپ نے خصوصیت کیساتھ مسلمانوں کی طرف توجہ کی ہے، اور اسی غرض سے رومہ کے اورنیٹل انسٹی ٹیوٹ میں ایک شعبہ علوم اسلامیہ کا قائم کر دیا گیا ہے، اس توجہ کا باعث محض جوش تبلیغ ہی نہیں، بلکہ اس میں جدید دنیاے اسلام کے ذہنی انقلاب کو بھی بہت کچھ

دخل ہی، رومن کلیسا ان جدید خیالات سے فائدہ اٹھانے کی پوری کوشش کر رہا ہی، جنھوں نے ملت اسلامیہ میں ایک حرکت پیدا کردی ہے، اور ان بندوں کو توڑ دیا ہی، جو ابتک دنیاے اسلام کو مسیحیت کے تبلیغی حملوں سے روکے ہوئے تھے،

تبلیغ کے دو طریقے استعمال ہوتے آئے ہین، بلا واسطہ اور بالواسطہ، بلا واسطہ تبلیغ کا طریقہ یہ ہے کہ وعظ اور تقریر کے ذریعہ عیسائیت کی اشاعت کی جائے، یا سوال وجواب کے ذریعہ اس کی تعلیم دیجائے، برخلاف اس کے بالواسطہ تبلیغ مین اشاعت مذہب کے تمام دوسرے ذرائع شامل ہین، مثلاً صدقہ وخیرات، دعا، بیماروں اور غریبوں کی خبرگیری، تعلیم نمونۂ عمل، اور قبول عیسائیت مین تعصب نے جو رکاوٹین پیدا کردی ہین، اُن کو دور کرنا، اس وسیع طریقۂ تبلیغ مین ہر وہ عیسائی حصہ لیتا ہے، جو دعا، نمونۂ عمل یا کسی دوسرے روحانی یا مادی ذریعہ سے لوگوں کو دائرۂ مسیحیت مین داخل کرنے کی کوشش کرتا ہی،

اسوقت مسلمانوں مین عیسائیت کی اشاعت کے لئے بلا واسطہ تبلیغ کا طریقہ شاید ہی کہین موجود ہو، چند تجربہ کار پادریوں نے جو اس مسئلہ پر ماہرانہ رائے دے سکتے تھے، مسلمانوں مین بلا واسطہ تبلیغ کرنے کی مخالفت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ مسیحی مبلغین نے ہر جگہ بالواسطہ طریقہ کو استعمال کیا ہے، اور بیماروں اور غریبوں کی خبرگیری کرکے نیز انھیں خود ان کے مذہب کے امور خیر کی تلقین کرتے ہوئے، ہمیشہ اس بات کی کوشش کی ہے کہ اسلام اور عیسائیت کے درمیان تعصبات کی جو دیوار حائل ہے، وہ گرادیجائے، جن ملکوں مین مسلمانوں کے علاوہ دوسرے غیر مسیحی فرقے آباد ہین، وہان عیسائی مبلغین نے براہ راست مسلمانوں مین تبلیغ کرنے کی کوشش نہیں کی ہے، بلکہ اپنی توجہ غیر مسلموں پر مبذول رکھی ہے، اگرچہ ظاہر ہے کہ مبلغین کے رفاہ عام کے کاموں سے مسلمان بھی اکثر فائدہ اٹھاتے ہین، اسی لئے کسی نہ کسی حد تک ان کے زیر اثر رہتے ہین،

تمام کیتھولک مشنوں کا مقصود کلیسا کا استحکام ہے، جس کا مدار قبول عیسائیت کی کثرت پر ہے،

لیکن اس نقطۂ نظر سے اُن مشنوں کے کارنامے شاندار نہیں جو مسلمانوں میں کام کرتے ہیں، فرائی ٹاگ (FREITAG) نے سچ کہا ہے کہ جن ملکوں میں مسلمانوں کی آبادی بہت کثرت سے ہے، وہان خود مسلمانوں میں مبلغین کے کارنامے بمنزلہ صفر کے ہیں، یا جیسا کہ چارلس (CHARLES) کا خیال ہے کہ مسلمانون کے قبولِ اسلام کے امکان پر جو اس قدر بحث و مباحثہ ہوتا آیا ہے، وہ اس بات کا کافی ثبوت ہے، کہ اب تک عیسائی مشن کو اسلام کے مقابلہ میں کچھ زیادہ کامیابی حاصل نہیں ہوئی ہے،

یہ معلوم کرنا ممکن نہیں کہ بالواسطہ تبلیغ کے دوسرے نتائج کیا ہین، تاہم اس طریقِ کار سے اسلام پر جو اثر بتدریج پڑ رہا ہے، اس کا اندازہ ان اعداد و شمار سے ہو سکتا ہے، جو اسلام کے تین بڑے مرکزوں شمالی اور شمالی مشرقی افریقہ، مغربی ایشیا اور ہندوستان سے متعلق ذیل میں پیش کئے جاتے ہین،:-

۱۹۲۳ء میں شمالی اور شمالی مشرقی افریقہ میں (۲۰۵) ابتدائی مدارس تھے، جن میں طلبہ کی تعداد (۱۷۰۴۰) تھی، (۱۰۳) ثانوی مدارس تھے، جن میں (۸۰۶۵۳) طلبہ تعلیم پاتے تھے، (۳۲) طبی مشنری تھے، (۱۴) ہسپتال تھے، جنمیں (۱۴۰۰) مریضوں کے قیام کا انتظام تھا، (۱۳۹) دواخانے تھے، جہان ایک سال میں (۲۹۴۲۰۷۰) آدمیون کا علاج ہوتا تھا، (۷) برص وجذام کے شفاخانے تھے، جن میں مریضون کی تعداد (۳۷۰) تھی، (۹۴) یتیم خانے تھے، جہان (۴۴۴۳) بچے رہتے تھے، (۱۹) قیام گاہیں بوڑھوں کے لیئے تھیں، جہان (۲۴۷۱) آدمی اپنی زندگی کے آخری ایام گذار رہے تھے (۷) چھاپے خانے تھے، جہان سے (۱۴) رسالے نکلتے تھے، اور ان کی اشاعت (۱۳۰۹۰) تھی، یہ اعداد افریقہ کے اس خطہ سے متعلق ہیں، جس میں مسلمانون کی آبادی (۶۰) فی صدی ہے، اس میں سے بعض حصوں میں تو مسلمان نہایت کثرت سے آباد ہین، مثلاً مراقش میں (۹۰) فی صدی اور مصر میں (۹۱) فی صدی، اس سے لازمی طور پر یہ نتیجہ نکلتا ہے، کہ جن کاموں کا ذکر اوپر ہوا، ان سے بہت زیادہ فائدہ

مسلمان ہی اٹھائیں گے،

مغربی ایشیا (ترکی، عراق، ایران، شام، فلسطین اور عرب) میں بھی تبلیغی مشن کے رفاہی کارنامے کچھ کم شاندار نہیں، البتہ یہاں زور دواخانوں پر کم اور مدارس پر زیادہ ہے، اگرچہ یہاں کا کام زیادہ تر عیسائی فرقوں کی اصلاح حال پر مشتمل ہے تاہم اس کا اثر بعض مقامات پر مسلمانوں پر بھی بہت وسیع ہے، مثلاً شام میں ۱۹۲۵ء میں (۹۹۲) عیسائی مدارس تھے جن میں (۵۰۰) کیتھولک تھے، تمام مدارس کے طلبہ کی مجموعی تعداد (۱۱۳۳۵۹) تھی، اور عیسائی مدارس کے طلبہ کی (۴۸۵۰۹)، پھر بھی شام میں مسلمانوں کی آبادی (۷۰) فی صدی تھی، اسی طرح بیروت کی سینٹ جوزف یونیورسٹی بھی جس میں مسلمان طلبہ کی تعداد اگرچہ کم ہے، کچھ نہ کچھ اثر ڈالتی ہے، وہاں سے تین عربی رسالے بھی نکلتے ہیں

برما اور سیلون کو چھوڑ کر خاص ہندوستان میں آخری اعداد و شمار کے مطابق (۱۲۱۸) مبلغین کام کر رہے تھے، ان میں (۱۱۱۳) غیر ملکی اور (۹۱۹) ملکی پادری تھے، (۲۸۲) غیر ملکی، اور (۲۶۲) ملکی برادرس (BROTHERS) اور (۱۸۴۲) غیر ملکی اور (۳۵۰۰) ملکی سسٹرس (SISTRESS) تھیں، طبی مشنریوں کی تعداد (۱۹۵) تھی، (۳۸۹۱) ابتدائی مدارس تھے، جن میں (۲۰۴۸۵۴) بچے تعلیم پاتے تھے، (۵۶۲) ثانوی مدارس تھے، جن میں طلبہ کا شمار (۹۱۹۰۷) تھا، (۴۰) ہسپتال تھے، جن میں (۱۰۱۶) مریضوں کے قیام کا انتظام تھا، (۲۴۵) دواخانے تھے، جہاں (۱۶۱۱۲۴۵) آدمیوں کو دوائیں دی گئی تھیں، (۸) برص و جذام کے شفاخانے تھے، جہاں (۵۰۰۶) مریضوں کا علاج ہوتا تھا، (۲۰۳) یتیم خانے تھے، جن میں (۱۶۶۹۰) بچوں کی پرورش ہوتی تھی، بوڑھوں کے لئے (۹۴) قیام گاہیں تھیں، جہاں (۱۴۱۳) آدمی رہتے تھے، (۲۵) چھاپہ خانے تھے، جہاں سے (۶۹) رسالے نکلتے تھے، اور ان کی تعداد اشاعت (۹۰۵۶۵) تھی،

یہ اعداد و شمار شاندار ضرور ہیں لیکن جہاں تک مسلمانوں میں تبلیغ عیسائیت کا تعلق ہے، ان

اعداد سے صحیح نتیجہ نکالنے میں بہت احتیاط کی ضرورت ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کی آبادی سات کروڑ ستر لاکھ ہے، اس کا ۵/۱ حصہ عیسائی مشن کے چار حلقوں یعنی ڈھاکہ، چٹاگانگ، کرشن نگر، اور لاہور میں آباد ہے، اوسطاً ایک لاکھ ستر ہزار کی آبادی پر ایک مشنری مقرر ہے، برخلاف اس کے ہندوستان کے جنوبی حصہ میں کیتھولک آبادی نسبتہً زیادہ ہے یعنی کوٹار، توتی کورن، منگلور اور ویراپولی کے تبلیغی حلقوں میں اوسطاً تین ہزار نوسو کی آبادی میں ایک مشنری کام کرتا ہے، لہذا نتیجہ یہ نکلا کہ مسلم آبادی اور کیتھولک تبلیغ کے مرکز ایک دوسرے سے بہت دور دور واقع ہیں، یہی صورت ایشیاے کوچک اور عموماً ان دوسرے ممالک کی بھی ہے جہان مختلف فرقوں کی آبادیاں ملی جلی ہیں،

مسلمانوں کا ایک چوتھا بڑا مرکز جاوا ہے، اسکی حالت دوسرے اسلامی مرکزوں سے مختلف ہے، تمام اسلامی ممالک میں جاوا ہی وہ ملک ہے، جہان مسلمان بکثرت عیسائی ہوئے ہیں، یہ کام تقریباً تمامتر اسکولوں کے ذریعہ ہوا ہے، اور اسّی فی صدی کیتھولک وہی لوگ ہین، جو ابتداءً مسلمان اور مسیحی اسکولوں کے تعلیم یافتہ تھے، جاوا میں مشن کا کام ابھی نیا ہے، اور دراصل اسی صدی سے شروع کیا گیا ہے، تاہم ۱۹۱۰ء سے ۱۹۲۵ء تک دس ہزار مسلمان کیتھولک عیسائی بنائے جا چکے ہیں،

مندرجۂ بالا اعداد سے بالواسطہ تبلیغ کی سرگرمیاں کسی قدر معلوم ہوتی ہیں، لیکن سوال یہ ہے کہ حاصل کیا ہوا؟ اس باب میں اعداد وشمار کی جستجو کے معنی یہ ہیں، کہ تبلیغی کام کو مطلق سمجھا ہی نہیں گیا، اس تبلیغ کا مقصد صرف یہ رہا ہے، کہ زمین تیار کر دی جائے تاکہ تخم ریزی ہو سکے، اور تمام مبلغین متفق ہیں، کہ اس مقصد کے حاصل کرنے میں بالواسطہ طریق تبلیغ کامیاب ثابت ہوا ہے، خود مبلغین کے ساتھ مسلمانوں کا رویہ زیادہ دوستی اور رواداری کا ہو گیا ہے، مسیحی اخلاق نے مسلمانوں کے اخلاق کو بلند کر دیا ہے، طلاقوں میں تخفیف کر دی ہے، اور زن وشو کے تعلقات کو بہتر بنا دیا ہے،

تاہم اب بھی بہت زیادہ کام باقی ہے،

لیکن عیسائیت کا روشن ترین کارنامہ وہ نہیں ہے، جو ابتک کیا جاچکا یا کیا جارہا ہے، بلکہ وہ ہے، جو آیندہ ہوگا، مسیحی دنیا کا متفقہ مطالبہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کے لئے خاص طور پر مبلغین تیار کئے جائیں، پوپ پئیس یازدہم نے ۱۹۲۴ء میں یہ خیال ظاہر کیا تھا، کہ محض تبلیغی سرگرمی کافی نہیں، اور نہ کامیاب تبلیغ کے لئے صرف تجربہ کام دے سکتا ہے، قربانی اور محنت کا ثمرہ اگر حاصل کرنا ہے، تو اس کے لئے سائنس کی روشنی میں ایسے طریقوں کے دریافت کرنے کی ضرورت ہے، جو سب سے زیادہ موثر ثابت ہوں،

اس بنا پر آیندہ اسی شخص کو مبلغ مقرر کیا جائے گا، جو مسلمانوں سے پوری طرح واقف ہو، اور جس کا دماغ ان تمام غلط فہمیوں سے خالی ہو، جو عام طور پر اسلام کے متعلق پھیلی ہوئی ہیں، اس مبلغ کے لئے یہ بھی ضروری ہے، کہ مسلمانوں کے معائب اور جو چیز اس سے زیادہ مشکل ہے یعنی ان کے محاسن سے بھی باخبر ہو، سائنٹفک طریقہ پر کام کرنے کی خواہش نے الفاظ سے گذر کر عملی شکل بھی اختیار کر لی ہے، چنانچہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر پیرس کے کیتھولک انسٹی ٹیوٹ نے ۲۷-۱۹۲۶ء میں اسلام پر مسلسل خطبات دلوائے تھے، اور ۱۹۲۳ء میں یوگوسلافیا کی ایک یونیورسٹی نے مسلمانوں میں تبلیغی مشن کے لئے ایک شعبہ اپنے ہاں قائم کیا تھا، علاوہ بریں رومہ کی گریگورین یونیورسٹی اور ببلیکل اور اورنٹیل انسٹی ٹیوٹ میں تبلیغ کے سہ سالہ نصاب میں مندرجہ ذیل مضامین بھی شامل ہیں:-

اسلامی دینیات، متن قرآن مجید، اسلام افریقہ میں اور عربی، ترکی اور شامی زبانیں،

تبلیغی نظام کے دو جزو اور بھی ہیں، دعا اور درویشوں کے حلقے، دعا تبلیغ کی کامیابی کے لئے نہایت ضروری ہے، پادریوں کی مختلف جماعتوں نے یہ کام شروع کر دیا ہے، اور اس کے لئے جمعہ کا دن مقرر کیا ہے، جو عیسائیوں اور مسلمانوں دونوں کے نزدیک متبرک ہے، درویشوں

کے حلقون کی تجویز موجودہ پوپ کی پیش کردہ ہے، ان حلقون سے قرون وسطیٰ میں تبلیغ کو بہت تقویت پہنچی تھی، اور یورپ کی تہذیب بہت کچھ ان کی رہین منت ہے، امید ہے کہ مسلمانوں پر بھی ان حلقوں کا بہت مفید اثر پڑے گا، الجزائر میں پانچ پادریوں نے ایک چھوٹا سا حلقہ قائم کرکے اس تحریک کی ابتدا کر دی ہے، "ع ز"

امریکہ میں سرطان علاج کی تدبیرین

یوں تو کینسر یا سرطان کا مرض تمام دنیا میں پھیلا ہوا ہے لیکن امریکہ میں اسکی بڑی کثرت ہے، اور ہر سال تقریبًا ڈیڑھ لاکھ آدمی اس کے شکار ہوتے ہیں، ۱۹۰۰ء میں وہاں اس مرض کا نمبر اسباب موت میں چھٹا تھا، مگر اب دوسرا ہے، اور صرف امراض قلب ہی اس سے زیادہ ہیں، گذشتہ ستمبر میں ورکانسن یونیورسٹی، امریکہ کے کینسر انسٹی ٹیوٹ میں انگلستان، یورپ اور امریکہ کے ماہرین سرطان نے جمع ہو کر اس مرض سے مقابلہ کرنے کیلئے نقشۂ جنگ تیار کر لیا ہے، اس وقت تک سبکو یہ تسلیم ہے کہ سرطان کا اصلی سبب معلوم نہ ہو سکا اور نہ یقین کیساتھ یہ کہا جاسکتا ہے کہ یہ مرض موروثی ہے یا نہیں علاوہ برین ابتک اسکا کوئی قطعی اور مجرب علاج بھی معلوم نہیں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرطان کے علاج میں اب تک کوئی ترقی نہیں ہوئی، بعض اقسام کے سرطان، خصوصًا جلد، منہ اور سینہ کے موافق حالات میں علاج پذیر ہوتے ہین، اگر صحت کے بعد پانچ سال تک سرطان پھر نہ ابھرے تو ازالہ کو مستقل سمجھنا چاہئے، ۱۹۳۳ء میں امریکہ کے ان لوگون کا شمار کیا گیا تھا جنکو صحت کے بعد پانچ سال تک پھر شکایت نہیں ہوئی، انکی تعداد تقریبًا (۲۴۴۸۰) تھی،

سرطان کوئی متعدی مرض نہیں ہے، اور نہ وراثت سے پیدا ہوتا ہے، لیکن یہ ایک عالمگیر مرض ہے، اور نہ صرف انسان بلکہ حیوانات اور نباتات بھی اس سے محفوظ نہیں، اسکی شکایت زمانہ قبل تاریخ مین بھی تھی، قدیم مصریوں کو بھی اس کا تجربہ تھا، ہندوستان کی بعض قدیم ترین طبی کتابوں میں بھی اسکا ذکر ہے،

اسلئے یہ خیال صحیح نہیں، جیسا کہ عطائیون نے مشہور کر رکھا ہی، کہ یہ مرض موجودہ زمانہ کی پیداوار ہی، اور چیچک کے ٹیکہ سے یا ان چیزوں کے کھانے سے جو ٹن کے ڈبون میں بند رہتی ہین، یا المونیم کے برتن میں کھانا پکانے سے پیدا ہوتا ہی،

سرطان کے علاج کے لئے سینکڑون دوائیں لوگوں میں مشہور ہین، چنانچہ حال میں نیویارک کے ایک متمول مریض نے جب ازالۂ مرض کے لئے انعام کا اعلان کیا، تو اُسے ساڑھے تین ہزار سے زیادہ نسخے بتائے گئے ان سب میں کوئی نہ کوئی جزو مشترک تھا، لیکن کوئی نسخہ کارگر ثابت نہ ہوا، موجودہ تحقیق کی روسے اسکا علاج اگر ممکن ہوسکتا ہی، تو صرف جراحی اور ریڈیم کی شعاعون سے، لیکن جراحی یا ریڈیم کوئی بھی کافی نہیں ہوسکتا، جب تک کہ مرض شروع ہی میں نہ معلوم کرلیا جائے، اور اس کا علاج فوراً نہ شروع کردیا جائے، چند دنوں کی تاخیر سے ہلاکت کی صورت پیدا ہوجاتی ہے، اس مرض میں خطرناک علامتیں یہ ہین:- (۱) سینہ یا جسم کے کسی دوسرے حصہ میں کوئی دمبل خصوصاً وہ جو بڑھنے یا شکل تبدیل کرنے لگے، (۲) کوئی زخم خصوصاً چہرہ یا منہ کا جو مندمل نہ ہوتا ہو، (۳) جسم کے کسی حصہ سے خون کا غیر معمولی طور پر خارج ہونا، جن لوگوں کو ان میں سے کوئی شکایت بھی ہو، انھیں چاہئے کہ فوراً کسی ڈاکٹر سے مشورہ کرین،

یہ اب تک دریافت نہ ہوسکا کہ سرطان کی ابتدا رکیسے ہوتی ہے، ہونٹ اور منہ کا سرطان دانتوں کی خرابی اور تمباکو خصوصاً پائپ پینے سے ہوسکتا ہے، اگرچہ لاکھون ایسے ہیں، جن کے دانت خراب ہیں، اور وہ تمباکو بھی پیتے ہیں، لیکن اس مرض سے محفوظ ہیں، پیٹ کا سرطان سب سے زیادہ پایا جاتا ہی، اس کے اسباب مختلف ہوسکتے ہیں، کبھی بہت گرم گرم کھانا کھانے یا بہت جلد جلد کھانے سے بھی ہوجاتا ہی، اور کبھی پیٹ کے کسی زخم سے غفلت برتنا بھی اس کا سبب ہوتا ہے، بعض اوقات رنگ سازون کے سرطان جلد میں رنگ کے پیوست ہوجانے سے پیدا ہوجاتے ہین، کوئلہ کے ذرّوں کے باعث کانون کے مزدورون میں پھیپھڑے کا سرطان ہوسکتا ہے،

(ل - ڈ) "ع ز"

اخبار علمیہ

عربی کی چند نادر کتابین

پرنسٹن یونیورسٹی (امریکہ) کے کتب خانہ میں چند قدیم اور نادر قلمی کتابیں حال میں دستیاب ہوئی ہیں،
ان میں امام غزالی کی احیاء العلوم کے دو نسخے جو چودھویں صدی عیسوی کے لکھے ہوئے ہیں، ڈاکٹر نبیہ فارس
ان نسخوں کی تصحیح ناقدانہ طور پر کر رہے ہیں، کیونکہ یہ کتاب جدید طرز تنقید کے لحاظ سے کبھی مکمل طور پر اڈٹ
نہیں کی گئی، علاوہ بریں وہ اس کا ترجمہ بھی انگریزی زبان میں کر رہے ہیں، کیونکہ اب تک کسی یوروپین
زبان میں اس کا ترجمہ نہیں ہوا، اور نادر کتابوں میں زکریا رازی (متوفی ۹۳۲ئہ) کا ایک رسالہ بھی ہے، جو طب
پر ہے، اور ۱۲۸۲ئہ کا لکھا ہوا ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ اس رسالہ کا یہی ایک نسخہ اب باقی رہ گیا ہے، رازی
پہلا شخص تھا، جسنے خسرہ اور چیچک میں سائینٹفک طریقہ پر امتیاز قائم کیا، طب پر ایک دوسرا رسالہ بھی
ملا ہے، جو ابن نفیس (متوفی ۱۲۸۸ئہ) کے اصل نسخہ سے ۱۳۹۳ئہ میں نقل کیا گیا ہے، اس میں پھیپھڑوں کے
دوران خون پر مستقل بحث ہے، عام خیال یہ ہے کہ دوران خون کا یہ نظام اول اول اسپین کے ایک فاضل
مائیکل سروٹیس (MICHAEL SERVETUS) نے دریافت کیا تھا، جو ابن نفیس سے تقریباً تین
صدی بعد گذرا ہے، الفرغانی (متوفی ۸۶۱ئہ) کا ایک رسالہ ہیئت پر دستیاب ہوا ہے، جس کا ترجمہ لاطینی
اور عبرانی میں بار بار کیا جا چکا ہے، اور جس کی اشاعت یورپ میں ہیئت کے دوسرے رسالوں سے زیادہ
ہوئی ہے، پروفیسر ہٹی (HITTI) پرنسٹن یونیورسٹی کا خیال ہے، کہ طب کے بعد غالباً ہیئت

ہی وہ مضمون ہے، جس پر قرون وسطیٰ کے عرب فاضلون نے سب سے زیادہ لکھا ہے، ایک مخطوط اور بھی بہت اہم نکلا ہے، یہ دور اندازی، آتشبازی اور سرنگ بنانے کے فن پر ہے، اور عثمان المہتدی کی تصنیف ہے، جو بظاہر ایک ترک معلوم ہوتا ہے، اور دریاے والگا پر قلعۂ بلغار میں متعین تھا، یہ رسالہ ۵۵۳؁ھ کا لکھا ہوا ہے، اور (۱۹۰) صفحات پر مشتمل ہے، اس میں بکثرت نقشے اور شکلیں دی ہوئی ہیں،

عربی صحافت

بیروت کی امریکن یونیورسٹی کی طرف سے اُن تمام عربی اخبارات و رسائل کی ایک فہرست شائع ہوئی ہے، جو ۷ دسمبر ۱۸۰۰؁ء کو التنبیہ (اسکندریہ) کی اشاعت سے لیکر ۱۹۲۹؁ء تک نہ صرف ان ملکوں میں جہاں عربی بولی جاتی ہے، بلکہ یورپ، امریکہ اور آسٹریلیا میں شائع ہوئے ہیں، ان اخبارات اور رسائل کے بانیوں کے نام اور ان کی اولین اشاعت کی تاریخیں بھی صحت کیساتھ درج کی گئی ہیں، مسلم ورلڈ کا نامہ نگار اس میں صرف اسقدر اضافہ اور کرتا ہے کہ لسان العرب دمشق سے منتقل ہونے کے بعد بغداد میں پہلی بار ۲۳ جون ۱۹۲۱؁ء کو نکلا تھا، اس فہرست سے معلوم ہوتا ہے، کہ تعداد کے لحاظ سے مصر کا نمبر سب سے زیادہ ہے، جہاں عربی رسائل کی تعداد (۱۳۹۰) ہے، لیکن آبادی کے نقطۂ نظر سے لبنان بڑھا ہوا ہے، جہاں اوسطاً دو ہزار باشندون کے لئے ایک رسالہ ہے، جب کہ مصر میں دس ہزار کے لئے ایک اور بعض دوسرے عربی ممالک میں چھ لاکھ کے لئے ایک ہے، یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ متعدد شہروں میں جو عرب سے دور واقع ہیں، مثلاً نیویارک جہاں سے (۵۲) رسالے نکلتے ہیں، سان پالو (جنوبی امریکہ) جہاں سے (۴۹) اور بیونس ایریز (جنوبی امریکہ) جہان سے (۲۹) رسالے نکلتے ہیں، عربی رسالوں کی اشاعت کہیں زیادہ ہے، بہ نسبت ان بہتیرے شہروں کے جو ایسے ملکوں میں واقع ہیں، جہاں عربی زبان بولی جاتی ہے، مثلاً یروشلم، ٹریپولی، طنطہ، یافہ، الجزائر، اور بصرہ

اس کا ایک سبب یہ ہو سکتا ہے، کہ شام سے منتقل ہو کر لوگ بکثرت شمالی اور جنوبی امریکہ میں آباد ہو گئے ہیں،

امریکہ کی سب سے قدیم یونیورسٹی

گذشتہ ستمبر میں امریکہ کی ہارورڈ یونیورسٹی نے اپنی سہ صد سالہ جوبلی کی تقریب نہایت شاندار طریقہ پر منائی، تمام دنیا کے فضلاء اس میں مدعو کئے گئے تھے، چنانچہ غیر ممالک کے نمایندوں کی تعداد ایک ہزار سے زیادہ تھی،

ہارورڈ (HARVARD) ریاستہائے متحدہ امریکہ کی پہلی یونیورسٹی ہے یہ ۱۶۳۶ء میں قائم ہوئی تھی یعنی حکومت ریاستہائے متحدہ سے بھی (۱۴۰) سال قبل، یہ امریکہ کی پہلی یونیورسٹی ہے جسکی ڈگریوں کو آکسفرڈ اور کیمبرج یونیورسٹیوں نے ۱۶۵۰ء ہی میں اپنی ڈگریوں کے برابر تسلیم کر لیا، پہلی آنریری ڈگری جو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے کسی صدر کو ملی، وہ اسی یونیورسٹی کی تھی، اور ۱۷۷۶ء میں جارج واشنگٹن کو دی گئی تھی، یہ پہلی امریکن یونیورسٹی ہے، جس کے فارغ التحصیل طلبہ نے ایک دوسری یعنی ییل (YALE) یونیورسٹی ۱۷۰۰ء میں قائم کی، تاریخ امریکہ کی تعلیم کی ابتدا بھی ۱۸۳۵ء میں سب سے پہلے اسی یونیورسٹی میں ہوئی، ۱۶۳۶ء میں ہارورڈ کالج کے لئے جو شروع میں پادریوں کی تعلیم کی غرض سے قائم کیا گیا تھا، حکومت کی طرف سے چار سو پونڈ منظور ہوئے تھے، اسی سرمایہ سے ایک سہ منزلہ عمارت بنا دی گئی تھی، لیکن آج اس یونیورسٹی کی عمارتوں کی قیمت ڈھائی کروڑ ڈالر ہے ۱۶۳۸ء میں پادری جان ہارورڈ (REW. JOHN HARVARD) نے جو انگلستان کا باشندہ اور شکسپیر کا دوست تھا، اپنی وفات کے وقت اپنا کتب خانہ اور نصف جائداد اس کالج کے نام لکھ دی، کتب خانہ چار سو جلدوں پر مشتمل تھا، اور نصف جائداد کی قیمت آٹھ سو پونڈ تھی، کالج اب تک بے نام تھا، اس وصیت نامہ

کے بعد اس کا نام ہارورڈ کالج رکھ دیا گیا،

طلبہ کی تعداد میں بہ نسبت پہلے کے زمین آسمان کا فرق ہو گیا ہے، سترہویں صدی میں ہر درجے میں تین سے لیکر نو لڑکے تک رہتے تھے، ۱۶۴۲ء میں پہلے گریجویٹ کلاس میں صرف نو لڑکے تھے، اب یونیورسٹی کے ابتدائی درجہ کا اوسط (۱۰۰۰) رہتا ہے، ۱۹۳۶ء میں (۰۰،،) طلبہ وہاں سے گریجویٹ ہو کر نکلے ہیں، مصارف میں بھی ایسا ہی فرق ہو گیا ہے، سترہویں صدی میں ہارورڈ کا طالب علم پچاس ڈالر سالانہ میں کفایت شعاری کے ساتھ تعلیم اور خورد و نوش کے اخراجات پورے کر سکتا تھا، اب نہایت کفایت شعاری سے رہنے پر بھی تیرہ سو ڈالر سالانہ سے کم کا خرچ نہیں ہے، اگر کلب اور سیر و تفریح کے مصارف بھی شامل کرئے جائیں، تو چھ ہزار ڈالر سے زائد چاہئیں،

ہارورڈ یونیورسٹی کے زندہ فارغ التحصیل طلبہ کی تعداد اس وقت ستر ہزار سے کچھ اوپر ہی ہے

سوویٹ روس کی آیندہ مردم شماری

۶ جنوری ۱۹۳۷ء کو سوویٹ روس کی آیندہ مردم شماری ہونے والی ہے، جس وسیع پیمانہ پر اسکی تیاریاں ہو رہی ہیں، اس کا اندازہ مندرجۂ ذیل اعداد و شمار سے ہوگا:۔

اس مردم شماری میں بارہ لاکھ شمار کنندگان اور ایک لاکھ بیس ہزار حکام کام کرین گے، ایک ہزار ٹن سے زائد کاغذ کی ضرورت ہوگی جس پر پانچ کروڑ پچاس لاکھ مردم شماری کے فارم چھاپے جائیں گے، خاص مشینین تیار کیجا رہی ہیں، جن سے اعداد شمار کئے جائیں گے، مردم شماری کے دفتر جا بجا قائم کر دیئے گئے ہین اور ملک کے بعض شمالی حصوں میں جو موسم سرما میں ناقابلِ گذر ہو جاتے ہیں، مردم شماری کا کام شروع بھی کر دیا گیا ہے،

جنوری ۱۹۳۳ء میں سوویٹ روس کی آبادی (۱۶۵،۷۱۴۰۰) تھی، امید کی جاتی ہے کہ آیندہ مردم شماری میں سترہ کرور تک پہونچ جائے گی،

"ع ز"

دعا

از جناب اسد صاحب بی اے ملتانی،

اے دل تو ہی بتا کہ میں مانگوں خدا سے کیا
ہوتا ہے جہان میں میری رضا سے کیا،

ہے زیست اپنے بس میں نہ موت اختیار میں
مطلب ہیں پھر اپنی فنا و بقا سے کیا،

طوفان کا زور و شور ہے، دریا ہے موجزن
آب و ہوا کو آرزوئے ناخدا سے کیا،

وقتِ معینہ پہ خزاں آئے گی ضرور،
ہوتا ہے عندلیب کے شورِ نوا سے کیا،

اس کے سوا کہ دل کا نکل جائے کچھ غبار
ہوتا ہے غم نصیب کی آہ و بکا سے کیا

جو حلقۂ کمانِ قضا سے نکل چکا،
رک جائے گا وہ تیر میری التجا سے کیا

وہ بھی تو اپنے کام میں مجبور محض ہیں،
شکوہ کروں میں کارکنانِ قضا سے کیا

ہر بات سے وہ قادرِ مطلق ہے بے نیاز
اسکو بھلا غرض ہے میرے مدعا سے کیا

اٹھتے ہیں خود بخود مرے دستِ دعا اسد
ہر چند سوچتا ہوں کہ ہوگا دعا سے کیا،

سخنِ ماہر

از جناب ماہر القادری صاحب،

آرزو اک فریبِ باطل ہے،
عشق ہی آپ اپنا حاصل ہے،

عیش و غم سے فراغ حاصل ہے
بیخودی پوجنے کے قابل ہے،

مرحبا اے وفورِ ناکامی،
تو مری کوششوں کا حاصل ہے

مختلف ہیں حیات کے پہلو
موت بھی اک اسی کی منزل ہے

عیش ہے وہم، رنج و غم ہے خیال
زیست کا ہر نظام باطل ہے

نبضِ امید چھٹ گئی شاید
آج دل کیوں سکوں پہ مائل ہے

درد میں کیوں سکون پاتا ہوں
زہر بھی کیا دوا میں شامل ہے

میں ہوں اور موجِ بحرِ غم ماہر
غم کشتی نہ فکرِ ساحل ہے

کیفِ تغزّل

جناب مولوی محمد مبین صاحب کیفی، ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد

تا بہ دامن وسعتِ چاکِ گریباں کیجئے
بن پڑے تو ہوش میں وحشت کا ساماں کیجئے

چشمِ نظارہ کو خیرہ، دل کو حیراں کیجئے
آئیے کچھ ہمتِ دیدارِ جاناں کیجئے

کیجئے اجزائے ہستی کو پریشاں کیجئے
اور پھر ان کو غبارِ کوئے جاناں کیجئے

ہے یہی وسعت عدم کی ہے یہی حدِ وجود
یا نہیں کر دیجئے یا لطفِ "ہو" "ہاں" کیجئے

ہے ادب کا ترک یہ ہنگامۂ بحثِ وجود
کھوئیے اپنے کو تو پھر اس کا ارماں کیجئے

جی میں ہے یوں آج سنئے نغمۂ سازِ حیات
دل کو مضرابِ سر تارِ رگِ جاں کیجئے

ہے جہاں میں سب سے آگے سرحدِ ادراکِ عشق
یعنی دل کو بے نیازِ کفر و ایماں کیجئے

اس کا جلوہ دیکھ کر اپنے کو بھولا آپ ہی
آہ کس کے سامنے دعوائے عرفاں کیجئے

لعل لب ہمرنگِ غنچہ، رنگِ رخ رنگِ بہار
آئیے نظارۂ فصلِ بہاراں کیجئے

گردشیں اب دہر کی کہتی ہیں کیفی کیا کہوں
زندگی بھر شکوۂ جورِ عزیزاں کیجئے

باب التقریظ والانتقاد

"اہلِ ہند کی زندگی اور حالات" (۱۲۰۰ء سے ۱۵۵۰ء تک)

از جناب ڈاکٹر کنور محمد اشرف صاحب پی ایچ ڈی، ناشر ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کلکتہ، صفحات ۲۵۹، قیمت ندارد،

مسلمانون کے عہد پر آج تک جتنی تاریخیں لکھی گئی ہیں، وہ بادشاہوں کی سیاسی جنگ اور خانگی خونریزی اوران کے ملکی ادارون اور حکمت عملی سے متعلق ہیں، عوام کے خانگی، معاشرتی، اجتماعی اور اقتصادی حالات کو ان میں بہت کم جگہ ملی ہے، چنانچہ موجودہ زمانہ میں جب کوئی صاحب قلم ان گذشتہ تاریخوں کی مدد سے سیاسی اور جنگی واقعات کے علاوہ کچھ اور لکھنا چاہتا ہے، تو اس کا یہ کام نہ صرف مشکل اور صبر آزما بلکہ اکثر اوقات حوصلہ شکن ثابت ہوتا ہے، اس کتاب کے مؤلف نے اسی مشکل، صبر آزما اور حوصلہ شکن کام کو انجام دیا ہے، انھون نے اپنی اس تالیف کے لئے اس عہد کی عام تاریخون کے علاوہ ہر قسم کی نظم و نثر کتابیں پڑھیں، اوران سے ذرہ ذرہ چنکر معلومات کا یہ ذخیرہ فراہم کیا ہے،

کتاب تین حصون مین منقسم ہے، پہلا سیاسی، دوسرا اقتصادی اور تیسرا معاشرتی حالات پر ہے، سیاسی حالات میں لڑائیوں اور مہمون کا تذکرہ نہیں، بلکہ "سلاطین دہلی کی حکومت اوراس کا ردّ عمل مسلمانون کی معاشرت پر"، "سلطان خانگی زندگی میں" سلطان پبلک زندگی میں" شاہی دربار کی تہذیب" طبقہ امراء" مذہبی گروہ" جیسے عنوانات پر معلومات ہیں، اقتصادی حالات میں "دیہی زندگی"، "زمین کی پیداوار"، "دیہی صنعت" گھریلو صنعت" "دیہات کی اقتصادی زندگی کے معیار"، "پارچہ بافی" پتھر اور اینٹ کے کام"، "کاغذ و شکر سازی" چرم سازی"

صنعتی کاموں کی نوعیت" پھر بیرونی، بحری اور بری تجارت، اور اس کے بعد مختلف معاشرتی جماعتوں کے معیارِ زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے، معاشرتی حالات کے سلسلہ میں یہ عنوانات قائم کئے گئے ہیں، مشترکہ خاندان، عورتوں کی حیثیت، پردہ اور دونوں صنفوں کے معاشرتی ارتباط، خانگی واقعات، شادی، موت، ستی، جوہر، شہر کا نقشہ، شاہی مکانات کے حصے، فرنیچر، پوشاک اور کپڑے، سامانِ آرائش و زیورات، غذا، سامان، تفریح، فوجی وجسمانی کھیل، پولو، گھوڑدوڑ، شکار، گھریلو کھیل، ہندوؤں کے تہوار، مسلمانوں کے تہوار، سلطنت کی تقریبات، ناچ، گانا، عام عادات واطوار وغیرہ،

ان واقعات کی تفصیل میں مؤلف نے ہندو اور مسلمان دونوں کے حالات پر روشنی ڈالی ہے موجودہ دور میں جب کوئی صاحبِ قلم اس قسم کی مساعی جمیلہ میں مصروف ہوتا ہے، تو قومی جذبہ سے مغلوب ہو کر صرف اپنے ہم قوم کے حالات وواقعات کو روشن کرتا ہے، اور ہمسایہ قوموں کی تفصیلات کو نظر انداز کر دیتا ہے، لیکن مؤلف مذکور نے اپنی کتاب میں ہندو و مسلمان دونوں کی معاشرت یکساں طور پر دکھائی ہے، اور پھر نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ واقعات پر جذبہ اور عصبیت کی لہریں کہیں موجزن نہیں، مؤلف نے صرف تفصیلات اور جزئیات لکھ دیتے ہیں، ان سے نتائج مرتب کرنا ناظرین پر چھوڑ دیا ہے،

اس سلسلہ میں مؤلف نے ایک موضوع کو کافی تشنہ چھوڑ دیا ہے، ہندو اور مسلمان دو مختلف تمدنوں کے علمبردار تھے، مگر دونوں کے ارتباط سے دونوں کی معاشرت، تہذیب اور مذہب میں اہم عناصر واجزار پیدا ہوتے گئے، لیکن اس انقلاب پر مؤلف کی نگاہیں دور تک نہیں پہنچ سکی ہیں، یہ موضوع زیرِ نظر کتاب کے لئے ہر لحاظ سے دلچسپ اہم اور مفید ہوتا،

مؤلف نے چونکہ ایک اچھوتے موضوع پر قلم اٹھایا ہے، اسلئے اس کو اپنے فرض کے انجام دینے میں بڑی محنت اور جانفشانی سے کام لینا پڑا ہے، سیاسی واقعات کی تفصیلات سے جزئیات اور معاشرتی جزئیات سے تفصیلات پیدا کی ہیں، یہ تاریخی استنباط و استنتاج کا راستہ بے حد پر خطر ہے جزئی

واقعات سے کلی نتیجہ نکالنے میں بسا اوقات ٹھوکریں لگتی ہیں، اس راہ میں مصنف کا اعتدال قابلِ داد ہے، مؤلف نے نہ صرف معصر تاریخوں، بلکہ نظموں، قصوں اور فقہ و قانون کی کتابوں سے بھی مدد لی ہے، فقہ، قانون اور قصوں سے تمدن، معاشرت اور طرزِ ماند و بود کے بہت سے مسائل و معلومات بڑی دقتِ نظر سے فراہم کئے ہیں،

مؤلف نے معلومات کا ایک گوشہ قصداً چھوڑ دیا ہے یعنی صوفیاے کرام کی تصنیفات اور ملفوظات، حالانکہ ان کتابوں مثلاً حضرت فرید شکر گنج، حضرت نظام الدین اولیا، حضرت شرف الدین یحییٰ منیری، اور حضرت مخدوم عبد الحق ردولوی وغیرہ کے ملفوظات میں معلومات کا وافر حصّہ مل سکتا ہے، "ص ع"

مختصر تاریخِ ہند

از مولینا سید ابو ظفر صاحب ندوی،

ہمارے اسکولوں میں جو تاریخیں پڑھائی جاتی ہیں، ان کا لب ولہجہ دلآزاری اور تعصب سے خالی نہیں ہوتا، اور اس وجہ سے ہندوستان کی مختلف قوموں میں تعصب اور بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے، مولینا ابو ظفر صاحب ندوی نے یہ تاریخ مدرسوں اور طالب علموں کے لئے اس غرض سے لکھی ہے، کہ اس کا طرزِ بیان قومی جذبات سے متاثر نہ ہو، اور ہندو اور مسلمان فرمانرواؤں نے ہندوستان کے بنانے میں جو کام کئے ہیں، وہ طالب علموں کو بلا تفریق مذہب و ملت معلوم ہو جائیں،

ضخامت:- ۲۰۰ صفحے، قیمت:- ۸؍

مقالاتِ شبلی جلد چہارم

مولینا کے تنقیدی مضامین کا مجموعہ ضخامت ۱۹۰ صفحے، قیمت:- ۱۲؍

"منیجر"

منظر آئینہ و جواہر آئینہ:۔ مولفہ جناب محمد احمد صاحب سنجر دموہانی ایم اے پروفیسر شیعہ کالج لکھنؤ، تقطیع چھوٹی، ضخم علی الترتیب ۹۶ و ۲۲۴ صفحات، کاغذ سپید، کتابت وطباعت معمولی، قیمت ۱ر و ۵ر، مصنف سے اوپر کے پتہ سے مل سکتی ہے،

کئی سال ہوئے پروفیسر مسعود حسن صاحب رضوی لکھنؤ یونیورسٹی نے ہندوستانی زبان کی شاعری کی مدافعت میں "ہماری شاعری" کے نام سے ایک کتاب لکھی تھی، جو ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد میں انعام کی مستحق قرار پائی، اور اس وقت وہ بی اے کے نصاب میں داخل ہے، اوپر کے دونوں رسالے اسی کتاب کی تنقید میں ہیں، ہماری نظر سے بھی یہ کتاب گذری ہے، اس میں شک نہیں کہ کتاب خامیوں سے پاک نہیں ہے، خصوصاً بعض تاویلیں بہت دور از کار اور بعض تشریحیں محل نظر ہیں، مثالوں کے انتخاب میں زیادہ تلاش سے کام نہیں لیا گیا ہے، لیکن اس کے باوجود ہندوستانی شاعری کی مدافعت میں اس سے بہتر کتاب نہیں لکھی گئی ہے، ہم کو سنجر صاحب کی سخن سنجی اور ناقدانہ نگاہ سے انکار نہیں، لیکن ہم کو ان کے اصول تنقید سے اختلاف ہے، تنقید کے معنی یہ ہیں کہ اختصار اور تعین کے ساتھ اغلاط اور نقائص دکھا دیئے جائیں، اگر اشعار کا تجزیہ اور تحلیل کرکے اور خاص مقدمات قائم کرکے ان سے نتائج نکالے جائیں، تو ہمارے خیال میں کوئی شعر تنقید سے نہیں بچ سکتا، کہ اس طرز تنقید میں بڑی وسعت ہے، اور ہر شخص کا ذوق و وجدان جدا جدا ہے، پھر جناب ناقد نے اصل شے یعنی رضوی صاحب کے نفس خیالات و آراء

پر بہت کم تنقید کی ہے، بلکہ زیادہ تر ان کی پیش کردہ مثالوں کی تشریح پر ہے، یہ ہو سکتا ہے، کہ رضوی صاحب کی پیش کردہ مثالوں سے بہتر اور واضح تر مثالیں ملجائیں، لیکن ان کو غلط کہنا صحیح نہیں معلوم ہوتا، البتہ بعض مثالوں اور خصوصاً ان کی تشریحات سے ہم کو بھی اتفاق نہیں ہے، بہر حال اس تنقید سے یہ ایک بڑا فائدہ ہوا کہ جناب بیخود جیسے ادیب کے قلم سے زبان و ادب کے متعلق بعض مفید ادبی معلومات کا ہماری زبان میں اضافہ ہوا،

اسباب زوال امت

مصنفہ امیر شکیب ارسلان، مترجمہ مولانا احسان سامی حقی بک شائع کردہ سیرت کمیٹی تقطیع چھوٹی ضخامت ۸۷ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت ۳ر جو لوگ زیادہ تعداد میں خریدنا چاہتے ہیں ان کو اسی روپیہ ہزار دس روپیہ سیکڑہ اور روپیہ میں آٹھ ملے گی، پتہ سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور،

یہ رسالہ دنیائے اسلام کے نامور صاحب قلم اور مخلص مسلمان امیر شکیب ارسلان کی تصنیف اور سیرت کمیٹی کے مفید نشریات کی ایک کڑی ہے، اسمیں فاضل مصنف نے عقل، مذہب، تاریخ اور روایات کی روشنی میں دکھایا ہے کہ مسلمانوں کے زوال کے حقیقی اسباب جانی و مالی جہاد سے ان کی پہلو تہی، دین و وطن سے غداری، جہالت، کم علمی، اخلاقی زوال، بزدلی، الحاد و بے دینی، اور تنگ خیالی و قدامت پرستی ہیں، پھر اس عامیانہ اعتراض کی تردید میں کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب خود ان کی تہذیب ہے، دنیا پر اسلامی تہذیب کے برکات اور احسانات دکھائے ہیں، آخر میں علم و حکمت کی تحصیل کی ترغیب میں آیات قرآن پیش کی گئی ہیں، ہر بحث شواہد سے مدلل ہے، یہ مفید رسالہ عوام سے زیادہ تعلیم یافتہ طبقہ کے پڑھنے کے لائق ہے،

جدید خطبات جمعہ

مرتبہ مولانا خطیب رازی صاحب تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۴ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت معمولی قیمت ۲ر ممبران کمیٹی سیرت کے لئے ار پتہ: سیرت کمیٹی پٹی ضلع لاہور،

آجکل خطبہ جمعہ کا حقیقی مقصد بالکل فوت ہوگیا ہے، اور اس کی جگہ محض رسمی خطبہ رہ گیا ہے، ہندوستان میں بارہا خطبات جمعہ کو با کار بنانے کی تحریک کی گئی لیکن مختلف اسباب کی بنا پر کامیاب نہ ہوسکی، سیرت کمیٹی نے اس ضرورت کو محسوس کرکے ہندوستانی زبان میں فی الحال سات خطبات مرتب کرائے ہیں، پہلا خطبہ خطبات جمعہ کی اہمیت اور اس کے حقیقی اغراض و مقاصد کی تشریح میں ہے، دوسرا خدا کی توحید، تیسرا فلسطین کی مظلومی، چوتھا تعلیم، پانچواں تبلیغ دین، چھٹا اسلامی برادری، ساتواں اسلام میں فرقہ بندی پر، ہر خطبہ کے مقصد کو نہایت اختصار اور خوبی کے ساتھ واضح کیا گیا ہے، ان کو عربی خطبہ کے قبل یا بعد پڑھنا عام مسلمانوں کے لئے مفید ہوگا،

تحفۃ الاسلام لجمیع الاقوام، شائع کردہ مولوی وحید الحسن صاحب صدیقی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت اوسط، قیمت درج نہیں، پتہ وحید الحسن صاحب جنرل سکریٹری انجمن ہدایت الاسلام لکھنو،

یہ وہ مضمون یا دعوت نامہ اسلام ہے، جو لکھنو کی گذشتہ جملہ مذاہب کی کانفرنس کے موقع پر دار المبلغین کی جانب سے اچھوت اقوام کے سامنے پیش کیا گیا تھا، اس میں اسلام کی ان خصوصیات اور تعلیمات کو جو عقلی حیثیت سے اسکی صداقت کا ثبوت، اخلاقی اور عملی حیثیت سے انسانوں کی دنیوی اور اخروی فلاح کی ضامن، اور حریت اور مساوات کے نقطۂ نظر سے قابل قبول ہو سکتی ہیں، آیات قرآنی سے دکھایا گیا ہے، اور اس کی تائید میں غیر مذاہب کے علمار کی شہادتیں بھی پیش کی گئی ہیں، زبان صاف سادہ اور انداز بیان سنجیدہ اور دلنشین ہے، کسی مذہب پر کوئی حملہ نہیں ہے، یہ رسالہ غیر مسلموں خصوصاً پڑھے لکھے اچھوتوں میں تقسیم کرنے کے لائق ہے، لیکن تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں حضرت ابو موسیٰ اشعری اور اسامہ ابن زیدؓ کے فوج آنے کی روایت بالکل مہمل ہے،

اسلام اور اشتراکیت، شائع کردہ خانبہادر محمد یوسف آنریری مجسٹریٹ دہلی

تقطیع اوسط، حجم ۱۴۴ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت نہایت معمولی خان بہادر صاحب سے بلا قیمت مل سکتی ہے،

یہ کتاب جیسا کہ اس کے سرورق سے واضح ہوتا ہے کسی عالم دین بزرگ کی تصنیف ہے جنھوں نے کسی مصلحت سے اپنا نام ظاہر کرنا مناسب نہیں سمجھا ہے، اس میں اشتراکیت کی مختصر تاریخ اور اسکے اصول ونظام کو واضح کرکے اسلام اور قرآنی تعلیمات سے ان کا تضاد اور ان کے ہولناک نتائج دکھائے گئے ہیں، پھر اس کے مقابلہ میں اشتراکیت اور اس کے بنیادی تخیل کے متعلق اسلامی تعلیمات کو پیش کیا گیا ہے،

آشوب زمانہ، مصنفہ ایم اسلم صاحب تقطیع چھوٹی حجم ۰۰ ، اصفحات، کاغذ سپید، کتابت وطباعت بہتر، قیمت مجلد عہ، پتہ:- ملک دین محمد اینڈ سنز تاجران کتب بل روڈ لاہور،

یہ کتاب پنجاب کے مشہور افسانہ نگار ایم اسلم صاحب کی تازہ تالیف ہے، اس کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ اسلم صاحب کو راوی کے کنارے "کسی کے نام کسی کے خط" کا ایک ٹکڑا بہتا ہوا ملتا ہے، شاعر تحریر کی دلکشی دیکھ کر صاحب تحریر سے خیالی مراسلت شروع کر دیتا ہے، آشوب زمانہ انہیں خطوط کا مجموعہ ہے، اس میں حسن وعشق کے نکات، مردوں اور عورتوں کی نفسیات، موجودہ تہذیب ومعاشرت اور رسوم کے بعض مضر پہلوؤں پر دلچسپ شاعرانہ تنقید کی گئی ہے بیچ بیچ میں بعض تمثیلی افسانے بھی آگئے ہیں،

"م"

کنز المحاورات فارسی از مولینا شاہ محمد وارث امام صاحب قادری پھلواروی، شائع کردہ مجیب منزل پھلواری شریف ضخامت ۱۰۲ صفحات لکھائی چھپائی کاغذ عمدہ قیمت عہ

طلبہ کی دشواریوں کا لحاظ کرکے جو کتابیں عام طور پر لکھی جاتی ہیں، ان میں یہ تالیف خصوصیت کیساتھ مفید معلوم ہوتی ہے، اس میں فارسی زبان کے تقریباً ڈھائی ہزار محاورات کا ترجمہ حروف تہجی کی ترتیب کیساتھ اردو اور انگریزی میں درج ہے، امید ہے کہ یہ کتاب اسکولوں اور کالجوں میں بہت مقبول ہوگی، طلبہ کے حلقہ کے باہر بھی اس سے بہت کچھ مدد مل سکتی ہے،

"ع ز"

دار المصنفین کی سِت

جدید فہرست

اور

کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف

سنہ ۱۹۳۵ء سے ہم نے دار المصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کر دی ہے، مکتبۂ دار المصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شایع ہو گئی ہے، امید ہے کہ جو لوگ اس وقت تک دار المصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دار المصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ روپیے ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیے میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت ۲۷؍۸ ہے لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیے میں دیا جائیگا لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دار المصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جا سکتا، کمیشن کی رعایت بہرصورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی　　منیجر دار المصنفین　　اعظم گڈہ

(مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شایع کیا)

...سمبر ۱۹۳۶ء

رجسٹرڈ نمبر اے ۱۵۷

معارف

مجلس دار المصنفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

قیمت:- پانچ روپیہ سالانہ (۵)

دفتر دار المصنفین اعظم گڑھ

دار المصنفین کی تاریخی کتابیں

تاریخ صقلیہ جلد اول: مسلمانوں نے سسلی پر ڈھائی سو برس تک حکومت کی اور اسپین کی طرح اسکو بھی اسلامی خیر و برکت کا سرچشمہ بنا دیا، اور تقریباً پانسو برس تک اس سے وابستہ رہے، مگر افسوس ہے کہ اس کی کوئی تاریخ اردو انگریزی میں کیا عربی میں بھی موجود نہ تھی، چھ سات برس کی مسلسل محنت اور تلاش و تحقیق کے بعد دو ضخیم جلدوں میں اسکی تاریخ مرتب کیگئی ہے، جن میں سے پہلی جلد اب شائع ہوگئی ہے، جو سیاسی سرگذشت پر مشتمل ہے، اس میں صقلیہ کے جغرافی حالات، سسلی، اٹلی و جزائر سسلی پر اسلامی حملوں کی ابتدا، اسلامی حکومت کا قیام، عہد بعہد کے دوروں کا عروج، اسلامی حکومت کے خاتمہ اور صقلیہ و جزائر صقلیہ میں مسلمانوں کے مصائب جلاوطنی کا تفصیلی مرقع دکھایا گیا ہے، ضخامت مجموعی ۵۴۶ صفحے کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ قیمت: للعہ، جلد دوم زیر طبع ہے، مرتبہ سید ریاست علی ندوی،

تاریخ فقہ اسلامی: مصری عالم خضری کی تاریخ التشریع الاسلامی کا ترجمہ جسمیں ہر دور کی فقہ اور فقہا پر مکمل اور ایسا تبصرہ ہے جس سے جدید فقہ کی ترتیب میں مدد مل سکتی ہے، حجم ۴۰۰ صفحے، قیمت للعہ، مترجمہ مولنا عبد السلام ندوی،

رقعات عالمگیر: اورنگ زیب عالمگیر کے خطوط اور رقعات جو زمانہ شہزادگی سے برادرانہ جنگ تک اعزہ کے نام لکھے گئے ہیں، اس جلد میں جمع کئے گئے ہیں، اور ان سے علم و ادب، سیاست اور تاریخ کے متعلق بیسیوں حقائق کا انکشاف ہوتا ہے، ضخامت ۳۴۲ صفحات، چھپائی لکھائی کاغذ بالخصوص ٹائٹل نہایت دلفریب، قیمت: للعہ، مرتبہ سید نجیب اشرف ایم اے ندوی،

مقدمہ رقعات عالمگیر: اس میں رقعات پر مختلف حیثیتوں سے تبصرہ کیا گیا ہے، جس سے اسلامی فن انشا اور شاہانہ مراسلات کی تاریخ، ہندوستان کے صیغۂ انشا کے اصول نہایت تفصیل سے معلوم ہوتے ہیں، بالخصوص خود عالمگیر کے انشا، اور اس کی تاریخ کے ماخذ اور عالمگیر کی ولادت سے برادرانہ جنگ تک کے تمام واقعات و سوانح پر خود ان خطوط اور رقعات کی روشنی میں تنقیدی بحث کی گئی ہے، لکھائی چھپائی کاغذ نہایت عمدہ، ضخامت ۲۰۸ صفحے، قیمت: عہ، مصنفہ سید نجیب اشرف ایم اے، ندوی،

الفاروق: یعنی حضرت فاروق اعظمؓ کی لائف اور طرز حکومت صحابہ کے فتوحات، طریقۂ حکومت، عراق و شام، مصر و ایران کے فتح کے واقعات، حضرت عمرؓ کی سیاست، اخلاق، زہد، عدل، اور اسلام کی عملی تعلیم کا شاندار منظر،

مولنا شبلی کی یہ بہترین تصنیف سمجھی جاتی ہے، اگرچہ مسخ شدہ صورت میں معمولی کاغذ پر اس گراں پایہ کتاب کے بیسیوں اڈیشن فروخت ہو رہے ہیں، مگر اہل نظر کو ہمیشہ اس کے اصلی اڈیشن کی تلاش تھی، مطبع معارف نے نہایت اہتمام اور سعی بلیغ سے اس کا نیا اڈیشن تیار کرایا ہے، جو حرف بحرف نامی پریس کانپور کی نقل ہے، نہایت عمدہ کتابت اعلیٰ چھپائی، عمدہ کاغذ دنیائے اسلام کا رنگین نفیس نقشہ، مطلا ٹائٹل، ضخامت ۳۱۲ صفحے، قیمت: للعہ،

خلفائے راشدین: سیر المہاجرین کا حصہ اول، یہ چاروں خلفا کے ذاتی فضائل اور مذہبی و سیاسی کارناموں اور فتوحات کا آئینہ ہے، حجم ۴۲۰ صفحے، قیمت: ؏، از مولنا حاجی معین الدین ندوی،

(دار المصنفین کی کتابوں کی مفصل فہرست دفتر دار المصنفین اعظم گڈہ سے طلب کیجیے)

مسعود علی ندوی، منیجر دار المصنفین، اعظم گڈہ

جلد ۳۸ — ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ دسمبر سنہ ۱۹۳۶ء — عدد ۶

مضامین

شذرات

ایک نواب عالم کی وفات،

ہندوستان کے اُن پرانے مسلمان خاندانون مین سے جو شرافتِ نسب کے ساتھ علم اور دولت دونون کے جامع ہین، اب خال خال گھرانے رہ گئے ہین، انہی مین سے ایک والاجاہ نواب سید صدیق حسن خان مرحوم کا خاندان تھا، جن کے چھوٹے صاحبزادہ صفی اللہ ولہ حسام الملک شمس العلما، نواب سید محمد علی حسن خان مرحوم نے ۱۹ نومبر ۱۹۳۶ء مطابق ۳ رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ کی صبح کو اپنی کوٹھی بھوپال ہوس لال باغ لکھنؤ مین بہتر برس کی عمر مین وفات پائی، افسوس ہے کہ ایک پرانے خاندان کے فضل و کمال اور جاہ و جلال کی یادگار آج مٹ گئی،

مرحوم ان لوگون مین تھے جن کی آنکھون نے مسلمانون کے علمی و تعلیمی سیاسی و تمدنی انقلاب کے مناظر دیکھے، وہ پیدا تو ایک "کنسرویٹو" گھرانے مین ہوے، اور اسی ماحول مین تعلیم و تربیت پائی، لیکن فطرت کی طرف سے وہ ایک اثر پذیر اور حساس دل لائے تھے، باوجود اس کے کہ وہ بھوپال مین پیدا ہوے جہان حد درجہ قدامت کی حکومت اور سطوت تھی، اور ممکن نہ تھا کہ نورمحل مین نئی روشنی کی ایک کرن بھی پہنچ سکے، مگر استعداد طبع دیکھئے کہ خود بخود ادھر طبیعت کا میلان ہوا، سرسید کی جدید تعلیمی تحریک مین، اور پھر ندوۃ العلماء کی مذہبی تحریک مین شریک ہوے اور ہر قسم کی جانی و مالی خدمتین انجام دین، مدت تک ندوہ کے اعزازی ناظم رہے، دارالمصنفین کے اساسی ارکان مین تھے، اور لکھنؤ کی ہر سنجیدہ تحریک مین اُنکا

نام سرِفہرست رہتا تھا،

وہ عربی زبان کے عالم، فارسی زبان کے ماہر اور اردو کے مشاق اہل قلم تھے، فارسی شعر وسخن اور محاورات پر ان کو عبور کامل حاصل تھا، فارسی کا مشکل سے کوئی اچھا شعر ہوگا جو اُن کو یاد نہ ہو، خود بھی فارسی میں اکثر اور اردو میں کمتر شعر کہتے تھے، انھون نے اپنے والد ماجد کے زمانۂ عروج میں دنیا بھر کے مشرقی علما و فضلا کی صحبتین اٹھائی تھین، اور سوائے علمی و ادبی چرچوں کے اُن کے کانوں میں کوئی بات پڑی بھی نہ تھی، ان کے لئے ان کے والد نے ہرفن کے باکمال استاد مقرر کئے تھے، جنکے سایۂ تربیت میں وہ پلکر جوان ہوئے،

وہ ہماری زبان کے مصنف بھی تھے، متعدد مذہبی اور تاریخی کتابین اُن کے قلم سے نکلین، شعرا کے تذکرے ان کی جوانی کی یادگار رہیں، فطرۃ اسلام اور مآثر صدیقی ان کی بہترین کتابیں ہیں، آخر میں "مردمِ دیدہ" کے نام سے ان باکمالوں کے حالات لکھ رہے تھے جن سے ان کو ملنے کا اتفاق ہوا، اور ان کی تعداد کچھ کم نہین، ان مین بڑا حصہ شعرا کا تھا،

وہ مولنا شبلی نعمانی مرحوم کے بے تکلف دوستون میں تھے، اور ایک دوسرے کے سچے قدردان تھے، یہی وراثت منتقل ہوکر ہم تک پہنچی، موصوف کو ہم لوگون سے اس درجہ محبت اور شفقت تھی جو خاندانی محبت سے کسی طرح کم نہ تھی، اور اس کو اس وضعداری سے نباہا کہ تیس برس کے عرصہ مین ایک دفعہ بھی اس میں فرق نہ آیا، وہ مجسم اخلاق، حد درجہ پاک باطن اور نیک طینت تھے، شر و فساد سے طبعی نفور، اور ہنگامہ آرائیون سے کوسون دور تھے، تمول کے باوجود خاکسار، اور علم وفضل کے باوجود ملنسار تھے،

مذہبی خیالات میں گو وہ عقلیت کی طرف مائل تھے، لیکن اسی کے ساتھ مذہبی پابندی ان میں اتنی

سخت تھی کہ ان کی ایک نماز بھی ان کے مقررہ اوقات سے ٹلنے نہین پاتی تھی، رسم و رواج و بدعات کا ان کے گھر میں نشان نہ تھا، اور اس بارہ مین وہ نہایت سخت تھے، ان کی محفل میں علم و فن، شعر و سخن اور قومی مسئلوں کے سوا کوئی اور مذکور نہ تھا، عربی کتابین ان کو پڑھے ہوئے مدت ہو چکی تھی، اور پھر ان کا کوئی مشغلہ نہ رہا، تاہم جب ذکر آجاتا تو ان کو بھولے ہوئے خواب کی طرح بہت سی باتیں یاد آجاتی تھین؛

نور محل کے رہنے والے! تو بڑے باپ کا چشم و چراغ اور ایک پرانے خاندان کا چراغ سحر تھا، نومبر ۱۹۳۶ء کو تیرا آخری دیدار نصیب ہوا، خیال نہ تھا کہ علم و فضل کا یہ ٹمٹماتا ہوا دیا اتنا جلد بجھ جانے والا ہے؛ اب تو وہاں ہوگا جہاں خدا چاہے نور کے سوا ظلمت کا گذر نہین، صفی الدولہ! حسام الملک! اب تو وہان ہے جہاں کسی کی دولت ہے اور نہ کسی کا ملک ہے، تیرے اعمالِ نیک کی دولت اور نیرے کا ذخیرکی مملکت تیرے ساتھ ہے، دعا ہے کہ وہ شہنشاہ علی الاطلاق، اپنے ملکِ لازوال کی دولت جاوید سے تجھکو سرفراز فرمائے،

"سید سلیمان ندوی کی قرآنی غلطیان"!

"مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید"

۲۰ نومبر کی فلسطین کانفرنس دہلی میں ایک صاحب نے ۷۵ صفحوں کا ایک رسالہ "علامہ سید سلیمان ندوی کی قرآنی غلطیان" کے مطلا عنوان سے مجلد میرے ہاتھ میں دیا، میں نے فرصت کے وقت میں اس کو بغور پڑھا، تو معلوم ہوا کہ ایک صاحب نے بڑی محنت اٹھا کر میری پہلی بڑی تصنیف ارض القرآن سے لیکر "عربون کی جہازرانی" تک سے میری چند غلطیان[1] فراہم کی ہیں، اور اس پر حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی اور بعض دوسرے اکابر

[1] صاحب رسالہ نے لکھا ہی کہ انھوں نے مجھے ان اغلاط کی تصحیح کے لئے کئی خط لکھے مگر میں نے جواب نہیں دیا، یہ میرے علم میں قطعاً خلاف واقع ہے، زمانہ ہوا قرول باغ دہلی سے خطبات مدراس کی ایک مشتبہ عبارت کے متعلق دہی سوال آیا تھا جو اس رسالہ میں ہی اور میں نے اسکا جواب دیدیا تھا؛

علما سے مداحانہ تقریظیں لکھوائی ہیں، کتاب میں مجھ پر الزام لگایا گیا ہے کہ میری تصنیفات سے الحاد و اہمال کے جراثیم پیدا ہوتے ہیں،

مجھے اس رسالہ کو پڑھکر دو خوشیاں ہوئیں، ایک تو یہ کہ میری تصانیف کے ہزاروں اوراق میں بحمداللہ کہ قرآن پاک کی چند ہی غلطیاں ہیں، دوسری یہ کہ مصنف رسالہ اور ایک دو بریلویوں کو چھوڑکر ان اکابر علما نے انکو صرف "مسامحات" قرار دیا، تکفیر و الحاد کا فتویٰ نہیں دیا،

بریں مژدہ گر جاں فشانم رواست

اور یہ مسامحات بھی بیشتر وہی ہیں جو جامعہ وغیرہ میں پہلے دکھائے جا چکے ہیں،

میں بھی اور دلی کے علما اور ثقات بھی یہ خوب جانتے ہیں کہ ان اوراق کے اصلی مصنف کون ہیں ؟

سرِ ایں رشتہ زجائیست کہ من میدانم

ان صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس فریب و سازش سے محافظین حدیث و سنت کو خود اُن کے ہم مذہبوں کے ہاتھوں سے قتل نہیں کرایا جا سکتا،

اتنی کاوشوں کے بعد بھی جو مواد فراہم کیا گیا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ میرے "گیارہ اغلاط میں سے دو تو چھاپے کی غلطیاں ہیں، جنمیں سے ایک کا اعلان حافظ اسلم صاحب جیراجپوری کی تنقید کے جواب میں دو سال ہوئے کہ اسی معارف میں کیا جا چکا ہے کہ میں نے قِطّ کا ترجمہ چُھٹی نہیں بلکہ چٹھی کیا ہے، اور دوسری یہ ہے کہ عربوں کی جہازرانی میں "ایک" کے بجائے "ہر ایک" پڑھئے جیسا کہ نفس آیت کے ترجمہ میں ہے، ارض القرآن میں دو، اور خطبات میں جس ایک اہم غلطی پر صفحے کے صفحے رنگے گئے ہیں، وہ معترض کی قلت تدبر کا نتیجہ ہیں،

بقیہ چھ غلطیاں یہ ہیں کہ مباحثِ برزخ میں اہل قرآن کے مقابلہ میں میں نے اقوالِ مفسرین سے الگ ان آیتوں کے محل سمجھے ہیں یعنی جو آیتیں قیامت سے متعلق ہیں وہ برزخ پر چسپاں کردی ہیں، اور جو پل صراط کے موقع پر لکھی جانی چاہئے تھی وہ بہشت کے موقع پر لکھدی ہے، اگر اقوالِ مفسرین سے اتنا بھی اختلاف الحاد ہے تو مفتی کو تنہا غریب سید سلیمان کے نہیں بلکہ بڑے بڑے علماء کے الحاد کا فتویٰ دینا ہوگا،

مسئلہ عدم خلودِ نار پر جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کی بنا پر اگر یہ ہنگامہ ہے تو پہلے یہ ہنگامہ بعض مشاہیر صحابہؓ[1] بعض تابعینؒ اور مفسرین کے اور خصوصیت سے امام ابن تیمیہ اور حافظ ابن قیم کے خلاف برپا کرنا چاہئے، حافظ ابن قیم نے حادی الارواح اور شفاء العلیل میں ۲۵ دلیلیں اس پر قائم کی ہیں، اور ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ اہلسنت کے ایک گروہ کا یہ مسلک ہے، سید سلیمان کا سوائے اس کے کوئی قصور نہیں کہ اس نے حافظ ابن قیم کے خیالات کی ترجمانی اردو میں کردی ہے، جن لوگوں کو اس مسلک سے اختلاف ہے ان کو سید سلیمان کے بجائے بعض صحابہؓ، بعض تابعینؒ، بعض مفسرینؒ اور ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن قیمؒ کے خلاف زور آزمائی کرنی چاہئے،

بہرحال یہ سب تو غالب کے مقطع کی "سخن گسترانہ" باتیں تھیں، اب میں رسالہ کے اصلی و نقلی دونوں مضمون کو اگر وہ نیک نیت ہیں تو بشارت، اور اگر وہ اس سے محروم ہیں تو یہ پر حسرت پیام سناتا ہوں کہ ان قرآنی غلطیوں کی تصحیح کئی سال پہلے دوسرے اڈیشن میں کردی گئی ہے، اور کچھ کی اب کردی گئی ہے، اور پہلے اڈیشن کے موجودہ ذخیرہ میں بھی کردی گئی ہے، اور مسئلہ نار میں جمہور کا مسلک صاحب رسالہ سے زیادہ مدلل اس میں پہلے ہی اضافہ کردیا گیا ہے، واستغفر اللہ ربی من کل ذنب وسوء عقیدۃ فی الدین،

---

[1] حسب روایات مفسرین، "س"

مقالات

ایک زمانہ تھا کہ بھوپال مشرقی علوم وفنون کا مرکز تھا، سیکڑوں علما، اور فضلا رہتے، طلبہ کا ہجوم تھا، نوادرکتب کا ذخیرہ تھا، دنیاے اسلام سے ہر روز نادر اور قلمی کتابوں کے تحفے بھوپال میں پہنچتے تھے، اگر اُسوقت کوئی ریاست کا پبلک کتبخانہ ہوتا، تو اسوقت وہ رامپور، ٹونک، اور حیدرآباد کی برابری کرتا، مگر افسوس ہر کہ اُسوقت کے کتبخانے، امرار کی ذاتی ملکیت اور نشانِ امارت کے طور پر تقسیم ہو کر فنا ہوگئے، اور اب ان کا ایک نسخہ بھی بھوپال میں موجود نہیں،

بھوپال کے امرار میں سے ایک نواب فوجدار محمد خاں کی کتابیں بھوپال میں رہ گئیں، اور انکی یادگاریں کچھ باقی ہیں، غالب کے دیوان کا مکمل اردو نسخہ اسی کتبخانہ سے برآمد ہوا، ابن تیمیہ کی الرد علی المنطقیین کا نایاب نسخہ جواب کتبخانۂ آصفیہ کا مایۂ نازش ہے، وہ بھوپال ہی کی ملکیت تھا، اور اب بھی بڑے بڑے کتب خانون میں بھوپال کی یادگارین ملیں گی، جن کو تقدیر نے کہان سے کہان پہنچا دیا ہے،

ریاست بھوپال میں اصلاحات کا دور سرکار عالیہ نواب سلطان جہان بیگم مرحومہ کے عہد سے شروع ہوا، انہی میں سے ایک پبلک کتب خانہ کا قیام ہے، جو سرکار مرحومہ کے سب سے چھوٹے صاحبزادہ، اور والی حال نواب حمید اللہ خان بہادر کی طرف منسوب ہو کر حمیدیہ کہلاتا ہے، اسکی عمارت

شاہجہاں آباد کے خاتمہ پر ایک نہایت عمدہ پرفضا موقع پر ہے، عمارت وسیع بلند اور شاندار ہے، مقام بھی پرسکون اور مطالعہ کے لئے موزون ہے،

میری آمد و رفت بھوپال میں ۱۹۱۰ء سے ہے، اسوقت تو اسکے دیکھنے کا موقع نہیں ملا، معلوم بھی نہیں کہ وہ اسوقت تھا بھی یا نہیں، مگر ۱۹۱۴ء کے آخر میں جب مولینا شبلی مرحوم کی وفات کے بعد سرکار عالیہ مرحومہ کی طلبی پر حاضری ہوئی، تو اُسوقت اس کتب خانہ کی حالت نہایت معمولی تھی، اس کے بعد بھی وقتاً فوقتاً جاتا ہی رہا، مگر دیکھا تو انگریزی کتابون کی طرف توجہ زیادہ دیکھی، گو تھال صاحب ایک دیسی عیسائی اس کتب خانہ کے ناظم تھے، ظاہر ہے کہ ایک اسلامی اور مشرقی کتب خانہ کی خصوصیتون اور ضرورتوں سے ان کو کیا واقفیت ہو گی، گو اس وقت بھی کہنے کو مشرقی صیغہ موجود تھا، البتہ اسکے مشہور مصنف مولوی عبد الرزاق صاحب یہیں بیٹھکر سرکار عالیہ مرحومہ کے اخیر زمانہ میں تاریخ اسلام کی تالیف و ترتیب میں مصروف رہتے تھے،

اُسوقت تک جو کچھ تھیں مطبوعہ کتابیں تھیں، قلمی کتابیں گویا نہیں تھیں، افسوس ہوتا تھا کہ ایک مشہور اسلامی ریاست جس کی نیک نامی کی شہرت چار دانگ عالم میں ہے، وہ اس حیثیت سے اتنی تہی مایہ ہو،

سب سے اخیر دفعہ جولائی ۱۹۳۲ء میں کئی سال کے بعد وہاں جانے کا اتفاق ہوا، اعلیٰ حضرت سکندر صولت بہادر کی فرمانروائی کے عہد میں یہ دوسری بار بھوپال کی حاضری تھی، خیال آیا کہ اس علمی سیرگاہ کی پھر زیارت کر لی جائے،

اس دفعہ جو کتب خانہ گیا، تو وہاں کا رنگ بدلا پایا، کتابیں بھی زیادہ تھیں، اور سلیقہ سے تھیں، اور سب سے زیادہ یہ کہ مشرقی صیغہ کو بھی مرتب اور پہلے سے زیادہ معمور پایا، قلمی کتابون کا ذخیرہ بھی خاصہ دیکھا، بعض پرانے شاہی فرامین اور مغل شہزادیوں کی مشقی وصلیان اور قطعات نظر آئے،

بابر کا فرمان۔ بابر کا وہ پرانا فرمان جسکو ۱۹۱۴ء میں دیکھ چکا تھا، اب بھی موجود تھا، یہ چھوٹی تقطیع کے معمولی کاغذ پر خط نستعلیق میں تحریر ہے، اس میں بابر نے ہمایوں کو ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے یہ نصیحت کی ہے، کہ وہ ہندوؤں کا دل اپنے ہاتھ میں لے، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ گاے کی قربانی بند کر دے،

میں اس فرمان کو پہلے بھی جعلی سمجھتا تھا، اور اب بھی سمجھتا ہوں، اس پر چند سال کے عرصہ میں بہت سے ارباب تحقیق نے مختلف خیالات ظاہر کئے ہیں، مسلمان فضلار نے مذہبی تعلق سے قطع نظر کر کے صرف علمی اور فنی حیثیت سے اسکو بالکل غیر معتبر ٹھہرایا ہے، ابھی ایک سال ہوا ہوگا، کہ بعض روزانہ انگریزی اخبارات میں وصیت نامہ کی روشنی میں مسلمان سلاطین ہند کی بے تعصبی کو بہت کچھ سراہا گیا تھا،

میرے قیاس میں یہ دستاویز مغل حکمرانوں کے اخیر عہد میں تصنیف ہوئی ہے، جب حکومت پر راجپوت راجاؤں کا اثر و اقتدار کافی مضبوط تھا، اور اُن کے مشورہ سے بادشاہ وقت کی طرف سے ایک فرمان اسی مضمون کا تمام ممالک محروسہ میں جاری ہوا تھا،

نورجہان کا نوشتہ۔ کتب خانہ میں دو نہایت نادر وصلیاں ہیں، یہ دونوں دو مشہور مغل بیگموں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہیں، ایک نورجہان بیگم کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، اور خطاطی کا بہترین نمونہ ہے، عبارت حسب ذیل ہے،

باعث انبساط شہنشاہی،

بر بیت مہ نور

از عدل شہنشاہی معمور جہان باشد

وز نور جہانگیری پر نور جہان باشد۔

نمیقۂ نورجہان سنہ ۱۰۲۹

معلوم ہوتا ہے کہ نورجہان نے یہ وصلی لکھکر جہانگیر کی خدمت میں پیش کی تھی،

زیب النساء کا نوشتہ، عالمگیر اورنگ زیب کی فاضل بیٹی زیب النساء کے علمی کمالات کا ذکر تاریخ کے اوراق میں رہ گیا ہے، اس کے نام سے علمائے وقت نے جو کتابیں تصنیف کی تھیں، ان میں سے صرف ایک کا سراغ مل سکا ہے، باقی کے صرف نام ہی نام اب تک سنے ہیں،

بیگم کو خطاطی میں بھی کمال حاصل تھا، چنانچہ نستعلیق، نسخ اور شکستہ خط نہایت عمدہ لکھتی تھی، مورخین کے اس متفقہ بیان کی تصدیق کتبخانہ حمیدیہ کی ایک وصلی سے ہوتی ہے، یہ وصلی بیگم نے عالمگیر کی خدمت میں اسوقت پیش کی تھی، جب اس نے سنہ ۱۱۱۱ھ میں مرہٹوں کے دار الحکومت ستارہ کو فتح کیا تھا، اس وصلی میں ایک شعر ہے، جس میں ستارہ کی فتح کی ایک نہایت عمدہ تاریخ کہی گئی ہے،

فتح

از معجزۂ پیمبر شق القمر عیان شد

اعجاز خسروی بین شق ستارہ آمد ستارہ

زیب النساء

بیگم کے استاد ملا سعیدائے اشرف عہد شاہجہانی کے مشہور خطاط آقا عبد الرشید دیلمی کے شاگرد تھے، شاید بیگم کو یہ فیض یہیں سے پہنچا ہو،

کتابیں، کتب خانہ کی قلمی فہرستیں موجود تھیں، سرسری نظر سے جو کتابیں یادداشت کے قابل نظر آئیں، وہ حسب ذیل ہیں،

۱- **اسناد عبد اللہ بن سالم بصری**، یہ بزرگ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے شیخ ابو طاہر مدنی کے شیخ تھے، اور علوم حدیث میں یکتائے روزگار تھے سنہ ۱۱۳۴ھ میں وفات پائی، مصنف نے اس رسالہ میں اپنے اسانید یکجا کئے ہیں، رسالہ کی کتابت سنہ ۱۲۶۹ھ میں ہوئی ہے، اس رسالہ کو الامداد بمعرفۃ علو الاسناد شیخ سالم بن عبد اللہ بن سالم بصری مکی سے ملا کر دیکھنا چاہئے، شاید وہی ہو،

۲- **العلل المتناھیہ فی الاحادیث الواھیہ**، محدث ابن جوزی کی نہایت اہم

تصنیف ہے، اس میں ضعیف و موضوع احادیث پر تبصرہ کیا گیا ہے نسخہ نیا ہے ۱۲۹۹ھ میں نقل ہوا ہے،

۳- **تفسیر وجیز واحدی**، واحدی نیشاپوری المتوفی ۴۶۸ھ کی مختصر عربی تفسیر، مصنف کی بڑی اوسط اور چھوٹی تین تفسیریں بسیط، وسیط اور وجیز کے ناموں سے ہیں، یہ وجیز کا نسخہ ہے، اس میں کوئی خاص بات نظر نہیں آئی، اس کتاب کا عمدہ نسخہ رام پور میں ہے، جو ۹۵۰ھ میں چمپانیر واقع گجرات میں لکھا گیا ہے،

۴- **تیسیر البیان فی تفسیر احکام القرآن**، مصنف کا نام محمد بن علی بن ابراہیم یمنی ہے، اس کا ایک نسخہ کتب خانہ محمودیہ مدینہ منورہ میں نظر سے گذرا، دوسرا نسخہ کتب خانہ آصفیہ حیدرآباد میں ہے، تیسرا نسخہ یہاں نظر آیا ۸۰۰ھ میں یہ کتاب لکھی گئی ہے، بھوپال کا نسخہ ۸۵۱ھ کا ہے،

۵- **صحیح بخاری** جلد اول کا ایک نہایت عمدہ مطلا نسخہ جس پر اکبر بادشاہ اور محمد شاہ کی مہریں ثبت ہیں،

۶- **الدیباج علی مسلم بن الحجاج سیوطی**، صحیح مسلم کی شرح،

۷- **زرکشی**، بدر الدین زرکشی کی شرح بخاری جسکا نام التنقیح علی الجامع الصحیح ہے، اس کتاب کے اور بھی نسخے نظر سے گذرے ہیں، مگر یہ نسخہ زیادہ قدیم معلوم ہوا ۸۰۵ھ کی کتابت ہے، اور مصنف کی وفات ۷۹۴ھ میں ہوئی ہے،

۸- **کرمانی** شرح صحیح بخاری، کتاب کا اصلی نام الکواکب الدراری علی صحیح البخاری ہے، مصنف کا نام شمس الدین محمد بن یوسف کرمانی المتوفی ۷۹۶ھ ہے، شرح کا ممتاز پہلو یہ ہے کہ اسمیں احادیث کے لغت و نحو سے خاص طور سے بحث ہے، ۷۷۵ھ میں تکمیل کو پہنچی،

۹- **ابن ابی شیبہ**، اس کتاب کے متفرق اجزاء مختلف کتب خانوں میں نظر آئے کامل کہیں نہیں دیکھی، یہاں بھی کامل نہیں، یہاں کے نسخہ پر نام مسند ابن ابی شیبہ لکھا ہے،

۱۰- **طبقات الفقہاء ابن کمال پاشا** حنفی فقہاء کے حالات میں جو چند کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں ایک اخیر کتاب یہ ہے، مصنف کا نام شمس الدین احمد بن سلیمان بن کمال پاشا ہے، سلطان سلیم کے عہد میں مشہور ترکی عالم تھے، ۹۴۰ھ میں وفات پائی، کتاب گو مختصر ہے، مگر ابن قتلوبغا کی تاج التراجم کے بعد کے لئے یہ مفید ہے، اس کا کوئی اور نسخہ نظر سے نہیں گذرا،

۱۱- **فتاویٰ واقعات المفتیین**، مصنف کا نام عبد القادر بن یوسف،

۱۲- **فتاوی اکبر شاہی**، مصنف کا نام عتیق اللہ۔

۱۳- **ارشاد** شاہ ولی اللہ صاحب کی تصانیف میں سے یہ رسالہ یہیں نظر آیا، یہ اصول حدیث میں ہے،

۱۴- **عجائب البلدان**، فارسی،

۱۵- **تاریخ افغانی**، شیر شاہ سوری کے حالات میں عبد اللطیف بیجا پوری کی تصنیف،

۱۶- **تاریخ ناصر شاہی**، مانڈو (مالوہ) کے سلطان ناصر الدین خلجی کے حالات،

۱۷- **رقعات عالمگیری**، رقعات کا یہ نسخہ دوسرے نسخوں سے الگ معلوم ہوا، اسکے مرتب کا نام آل محمد صالح ہے، اس میں پہلا خط شاہ ایران کے نام ہے، عبارت یہ ہے:-

"نامۂ اورنگ زیب بہ اورنگ آرائے ولایت طہران،"

آغاز یہ ہے:

"حمدے کہ طائران ریاض ملکوت"

۱۸- **کلیات** انوری کا ایک عمدہ نسخہ مع غزلیات و رباعیات،

اور بھی کچھ نادر کتابیں ہوں گی، جو سرسری نظر میں رہ گئی ہوں گی،

کتب خانۂ حمیدیہ کا موجودہ ذخیرہ بہرحال ترقی و تکمیل کا بہت زیادہ محتاج ہے، اس وقت بھی صرف بھوپال میں اتنی کتابیں ہیں، جن کو ایک جگہ جمع ہی کر دیا جائے، تو بہت کافی

ہو سکتا ہے، وہاں کے ایک تاجر کتب قلمی کے پاس سیکڑوں کتابیں ہیں، اگر سال میں تین ہزار روپیہ بھی قلمی کتابوں کی خریداری پر صرف کیا جائے تو بھوپال کا کتب خانہ بھی چند برسوں میں دوسری ریاستوں کے کتب خانوں کا مقابلہ کرنے لگے، مگر ابھی تو جو کچھ ہے وہ آغاز ہے، اسلاف کا سرمایہ ہندوستان سے یورپ کو بہا جا رہا ہے، ہمارے امراء کی تھوڑی سی قدر دانی کا ہاتھ اس سیلاب کو روک سکتا ہے، کیا سرکار بھوپال کی توجہ ادھر مبذول ہو سکتی ہے،

خطبات مدراس کا نیا ایڈیشن

خطباتِ مدراس کا مجموعہ جو سیرۃ نبوی کے تمام مباحث کا نچوڑ ہے، اور جو ہر طبقہ کے مسلمانوں میں یکساں ذوق و شوق سے پڑھا جاتا ہے، اس کا تیسرا نیا ایڈیشن مصنف کی نظر ثانی کے بعد چھپکر تیار ہے،

پہلا خطبہ، انسانیت کی تکمیل صرف انبیا کی سیرتوں سے ہو سکتی ہے،

دوسرا خطبہ، عالمگیر اور دائمی نمونۂ عمل صرف محمد رسول اللہ صلعم کی سیرت ہے،

تیسرا خطبہ، سیرتِ محمدی کا تاریخی پہلو،

چوتھا خطبہ، سیرتِ محمدی کا تکمیلی پہلو،

پانچواں خطبہ، سیرتِ محمدی کی جامعیت،

چھٹا خطبہ، سیرتِ محمدی کی عملیت،

ساتواں خطبہ پیغمبر اسلام علیہ السلام کا پیغام،

آٹھواں خطبہ پیغامِ محمدی،

طلبہ کے مذاق کو دیکھ کر اسکی تقطیع ۱۲×۱۸/۱۶ یعنی چھوٹی رکھی گئی، لکھائی چھپائی کاغذ بہتر، ضخامت ۲۰۰ صفحے، قیمت ۱۲؎

"منیجر"

دیوان شمس تبریز از مولینا روم

از جناب غلام دستگیر صاحب رشید ایم اے استاد فارسی نظام کالج حیدرآباد

۱۲

توحید، دین کی اہم ترین نعمت توحید ہے، اسلام کا کمال بھی توحید ہی میں پوشیدہ ہے، لازماً ارباب صفا اور مخلصین کا زیادہ تر زور اسی مسئلہ پر ہے، خالص عبدیت پیدا ہی نہیں ہو سکتی، جب تک کہ شرک کے ظاہری و باطنی سارے اعتبارات دور نہ ہو جائیں، اور بندہ بادۂ وحدت سے سرشار نہ ہو، اسلئے قرآن مجید میں سورۂ توحید کا نام سورۂ اخلاص رکھا گیا ہے، کیونکہ وہ بندہ کے اندر خالص توحید پیدا کرتا ہے، اور شرک کے امراض کا شافی علاج ہے، توحید ہی مسلک ابراہیم کا طرۂ امتیاز ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پردہ میں بنی نوع انسان کو حکم ہے، کہ مسلک وملت ابراہیم کی اتباع کریں،

مولینائے روم کے دیوان میں عناصر تصوف میں سے عنصر توحید پر سب سے زیادہ زور ہے، اور یہی ان کے مسلک کی روح ہے، توحید کے معنی صرف خدا کو ایک ماننے ہی کے نہیں ہیں، بلکہ ایک کے ہو رہنے ایک کو محبوب مقصود اور مطلوب بنانے اور ایک ہی کی رضا پر چلنے کے ہیں، مولینا نے اسکے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے، اور اس باب میں ان کا جوش کامل طور پر ظاہر ہوا ہے، ع دیکھے گویہ دیکھے میجئے واز وی ترنیں

ماسوا کے دام سے رہائی کے طالب ہیں،

خلاصم دہ خلاصم دہ خلاصم | کہ سخت افتادہ ام در دام دیگر،

منزل مقصود حق ہے،

سوے مغرب نرویم و طرف مشرق نے | تا ابد گام زناں جانب خورشید ازل

خوانده ایم انا الیہ راجعون، تا بدانی کہ کجا ہا می رویم،

توحید کا آخری مرتبہ توحید ذاتی ہے، مولانا ذکر بھی خاص طور پر اسم ذات کا کرتے تھے، معین الدین پروانہ نے سوال کیا کہ مختلف مشائخ مختلف اوراد و اذکار کے پابند ہیں حضرت کا طریق ذکر کیا ہے، فرمایا،

ذکر ما اللہ اللہ است از آنکہ ما، از الہ می آئیم و باز بالہ میرویم
(اسم ذات) (دیوان)

ع ما زادہ ذاتیم سوے ذات رویم،

ع بر رفتن ما دہید یاران صلوات،

"حق تعالیٰ جمیع انبیاء و اولیاء را از اسم مخصوص تجلی فرمودہ است تجلی ما محمدیان از اسم اللہ کہ جامع است تجلی فرمودہ است، من قل ہو اللہ احد را در دہان می دارم"

آخری جملہ میں روم کے اس صوفی اعظم نے تصوف اور کتاب و سنت کا جو ربط ظاہر کیا ہے، خاص طور پر غور و فکر کے قابل ہے، توحید کی جامعیت نسبت محمدی کے طفیل حاصل ہوئی جس کی تعلیم کا حامل سورۂ اخلاص ہی،

صاحب مناقب[2] نے مولینا کی ایک دعا نقل کی ہے، جو توحید کے تمام اعتبارات کی جامع ہی، توحید ذات اس میں غالب اور نمایاں ہے،

"اعددت لکل ھول لا الہ الا اللہ ولکل غم وھم ما شاء اللہ ولکل نعمۃ الحمد للہ ولکل رخاء الشکر للہ ولکل اعجوبۃ سبحان اللہ ولکل ذنب استغفر اللہ ولکل ضیق حسبی اللہ ولکل قضاء وقدر توکلت علی اللہ

---

[1] مناقب العارفین ص۱۴۹ مطبوعہ ستارہ پریس آگرہ کتب خانہ حیدر آباد دکن، [2] مناقب العارفین ص۱۱۱،

ولکل مُصیبة انا للہ وانا الیہ راجعون ولکل طاعة ومعصیة لاحول

ولا قوة الا باللہ العلی العظیم،

دیوان مین یہی نغمۂ توحید بطرز دیگر ہے، نفی واثبات طریقِ سلوک ہے، کلمۂ توحید میں لآ سے نفی

باطل اور اِلآ سے اثباتِ حق مقصود ہے، مولانا کی راہ یہی ہے،

لا الہ اے جان راہ الا الہ است ما ہم از لاتا بہ الا می رویم،

توحید وجودی مسئلۂ وحدت الوجود

وجود وقیام ذاتی ربّ العزت ہی کو حاصل ہے، اسی قیوم کی قیومیت سے محسوسات وعوالمِ امکانیہ قائم اور موجود ہیں، ہو الحی القیوم اگر ادھر سے فیض وجود نہ ہو تو سب عدم ہی عدم ہے، ع

تو خود دانی کہ من بے تو عدم باشم عدم باشم،

وجود کے چار اعتبار ہین، اولیت آخریت ظاہریت اور باطنیت، یہ چارون اعتبارات ذاتِ حق ہی کے ساتھ مختص ہیں، مخلوق معلوم حق ہے، جو اپنی ماہیت میں غیر ذاتِ حق ہے، یہی معنی ہیں تشبیہ مع التنزیہ کے، سبحان اللہ وما انا من المشرکین،

ھو الاول والآخر والظاھر والباطن وھو بکل شیئ علیم،

ھو الاول ھو الآخر ھو الظاھر ھو الباطن،

بجز یا ہو و یا من ہو، کسے دیگر نمی دانم،

دوئی از خود بدر کردم یکے دیدم دو عالم را یکے جویم یکے دانم یکے بینم یکے خوانم،

توحید انیت "لا الہ الا انا" کا انکشاف توحید کی نازک ترین اور اہم ترین منزل ہے، سرفرازی اور کامیابی کا یہی مقام ہے، یافتِ حق میں حجاب اکبر یہی ہے، خود شناسی کا محل اور اہمیت یہین ظاہر ہوتی ہے فیہ مافیہ[۱] میں

ؔ۱ فیہ مافیہ ملفوظات مولینا روم مطبع معارف اعظم گڈھ صد ۲۱،

مولینا نے اسکی اہمیت پر بہت زور دیا ہے،

"آنچہ ہست و با او نزدیک تر از ہمہ آنست کہ آن خودی اوست او خود را نمی داند ہمہ چیز ہا را بحل و حرمت حکم می کند کہ این جائز است و آن جائز نیست و این حلال ست و آن حرام است خود را نمی داند کہ حلال است یا حرام است، او جائز است یا ناجائز است، پاک است یا ناپاک ہست، این تجویف و زردی و نقش و تدویر بر وی عارضی است کہ چون در آتش اندازی این ہمہ نماند ذاتی شود صافی ازین ہمہ"

آگے چل کر اس سے زیادہ وضاحت فرماتے ہیں، اور توحید انیت کے حصول کی راہ بتاتے ہیں،

"پیش او دو "انا" نمی گنجد تو "انا" می گوئی و او "انا" یا تو بمیر پیش او، یا او بمیرد پیش تو تا دوئی نماند اما آنکہ او بمیرد امکان ندارد، نہ در خارج و نہ در ذہن، کہ ہو الحی الذی لا یموت، او را آن لطف ہست کہ اگر ممکن بودے برائے تو بمردے تا دوئی برخاستی اکنون چون مردن او ممکن نیست تو بمیر تا او بر تو تجلی کند و دوئی برخیزد"[1]

دیوان میں فرماتے ہیں،

غبار ہاست درون تو از حجاب منی	ز تو بروں نہ شود آن غبار یکبار
گر تو فرعون منی از مصر این بیروں کنی	در درون خانہ بینی موسی ہارون خویش

جب یہ منزلیں طے ہو جاتی ہیں تو عینیت وجودی و غیریت ذاتی کے اسرار بے پردہ ہو جاتے ہیں، اور انسان کی جامعیت معلوم ہوتی ہے، اور وہ محسوس کرتا ہے،

ما زندہ بنور کبریائیم	بیگانہ او سخت آشنائیم

توحید ارادت | توحید صفاتی میں فنائے ارادت درجۂ کمال ہے، یہ مرتبہ اس طرح حاصل ہے، کہ بندہ

[1] فیہ ما فیہ ص ۲۰

اپنی رضا کو رضائے الٰہی میں فنا کر دے،

مرا گر تو چنان داری چنینم　　　　که باشم من چه باشد مهر و کینم

اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خدا کو بندے کی رضا محبوب ہو جاتی ہے، ولسوف یعطیك ربك فترضی کا راز یہی ہے، راضیۃ مرضیۃ میں اسی مقام کا اشارہ ہے، رضی اللہ عنہ ورضوا عنہ سے مراد یہی توحید ارادی ہے،

چو در کشاکش احکام راضیت بنیند　　　　نہ رنجہا بر ہانند و مرتفات کنند،

جبتک سالک کو ایمان وعمل میں مرضی حق کی پیروی مقصود نہ ہو، اس کی نیکخوئی اور نکوکاری مقبول ومعتبر نہیں، اسکی سعی اور اسکا عمل خبط ہو جاتا ہے،

بخوے نیک اگر با جہاں بسازد کس　　　　چوں خوے حق نشناسد نہ نیکخوست بدا ست

حافظ نے کیا خوب فرمایا ہے،

از دل وجاں شرف صحبت جاناں غرض ست　　　　ہمہ اینست وگرنہ دل وجاں این ہمہ نیست

فیہ ما فیہ میں اس اصول کے متعلق لکھا ہے،

ایشان می پندارند کہ عمل این ظاہر است اگر منافق آن صورت عمل بجائے آرد ہیچ او را سود ندارد چون در و معنی صدق و ایمان نیست"، (فیہ ما فیہ ص ۸۲)

یا ایہا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم،

رہ گم نکنیم وپئے ہر غول نہ پوئیم،　　　　جز در عقب احمد مختار نہ گردیم،

(دیوان رومی)

اتباع رسالت، توحید ہی مسلک تصوف کا مطلوب اور مقصود ہے، لیکن توحید کی کنجی رسالت ہے، بادۂ حقیقت کے مشتاقون کے لئے رسول ہی میخانۂ غیبی کا دروازہ کھولتے ہین، معرفت الٰہی میں مشغول

رسول ہی کا علم اور عمل ہی علم حق رسول کو خدا سے ملتا ہے، اور رسول سے ساری مخلوق یہ فیض عظیم پاتی ہے، مولینائے روم نے پیغام رسالت اور اتباع رسالت پر بیحد زور دیا ہے، مثنوی اور ملفوظات تو ان مسائل کی تصریح اور تشریح سے بھرے پڑے ہیں، دیوان میں بھی اس کا پورا حق ادا کیا ہے بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں، کہ صوفی کو رسول سے تعلق نہیں، صوفی کا مسلک الگ ہوتا ہے، اسے تو کفر و ایمان کی تمیز ہی نہیں پیغمبر حق و باطل اور کفر و دین میں تمیز کرتے ہیں، وہ عارف روم کے ان اقوال کا بغور مطالعہ کریں تاکہ حقیقت روشن ہو جائے،

علم حق وحی انبیاے کرام اپنی طرف سے تعلیمات نہیں پیش کرتے، بلکہ خدا کی طرف سے جو کچھ ان پر وحی ہوتی ہے، اس علم حق کی تبلیغ کرتے ہین،

وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی،

"چون پیغامبر صلی اللہ علیہ وسلم مست شدے و بیخود گشتے سخن گفتے قال اللہ آخر از روے صورت زبان او میگفت اما او درمیان نہ بود گوینده درحقیقت حق بود، .... پس معلوم شد کہ او نمی گوید حق می گوید کہ وما ینطق عن الھوی[1]،

زین سبب قل گفتۂ دریا بود، گرچہ نطق احمدی گویا بود،

اسلئے جو ایمان اور عمل میں رسول کا متبع نہ ہو، وہ کبھی مقصود کو نہیں پہونچ سکتا، جو خدا کا محبوب بننا چاہتا ہے اور اپنے آپ کو مقبول بارگاہ بنانا چاہتا ہے، اس پر اتباع رسالت فرض ہے، قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ صوفی وہ ہے جو کمال اخلاص وعرفان سے اتباع رسالت کی تکمیل کرے، سالک کو جو کچھ ملتا ہے، اسی طرح ملتا ہے، اور جو کچھ ملے گا، اسی راہ سے ملیگا، کیونکہ حضور خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم جملہ کمالات کے جامع ہیں، مولانا فرماتے ہیں،

---

[1] فیہ ما فیہ ص۲۲۴ و ۲۵۰، ۲ مناقب العارفین، ص۱۴۰

لطفِ خدائے جملہ کمالاتِ خلق را، یک چیز کرد و داد بدو نام مصطفیٰ

مناقب میں مولانا نے فرمایا کہ،

"من جمیع وارثِ محمدی ام"[51]

مولینا معنوی کے علم وعمل کی بنیا د سلطان اہلِ معنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع پر ہے،

"اہلِ معنی را متابعتِ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم از جملہ واجبات است"،

مولینا کا فقر "فقر محمدی" ہے "فقر اشراقی نہیں" جسکو یہ دولت نصیب نہیں وہ احرار وابرار کی جماعت ہی میں شامل نہیں ہوتا، مولینا فرماتے ہیں،

"ہر کرا لذتِ فقرِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم روی نمود حقا کہ از لذتِ دو جہانی و اغراض فانی اعراض کردہ و فارغ شدہ و در مسلک احرار و ابرار منخرط گشتہ"[52]

مولانا کا فقر و تصوف اشراقیین کی اشراقیت، ہندی جوگیون کا جوگ یا عیسائی راہبوں کی رہبانیت نہیں، کیونکہ وہ مردِ حق اور متبعِ رسول ہیں، ان کے مسلک میں رہبانیت نہیں، بلکہ لا رھبانیۃ فی الاسلام ہے،

مسلک کی جامعیت، مولینا کا ارشاد ہے کہ "دین و دنیا یکے نمی شود، مگر مردانِ حق را"[53] فیہ ما فیہ میں بھی منشا ظاہر فرمایا ہے، اور یہی حدیث درج کی ہے، یہ مسلک نبوت کی خصوصیت ہے، کہ اس میں ظاہر و باطن کی جامعیت ہوتی ہے، اتباعِ نبوت کی وجہ سے مولینا میں بھی یہ جامعیت وحقیقت ہے اس پر انکی زندگی بھی شاہد ہے، اور ان کے ملفوظات بھی، فیہ ما فیہ میں ہے،

"ما را ہمارا دل بخدمت بود، اما می خواستیم کہ بصورت شرف شویم، زیرا کہ صورت نیز اعتبار عظیم دارد، چہ جائے اعتبار خود، مشارکست با مغز ہمچنانک کار بے مغز نمی آید"

---

[51] مناقب العارفین ص۱۴۱، [52] ر ص۲۳۶، [53] ر ص

بے پوست نیز ہم بر نمی آید؛

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ بعض متصوفین جو اپنے آپ کو ظاہر کا پابند نہیں سمجھتے، اور صرف آئے کمال باطن خیال کرتے ہیں، کہ وہ کس درجہ بجا ئی پر ہیں، یہ محض افترا اور خلاف جامعیت ہے، مولینا کے قول سے ظاہر ہے کہ کبھی انسان ظاہر سے بے نیاز نہیں ہوسکتا، جیسے جیسے ایمان کی تکمیل ہوتی ہے ظاہر باطن دونوں کے اعتبار سے مراتب اور مدارج بڑھتے ہیں، اور یہی نبوت کا رنگ ہے، اکبر مرحوم نے سچ کہا ہے،

شریعت در محفل مصطفٰےؐ ، طریقت عروج دل مصطفٰےؐ،

شریعت میں ہے صورت فتح بدر ، طریقت میں ہے معنی شق صدر

شریعت میں ہے قیل و قال حبیب ، طریقت میں حسن و جمال حبیب،

نبوت کے اندر ہیں دونوں ہی رنگ ، عبث ہے یہ ملا و صوفی کی جنگ،

اب دیکھئے کہ دیوان سے جو مسلک مستنبط ہوتا ہے، اسے کس حد تک ان اعتبارات سے ربط ہے،

فرماتے ہیں کہ فقرا الی اللہ کا اقبال رحمۃ للعالمین ہی کے دم سے ہے، ع :-

از رحمۃ للعالمیں اقبال درویشان ببیں،

کیونکہ عاشقان الٰہی کے سردار محمد مصطفٰےؐ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں،

چون مصطفٰےؐ است سرور سردار عاشقان ، جملہ مطیع او شدہ چہ شاہ و چہ گدا،

اسلئے حکم ہوتا ہے کہ اگر فقر اختیار کرنا ہو، تو راہ نسبت پیغمبر اختیار کرنی چاہئے، ع

فقر بگزیں راہ رو کاں سنت پیغمبر است،

کفر کی سیاہی نور محمدی ہی سے دور ہوتی ہے،

جامہ سیاہ کرد کفر نور محمد رسید، طبل بقا کوفت‌اند ملک مخلّد رسید

رند پاکباز جب کبھی شرابِ حقیقت کا جام نوش فرماتے ہیں، تو وسیلہ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا لیتے ہیں،

پاکانِ راہِ فقر زخمخانۂ الست جامے چو در کشند دم از مصطفٰے زنند

رسالت کی پیروی ہی سے انسان صراط مستقیم پر رہتا ہے، دوسرے طریقے غولانِ راہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس سے سالک گمراہ ہوتا ہے،

رہ گم نہ کنیم و پے ہر غول نہ پوئیم جز در عقبِ احمد مختار نہ گردیم

کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے میخانۂ غیبی کا دروازہ کھولا ہے، ع

بکشاد محمد در مے خانۂ غیبی

مقصود اتباع نور محمدی ہی سے حاصل ہوتا ہے، ان کے آگے اپنے خیالات وخطرات کے اصنام توڑ دینے چاہئیں، ورنہ شرک فی الامر ہو جائے گا،

ما چند صنم پیش محمد بشکستیم، تا در صنم دلبر و دلخواہ رسیدیم

فلک پیما و شب بیدار باشم طریق احمد مختار از اختر بگیرم،

مولینا کے سلسلۂ طریقت کے قافلہ سالار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں،

بخت جوان یار ما دادنِ جان کار ما قافلہ سالار ما فخر جہانِ مصطفٰے،

لا تموتن الا وانتم مسلمون کی فضیلت انہی اصحاب کو حاصل ہوئی، جو اخلاق مصطفوی کو اپنا شعار بناتے ہیں،

وان کہ اخلاقِ مصطفٰے جویند، چون ابوبکرؓ چون عمرؓ میرند،

دامنِ محمدی سے اپنے آپ کو حضرت بلالؓ کی طرح وابستہ کرنا چاہیئے،

رو اے احمد مختار بگیر اے عاشق صلاے عشق شنو ہر دمے ز روح بلال

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انکار سے جہل حقیقت اور کفر پیدا ہوتا ہے،

گر جاحد ایزدم جہولم، ور منکر احمدم جہودم،

ترقی اس نے کی جو بندۂ دین وکیش ہوا، کیونکہ تصوف عین منشائے شریعت کی حسن وکمال واخلاص کیساتھ تکمیل کا نام ہے،

اے خنک آنکہ بیش شد بندۂ دین وکیش شد موسیِ وقت خویش شد جانب طور میرود

پیر کی رہنمائی، علم وعمل کی ہر شاخ میں رہنمائی کی ضرورت ہے، ورنہ حیات علمی کی تعمیر ممکن نہیں اسی طرح دین میں بھی ہادی ورہنما کی ضرورت ہے، دین کے ظاہر وباطن دونوں پہلو ہیں، اسلئے کمال ایمان اور صاحب صفا بننے کے لئے ایسے آدمی کی صحبت اور ہدایت کی ضرورت ہے جس کا ظاہر وباطن آراستہ ہو، ایسے ہی شخص کو مرشد یا پیر کہتے ہیں، ہر اس انسان پر جو اخلاص اور صفا کا کمال حاصل کرنا چاہتا ہے، ایسے رہنما کی تلاش لازم ہے، وابتغوا الیہ الوسیلۃ کونوا مع الصادقین، واصبر نفسک مع الذین یدعون ربھم بالغداۃ والعشی یریدون وجھہ، (کھف)

سلوک الی اللہ کی اولین شرط یہی ہے کہ کوئی پیر حق پرست نصیب ہو، مولینا کا فرمان ہے،

"آدمی بیاید کہ آن تمیز خود را عاری از غرضہا کند، ویارے کہ جوید، در دین کہ دین یار شناسیت"[1]

مناقب[2] میں مولانا کا قول درج ہے،

"بدانی کہ بے تربیت شیخ ہیچ تربیتے نیست وہر طاعت بے براست وبے نور" من لاشیخ لہ لادین لہ

ہیچ نہ کشد نفس را جز ظل پیر، دامن آن نفس کش را سخت گیر،

---

[1] فیہ مافیہ ص۱۱۰۔ [2] مناقب العارفین ص۱۵۶،

دیوان میں مولینا نے اس مسئلہ پر انہی خیالات کا اظہار کیا ہے،

بے دولت مخدومی شمس الحق تبریز ــــــ نے ماہ تو ان دیدن و نے بحر تو ان شد

شمس الحق تبریزی صد گونہ کند دل را ــــــ گاہیش کند تنجش گاہیش سپر سازد

لیکن پیر کی صفت اور اس کا معیار یہ ہو کہ وہ ہم نفس مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہو، اور انوار مصطفوی سے اسکا دل منور ہو،

رسد بفیض تجلی شمس تبریزی ــــــ دلے کہ نور ز انوار مصطفےٰ دارد

شاہ شہے بخش جان مفخر تبریزیان ــــــ آنکہ در اسرار عشق ہم نفس مصطفےٰ ست

در ہوائے شمس تبریزی ز ظلمت درگذر ــــــ ناگہان سر برزنی در نور سبحان مجنبیں

علماے امت انبیا کے وارث ہوتے ہیں، بلکہ ان کی مثال انبیاے بنی اسرائیل کی سی ہے، اسلئے مولینا مرشد کو نبی وقت سے تعبیر فرماتے ہیں، حضرت شمس کے متعلق لکھا ہے،

بکشا دند خزینہ ہمہ خلعت پوشید،

مصطفےٰ باز بیامد ہمہ ایمان آرید،

عشق پر مسلک کمال منحصر ہے۔

تقریر بالا سے یہ ظاہر ہے کہ مولینا کا تصوف ان کا فلسفۂ حیات اور انکا مسلک یہی ہے، کہ توحید کے مراتب بکمال حاصل کئے جائیں، اور حصول مقصد کی راہ یہی ہے کہ علماً اور عملاً رسول کی پوری پوری اتباع کیجائے، اپنے دین کو خدا کے لئے خالص کیا جائے، اپنے اندر کمال اخلاص اور تسلیم پیدا ہو، نماز و عبادت میں جس طرح اپنا رخ قبلہ کی طرف ہوتا ہے، اسی طرح قلب بھی ہر وقت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہے،

ان کمالات کے حصول کے لئے ضروری ہو کہ ایک ایسے شخص کی ارادت اور صحبت اختیار کیجائے جو ان مراتب ایمانی کو حاصل کر چکا ہو، اور وہ انوار نبوت سے متنیر ہو، لیکن مولینا کی نظر میں اصولاً

سلوک کی کوئی منزل بغیر درد و طلب، عشق و محبت، تڑپ اور بے چینی کے طے نہیں ہو سکتی، جبتک دل میں محبت کا بیج نہ ہو، ایمان کا درخت پھل نہیں لا سکتا، اخلاص و رضا کا سمندر کشتی عشق ہی کے ذریعہ پار کیا جاتا ہے، فیہ ما فیہ میں ارشاد ہوتا ہے،

"دردیست کہ آدمی را رہبر است، در ہر کارے کہ ہست تا اورا درد آن کار و ہوس و عشق آن کار در درون نخیزد، او قصد آں کار نکند و آن کار بے درد اورا میسر نشود خواہ دنیا و خواہ آخرت خواہ بازرگانی خواہ بادشاہی خواہ علم خواہ عمل"

دیوان میں بھی مولانا نے عشق کا یہی مقام قرار دیا ہے، اور اسکی ایسی ہی اہمیت بیان کی ہے، فرماتے ہیں کہ عشق ہی باعثِ کائنات اور مقصودِ تخلیق ہے؎

نخست از عشق او زادم بآخر دل بدو دادم

عشق سے مقصود عبدیت اور بندگی ہے،

ہر کہ اندر عشق یابد زندگی، کفر باشد پیش او جز بندگی،

عشق کی اہمیت،

جہان درخت عمل برگ و میوۂ او عشق چو برگ و میوہ نہ باشد شجر چہ سود کند

عشق معراج است سوی بام سلطان ازل از رخ عاشق فرو خوان قصۂ معراج را

زندگی کی آخری سانس بھی اسی عشق کے پیدا کرنے میں صرف ہونی چاہیئے؎

ترا اگر نفسے ماند غیر عشق مجوئے،

عشق ہی کا اندیشہ جہادِ اکبر ہے، کیونکہ اس کی کشمکش اندیشۂ باطن کے ساتھ ہے، اس کا مقابلہ نفس کے ساتھ ہے، کیونکہ محبوبِ حقیقی کی محبت کو ماسوا کی محبت پر غالب کرنا پڑتا ہے، اور ہر فعل کو مرضی حق کے تابع کرنا پڑتا ہے، اسے نور الٰہی سے دیکھنا پڑتا ہے،

"چوں تمام او را ایمان حقیقی باشد، او ہمہ فعل کند کہ حق خواہد" (فیہ ما فیہ ص۱۳۶)

رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر، یعنی با نفس مصاف کردن جہاد اکبر است،

(فیہ ما فیہ ص۹۴)

نتیجہ اور استقامت، | یہ راہ بڑی کٹھن ہے، اس کوچہ میں صرف پائے ثبات ہی کو اذن سیر ہے، اور وہی آستانہ جاناں تک پہنچ سکتا ہے، جو صاحبِ استقامت ہے، اسی راہ کے اختیار کرنے سے انسان اپنے شرف و عظمت کے اصلی مقام پر پہنچتا ہے، اسی طریق میں اس کا نشانہ خدا پر ہوتا ہے، خلافتِ الٰہیہ کی منزل تک اسے رہنمائی ہوتی ہے، اور جب اس نے اپنے آئینہ کو غیریت کے گرد و غبار سے صاف کیا ہے، تو ہمیشہ جمالِ الٰہی اس میں منعکس ہوتا ہے، (دیوان کے اشعار فیہ ما فیہ سے ملفوظات کی مطابقت کیساتھ درج کئے جاتے ہیں،)

"وجود آدمی اصطرلاب حق است، چوں او را حق تعالیٰ بخود عالم و دانا و آشنا کردہ باشد، ان اصطرلاب وجود حق خود تجلی حق را و جمال بیچون را دمبدم و لمحہ بلمحہ می بیند و ہرگز آن جمال ازین آئینہ خالی نباشد" (فیہ ما فیہ ص۱۳)

مومن کمال ایمان کے باعث آئینۂ مومن (اسم اللہ) بنجاتا ہے، مولینا کے متعلق افلاکی کا قول ہے، کہ

"در معنی المومن، مرآت المومن لطائف می فرمود گفت اللہ را یک نام مومن است و بندہ را ہم مومن المومن مرآة المؤمن یعنی تجلی فیھا دنبہ یعنی در بندہ و مومن اللہ مومن تجلی میکند تو اگر رویت اللہ میخواہی، در آن مرات در انا بینی آنچہ بینی،

آہن من صیقل عشقش چو یافت   آئینہ کون رفت از وے آہنی

(مناقب العارفین ص۳۰۹)

نہ زبویم نہ زرنگم نہ زجسمم نہ زجانم حذر از تیر خدنگم کہ خدائیست کمانم

حق تعالیٰ انفس مومن کا خریدار ہوتا ہے، اس کی قیمت ذات اور صفات کے سارے فیوض ہیں، جسے جنت کہتے ہیں، جو ان برکات کے ظہور کا محل اور مقام رضا ہے" حق تعالیٰ ترا قیمت عظیم کردہ است، و می فرماید کہ ان اللہ اشتریٰ من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ،

تو بہ قیمت برابر جانی، چہ کنم قدر خود نمی دانی،

(فیہ مافیہ ص۳۱)

نتیجہ سلوک بقا باللہ، عاشق "ترک نفی خودی" کرچکا ہے، اب اسماے مطلق کی طرف سے اثبات دوام حاصل ہوگا، اسی کو بقا باللہ کہتے ہیں، یہی حاصل فنا ہے،

خیال ترک من ہر شب صفات ذات من گردد مرا نفی من در وے ہمہ اثبات من گردد،

یہی حیات بعد الممات کا احسن ترین مرتبہ ہے، عارف عاشق اسی لئے موت سے بے خوف ہوتا ہے، کہ موت اس کے لئے راہ وصال اور رفع حجاب ہے، مولیناؔ نے اس اصول اور اسی خیال کو ایک غزل میں تشریحاً بیان فرمایا ہے،

بروز مرگ چو تابوت من روان باشد گمان مبر کہ مرا میل این جہان باشد

جنازہ ام تو چو بینی مگو فراق فراق مرا وصال و ملاقات آنزمان باشد

فرو شدن چو بہ بینی بر آمدن بنگر غروب شمس و قمر را چرا زیان باشد

کدام دلو فرو شد کہ زآب در نامد

زچاہ یوسف جان را چرا زیان باشد

الحمد للہ کفیٰ والسلام علی من اتبع الھدیٰ،

کلام خواجہ سنائی غزنویؒ

از

جناب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خانصاحب شروانی

ستمبر سنہ حال کے معارف میں یہ مژدہ نظر سے گذرا کہ افغانستان کے ادیب فاضل سرور خان گویا نے حکیم سنائی کے کلام کا ایک نہایت نادر و قدیم مجموعہ دریافت کیا ہے، اگرچہ معارف کے فاضل مدیر نے اس انکشاف پر خوش ہونے کا حق "فضلاے ہندوستان" کے لئے مخصوص فرما دیا ہے، تاہم شرخوش نادانی شروانی بھی بیحد خوش ہوا، دو وجہ سے، اوّل ایک بیش بہا علمی سرمایہ کی یافت پر، دوم اپنے وطن کے اس فخر پر کہ وہان وہ گوہر شاہوار تابان ہوا، جس سے ایران کا دامن خالی نکلا، ہرچند شروانی کے بزرگون کو نواحِ قندھار سے آئے ہوئے پانسو برس ہو چکے، تاہم بحمد اللہ حبِ وطن کی چنگاری ہنوز سینے مین زیرِ خاکستر دوری ہے، فرطِ فخر میں جب بے مایہ شروانی نے اپنی گدڑی کو ٹٹولا تو الحمد للہ چند لعل بے بہا اس میں سے بھی نکلے، معارف پرور قلوب کی ضیافت کے لئے ذیل میں انکے جوہر نمایان کرتا ہون، یہ ضیافت مدیر معارف کی صحت یابی کی نذر تصور فرمائی جائے،

حبیب گنج کے کتبخانے میں چھ نسخے کلام سنائی کے ہین، دو مطبوعہ، چار قلمی،

مطبوعہ میں :-

۱- پہلا نسخہ مثنوی حدیقہ سنائی کا ہے، جو ۱۳۰۴ھ میں مطبع نولکشور میں چھپا تھا، اس میں خاص بات وہ دیباچۂ نثر ہے، جو خود سنائی نے حدیقہ پر لکھا تھا، مطبع نے اسکو شارحِ حدیقہ و مثنوی

معنوی خواجہ عبد اللطیف عباسی کی شرح سے نقل کر کے فیض عام کر دیا ہے، دوسری خاص بات یہ ہے کہ خواجہ موصوف کی شرح حدیقہ مسمّیٰ بہ لطائف الحدائق حاشیہ پر چڑھا دی ہے، شارح عباسی نے شرح کے مقدمے میں نسخہ حدیقہ کے اہتمام تصحیح کی تشریح کرتے ہوئے، اُس نسخہ کا ذکر کیا ہے جو دور اکبری کے امیر عزیز خان کوکلتاش نے حکیم سنائی کے مزار سے حاصل کیا تھا، اور جو عہدِ مصنف کے قریب ہی زمانہ میں لکھا گیا تھا، مطبوعہ نسخہ جلی قلم خوشخط ہے،

۲- دوسرا نسخہ مطبوعہ وہ ہے جو نواب علاؤ الدین خاں علائی مرحوم والی لوہارو نے اپنے مطبع فخر المطابع واقع لوہارو میں چھپوایا تھا، خود تصحیح کی تھی، خود شرح بھی لکھی تھی، جس کا نام ہے طریقہ بر حدیقہ، جو حاشیے پر چڑھی ہوئی ہے، یہ ۱۲۹۰ھ مطابق ۱۸۷۳ء میں لکھی گئی، ایک خاص لطف اس نسخے کا یہ ہے کہ علائی مرحوم کی طرف سے قاضی حسام الدین سکندر آبادی کو ہدیۃً بھیجا گیا تھا، یہ نسخہ صرف مقصد اول تک چھپا ہے،

قلمی چار نسخوں میں،

۳- ایک نسخہ مثنوی حدیقہ کا ہے، یہ نسخہ ۱۰۳۶ھ کا لکھا ہوا ہے، مقابلہ شدہ ہے،

۴- دوسرا قلمی مجموعہ قصائد وغیرہ کا ہے، جو بلحاظ خط و کاغذ نوادر میں سے ہے، ۸۵۰ھ میں امام علی کرمانی نے لکھا تھا، پورے ساڑھے چار سو برس گذر جانے پر بھی کاغذ کی آب و تاب اور مضبوطی قابل دید ہے، اس میں پانسو چوبیس صفحے ہیں، ان میں سے ۴۰۵ صفحوں پر قصائد و غزلیات ہیں، ۱۶ صفحے ہجویات کے ہیں، ہجو کے بعد مرثیے ہیں، مرثیوں کے بعد مقطعات، مقطعات کے بعد رباعیات، رباعی میں یہ بات قابل لحاظ ہے، کہ ردیف و قافیہ چاروں مصرعوں میں یکساں ہے، رباعیات پر نسخہ ختم ہو جاتا ہے،

۵- تیسرا قلمی مجموعہ جسکا حجم چھ سو چھ صفحات کا ہے ۱۲۱۰ھ میں بمقام آگرہ لکھا گیا،

کاتب کا نام نہیں،

اس مجموعے میں اول قصائد ہیں، جو حمد، نعت، الزہد والحکمۃ اور مدح میں ہیں، قصائد کے بعد غزلیات ہیں (جو ردیف وار مرتب نہیں) غزلیات کے بعد معمیات، ہجویات قطعات و رباعیات ہیں، اس حصے کا نام الحدائق فی الخلائق ہے، دوسرا حصہ جو مستقل رسالے کی شکل میں ہے المسمی "بہ کارنامہ از بلخ بہ غزنین فرستادہ"، تیسرا حصہ مثنوی مسمی بہ سنائی آباد و حدیقۃ الحدیقہ، چوتھا حصہ مثنوی کنوز الرموز اس مثنوی سے پہلے ایک قصیدہ شیخ الاسلام محمد بن منصور کی مدح میں ہے،

معلوم ہوتا ہے کہ اس مجموعے کے بعض حصے اول و آخر سے کم ہیں، اسلئے کہ اسکی ابتدا اگرچہ بسم اللہ سے ہے تاہم شروع کا عنوان ہے، "قسم دوم در توحید رب العالمین جل جلالہ" آخری حصے کا عنوان ہے، "قسم دہم مثنویات، اول کنوز الرموز، سیر العباد الی المعاد و مراتب حال انسانی" آخر کی دو مثنویاں مجموعۂ ہذا میں نہیں ہیں، صرف کنوز الرموز ہے،

۴- چوتھا قلمی حصہ "مکاتیب سنائی" کا ہے، تقطیع چھوٹی خوشخط نسخ، ۱۲ خط ہیں، ایک خواجہ احمد بن مسعود کے نام جن کی فرمایش سے حکیم سنائی نے اپنا دیوان مرتب کیا تھا، ایک خط خواجہ قوام الدین وزیر عراق کے نام ہے، ایک حکیم عمر خیام کے نام، باقی علی ہذا القیاس، حکیم عمر خیام کے القاب میں فرید الزمانی فریع الدہر لکھا ہے، درمیان خط میں ایک جگہ پیشوائے حکیماں کے لفظ سے خطاب کیا ہے، مکاتیب کی تحریر کا سنہ اور کاتب کا نام درج نہیں، خط اور کاغذ کے انداز سے نسخہ قدیم معلوم ہوتا ہے،

اسلام سوڈان میں[1]

مترجمہ

مولوی محمد یوسف صاحب فاضل دار السلام عمرآباد (مدراس) رفیق دار المصنفین،

اسلام کا مولد و منشا ایشیا ہے، اور سوڈان افریقہ کا ایک ٹکڑا ہے، جو نیل کی وادی سے ملا ہوا ہے، پھر اسلام سوڈان کے دور دراز علاقہ میں کب اور کیسے پہنچ گیا، اور وہان کی اجتماعی زندگی پر اسکا کیا اثر پڑا،

انگریزی مصری سوڈان افریقہ کا وہ علاقہ ہے، جو شمال و جنوب میں وادی حلفا کے شمالی شہر فرس اور وکٹوریا، اور نیانزا کی جھیلوں کے مابین اور مشرق و مغرب میں بحر احمر کے ساحل اور سلطنت ودا ای کے درمیان واقع ہے،

تاریخ سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ علاقہ حبشہ زیریں کی سلطنت میں شامل تھا، جو قدیم مصری، ایرانی، یونانی اور رومی سلطنتوں کے معاصر تھی، اسکے دو پائے تخت تھے، ایک شہر نبتہ جو نیل کے پورب چوتھی آبشار کے قریب برکل پہاڑ کے کنارے پر واقع ہے، دوسرا شہر مروی جو موجودہ زمانہ کے حلۃ البجراویہ کے قریب شمالی شہر شندی سے تقریباً پچاس کیلو میٹر دور واقع ہے، حبشہ کی یہ سلطنت رومی سلطنت کے آخری زمانہ یعنی ۶۴۰ء تک قائم رہی، جس کے بعد اس کے دو ٹکڑے ہو گئے،

۱۔ مملکت نوبہ، جو نیل کے کنارے پہلی آبشار اور حبشہ کے درمیان واقع تھی،

۲۔ مملکت بجہ جو مشرقی صحرا میں قائم تھی،

قدیم مصریوں کی طرح ان دونوں مملکتوں کا مذہب بھی بت پرستی تھا، جب ۵۴۵ء کے قریب

[1] ترجمہ از الفتح مصر مورخہ ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ

مصر میں نصرانیت کا ظہور ہوا تو اسکندریہ کے نصرانی داعی مسیحیت کی تبلیغ کی غرض سے نوبہ کے علاقوں میں پہنچے، اور وہاں کے باشندوں کو بت پرستی کے چھوڑنے اور مذہب عیسوی کے قبول کرنے کی دعوت دی، چنانچہ تمام نوبیون نے اس دعوت پر لبیک کہا، اور بت پرستی کے بجائے دین عیسوی کو اپنا مذہب قرار دیا،

اس کے بعد نوبہ میں نصرانیون کی دو سلطنتیں ہوگئیں، ایک نوبۂ زیریں جو پہلے اور چوتھی آبشار کے درمیان واقع تھی، اس کا پائے تخت دنقلا العجوز تھا، جو نیل کے پورب موجودہ دار الحکومت دنقلا کے جنوب میں واقع ہے، دوسری نوبۂ بالا جس کو مورخین اسلام مملکت علوہ اور سوڈانی مملکت فنج کے نام سے یاد کرتے ہیں، جو چوتھی آبشار اور شہر سنار کے درمیان پھیلی ہوئی تھی، اس کا پایہ تخت شہر سوبہ تھا، جو نیل ازرق کے دائیں کنارے شہر خرطوم سے تقریباً ۲۴ کیلومیٹر دور جنوب میں واقع تھا،

مسلمانوں نے ۲۰ھ مطابق ۶۴۰ء میں مصر کو فتح کیا، اسکے بعد ہی سے مشرقی صحرا کی مملکت بجہ کے باشندوں کے ساتھ عربوں کا میل جول شروع ہوگیا، انھوں نے ان کو اسلام کی تعلیم دینی شروع کی، چنانچہ وہاں کے باشندوں نے اسلام تو قبول کر لیا، مگر ان میں ضعیف الاعتقادی اب تک موجود تھی، جیسا کہ آگے آئے گا،

فتح مصر کے بعد سے مسلمان عرب نوبہ کی دونوں سلطنتوں میں بھی آنے جانے اور وہاں کے لوگوں کو بتدریج اسلام میں داخل کرنے لگے تھے، یہانتک کہ ۲۱ھ میں مسلمانوں کو ایک چھوٹی سی جبری لڑائی لڑنی پڑی، اس میں عرب بری طرح مجروح ہوئے، اور آنکھین ضائع کرکے لوٹے، کیونکہ نوبہ کے باشندے بہت اچھے تیرانداز تھے، چنانچہ مسلمانوں نے ان کا نام ہی رماۃ الحدق یعنی "آنکھوں پر تیر چلانے والے" رکھ دیا تھا،

لڑائی کے اس برے نتیجہ نے حضرت عمرو بن العاصؓ کو بہت ہی برانگیختہ کر دیا، انھوں نے

عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کی سرکردگی میں نوبہ زیرین کے ساتھ جنگ کرنے کے لئے بیس ہزار کا ایک لشکر روانہ کیا، ایک زمانہ تک یہ لشکر وہاں پڑا رہا، آخر حضرت عمروبن العاصؓ کی طلبی پر نوبہ کی مملکت سے یہ صلح کرکے واپس چلا آیا، کہ وہ سالانہ مصر کے والی کو ایک مقرر رقم بھیجا کرے گی،

اس کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ کی شہادت اور حضرت عثمانؓ کی خلافت اور حضرت عمروؓ ابن العاص کی معزولی، اور ان کی جگہ عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کی تولیتِ مصر کا واقعہ پیش آیا، نوبہ نے فوراً صلح توڑ دی، اور نوبیوں کی ایک جماعت نے صعید مصر پر تاخت و تاراج کی، اسلئے عبد اللہ ابن سعد بن ابی سرح نے دوسری مرتبہ ان سے جنگ کرنے کا عزم کرلیا، اور حضرت عثمانؓ کی خلافت کے زمانہ یعنی ۳۱ھ میں ایک عظیم الشان لشکر کیساتھ دنقلا العجوز کا سخت محاصرہ کرلیا، اور منجنیق کے ذریعہ ان پر پتھر پھینکنا شروع کیا، اہلِ نوبہ منجنیق چلانا نہیں جانتے تھے، جب ان کا کلیسا ان پتھروں سے تباہ ہونے لگا، تو وہ ڈر گئے، ان کے سردار فلیدرون نے صلح کی درخواست کی، اور خود عاجزی اور مسکنت کیساتھ عبد اللہ بن سعد کے سامنے حاضر ہوا، انھوں نے اسکی بڑی تعظیم و تکریم کی، اور اس کے مرتبہ کو بلند کیا، اور سالانہ تین سو ساٹھ غلاموں کی ادائگی پر اس سے صلح کر لی، اور اس سے یہ بھی وعدہ کیا کہ وہ سالانہ اناج بھیجا کریں گے، کیونکہ فلیدرون نے ان سے اپنے ملک میں اناج کی قلت کی شکایت کی تھی، عبد اللہ بن سعد نے جو صلح کی تھی وہ حسب ذیل ہے،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"امیر عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح کی طرف سے نوبہ کے سردار اور اس کی مملکت کے تمام باشندوں کے لئے یہ عہد ہے کہ جس کی تعمیل اسوان سے لیکر ارض علوہ تک نوبہ کے ہر چھوٹے اور بڑے آدمی پر فرض ہے، عبد اللہ بن سعد نے تمھارے لئے امان، اور تمھارے اور مسلمانوں اور اہلِ ذمہ کے درمیان صدقہ جاریہ مقرر کیا ہے، اے نوبہ کے باشندو! تم

اللہ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امان میں ہو، ہم اسوقت تک تم سے جنگ نہین کرین گے مگر جب تک تم ہمارے اور اپنے درمیان کی ان شرطوں پر قائم رہوگے، کہ تم ہمارے شہروں میں داخل ہوگے، مگر اقامت نہیں اختیار کروگے، جو مسلمان یا معاہد تمھارے شہروں میں داخل ہوگا، ان کے واپس ہونے تک تم ان کی حفاظت کروگے، ہر اُس غلام کو جو مسلمانوں کے پاس سے بھاگ کر تمھارے پاس آئے، اسکو مملکت اسلام کی طرف لوٹا دوگے، اس کی سرپرستی یا چاپلوسی قبول نہ کروگے، اور نہ اس مسلمان کو منع کروگے، جو غلام کو گرفتار کرنے کے لئے تمھارے شہروں میں آیا ہے، تم پر اس مسجد کی حفاظت لازمی ہے، جس کو مسلمانون نے تمھارے شہر میں تعمیر کیا ہے، اور کسی نماز پڑھنے والے کو اس مسجد سے نہ روکوگے اور تم پر اس مسجد کی تزیین و تکریم بھی ضروری ہے، تم پر واجب ہے کہ سالانہ تین سو ساٹھ غلام جو اوسط درجہ کے ہوں، ان میں کسی قسم کا عیب نہ ہو، مرد و عورت دونوں ہوں، بالکل بوڑھے یا بچے نہ ہون، اسوان کے والی کو بھیجا کرو، ارض علوہ سے اسوان تک کے کسی مسلمان پر یہ ضروری نہیں کہ تمھارے دشمن کو دفع کرے، اگر تم نے کسی مسلمان کو پناہ دی یا کسی مسلمان اور معاہد کو قتل کیا، یا کسی مسجد سے تعرض کیا، جس کو مسلمانون نے تمھارے شہر میں تعمیر کیا ہے، یا تین سو ساٹھ غلامون کے روانہ کرنے میں کچھ کمی کی، تو اس سے یہ صلح و امان بالکل بری ہے، ہم نے اور تم نے اس پر یکسان وعدہ کیا ہے، یہانتک کہ اللہ تعالیٰ ہمارے درمیان فیصلہ کرے، اور وہی بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، اسی پر خدا کا عہد اور میثاق ہے، اس کا اور اس کے رسول کا ذمہ ہے، اور ہمارے لئے تم پر مسیحؑ حواری اور تمھارے دین و ملت کے بزرگوں کا ذمہ ہے، اور اس پر ہمارے اور تمھارے درمیان اللہ تعالیٰ گواہ ہے، عمر بن شرحبیل نے رمضان ۳۱ھ میں اسکو لکھا"

اس جزیہ کا نام جو نوبہ کی حکومت سالانہ ادا کرتی تھی، بقط تھا، یہ بقط ہمیشہ وصول ہوتا رہا، یہانتک کہ تمام نوبہ اسلام کا حلقہ بگوش ہوگیا، "بقط" کی یہ مقدار بیت المال کے لئے تھی، اسکے علاوہ امیر مصر کے لئے چالیس غلام، والی اسوان کے لئے جو بقط وصول کرتا تھا بیں، اسوان کے حاکم کے لئے جو بقط کی وصولی کے وقت حاضر ہوتا تھا پانچ اور اسوان کے بارہ انصاف پسند گواہوں کے لئے جو حاکم کے ساتھ آتے تھے، ہر ایک کو ایک غلام کے حساب سے بارہ غلام مقرر تھے، اس جگہ کا نام جہاں بقط لیا جاتا تھا، "قصر" تھا، جو اسوان سے چھ میل دور تھا،

یہ جو کچھ تھا، نوبۂ زیرین کے متعلق تھا لیکن نوبۂ بالا جو مورخین اسلام کے نزدیک مملکت علوہ اور سوڈانیوں کے نزدیک مملکت فنج کہلاتی تھی، طلوع اسلام کے زمانہ ہی سے عربوں کی ہجرت گاہ بنی ہوئی تھی، ہجرت کا راستہ اکثر مصر سے ہوتا تھا، اور سمندر سے بہت کم، اسکے اسباب اجتماعی تھے، جیسے حکام کے ظلم سے فرار ہونا، یا رزق کی طلب میں نکلنا، یا سیاسی و دینی حقوق کی پامالی کی وجہ سے ہجرت کرنا، ان کے علاوہ ایک اور سبب بھی تھا، یعنی قول و عمل سے اسلام کی تبلیغ کا جذبہ،

جب والی مصر اور نوبہ زیرین کے درمیان اتحاد ہوگیا، تو ہجرت کے لئے جگہ نکل آئی، اور عرب کثرت سے سوڈان کی طرف ہجرت کرنے لگے، عربی قبائل میں جن قبیلوں نے بہت زیادہ تعداد میں ہجرت کی وہ جہینہ اور بنو عباس تھے، نوبی عنصر پر عربی عنصر کے غالب ہوجانے کے باوجود سارے شہر شاہ فنج ہی کے فرمانبردار رہے، یہاں تک کہ سنار کے فرنگیوں نے بغاوت کی، اور عربوں کو ساتھ لیکر فنج کے شہروں پر حملہ کیا، اور بے دریغ ان کا خون بہایا، اور مملکت علوہ کے پایۂ تخت سوبہ کو ایسا تباہ و برباد کیا کہ سوڈان میں وہ ضرب المثل بن گیا، پھر انھوں نے مملکت فنج کے دوسرے پایۂ تخت شہر قرمی پر چڑھائی کی، اور وہاں کے بادشاہ کو قتل کر کے شہر پر قبضہ کرلیا، اور سنار میں اپنی حکومت کی بنیاد رکھی، عربوں نے بھی شیخ کے لقب سے ایک شخص کو اپنا سردار مقرر کیا، اور شہر

قری کو اپنا مرکز قرار دیا، اس طرح سے اسلام نوبہ کے زیرین اور بالا دونوں حصوں میں پھیل گیا، اور نیل کے اطراف پہلی آبشار سے لیکر فازوغلی کی پہاڑیوں تک اور نیل ازرق وارض جزیرہ کا پورا ٹکڑا خالص اسلامی بنگیا،

۷۱۰ھ مطابق ۱۳۱۰ء تک اسلام نے نوبۂ زیریں کے پورے ٹکڑے کو گھیر لیا، اور ہم کو معلوم ہے، کہ وہان ۲۱ھ میں اسلام داخل ہوا تھا، اور پورے نوبہ بالا کو ۹۱۰ھ مطابق ۱۵۰۵ء میں اسلام نے اپنا حلقہ بگوش کرلیا،

حبشۂ زیریں کی دوسری مملکت جو بجہ کے نام سے مشہور تھی، اور جس کے متعلق ہم نے پہلے اشارہ کیا تھا، کہ وہاں اسلام ان عربون کے ساتھ داخل ہوا تھا، جو ۲۱ھ کی فتح مصر کے بعد وہان آنے جانے لگے تھے، اور اہل بجہ کیساتھ عربوں کا میل جول شروع ہوا تھا، یہ مملکت اسلام کے پہلے صابی تھی، اسکے باشندے بت پرست تھے، ان میں کے ہر ایک قبیلہ کا ایک کاہن ہوتا تھا، جس کے لئے چمڑے کا ایک خیمہ بنا دیا جاتا تھا، اور یہی خیمہ ان کا معبد بھی تھا، جب کبھی اس کاہن سے ایسے امر کے متعلق جس میں غیب کی بات معلوم کرنی ہوتی، خبر دریافت کیجاتی، تو وہ تنہا پیٹھ کی طرف سے خیمہ میں داخل ہوجاتا، پھر ایسی حالت میں باہر آتا، کہ اس پر ہذیان و اضطراب یا صرع کی سی کیفیت طاری رہتی، اور وہ لوگون سے کہتا کہ شیطان نے تم کو سلام کہا ہے، اور ایسا اور ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ وہ لوگ اس کو سچ جانکر اس پر عمل کرتے تھے،

۳۱ھ میں جب عبد اللہ بن سعد نوبہ کی لڑائی سے واپس آئے، تو بجہ کی ایک جماعت جو ضعیف الاعتقادی کیساتھ شرف اسلام سے مشرف ہوئی تھی، ان کے پاس آئی، اور ان سے اپنی اور اپنے ملک کی پوری حالت بیان کی، مگر عبد اللہ نے کچھ توجہ نہ کی، اور نہ ان سے کوئی صلح کی، ان کو انکی حالت پر چھوڑ دیا، اس حالت میں کہ ان کا ایمان کمزور تھا، اور اسلام ان کے دلوں کی تہ تک نہیں پہنچا تھا، انھون

نے کسی لشکر کے دباؤ سے اسلام نہیں قبول کیا تھا، بلکہ اجتماعی یا قبی رغبتوں سے اسلام کو مان لیا تھا، انکے نام بالکل مٹے چلے تھے، ان کا تدین محدود اور ضعیف تھا، یہانتک کہ پہلی صدی ہجری کے اخیر میں عبد اللہ ابن حجاب سلوبی نے ان سے ان شرطوں پر صلح کرلی، کہ وہ ہر سال تین سو اونٹ دیا کریں گے سواحلِ مصر میں تاجروں کی حیثیت سے داخل ہوں گے، وہاں اقامت نہیں اختیار کرین گے، کسی مسلمان یا ذمی کو قتل نہیں کریں گے، اگر کسی کو قتل کیا، تو پھر اس کے لئے کوئی عہد نہ ہوگا، نیز مسلمانوں کے بھاگے ہوئے غلامون کو پناہ نہیں دیں گے، اور جب ان کے شہرون میں فرار شدہ غلام آئیں گے، تو اُن کو واپس کر دیں گے، اور ان کا ایک وکیل سواحلِ مصر میں مسلمانوں کے پاس بطور رہن کے رہا کرے گا،

لیکن بجہ کی مملکت اس صلح پر قائم نہ رہی، بلکہ مسلمانون کو اذیت پہنچانے لگی، اس زمانہ میں اسوان کے والی عراق سے مقرر کئے جاتے تھے، اسلئے اسوان کے والی نے خلیفہ مامون عباسی کو تمام حالات سے مطلع کیا، اس نے ۲۱۶ھ میں عبد اللہ بن جہم کو اس سے جنگ کرنے کے لئے روانہ کیا، عبد اللہ نے اس کے ساتھ بہت سی خونریز لڑائیاں لڑیں، یہانتک کہ وہ صلح کی طالب ہوئی، چنانچہ کنون بن عبد العزیز نے بجہ کے سردار اور عبد اللہ کے درمیان ایک طویل صلح نامہ لکھا جس کے ذریعہ سے اسلام اور مسلمانون کی حفاظت کی پوری بندش کی گئی، اور یہ ثابت کیا گیا کہ انکی پوری مملکت یعنی اسوان لیکر دھلک و باضع تک جو کچھ ہے، وہ خلیفہ مامون کی ملکیت ہے، اور اس کی رعایا امیر المومنین کی غلام ہے، مگر وہ پہلے کے مانند اب بھی بجہ کا سردار اس شرط بھی رہے گا، کہ وہ سالانہ سو اونٹ یا تین سو دینار مسلمانوں کے بیت المال میں داخل کرے، نیز امیر المومنین اور اسکے والیوں کو اس کی مملکت پر تصرف کرنے کا پورا اختیار ہوگا، اور جو شخص نبی کریم صلعم، قرآن مجید اور مذہب اسلام کی شان میں گستاخی کرے گا، اہلِ حرب کے مانند اس کا خون بھی حلال ہوگا، ان کے علاوہ اور بھی

شرائط تھے، جن کی وجہ سے وہاں سلطانِ اسلام کا اقتدار بڑھ گیا،

سنہ ۲۳۲ھ تک بجہ کی مملکت اس صلح پر قائم رہی، اس کے بعد وہان کے باشندون نے اس عہد کو توڑ دیا، اور سواحلِ مصر پر حملہ کرکے وہان کے چند مسلمانون کو قتل کر دیا، یہ خلیفہ متوکل کا زمانہ تھا، جب اسکو عہد کے توڑنے کی اطلاع ہوئی، تو اس نے ارکانِ دولت سے مشورہ لیا، لیکن راستہ کی مشکلات کی وجہ سے کوئی فوج نہ بھیج سکا، اس سے بجہ والون کی ہمت اور بڑھ گئی، اور ان میں سرکشی یہانتک بڑھی کہ صعید مصر کے باشندے ان سے خوف کھانے لگے،

یہ دیکھکر متوکل نے محمد بن عبد اللہ القسمی کو اسوان کا والی بنا کر بھیجا، اور اقفر اسنا اور ارمنت کے مواضع اسکی ماتحتی میں دیے، اور اسے حکم دیا کہ بجہ کے ساتھ جنگ کرے، اور عامل مصر عقبہ بن اسحاق کو لکھا، کہ لشکر وغیرہ سے اس کی مدد کرے، چنانچہ محمد بن عبد اللہ القسمی نے بیس ہزار سوار اور پیادون کے ساتھ بجہ کی طرف کوچ کیا، اور سات کشتیاں جو آٹا، زیتون، کھجور اور جو سے بھری ہوئی تھیں، بحر قلزم کے ذریعہ مملکت بجہ کے ساحل پر روانہ کین، اور ان کو ہدایت کر دی، کہ وہ سمندر سے ہوکر لشکر سے آملیں، اس لڑائی میں مسلمانون نے بڑی ثابت قدمی دکھائی، اور انھوں نے بجہ والوں کی ایک کثیر تعداد کو قتل کیا، یہان تک کہ اون کے سردار علی بابا نے امان طلب کی،

سنہ ۲۴۱ھ میں یہ معرکہ پیش آیا تھا، اس کے بعد سے مملکت بجہ میں ہمیشہ کے لئے سکون ہوگیا، اور مسلمانون نے ہر طرف پھیل کر اسلام کی تبلیغ شروع کر دی، یہانتک کہ نوبہ و بجہ کی دونوں مملکتیں خالص اسلامی بن گئیں، اور مشرقی جہت میں سواکن سے لیکر مصوع تک اور نیل ابیض کا پورا علاقہ مشرف باسلام ہو گیا،

اس طرح سے پورا وہ علاقہ جو مشرق و مغرب میں سواحلِ بحر احمر اور نیل ابیض کے

درمیان اور شمال وجنوب میں پہلی آبشار اور فازوغلی کی پہاڑیوں کے درمیان پھیلا ہوا تھا، نورِ اسلام سے منور ہو گیا،

اس پر میں اتنا زیادہ کرنا چاہتا ہون کہ شمالی افریقیہ کے بربری مسلمانون کے ساتھ عرب بھی دارالفور پہنچے، اور انھوں نے وہاں کے لوگون کو مذہب اسلام کی تعلیم دینی شروع کی جس کی وجہ سے ایک دوسرا اسلامی ٹکڑا نکل آیا، جو پہلے اسلامی ٹکڑے سے کردفان میں مل جاتا ہے، اسکی وجہ سے وادی نطرون سے لیکر بحرالغزال تک کا پورا ٹکڑا بھی اسلام کا حلقہ بگوش ہو گیا، آج پورے سوڈان میں کوئی علاقہ ایسا باقی نہیں ہے، جہاں اسلام پھیل نہ گیا ہو، یہانتک کہ بحرالغزال اعالی نیل یعنی فاشودہ (یہ دونون گذشتہ سال ایک دوسرے میں ملا دئے گئے، جس کی وجہ سے ایک ہی کمشنری ہو گئی، جو آج کمشنری استوائیہ کے نام سے مشہور ہے) اور کردفان کے بعض حصے جو ابتک بت پرستی میں مبتلا تھے، ان میں بھی مسلمان تاجرون کی کوشش سے اسلام پھیل گیا ہے، حالانکہ یہ کام علمائے اسلام کی طرف سے ہونا چاہئے تھا، جن پر ان عیسائیوں کے مقابلہ میں مذہب اسلام کی اشاعت واجب تھی، جو تعلیم اور شفاخانوں کے نشر و اشاعت سے دینِ مسیحی کو ہر جگہ پھیلا رہے ہیں، سوڈانی مسلمان سپاہیون نے بھی جو اپنی مدتِ ملازمت ختم کر کے وطن واپس ہوئے تھے، اسلام کی اشاعت میں تاجرونکی بہت کچھ مدد کی ہے،

یہانتک کہ صرف اس کا بیان تھا کہ اسلام سوڈان میں کیونکر داخل ہوا، لیکن وہاں کی اجتماعی زندگی پر اس کا اثر تو اس نے وہاں بھی اپنا اتنا ہی اچھا اثر ڈالا جتنا کہ اس نے دوسرے ملکون پر کیا تھا، کیونکہ اسلام عدل، صدق، اخلاص، مساوات اور ایک مجموعی عبارت میں فطرت اور ذوقِ سلیم کا دین ہے، پس اجتماعی زندگی کی پاکیزگی اور قربانی و ایثار کرنے میں غالباً سوڈانی دوسری قوموں سے زیادہ فطرت کے قریب ہیں، ایک سوڈانی مسلمان اپنے مسلمان بھائی کے لئے محبت کرنے والا اور مخلص مددگار

ہوتا ہے، وہ اپنے معاملات اور لین دین میں سچا اور اچھی نیت والا ہوتا ہے،

دنیا کی دوسری قوموں سے سوڈان کی علحدگی نے اسکو اب تک تمام برائیوں سے بچائے رکھا، اب جب کہ دوسری قومون کیساتھ ربط وضبط اور مواصلات میں آسانیاں پیدا ہو رہی ہیں میں نہیں جانتا کہ آیندہ اس کا کیا حال ہوگا، سوڈانی مسلمانوں کا تمدن بھی عجیب وغریب ہے، شروع ہی سے سوڈانی مسلمان ایک ہی طرح پر زندگی بسر کرتا ہے، اور ایک ہی طرح فکر کرتا ہے معلوم نہیں، کہ اس کے بعد اسکی اسلامی حالت کیا ہو گی،

میں چاہتا تھا کہ سوڈان کی مذہبی زندگی پر پوری طرح بحث کرون، کیونکہ مجھے نظر آتا ہے، کہ اس میں ایسے قوی اسباب موجود ہیں، جو سوڈانیون کو تنظیم پر برانگیختہ کر سکتے ہیں، سوڈانی قوم ایک چٹان ہے، جس پر تنظیم کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے، میں اس جگہ کے اجتماعِ نقیضین پر تعجب کرتا ہون لیکن تعجب کیوں ہو، اگر ہم کتاب اللہ اور سنتِ رسول کی روشنی میں سوڈانیوں کی زندگی پر غور کرینگے تو معلوم ہوگا، کہ ان کی زندگی بالکل مذہبی ہے، اور مذہبی استقلال ان میں اب تک موجود ہے، اس کے آثار مصر میں بھی پائے جاتے ہیں، جو اسلام کی ہدایت وعرفان کے پھیلنے کی جگہ ہے، اسلئے ہم بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں، کہ سوڈان نے اسلام کی دولت سے بہت اچھا حصہ پایا ہے،

عباسی دربار کے اثرات

عربی ادب و ثقافت پر

از جناب عبد القیوم صاحب ایم اے ریسرچ اسٹوڈنٹ پنجاب یونیورسٹی۔

بنی امیہ کے زوال کے بعد تاریخِ اسلام میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا، نئی ثقافت کی بنیاد رکھی گئی، نئے تمدن و معاشرت کو جو عربی تمدن سے مختلف تھا، قبول کیا گیا، اور نئے نئے خیالات نے عقائد و ادب میں جگہ حاصل کی، نئے علوم اور نئے عہد سے عباسیوں کے دربار میں جنم لے کر پروان چڑھے،

بعض لوگ تعصب یا محدود مطالعہ کی وجہ سے بنو امیہ کو اس بنا پر برا کہتے ہیں، کہ انھوں نے کوئی ٹھوس علمی خدمت انجام نہیں دی، اور ان پر تنگ خیالی کا الزام عائد کرتے ہیں، کہ حریتِ فکر کا کوئی نتیجہ ان کے عہد میں بروے کار نہیں آیا، یہ لوگ دونوں کے زمانۂ حکومت کے فرق کو نظر انداز کر جاتے ہیں، اگر بنی امیہ کو بھی اتنی طویل حکومت کا موقع ملا ہوتا، تو وہ یقیناً بنو عباس سے کہیں زیادہ خادم دین وعلم ثابت ہوتے، بنو امیہ کی علم پروری اور حریتِ فکر کے نتائج دیکھنے کے لئے اندلس کے حالات پر نظر ڈالنی چاہئے، کہ کس سرعت اور برق رفتاری کے ساتھ میدان علم و عقل میں وہ سب سے آگے بڑھ گئے،

چند خصائص یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ مختلف قوموں اور ملکوں کے خاص خاص امتیازات ہوتے ہیں، جو انھیں رنگ، نسل، لسانی اور جغرافیائی حدود کے ساتھ ساتھ فکر و تدبر، طرز بود و ماند، عقل و دانش اور علم و عمل میں ایک دوسرے سے الگ کرتے ہیں، اور یہ چیزیں اقوام کے ملکی و طبعی حالات تاریخی روایات

حکمران افراد کی ذہنیت و سلوک، مصلحین اور قائدین کے طرزِ عمل، اور سیاسی اور معاشرتی نظام سے اثر پذیر ہوتی ہیں،

جب مختلف قومیں ایک حکمران کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں، تو مذکورۂ بالا وجوہ کی بنا پر ایک شاندار تمدنی نتیجہ پیدا ہونا لازمی امر ہے، عباسیوں کی سلطنت سندھ سے لیکر تونس، مراکش اور الجزائر تک کے وسیع رقبہ پر محیط تھی، جس میں مختلف قومیں آباد تھیں، جنکے خصائص جدا جدا تھے، اسلئے یہ تمام خصائص عباسی معاشرت، سیاست، عقائد اور علوم و آداب پر بہت حد تک اثر انداز ہوئے،

پھر ان مختلف اقوام کے ازدواج، اختلاط اور امتزاج سے ایک ایسی نسل پیدا ہوئی، جو قومیت اور خون کے اعتبار سے مختلف قوموں کے اوصاف کی حامل تھی،

اس سلسلے میں یہ ذکر کر دینا بے محل نہ ہوگا، کہ حرم میں آزاد اور شریف النسل عورتوں کیساتھ ساتھ لونڈیوں کا رواج بھی تھا، اس رواج کو اس لئے زیادہ مقبولیت ہوئی، کہ شریف عورتوں کے مقابلہ میں لونڈیوں کا رکھنا بہت زیادہ آسان تھا،

اس اختلاط کا اثر محض نسلی امتزاج تک ہی محدود نہیں رہا، بلکہ شعر و سخن، علم و ادب، اور سیاست و معاشرت وغیرہ کوئی شعبہ اس سے محفوظ نہ رہ سکا، عربی شاعروں نے فارسی تغزل کا رنگ اڑایا، جاہلی شاعری میں شراب اور محبوبہ کا ذکر ہے، مگر عباسیون کے عہد میں فارسی اثر نے اسمیں جو آب و رنگ پیدا کر دیا، وہ زمانۂ جاہلیت کی شاعری میں مفقود نظر آتا ہے، اسی طرح فارسی شعراء نے عربی اسلوب اور قافیہ کو اپنا لیا، نثر میں حکماے یونان اور فارس کے مقولے بکثرت جمع ہو گئے،

مذہبی حلقے بھی ان اثرات سے متاثر ہوئے، یہودیوں، عیسائیوں، زردشتیوں، اور مجوسیوں وغیرہ کے اجتماع و اختلاط نے عقائد میں جدتیں پیدا کیں، علماے اسلام نے ان کی روک کے لئے علم کلام پیدا کیا اور استدلال کو نئے سانچہ میں ڈھالا، اور مناظروں اور مباحثوں نے نیا رنگ اختیار کیا،

فارسی ثقافت | عباسی تہذیب میں بہت سی ثقافتیں کارفرما تھیں، ان میں ایرانی، یونانی اور ہندی قابلِ ذکر ہیں، ان مختلف اقوام کے جذبات وخیالات، مختلف علمی استعدادوں اور قابلیتوں، مختلف زبانوں اور ان کے محاورات نے عربی ادب اور ثقافت میں نمایاں انقلابات پیدا کئے، فارسی ثقافت خصوصیت کے ساتھ سب ثقافتوں سے زیادہ اثر انداز ہوئی، یہانتک کہ اموی عہد کو عربی حکومت سے اور عباسی عہد کو فارسی حکومت سے تعبیر کیا جانے لگا،

وزارت | فارسی تہذیب وثقافت پر پہلا اثر یہ ہوا کہ عباسی دربار میں ایک نئے عہدے کی بنیاد رکھی گئی، اس سے پہلے عربی تہذیب وتمدن اس عہدے سے بالکل ناآشنا تھا، عرب اس لفظ سے واقف تو تھے، اور اس کو اپنے کلام میں استعمال بھی کرتے تھے، مگر ان خاص معنوں میں یہ چیز عربوں کے ہاں مفقود تھی، عباسیوں کے عہد میں یہ لفظ اپنے خاص اصطلاحی معنوں میں استعمال ہوا، اور عہدۂ وزارت اپنے خاص فرائض وحقوق کیساتھ معرضِ وجود میں آیا،

اس عہدے کے متعلق یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ اکثر وزراء عجمی منتخب ہوئے،

وزیروں کے مختلف فرائض اور ذمہ داریاں تھیں، بعد میں ہر شعبہ کے لئے علٰحدہ علٰحدہ وزیر مقرر ہونے لگے،

وزیر کے لئے ضروری تھا، کہ وہ بہترین ادیب ہو، نظم ونسق کی قابلیت رکھتا ہو، فہم رسا کیساتھ وسیع معلومات رکھتا ہو، اسکے علاوہ وزیر کو ایک کاتب یعنی سکریٹری بھی ملتا تھا، اس سے کاتبوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی، جو بڑے صاحبِ قلم ثابت ہوئے، کاتب بھی اکثر و بیشتر عجمیوں ہی سے پیدا ہوئے،

اس جماعت نے علم وادب پر بھی تسلط جما لیا، اور اپنے ذرسی علوم وفنون کو عربی زبان میں منتقل کرنا شروع کر دیا،

یہاں اس بات کا ذکر بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، کہ اس دور میں بہت سی کتابیں کاتبوں کی ہدایت و رہنمائی کے لئے لکھی گئیں، جو "ادب الکاتب" اور "ادب الکتاب" کے ناموں سے مشہور ہوئیں،

علماء کے اس گروہ نے فارسی علوم کو عربی زبان میں منتقل کرنے میں بڑی سرگرمی کا اظہار کیا، فارسی حکماء کے اقوال، فارسی ادب کی کتابیں وغیرہ، ہر دلچسپ ادب کو عربی میں منتقل کرنے کی کوشش کی،

بغداد کے دارالخلافہ بنتے ہی وہ فارسی تہذیب و تمدن کا مرکز قرار پا گیا، خلفائے عباسیہ نے عجمی خواتین کو اپنے حرم میں لیا، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا کہ عباسیوں کے رجحانات فارسیوں کی طرف مائل ہو گئے،

اس عہد میں بہت سے فارسی الفاظ عربی میں مستعمل ہونے لگے، عجمیوں نے عربوں کو نزاکتِ خیال بخشی،

ایرانی قدیم زمانہ سے شراب و کباب اور نغمۂ و سرود کی جانب بہت مائل تھے، بلکہ یہ چیزیں ان کی زندگی کا جزو بن چکی تھیں، اسلئے اونھوں نے ان چیزوں کو عربی اشعار و کلام میں پیش کیا، شعرائے جاہلیت کے کلام مین بھی شراب و عشق کا ذکر ہے، مگر طرفہ اور امرؤ القیس، اور ابو نواس، صریع الغوانی، اور بشار کی لطافتِ بیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے،

اسی طرح عباسیون کے قبل کے عربی شعراء نے بھی زہد و تقشف اور زندگی کی بے ثباتی کا ذکر کیا ہے، مگر جو شئے ابو العتاہیہ نے پیش کی وہ کچھ اور ہی حیثیت رکھتی ہے،

عربی ادب میں بھی حیوانات اور حشرات کی زبانی حکایات و اقوال موجود تھے، مگر اس دور میں تراجم کی وجہ سے بہت بڑا ذخیرہ جمع ہو گیا، ان میں کلیلہ و دمنہ کا نام خاص طور پر قابلِ ذکر ہے،

عربی ادب پر فارسی اثر کا ذکر علامہ ابن خلدون نے اپنے مشہور مقدمہ میں بھی کیا ہے، وہ لکھتے ہیں، کہ اسلامی علوم کے حامل قطع نظر اس سے کہ وہ علوم شرعی ہوں یا عقلی، اکثر و بیشتر عجمی ہیں، اگر بعض نسبت کے لحاظ سے عربی ہیں تو زبان، تربیت اور اساتذہ کے اعتبار سے عجمی،

ہندوستانی ثقافت، ہندوستانیوں اور عربوں کے تعلقات ظہورِ اسلام کے بہت پہلے سے چلے آتے ہیں، اسلام کے سرزمین ہند پر قدم رکھنے سے بہت پہلے عربوں اور ہندوستانیوں میں تجارتی تعلقات قائم تھے، چنانچہ عربی لٹریچر میں "ہند" کا لفظ مختلف صورتوں اور شکلوں میں ملتا ہے،

جب اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہوا، اور مسلمانوں نے اسلام کا جھنڈا سرزمین فارس پر لہرایا، تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ہندوستان کے حالات سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق پیدا ہوا، چنانچہ تاریخی اور جغرافیائی معلومات حاصل کرنے کے لئے امیر المومنین حضرت عثمانؓ نے ایک تحقیقاتی وفد ہندوستان بھیجا، یہاں اس امر کا ذکر ضروری معلوم ہوتا ہے، کہ اس زمانے کے وسائلِ آمدورفت کے پیشِ نظر یہ پہلا اسلامی وفد جو علمی تحقیقات کے لئے ساتویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا، اپنی تحقیقات کو سندھ کے علاقۂ کران تک محدود رکھنے پر مجبور ہوا، بہت ممکن ہے کہ وسائل آمدورفت کی تکالیف کے ساتھ اس وقت کی ملکی و سیاسی مصلحتیں اور ہندوستانی حکام کی طرف سے عائد کردہ پابندیاں بھی اس وفد کے آگے بڑھنے سے مانع ہوئی ہوں، بہرحال اس وفد نے اپنی تحقیقات کو مندرجۂ ذیل الفاظ میں خلیفہ کے سامنے پیش کیا،

"ملک میں پانی کی قلت ہے، پھلوں میں ردی قسم کی کھجور پیدا ہوتی ہے، چور اور ڈاکو بڑے دلیر ہیں، رہزنوں کا یہ عالم ہے کہ اگر ایک قلیل جماعت اس ملک میں داخل ہو تو ڈاکو انھیں لوٹ لیں، اور پیداوار کی قلت کا یہ حال ہے، کہ اگر مسافر کثیر تعداد میں کارواں در کارواں اس ملک میں داخل ہوں" تو بھوکوں مرجائیں"،

اس کے بعد بنو امیہ کے عہد حکومت میں حجاج کے حکم سے جواں سال محمد بن قاسم ثقفی نے ساحل کراچی کے بحری ڈاکوؤں کی سرکوبی اوران کے بڑھتے ہوئے حوصلوں کے روکنے کے لئے ہندوستان پر لشکر کشی کی، اور ملتان تک فاتحانہ چلا آیا،

یہ واقعات ہندوستان اور عرب کے درمیان بہت سے خوش آیند نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوئے، عباسیون کے عہد میں اسلامی مقبوضات کابل وکشمیر تک پھیل گئے،

ان فتوحات کے ساتھ ساتھ اسلام کی تبلیغ واشاعت کا دائرہ بھی بہت وسیع ہوگیا، خصوصاً سندھ اوراس کے قرب وجوار میں اسلامی دعوت کو بہت مقبولیت حاصل ہوئی،

قبول اسلام کے ساتھ یہ لوگ علم دوست بھی بن گئے، اور علمی خدمت کے سلسلہ میں اپنی ناقابل فراموش یادگاریں چھوڑ گئے، جو اب تک کتابوں میں موجود ہیں،

عربی علم وادب کی تاریخ کا طالب علم ابوعطا سندھی کے اشعار سے بے خبر نہیں ہوسکتا، علم لغت میں سندھی علماء نے کافی شہرت حاصل کی، عربی لغت ابن الاعرابی کے احسانات سے کبھی عہدہ برآ نہیں ہوسکتی، شاید یہ سنکر تعجب ہوگا، کہ عربی لغت کا یہ مایہ ناز عالم بھی ایک سندھی غلام ابوزید کا لخت جگر تھا، اسی طرح علم حدیث میں بھی سندھیون کے کارہائے نمایاں نظر آتے ہیں، حافظ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ" میں بہت سے سندھی محدثین کے حالات قلمبند کئے ہیں،

ہندوستانی عہد قدیم سے دنیا کی مشہور اور مہذب اقوام میں شمار کئے جاتے تھے، اور انکی تہذیب کو چین روم، فارس، اور یونانی تہذیب کے برابر درجہ حاصل تھا، صنعت وحرفت علم وفن خصوصاً طب، نجوم اور ریاضیات میں ہندوستان کی بڑی شہرت تھی، ہندی فلسفے اورالٰہیات کو بھی قدر ومنزلت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، علوم وفنون کے ساتھ ساتھ ہندوستانی کھیل بھی بہت مشہور تھے، فلسفیانہ اور حکیمانہ اقوال ہندوستانی ادب میں بکثرت پائے جاتے ہیں،

جوش کی شاعری اپنی بعض خصوصیات کے اعتبار سے منفرد شان رکھتی ہے، وہ اس دور کے ان شعرا میں ہیں جنکی شاعری ایک خاص رنگ رکھتی ہے جسے اصطلاحی معنون میں نہ تغزل ہی کہا جاسکتا ہے، اور نہ خالص نظم لیکن وہ غزل سے زیادہ شوخ اور نظم سے زیادہ مربوط و مسلسل اور ان دونوں کے اصطلاحی مفہوم سے وسیع تر ہے، اسکو خارجی کیفیات کی مصوری یا آج کل کی زبان میں "شبابیات" سے تعبیر کر سکتے ہیں، ان کی پوری شاعری اسی رنگ میں ڈوبی ہوئی ہے،

ان کی شاعری میں شوخی و رنگین بیانی کی بے اعتدالی کے باوجود شاعری کے تمام اجزاء و عناصر پائے جاتے ہیں، جو طبائع متغزلانہ شوخی اور بانکپن کو پسند نہیں کرتے، اور صرف مجرد عن المادہ حقائق پر سر دھنتے ہیں، اور اسی کو معیار کی بلندی اور حسن مذاق سمجھتے ہیں، ان کے لئے تو شاید یہ رنگ زیادہ خوش آیند نہیں ہوسکتا لیکن متغزلانہ شوخیوں کو رخسار شاعری کا غازہ سمجھنے والوں کے نزدیک شاعری یہی ہے لیکن کبھی کبھی ان کی شوخی اعتدال سے بڑھ کر بدنما حد تک پہنچ جاتی ہے،

پہلی خصوصیت، جوش کی شاعری میں چند خصوصیتیں ایسی ہیں جنھیں انکا طغرائے امتیاز کہنا چاہئے، ان میں سب سے نمایاں انکی شوخی و رنگین بیانی ہے، ان کی شاعری سراپا رنگ و بو ہے، ان کا ہر تخیل اسی رنگ میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے، حتی کہ وہ مرثیہ بھی غزل کے رنگ میں کہتے ہیں، اور نالہ بھی ترانہ کی لے میں کرتے ہیں چونکہ ان کی پوری شاعری اسی رنگ میں رنگی ہوئی ہے، اسلئے اسکے مخصوص نمونے کی پیش کرنے کی ضرورت نہیں، آیندہ مختلف نمونوں سے اس کا اندازہ ہوگا،

دوسری خصوصیت نظم مسلسل، دوسری خصوصیت نظم مسلسل ہے، اردو شاعری پر نئی جماعت کا یہ بڑا اعتراض تھا، کہ اس کا دامان تنگ نظم مسلسل سے بالکل خالی ہے، جوش کی شاعری نے اس اعتراض کو دور کر دیا، انکا پورا دیوان نظم مسلسل ہے، اس لئے کسی خاص نظم کو پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، اس دور میں جوش اور سیماب سب سے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے نظم کو مستقل موضوع سخن بنایا، اور ہر صنف اور ہر رنگ میں اس کثرت کے

ساتھ نظمیں لکھیں کہ ان سے پورا دیوان مرتّب ہوگیا،

تیسری خصوصیت محاکات یا منظر کشی، اس کا یہ نتیجہ ہے کہ محاکات منظر کشی اور مصوری کے جتنے بہتر نمونے جوش کے کلام میں ملتے ہیں، اس کی مثال دوسرے شعراء کے یہاں نہیں مل سکتی اسلئے کہ منظر کشی اور مصوری کی جتنی وسعت مسلسل نظم میں ہو، وہ فرد اشعار اور قطعات میں ممکن نہیں، وہ نہ صرف مناظر اور سراپا کے مصوّر ہیں، بلکہ جذبات کی مصوری میں بھی انکو دسترس حاصل ہو، مناظر کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں، گنگا کے گھاٹ پر:۔

بڑھائے سرخیٔ عارض ہوائے صحرا سے ۔۔۔ نہایا کون چلا آرہا ہے گنگا سے،

سراد لائی کا سر پر نظر جھکائے ہوئے ۔۔۔ دبائے دانتوں میں آنچل بدن چرائے ہوئے

لبوں پہ مہرِ خموشی خموشیوں میں خطاب ۔۔۔ کمر میں لوچ جبیں پر دمک نظر میں شراب

شراب ناب لئے نرگسی کٹوروں میں، ۔۔۔ لہو چمن کا رواں سرخ سرخ ڈوروں میں

دراز زلف میں جادو سیاہ آنکھ میں مد ۔۔۔ نسیمِ صبحِ بنارس ہلالِ شامِ اودھ

جمنا کے کنارے:۔

اک قصر قریبِ رودِ جمنا، ۔۔۔ لہروں کو بنا رہا ہے مینا،

اس قصر کے بام پر کھلے سر، ۔۔۔ اک زہرہ جبین و ماہ پیکر،

نوخیز حسین بلند و بالا، ۔۔۔ اوڑھے ہوئے سرمئی دوشالا

افسوں بہ نگاہ زلف بردوش ۔۔۔ غرفے میں کھڑی ہوئی ہی خاموش

فردوس کے در کئے ہوئے باز ۔۔۔ ٹیکے ہوئے کہنیاں بصد ناز

رنگین کلائیوں کو جوڑے ۔۔۔ چہرے کو ہتھیلیوں پہ رکھے،

گلدان میں پھول ہنس رہا ہی ۔۔۔ قرآن ہی کہ رحل پر دھرا ہی

نیچی نگاہیں:۔

آہ یہ نیچی نگاہیں اے نگار شرمگیں، عشق اس کا فرحیا کی تاب لا سکتا نہیں

سرخ آنچل کا ڈھلک جانا وہ سر سے بار بار دونوں ہاتھوں کو چھپا لینا وہ منہ بے اختیار

عارضِ گلرنگ پر یہ پھول سا کھلتا ہوا یہ تبسم جو طلوعِ صبح سے ملتا ہوا

گفتگو یہ سر جھکا کے شرمگیں انداز سے یہ گرہ ہر لفظ میں رکتی ہوئی آواز سے

حسن بیمار:۔

کیا غضب ہے حسن کے بیمار ہونے کی ادا جیسے کچی نیند سے بیدار ہونے کی ادا

انکسارِ حسن پلکوں کے جھپکنے میں نہاں نیم وا بیمار آنکھوں سے مروت سی عیاں

چوڑیاں ڈھیلی کلائی پر شکن ماتھے پہ ہات لب پہ خشکی رخ پہ سوندھا پن نظر میں التفات

ہلکی ہلکی جھلکیاں رخسار پر یوں نور کی جیسے گل پر صبحِ کاذب کی سہانی چاندنی

ایسے اضمحلال پر دنیا کی برنائی نثار ایسی بیماری پہ اعجازِ مسیحائی نثار

چوتھی خصوصیت، خمریات بادۂ احمر کا رنگ و ذائقہ ایسا دلکش اور پرکیف ہوتا ہے، کہ زاہد شعرا تک کا دامن اسکے چھینٹوں سے محفوظ نہیں، کچھ نہ سہی تو زبانی ہی ذکر سے لذت گیر ہو لیتے ہیں، اسی لئے کسی شاعر کا کلام اس رنگین ذکر سے خالی نہیں، کچھ نہیں تو کلام کی خوش منظری کے لئے اسکے چھینٹے ہی دیدیتے ہیں، جوش اولاً شاعر پھر صاحبِ حال اسلئے ان کے یہاں اس سیال احمر کی نہریں رواں ہیں، اور یہ شے ان کے کلام کے خصوصیات میں سے ہو گئی ہے، اور چونکہ وہ صاحبِ حال ہیں، اس لئے ان کی گفتگو اس کے ظاہری رنگ و بو تک محدود نہیں رہتی، بلکہ وہ اس کے ناقابلِ بیان احوال و کوائف بلکہ مقامات تک کی تصویر دکھا دیتے ہیں، اس نوع کی نظمیں بڑی مست اور پرلطف ہیں خصوصاً "چند جرعے" میں سرخوشی، مستی، سرمستی اور بے خودی وغیرہ کے جو مدارج و کوائف دکھائے گئے ہیں، وہ صرف

صاحب حال ہی دکھا سکتا تھا، افسوس ہے کہ خمریات کی تمام نظمیں نہایت طویل ہیں، اسلئے ہم اُن کو نقل نہیں کر سکتے، صرف "چند جرعون" کے چند قطعات پیش کرتے ہیں، پہلے جرعے کا اثر:۔

کوئی کروٹ سی دل میں لے رہا ہو لہو میں کشتیاں سی کھے رہا ہے،
یہ کس کی سن رہی ہے روح آہٹ رگوں میں ہو مزے کی سنسناہٹ
چمکتی ہیں فضا میں بجلیاں سی پھڑکتی ہے رگ و پے میں کمان سی

دوسرے جرعے کا اثر:۔

رگ و پے میں ہے غلطاں نوجوانی ہر اک لمحہ ہے عمرِ جاودانی
گھٹا سی اک سنہری چھا رہی ہے، پھریری پر پھریری آرہی ہے،
کبھی ظلمت کبھی انوارِ مہتاب، خدا معلوم بیداری ہے یا خواب

تیسرے جرعے کا اثر:۔

ندی ساون کی چڑھتی آرہی ہے، سوے میخانہ بڑھتی آرہی ہے،
ابلتی ہے شرابِ ارغوانی برستا ہے مزے لے لے کے پانی
سر میخانہ روحیں آرہی ہیں، نگاہیں رام رس ٹپکا رہی ہیں
فنا کی بیڑیاں پھر گل رہی ہیں، بقا کی مشعلیں پھر جل رہی ہیں

چوتھے جرعے کا اثر:۔

عجب شاہانہ کیفیت ہے طاری ستاروں پر ہے میرا حکم جاری
زمیں اسوقت اک وہم و گماں ہو میرے شہپر کے نیچے آسماں ہے،

نہ دل کو امتیازِ این و آں ہے،
نہ خود پر بندہ ہونے کا گماں ہے،

پانچویں جرعے کا اثر:۔

تعالیٰ اللہ شکستِ خود نمائی، بھرا ہے خاک میں زورِ خدائی،

فلک پر نشہ سا چھایا ہوا ہے، زمیں کو حال سا آیا ہوا ہے،

ملک حسرت سے منہ کھولے ہوئے ہے زمیں اڑنے کو پر تولے ہوئے ہے،

فرشتے ہر طرف منڈلا رہے ہیں پیامی آ رہے ہیں جا رہے ہیں

نظر میں صورتیں سی پھر رہی ہیں نقابیں اٹھ رہی ہیں گر رہی ہیں،

اگر چاہوں تو دنیا کو ہلا دوں زمیں کیا آسمانوں کو نچا دوں

فلک کیا عرش کو بھی مست کر دوں

خودی کیسی خدا کو مست کر دوں

مذاق کے اعتبار سے شاعری کا رنگ، | جوش کسی خاص رنگِ شاعری کے متبع نہیں ہیں، بلکہ انھوں نے اپنی راہ الگ نکالی ہے، اسلئے کسی خاص رنگ و مذاق کی شاعری سے انکا موازنہ صحیح نہیں ہے، پھر بھی وہ نواحِ لکھنؤ کے رہنے والے ہیں، اور اسی ماحول میں انکی نشو و نما ہوئی ہے، اسلئے زبان و بیان اور جذبات کی ترجمانی میں لکھنؤ کا اثر غالب ہے تاہم بڑی حد تک ان کا کلام لفظی رکاکتوں سے پاک ہے، لکھنؤ کے اثرات کی بعض مثالیں ملاحظہ ہوں،

اے زہرہ جبینوں کے لئے بیک مسرت پیغامبرِ فتح و ظفر کس کے لئے ہے،

اے تجھکو سلے عمر مری شامِ بلا کی یہ زلفِ رسا تا بکمر کس کے لئے ہے،

اے قامتِ بالا و بلند اے قدِ موزوں یہ سرو یہ شاخِ گلِ تر کس کے لئے ہے،

اے حسنِ رخِ روشن و اے جلوۂ کاکل یہ ہوش ربا شام و سحر کس کے لئے ہے

آ رہی ہے باغ سے مالن وہ اٹھلاتی ہوئی مسکرانے میں لبوں سے پھول برساتی ہوئی

پاؤں رکھتی ناز سے شبنم کے قطروں کی طرح | سبزۂ خوابیدۂ گلشن کو چونکاتی ہوئی
چھیڑ خود اپنے ہی سے کرتی ہوئی مستانہ وار | ہر قدم پر کاکلوں کی طرح بل کھاتی ہوئی
ہائے کیا گوری کلائی میں ہری چوڑی دلفریب | ہائے کیا چاندی کی ہیکل ہر ستم ڈھاتی ہوئی

⁂

کیوں صبح یوں عرق میں نہائے ہوئے ہو تم | شاید کسی خلش سے جگائے ہوئے ہو تم
الجھا ہوا ہے کرب سے یہ رشتۂ نفس | گو دیکھنے میں زلف بنائے ہوئے ہو تم
شاید یہ اہتمام ہو اخفائے راز کا | ہمجولیوں سے آنکھ چرائے ہوئے ہو تم
خود کو لئے ہوئے ہو مگر کہہ رہی ہیں طور | سینے میں ایک حشر چھپائے ہوئے ہو تم

المیہ رنگ اگرچہ جناب جوش محض نشاطی شاعر ہیں، اور ان کی ہر لے سے نشاط ہی کا نغمہ نکلتا ہے، لیکن ایک شاعر کا دل یکسر درد و الم کی لذت سے خالی نہیں ہو سکتا، اس لئے جناب جوش کی شاعری اس جنس گرانمایہ سے بالکل تہی مایہ نہیں، لیکن المیہ رنگ ان کیفیتوں سے آگے نہیں بڑھتا،

نقش خیال دل سے مٹایا نہیں ہنوز | بیدرد میں نے تجھکو بلایا نہیں ہنوز
یادش بخیر جس پہ تری تھی کبھی نظر | وہ دل کسی سے میں نے لگایا نہیں ہنوز
وہ سر جو تیری راہ گذر میں تھا سجدہ ریز | میں نے کسی قدم پہ جھکایا نہیں ہنوز
محراب جاں میں تو نے جلایا تھا خود جسے | سینے میں وہ چراغ بجھایا نہیں ہنوز
دنیا نے تجھکو خواب گراں سے جگا دیا | لیکن مجھے کسی نے جگایا نہیں ہنوز
بیہوش ہو کے جلد تجھے ہوش آگیا | میں بدنصیب ہوش میں آیا نہیں ہنوز

⁂

چھٹ گو جب آپ ہی اودی گھٹا چھائی تو کیا | تربت یاراں کے سبزے پہ لہرائی تو کیا
جب ضرورت ہی رہی باقی نہ حسن و رنگ کی | کوئلیں کوکیں تو کیا ساون کی رت آئی تو کیا
ہو چکی ذوق تبسم ہی سے جب بیگانگی | اب چمن افروز پھولوں کو ہنسی آئی تو کیا

غنچہ عہدِ طرب ہی مل چکا جب خاک میں، خاکِ گلشن اب گلِ تر بن کے اترائی تو کیا،
آنسوؤں میں بہ گئیں جب خون کی جولانیاں جنگلوں کی چھاؤں میں برسات اٹھلائی تو کیا

اب خانۂ امید میں ظلمت بھی نور ہے، تکلیفِ اہتمامِ چراغاں نہ کیجئے،
دیکھے ہوئے ہوں کتنے بہار و خزاں کے رنگ اب خار زارِ دل کو گلستاں نہ کیجئے،
چھایا ہوا ہے مطلعِ امید پر غبار اب کاکلوں کو رخ پہ پریشاں نہ کیجئے،
اقرارِ اولیں کا جنازہ ہے دوش پر اب تازہ رسمِ کہنۂ پیماں نہ کیجئے،
جس دل پہ ناز تھا وہی باقی نہیں رہا اب زندگی سے مجھ کو پشیماں نہ کیجئے

زبان پر قدرت، جوش کو زبان پر غیر معمولی قدرت ہے، وہ جس رنگ اور جس نوع کی زبان چاہتے ہیں، بے تکلف استعمال کرتے ہیں، اور جس مفہوم کو جس رنگ میں چاہتے ہیں، ادا کرتے ہیں، ان کا کلام ہمہ رنگی کے باوجود مختلف النوع ہے، اور ہر نوع کے لئے انھوں نے ٹھیک اسکے مطابق زبان استعمال کی ہے، اسی لئے ہر رنگ کی زبان کے نمونے ان کے کلام میں ملتے ہیں، وہ الفاظ سے ہر منظر، ہر کیفیت اور ہر مفہوم کی صحیح تصویر کھینچ دیتے ہیں، ان کی قادر الکلامی کے ثبوت میں ان کی نظم "کوہستانِ دکن کی عورت" پیش کیجاتی ہے، اس نظم میں انھوں نے کوہستانی عورت کے طغیانِ شباب اور اس کی سنگلاخیت کو اس طرح دکھایا ہے، کہ اسکی مثال مشکل سے مل سکتی ہے، یہ نظم طویل ہے، چند اشعار ملاحظہ ہوں،

یہ ابلتی عورتیں اس چلچلاتی دھوپ میں سنگِ اسود کی چٹانیں آدمی کے روپ میں
یہ سراپا بت تراشوں کی عرق ریزی کا پھل اتنی بے پایاں صلابت پھر بھی ہر نقشہ سجل
چال جیسے تند چیتے تیوریاں جیسے غزال عارضوں میں جامنوں کا رنگ آنکھیں بے مثال
عورتیں ہیں یا کہ ہیں برسات کی راتوں کا خواب پھٹ پڑا ہے جن پہ طوفاں خیز پتھریلا شباب
جسم ہیں کچھ اسقدر ٹھوس الحفیظ والاماں لیجئے چٹکی تو چھل جائیں خود اپنی انگلیاں

مچھلیاں شانوں کی ابھری سی ہلالی سی کلیں | آہن و فولاد کے پٹھے سلاخوں کی رگیں
ان نباتِ کوہ کی کرائیں جوانی الاماں، | پتھروں کا دودھ پی پی کر ہوئی ہیں جو جواں

اس سنگلاخ کوہستان کے بعد ذرا ان پھولوں کی نزاکت دیکھئے،

یہ کس نے جوش کو بھیجے ہیں ناز پرور پھول | شگفتہ پھول جواں پھول خلد پیکر پھول
ہوائے ناز سے چٹکے ہوئے سب غنچے، | شمیم زلف سے مہکے ہوئے معطر پھول
شعاعِ حسن سے دہکے ہوئے خنک شعلے | لبِ نگار کے چومے ہوئے سخنور پھول
نسیم کاکلِ شبگوں سے پرفشاں گل برگ | فروغ نرگس شیریں سی خواب آور پھول
ارم سے آئی ہوئی حرف آرزو کلیاں | خدائے نازکے بھیجے ہوئے پیمبر پھول

فارسی آمیز زبان، وہ ایسی زبان بھی اسی شیرینی کے ساتھ لکھتے ہیں، کہ سراسر قند پارسی میں ڈوبی ہوئی ہوتی ہے، فارسی الفاظ اور فارسی ترکیبوں کے نمونے تو ان کی تمام نظمیں ہیں، بعض بعض نظموں میں تو مشکل سے دو چار الفاظ ہندوستانی زبان کے نکل سکتے ہیں،

زاہد فریب گل رُخ کافر دراز مژگاں | سیمیں بدن پری رُخ نوخیز حشر ساماں
خوش چشم و خوبصورت خوش وضع ماہ پیکر | نازک بدن شکر لب شیریں ادا فسوں گر
کافر ادا شگفتہ گل پیرہن سمن بو | سرو چمن سہی قد، رنگیں جمال خوشرو
ابرو ہلال مے گوں جان بخش و روح پرور | نسریں بدن پری رخ سیمیں عذار دلبر
غارتگر تحمل دلسوز دشمنِ جان، | پروردۂ مناظر، دوشیزۂ بیابان،
گلشن فروغ کمسن مخمور ماہ پارا، | "دلبر کہ در کفِ او موم است سنگ خارا"

سادہ زبان، اگرچہ ان کی زبان پر فارسیت غالب ہے، پھر بھی وہ سادہ زبان پر بھی قادر ہیں، چنانچہ بعض نظمیں انکی ایسی بھی ہیں، جن میں مشکل سے دو چار فارسی الفاظ مل سکتے ہیں،

یہ کون اٹھا ہے شرماتا رین کا جاگا نیند کا ماتا،
نیند کا ماتا دھوم مچاتا، انگڑائیاں لیتا بل کھاتا،
یہ کون اٹھا ہے شرماتا،

رخ پر سرخی آنکھ میں جادو بھینی بھینی بر میں خوشبو
بانکی چتون سمٹے ابرو نیچی نظریں بکھرے گیسو،
یہ کون اٹھا ہے شرماتا،

نیند کی لہریں گنگا جمنی جلد کے نیچے ہلکی ہلکی،
آنچل ڈھلکا مسکی ساری ہلکی مہندی دھندلی بیندی
یہ کون اٹھا ہے شرماتا

جوش کی خامیاں، جوش کی قادر الکلامی اور فطری شعریت کے باوجود ان کی شاعری اسقام اور خامیوں سے یکسر خالی نہیں ہے، اگرچہ ان کا کلام گلہائے رنگیں کا ایک خوشرنگ گلدستہ ہے لیکن ان کے متغزلانہ خیالات میں لطافت اور پاکیزگی کی بڑی کمی ہے، یہ صحیح ہے کہ وہ اسی عالم آب و گل کی باتیں کرتے ہیں، اور درحقیقت یہی شاعری ہے، میں خود مجرد عن المادہ تصورات کو شاعری نہیں سمجھتا لیکن اسے ماننے کے بعد بھی اسی عالم میں بعض مقامات اور کوائف ایسے ہیں، جہاں انسان عشق کی مادی رنگینیوں سے تھک کر اور الگ ہو کر اسی کے لطیف نشہ سے روحانی کیف و سرور حاصل کرتا ہے، کیا جوش صاحب کی زندگی میں کوئی لمحہ ایسا نہیں گذرتا، اس کمی کی وجہ سے ایک صاحب ذوق طبقہ کو انکی شاعری میں اپنی تشنگی کا بہت کم سامان ملتا ہے، ان کی شاعری خوش رنگ و خوش منظر ہے، لیکن پرتاثیر نہیں،

دوسری خامی انداز بیان کی ہے، وہ زبان پر پوری قدرت کے باوجود کہیں کہیں بے محل الفاظ اور بے جوڑ ترکیبیں استعمال کر جاتے ہیں، مثلاً لب دریا ایک محل کی تعریف میں، ع لہروں کو نہا ہا

ہے بنیا" لہروں کو بینائی سے کیا تعلق، اگر بنیا کا مفہوم یہ ہے، کہ موجوں مین مقابل کی چیزوں کا عکس پڑتا ہے، اس لئے گویا وہ اسکو دیکھتی ہین، تو یہ مفہوم بینا سے ادا نہیں ہوتا،

اور یون کہ قریب لب ذرا سا عارض میں پڑا ہوا ہے حلقہ،

اس حلقۂ دل نشین کے اندر غلطیدہ ہیں ناز کے سمندر،

ناز کا تعلق اعضاء وجوارح کے حرکات اور نطق سے ہے، حلقۂ عارض کو ناز سے کوئی علاقہ نہیں، پھر"ناز کے غلطیدہ سمندر" بھی درست نہیں،

ع :- کاندھے پہ نرم آنچل انگڑائی لے کے ڈالا، نرمی آنچل کی کوئی صفت نہیں ہے، ہان کپڑے کی ہوسکتی ہے، مگر دونوں کے مفہوم جدا گانہ ہین،

جلا ہوتی رہی پردے ہی میں زلف پریشان پر زمرد کے ورق چڑھتے رہے رخسار تابان پر

اس شعر میں چند در چند خامیان ہین، اولاً زمرد کے ورق نہیں ہوتے، دوسرے زلف کی تشبیہ زمرد سے دینا صحیح نہیں، کہ دونون رنگوں میں کوئی مناسبت نہیں، زمرد سے امردوں کی سبزہ رُخی کی تشبیہ البتہ دیجاتی ہے، لیکن اگر اسے صحیح بھی مان لیا جائے تو رخسار تابان پر زمرد کے ورق چڑھنے کے کوئی معنی نہیں، یہ تشبیہ بھی امردون کی سبزہ رخی کی تشبیہ کے التباس کا نتیجہ ہے،

ع :- یون ہر اک روشن نمی سی چشم سحر انداز مین، روشن نمی بے جوڑ سی ترکیب ہے ع منہ ڈھانپنے لگتا ہے بافراط ندامت، فرط کے بجاے افراط درست نہیں ہی ع، اسکے لفظوں سے ہی بچپن کا تلاطم آشکار، بچپن کی شرارتون کے لئے تلاطم صحیح نہیں ہے ع، شب کو اکثر کھو کھلی تاریکیاں میدان میں، کھوکھلی تاریکیان بالکل بے معنی اور غیر مانوس ترکیب ہے ع نظر میں مضمحل ہیں چشمکین اگلے زمانہ کی چشمکون کے اضمحلال کے کیا معنی، ع، تاروں کی کشمکش میں جب چاندنی ہو پھیکی، تاروں کی کشمکش میں چاندنی پھیکی ہونے کا کیا مطلب ہی، بلکہ چاند کی روشنی سے تو خود تارون کی چمک مدھم پڑ جاتی ہی،

ع:- جلوون کی ہے چھوٹ خار وخس پر، جلوون کی چھوٹ کے کیا معنی، اگر اس کا مقصد ان کے ظہور کی کثرت یا فراوانی ہے، تو جلوون کی لطافت "چھوٹ" کی کثافت کی متحمل نہیں ہوسکتی،

آنچل سنبھالنے میں یوں بل سی کھا رہی ہے   گویا ٹھہر ٹھہر کر انگڑائی آرہی ہے،

آنچل سنبھالنے میں بل کھانے کی کیفیت کی تشبیہ انگڑائی سے بالکل غلط ہے، اس لئے کہ دونوں میں کوئی مناسبت نہیں،

کسے معلوم تھا اک روز ہوگی سرگرانی بھی   دبے پاؤں چلی آتی ہے تیزی سی جوانی بھی

اس شعر میں پاؤں کا صحیح تلفظ ادا نہیں ہوتا، پھر "دبے پاؤں" اور "تیزی" میں تضاد ہے،

شعلے وہ سرخ سرخ دلوں میں تلے ہوئے   وہ سرخیوں میں نرم تبسم کھلے ہوئے،

اس شعر کے کوئی معنی سمجھ میں نہیں آتے،

دیوان کے تھوڑے سے حصے پر سرسری نظر ڈالنے سے یہ خامیاں دل میں کھٹکتی ہیں، اگر استیفا کے ساتھ پورا دیوان تنقید کی نظر سے دیکھا جائے تو اور بھی خامیاں نکلیں گی، لیکن ان سے جوش کے شاعرانہ کمال پر حرف نہیں آتا، اسلئے ان کے کمالات کے مقابلہ میں یہ فروگذاشت بہت خفیف ہے، اس کے اظہار کا مقصد یہ ہے، کہ ان کے جیسے قادر الکلام کے کلام میں یہ خفیف فروگذاشتیں بھی کھٹکتی ہیں،

گل رعنا

اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اسکی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعرا کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جسمیں آب حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۰ صفحے، قیمت للعہ ر   "منیجر"

میری کہانی (دو جلد) مصنفہ پنڈت جواہر لال نہرو تقطیع چھوٹی ضخامت ایکہزار صفحات سے کچھ زیادہ، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت للعہ پتہ مکتبہ جامعہ ملیہ دہلی،

پنڈت جواہر لال نہرو نے اپنے گذشتہ ایام اسیری (سنہ ۱۹۳۴ء ۱۹۳۵ء) میں جیل کی خاموش اور پرسکون زندگی میں اپنی سوانحمری انگریزی میں لکھی تھی، جو بہت مقبول ہوئی، اب مکتبہ جامعہ ملیہ نے اس ضروری اور اہم کتاب کا ہندوستانی ترجمہ شائع کیا ہے، جو دو ضخیم جلدوں پر مشتمل ہو، پنڈت جی کی زندگی کا بڑا حصہ سیاسی میدان میں گذرا ہے، اس لئے ان کی سوانح عمری گویا ہندوستانی سیاست کی سرگذشت ہو، چنانچہ چند ابتدائی ابواب کے بعد ہی جس میں ان کے خاندانی اور تعلیم وغیرہ کے حالات ہین، انکی سیاسی زندگی کے حالات شروع ہوجاتے ہیں، جس میں رولٹ ایکٹ کے نفاذ سنہ ۱۹۱۹ء سے سنہ ۱۹۳۵ء تک کی ہندوستان کی سولہ سالہ سیاسی جدوجہد، اسکے مدوجزر اور انقلابات وحوادث کی اجمالی سرگذشت ہو، اس میں واقعات ماضی کے علاوہ سیاسیات کے تمام متعلقہ مسائل، پنڈت جی کے خیالات وعقائد، جیل کی زندگی اور سفر یورپ کے حالات مختلف سیاسی مسائل اور طبقات پر ان کی رائیں اور تنقیدین اور اس قبیل کے بہت سے اہم مسائل زیربحث آگئے ہین، اس سلسلہ میں حکومت، عمال حکومت، سیاسی جماعتون اور اشخاص پر ان کی سنجیدہ اور بعض ظریفانہ تنقیدین خصوصیت کیساتھ نہایت دلچسپ ہین، جنکی توقع ایک سیاسی قلم سے کم ہوسکتی تھی، ان خالص سیاسی مسائل کے علاوہ ہندوستانی زندگی اور معاشرت کے اور بہت سے پہلوؤں پر پنڈت جی کے افکار وخیالات ملتے ہین، پوری

کتاب بے باک صداقت کا نمونہ ہے، ممکن ہے کہ ان کے تمام خیالات ہر جماعت کے لئے قابلِ قبول نہ ہوں لیکن ان کی صداقت میں کوئی کلام نہیں، ان کی صداقت کا یہ ادنیٰ نمونہ ہے، کہ انھوں نے اپنے والد اور گاندھی جی پر بھی جنکو وہ والد سے زیادہ محترم سمجھتے ہیں، بے لاگ تنقید میں باک نہیں کیا ہے، ان مسائل کے علاوہ پنڈت جی کی سیرت کا مطالعہ اس کتاب کا ایک دلچسپ باب ہے جس میں انکی اعلیٰ سیرت، انکی بلند نظری، عالی ظرفی، شرافت نفس، سادگی، جفاکشی، ضبط نفس، شاعر مزاجی، ظرافت، زندہ دلی اور شریفانہ بھولے پن کا رنگ ہر جگہ نمایاں ہی، پنڈت جی نے اس کتاب میں ایک موقع پر اپنے متعلق یہ ظریفانہ جملہ لکھا ہی کہ "مجھ پر علم و فضل کا اتہام کبھی نہیں لگایا گیا" لیکن اس کتاب کی ہر سطر اسکی تردید کر رہی ہے، انھوں نے تحریر کی دلکشی سے اس خشک کتاب میں افسانے کا لطف پیدا کر دیا ہی، اور مترجم کی شگفتہ نگاری اور شوخی قلم نے نقل کو اصل کے برابر کر دیا،

غالب، مؤلفہ جناب مولوی غلام رسول صاحب مہر، مدیر روزنامہ انقلاب، تقطیع بڑی، حجم ۷۹۳ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مرقوم نہیں، غالبًا دفتر انقلاب لاہور سے ملے گی،

ہماری بزم دوشینہ کے اربابِ کمال میں مرزا غالب کو جو حسن قبول حاصل ہوا، وہ اُس دور کے کسی صاحبِ کمال کے حصہ میں نہ آیا ہوگا، ان کی ذات ادیبوں کا موضوع بحث بن گئی ہے، اور ان کی مختلف حیثیات پر اتنک تحریر و تقریر اور تحقیق و تنقید کا سلسلہ جاری ہے، ان کے متعلق اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے، ان سب میں مذکورالصدر کتاب ایک انوکھی کوشش اور ہمارے ادب میں ایک خاص درجہ رکھتی ہے، اس میں خود غالب کی فارسی اور اردو نظم و نثر سے ان کی پوری سوانح عمری مرتب کی گئی ہے، اس اہتمام سے اگرچہ مرزا غالب کی سوانح کے ماخذ بہت محدود ہو جاتے ہیں، پھر بھی اتنے محدود اوراق سے ریزہ چینی کر کے مستقل سوانحعمری مرتب کر دینا بڑی دیدہ ریزی کا

کام تھا، جس کا درجہ تزک سے کم نہیں، عموماً اس قسم کی کوششیں سرسری اور تشنہ ہوتی ہیں، لیکن اس کتاب کی یہ خوبی ہے کہ وہ مرزا غالب کی زندگی کے جملہ اہم اور ضروری واقعات پر حاوی ہے، اور ان کے نسب، خاندان، پیدائش، طفولیت، تعلیم، شادی، خانگی زندگی، اعزہ، احباب، متوسلین، دہلی کی سکونت، مکان، کلکتہ، رام پور، اور میرٹھ کے سفر، پنشن کے مقدمے کی تفصیلی روداد، اسیری، ممدوحین، مدح گوئی، صلہ یابی، حالاتِ غدر، خانگی پریشانیاں، عوارض، بیماریاں، وفات، اخلاق و عادات اور تصانیف وغیرہ، ان کی زندگی کے تمام ضروری پہلوؤں کے متعلق مفصل حالات ہیں، ان ذاتی حالات کے علاوہ بہت سے ضمنی واقعات بھی آگئے ہیں، مصنف نے جابجا یادگارِ غالب کے بیانات سے اختلاف کیا ہے، جو غالب ہی کی تحریروں پر مبنی ہے، بعض پیچیدہ مسائل کو جو غالب کی مختلف تحریروں سے پیدا ہوتے ہیں، خوش اسلوبی سے حل کرنے کی کوشش کی ہے، غالب کی تصانیف پر تفصیلی تبصرہ خصوصیت کیساتھ مفید اور پر از معلومات ہے، غالب کی تحریروں کے علاوہ بعض بعض مقاموں پر سرکاری دستاویزوں اور بعض مستند زبانی روایات سے بھی مدد لی گئی ہے، غرض یہ مستند سوانح عمری ہندوستانی زبان میں ایک قابلِ قدر اضافہ ہے، ہم مہر صاحب کو ان کی کامیاب کوشش پر مبارکباد دیتے ہیں، ہم کو معلوم نہ تھا کہ یہ نام کے مہر صاحب علم و ادب کے مہر تابان بھی ہیں،

گلستانِ امجد، (ترجمہ گلستان سعدی) مترجمہ حکیم الشعراء سید امجد حسین صاحب امجد، حیدر آبادی تقطیع اوسط، ضخامت، ۲۲۶ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت نفیس و دیدہ زیب، قیمت سے ر، پتہ، مستعد پورہ کاغذی گوڑہ مکان نمبرہ ۹۵ ۳۶ عماد پریس، چھتہ بازار، حیدر آباد دکن،

فارسی زبان کی کتابوں میں گلستان سعدی کو دنیا میں جو شہرت و مقبولیت حاصل ہے، وہ محتاجِ بیان نہیں، شاید ہی دنیا کی کوئی ترقی یافتہ زبان ایسی ہو جس میں اس کا ترجمہ موجود نہ ہو

ہندوستانی میں بھی اس کے متعدد ترجمے ہوئے، لیکن وہ محض طلبہ کے استفادہ کے لئے کئے گئے تھے، اسلئے اول مع متن کے پھر سب مکتبی ہیں، جن میں گلستان فصاحت کا قائم رکھنا تو کجا، ان کا سمجھنا بھی مشکل ہے، حکیم الشعراء امجد صاحب نے جن کو خدا نے زبان کی ساحری کیساتھ قلم کی فسوں کاری بھی عطا کی ہے، اس کمی کو اس خوبی اور کمال کے ساتھ پورا کیا ہے، کہ گلستان کو اسکو سارے رنگ و بو کے ساتھ ہندوستانی زبان میں ڈھال دیا ہے، وہی چھوٹے چھوٹے جملے ہیں، وہی فصاحت و بلاغت ہے، وہی روانی ہے، وہی حلاوت و شیرینی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ موتی ہیں کہ ڈھلکتے جاتے ہیں، قند و نبات کی ڈلیاں ہیں، کہ کام و دہن کو حلاوت بخشتی ہین، سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ گلستان کی نظم کے منثور ترجمہ کے بعد اسکے ہم معنی یا اس سے ملتی جلتی ہوئی اپنی نظم بھی اس طرح کھپا دی ہے، کہ معلوم ہوتا ہے، کہ حریر و پرنیان میں موتی ٹکے ہین،

سخنستان، مرتبہ پنڈت رام گوپال صاحب مصر، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۰۴ صفحے، کاغذ، کتابت نفیس و نظر فریب، جلد خوبصورت مجلد ار، قیمت عام لوگوں کے لئے ۱۲ھ، شعراء کے لئے ۸ھ، پتہ پنڈت رام گوپال صاحب مصر ڈپٹی کلکٹر، بلیا یوپی،

پنڈت رام گوپال مصر ڈپٹی کلکٹر کے قیام گورکھپور کے زمانہ ۱۹۳۲ء میں ان کے اہتمام میں وہاں ایک آل انڈیا مشاعرہ ہوا تھا سخنستان اسی مشاعرہ کی غزلون کا گلدستہ ہے، ابتدا میں پنڈت رام گوپال صاحب کے قلم سے مشاعرہ کی مختصر روئداد ہے، اس کے بعد ۴۳ شعراء کی غزلیں، ان کے مختصر حالات اور بعض کے فوٹو ہیں، چونکہ پنڈت جی خود ایک با مذاق شاعر ہیں، اس لئے اس گلدستہ کے آراستہ کرنے میں انھون نے بڑے حسن مذاق سے کام لیا ہے، اور اسکو کلام کی رنگا رنگی کے ساتھ ظاہری نفاست اور پاکیزگی کا مرقع بنا دیا ہے،

نسیم عرفان، مصنفہ مولانا عبد القدیر صاحب حسرت صدر شعبۂ دینیات کلیہ جامعہ

عثمانیہ، تقطیع چھوٹی، حجم ۸۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت مذکور نہیں پتہ:-

سید منظر علی شوکت، محلہ رکاب گنج، عقب، ڈیوڑھی، غالب جنگ، مکان نمبر ۳۳۴ و مکتبہ

ابراہیمیہ عابد روڈ حیدر آباد دکن،

نسیم عرفان مولانا عبد القدیر صاحب حسرت کے کلام کا اسم بامسمی مجموعہ ہے، اس مختصر دیوان میں غزلوں کے علاوہ قصائد، مسدس، رباعیات، ٹھمریاں ہر قسم کے نمونے ہیں، اور کوئی لطف سے خالی نہیں، غزلوں کا ظاہری رنگ عاشقانہ ہے، لیکن رنگِ حقیقت میں ڈوبا ہوا، نعتیہ ٹھمریاں خصوصیت کے ساتھ زیادہ پرکیف ہیں،

ابصار العینین فی شہادت الحسین } مولفہ مولانا لطیف الدین صاحب مدرس مدرسہ نظامیہ فرنگی محل، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۸۴ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، قیمت ۸/، پتہ سلیم الدین احمد صاحب احاطہ خانساماں متصل باغ مولوی انوار صاحب لکھنؤ،

شیعہ سنی مناظروں نے اب یہانتک نوبت پہنچا دی ہے، کہ بعض سنی بھی شیعوں کی تحریرون سے مشتعل ہو کر ان کی تقلید میں بسا اوقات اعتدال سے بڑھ جاتے ہین، اور یزید کی خلافت کے اثبات اور حضرت امام حسینؓ کے جہاد اور آپکی کی شہادت پر بحث شروع کر دیتے ہیں، ابصار العینین میں مذہب اور عقائد کی روشنی میں اس قسم کے خیالات کی تردید کی گئی ہے، گو ہم کو اسکی تمام تفصیلات سے اتفاق نہیں ہے لیکن اس میں شبہہ نہیں ہے، کہ خلافت نیابت نبوی اور اقامت دین کا منصب جلیل ہے، اس لحاظ سے یزید کی حکومت قطعی خلافت نہ تھی، یہ اور بات ہے کہ اس عہد کے علمأ نے اسلامی مصالح اور مسلمانوں کی مرکزیت کو قائم رکھنے کے لئے اس کو خلافت کا محض نام دیدیا تھا،

(م)

دارالمصنفین کی ادبی کتابیں

شعر الہند حصہ اول، جس میں قدماء کے دور سے لے کر دورِ جدید تک اردو شاعری کے تاریخی تغیرات و انقلابات کی تفصیل کی گئی ہے، اور ہر دور کے مشہور اساتذہ کے کلام کا باہم موازنہ و مقابلہ کیا گیا ہے، کاغذ اور لکھائی چھپائی اعلیٰ مطبوعہ معارف پریس، ضخامت ۴۵۸ صفحے قیمت للعہ، ازمولنا عبدالسلام ندوی،

حصہ دوم، جس میں اردو شاعری کے تمام اصناف یعنی غزل، قصیدہ، مثنوی اور مرثیہ وغیرہ پر تاریخی و ادبی حیثیت سے تنقید کی گئی ہے، کاغذ اور کتابت عمدہ، ضخامت ۴۵۹ صفحے، قیمت:- للعہ

گلِ رعنا- اردو زبان کی ابتدائی تاریخ اور اس کی شاعری کا آغاز، اور عہد بعہد کے اردو شعراء کے صحیح حالات اور ان کے منتخب اشعار، اردو میں شعراء کا یہ پہلا مکمل تذکرہ ہے جس میں آبِ حیات کی غلطیوں کا ازالہ کیا گیا ہے، ولی سے لیکر حالی و اکبر تک کے حالات، ضخامت ۵۴۴ صفحے، قیمت:- صہ، ازمولنا سید عبدالحئی صاحب مرحوم،

مکاتیب شبلیؒ، مولنا شبلی مرحوم کے دوستوں، عزیزوں، شاگردوں کے نام خطوط کا مجموعہ جس میں مولنا کے قومی خیالات اور علمی، تعلیمی اور ادبی نکات ہیں، یہ درحقیقت مسلمانوں کی تیس برس کی تاریخ ہے، طبع دوم،

حصہ اول- ضخامت ۴۴۹ صفحے، قیمت:- ہیر

حصہ دوم، ، ۲۹۱ ، ، ۱۲ر

موازنۂ انیس و دبیر (ازمولنا شبلیؒ) اردو کے مشہور باکمال شاعر میرانیس کی شاعری پر ریویو اور اردو میں فصاحت و بلاغت کے اصول کی تشریح، مرثیہ کی تاریخ، میرانیس کے بہترین مرثیوں کا انتخاب اور مرزا دبیر سے ان کا موازنہ، اردو میں اپنے فن میں یہ پہلی کتاب ہے ضخامت ۲۸۴ صفحے، قیمت: ے ر سے ر

کلیات شبلی اردو، مولنا کی تمام اردو نظموں کا مجموعہ جس میں مثنوی صبح امید، قصائد جو مختلف مجلسوں میں پڑھے گئے، اور وہ تمام اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور تاریخی نظمیں، جو کانپور، ٹرکی، طرابلس، بلقان، مسلم لیگ، مسلم یونیورسٹی وغیرہ کے متعلق لکھی گئی ہیں یکجا ہیں، یہ نظمیں درحقیقت مسلمانوں کے چہل سالہ جد و جہد کی ایک مکمل تاریخ ہے، لکھائی چھپائی کاغذ اعلیٰ، ضخامت ۱۳۰ صفحے، قیمت:- عہ

(افاداتِ مہدی)، ملک کے نامور انشاپرداز مہدی حسن مرحوم افادی الاقتصادی کے ۳۰ مضامین کا مجموعہ مع مقدمہ و ضمیمہ جات، مطبوعہ معارف پریس اعظم گڈھ، لکھائی چھپائی عمدہ، قیمت: ہیر حجم ۲۷۵ صفحے،

سرگذشت ادب ترکی، جس میں ترکی ادب کی مختصر ابتدائی تاریخ دلآویز انداز میں بیان کی گئی ہے، ۲ر کے ٹکٹ بھیج کر طلب کریں، (ازمولنا سید ریاست علی ندوی)

دارالمصنفین کی جدید فہرست

اور

کتابوں کی قیمتوں میں غیر معمولی تخفیف

۱۹۳۵ء سے ہم نے دارالمصنفین کی تمام مطبوعات کی قیمتوں میں غیر معمولی کمی کر دی ہے، مکتبۂ دارالمصنفین کی نئی فہرست مرتب ہو کر شائع ہو گئی ہے، امید ہے کہ جو لوگ اس وقت تک دارالمصنفین کی تصنیفات سے محروم تھے وہ اس موقع سے فائدہ اٹھائینگے، فہرست طلب کرنے پر مفت روانہ کیجائے گی،

قیمتوں کی اس تخفیف میں دارالمصنفین کے دو اہم سلسلۂ کتب سیرۃ النبی اور سیر الصحابہ کے مکمل سٹ کی قیمتوں میں غیر معمولی رعایت رکھی گئی ہے،

سیرۃ النبیؐ کی تمام جلدوں کی مجموعی رعایتی قیمت اٹھارہ روپیہ ہوتی ہے، اس کا مکمل سٹ صرف پندرہ روپیہ میں دیا جاتا ہے،

سیر الصحابہؓ کی تمام جلدوں کی مجموعی قیمت ۲۷ / ۸ ہے لیکن اسکا مکمل سٹ صرف بیس روپیہ میں دیا جائیگا لیکن واضح رہے کہ سٹ کی یہ رعایتی قیمت صرف انہی لوگوں کے لئے ہے، جو دارالمصنفین سے براہ راست کتابیں خریدیں،

تاجر صاحبان کو سٹ کی رعایتی قیمت پر کمیشن نہیں دیا جا سکتا، کمیشن کی رعایت بہر صورت جلدوں کی انفرادی قیمتوں پر ہوگی،

مسعود علی ندوی ـــ منیجر دارالمصنفین ـــ اعظم گڈھ

(مطبع معارف میں محمد اویس وارثی نے چھاپ کر شائع کیا)